تالیف:
حضرت مولانا سید احمد حسن محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ
تفسیر
احسن التفاسیر
اردو
www.KitaboSunnat.com
ہدیہ منجانب
بلال گروپ آف انڈسٹریز
لاہور کراچی

وقف
سورة فاتحة الكتاب سبعة آيات مكية
بسم الله الرحمن الرحيم
الحمد لله رب العلمين الرحمن الرحيم
ملك يوم الدين إياك نعبد
في كتاب مكنون
وقف

وقف
وإياك نستعين اهدنا الصراط
المستقيم صراط الذين أنعمت عليهم
غير المغضوب عليهم ولا الضالين
وقف

وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ إِلَّا جِئْنَاكَ بِالْحَقِّ وَأَحْسَنَ تَفْسِيرًا

قرآن مجید مترجم

ترجمہ حضرت شاہ عبد القادر صاحب دہلوی المتوفی ۱۲۳۰ھ

مع تفسیر

احسن التفاسیر

اردو

جس میں احادیث حسنہ صحیحہ اور اقوال صحابہ ودیگر سلف سے قرآن حکیم کی تفسیر کی گئی ہے اور صحت روایت کا حد درجہ خیال رکھتے ہوئے معتبرو مسلمہ تفاسیر مثلاً تفسیر ابن جریر، ابن کثیر، معالم، خازن، درمنثور اور فتح البیان کے اہم مطالب کا بہترین انتخاب ہے۔ نیز آیات کریمہ کے شانِ نزول... بہ التزام صحت سند لائے گئے ہیں۔

از تالیفاتِ عالیہ

عمدۃ المفسرین سند المحدثین علامۃ الزمن حضرت مولانا سید احمد حسن دہلوی المتوفی ۱۳۳۸ھ تغمدہ اللہ بجودہ

مصنف تنقیح الرواۃ فی تخریج احادیث المشکوٰۃ وغیرہ۔

تخریج احادیث :۔ حافظ عبد الرحمٰن گوہڑوی

جلد چہارم

(جو منزل چہارم پر مشتمل ہے)

المکتبۃ السلفیۃ شیش محل روڈ، لاہور ۲

سلسلہ مطبوعات نمبر ۹

طبع اول رمضان المبارک ۱۳۹۳ھ (اکتوبر ۱۹۷۳ء)
طبع دوم رمضان المبارک ۱۴۰۹ھ (اپریل ۱۹۸۹ء)

طابع:- حافظ احمد شاکر

ناشر:- المکتبۃ السلفیہ - لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ابتدائی گذارش

اللہ کا شکر ہے کہ تفسیر احسن التفاسیر —— جدید انداز اور اپنی خصوصیات کے ساتھ —— کی چوتھی جلد طباعت کے مراحل طے کر چکی ہے فللہ الحمد و منہ التوفیق سبحانہ وتعالیٰ تیسری جلد ۱۳۸۵ھ ۱۹۶۵ء میں چھپی تھی۔ اس طویل وقفہ کے ظاہری اسباب میں ہماری تنگ دامانی، پھر کاغذ کی کمر توڑ گرانی بلکہ نایابی نیز ملک کے تیزی سے بدلتے ہوئے بلکہ دگرگوں حالات کا بہت سارا دخل ہے۔ نظر بریں ہم اپنے صارفین اور تفسیر ہذا کے شائقین سے بجا طور پر متوقع ہیں کہ وہ اس جبری تاخیر پر معذور خیال فرمائیں گے۔

اس جلد تک سوا اٹھارہ پارے ہوتے ہیں پس ابھی پونے بارہ پاروں پر مشتمل تین جلدیں باقی ہیں اللہ تعالیٰ کی توفیق خاص سے اگر حالات سازگار رہے تو اپنا ارادہ باقی حصوں کی جلد از جلد تکمیل کا ہے چنانچہ پانچویں جلد کا کام ابھی سے شروع کیا جا رہا ہے۔

تخریج احادیث کے سلسلے میں مراجعت کردہ کتابوں کی تعارفی فہرست ہر جلد کے آخر میں دے دی گئی ہے تاکہ ضرورت کے وقت ان کی طرف رجوع کرنے میں آسانی رہے۔ جلد ہذا میں بعض مزید کتابوں کے نام آتے ہیں یا بعض کی طباعت مختلف ہے، سابق جلدوں کی طرح ان کا نقشہ الگ سے نہیں دیا گیا کیونکہ متعلقہ مقامات پر ان کی وضاحت کر دی گئی ہے۔ تاہم دوسری اور تیسری جلدوں کی طرح اشاریہ روایات اس جلد میں بھی شامل ہے۔ جو عزیزم مولوی حافظ احمد شاکر کی کاوش کا نتیجہ ہے۔ سلمہ اللہ تعالیٰ و وفقہ لمرضیاتہ۔

آخر میں راقم عاجز کو بعنوائے حدیث شریف مَنْ لَمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللهَ (مشکوٰۃ) اپنے محب محترم الحاج مولوی عبد الغفور صاحب قریشی امرتسری دام مجدہ (لاہور) کا شکریہ ادا کرنا ہے جن کی ہمت ہی سے اس جلد کے لیے کاغذ (جتنا کچھ بھی ممکن ہوا) مہیا ہو سکا ہے واقعہ یہ ہے کہ اگر ان کی بروقت

اعانت شامل حال نہ ہوتی تو اس جلد کے مزید مؤخر ہو جانے کا خدشہ تھا۔ فجزاہ اللہ جزاءً حسنا۔

اب بھی جیسا کہ جلد اول کے ابتدائیہ میں لکھا گیا تھا اللہ جل شانہٗ کے حضور یہی دعا ہے کہ اس کام کی باحسن اسلوب تکمیل کی توفیق اور اخلاص کی دولت پھر قبولیت سے بہرہ ور فرمائے۔ آمین۔

خاکسار۔ محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی

مدیر المکتبۃ السلفیہ لاہور

رمضان المبارک ۱۳۹۳ھ

اکتوبر ۱۹۷۳ء
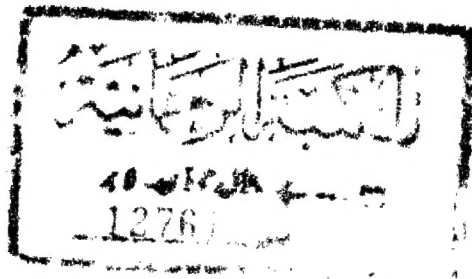
فہرست مطالب تفسیر احسن التفاسیر جلد چہارم

تفسیر
احسن التفاسیر
منزل چہارم
۱۶ ـــــــــ ۲۰۰
بنی اسرائیل ـــــــــ الفرقان

اٰیاتها ۱۱۱ (۱۷) سُوۡرَةُ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ مَکِّیَّةٌ (۵۰) رُکُوۡعَاتُهَا ۱۲

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِهٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ

پاک ذات ہے جو لے گیا اپنے بندہ کو راتوں رات ادب والی مسجد سے پرلی مسجد تک

صحیحین اور کتبِ حدیث میں معراج کی جو کیفیت اور حال ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں حطیم میں جو بیت اللہ کی مغرب کی طرف ایک چار دیواری ہے لیٹا ہوا تھا کہ اللہ کی طرف سے ایک شخص نے آن کر میرا سینہ چاک کیا اور آبِ زمزم سے میرا دِل دھو کر اور حکمت اور ایمان سے بھر کر پھر سینہ میں رکھ دیا اور پھر ایک جانور سفید رنگ جس کا نام براق ہے میں سوار ہُوا جو گدھے سے بڑا اور خچر سے چھوٹا تھا اور حضرت جبرئیلؑ میرے ساتھ ہُوئے اور ہم بیت المقدس پہنچے وہاں نماز کا وقت آگیا حضرت جبرئیلؑ نے میرا ہاتھ پکڑ کے امام بنایا۔ میں نے نماز پڑھائی اور سب انبیاءؑ بھی موجود تھے انہوں نے مقتدی بن کر میرے پیچھے نماز پڑھی پھر میں اور حضرت جبرئیلؑ اوّل آسمان پر پہنچے حضرت جبرئیلؑ نے دربانوں سے آسمان کا دروازہ کھولنے کو کہا دربانوں نے پوچھا کہ تم کون ہو حضرت جبرئیلؑ نے جواب دیا۔ محمدؐ ہیں۔ دربانوں نے کہا کیا یہ بُلائے ہُوئے آئے ہیں حضرت جبرئیلؑ نے کہا کہ ہاں پھر اوّل آسمان پر حضرت آدمؑ سے ملاقات ہُوئی اسی طرح ہر ایک آسمان کے دروازے حضرت جبرئیلؑ نے کھلوائے اور ہر ایک آسمان پر حضرت عیسیٰؑ و موسیٰؑ و ابراہیمؑ وغیرہم سے ملاقات ہُوئی پھر عرشِ معلّی کے دائیں طرف ایک بیری کا پیڑ ہے جس کے پتے ہاتھی کے کان کے برابر تھے جس کا نام سدرۃ المنتہیٰ ہے وہاں پہنچے اس بیری پر سنہری پروانے نہایت خوبصورت طرح طرح کے تھے اور اللہ کے نور کی تجلی کی وُہ کیفیت تھی جس کو میں بیان نہیں کر سکتا۔ پھر پہلے پچاس نمازیں دن رات میں فرض ہُوئیں اور حضرت موسیٰؑ کے مشورہ دینے سے کئی دفعہ کی میری تخفیف کی التجا میں آخر کو پانچ رہیں[1] اکثر صحابہؓ کا یہ مذہب ہے کہ معراج کی رات آنکھوں کی ظاہری بصارت سے تو آنحضرتؐ نے اللہ کے نور کی تجلّی فقط دیکھی ہے۔ ہاں دل کی بصیرت سے اپنی عمر میں خود اللہ تعالیٰ کو آپؐ نے دیکھا ہے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے یہ جو روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے اس کا سبب یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے اس باب میں دو طرح کی روایتیں آئی ہیں ایک تو وُہ روایتیں ہیں جن میں فقط یہ مطلق ذکر ہے کہ آنحضرتؐ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے۔ ان مطلق روایتوں کو نسائی حاکم ابن خزیمہ اور ابن اسحاق نے روایت کیا ہے[2]۔ دوسری روایتیں وُہ ہیں جن میں دل سے دیکھنے کی قید ہے ان روایتوں کو مسلم وغیرہ نے روایت کیا ہے[3] حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں یہ فیصلہ کیا ہے کہ ان مطلق روایتوں کے یہی معنے ہیں کہ دل کی آنکھوں سے آنحضرتؐ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے[4] کیونکہ صحیح مسلم اور تفسیر ابن مردویہ میں سندِ صحیح سے جو حضرت

[1] صحیح بخاری ص ۵۰ ج ۱ [2] تفسیر دُرّ منثور ص ۱۹۱ ج ۴ [3] صحیح مسلم ص ۹۸ ج ۱ هل رأى النبي صلى الله عليه وسلم ربه ليلة الاسراء۔ [4] ص ۳۴۷ ج ۴ تفسیر سورۃ والنجم۔

الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ①

جس میں ہم نے خوبیاں رکھی ہیں کہ دکھاویں اس کو کچھ اپنی قدرت کے نمونے ۔ وہی ہے سنتا دیکھتا ۔

عبداللہؓ بن عباس کی روایت ہے اس میں خود حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اس بات کو اچھی طرح ظاہر اور خوب کھول کر صاف لفظوں میں بیان کر دیا ہے کہ جسم کی آنکھوں سے آنحضرتؐ نے اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا بلکہ دل کی آنکھوں سے دیکھا ہے غرض جسم کی آنکھوں سے آنحضرتؐ کا اللہ تعالیٰ کو دیکھنا کسی حدیث یا کسی صحابی کے قول سے صاف طور پر ثابت نہیں ہوتا ہے اسی واسطے حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں اس مسئلہ کو سب صحابہ کا اجماعی مسئلہ ٹھہرایا ہے اور صاف کہہ دیا ہے کہ آنحضرتؐ کا جسم کی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کو دیکھنا کسی صحابی کا بھی مقولہ نہیں ہے[1] یہ بھی ایک بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ آنحضرتؐ کا اللہ تعالیٰ کو دل کی آنکھوں سے دیکھنا اس طرح کا نہیں تھا کہ جس طرح دل میں ایک چیز کا تصور آجاتا ہے کیونکہ اس طرح کا اللہ کا تصور تو ہر مسلمان کے دل میں ہے بلکہ جس طرح کی بینائی کی قوت اللہ نے آنکھوں میں پیدا کی ہے وہ قوت اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کے دل میں پیدا کی اور آنحضرتؐ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا اور باتیں کیں پہلے جب اللہ نے پوچھا کہ محمدؐ تم کو کچھ معلوم ہے کہ یہ اس وقت آسمان پر فرشتے کس چیز کے ثواب کے لکھنے میں جھگڑ رہے ہیں تو آنحضرتؐ نے جواب دیا کہ یا اللہ مجھ کو خبر نہیں پھر جب اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ آنحضرتؐ کے شانوں کے بیچ میں رکھا تو آنحضرتؐ فرماتے ہیں کہ اس ہاتھ کے رکھتے ہی مجھ کو آسمان اور زمین کا سب حال کھل گیا اور میں نے اللہ تعالیٰ کو جھٹ جواب دے دیا کہ اس وقت فرشتے جاڑے کے موسم میں وضو اور مسجد میں جانے کے ثواب کے لکھنے پر جھگڑ رہے ہیں اس حدیث کو امام احمد بن حنبلؒ نے اپنی مسند میں صحیح روایت سے خوب تفصیل کے ساتھ روایت کیا ہے[2] حاصل کلام یہ ہے کہ آنکھوں سے کسی چیز کو دیکھنے سے مقصد یہی ہے کہ وہ چیز دل میں تہ نشین ہو جاوے اور دنیا کی بینائی میں اللہ کے دیکھنے کی قوت نہیں۔ چنانچہ صحیح مسلم اور صحیح ابن خزیمہ کی روایت میں آپ نے صاف فرما دیا ہے کہ جب تک آدمی مر کر پھر نہ جیوے خدا کو ہرگز نہیں دیکھ سکتا[3] اس واسطے اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کے دل میں ایک خاص قوت بینائی کی پیدا کی تاکہ آنحضرتؐ کے دل میں اللہ تعالیٰ کی صورت خوب تہ نشین ہو جاوے اور اس تہ نشینی میں ایک فضول واسطہ آنکھوں کا بھی باقی نہ رہے آنکھوں کے دیکھنے سے یہ دیکھنا ہزار درجہ بڑھ کر تھا جس کو خدا تعالیٰ نے اپنی حکمت سے پسند فرمایا ہے ورنہ عام جنتی لوگوں کی نگاہ میں جو قوت اللہ تعالیٰ اپنے دیدار کی آخرت میں دیوے گا وہ قوت دنیا میں اللہ تعالیٰ کو اپنے نبی کی نگاہ میں پیدا کر دینی کچھ دشوار نہ تھی خاص دل سے آنکھوں کا کام لینے میں بہت بڑا بھید ہے یہ معراج کی حدیث صحیح بخاری میں انس بن مالکؓ کی روایت کی کئی سندوں سے ہے ان میں شریک بن عبداللہ کی سند سے جو روایت ہے اس میں یہ ذکر ہے کہ معراج کی رات اللہ تعالیٰ کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا[4] اس کا بھی وہی مطلب ہے کہ دل کی بینائی سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا کیونکہ بغیر اس مطلب کے صحیح حدیثوں میں مطابقت نہیں ہو سکتی حافظ ابن قیمؒ نے زاد المعاد میں اس

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۲۵۰ تفسیر سورہ والنجم ج ۴ [2] مشکوٰۃ باب المساجد و مواضع الصلوٰۃ فصل ثالث [3] فتح الباری ص ۳۴۷ ج ۴ تفسیر سورہ والنجم [4] صحیح بخاری ۱۱۲۰ ج ۲ باب قول اللہ تعالیٰ وکلم اللہ موسیٰ تکلیما ۲ ۔

وَاٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ

اور دی ہم نے موسیٰ کو کتاب اور وہ سوجھ دی بنی اسرائیل کو کہ نہ حوالے کرو میرے سوا کسی پر

دُوْنِيْ وَكِيْلًا ۝۲ ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ۭ اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا ۝۳

کام۔ تم جو اولاد ہو ان کی جن کو لادا تھا ہم نے نوح کے ساتھ وہ تھا بندہ حق ماننے والا۔

مسئلہ کا یہ فیصلہ جو کیا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام کو اصلی صورت میں جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات میں دیکھا ہے سورۂ والنجم میں تو اسی کا ذکر ہے لیکن معراج کی حدیثوں میں یہ ذکر ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا اس فیصلہ کا بھی وہی مطلب ہے جو معراج کی صحیح حدیثوں کی مطابقت کے لحاظ سے حافظ ابن حجرؒ نے بیان کیا۔ صحیح بخاری و مسلم میں جابرؓ سے جو روایت ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کے موافق ایک رات کی تھوڑی سی دیر میں بیت المقدس تک کے آنے جانے کے سفر کا ذکر قریش سے کیا تو ان لوگوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلانا چاہا اور یہ کہا کہ تجارت کی ضرورت سے ہم لوگ اکثر ملک شام کا سفر کرتے رہتے ہیں اگر آپ اپنے بیان میں سچے ہیں تو ہم بیت المقدس کی چند نشانیاں پوچھتے ہیں وہ نشانیاں بیان کی جاویں اس پر اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو اپنے رسول کی نظر کے سامنے کھڑا کر دیا اور آپؐ نے قریش کو بیت المقدس کی سب نشانیاں بتلا دیں[1]۔ اس حدیث کو آیت کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس سے یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آسکتی ہے کہ معراج کے آسمانوں کے سفر کو چھوڑ کر فقط بیت المقدس تک کا سفر اس لیے آیت میں بیان فرمایا گیا ہے کہ قریش اس کی تصدیق کر لیویں اور قرآن کا کلام الٰہی ہونا ان کی سمجھ میں اچھی طرح آجاوے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اسریٰ بعبدہٖ جو فرمایا اس سے ان علماء کے قول کی پوری تائید ہوتی ہے جو جسمانی معراج کے قائل ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے جسم اور روح دونوں ملا کر بعبدہٖ فرمایا ہے۔ بیت المقدس کے گرد و نواح میں پانی کی نہروں کی کھیتی اور باغات کی کثرت ہے اس لیے اس کو بارکنا حولہٗ فرمایا تھوڑی دیر میں مسجد حرام سے بیت المقدس کو پہنچ جانا اور وہاں سب انبیاء سے ملاقات کا ہونا اسی کو قدرت کے نمونے فرمایا السمیع البصیر۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ معراج کی کیفیت کو سن کر قریش جو باتیں کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان سب کو سنتا اور دیکھتا ہے۔ حاصل مطلب آیت کا یہ ہے کہ جس پاک ذات میں یہ قدرت ہے کہ اس نے اپنے بندہ اور رسول کا اتنا بڑا معراج کا سفر تھوڑی دیر میں طے کرا دیا جو لوگ اس کی قدرت میں غیروں کو شریک کرتے ہیں وہ بڑے نادان ہیں۔

۲-۳:۔ اللہ پاک نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معراج کا ذکر فرما کر اپنے خاص بندے حضرت موسیٰ کلیم اللہ کا ذکر کیا اور اکثر جگہ اللہ پاک نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے کلام قرآن مجید کے ذکر کے ساتھ حضرت موسیٰؑ اور اپنی کتاب پاک توریت کا ذکر کیا ہے اس لیے یہاں فرمایا پاک ذات ہے وہ جس نے موسیٰ علیہ السلام پر جو کتاب توریت نازل کی تھی اسے بنی اسرائیل کیلئے

[1] صحیح بخاری ص ۶۸۴ ج ۲ باب قولہ تعالیٰ اسریٰ بعبدہٖ لیلا الخ

وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ فِى الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِى الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَ
اور صاف کہہ سنایا ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب میں کہ تم خرابی کروگے ملک میں دو بار اور
لَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا ④ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ
چڑھ جاؤگے بڑی طرح چڑھنا۔ پھر جب آیا پہلا وعدہ اٹھائے ہم نے تم پر بندے اپنے

راہبر ٹھہرایا تھا کہ وُہ لوگ اس کے احکام کی پیروی کر کے ہدایت پائیں اور گمراہی سے نکل کر راہِ حق کے پورے پورے تابع ہو جاویں اور سوائے خداوند جل شانہٗ کے کسی اور کو اپنے کسی معاملہ میں وکیل نہ بنائیں مدد بھی چاہیں تو اسی وحدہٗ لاشریک سے اور عبادت کریں تو اسی ذات خاص کی اور اللہ پاک نے اور جتنے رسُول بھیجے سب کو یہی تعلیم تھی کہ لوگوں کو وُہ اسی رَاستے پر بلائیں اور یہی پیغام لوگوں کو پہنچائیں کہ خدا کو اکیلا معبود تصور کرو اور قول اور فعل میں اس ذات وحدہٗ لاشریک کے ساتھ شریک نہ ٹھہراؤ۔ پھر اللہ پاک نے اس آیت میں یہ ذکر فرمایا کہ تم جانتے ہو کہ کس کی اولاد تم ہو تم سب حضرت نوحؑ کی اولاد ہو۔ جب حضرت نوحؑ طوفان کے وقت کشتی میں سوار ہوئے تھے اور چالیس نفر کے ہمراہ جودی پہاڑ کے نیچے اترے تو تھوڑے عرصہ میں سب کے سب فوت ہو گئے صرف آپ کے صاحبزادے حام سام یافث دنیا میں صحیح و سلامت رہے جن کی نسل سے یہ دُنیا آباد ہوئی فرمایا کہ تمہارے باپ حضرت نوحؑ خدا کے نہایت ہی شکر گذار بندے تھے اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے کھاتے پیتے ہر ایک کام اور ہر ایک وقت میں خدا کا شکر بجا لایا کرتے تھے اس واسطے تمہیں بھی لازم ہے کہ تم ان کی پیروی کرو اور ان کا طریقہ اختیار کرو جس طرح وُہ ہر گھڑی خدا کا شکر کیا کرتے تھے اور کوئی گھڑی خدا کے حمد اور شکر سے غافل نہیں رہتے تھے تم بھی خدا کے شکر سے غافل نہ رہو اور ہر وقت خدا کی نعمت یاد کرتے رہو یہ کتنا بڑا خدا کا انعام تم پر ہوا ہے کہ اس نے تمہاری ہدایت کے لیے رسُول برحق حضرت محمد صلعم کو بھیجا اس نعمت کی شکر گذاری یہی ہے کہ تم ان رسُول کی فرمانبرداری کر کے عقبٰے کی بہبودی حاصل کرو۔ صحیح بخاری و مسلم میں ابوہریرہؓ کی روایت ہے جس میں اہلِ محشر کا سب انبیاء کے پاس شفاعت کے لیے قیامت کے دن جانے کا ذکر ہے۔ اس حدیث میں ہے کہ اہل محشر نوح علیہ السلام سے یہی کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کا نام شکر گذار بندہ رکھا ہے اس لیے آپ ہماری شفاعت کیجیے[1] شکر گذار بندہ کے نام سے جو شہرت نوح علیہ السّلام کی ہے اس کا مطلب اس حدیث سے اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے۔

۴-۸:۔ اللہ پاک نے بنی اسرائیل کے حال سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی کہ اللہ تعالیٰ نے توریت میں اس بات کی خبر بنی اسرائیل کو دیدی تھی کہ وُہ دو بار دُنیا میں فساد برپا کریں گے اور دونوں دفعہ ذلیل وخوار ہوں گے اور ویسا ہی ہوا۔ ایک دفعہ انہوں نے توریت کی مخالفت کی اور زکریا علیہ السّلام کو ان لوگوں نے قتل کیا اللہ پاک نے اپنے قوی اور زور آور بندوں کو ان پر مقرر اور مسلط کر دیا حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ جالوت اور اس کا لشکر

[1] صحیح بخاری ص ۴۷۰ ج ۱ باب قول اللہ عزوجل ولقد ارسلنا نوحًا الخ

أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ فَجَاسُوا خِلَالَ الدِّيَارِ ۚ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُولًا ﴿٥﴾ ثُمَّ

سخت لڑائی والے پھر پھیل پڑے شہروں کے بیچ اور وہ وعدہ ہونا ہی تھا۔ پھر

رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَأَمْدَدْنَاكُم بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَجَعَلْنَاكُمْ

ہم نے پھیری تمہاری باری ان پر اور زور دیا تم کو مال سے اور بیٹوں سے اور اس سے زیادہ کر دی

أَكْثَرَ نَفِيرًا ﴿٦﴾ إِنْ أَحْسَنتُمْ أَحْسَنتُمْ لِأَنفُسِكُمْ ۖ وَإِنْ أَسَأْتُمْ فَلَهَا ۚ

تمہاری بھیڑ۔ اگر بھلائی کی تم نے تو بھلا کیا اپنا اور اگر برائی کی تو آپ کو

تھا اُس نے یہود کے علماء کو چُن چُن کر قتل کر ڈالا اور توریت کو آگ میں جلا دیا اور مسجد اور گھروں میں گھس گھس کر لوگوں کو قتل و غارت کرنا شروع کیا اور ستر ہزار آدمی انہوں نے قید کر لیے جاسوا خلل الدیار کے معنے یہ ہیں کہ شہروں میں گھس گھس کر اور ہر گلی کوچہ میں ڈھونڈ ڈھونڈ کر بنی اسرائیل کو تباہ و برباد کیا اور یہ وعدہ اللہ پاک کا ضرور ہونے والا تھا اس میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں کہ رُک جاتا پھر اللہ پاک نے یہ بات فرمائی کہ جب بنی اسرائیل اپنے کردارِ بد سے تائب ہُوئے اور فساد کرنے سے باز آئے تو ہم نے ان کی باری پھیری اور حضرت داؤد علیہ السلام کو اٹھایا انہوں نے جالوت کو قتل کیا بنی اسرائیل صاحبِ مال و دولت ہُوئے اور ان کی اولاد دوبارہ بڑھی ان کے لشکر پھر فراہم ہونے لگے پھر وہی قوت ان کو حاصل ہو گئی پہلی مرتبہ ان کے بہت سے لوگ قتل ہُوئے تھے اور کثیر التعداد آدمی گرفتار ہوئے تھے جس کی وجہ سے ان کی جمعیت میں کمی ہو گئی تھی اور بہت سے مال ضائع و برباد ہو گئے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنا فضل کیا اور دوبارہ از سرِ نو وہی ساز و سامان ان کے لیے مہیا کر دیا لیکن ان کو یہ بات جتلا دی تھی کہ دیکھو یاد رکھو اب بھی اگر ٹھیک راہ پر رہے اور نیکوکار بنے رہے تو تمہاری ہی جان کو اس سے فائدہ پہنچے گا تم کبھی ذلیل و خوار نہ ہو گے اور نہ کبھی تباہ و برباد ہو گے اور اگر پھر اگلی سی حرکت کی اور وہی فساد برپا کیا تو پھر تمہاری جان کے لالے پڑ جائیں گے یہ خطاب اگرچہ بنی اسرائیل کو تھا مگر کفار قریش بھی اس میں شامل ہیں کہ اگر تم بھی ویسا ہی فساد کرو گے اور کتاب اللہ کی مخالفت پر آمادہ ہو کر نبی برحق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلاؤ گے تو اس کا وبال تمہاری گردن پر پڑے گا بہرحال بنی اسرائیل پھر بھی راہِ راست پر نہیں آئے اور پھر وہی فساد اٹھانے لگے اور حضرت یحییٰ بن زکریا علیہ السلام کو ایک عورت کی فرمائش سے ایک بادشاہ نے جو بنی اسرائیل کی قوم میں سے تھا قتل کروا ڈالا حضرت یحییٰ کا نام انجیل میں یوحنا ہے اور یہ قصہ انجیل میں مذکور ہے پھر تو اللہ پاک نے فارس کے لوگوں میں سے ایک شخص بخت نصر کو ان پر مسلط کر دیا اس نے وہ قتل و غارت کیا کہ پناہ بخدا اس نے بیت المقدس کو ویران کر دیا اور جب تک اس کا غلبہ رہا یہی برتاؤ بنی اسرائیل کے ساتھ کرتا رہا پھر اللہ پاک نے بنی اسرائیل کو فرمایا کہ تمہارا رب برسرِ رحم آ گیا ہے اگر راہِ راست پر آ گئے تو پھر وہی شان و شوکت تمہیں دے گا اور پھر وہی دولت تمہیں مل جائے گی۔ ضحاک نے کہا ہے کہ یہ رحمت جس کا اللہ پاک نے بنی اسرائیل سے وعدہ کیا تھا جنابِ سرورِ کائنات فخرِ موجودات صلعم ہیں اور یہ بھی اللہ پاک نے انہیں جتلا دیا تھا کہ اگر پھر تیسری دفعہ وہی کام کرو گے اور وہی فساد اٹھاؤ گے تو یاد رکھو ہم وہی عذاب تم پر نازل کریں گے

فَاِذَا جَآءَ وَعۡدُ الۡاٰخِرَةِ لِيَسُوۡٓءٗا وُجُوۡهَكُمۡ وَلِيَدۡخُلُوا الۡمَسۡجِدَ كَمَا

پھر جب پہنچا وعدہ پچھلی بلد کا کہ وہ لوگ اداس کریں تمہارے منہ اور گھس بیٹھیں مسجد میں جیسے گھس بیٹھے

دَخَلُوۡهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّلِيُتَبِّرُوۡا مَا عَلَوۡا تَتۡبِيۡرًا ۝۷ عَسٰى رَبُّكُمۡ اَنۡ يَّرۡحَمَكُمۡ ۚ

پہلی بار اور خراب کریں جس جگہ غالب ہوں پوری خرابی ۔ آیا ہے رب تمہارا اس پر کہ تم کو رحم کرے

وَاِنۡ عُدۡتُّمۡ عُدۡنَا ۘ وَجَعَلۡنَا جَهَنَّمَ لِلۡكٰفِرِيۡنَ حَصِيۡرًا ۝۸ اِنَّ هٰذَا الۡقُرۡاٰنَ

اور اگر پھر وہی کروگے تو ہم پھر وہی کریں گے اور کیا ہے ہم نے دوزخ منکروں کا بندی خانہ۔ یہ قرآن بتاتا ہے وہ

يَهۡدِىۡ لِلَّتِىۡ هِىَ اَقۡوَمُ وَيُبَشِّرُ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ الَّذِيۡنَ يَعۡمَلُوۡنَ الصّٰلِحٰتِ

راہ جو سب سے سیدھی ہے اور خوشی سناتا ہے ان کو جو یقین لائے اور کیں نیکیاں

وقف لازم

ہمارے ہاتھ سے تمہیں رہائی نہیں مل سکتی اہل تاریخ کہتے ہیں کہ تیسری بار پھر انہوں نے وہی حرکت کی جو انہیں لائق نہیں تھی کہ ان کی کتاب میں جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ثنا و صفت تھی اُسے بدل ڈالا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلایا اس واسطے اللہ پاک نے بھی وہی برتاؤ ان کے ساتھ کیا اور وہی بربادی ان پر نازل کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب رسول صلعم کے ہاتھوں سے یہ بہت ہی ذلیل و خوار ہوئے۔ خود قتل ہوئے اور ان کی عورتیں اور بچے لونڈیاں اور غلام بنائے گئے ان کے مال و دولت غنیمت میں مسلمانوں کے ہاتھ لگے۔ جزیہ ان پر لگا اہل اسلام کے ماتحت ہو کر رہے۔ اسی کی طرف اللہ پاک نے اشارہ کیا ان عدتم عدنا۔ پھر اللہ پاک نے دنیا کی بربادی بیان فرما کر آخرت کی سزا کا ذکر فرمایا کہ ان کفار کا حال دنیا میں جو کچھ ہوا وہ ہوا آخرت میں بہت ہی برا گھر ان کے واسطے تیار ہے وہاں جہنم کے قید خانہ میں یہ قید رہیں گے صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوموسیٰ اشعری کی روایت ایک جگہ گزر چکی ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نافرمان لوگوں کو مہلت دیتا ہے جب مہلت کے زمانہ میں وہ لوگ اپنی نافرمانی سے باز نہیں آتے تو پھر ان کو کسی ایسے عذاب میں پکڑ لیتا ہے جس سے وہ بالکل ہلاک ہو جاتے ہیں[1] اس حدیث کو آیتوں کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ یہود کی مہلت اور مہلت کے بعد خرابی کا حال بیان کر کے قریش کو یہ سمجھایا گیا ہے کہ اگر تم لوگ بھی مہلت کے زمانہ میں اپنی نافرمانی سے باز نہ آئے تو وہی انجام تمہارا بھی ہوگا جو یہود کا ہوا۔ اللہ سچا ہے اور اللہ کا وعدہ سچا ہے اس وعدہ کا ظہور فتح بدر اور فتح مکہ کے وقت ہوا۔ جس کا قصہ صحیح بخاری و مسلم کی انس بن مالک کی روایتوں[2] کے حوالہ سے کئی جگہ گزر چکا ہے۔

۸-۱۰: بنی اسرائیل کے فساد اور پھر ان کی سزا کا ذکر کر کے اللہ پاک نے قرآن کی ثنا و صفت بیان فرمائی کہ یہ قرآن جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا ہے یہ سراپا ہدایت ہے اور ایسی حالت اور طریقہ کی طرف اس سے ہدایت ہوتی

[1] تفسیر ہذا جلد دوم ص ۲۰۵ بحوالہ صحیح بخاری ص ۶۷۸ ج ۲ وکذلک اخذ ربک الخ [2] صحیح بخاری ۵۶۶ ج ۲ باب قتل ابی جہل و صحیح مسلم ص ۱۰۲ ج ۲ باب غزوۂ بدر

اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا ۝۹ وَّاَنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اَعْتَدْنَا لَهُمْ

کہ ان کو ہے ثواب بڑا۔ اور یہ کہ جو نہیں مانتے پچھلا دن ان کے لئے رکھی ہے ہم نے دکھ

عَذَابًا اَلِيْمًا ۝۱۰ وَيَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَهٗ بِالْخَيْرِ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا ۝۱۱

کی مار۔ اور مانگتا ہے آدمی برائی جیسے مانگتا ہے بھلائی اور ہے انسان اتاؤلا۔

ع ۱ / ۱۰

ہے جو دین اسلام اور توحید خالص اور رسولوں پر ایمان لانا اور خدا کی کل کتابیں جو نازل ہوئی ہیں اوّل سے آخر تک سب پر یقین کرنا اس قرآن مجید کی تعلیم ہے پھر اللہ پاک نے اپنے ایماندار لوگوں کو بشارت سنائی کہ اس کتاب سے خدا اور رسول پر ایمان لانے والے لوگ مژدہ پاتے ہیں جو اچھے اچھے کام دنیا میں کرتے ہیں اور خدا اور رسول کے امر کی تعمیل کر کے مناہی کی باتوں سے بچتے رہتے ہیں انہیں دین و دنیا میں بہت ہی بڑا فائدہ اور اجر ملے گا جنت خاص انہیں لوگوں کے واسطے خدا نے بنا رکھی ہے پھر اللہ پاک نے ان لوگوں کا انجام بیان کیا کہ جو لوگ خدا و رسول اور قیامت کے دن پر ایمان و یقین نہیں رکھتے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہے۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی روایت کی حدیث قدسی ایک جگہ گزر چکی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا نیک لوگوں کے لیے جنت میں جو نعمتیں پیدا کی گئی ہیں وہ نہ کسی نے آنکھوں سے دیکھیں نہ کانوں سے سنیں نہ کسی کے دل میں ان کا خیال گزر سکتا ہے[۱]۔ اسی طرح صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے انسؓ بن مالک کی حدیث بھی گزر چکی ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دوزخ کے عذاب کی جو تفصیل مجھ کو معلوم ہے اگر اس کو میں لوگوں کے سامنے بیان کر دوں تو لوگ ہنسی بھول جاویں اور ہر وقت روتے[۲] رہیں جنت کو اجر کبیر اور دوزخ کو عذاب الیم جو فرمایا یہ حدیثیں گویا اس کی تفسیر ہیں۔

۱۱۔ اس آیت میں اللہ پاک نے انسان کی جلدی و شتابی کرنے کا بیان فرمایا کہ اکثر لوگ تنگ ہو کر جس طرح اپنے لیے اچھی دعائیں خدا سے مانگا کرتے ہیں اسی طرح اپنی جان و مال اور اولاد کے لیے بددعا بھی کرنے لگتے ہیں اور خداوند جل و علا سے اس بات کے خواستگار ہوتے ہیں کہ وہ اس بددعا کو جلدی سے قبول کر لے مگر اللہ پاک کے فضل کو دیکھیے کہ وہ بددعا انسان کے حق میں قبول نہیں کرتا شاذونادر کبھی ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ انسان جیسی فال بد اپنے لیے منہ سے نکالتا ہے ویسا ظہور میں آجاتا ہے مگر ہر وقت اور ہر گھڑی اگر انسان کی بددعا قبول کی جائے تو کہیں ان کا پتہ بھی نہ لگے اور لطف یہ ہے کہ اس بددعا کرنے کے بعد پھر یہ بھی کہنے لگتے ہیں کہ خدا نے ہماری بددعا قبول کرنے میں دیر لگائی اسی کو اللہ پاک نے ارشاد فرمایا کہ انسان بہت ہی جلدباز ہے صحیح مسلم میں جابرؓ بن عبداللہ سے روایت ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے لوگو غصہ کی حالت میں تم اپنی جان اور مال پر بددعا نہ کرو شاید ایسا ہو کہ جس وقت تم بددعا کر رہے ہو وہ وقت قبولیت دعا کا ہو اور وہ تمہاری بددعا قبول ہو جاوے[۳]۔ اس حدیث کو آیت کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مسلمان شخص کو غصہ کی حالت میں ہر طرح کی بددعا سے بچنا چاہیے۔

[۱] صحیح بخاری ص ۴۶۰ ج ۱ باب ما جاء فی صفۃ الجنۃ الخ [۲] الترغیب و الترہیب ص ۳۱۴ ج ۲ الترہیب من النار الخ
[۳] الترغیب ص ۳۰۱ ج ۱ الترہیب من دعاء الانسان علی نفسہ الخ۔

وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اٰيَتَيْنِ فَمَحَوْنَآ اٰيَةَ الَّيْلِ وَجَعَلْنَآ اٰيَةَ النَّهَارِ

اور ہم نے بنائی رات اور دن دو نمونے پھر مٹا دیا رات کا نمونہ اور بنا دیا دن کا نمونہ

مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ

دیکھنے کو کہ تلاش کرو فضل اپنے رب کا اور معلوم کرو گنتی برسوں کی اور حساب

وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلًا ﴿۱۲﴾

اور سب چیز سنائی ہم نے کھول کر۔

۱۲؎۔ اس آیت میں اللہ پاک نے اپنی دونوں نشانیوں رات و دن کا ذکر کیا کہ یہ دونوں دو نشانیاں جدا جدا ہیں ایک ان میں سے تاریک ہے دوسری روشن ہے اور ہر ایک ایک دوسری کے پیچھے اس طرح لگاتار آتی جاتی رہتی ہے کہ کبھی کسی کا دورہ ختم نہیں ہوتا ان میں وہ عجائبات قدرت رکھے ہیں جن کے جاننے اور سمجھنے کی قدرت انسان کو نہیں ہے اور بے شبہ دونوں اللہ کی ہستی کی دلیلیں ہیں پھر یہ ذکر فرمایا کہ ہم نے رات کی نشانی کو اندھیرا کر دیا اور دن کی نشانی کو روشن بنایا پھر اس کے بعد اللہ پاک نے اپنے بندوں پر اس بات کا احسان جتلایا کہ یہ دن و رات اور چاند و سورج کا پیدا کرنا تمہارے نفع کے واسطے ہے اگر رات نہ ہوتی تو تم آرام کب کرتے دن کے تھکے ماندے گھروں میں آکر ٹانگیں پھیلا کر کس طرح سوتے اور پھر اگر ہمیشہ رات ہی رہتی تو تم اپنی قوت لایموت کس وقت حاصل کرتے چلتے پھرتے کب دوست احباب سے ملاقات کب ہوتی غرضکہ ان فوائد اور نفع کے لیے دن اور رات کو خداوند جل شانہٗ نے پیدا کیا جس کی تفصیل انسان کی قدرت سے باہر ہے سینکڑوں فائدے اس رات کی تاریکی میں اللہ جل شانہٗ نے مخفی رکھے ہیں رات کی اوس درختوں پر پڑ کر اس کی نشوونما میں ایک عجیب اثر پیدا کر دیتی ہے بہت سے درخت ایسے ہیں جن میں دن کی دھوپ نہایت ہی مفید ہے دن اگر نہ ہوتا تو انسان رات کے اندھیرے میں رہتے رہتے گھبرا جاتا اسی طرح چاند کو بھی دنیا کی مخلوق میں ایک بڑا دخل ہے اور سورج بھی انسانی فائدہ کا ایک بہت بڑا مرکز قرار دیا جاتا ہے انہیں دونوں کے دورے سے رات و دن کا ظہور ہوتا ہے اور پھر ایام کے حساب کرنے سے ہفتہ اور ہفتوں سے مہینے اور مہینوں سے سال کا حساب انسان لگاتار رہتا ہے اگر تاریخ، روز اور مہینوں کی گنتی یا حساب میں کچھ فرق پڑ جائے تو تمہارے بہت سے کام ابتر ہو جاویں اس لیے اللہ تعالیٰ نے ساری باتیں تفصیل کر کے بیان کر دی ہیں سورۃ توبہ میں گزر چکا ہے کہ دنوں مہینوں اور برسوں کا حساب لوح محفوظ کے نوشتہ کے موافق ہے مشرکین مکہ نے اس حساب میں فرق جو ڈال رکھا تھا اس کو سورۂ توبہ میں اللہ تعالیٰ نے کفر کی رسم فرمایا ہے فتح مکہ کے بعد اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کفر کی رسم کی جو اصلاح کی ہے صحیح بخاری و مسلم کی ابی بکرہ کی حدیث کے حوالہ سے اس کا ذکر بھی سورۂ توبہ میں گزر چکا ہے[1] حاصل یہ ہے کہ سورۂ توبہ کی آیتیں اور ابی بکرہؓ کی حدیث اس آیت کی گویا تفسیر ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ مہینوں اور برسوں کا جو حساب اللہ تعالیٰ نے ٹھہرا دیا ہے اس میں فرق ڈالنا کفر کی رسم ہے۔

[1] تفسیر ہذا جلد دوم ص ۴۳۶

وَكُلَّ إِنْسَانٍ أَلْزَمْنَاهُ طَائِرَهُ فِي عُنُقِهِ ۖ وَنُخْرِجُ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كِتَابًا

اور جو آدمی ہے لگا دی ہے ہم نے بری قسمت اس کی گردن سے اور نکال دکھاویں گے اس کو قیامت کے دن لکھا کہ

يَلْقَاهُ مَنْشُورًا ﴿١٣﴾ اقْرَأْ كِتَابَكَ كَفَىٰ بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيبًا ﴿١٤﴾

پاوے گا اس کو کھلا۔ پڑھ لے لکھا اپنا تو ہی بس ہے آج کے دن اپنا حساب لینے والا۔

۱۳-۱۴:- اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نامۂ اعمال کو اڑنے والے جانوروں سے مشابہت دے کر طائر اس لیے فرمایا کہ قیامت کے دن کئی پیشیاں بندوں کی اللہ تعالیٰ کے روبرو ہوں گی پہلی دو پیشیوں میں اللہ تعالیٰ ان کو ان کے گناہ یاد دلاتا رہے گا اور لوگ طرح طرح کے عذر کرتے رہیں گے تیسری دفعہ نامۂ اعمال کے کاغذوں کو پردار جانوروں کی طرح اڑا دینے کا حکم ہو جاوے گا وہ نامۂ اعمال اڑ کر دائیں اور بائیں ہاتھوں میں جیسے جس کے عمل ہونگے آجاویں گے ترمذی اور مسند امام احمد بن حنبل میں حضرت ابوہریرہؓ سے یہ نامۂ اعمال کے اڑا دیئے جانے کا ذکر صراحت سے آیا ہے[1] اور ماں کے پیٹ میں جب آدمی کا پتلا بنتا ہے رُوح کے پھونکے جانے سے پہلے ان عملوں کو جو پیدا ہونے کے بعد ہر شخص کرتا ہے فرشتے لکھ لیتے ہیں اور آدمی جب تک جیتا رہتا ہے اسی تقدیر کے لکھے کے موافق عمل کرتا رہتا ہے اور آدمی کے مرجانے کے بعد نیک عمل نیک صُورت بن کر اور بدعمل بدصورت بن کر قبر میں اس کے ساتھ رہتے ہیں اور قیامت میں ان ہی عملوں کے موافق جزا و سزا اس کو بھگتنی پڑے گی۔ غرض کوئی وقت ایسا نہیں کہ یہ عمل انسان سے جُدا ہوں اس لیے یہ فرمایا کہ اعمال نامہ انسان کی گردن میں لگا ہوا ہے یہ عرب کا ایک محاورہ ہے جو چیز کسی کے سر پڑ جاوے اس کو گردن میں لگی ہُوئی چیز کہتے ہیں یہ ایسا ہی محاورہ ہے جس طرح اردو میں کسی شخص کو کہتے ہیں کہ یہ چیز تو اس کے گلے پڑ گئی نامۂ اعمال کے اڑائے جانے کے باب میں اوپر ابوہریرہؓ کی حدیث جو گزری ہے یہ حدیث حسن بصری کی روایت سے ہے ترمذی نے اس حدیث کی روایت کے بعد لکھا ہے کہ حسنؒ بصری کو حضرت ابوہریرہؓ سے کسی حدیث کے سننے کا موقع نہیں ملا۔ اس لیے یہ حدیث مرسل ہے[2] لیکن ابوداؤد اور مستدرک حاکم میں یہ حدیث حسن بصریؒ نے حضرت عائشہؓ سے بھی روایت کی ہے[3] اور صاحب جامع الاصول نے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ حسن بصریؒ اور حضرت عائشہؓ کی ملاقات ہُوئی ہے اس لیے امام مسلم کی شرط پر یہ حدیث صحیح ہے اور ایک روایت کو دوسری روایت سے تقویت ہو جاتی ہے۔ یہ بات ایک جگہ بیان کر دی گئی ہے کہ جہاں تابعی کسی حدیث کو اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرے تو اس کو مرسل کہتے ہیں۔ اب آگے فرمایا قیامت کے دن ہر شخص کو اس کے عمر بھر کے عملوں کی کتاب پڑھنے کو دی جائے گی اور کہا جائے گا کہ دُوسرے کسی گواہ کی ضرورت نہیں اعمال نامہ کو دیکھ کر خود تو ہی اپنے عمر بھر کے عملوں کو جاننے کے لیے کافی ہے۔ صحیح مسلم کے حوالہ سے انس بن مالک کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے کہ جو لوگ نامۂ اعمال کو پڑھ کر اپنے گناہوں کا انکار کریں گے ان کے ہاتھ پیروں سے گواہی دلوائی جائے گی[4] صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے عبداللہ

[1] جامع ترمذی ص ۶۵ ج ۲ باب ماجاء فی العرض [2] ایضاً [3] ابو داؤد ص ۶۵۴ ج ۲ باب فی ذکر المیزان۔
[4] صحیح مسلم ص ۴۰۹ ج ۲ فی بیان ان الاعضاء منطقة الخ ۱۲

مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۭ وَلَا

جو کوئی راہ پر آیا تو آیا اپنے ہی واسطے۔ اور جو کوئی بہکا رہا تو بہکا اپنے ہی بُرے کو اور کسی پر

تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۭ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ۝۱۵ وَاِذَآ اَرَدْنَآ

نہیں پڑتا بوجھ دُوسرے کا اور ہم بلا نہیں ڈالتے جب تک نہ بھیجیں کوئی رسُول اور جب ہم نے چاہا

اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا

کہ کھپا دیں کوئی بستی حکم بھیجا اس کے عیش کرنے والوں کو پھر انہوں نے بیجکمی کی اسمیں تب ثابت ہوئی ان پر بات تب

بن عمر کی حدیث بھی ایک جگہ گزر چکی ہے کہ جو لوگ نامۂ اعمال کو پڑھ کر اپنے گناہوں کا اقرار کریں گے اللہ تعالیٰ ان کے سچ سے خوش ہو کر ان کے گناہوں کو معاف کر دیوے گا۔[1] قیامت کے دن ان اعمال ناموں کے پڑھنے کے بعد جو کچھ نتیجہ ہوگا اس کا حال ان حدیثوں سے اچھی طرح معلوم ہو جاتا ہے۔

۱۵:۔ اس سے پہلے اللہ پاک نے یہ ذکر فرمایا تھا کہ ہر شخص کا عمل جو اللہ کے فرشتے لکھ رہے ہیں اس کے سامنے پیش کیا جائے گا اور اسی کے موافق جزا و سزا ہوگی اپنا اپنا حساب کتاب ہر شخص وہاں دیکھ لے گا اس کے بعد یہ بیان فرمایا کہ ہر شخص جو راہ یاب ہوتا ہے اور ہر شخص جو گمراہ ہوتا ہے وُہ سب اپنے اپنے لیے فائدہ یا نقصان اٹھاتے ہیں جو شخص دنیا میں اچھے عمل کرتا ہے اور رسول کی تابعداری میں چست رہا ہے آخرت میں اس کو اچھا بدلہ وہاں ملے گا اور جس نے یہاں بُرے عمل کئے اور رسُول کو جھٹلا کر خدا کے ساتھ شریک ٹھہرایا اور گمراہی میں پڑا رہا ہے وُہ آخرت میں خسارہ میں رہے گا۔ وہاں اس کو اس کے عمل کا بدلہ بڑے عدل و انصاف کے ساتھ ملے گا اس پر کسی قسم کی زیادتی نہیں کی جاوے گی۔ ہر شخص اپنا اپنا بوجھ اٹھائے گا کوئی گنہ گار دُوسرے خطا کار کا بوجھ نہیں اٹھائے گا پھر اللہ پاک نے اپنے انصاف و عدل کا حال بیان فرمایا کہ یوں تو اللہ کو سب معلوم ہے کہ کون گمراہ ہونے والا اور خطا کار ہے اور کون نیک بخت ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے سزا و جزا کا فیصلہ اپنے علم غیب پر نہیں رکھا بلکہ دنیا کے نیک و بد کے ظہور پر رکھا ہے اور انجانی کا عذر رفع کر دینے کے لیے آسمانی کتابیں دے کر رسُول بھیجے تاکہ سزا و جزا کے کام لوگوں کو اچھی طرح معلوم ہو جاویں۔ صحیح بخاری کے حوالہ سے مغیرہؓ بن شعبہ کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو لوگوں کے انجانے کے عذر کو رفع کر دینا بہت پسند ہے[2] اسی واسطے اس نے آسمانی کتابیں دے کر رسُولوں کو بھیجا۔ آیت کے آخری ٹکڑے کی یہ حدیث گویا تفسیر ہے۔

۱۶:۔ اس آیت میں اللہ پاک نے اپنے عذاب بھیجنے کی کیفیت بیان فرمائی کہ جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو یوں یک بیک نہیں ہلاک کرتے بلکہ اپنے رسُول کے ذریعہ سے پہلے اپنا حکم وہاں کے لوگوں کو بھیجتے ہیں اور جو لوگ اُس بستی میں خوشحال و آسودہ ہوتے ہیں ان کو ہر طرح کی آسائش و آرام عطا کرتے ہیں اور اپنی طاعت کا امر کرتے ہیں پھر جب وُہ فسق و فجور کرنے لگتے ہیں اور راہِ حق پر نہیں آتے رسُول کو جھٹلاتے ہیں تو پھر اللہ کا حکم نافذ ہو جاتا ہے اور جسطرح کے عذاب کی بات انکے

[1] مشکوٰۃ ص ۴۸۵ باب الحساب الخ [2] تفسیر ہذا جلد دوم ص ۲۳۱ بحوالہ صحیح بخاری ص ۱۱۰۳ ج ۲ باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا شخص اغیر من اللہ و صحیح مسلم ص ۴۹۱ ج ۲ باب اللعان ۱۲

تَدۡمِيۡرًا ﴿۱۶﴾ وَكَمۡ اَهۡلَـكۡنَا مِنَ الۡقُرُوۡنِ مِنۡۢ بَعۡدِ نُوۡحٍ‌ ؕ وَكَفٰى بِرَبِّكَ

اکھاڑ مارا ان کو اٹھا کر۔ اور کتنی کھپا دیں ہم نے سنگتیں نوح سے پیچھے۔ اور بس ہے تیرا رب اپنے بندوں

بِذُنُوۡبِ عِبَادِهٖ خَبِيۡرًاۢ بَصِيۡرًا ﴿۱۷﴾

کے گناہ جانتا دیکھتا۔

حق میں مقرر کی ہوئی ہوتی ہے وہ پیش آجاتی ہے اور اسی طرح اس بستی کو تہ و بالا کرتے ہیں کہ کہیں ڈھونڈے بھی اس کا پتہ نہیں چلتا جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیتے ہیں۔ ابو داؤد اور ترمذی میں حضرت ابوبکر صدیقؓ سے روایت ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس بستی میں نافرمانی اس طرح پھیل جاوے گی کہ کوئی کسی کو بستی والوں میں نافرمانی سے نہ روکے گا تو الہی تمام بستی پر کوئی عذاب الٰہی نازل ہو جاوے گا۔ ترمذی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے[1] صحیح ابن حبان میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس بستی میں عام طور پر نافرمانی پھیل جاوے گی تو دنیا میں ساری بستی پر کوئی عذاب آن کر لوگ ہلاک ہو جاویں گے پھر عقبیٰ میں ہر ایک کے عملوں کے موافق سزا و جزا کا فیصلہ ہوگا[2] ان حدیثوں کو آیت کے ساتھ ملانے سے یہ مطلب ہوا کہ کسی بستی میں نافرمانی پھیل کر جب بستی کے کچھ لوگ نافرمان لوگوں کو وعظ و نصیحت کرتے رہیں گے تو تمام بستی کا عذاب رکا رہے گا پھر جب بستی کے لوگوں میں سے یہ بات بھی اٹھ جاوے گی تو بستی کے نیک و بد سب لوگ کسی عذاب سے دنیا میں ہلاک ہو کر عقبیٰ میں ہر ایک کے عملوں کے موافق سزا و جزا کا فیصلہ ہوگا

۱۷:۔ اوپر کی آیت میں جب اللہ پاک نے اپنا عذاب نازل کرنے کی کیفیت بیان کر دی تو اب اس آیت میں کفار قریش کو دھمکی دی اور ڈرایا کہ تم یہ نہ سمجھو کہ تم ہمارے رسول برحق کو جھٹلاؤ گے اور پھر بچ جاؤ گے نوح علیہ السلام کے بعد سے ہم نے ہزاروں بستیاں ہلاک کر دی ہیں حضرت آدمؑ سے حضرت نوح علیہ السلام تک دس قرن گزرے تھے اس زمانہ میں سب کے سب مسلمان تھے پھر جب گمراہ ہونے لگے اور طرح طرح کی برائیاں اور خدا کی نافرمانی کرنے لگے اور دنیا شرک سے معمور ہو گئی تو ضرورت ہوئی کہ کوئی رسول ان کے پاس آئے اس پر اللہ پاک نے حضرت نوح علیہ السلام کو رسول مقرر فرمایا جب نوح علیہ السلام رسول ہوئے اور لوگوں کو اسلام کا پیغام پہنچایا تو انہوں نے آپ کو جھٹلایا اور کہا کہ ہم میں اور تم میں کیا فرق ہے جس طرح تم انسان ہو ہم بھی انسان ہیں سارے کام ہمارے جیسے تمہارے بھی ہیں پھر تم رسول ہو اور ہم نہ ہوں اگر خدا اپنا رسول بھیجتا تو کوئی فرشتہ بھیجتا بہرحال حضرت نوح علیہ السلام پہلے رسول ہیں جن کو ان کی امت نے جھٹلایا ہے اسی واسطے اللہ پاک نے فرمایا کہ نوح علیہ السلام کے بعد بہت سی بستیاں ہم نے خاک سیاہ کر دی ہیں قوم عاد قوم ثمود قوم صالح غرضکہ بہت سے گروہ ہلاک ہوئے اور ان کی ہلاکت کی وجہ یہی تھی کہ جس طرح تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلاتے ہو وہ بھی اپنے رسولوں کو جھٹلاتے تھے تو اے کفار مکہ تم بے خوف نہ ہو جاؤ جس وقت خدا بدلہ لینے پر آمادہ ہوگا طرفۃ العین میں تمہیں ہلاک کر ڈالے گا اسے ہلاک کرتے کچھ دیر نہیں لگتی وہ ہر شخص کے انجام سے واقف ہے نیکوکار کو بھی وہ خوب جانتا ہے اور گنہ گار کا بھی اسے علم ہے وہ نہایت ہی دانا بینا ہے اس کا علم ہر شے کو محیط ہے۔ لیکن عادت الٰہی یہ ہے کہ پہلے

[1] مشکوٰۃ باب الامر بالمعروف [2] الترغیب و الترہیب باب الترغیب فی الامر بالمعروف الخ ص ۹۷ ج ۲

مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهُ فِيهَا مَا نَشَاءُ لِمَنْ نُرِيدُ ثُمَّ جَعَلْنَا

جو کوئی چاہتا ہو پہلا گھر شتاب دے چکیں ہم اس کو اس میں جتنا چاہیں جس کو چاہیں پھر ٹھہرایا اس کے

لَهُ جَهَنَّمَ يَصْلَاهَا مَذْمُومًا مَدْحُورًا ﴿۱۸﴾

واسطے دوزخ بیٹھے گا اس میں برا سن کر دھکیلا جا کر۔

نافرمان لوگوں کو مہلت دی جاتی ہے اور مہلت کے زمانہ میں جب وہ لوگ اپنی نافرمانی سے باز نہیں آتے تو ان کو کسی سخت عذاب میں پکڑ لیا جاتا ہے۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابو موسیٰؓ اشعری کی اس مضمون کی حدیثؒ کئی جگہ گزر چکی ہے جس میں اس عادت الٰہی کا بیان ہے وہی حدیث آیت کی گویا تفسیر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ پچھلی سب قوموں کو پہلے مہلت دی گئی ہے اور مہلت کے زمانہ میں جب وہ لوگ اپنی نافرمانی سے باز نہیں آئے تو طرح طرح کے عذابوں سے ہلاک کر دیئے گئے یہی حال قریش کا ہوا کہ بارہ تیرہ برس تک ان کو مہلت دی گئی جب مہلت کے زمانہ میں وہ باز نہ آئے تو ان میں کے بڑے بڑے سرکش لوگوں کو بدر کی لڑائی میں ہلاک کر دیا اور فتح مکہ سے ساری قوم کی سرکشی اور نافرمانی کو مٹا دیا چنانچہ صحیح بخاری و مسلم کی انسؓ بن مالک کی اور عبداللہؓ بن مسعود اور ابوہریرہؓ کی روایتوں[۲] کے حوالہ سے فتح بدر اور فتح مکہ کا قصہ کئی جگہ گزر چکا ہے۔

۱۸: حاصل اس آیت اور اس کے آگے کی آیت کا یہی ہے کہ جو شخص فقط دنیا میں پھنس کر دین سے بالکل غافل ہو جاتا ہے اس کو دنیا کچھ زیادہ نہیں ملتی بلکہ اسی قدر ملتی ہے جو اس کے نصیب میں خدا نے لکھی ہے اور جو لوگ دین کے خواہشمند ہیں ان کے اعمال کے قبول ہونے کے لیے آیت میں تین شرطیں ہیں ایک تو آدمی پورا ایماندار ہو جس کا مطلب یہ ہے کہ جو باتیں شریعت میں ایمان لانے کی ہیں ان میں بدعقیدہ نہ ہو دوسرے اس کا عمل آخرت کے ثواب کی غرض سے ہو اس عمل میں دنیا کا دکھاوا اور ریاکاری نہ ہو تیسرے دل کی کوشش سے وہ عمل کیا جاوے اوپرے دل سے رسم کے طور پر نہ کیا جاوے کہ یہ منافقوں کے عمل کی نشانی ہے معتبر سند سے ترمذی میں انسؓ سے اور ابن ماجہ مسند امام احمد بن حنبل، دارمی میں نا قابل اعتراض سند سے زید بن ثابتؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص دین سے غافل اور دنیا کا خواہش مند ہے وہ ہمیشہ پریشان حال رہتا ہے اور دنیا مقدر سے بڑھ کر اس کو نہیں ملتی اور جو شخص دین کا طلبگار رہتا ہے اس کا دل ہمیشہ غنی رہتا ہے اور بقدر ضرورت دنیا بھی بلا طلب اس کو ملا کرتی ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نہ تمہاری صورتوں کو دیکھتا ہے نہ تمہارے مال و متاع کو دیکھتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ صرف تمہارے دلوں کے اعتقاد اور عملوں کے خالص ہونے کو دیکھتا ہے۔ معتبر سند سے مسند امام احمد بن حنبلؒ میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جس شخص کا ٹھکانا دنیا ہے اور دنیا کے لیے جو لوگ روپیہ جمع کرتے ہیں وہ بالکل بے عقل ہیں۔ صحیح مسلم کے حوالہ سے انسؓ بن مالک کی روایت ایک جگہ گزر چکی ہے کہ جو لوگ دنیا کی خوشحالی کے نشہ میں عقبیٰ کے منکر ہیں۔ قیامت

لہ صحیح بخاری ص ۶۷۸ ج ۲ باب قولہ وکذلک اخذ ربک اذا اخذ القریٰ سلہ دیکھئے تفسیر جلد ہذا سلہ ابن ماجہ ص ۱۲ باب الہم بالدنیا سلہ مشکوٰۃ باب الریاء والسمعۃ ص ۴۵۴ ۵ تفسیر ابن کثیر ص ۳۱ ج ۳ ۱۲ منہ

وَمَنۡ اَرَادَ الۡاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعۡيَهَا وَهُوَ مُؤۡمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ

اور جس نے چاہا پچھلا گھر اور دوڑ کی اس کے واسطے جو اس کی دوڑ ہے اور وہ یقین پر ہے سو ایسوں کی

سَعۡيُهُمۡ مَّشۡكُوۡرًا ﴿١٩﴾

دوڑ نیک لگی ہے۔

کے دن جب ایسے لوگوں کو دوزخ میں جھونک دیا جائے گا تو اللہ کے فرشتے ایسے لوگوں کو قائل اور ذلیل کرنے کے لیے ان سے پوچھیں گے کہ دنیا کی جس خوشحالی کے نشہ میں تم لوگ اس دن کے منکر تھے۔ اس عذاب کے آگے تم کو دنیا کی وہ چند روزہ خوشحالی کچھ یاد ہے وہ لوگ قسمیں کھا کر کہیں گے کہ اس عذاب کے آگے ہمیں دنیا کی خوشحالی بالکل کچھ یاد نہیں[۱] ان حدیثوں کو آیت کے ساتھ ملانے سے یہ مطلب ہوا کہ عقبےٰ کے منکر یا عقبےٰ سے غافل لوگوں کو دنیا کی خوشحالی تو اسی قدر ملے گی جو ان کے نصیب میں ہے پھر اس خوشحالی کے نشہ میں جو لوگ عقبیٰ کے منکر ہیں یا عقبیٰ کے اجر کا جن کو پورا یقین نہیں اس لئے وہ جو نیک کام کرتے ہیں وہ خالص دل سے نہیں کرتے ایسے لوگ دنیا میں جو چھوڑ جاویں گے وہ تو رائگاں ہے اور خوشحالی سے جو کچھ کھاویں پیویں گے عقبےٰ کے عذاب کے آگے وہ حالت ان کو بالکل یاد بھی نہ رہے گی۔ انس بن مالکؓ کی حدیث میں ایسے لوگوں کے دوزخ میں دھکیل دیئے جانے کا اور دنیا کی چند روزہ خوشحالی کو یاد دلا کر ان کے ذلیل کیئے جانے کا جو ذکر ہے اس سے مَذۡمُوۡمًا مَّدۡحُوۡرًا کی تفسیر اچھی طرح سمجھ میں آسکتی ہے۔

١٩۔ اوپر کی آیت میں یہ مذکور تھا کہ دنیا میں یہ کفار جو نیکیاں کرتے ہیں اور اس سے طلب خیر کا ارادہ کرتے ہیں ہم اپنی مرضی کے موافق جتنا چاہتے ہیں دنیا میں اس کا بدلہ ان کو دیتے ہیں اور اس آیت میں فرمایا جو شخص اپنے نیک عمل بخیال آخرت کے کرتا ہے اس کے لیے کامل کوشش جی توڑ کر کرتا ہے اور پھر وہ شخص بذات خود خدا اور رسول پر ایمان بھی رکھتا ہے تو اس کی سعی عند اللہ مشکور ہو گی یہ تو اوپر بیان کر دیا گیا ہے کہ سعی کے مشکور ہونے کے لیے تین شرطیں ہیں ایک تو ارادہ دار آخرت کے ثواب کا، دوسری کوشش کامل تیسری خود اس شخص کا مومن ہونا کیونکہ عمل صالح اس شخص کا مقبول ہوتا ہے جو صاحب ایمان اور متقی ہو حضرت عائشہؓ کی حدیث اوپر گزر چکی ہے کہ دنیا اس کا گھر ہے جس کا اور کہیں ٹھکانا نہیں اور دنیا میں مال وہی شخص جمع کرتا ہے جو بے عقل ہے[۲] وہی حدیث اس آیت کی بھی گویا تفسیر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اوپر کی آیت میں جن لوگوں کا ذکر ہے اور اس آیت میں جن لوگوں کا حال ہے اس اوپر کی آیت کے لوگوں کے وہ حال کے بالکل برخلاف ہے کیونکہ یہ لوگ ان تینوں شرطوں کی پابندی سے نیک عمل کرتے ہیں۔ جن شرطوں کا ذکر ان آیتوں میں ہے۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی روایت سے حدیث قدسی ایک جگہ گزر چکی[۳] ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا نیک لوگوں کے لیے جنت میں جو نعمتیں پیدا کی گئی ہیں وہ کسی نے جنت میں جانے سے پہلے نہ آنکھوں سے دیکھیں نہ کانوں سے سنیں نہ کسی دل میں اس کا خیال گزر سکتا ہے۔ یہ حدیث كَانَ سَعۡيُهُمۡ مَّشۡكُوۡرًا کی گویا تفسیر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جن نیک لوگوں کا ذکر آیت میں ہے قیامت کے دن ان

[۱] تفسیر ہذا جلد سوم ص ٢٢٠ [۲] تفسیر ابن کثیر ص ٢٢ ج ٣ [۳] تفسیر ہذا ص ١٢ ج ٣

كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ؕ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ﴿۲۰﴾

ہر ایک کو ہم پہنچائے جاتے ہیں ان کو اور ان کو تیرے رب کی بخشش میں سے اور تیرے رب کی بخشش کسی نے نہیں گھیری۔

اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ

دیکھ کیسا بڑھایا ہم نے ایک کو ایک سے اور پچھلے گھر میں تو بڑے درجے ہیں اور بڑی

تَفْضِيْلًا ﴿۲۱﴾ لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا ﴿۲۲﴾

بڑائی۔ نہ ٹھہرا اللہ کے ساتھ دُوسرا حاکم پھر بیٹھ رہے گا تو اولاہنا پاکر بیکس ہو کر۔

کی کوشش اور دوڑ دھوپ کا جو بدلہ ان کو دیا جائے گا اس کی خوبی نہ کسی نے ابھی آنکھوں سے دیکھی نہ کانوں سے سنی نہ کسی کے دِل میں اس کا خیال گزر سکتا ہے۔

۲۰-۲۱:۔ اوپر کی آیتوں میں اس بات کا بیان تھا کہ جو شخص اپنے عمل سے دُنیا کا ارادہ کرتا ہے تو اسے دُنیا مل جاتی ہے اور جو شخص آخرت کا ارادہ کرتا ہے تو اسے آخرت ملتی ہے اب یہ فرمایا کہ ان دونوں گروہ میں سے کوئی بھی ہو سب پر اللہ پاک اپنی بخشش کئے جاتا ہے جو شخص جس بات کا مستحق ہے وہ اسے عطا کرتا ہے اس کے حکم کا پھیرنے والا کوئی نہیں ہے کوئی چاہے کہ خداوند جل شانہ کی بخشش کو روک دے تو وہ کسی کے روکے نہیں رک سکتی کافر مومن سب کا وہ رازق ہے پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرمایا کہ دیکھو اللہ نے کس طرح دنیا میں لوگوں کو پیدا کیا ہے ایک پر ایک کو بزرگی دی ہے کسی کو تونگر کسی کو محتاج بنایا کوئی بادشاہ ہے تو کوئی فقیر کوئی بیمار ہے تو کوئی تندرست کسی کو عقل مند پیدا کیا تو کسی کو نادان کوئی دیوانہ ہے تو کوئی ہوشیار غرضکہ اس میں بھی خدا کی وہ حکمت پوشیدہ ہے جس کے سمجھنے کی طاقت قوت بشری سے بالکل باہر ہے بڑے بڑے صاحب عقل اس بھید کے سمجھنے سے قاصر ہیں پھر یہ فرمایا کہ جس طرح دُنیا میں تم دیکھتے ہو کہ اللہ پاک نے ایک کو ایک سے افضل بنایا ہے اور ایک پر ایک کو بزرگی دی ہے اسی طرح سمجھ لو کہ آخرت کے درجے بھی الگ الگ ہیں۔ صحیح بخاری و مسلم میں ابوسعید خدری سے روایت ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت کے نیچے کے درجے کے لوگوں کو اوپر کے درجوں کے جنتی اس طرح نظر آویں گے جس طرح زمین پر سے تارے نظر آتے ہیں[1] ان ہی ابوسعید خدری سے مسند امام احمد اور مسند بزار میں صحیح روایت ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دوزخ کی آگ کسی کے ٹخنوں تک ہوگی اور کسی کے گھٹنوں تک اور کسی کے سر سے بھی اونچی[2]۔ دنیا کے درجوں کی طرح آخرت کے درجوں کے الگ الگ ہونے کا ذکر جو آیتوں میں ہے اس کی تفسیر ان حدیثوں سے اچھی طرح سمجھ میں آسکتی ہے۔

۲۲:۔ اس آیت میں اگرچہ اللہ پاک نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا مگر اللہ کے احکام امت کے لوگوں کو اللہ کے رسُول کی معرفت پہنچتے ہیں اس لیے حقیقت میں ہر ایک انسان اس خطاب میں داخل ہے اور ہر انسان کو یہ حکم سُنایا گیا کہ خدا کے ساتھ کوئی دوسرا معبود نہ ٹھہراؤ اگر کسی نے اس وحدہٗ لاشریک کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا تو وہ اس جرم کے باعث سے ملامت میں پڑے گا اور کوئی اس کا حامی و مددگار نہ ہوگا اور اللہ پاک کبھی اس کی مدد نہ کرے گا بلکہ اسی معبود

[1] صحیح مسلم ص ۳۷۸ ج ۲ کتاب الجنۃ [2] الترغیب فصل فی تفاوتہم فی العذاب ص ۳۴۲ ج ۲۔

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ اِمَّا يَبْلُغَنَّ

اور چلا دیا تیرے رب نے کہ نہ پوجو اس کے سوا اور ماں باپ سے بھلائی کبھی پہنچے تیرے سامنے بڑھاپے کو وہ

عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ

ایک یا دونوں تو نہ کہہ ان کو ہوں اور نہ جھڑک ان کو اور کہہ ان کو

لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ﴿۲۳﴾ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ

بات ادب کی۔ اور جھکا ان کے آگے کندھے عاجزی کر کر نیاز سے اور کہہ اے

رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ﴿۲۴﴾ ۭ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ ۭ اِنْ

رب ان پر رحم کر جیسا پالا انہوں نے مجھ کو چھوٹا سا۔ تمہارا رب خوب جانتا ہے جو تمہارے جی میں ہے

باطل کے سپرد اس شخص کو کر دے گا جو کسی قسم کے نفع و ضرر کا مالک نہیں ہے کیونکہ ہر طرح کا فائدہ و نقصان خدا کے ہاتھ میں ہے اور سارے جہاں میں اسی وحدہٗ لاشریک کا بول بالا ہے۔ صحیح مسلم کے حوالہ سے انسؓ بن مالک کی حدیث اوپر گزر چکی ہے[1] کہ اللہ کے فرشتے دنیا کی چند روز خوشحالی کا اولاہنا دے کر دوزخیوں کو قائل اور ذلیل کریں گے۔ یہ حدیث فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا کی گویا تفسیر ہے جس کا حاصل وہی ہے جو آیت مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ کی تفسیر میں بیان کیا گیا ہے۔

۲۳-۲۷: سب سے بڑھ کر تو آدمی پر اللہ تعالیٰ کا حق ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے آدمی کو پیدا کیا ہے پھر جب ماں کے پیٹ سے بچہ پیدا ہو جاتا ہے تو اس کی ہر طرح کی پرورش اور تربیت دنیا میں ماں باپ کے سبب سے ہوتی ہے اس واسطے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اپنے حق کے ساتھ ماں باپ کے حق کے ادا کرنے کی تاکید فرمائی ہے اور ماں باپ کا دنیوی حق یہ ذکر فرمایا ہے کہ ان کے ساتھ ان کے بڑھاپے میں حسنِ سلوک سے پیش آوے اور دینی حق یہ فرمایا ان کے لیے دعا خیر کرتا رہے اگر ماں باپ کفر کی حالت میں مر جاویں اور اولاد مسلمان ہو تو ایسے ماں باپ کے لیے دعائے مغفرت بموجب آیت مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى منع ہے حدیث شریف میں بھی ماں باپ کی تابعداری کرنے کی بڑی تاکید آئی ہے صحیحین میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت سے پوچھا کہ دنیا میں کس کا حق مجھ پر زیادہ ہے آپ نے فرمایا کہ پہلے تیری ماں پھر تیرا باپ[2]۔ صحیح مسلم اور الادب المفرد بخاری میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک روز فرمایا بڑا بدنصیب ہے بڑا بدنصیب ہے صحابہؓ نے پوچھا حضرت کون بڑا بدنصیب ہے، آپ نے فرمایا وہ جس نے اپنے ماں باپ کو یا ان دونوں میں سے ایک کو بڑھاپے کی حالت میں پایا اور پھر ان کی خدمت گزاری کے سبب سے جنت میں نہ گیا[3]۔ صحیحین میں عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت سے لڑائی پر چلنے کی اجازت چاہی آپ نے پوچھا کہ تیرے ماں باپ زندہ ہیں اس نے جواب دیا کہ جی ہاں زندہ ہیں آپ نے فرمایا تیرا بڑا جہاد ان کی خدمت گزاری میں ہے[4]۔ الادب المفرد بخاری اور معتبر سند سے مستدرک حاکم اور بیہقی میں عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث میں ہے کہ اللہ کی رضامندی ماں باپ کی رضامندی کے ساتھ ہے[5]۔ اب ماں باپ کے حق کے بعد

[1] تفسیر ہذا ج ۳ ص ۳۲۰ [2] صحیح مسلم ص ۳۱۲ ج ۲ کتاب البر والصلۃ [3] تفسیر ابن کثیر ص ۳۵ ج ۳ و صحیح مسلم ص ۳۱۴ ج ۲ باب تقدیم بر الوالدین ۱۲ [4] صحیح مسلم ص ۳۱۳ کتاب البر والصلۃ [5] الترغیب ص ۱۲۶ ج ۲ کتاب البر والصلۃ ۱۲

تَكُونُوا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا ﴿٢٥﴾ وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ

جو تم نیک ہو گے تو وہ رجوع لانے والوں کو بخشتا ہے۔ اور دے ناتے والے کو اس کا حق

وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ﴿٢٦﴾ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا

اور محتاج کو اور مسافر کو اور مت اڑا بکھیر کر بیشک اڑانے والے بھائی ہیں

اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ۭ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ﴿٢٧﴾ وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ

شیطانوں کے اور شیطان ہے اپنے رب کا ناشکرا۔ اور اگر کبھی تغافل کرے تو

عَنْهُمُ ابْتِغَاۗءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا ﴿٢٨﴾

ان کی طرف سے تلاش میں مہربانی کی اپنے رب کی طرف سے جس کو توقع رکھتا ہے تو کہہ ان کو بات نرمی کی۔

اللہ تعالیٰ نے آیت میں اور رشتہ داروں کا حق اور محتاج اور مسافروں کا حق ذکر فرمایا ہے حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ماں باپ کے بعد بہن کا حق ہے پھر بھائی کا پھر درجہ بدرجہ اور رشتہ داروں کا حق ہے۔ صحیحین میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ جس شخص کو یہ منظور ہو کہ اس کے رزق میں کشائش ہو اور اس کی عمر بڑھے تو اس کو چاہیئے کہ اپنے رشتہ داروں سے حسنِ سلوک سے پیش آوے[1]۔ صحیحین میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا جب خدا تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا تو قرابت داری نے خدا تعالیٰ سے فریاد کی کہ دنیا میں اگر لوگ میرا واسطہ قطع کریں گے تو کیا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو تجھ کو قطع کرے گا میں اس کو قطع کروں گا[2] اب قرابت داروں محتاج مسافروں کی خبر گیری میں مال خرچ کرنے کی ہدایت فرما کر اللہ تعالیٰ نے یہ ہدایت فرمائی ہے کہ ہر خرچ میں میانہ روی چاہیئے اسراف اور فضول خرچی نہیں چاہیئے کہ مال کی ناقدری اور فضول خرچی ناشکری کا موجب ہے اور ناشکری شیطان کا کام ہے کہ اس نے خدا کی اس نعمت کا کہ خدا نے اس کو فرشتہ بنا کر رکھا تھا شکر نہیں کیا اور نافرمانی کر کے اپنے آپ کو مردود ٹھہرا لیا۔ اگرچہ وَقَضٰى رَبُّكَ کی تفسیر میں چند قول ہیں لیکن حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے صحیح قول میں قضٰی ربك کی تفسیر اَمَرَ رَبُّكَ آئی ہے ترجمہ میں یہی قول لیا گیا ہے۔ صحیح مسلم کے حوالہ سے ابو ہریرہؓ کی روایت ایک جگہ گذر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کی ظاہری حالت کو نہیں دیکھتا بلکہ اللہ تعالیٰ کی نظر انسان کے دلی ارادہ پر ہے[3]۔ اس حدیث کو آیت رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ کے ساتھ ملانے سے یہ مطلب ہوا کہ اولاد کے دل میں تو ماں باپ کا ادب ہوگا لیکن بغیر دلی ارادہ کے ماں باپ کی شان کے برخلاف کوئی بات اولاد کی زبان سے نکل جاوے گی اور پھر اس کا پچھتاوا ہوگا تو اللہ ایسی بھول کو بخش دیوے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نظر ہمیشہ انسان کے دلی ارادہ پر ہے اوابین کے معنی اکثر سلف نے توابین کے لکھے ہیں۔ عرب کے محاورہ میں ایک طرح کی عادت کے دو شخصوں کو بھائی کہتے ہیں اسی کے موافق بے جا مال اڑانے والوں کو ناشکری کی عادت میں شیطان کا بھائی فرمایا ہے۔

۲۸-۳۰: اور جن لوگوں کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آنے کا ذکر تھا اسی کو پورا کرنے کے لیے فرمایا کہ کسی موقع پر تنگدستی کے سبب سے اگر ان لوگوں کو دینے کے قابل کچھ نہ ہو تو اللہ کے فضل کی توقع پر ان سے آئندہ سلوک کرنے کا وعدہ نرم لفظوں میں کیا

[1] صحیح مسلم ص ۳۱۵ ج ۲ باب صلۃ الرحم [2] صحیح مسلم ص ۳۱۵ ج ۲ باب صلۃ الرحم [3] دیکھیے ص ۲۸ جلد ہذا ۱۲

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ

اور نہ رکھ اپنا ہاتھ بندھا اپنی گردن کے ساتھ اور نہ کھول دے اس کو نرا کھولنا پھر تو بیٹھ

فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَّحْسُورًا ﴿٢٩﴾ إِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ وَيَقْدِرُ

رہے الزام کھایا ہارا۔ تیرا رب کشادہ کرتا ہے روزی جس کو چاہے اور روکتا ہے

إِنَّهُ كَانَ بِعِبَادِهِ خَبِيرًا بَصِيرًا ﴿٣٠﴾

وہی ہے اپنے بندوں کو جانتا دیکھتا۔

جائے اب آگے بخیلی اور فراخ دستی کی ایک مثال بیان فرمائی کہ اس حسن سلوک میں نہ انسان بخیل بن جاوے جیسے کسی نے اس کا ہاتھ گردن میں رسی سے اس طرح باندھ دیا ہے کہ وُہ دینے کے نام سے ہاتھ نہیں بڑھا سکتا نہ ایسا سخی بن جاوے کہ دینے کے بعد پچھتانا پڑے معتبر سند سے طبرانی میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے جس میں اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھا کر فرمایا جو شخص اپنے غریب رشتہ داروں کو چھوڑ کر غیروں کو صدقہ خیرات دیوے گا تو ایسے شخص کا دینا بارگاہِ الٰہی میں اجر کے قابل نہ ٹھہرے گا[۱] آیتوں میں بیجا بخیلی اور بیجا سخاوت کا مثال کے طور پر جو ذکر ہے اس حدیث سے اس کا مطلب اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ باوجود قدرت کے قریب کے رشتہ داروں کو کچھ نہ دینا بیجا بخیلی میں داخل ہے اور غریب رشتہ داروں کو چھوڑ کر غیروں کو کچھ دینا بیجا سخاوت میں داخل ہے کیونکہ اس حدیث کے موافق قیامت کے دن جب اس سخاوت کا اجر رائگاں جاوے گا تو ایسی بیجا سخاوت پر ضرور انسان کو پچھتانا پڑے گا اوپر ذکر تھا کہ تنگدستی کے وقت غریب رشتہ داروں سے آئندہ سلوک کرنے کا وعدہ کیا جائے اب آگے تنگ دست لوگوں کی تسلی کے لیے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں کسی کو خوشحال اور کسی کو تنگدست جو بنایا ہے یہ اس لیے نہیں ہے کہ اس کے خزانے میں کچھ کمی ہے بلکہ اپنے بندوں کی مصلحتوں کو وہی خوب جانتا ہے اور دیکھتا ہے اس واسطے اس نے ہر ایک کو مصلحت کے موافق خوشحال اور تنگدست بنایا ہے سورۂ زخرف میں آوے گا کہ بعضوں کو خوشحال اور بعضوں کو تنگدست بنانے میں اتنی بڑی مصلحت ہے جس پر دُنیا کا انتظام منحصر ہے کیونکہ خوشحال لوگوں کو تنگدست لوگوں سے کام کاج لینے کی ضرورت ہے اور تنگدست لوگوں کو روپیہ پیسہ کی جس سے دُنیا کا انتظام چل رہا ہے حاصل یہ ہے کہ سورۂ زخرف کی جس آیت میں دُنیا کے اس انتظام کا ذکر ہے وُہ آیت اس آخری آیت کی گویا تفسیر ہے۔ علاوہ اس مصلحت کے خوش حالی اور تنگدستی کی اور بھی مصلحتیں ہیں جن کا ذکر صحیح حدیثوں میں آیا ہے مثلاً صحیح سند سے ترمذی صحیح ابن حبان اور مستدرک حاکم میں کعبؓ بن عیاض سے روایت ہے جس میں اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم نے دُنیا کے مال و متاع کو امت محمدیہ کے حق میں بڑی فتنہ و فساد کی چیز فرمایا ہے اس سے معلوم ہُوا کہ بعضے نیک لوگوں کو فتنہ و فساد سے بچانے کی مصلحت کے لیے تنگدست رکھا گیا ہے[۲]۔ صحیح سند سے ترمذی اور ابن ماجہ میں سہل بن سعدؓ سے روایت ہے جس میں اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دُنیا کی راحت اور خوشحالی کی قدر اللہ تعالیٰ کے نزدیک

[۱] الترغیب و الترہیب ص ۱۶۴ ج ۱ الترہیب من ان یسأل الانسان الخ [۲] الترغیب ص ۲۴۳ ج ۲ باب الترغیب فی الزہد فی الدنیا الخ بروایت کعب بن عیاض ۱۲ منہ۔

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ؕ اِنَّ

اور نہ مار ڈالو اپنی اولاد کو ڈر سے مفلسی کے۔ ہم روزی دیتے ہیں ان کو اور تم کو بیشک

قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ﴿۳۱﴾

ان کا مارنا بڑی چوک ہے۔

اگر ایک مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو دنیا میں نافرمان لوگوں کو پانی کا ایک گھونٹ بھی پینے کو نہ ملتا[۱] اس حدیث کو آخری آیت کے ساتھ ملانے سے آخری آیت کا مطلب اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مشرکین مکہ میں کے خوشحال لوگ غریب مسلمانوں کو جو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں کہ جس پر اللہ کی مہربانی ہوتی ہے دُنیا میں وہی شخص خوش حالی سے رہتا ہے ان لوگوں کا یہ خیال بالکل غلط ہے۔ دُنیا کی خوشحالی اور تنگ دستی تو اور مصلحتوں کے سبب ہے جن مصلحتوں کا سمجھنا ان لوگوں کی سمجھ سے باہر ہے۔

۳۱:- اوپر کی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اولاد کو ماں باپ کا حق ادا کرنے کی تاکید فرمائی تھی اب اس آیت میں ماں باپ کو اولاد کی شفقت کی تاکید ہے سورۃ النحل میں گذر چکا ہے کہ آنحضرتؐ کے نبی ہونے سے پہلے عرب میں یہ رسم تھی کہ لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیا کرتے تھے اس بد رسم کے بند کرنے کے فائدہ کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ہے علماء نے اس آیت سے یہ بات نکالی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ماں باپ سے زیادہ شفیق ہے کیونکہ اہل عرب کے ان ماں باپ کی سختی کو جو لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے اللہ کی شفقت نے گوارا نہیں رکھا اصل بات یہ ہے کہ علماء نے اس آیت سے جو بات نکالی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شفقت ماں باپ کی شفقت سے بڑھی ہوئی ہے یہ مثال کے طور پر ایک کہنے کی بات ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کو مخلوق کی شفقت کے ساتھ کوئی نسبت نہیں چنانچہ صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رحمت اور شفقت کے سو درجے پیدا کئے ہیں ان میں سے ایک درجہ تو حیوان اور انسان تمام مخلوقات میں تقسیم فرمایا ہے اور ایک کم سو درجے خود اللہ تعالیٰ کے برتاؤ میں ہیں[۲]۔ اسی واسطے صحیحین میں انہیں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے ہے کہ بڑے سے بڑا کافر بھی اگر اللہ کی رحمت کا حال جان لیوے تو جنت سے کبھی ناامید نہ ہو[۳] اور انہی ابوہریرہؓ کی روایت سے صحیحین میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کو پیدا کیا تو یہ ایک نوشتہ لکھ کر عرش معلّٰے پر اپنے پاس رکھ لیا ہے کہ اللہ کے غصہ پر اس کی رحمت غالب ہے[۴]۔ ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ایک عورت تنور جھونکتے جھونکتے آنحضرتؐ کے پاس آئی اس کی گود میں ایک بچہ بھی تھا اور وہ عورت آن کر آنحضرتؐ سے کہنے لگی کہ کیا آپؐ یہ نہیں کہتے کہ اللہ تعالیٰ ارحم الراحمین ہے اور جس قدر ماں اپنے بچہ سے اُلفت کرتی ہے اس سے زیادہ اللہ اپنے بندوں پر مہربان ہے آپؐ نے فرمایا کہ ہاں اس عورت نے کہا کہ میں تو اپنے بچہ کو تنور کی آگ کی لپٹ سے بھی بچا لیتی ہوں پھر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دوزخ کی آگ میں کیوں کر ڈال دیوے گا حضرت عبداللہؓ

[۱] تفسیر ہذا ص ۲۵۰ ج ۲ [۲] صحیح مسلم ص ۳۵۶ ج ۲ باب سعۃ رحمۃ اللہ تعالیٰ الخ [۳] صحیح مسلم ص ۳۵۶ ج ۲ باب سعۃ رحمۃ اللہ تعالیٰ الخ [۴] ایضاً

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ﴿۳۲﴾ وَلَا تَقْتُلُوا

اور پاس نہ جاؤ بدکاری کے وہ ہے بے حیائی اور بُری راہ ہے۔ اور نہ مارو جان

النَّفْسَ الَّتِىْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ

جو منع کی اللہ نے مگر حق پر۔ اور جو مارا گیا ظلم سے تو دیا ہم نے اس کے وارث کو زور

سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ فِّى الْقَتْلِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ﴿۳۳﴾ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا

سو اب ہاتھ نہ چھوڑ دے خون پر اس کو مدد ہوتی ہے۔ اور پاس نہ جاؤ یتیم کے مال کے مگر جس طرح

بِالَّتِىْ هِىَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۪ وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا ﴿۳۴﴾

بہتر ہو جب تک وہ پہنچے اپنی جوانی کو پورا کرو قرار بے شک قرار کی پوچھ ہے۔

بن عمرؓ کہتے ہیں کہ اس عورت کی یہ بات سن کر آنحضرتؐ اس قدر روئے کہ پریشان ہو گئے اور پھر آپ نے فرمایا کہ سچ تو یہ ہے کہ اللہ انہی سرکشوں کو آگ میں ڈالے گا جو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں غیروں کو شریک کرتے ہیں اور اس کو وحدہٗ لاشریک نہیں جانتے[1] ابن ماجہ کی سند میں ایک راوی اسمٰعیل بن یحیٰی اگرچہ ضعیف ہے لیکن صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے معاذ بن جبلؓ کی روایت ایک جگہ گزر چکی ہے[2] کہ اللہ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ وہ اس کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کریں۔ اس حق کے ادا کرنے کے بعد بندوں کا حق اللہ پر یہ ہوگا کہ وہ ان کو دوزخ کے عذاب سے بچائے۔ اس صحیح حدیث سے ابن ماجہ کی روایت کی پوری تقویت ہو جاتی ہے کیونکہ مضمون دونوں روایتوں کا ایک ہی ہے۔ خطا کا ایک لفظ تو سزا و جزا کے وزن پر بھول چوک کے معنوں میں ہے۔ عرب لوگ جیتی لڑکیوں کو بھول چوک سے نہیں دفن کیا کرتے تھے بلکہ لڑکیوں کے بیاہ شادی کے خرچ سے ڈر کر ان لڑکیوں کو جان بوجھ کر جیتا دفن کیا کرتے تھے اس لیے اکثر سلف نے اس آیت میں خطا کے لفظ کو صدق و کذب کے وزن پر پڑھا ہے جس کے معنے گناہ کے ہیں حاصل یہ ہے کہ ترجمہ میں چوک کا لفظ گناہ کے معنوں میں ہے بھول چوک کے معنوں میں نہیں ہے کیونکہ عرب کی جس رسم کی ممانعت میں یہ آیت نازل ہوئی ہے وہ رسم عرب میں بھول چوک کے طور پر جاری نہیں تھی اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ میں آوے گا کہ قیامت کے دن جیتی لڑکیوں کو دفن کر دینے کے جرم کی دریافت ہو کر قاتلوں کو خونِ ناحق کی سزا دی جائے گی۔

۳۲-۴۰۔ اوپر کی آیتوں سے حق العباد کا ذکر چلا آتا ہے مثلاً ماں باپ کا حق اولاد کو سمجھنا اور اولاد کا حق ماں باپ کو سمجھنا رشتہ داروں کا حق رشتہ داروں کو جاننا ایک کی ماں بہن بی بی سے دوسرا بدکاری کرے یا ایک کو دوسرا جان سے مار ڈالے یا ایک شخص اپنی اولاد اور مال چھوڑ کر مر جاوے اور جس رشتہ دار کی پرورش میں وہ یتیم اولاد آوے وہ اس یتیم کا مال کھا اڑا دیوے یہ سب باتیں خدا کا گناہ ہونے کے سوا حق العباد میں رخنہ ڈالنے والی چیزیں ہیں اس واسطے اللہ تعالیٰ نے حق العباد کے ذکر کے سلسلہ میں زنا قتل بے تصرف مال یتیم خلاف عہد کم تولنے اور کم ناپنے اور جھوٹی شہادت اور اترانے کا ذکر ان آیتوں میں فرما دیا ہے تاکہ حق العباد میں جو باتیں کرنے کی ہیں وہ اور جو نہیں کرنے کی ہیں وہ ایک جگہ جمع ہو جاویں اسی

[1] ابن ماجہ ص ۳۲۸ باب ما یرجی من رحمۃ اللہ تعالیٰ الخ [2] تفسیر ہذا ص ۶۰ ج ۳

وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ
اور پورا بھر دو ماپ جب ماپ دینے لگو اور تولو سیدھی ترازو سے یہ بہتر ہے اور اچھا اس
اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۝۳۵ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۭ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ
کا انجام اور نہ پیچھے پڑ جس بات کی خبر نہیں تجھ کو بیشک کان اور آنکھ اور دل ان
كُلُّ اُولٰۗىِٕكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔــوْلًا ۝۳۶ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ
سب کی اس سے پوچھ ہے۔ اور نہ چل زمین پر اتراتا تو پھاڑ نہ ڈالے گا
الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ۝۳۷ كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ
زمین کو اور نہ پہنچے گا پہاڑوں تک لمبا ہو کر۔ یہ جتنی باتیں ہیں ان میں سب سے بری چیز ہے تیرے رب کی
مَكْرُوْهًا ۝۳۸ ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ۭ وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ
بیزاری یہ ہے کچھ ایک جو وحی کیا تیرے رب نے تیری طرف عقل کے کاموں سے اور نہ ٹھہرا اللہ کے سوا اور کی بندگی

واسطے ان آیتوں کے آخر میں فرمایا ہے کہ اس طرح کی وحی میں ایک حکمت الٰہی ہے اور شروع اس نصیحت کا اللہ تعالیٰ نے اپنے حق سے فرما کر بیچ میں حق العباد اور جو باتیں حق العباد کو مضر تھیں اس کا ذکر فرمایا اور پھر بحث کو اپنے حق پر ختم فرمایا تاکہ آدمی کی سمجھ میں آجاوے کہ سب سے بڑھ کر آدمی پر اللہ کا حق ہے جس نے اللہ کی عبادت میں شرک کے طور پر یا ریاکاری کے طور پر غیر کو شریک کیا وہ بڑا حق فراموش ہے اس نے اللہ کا حق کچھ بھی نہیں ادا کیا۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے[1] معاذ بن جبلؓ کی حدیث اوپر گزر چکی ہے جس میں ہے کہ اللہ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ وہ اس کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کریں اور پھر اس حق کے ادا ہو جانے کے بعد بندوں کا حق یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ان کو دوزخ کے عذاب سے بچائے گا حاصل کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس حق کو تاکید کے طور پر اس نصیحت میں دو دفعہ اس واسطے فرمایا ہے کہ اس نصیحت میں جن نیک کاموں کا ذکر ہے ان میں کوئی نیک کام بغیر اللہ کے اس حق کو ادا کرنے کے بارگاہ الٰہی میں نہ مقبول ہو سکتا ہے نہ ایسا حق فراموش آدمی دوزخ کے عذاب سے بچ سکتا ہے کس لیے کہ اللہ کی عبادت کرنے کیلئے اللہ کو پہچاننا ضرور ہے جو شخص اللہ کی عبادت میں غیروں کو شریک کرتا ہے وہ سرے سے اللہ کی شان کو نہیں پہچانتا پھر ایسے شخص کا نیک عمل بارگاہ الٰہی میں کیونکر مقبول ہو سکتا ہے معتبر روایتوں[2] میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے شرم و حیا کے مقابلہ میں فاحشہ کے لفظ کا استعمال فرمایا ہے اس استعمال کے موافق بدکاری کو بےحیائی کا کام فرمایا۔ بدکاری سے آدمی کی نسل بگڑتی ہے اس لیے بدکاری کو بری راہ فرمایا۔ آگے کی آیت میں قتل ناحق کے ساتھ الا بالحق کی جو قید لگائی گئی ہے صحیح بخاری و مسلم میں عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تفسیر یوں فرمائی ہے کہ قصاص میں بیاہے ہوئے بدکار مرد یا عورت یا اسلام کے بعد مرتد ہونے والے ان لوگوں کا قتل شریعت میں جائز ہے[3]۔ عرب میں دستور تھا کہ شریف آدمی کے قصاص میں بہت سے لوگوں کو قتل کیا کرتے تھے اسی کو خون پر ہاتھ چھوڑنا فرمایا کہ مقتول کے وارث کو حاکم لوگ قصاص میں مدد دیویں اور

۱؎ یعنی صفحہ سابقہ پر ۲؎ مشکوٰۃ ص ۱۴ کتاب الایمان ۳؎ مشکوٰۃ ص ۲۹۹ کتاب القصاص

اِلٰهًا اٰخَرَ فَتُلْقٰى فِيْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴿۳۹﴾ اَفَاَصْفٰىكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِيْنَ

پھر پڑے تو دوزخ میں اولاہنا کھایا دھکیلا کیا تم کو چن کر دیئے تمہارے رب نے

وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اِنَاثًا ؕ اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِيْمًا ﴿۴۰﴾ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا

بیٹے اور آپ لیئے فرشتے بیٹیاں تم کہتے ہو بڑی بات اور پھیر پھیر سمجھایا ہم نے

فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِيَذَّكَّرُوْا ؕ وَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا ﴿۴۱﴾ قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗٓ

اس قرآن میں تا وہ سوچیں اور ان کو زیادہ ہوتا ہے وہی بدکنا کہہ اگر ہوتے اس کے ساتھ

قصاص کی حد سے بڑھ کر مقتول کے وارث کچھ زیادتی نہ کریں یتیم کی حفاظت کی عہد کے پورا کرنے کی پورا تولنے کی بہتان کی اور اترانے کی ممانعت کی بہت سی صحیح حدیثیں ہیں جو گویا ان آیتوں کی تفسیر ہیں۔ آخر کو مشرکین مکہ کی نادانی کا ذکر فرمایا کہ یہ لوگ خود تو لڑکیوں سے یہاں تک گھبراتے ہیں کہ ان کو جیتا گاڑ دیتے ہیں اور نادانی سے فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہتے ہیں یہ نہیں سمجھتے کہ یہ بہت بری بات ہے جس کا بہت بڑا خمیازہ ان کو ایک دن بھگتنا پڑے گا۔

۴۱:۔ اللہ پاک نے اس آیت میں یہ بیان کیا کہ ہم نے اس قرآن پاک میں جابجا مثالیں اور حکم اور نصیحت اور قصے یہ سب کچھ بیان کیا ہے تاکہ یہ لوگ اسے پڑھ کر اور سُن کر عبرت پکڑیں اور نصیحت اختیار کریں اور اپنے قول و فعل سے باز آئیں لیکن جن کی طینت میں کفر و نفاق ہے وہ ان باتوں کو سُن کر اور بھی دین حق سے نفرت کرتے ہیں اور بھاگتے ہیں اور قرآن پاک کی نسبت یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ انسان کا کلام ہے۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے حضرت علیؓ کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے[1] کہ دُنیا کے پیدا کرنے سے پہلے اپنے علم غیب کے نتیجہ کے طور پر اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں یہ لکھ لیا ہے کہ دُنیا میں پیدا ہونے کے بعد کون شخص دوزخ میں جھونکے جانے کے قابل کام کرے گا اور کون شخص جنت میں جانے کے قابل اسی طرح صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوموسیٰ اشعریؓ کی حدیث بھی گزر چکی ہے[2] جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی نصیحت کی مثال مینہ کے پانی کی اور اچھے بُرے لوگوں کی مثال اچھی بُری زمین کی بیان فرمائی ہے۔ ان حدیثوں کو آیت کے ساتھ ملانے سے یہ مطلب ہُوا کہ جو لوگ دُنیا کے پیدا ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے علم غیب میں دوزخ میں جھونکے جانے کے قابل قرار پا چکے ہیں وہی لوگ قرآن کے سننے سے نفرت کرتے ہیں کیونکہ ان کے حق میں قرآن کی نصیحت ایسی ہی رائگاں ہے جیسے بُری زمین میں مینہ کا پانی رائگاں جاتا ہے۔

۴۲-۴۳:۔ اس آیت میں مشرکوں کے جھٹلانے کیلئے فرمایا کہ اے رسول برحق صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان مشرکوں سے کہہ دیں جیسا تم خیال کرتے ہو کہ خدا کے سوا کوئی اور معبود بھی ہیں جن کی اطاعت سے خدا کا تقرب حاصل ہوتا ہے اور جن کے پوجنے سے وہ معبود خدا کے روبرو اپنے پوجنے والوں کی شفاعت کریں گے تمہارا یہ خیال بالکل غلط ہے کیونکہ خدا کے سوا اور کوئی معبود ہوتا تو وہ ضرور کوئی رستہ ذوالعرش کی طرف نکالتا یعنی وہ معبود اللہ کے ساتھ مقابلہ کے لیے آمادہ ہوتا

[1] تفسیر ہذا ص ۹۴ ج ۳ [2] تفسیر ہذا ص ۳۰ ج ۳

اِلٰهَةٌ كَمَا يَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰى ذِى الْعَرْشِ سَبِيْلًا ﴿۴۲﴾ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا

اور حاکم جیسا یہ بتلاتے ہیں تو نکالتے تخت کے صاحب کی طرف راہ وہ پاک ہے اور اوپر ہے

يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا ﴿۴۳﴾ تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ط

ان کی باتوں سے بہت دور اس کی ستھرائی بولتے ہیں آسمان ساتوں اور زمین اور جو کوئی ان میں ہے۔

جس طرح دنیا میں ایک بادشاہ دوسرے بادشاہ پر چڑھائی کرتا ہے اور اس کے ملک اور مال پر قبضہ کرنے کو مستعد ہوتا ہے، یہ معنے اس آیت کے آیت لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا الخ کے موافق ہیں جس کا مطلب یہ ہے اگر آسمان و زمین میں خدا و مدبر کے سوا اور کوئی معبود بھی ہوتا تو یہ دونوں آسمان و زمین خراب ہو جاتے اس کے نظم و نسق میں ایک دم ابتری پھیل جاتی۔ مسند امام احمد صحیح بخاری بیہقی وغیرہ کے حوالہ سے عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے[1] کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا سے جب مکہ میں قحط پڑا تو مشرکین مکہ نے اپنے بتوں سے مینہ برسنے کی بہت کچھ التجا کی لیکن کچھ نہ ہوا آخر لاچار ہو کر جب ان لوگوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے مینہ برسنے کی دعا کا اصرار کیا تو آپ کی دعا سے مینہ برسا۔ اس حدیث کو آیت کے ساتھ ملانے سے یہ مطلب ہوا کہ آسمان و زمین کا سب انتظام اکیلے اللہ کے اختیار میں ہے ان مشرکوں کے بتوں کو اللہ تعالیٰ کے کسی کارخانہ میں کچھ دخل نہیں ہے اسی واسطے آخر آیت میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان مشرکوں کی شرک کی باتوں سے پاک اور بہت دور ہے۔

۴۴۔ جس طرح بنی آدم میں اللہ تعالیٰ نے مختلف زبانیں بنائی ہیں کوئی عربی بولتا ہے کوئی ترکی کوئی فارسی جب تک ایک فرقہ خاص طور پر دوسرے فرقے کی زبان نہ سیکھے اپنی زبان کے سوا دوسری زبان کا ایک لفظ نہیں جانتا اسی طرح اللہ نے زمین آسمان جھاڑ پہاڑ، سب کو ایک ایک زبان دی ہے وہ اپنی زبان میں رات دن اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے ہیں ہر فرقہ انسانی کا دوسرے فرقے انسانی سے میل جول دنیا کی آبادی کی غرض سے اللہ کو منظور ہے اس لیے ایک ملک کا آدمی ضرورت سے دوسرے ملک کی زبان کو سیکھنا چاہے تو یہ بات اللہ تعالیٰ نے حد تعلیم انسانی پر انسان کے اندر رکھی ہے جھاڑ پہاڑ کی زبان سے اس طرح کی کوئی غرض انسانی کا تعلق نہیں ہے اس لیے جھاڑ پہاڑ کی زبان کی سمجھ عام لوگوں کے فہم سے ایک غیر چیز ہے مگر جس طرح خاص خاص ایک فرقہ کے لوگ دوسرے فرقے انسانی کی زبان سیکھ لیتے ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ جس کو اپنے علم خاص سے بہرہ مند فرماتا ہے وہ جھاڑ پہاڑ کی زبانیں سمجھتے ہیں چنانچہ اس باب میں قرآن شریف کی آیتیں اور بہت حدیثیں[2] اور آثار ہیں کسی قدر ان میں سے بیان کئے جاتے ہیں۔ قرآن شریف میں تسبیح کی سورتیں بعض تو سبّح کے لفظ سے شروع ہوئی ہیں اور بعض یسبح کے لفظ سے جس کا یہ مطلب نکلتا ہے کہ آسمان و زمین کل چیزیں اپنی زبان میں ہر وقت اللہ کو یاد کرتی ہیں اور اس کے نام کی تسبیح پڑھتی ہیں ان تسبیح کی آیتوں کی تفسیر صحیح حدیثوں سے اچھی طرح سمجھ میں آجاتی ہیں چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے[3] جس کا ایک ٹکڑا یہ ہے کہ کھانا کھاتے وقت کھانے کی تسبیح کی آواز ہم صحابہ لوگ سنا کرتے تھے صحیح مسلم میں جابر بن سمرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا جو پتھر

[1] تفسیر ہذا ص ۷۰ ج ۳ [2] تفصیل کے لیے دیکھئے تفسیر ابن کثیر ص ۴۰ ج ۳ [3] تفسیر ابن کثیر ص ۴۲ ج ۳

وَإِنْ مِّنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ

اور کوئی چیز نہیں جو نہیں پڑھتی خوبیاں اس کی لیکن تم نہیں سمجھتے ان کا پڑھنا بیشک

إِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ﴿۴۴﴾

وہ ہے تحمل والا بخشتا۔

نبوت سے پہلے مجھ سے سلام علیک کیا کرتا تھا میں اس کو خوب پہچانتا ہوں[۱] بخاری میں حضرت عبداللہؓ بن عمر سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ پہلے آنحضرت ایک کھجور کی لکڑی پر چڑھ کر خطبہ پڑھا کرتے تھے جب آپ کے خطبہ پڑھنے کے لیے ممبر بن گیا تو آپؐ نے اس لکڑی پر خطبہ پڑھنا چھوڑ دیا۔ اس غم سے وہ لکڑی کا ٹکڑا ایسا رویا کہ آپؐ نے اور اصحاب نے اس کے رونے کی آواز سنی اور آپ بے تاب ہو کر ممبر سے اترے اور اس لکڑی کے ٹکڑے کو اپنا منہ لگا کر کچھ بات چپکے سے اس سے کہی جب وہ لکڑی کا ٹکڑا چپکا ہوا[۲] مسند امام احمد وغیرہ میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ جب آنحضرتؐ اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ اپنے ہاتھوں میں کنکر اٹھاتے تھے تو شہد کی مکھی کی بھنبھناہٹ کی طرح ان کنکریوں کی تسبیح کی آواز ہم لوگ سنا کرتے تھے[۳] نسائی میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت نے فرمایا مینڈک کو مت مارو اس کا بولنا اللہ کی تسبیح ہے[۴] اور پر صحیح بخاری اور مسلم کی روایتیں جو گذری ہیں ان سے مسند امام احمد اور نسائی کی روایتوں کو پوری تقویت ہو جاتی ہے حاصل کلام یہ ہے کہ بعضے علماء نے یہ جو لکھا ہے کہ جن و انسان کے سوا اور چیزیں زبان حال سے اللہ کی تسبیح کرتی ہیں۔ یہ قول صحیح نہیں بلکہ اکثر حدیثوں اور آثار سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک چیز کو اللہ نے ایک خاص گویائی دی ہے اس گویائی سے وہ چیز اللہ کی تسبیح میں مشغول ہے اور اکثر سلف کا یہ مذہب ہے کہ ہر چیز کی ایک زندگی کی سی حالت ہے مثلاً پیڑ کا ہرا رہنا، کپڑے کا میلا اور پرانا نہ ہونا ایسی حالت تک ہر چیز اللہ کی تسبیح کرتی ہے اور اس مذہب کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جس کی روایت صحیحین میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے ہے اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرتؐ کا گذر ایک روز دو قبروں پر ہوا اور آپؐ نے فرمایا ان دونوں قبروں میں جو مُردے دفن ہیں ان پر عذاب قبر ہو رہا ہے ایک شخص ان دونوں مُردوں میں سے پیشاب کی چھینٹوں سے پرہیز نہیں کیا کرتا تھا اُس کے عذاب میں پکڑا گیا اور دوسرا شخص چغلخوری کے عذاب میں گرفتار ہے۔ یہ فرما کر آپؐ نے ایک ہری ٹہنی درخت کی لے کر اس کی دو شاخیں کیں اور دونوں شاخیں ان دونوں قبروں پر لگا دیں اور یہ فرمایا کہ جب تک یہ شاخیں خشک نہ ہوں گی شاید ان دونوں کے عذاب میں تخفیف رہے گی[۵]۔ اس حدیث سے علماء نے یہ مطلب نکالا ہے کہ ہری شاخ اللہ کی تسبیح کرتی تھی اسی تسبیح کے اثر سے عذاب میں تخفیف ہوئی تھی جب وہ شاخیں سوکھ گئیں اور تسبیح الٰہی بند ہو گئی تو وہ اثر بھی جاتا رہا جس اثر سے عذاب کی تخفیف ہوئی تھی پھر عذاب بدستور قائم ہو گیا۔

[۱] مشکوٰۃ ص ۵۲۴ باب علامات النبوۃ [۲] صحیح بخاری ص ۵۰۶ ج ۱ باب علامات النبوۃ [۳] یہ روایت اجمالاً فتح الباری ص ۲۳۰ ج ۳ اور تفصیلاً البدایہ والنہایہ ص ۱۳۲ ج ۶ میں بروایت حضرت ابوذرؓ دلائل النبوۃ بیہقی کے حوالہ سے ہے قدرے الفاظ بھی مختلف ہیں (ع ح) [۴] تفسیر ابن کثیر ص ۴۲ ج ۳ [۵] تفسیر ابن کثیر ص ۴۳ ج ۳ و صحیح بخاری ص ۱۸۲ ج ۱ باب الجرید علی القبر ۱۲ منہ

وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَیْنَکَ وَبَیْنَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَۃِ

اور جب تو پڑھتا ہے قرآن کر دیتے ہیں ہم بیچ میں تیرے اور ان لوگوں کے جو نہیں مانتے پچھلا جینا

حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ﴿۴۵﴾ وَّجَعَلْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اَکِنَّةً اَنْ یَّفْقَهُوْهُ وَفِیْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا

ایک پردہ ڈھنکا ۔ اور کئے ہیں ان کے دلوں پر اوٹ کہ اس کو نہ سمجھیں اور ان کے کانوں میں بوجھ

وَاِذَا ذَکَرْتَ رَبَّکَ فِی الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰۤی اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ﴿۴۶﴾

اور جب مذکور کرتا ہے تو قرآن میں اپنے رب کا اکیلا کر کر بھاگتے ہیں اپنی پیٹھ پر بدک کر۔

صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابو موسیٰ اشعریؓ کی ایک حدیث گزر چکی ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی بڑی بردباری ہے کہ مشرک لوگ اس کی تعظیم میں غیروں کو شریک کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کے رزق اور صحت کے انتظام میں کچھ خلل نہیں ڈالتا۔ یہ حدیث انہ کان حلیما غفورا کی گویا تفسیر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ سوا ان مشرکوں کے اور سب چیزیں خالص اللہ کی عبادت کرتی ہیں اور یہ مشرک لوگ اگرچہ اللہ کی عبادت میں غیروں کو شریک کرتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ اپنی بردباری سے ان پر کسی عذاب کے نازل کرنے میں جلدی نہیں کرتا اور ان کے رزق اور صحت کے انتظام کو بحال رکھتا ہے۔

۴۵: تفسیر ابراہیم بن منذر میں ابن شہاب زہری کی روایت سے جو شانِ نزول اس آیت کی بیان کی گئی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ جس وقت اللہ کے رسول قرآن شریف کی آیتیں مشرکین مکہ کی روبرو پڑھتے تھے اور ان کو ہدایت کرتے تھے تو وہ لوگ ٹھٹھے سے کہتے تھے وَفِیْۤ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَیْنِنَا وَبَیْنِکَ حِجَابٌ یعنی جن باتوں کے ماننے کے لیے اے محمدؐ تم ہم سے کہتے ہو ان باتوں کے سننے سے ہمارے کان بہرے ہیں اور ان باتوں کے ماننے کے سبب[1] سے ہم میں اور تم میں ایک آڑ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان مشرکوں کی بات کی تصدیق میں یہ آیت نازل فرمائی[2]۔ سورۂ حٰمٓ السجدۃ میں آوے گا کہ جن باتوں کا ذکر ان آیتوں میں ہے وہ باتیں مشرک لوگ مسخرا پن سے کیا کرتے تھے۔ اس سے شانِ نزول کی روایت کی پوری تائید ہوتی ہے حاصل معنے آیت کے اس صورت میں یہ ہیں کہ یہ مشرک لوگ جو کچھ ٹھٹھے سے کہتے ہیں وہ سچی بات ہے بدبختی ازلی جو ان کے سر پر سوار ہے وہ ان کو قرآن شریف کی ہدایت کی باتیں سننے نہیں دیتی تو گویا یہ لوگ حقیقت میں بہرے ہیں اور آنکھوں کے سامنے کے آثار قدرت الٰہی ان کو نظر نہیں آتے اس لیے حق باتوں میں اور ان میں ایک طرح کی آڑ ہے وہ آڑ بھی وہی بدبختی ازلی ہے جو ان کو دیکھنے کی حق باتیں دیکھنے نہیں دیتی حاصل کلام یہ ہے کہ جس آڑ کا آیت میں ذکر ہے وہ آڑ اس صورت میں ایک باطنی اور معنوی چیز ہے سوا اس کے آنحضرتؐ اور کفار کے مابین میں اللہ کے حکم سے ایک فرشتہ بھی حائل رہا کرتا تھا تاکہ قرآن شریف میں جو آیتیں کفار کی طبیعت کے مخالف ہیں ان کو سن کر کفار لوگ آنحضرت سے کچھ بے ادبی سے پیش نہ آویں اس آڑ پر بھی آیت کا مطلب صادق آتا ہے اسی واسطے بعضے علماء نے اس مطلب کو شانِ نزول قرار دیا ہے لیکن وہ آیت کے مضمون کا مصداق ہے شانِ نزول نہیں ہے چنانچہ مستدرک حاکم مسند ابو یعلیٰ مسند بزار تفسیر ابن ابی حاتم وغیرہ میں جو حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے[3] اس کا حاصل یہ ہے کہ جب سورۂ تبت نازل ہوئی اور ابولہب کی بیوی

[1] تفسیر ہذا ص ۵۰ ج ۳ [2] تفسیر الدر المنثور ص ۱۸۶ ج ۴

نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا یَسْتَمِعُوْنَ بِهٖۤ اِذْ یَسْتَمِعُوْنَ اِلَیْكَ وَ اِذْ هُمْ نَجْوٰۤى اِذْ

ہم خوب جانتے ہیں جیسا وُہ سنتے ہیں جس وقت کان رکھتے ہیں تیری طرف اور جب وُہ مشورت کرتے ہیں جب

یَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ﴿۴۷﴾ اُنْظُرْ كَیْفَ ضَرَبُوْا لَكَ

کہتے ہیں بے انصاف جس کے کہے پر چلتے ہو نہیں وُہ مگر ایک مرد جادو کا مارا۔ دیکھ کیسے بٹھاتے ہیں تجھ پر

الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ سَبِیْلًا ﴿۴۸﴾ وَ قَالُوْۤا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّ رُفَاتًا

الربع

کہاوتیں اور بہکتے ہیں سو راہ نہیں پا سکتے۔ اور کہتے ہیں کیا جب ہم ہو گئے ہڈیاں اور

ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِیْدًا ﴿۴۹﴾ قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِیْدًا ﴿۵۰﴾ اَوْ خَلْقًا

چورا کیا ہم پھر اٹھیں گے نئے بن کر۔ تو کہہ تم ہو جاؤ پتھر یا لوہا یا کوئی خلقت

نے سُنا کہ اس کی ہجو قرآن شریف میں اُتری ہے تو وُہ عورت ایک پتھر لے کر آنحضرتؐ کو مارنے آئی اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دل میں یہ اندیشہ پیدا ہُوا کہ وُہ عورت جھنجلا کر کبھی یہ پتھر آپ کو نہ مار دے تو آپؐ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی تسکین کی اور یہ آیت پڑھی اور فرمایا ایک فرشتہ مجھ میں اور ایسے لوگوں میں آڑ ہے[1]۔ غرض روایت میں اس وقت وحی کے نازل ہونے کا کوئی ذکر نہیں ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وُہ فرشتہ پہلے سے تعینات تھا اس وقت آپؐ نے یہ آیت بطور تصدیق کے پڑھی تھی اس صورت میں ایک آڑ ظاہری بھی آیت کے مطلب میں سوا اُس آڑ باطنی اور معنوی کے داخل ہے۔ بزار نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی اس روایت کو معتبر قرار دیا ہے[2]۔ آخر آیت میں فرمایا کہ جب قرآن کی آیتوں میں اللہ کی وحدانیت کا ذکر آتا ہے تو یہ مشرک لوگ پیٹھ موڑ کر بھاگ جاتے ہیں۔ صحیح سند سے مسند امام احمد ترمذی اور مستدرک حاکم میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ابوطالب کی بیماری کے وقت چند مشرکین مکہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایک مجلس میں جمع ہُوئے اور اس مجلس میں جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا ذکر کیا تو یہ مشرک لوگ غصہ ہو کر اس مجلس سے چلے گئے۔ آخر آیت میں یہ جو ذکر ہے کہ جب اللہ کی توحید کا ذکر آتا ہے تو یہ مشرک لوگ پیٹھ موڑ کر بھاگ جاتے ہیں یہ حدیث گویا اس کی تفسیر ہے۔ سورۂ ص کی تفسیر میں یہ ابوطالب کی بیماری کا قصہ تفصیل سے آوے گا[3]۔

۴۷۔۵۵: سیرۃ محمد بن اسحاق اور دلائل النبوۃ بیہقی میں ناقابلِ اعتراض سند کی ابن شہاب زہری سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ایک روز ابوسفیان اور ابوجہل اور چند قریش جمع ہُوئے اور جس وقت آنحضرتؐ نماز میں قرآن شریف اپنے گھر میں پڑھ رہے تھے اس وقت چھُپ کر قرآن شریف سُنا اور پھر آپس میں صلاح کر کے آنحضرتؐ کو جادو کیا ہُوا ایک شخص اور حشر کی آیتوں کو خلافِ عقل ہونے کا ذکر کرنے لگے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں حاصل[4] معنے یہ ہیں کہ قرآن شریف سُن کر یہ لوگ جو آپس میں باتیں کرتے ہیں وُہ اور اللہ کے رسُول کی شان میں یہ لوگ جو باتیں کرتے ہیں وُہ اللہ تعالیٰ کو سب معلوم ہیں وقت

---

[1] فتح البیان تفسیر سورہ تبت [2] ایضاً [3] ملاحظہ ہو تفسیر ابن کثیر ص ۲۸ ج ۴ [4] تفسیر الدر المنثور ص ۱۸۷ ج ۴۔

مِّمَّا يَكْبُرُ فِي صُدُوْرِكُمْ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ مَنْ يُّعِيْدُنَا ۭ قُلِ الَّذِيْ فَطَرَكُمْ

جو مشکل لگے تمہارے جی میں پھر اب کہیں گے کون لوٹا لائے گا ہم کو کہہ جس نے بنایا تم کو

اَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ فَسَيُنْغِضُوْنَ اِلَيْكَ رُءُوْسَهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هُوَ ۭ قُلْ عَسٰٓى

پہلی بار پھر اب مٹکا دیں گے تیری طرف اپنے سر اور کہیں گے کب ہے وُہ تو کہہ شاید

اَنْ يَّكُوْنَ قَرِيْبًا ﴿۵۱﴾ يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِيْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ وَتَظُنُّوْنَ اِنْ

نزدیک ہی ہو گا جس دن تم کو پکارے گا پھر چلے آؤ گے سراہتے اس کو اور اٹکلو گے کہ دیر نہیں

لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۵۲﴾ ع

لگی تم کو مگر تھوڑی ۔

مقررہ آنے پر مناسب مؤاخذہ ان سے کیا جاوے گا چنانچہ اس وعدہ کے موافق اس گروہ میں کے چند شخص جنگِ بدر میں ہلاک ہوگئے اور ابو سفیان وغیرہ فتح مکہ پر مسلمان ہوگئے اور حشر کا انکار ان لوگوں نے جو کیا تھا اس کا جواب اللہ تعالیٰ نے یہ دیا کہ انسان پیدا ہونے سے پہلے آخر مٹی ہی تھا جس اللہ نے مٹی کا پتلا پہلی دفعہ بنایا اور اس پتلا میں رُوح پھونکی پھر اس اللہ کو دوسری دفعہ وُہ کام کرنا جو ایک دفعہ وُہ کر چکا ہے کیا مشکل ہے بلکہ جو کوئی ایک دفعہ ایک کام کر چکے پھر اس کو وُہ کام سہل ہو جاتا ہے اسی واسطے حشر کے خلاف عقل ہونے میں اوپر تفصیل سے بیان ہو چکا ہے کہ پہلی پیدائش سے حشر آسان ہے پھر اللہ تعالیٰ نے مشرکین مکہ کی تنبیہ کے لیے فرمایا کہ مٹی کا پتلا تو کیا ہے اگر یہ مر کر لوہا یا پتھر یا کوئی سخت چیز بھی ہو جاویں تو اللہ کی قدرت تو وُہ ہے کہ اللہ ضرور ان کو دوبارہ پیدا کرے گا۔ آگے فرمایا دوبارہ زندہ ہونے کی تاکید سُن کر یہ لوگ تعجب سے پوچھیں گے کہ آخر ہم کو دوبارہ کون زندہ کرے گا تو اے رسُول اللہ ان سے کہہ دیا جائے کہ جس نے پہلے تم کو نیست سے ہست کیا وہی تم کو دوبارہ پیدا کرے گا پھر فرمایا اس جواب کو سُن کر یہ لوگ مسخراپن سے گردنیں مٹکا کر یہ کہیں گے کہ آخر اس وعدہ کا ظہور کب ہوگا ان سے کہہ دیا جائے کہ گھبراؤ نہیں شاید اس کا ظہور بھی جلدی ہونے والا ہے پھر فرمایا اب تو یہ لوگ ایسے مسخراپن کی باتیں کرتے ہیں لیکن دوسرے صور سے پہلے جب ایک مینہ برس کر ان کے جسم تیار ہو جاویں گے اور ان جسموں میں رُوحیں پھونک دی جاویں گی اور ان کو میدان محشر میں حاضر ہونے کا حکم ہوگا تو اللہ کی قدرت کو دیکھ کر بیساختہ اللہ کی تعریف ان کی زبان پر آجاوے گی اور حساب وکتاب کے بعد جب بیشمار مدت کے لیے ان کو دوزخ میں جھونک دیا جائیگا۔ تو اس بے شمار مدت کے مقابلہ میں دُنیا میں رہنے کی مدت ان کو بالکل کم نظر آئے گی۔ دوسرے صور سے پہلے جو مینہ برسے گا صحیح بخاری وسلم کی ابو ہریرہؓ کی روایت کے حوالہ سے اس کا ذکر کئی جگہ اس تفسیر میں کر دیا گیا ہے۔ سورۃ القمر میں آئے گا کہ دوسرے صور کی آواز سے سب لوگ قبروں سے نکل کر میدان محشر کی طرف ٹڈیوں کی طرح دوڑیں گے۔ مسند امام احمد کے حوالہ سے حضرت عائشہؓ کی صحیح حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے[1] کہ نیک آدمی کے مردے کو قبر میں رکھتے ہی جنت کا ٹھکانا اور بد شخص کے مُردہ کو دوزخ کا ٹھکانہ فرشتے دکھلا کر یہ کہہ دیتے ہیں کہ اس ٹھکانے میں رہنے کیلئے قیامت کے دن تم کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا اسی طرح

[1] تفسیر ہذا ج ۲ ص ۳۳۴

وَقُلْ لِّعِبَادِيْ يَقُولُوا الَّتِيْ هِيَ أَحْسَنُ ۚ إِنَّ الشَّيْطٰنَ يَنْزَغُ بَيْنَهُمْ ۚ إِنَّ

اور کہہ دے میرے بندوں کو کہ بات وہی کہیں جو بہتر ہو شیطان جھڑپ کرواتا ہے آپس میں ۔ شیطان

الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلْإِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ﴿۵۳﴾ رَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِكُمْ ۖ إِنْ يَّشَأْ يَرْحَمْكُمْ أَوْ إِنْ

ہے انسان کا بےشک دشمن صریح ۔ تمہارا رب بہتر جانتا ہے تم کو اگر چاہے تم پر رحم کرے اور اگر

ابو داؤد اور مسند امام احمد کے حوالہ سے براء بن عازبؓ کی صحیح حدیث بھی گزر چکی ہے[۱] کہ بدلوگ دوزخ کے ٹھکانے سے ڈر کر عذاب قبر کو غنیمت جانیں گے اور قیامت کے نہ قائم ہونے کی ہر وقت دُعا کرتے رہیں گے ۔ ان حدیثوں کو آیتوں کے ساتھ ملانے سے یہ مطلب ہوا کہ دُوسرے صور کی آواز سے ان منکرین قیامت کا ٹڈیوں کی طرح حساب و کتاب کے لیے میدان محشر کی طرف دوڑنا اور حساب و کتاب کے بعد بے شمار مدت کا دوزخ میں جھونکے جانے کا حکم سُن کر اس کے مقابلہ میں دنیا میں رہنے کی مدت کو بالکل چند روزہ مدت خیال کرنا یہ تو اپنے وقت پر ہوگا لیکن ان میں سے ہر ایک شخص کو اس کا ٹھکانا زلیست کے تھوڑے سے دن گزر جانے کے بعد مرنے کے ساتھ ہی دکھلا دیا جاوے گا جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اب تو یہ لوگ مسخراپن سے قیامت کے آنے کی جلدی کرتے ہیں مگر دوزخ کے اپنے ٹھکانے کو دیکھ کر ہر وقت قیامت کے نہ قائم ہونے کی دُعائیں مانگیں گے ۔

۵۳ ۔ اس آیت میں اللہ پاک نے اپنے رسُول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت اپنے بندوں کو حکم فرمایا کہ تم اپنا برتاؤ اچھا رکھو ایسا نہ ہو کہ سخت کلامی سے شیطان تمہارے بیچ میں کُود پڑے اور جھگڑا ڈال دے کیونکہ شیطان حضرت آدم اور بنی آدم کا صریح دشمن ہے ۔ احسن کی تفسیر میں مفسروں کا قول یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ لوگ نرمی اور آہستگی سے کلام کریں کوئی شخص کافر سے بھی سخت کلامی نہ کرے کیونکہ اس سے فساد پیدا ہوتا ہے اور ضعف اسلام کے زمانہ تک مشرکین اور اہل اسلام کے مابین کسی فساد کا پیدا ہونا اللہ تعالیٰ کو منظور نہیں ہے ۔ صحیح بخاری کے حوالہ سے خبابؓ کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے[۲] کہ ہجرت سے پہلے مشرکین مکہ مسلمانوں کو طرح طرح کی تکلیفیں دیتے تھے ۔ مفسّرین نے لکھا ہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور فرمایا کہ شیطان بے وقت مشرکین اور اہل اسلام میں جھگڑا ڈلوانا چاہتا ہے اور ضعف اسلام کے زمانہ تک اللہ تعالیٰ کو در گزر منظور ہے اس واسطے مشرک لوگ نادانی سے اگر مسلمان لوگوں کے ساتھ سخت کلامی کریں تو مسلمانوں کو چاہیے کہ نیک برتاؤ سے اس کو ٹال دیں ۔

۵۴ ۔ ۵۵ ۔ اوپر کی آیت میں مسلمانوں کو سخت کلامی سے منع فرما کر اس کے بعد اب مشرکوں کا حال بیان فرمایا کہ اے رسُول اللہ کے مشرکین مکہ میں سے کچھ لوگ راہ راست پر نہ آویں تو اس کا کچھ بوجھ بار تمہارے ذمہ نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے علم غیب میں جس طرح بعضے نبیوں کی بزرگی اور فضیلت بعضوں پر ٹھہر چکی ہے اسی طرح یہ بات بھی ٹھہر چکی ہے کہ ان مشرکوں میں سے کچھ لوگ راہ راست پر آ کر اللہ کی رحمت کے قابل ٹھہریں گے اور کچھ حالت کفر پر مر کر عذاب کے مستحق ہوں گے ۔ بدر کی لڑائی میں ابو جہل کا کفر کی حالت پر مرنا اور فتح مکہ پر ابو سفیان کا اسلام کی فضیلت کو حاصل کرنا مشرکین مکہ کی اس حالت کی تفسیر ہے جس کا ذکر ان آیتوں میں ہے ۔ زبور میں امت محمدیہ کا جو حال ہے اس کا ذکر سورۃ الانبیاء میں آویگا اس واسطے امت محمدیہ کے لوگوں کے ذکر میں خاص طور پر

[۱] تفسیر ہذا ج ۲ ص ۳۳۴ [۲] تفسیر ہذا ص ۲۷۵ ج ۳

يَّشَأْ يُعَذِّبْكُمْ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ﴿۵۴﴾ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِمَنْ فِى السَّمٰوٰتِ

چاہے تم کو مار دے اور تجھ کو نہیں بھیجا ہم نے ان پر ذمہ لینے والا۔ اور تیرا رب بہتر جانتا ہے جو کوئی ہے آسمانوں

وَالْاَرْضِ ؕ وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰى بَعْضٍ وَّاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴿۵۵﴾

میں اور زمین میں اور ہم نے زیادہ کیا ہے بعضے نبیوں کو بعضوں سے اور دی ہم نے داؤد کو زبور۔

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا

کہہ پکارو جن کو سمجھتے ہو سوائے اس کے سو نہیں اختیار رکھتے کہ تکلیف کھول دیں تم سے اور نہ

تَحْوِيْلًا ﴿۵۶﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ

بدل دیں۔ وہ لوگ جن کو یہ پکارتے ہیں ڈھونڈتے ہیں اپنے رب تک وسیلہ کہ کون بندہ بہت نزدیک ہے

زبور کا ذکر فرمایا ہے۔ صحیح بخاری و مسلم میں معراج کی حدیثوں[1] میں ہے کہ معراج کی رات آدم علیہ السلام اول آسمان پر تھے اور ابراہیم علیہ السلام ساتویں آسمان پر۔ صحیح مسلم میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے چھ[2] باتوں کا ذکر فرما کر یہ فرمایا ہے کہ ان چھ باتوں کے سبب سے اللہ تعالیٰ نے مجھ کو سب انبیاء پر فضیلت دی ہے[3] یہ چھ باتوں کی پوری حدیث ایک جگہ گذر چکی ہے۔ آیتوں میں بعضے انبیاء کو بعضوں پر فضیلت دینے کا جو ذکر ہے یہ حدیثیں گویا اس کی تفسیر ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ بعضے انبیاء کو بعضوں پر اور نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کو سب انبیاء پر اللہ تعالیٰ نے فضیلت دی ہے سورہ بقر میں گزر چکا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کے لوگوں کو انبیاءؑ کی فضیلت میں بحث کرنے سے منع کیا ہے تاکہ اس بحث سے کسی نبی کی کسر شان نہ لازم آوے۔ صحیح بخاری و مسلم میں اس بحث کی ممانعت کی تفصیلی روایتیں[4] ہیں۔

۵۶۔۵۷۔ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت[5] سے جو شان نزول اس آیت کی بیان کی گئی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ مشرکوں میں سے کچھ لوگوں نے جنات کے ایک گروہ کو اپنا معبود بنا رکھا تھا اتفاق سے جنات کا گروہ مسلمان ہو گیا اور انسانوں کے اس فرقے کو جو ان جنات کی پرستش کیا کرتے تھے ان جنات کے مسلمان ہو جانے کی خبر نہیں ہوئی اللہ تعالیٰ نے ان مشرکوں کے گروہ کے شرمندہ کرنے کو یہ آیت نازل فرمائی۔ حاصل معنے آیت کے یہ ہیں کہ اے نبی اللہ کے ان بے خبر شرک کرنے والوں سے یہ کہہ دو کہ اللہ کے سوا جن کو تم اپنا معبود ٹھہراتے ہو اگرچہ پہلے بھی ان تمہارے معبودوں کو کسی نیک و بد کا اللہ کے کارخانہ میں اختیار نہ تھا چنانچہ مکہ کے قحط کے زمانہ میں تمہیں اس کا تجربہ ہو چکا ہے اور اب تو تمہارے ان معبودوں کا یہ حال ہے کہ تم ان کو خدا گنتے ہو اور وہ خدا کو خدا جانتے ہیں اور عمل نیک کو خدا کی رضامندی کا ذریعہ ٹھہراتے ہیں اور اللہ کے عذاب سے ڈرتے ہیں تم کو ان کا حال معلوم نہیں تو ذرا تم لوگ ان کا حال دریافت کر لو کہ وہ کس حال میں ہیں تفسیر ابن جریر میں دوسرے طریقہ سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے بجائے جنات کے ملائکہ کے ایک گروہ کو مشرکین کا اپنا معبود ٹھہرانا اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ

[1] مشکوٰۃ ص ۵۲۷ باب فی المعراج [2] مشکوٰۃ ص ۵۱۲ باب علامات النبوۃ [3] مثلاً دیکھئے مشکوٰۃ باب بدء الخلق (ذکر الانبیاء) فصل اول [4] صحیح بخاری ص ۶۸۵ ج ۲ کتاب التفسیر

وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ؕ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ﴿۵۷﴾

اور امید رکھتے ہیں اس کی مہر کی اور ڈرتے اس کی مار سے بیشک تیرے رب کی مار ڈرنے کی چیز ہے۔

وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ كَانَ ذٰلِكَ فِى الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ﴿۵۸﴾

اور کوئی بستی نہیں جس کو ہم نہ کھپادیں گے قیامت سے پہلے یا آفت ڈالیں گے اس پر سخت آفت۔ یہ ہے کتاب میں لکھا گیا۔

کی روایت میں حضرت عیسیٰؑ اور عزیرؑ کو معبود ٹھہرانا[۱] جو ہے اس کو حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں ناثابت اور ضعیف ٹھہرایا ہے کیونکہ بخاری کی روایت سے صاف یہ معلوم ہوتا ہے کہ وُہ گروہ ایسا تھا کہ پہلے مشرکین کے معبود بننے پر راضی تھا اور پھر اسلام لاکر اپنے اس فعل سے وُہ گروہ بیزار ہوگیا یہ بات ملائکہ اور حضرت عیسیٰؑ اور عزیرؑ کے حق میں ہرگز صادق نہیں آتی کیونکہ ملائکہ اور حضرت عیسیٰؑ اور عزیرؑ کبھی مشرکین کے معبود بننے پر راضی نہیں ہُوئے۔ آخر آیت میں فرمایا کہ اللہ کا عذاب بلاشک ڈرنے کی چیز ہے۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے انس بن مالکؓ کی روایت ایک جگہ گزر چکی ہے جس میں اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ کو دوزخ کے عذاب کا کچھ حال معلوم ہے اگر لوگوں کو وُہ حال معلوم ہو جائے تو وُہ ہنسنا چھوڑ دیں اور سوا رونے کے ان کو کچھ کام نہ رہے[۲]۔ یہ حدیث ان عذاب ربک کان محذورا کی گویا تفسیر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ کا عذاب ایسی ڈرنے کی چیز ہے کہ اس میں گرفتار ہونا تو درکنار اس کا پورا حال سننا بھی انسان کی برداشت سے باہر ہے۔

۵۸: اوپر ذکر تھا کہ مشرکین مکہ کو دُنیا کی زندگی پر ایسا بھروسہ تھا کہ وُہ مسخراپن سے قیامت کے[۳] آنے کی جلدی کرتے تھے اس لیے فرمایا کہ دُنیا کی زندگی کسی طرح بھروسہ کے قابل چیز نہیں ہے۔ قیامت سے[۴] پہلے بعضے شہروں کے لوگ اپنی موت سے اور بعضوں کے طرح طرح کی آفتوں سے مرکھپ جاویں گے۔ صحیح مسلم کے حوالہ سے عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کی روایت کئی جگہ گزر چکی[۵] ہے کہ دُنیا کے پیدا کرنے سے پچاس ہزار برس پہلے جو کچھ دُنیا میں ہونے والا ہے اپنے علم غیب کے موافق وُہ سب اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں لکھ لیا ہے معتبر سند سے مسند امام احمد صحیح ابن حبان اور طبرانی میں ابوہریرہؓ اور عقبہ بن عامرؓ سے جو روایتیں[۶] ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ پہلے صور کے قریب جو شخص بیچنے کے لیے کپڑے کا تھان کھولے گا یا دودھ والے جانوروں کا دودھ دوہے گا یہ سب کچھ یوں ہی پڑا رہے گا اور پہلے صور کی آواز سے تمام دنیا ہلاک ہو جائے گی ان حدیثوں کو آیت کے ساتھ ملانے سے یہ مطلب ہُوا کہ دُنیا کے پیدا ہونے کے پچاس ہزار برس پہلے لوح محفوظ میں یہ لکھا جا چکا ہے کہ بعض بستیوں کے لوگ اپنی موت سے اور بعضی کے طرح طرح کے عذابوں سے اور آخر کو پہلے صور کی آواز سے۔ غرض اسی طرح تمام دنیا ہلاک ہو جائے گی پھر ایسی ہلاک ہونے والی چیز پر بھروسہ کر کے جو لوگ عقبیٰ کے منکر ہیں یا اس سے غافل ہیں وُہ بڑے نادان ہیں کیونکہ جہاں لوحِ محفوظ میں دُنیا کا ہلاک ہونا لکھا ہے وہاں یہ بھی لکھا ہے کہ دُنیا کے ہلاک ہو جانے کے بعد سزا و جزا کا دُوسرا جہان

[۱] تفسیر ابن جریر ص ۱۰۴ ج ۱۵ [۲] ایضاً ترغیب ص ۲۶۱ ج ۲ نیز دیکھیے مشکوٰۃ باب البکاء والخوف فصل اول بروایت حضرت ابوہریرہؓ۔
[۳] مثلاً ص ۳۰ ج ۳ [۵] الترغیب والترہیب ص ۳۹۲ ج ۲ کتاب البعث واہوال یوم القیٰمہ ۱۲ منہ۔

وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ؕ وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ

اور ہم نے اس سے موقوف کیں نشانیاں بھیجنیں کہ اگلوں نے ان کو جھٹلایا اور ہم نے دی ثمود کو

النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا ؕ وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا ﴿۵۹﴾

اونٹنی سوجھانے کو پھر اس کا حق نہ مانا اور نشانیاں جو ہم بھیجتے ہیں سو ڈرانے کو۔

ضرور قائم ہوگا تاکہ دنیا کا پیدا کرنا بلا نتیجہ نہ رہے کسی کے انکار سے لوحِ محفوظ کا یہ لکھا کسی طرح ٹل نہیں سکتا۔

۵۹: معتبر سند سے نسائی مسند امام احمد بن حنبل مستدرک حاکم طبرانی وغیرہ میں جو شانِ نزول اس آیت کی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت سے بیان کی گئی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ قریش نے ایک روز اکٹھے ہو کر آنحضرت سے کہا کہ آپ اپنے کو اللہ کا نبی کہتے ہو اور پہلے انبیاء کو تو اللہ تعالیٰ نے بڑے بڑے معجزے دیئے تھے۔ حضرت موسیٰؑ کے تابع دریا کر دیا حضرت سلیمانؑ کے تابع ہوا کر دی حضرت عیسیٰؑ مُردوں کو زندہ کرتے تھے اگر آپ بھی سچے نبی ہیں تو سرزمینِ مکہ کے پہاڑ دُور ہٹا کر ہماری کھیتی کے لیے زمین نکال دو اور اس زمین میں کچھ نہریں کھیتی کو پانی پہنچانے کے لیے جاری کرا دو تو پھر شاید ہم میں سے کچھ لوگ مسلمان ہو جاویں گے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی[۱] اور حضرت صالحؑ کی اونٹنی کا ذکر یاد دلا کر فرمایا کہ جو نشانیاں یہ لوگ چاہتے ہیں وُہ پتھر میں سے اونٹنی کے پیدا ہونے سے کچھ بڑھ کر نہیں ہیں لیکن ہمیشہ کے ملک شام کے سفر میں ان لوگوں نے قوم ثمود کی بستیوں کا حال دیکھا ہوگا کہ منہ مانگا معجزہ ظاہر ہونے کے بعد وُہ لوگ ایمان نہ لائے تو ان کا انجام کیا ہوا اسی طرح منہ مانگے معجزہ کے بعد یہ لوگ بھی اگر ایمان نہ لائے تو قوم ثمود کی طرح غارت کر دیئے جاویں گے۔ اس پر آنحضرتؐ نے اللہ تعالیٰ سے یہی خواہش ظاہر کی کہ یا اللہ قریش کو فوری کوئی معجزہ نہ دیا جائے بلکہ ان کو اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے تاکہ میں رفتہ رفتہ ان کو ہدایت کی باتیں سناؤں اور تیری طرف سے ان کو توفیق ہو۔ تھوڑی مدت میں مکہ فتح ہُوا اور وہی آنحضرتؐ کی دُعا کا اثر نمودار ہو گیا۔ صحیح حدیثوں اور صحابہ کے آثار سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی بستی میں جب لوگوں کی گناہ گاری بڑھ جاتی ہے تو خلافِ عادت اللہ کی طرف سے کچھ خوف دلانے کی نشانیاں مثل قحط کا پڑنا یا بجلی کا گرنا یا وبا یا اور کسی عام بیماری کا پھیلنا یا زلزلہ کا آنا یا سورج چاند کو گرہن لگنا۔ اسی طرح اور نشانیاں ظاہر ہوتی ہیں۔ صحابہؓ کے زمانہ میں دستور تھا کہ اس طرح کی کوئی نشانی ظاہر ہو تو لوگ ڈر جاتے تھے اور عام لوگ توبہ و استغفار کیا کرتے تھے چنانچہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں کئی دفعہ مدینہ منورہ میں اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے زمانہ میں کوفہ میں زلزلہ آیا تو ان دونوں صحابیوں نے مدینہ کوفہ کی عام خلقت کو توبہ اور استغفار کرنے کی سخت تاکید کی۔ صحیح بخاری و مسلم کی روایتوں میں آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ سورج اور چاند کا گرہن ہو تو لوگوں کو توبہ اور استغفار کرنی چاہیئے[۲]۔ غرض آنحضرتؐ کے ارشاد اور صحابہؓ کے دستور کے موافق اب بھی کوئی اس طرح کی خوفِ الٰہی کی نشانی ظاہر ہو تو بستی کے علماء کو چاہیئے کہ عام لوگوں کو توبہ اور استغفار کی نصیحت کریں اور عام لوگوں کو چاہیئے کہ خالص دل سے توبہ و استغفار کریں اور جان لیویں کہ ان کے گناہوں کی شامت سے وُہ خوف کی

[۱] الدر المنثور ص ۱۹۰ ج ۴ [۲] مشکوٰۃ ص ۱۳۰ باب صلوٰۃ الخسوف ۱۲ منہ

وَاِذۡ قُلۡنَا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِؕ وَمَا جَعَلۡنَا الرُّءۡيَا الَّتِىۡۤ اَرَيۡنٰكَ

اور جب کہہ دیا ہم نے تجھ سے کہ تیرے رب نے گھیر لیا ہے لوگوں کو اور وہ دکھاوا جو تجھ کو دکھایا ہم نے سو جانچنے کو لوگوں

اِلَّا فِتۡنَةً لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الۡمَلۡعُوۡنَةَ فِى الۡقُرۡاٰنِؕ وَنُخَوِّفُهُمۡۙ فَمَا

کے اور وہ درخت جس پر پھٹکار ہے قرآن میں اور ہم ان کو ڈراتے ہیں تو ان کو

يَزِيۡدُهُمۡ اِلَّا طُغۡيَانًا كَبِيۡرًا ‏﴿۶۰﴾

زیادہ ہوتی ہے بڑی شرارت۔

نشانیاں ظاہر ہوئی ہیں اگر اس نشانی پر گناہ گاری سے باز نہ آویں گے تو اس سے بڑھ کر کوئی بلا آوے گی چنانچہ اس آخری زمانہ میں لوگ ایک سال کے قحط اور وبا پر اپنی گنہ گاری سے باز نہیں آتے اسی واسطے قحط اور وبا ایک ہمیشہ کی فصلی بیماری ہوگئی ہے مسند امام احمد صحیح مسلم مستدرک حاکم اور شعب الایمان بیہقی میں ابی بن کعب سے جو روایتیں ہیں[۱] ان کا حاصل یہی ہے جو اوپر بیان کیا گیا کہ کسی بستی میں گناہ گاری بڑھ جاتی ہے تو اللہ کی طرف سے کچھ خوف دلانے کی نشانی ظاہر ہوتی ہے اگر ان نشانیوں پر لوگ گناہ گاری سے باز نہیں آئے تو ان نشانیوں سے بڑھ کر کوئی آفت آتی ہے۔

۶۰: مسند ابو یعلی موصلی تفسیر ابراہیم بن منذر ابن جریر ابن ابی حاتم ابن مردویہ میں جو شان نزول اس آیت کی کئی صحابہ سے بیان کی گئی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ جس رات آنحضرتؐ کو معراج ہوئی اس کی صبح کو آپؐ نے لوگوں سے معراج کا حال بیان کیا تاکہ لوگ ان کو سچا نبی جان کر ایمان لاویں مشرکوں نے بیت المقدس کے پتے آپؐ سے پوچھے اور کئی قافلے عرب کے ملک شام کو گئے ہوئے تھے ان قافلوں کا حال بھی آپؐ سے پوچھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسی وقت بیت المقدس اور ان قافلوں کو آپؐ کے آگے کر دیا آپؐ نے بیت المقدس کی سب نشانیاں اور ان قافلوں کا سب حال بیان کر دیا مگر مشرک لوگ آپؐ کے جھٹلانے سے باز نہ آئے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور فرمایا کہ یہ معراج اور دوزخ میں زقوم کا درخت لوگوں کے آزمانے کی نشانیاں ہیں بہت لوگ غیب کی باتوں پر ایمان لاکر نجات پاویں گے اور بہت لوگ شیطان کی طرح اللہ کی حکمت میں اپنا وہم وقیاس دوڑا کر مردود ہو جائیں گے پھر فرمایا دنیا کے سب اچھے بُرے لوگ اللہ کے قبضہ وقدرت میں ہیں اس لیے کوئی مخالف تم کو اے نبی اللہ کے کچھ ضرر نہیں پہنچا سکتا۔ زبان سے جھٹلاتے ہیں تو ان کو جھٹلانے دو۔ تم اپنا کام بے خوف وخطر کرو اللہ کی حکمت میں وہم وقیاس لڑانا شیطانی عادت ہے۔ اسی مشابہت کی غرض سے اس آیت کے بعد اللہ تعالیٰ نے شیطان کی نافرمانی کے قصہ کا ذکر فرمایا ہے۔ مشرکوں نے بیت المقدس کی چند باتیں جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھیں اور ان باتوں کے صحیح جواب دینے کے لیے اللہ کے حکم سے بیت المقدس اللہ کے رسول کے سامنے لایا گیا۔ صحیح بخاری ومسلم کے حوالہ سے جابر بن عبداللہ کی حدیث اس باب میں اوپر گزر چکی ہے[۲] جس سے اس شان نزول کی روایت کو تقویت ہو جاتی ہے۔ اس زقوم کے درخت کو سنیڈھ کہتے ہیں۔ سورۂ والصافات میں اس کا ذکر تفصیل سے آوے گا

[۱] مشکوٰۃ ص ۱۹ جلد ہذا پر ملاحظہ ہو۔ [۲] ملاحظہ ہو ص ۱۹ جلد ہذا۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ قَالَ ءَاَسْجُدُ

اور جب ہم نے کہا فرشتوں کو سجدہ کرو آدم کو تو سجدے میں گر پڑے مگر ابلیس بولا کیا میں سجدہ کروں

لِمَنْ خَلَقْتَ طِيْنًا ۚ﴿۶۱﴾ قَالَ اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِيْ كَرَّمْتَ عَلَيَّ ۫ لَئِنْ

ایک شخص کو جو تو نے بنایا مٹی کا۔ کہنے لگا بھلا دیکھ تو یہ جس کو تو نے مجھ سے چڑھایا اگر تو مجھ کو

اَخَّرْتَنِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۶۲﴾

ڈھیل دے قیامت کے دن تک تو اس کی اولاد کو ڈھانٹی دے لوں مگر تھوڑے۔

مشرکین مکہ اس درخت کو یوں جھٹلاتے تھے کہ دوزخ کی آگ میں یہ درخت کیوں کر پیدا ہوگا۔ یہ وہی درخت ہے جو دوزخ میں ہوگا اور اس کا پھل دوزخیوں کو کھلایا جائے گا۔ اس درخت کے باب میں ترمذی نسائی وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے صحیح روایت ہے کہ اس درخت کے عرق کا ایک قطرہ اگر زمین پر آن پڑے تو اس کی بدبو سے تمام دنیا کے لوگوں کی زندگی میں خلل پڑ جاوے[1]۔

۶۱-۶۲: یہ قصہ قرآن میں سات جگہ آیا ہے اوّل سورۂ بقر میں پھر سورۂ اعراف میں اور پھر سورۂ حجر میں اور اس سورۂ بنی اسرائیل میں اور سورۂ کہف اور سورۂ طٰہٰ اور سورۂ ص میں۔ حاصل اس قصہ کا یہ ہے کہ اللہ پاک نے جس وقت حضرت آدمؑ کو پیدا کیا تو فرشتوں کو حکم دیا کہ تم سب کے سب حضرت آدمؑ کو سجدہ کرو اور ابلیس بھی قوم جنات میں سے ایک مقرب فرشتہ ہوگیا تھا اس نے اپنے کو بڑا جانا اور حضرت آدمؑ کو حقیر سمجھ کر سجدہ کرنے سے انکار کیا اور کہا کہ یا اللہ تو نے حضرت آدمؑ کو خاک سے پیدا کیا ہے اور میری پیدائش آگ سے ہے اور آگ خاک سے لطیف ہے اس لیے جوہر کثیف کو جوہر لطیف پر کسی طرح فضیلت نہیں ہوسکتی مگر اللہ پاک نے ابلیس کے اس بیہودہ قیاس کا کچھ جواب نہ دیا کیونکہ اس نے اپنے پیدا کرنے والے پر اعتراض کیا تھا اس کو حقیر جان کر چھوڑ دیا اور اپنی نافرمانی اور عدول حکمی کی وجہ سے فرشتوں کی صف سے اس کو نکال دیا اور مردود درگاہ بنا دیا پھر اس نے قسم کھائی کہ میں اولادِ آدم کو قیامت تک گمراہ اور نافرمان کروں گا اور اللہ پاک سے مہلت چاہی اور فقط اپنے گمان ہی گمان پر بنی آدم کے ورغلانے کا بیڑا اس نے اٹھا لیا اللہ پاک نے بھی اس کو مہلت دی اور فرما دیا کہ جو میرے خاص بندے ہیں ان پر تیرا کچھ زور نہیں چلے گا یہی معنی ہیں الا قلیلا کے جس گروہ پر شیطان کا کچھ تسلط نہیں ہوتا وہ گروہ انبیاء کا ہے اور امت کے اولیاء اور صالحین بھی اسکے دھوکے سے علیحدہ رہتے ہیں انکے علاوہ ہر شخص کے دل میں گھس کر شیطان طرح طرح کا وسوسہ ڈال ڈال کر صراط مستقیم سے انکو بہکاتا ہے اور طرح طرح کے مکر و فریب سے انسان کو اپنے قبضہ میں لاتا ہے اور جو دعویٰ اس نے آدمؑ کی پیدائش کے وقت میں کیا تھا اسکے پورا کرنے میں کچھ کمی نہیں کرتا اللہ اس کے شر سے بچائے حسن بصری ابن سیرین اور اکثر سلف کا قول ہے کہ آدم علیہ السلام کو قبلہ ٹھہرا کر اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرنے کو یہ حکم تھا معتبر سند سے مسند امام احمد ترمذی اور ابوداؤد میں ابوموسیٰ اشعریؓ کی حدیث ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدم علیہ السلام کے پتلے کے لیے اللہ تعالیٰ نے تمام زمین کی مٹی لی ہے اسی واسطے ان کی اولاد میں کوئی گورا ہے کوئی کالا

[1] ترمذی ص ۸۲ ج ۲ باب صفۃ شراب اہل النار [2] تفسیر ہذا ص ۲۹۱ ج ۳

قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا ﴿۶۳﴾ وَ

فرمایا جا پھر جو کوئی تیرے ساتھ ہو ان میں سے سو اس کو دوزخ ہے تم سب کی سزا پورا بدلا۔ اور

اسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ

گھبرا لے اس میں جس کو تو گھبرا سکے اپنی آواز سے اور پکار لا ان پر اپنے سوار اور پیادے

وَشَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ وَعِدْهُمْ ۚ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۶۴﴾

اور ساجھا کر ان سے مال اور اولاد میں اور وعدے دے ان کو اور کچھ نہیں وعدہ دیتا ان کو شیطان مگر دغا بازی۔

ہے مسند امام احمد اور مستدرک حاکم کے حوالہ سے ابوسعیدؓ خدری کی صحیح حدیث کئی جگہ گزر چکی ہے[1] جس کا حاصل یہ ہے کہ مہلت کے منظور ہو جانے کے بعد شیطان نے جب اللہ تعالیٰ کے روبرو اولاد آدمؑ کے بہکانے کی قسم کھائی تو اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے جاہ و جلال کی قسم کھا کر توبہ و استغفار کرنے والے گناہ گاروں کے گناہ معاف فرما دینے کا وعدہ فرمایا اس حدیث کو آیت کی تفسیر میں یہ دخل ہے کہ اس سے مہلت کے بعد کا حال اچھی طرح معلوم ہو جاتا ہے صحیح مسلم کے حوالہ سے حضرت عائشہؓ کی حدیث سورۃ الاعراف میں گزر چکی ہے[2] جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فرشتے نور سے پیدا کئے گئے ہیں اور شیطان آگ کے شعلہ سے۔ ان حدیثوں سے یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آجاتی ہے کہ آدم علیہ السلام کا پتلا مٹی سے بنایا گیا ہے اور شیطان آگ کے شعلے اور فرشتے نور سے پیدا کئے گئے ہیں اس لیے شیطان فرشتوں میں سے نہیں ہے کیونکہ نور میں اور آگ کے شعلہ میں بڑا فرق ہے اسی واسطے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرشتوں اور شیطان کی پیدائش کا جدا جدا ذکر فرمایا ہے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے صحیح قول کے موافق لاحتنکن کے معنے غلبہ حاصل کرنے کے ہیں[3] اسی قول کا ترجمہ ڈھانٹی دینے کا کیا گیا ہے جس کا مطلب غلبہ حاصل کرنے کا ہے۔

۶۳۔۶۵: جب شیطان نے اللہ پاک سے بنی آدم کے بہکانے کی درخواست کی تو اللہ پاک نے اسکی درخواست کو قبول کیا اور جس وقت اسرافیل پہلی دفعہ صور پھونکیں گے اس وقت تک شیطان کو مہلت دی گئی اسکی غرض یہ تھی کہ نفخہ ثانیہ تک مہلت مل جاتی، کیونکہ نفخہ ثانیہ کے بعد پھر کسی کو موت نہیں ہے مگر اللہ پاک نے اس مدت کی مہلت نہیں دی اور شیطان اور شیطان کی پیروی کرنیوالوں کے لیے جہنم کی سزا مقرر کر کے فرما دیا کہ جہاں تک تیرا زور چلے اور جتنا تجھ سے ممکن ہو بنی آدم کو بہکا اور گمرو بنا اور خدا کی نافرمانی کی طرف ان کو بلا پھر فرمایا کہ بنی آدم کے بہکانے کے واسطے چاہے تو اپنے سوار اور پیادوں کو چڑھا لا مطلب یہ ہے کہ جتنی تجھ کو قدرت ہو اتنا مکر و فریب کر کے ان کو بہکا یہ امر دراصل دھمکانے کے واسطے ہے جس طرح یوں کہا کرتے ہیں کہ اچھا جا جو کچھ تجھ سے بن سکے کر اور فرمایا کہ جا ان کے مال و اولاد میں شراکت کر شراکت مال کی تو یہ ہے کہ مال اس طرح پر حاصل کیا ہو جس میں شرع کی مخالفت پائی جاتی ہو اور خرچ بھی ایسے ہی موقع و محل پر کیا جاوے جس میں اجازت شرعی نہیں ہے اور اولاد میں شیطان کی شراکت یہ ہے کہ مثلاً ان کے نام ایسے رکھنا جو شرع میں ناجائز ہیں جیسے عبدالحارث وغیرہ یا ان کو خلاف شرع باتوں سے نہ روکنا صحیح بخاری و مسلم میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

[1] مثلاً تفسیر ہذا ص ۲۹۴ ج ۳ [2] تفسیر ہذا ص ۲۳۴۔۲۳۵ ج ۲ [3] تفسیر ابن کثیر ص ۴۹ ج ۳

اِنَّ عِبَادِیۡ لَیۡسَ لَکَ عَلَیۡہِمۡ سُلۡطٰنٌ ؕ وَ کَفٰی بِرَبِّکَ وَکِیۡلًا ﴿۶۵﴾ رَبُّکُمُ الَّذِیۡ

وُہ جو میرے بندے ہیں ان پر نہیں ہے تیری حکومت اور تیرا رب بس ہے کام بنانے والا۔ تمہارا رب وُہ ہے جو

یُزۡجِیۡ لَکُمُ الۡفُلۡکَ فِی الۡبَحۡرِ لِتَبۡتَغُوۡا مِنۡ فَضۡلِہٖ ؕ اِنَّہٗ کَانَ بِکُمۡ رَحِیۡمًا ﴿۶۶﴾

ہانکتا ہے تمہارے واسطے کشتی دریا میں کہ تلاش کرو اس کا فضل وہی ہے بہتر مہربان۔

شیطان آدمی کے دل میں یہ وسوسہ ڈالتا ہے کہ سب چیزیں تو اللہ نے پیدا کیں لیکن یہ نہیں معلوم ہوا کہ اللہ کو کس نے پیدا کیا۔[1] قل اعوذ برب الناس میں آوے گا کہ وسوسہ کے معنے اس دبی ہوئی ہلکی آواز کے ہیں جس آواز سے شیطان آدمی کے دل کے پاس گنگنا کر آدمی کو بہکاتا ہے۔ صحیح مسلم کے حوالہ سے جابر بن عبد اللہؓ کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے کہ شیطان اپنا تخت سمندر کے پانی پر بچھا کر خود تو اس تخت پر بیٹھ جاتا ہے اور اپنے شیاطینوں کو اولادِ آدم کے بہکانے کے لیے بھیج دیتا ہے۔ آیتوں میں شیطان کی آواز اور اس کے سوار اور پیادوں کا جو ذکر ہے اس کا مطلب ان حدیثوں سے اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ شیطان دبی آواز سے آدمی کے دل میں وسوسہ ڈالنے کے لیے اپنے شیاطینوں کو سوار پیدل جس طرح مناسب سمجھتا ہے بھیجتا رہتا ہے۔ سورۂ ابراہیمؑ میں گذر چکا ہے کہ قیامت کے دن شیطان اس بات کا اقرار کرے گا کہ جن وعدوں سے وُہ دنیا میں لوگوں کو بہکاتا تھا اس کے وُہ سب وعدے جھوٹے تھے۔ سورۂ ابراہیمؑ کی وُہ آیتیں (وما یعدھم الشیطان الاغرورا) کی گویا تفسیر ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ شیطان کے اقرار کے موافق اس کے سب وعدے جھوٹے ہیں۔ ترمذی، نسائی، صحیح ابن خزیمہ اور مستدرک حاکم کی روایت سے حارث اشعریؓ کی صحیح حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس طرح کسی مضبوط قلعہ میں چلے جانے سے کوئی لشکر دشمن کے حملہ سے محفوظ ہو جاتا ہے اسی طرح یادِ الٰہی میں مصروف رہنے والے نیک لوگ شیطان کے پھندے سے بچے رہتے ہیں کیونکہ ذکرِ الٰہی سے شیطان دُور بھاگتا ہے۔ یہ حدیث آخری آیت کی گویا تفسیر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ یادِ الٰہی میں مصروف رہنے والے بندے اللہ سے نزدیک اور شیطان کی حکومت سے دُور رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کا ہر ایک نیک ارادہ پورا کر کے عقبیٰ کے اجر کا ان کا ہر ایک کام بنا دیتا ہے۔

۶۶: اللہ پاک نے اوپر کی آیت میں بندوں کے کام بنانے کا ذکر فرما کر اب یہ بیان کیا کہ تمہارا رب وُہ ہے کہ تم مشرک ہو اور وُہ تمہاری کشتیوں کو بڑے بڑے دریاؤں میں چلاتا ہے ہوا کو موافق بنا دیتا ہے اور تم ان کشتیوں اور جہازوں میں بیٹھ کر اپنی روزی کی جستجو میں تجارت کے خیال سے ایک مُلک سے دُوسرے مُلک میں جاتے ہو وُہ کیسا تم پر مہربان ہے کہ تمہاری آسائش کے لیے یہ سامان بنا رکھا ہے اگر کشتیاں نہ پیدا کرتا جہازرانی کا علم تمہیں نہ سکھاتا اور ہوا کو تمہارے مقصود کے موافق نہ کرتا تو تمہارا ایک شہر سے دُوسرے شہر میں کشتی پر جانا سخت مشکل تھا پھر تمہاری تجارت اور کاروبار میں سخت ابتری پھیلتی غرضکہ اللہ پاک نے اس آیت میں اپنے بندوں کو ترغیب دی ہے کہ وُہ ہر کام میں خدا ہی پر بھروسہ کریں اور اسی کو کل اُمور میں کام بنانے والا سمجھیں اور خاص اسی کی بندگی کریں اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں کیونکہ انسان کے فائدے اور نقصان میں سوا خدا کے اور کسی کو ذرہ برابر دخل نہیں ہے۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابو موسیٰ اشعریؓ کی حدیث ایک جگہ

[1] مشکوٰۃ ص ۱۸ باب فی الوسوسۃ [2] تفسیر ہذا ص ۲۹۴ ج ۳ [3] تفسیر ہذا ص ۳۶۸، ۳۶۹ ج ۳

وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ

اور جب تم پر تکلیف پڑی دریا میں بھولتے ہو جن کو پکارتے تھے اس کے سوا پھر جب بچا لایا تم کو جنگل

اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا ﴿۶۷﴾

کی طرف ٹلا گئے اور ہے انسان بڑا ناشکرا۔

گزر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ مشرک لوگوں کے رزق کے انتظام میں کچھ خلل نہیں ڈالتا یہ اللہ تعالیٰ کی بڑی بردباری ہے[1] اس حدیث کو آیت کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مشرکین مکہ اگرچہ کشتی کے ڈوبنے کے خوف سے خالص اللہ کو اپنا معبود قرار دے کر خشکی میں آجانے کے بعد پھر شرک میں گرفتار ہو جاتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی بردباری سے ان لوگوں کے اس تجارت کے سفر میں کچھ خلل نہیں ڈالا۔

۶۷: اللہ پاک نے اس آیت میں انسان کی ناشکری کا حال بیان فرمایا کہ جب انسان کو کسی مصیبت سے پالا پڑتا ہے تو فقط خدا ہی یاد آتا ہے اور جب وہ مصیبت ٹل جاتی ہے وہی پہلی نافرمانیاں پھر کرنے لگتا ہے اور اسے یہ بھی تو یاد نہیں رہتا کہ اس پر کوئی وقت آیا تھا اور اس نے خدا کو پکار کر اس سے مدد چاہی تھی غرضکہ یہ لوگ پرلے درجے کے ناشکرے ہیں یہ بھی فرمایا کہ جب تمہاری کشتیاں دریا میں چلتی ہوئی ہوتی ہیں اور پھر یک بیک بادِ مخالف سے تہ و بالا ہونے لگتی ہیں اور تم جان لیتے ہو کہ اب ہم سب کے سب ڈوبے اور اس مرنے کے خیال کے آتے ہی اپنے سارے جھوٹے معبودوں کو بالکل بھول جاتے ہو اور نرے اللہ وحدہٗ لاشریک سے مدد چاہتے ہو اللہ پاک تمہاری منت و عاجزی پر رحم کھا کر گرداب بلا سے کشتیاں پار لگا دیتا ہے پھر تم خدا کو ایسا بھول جاتے ہو گویا کبھی یاد ہی نہیں کیا تھا عکرمہ بن ابی جہل کا واقعہ ہے کہ جب یہ فتح مکہ کے دن حضرت صلعم سے ڈر کر بھاگے تو کشتیوں پر سوار ہو کر دریا کی راہ سے ملک حبشہ جانے لگے پھر ایسا اتفاق ہوا کہ ایک تیز ہوا آئی جس سے کشتی تہ و بالا ہونے لگی کشتی پر جو لوگ سوار تھے وہ کہنے لگے کہ اب سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہیں ہے کہ نرے اللہ کو پکار کر مدد چاہو عکرمہؓ نے اس بات کو سن کر دل میں خیال کیا کہ اگر سوا اللہ کے اور کوئی دریا میں کچھ نفع نہیں دیتا تو خشکی میں بھی اور کوئی کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتا اور پھر یہ بات کہی کہ اے اللہ میں تجھ سے عہد کرتا ہوں کہ اگر تو مجھ کو دریا سے صحیح و سالم نکال لایا تو میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دونگا غرضکہ کشتی پار ہو گئی اور سب لوگ بچ گئے عکرمہ اپنے عہد کے موافق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر مسلمان ہو گئے اور بہت اچھے پکے مسلمان ہوئے صحیح مسلم کے حوالہ سے صہیبؓ رومی کی ایک حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے کہ ایماندار لوگ تکلیف و راحت کسی حال میں اللہ تعالیٰ کو نہیں بھولتے تکلیف کے وقت اللہ تعالیٰ کے حکم کے موافق صبر کرتے ہیں اور راحت کے وقت شکر[2] اس لیے ایماندار لوگوں کیلئے ہر حال میں بہتری ہے اس حدیث کو آیت کی تفسیر میں بڑا دخل ہے کیونکہ آیت اور حدیث کو ملا کر یہ مطلب ہوا کہ مصیبت اور تکلیف کے وقت تو مشرک لوگ بھی اللہ کو یاد کرتے ہیں مگر تکلیف و راحت ہر حال میں اللہ کو یاد رکھنا یہ ایمانداروں کا کام ہے ہر ایماندار آدمی کو راحت کے وقت شریعت کے اس قاعدہ کی پابندی ضرور ہے کیونکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اسکا بڑا خوف تھا کہ آپؐ کی

[1] تفسیر ہذا ص ۵۰ ج ۳ [2] تفسیر ہذا ص ۱۷ ج ۳۔

أَفَأَمِنْتُمْ أَنْ يَخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ أَوْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ثُمَّ

سو کیا نڈر ہوئے ہو کہ دھسا دے تم کو جنگل کے کنارے یا بھیج دے تم پر آندھی پھر

لَا تَجِدُوا لَكُمْ وَكِيلًا ﴿۶۸﴾ أَمْ أَمِنْتُمْ أَنْ يُعِيدَكُمْ فِيهِ تَارَةً أُخْرَىٰ فَيُرْسِلَ

نہ پاؤ اپنا کوئی کام بنانے والا، یا نڈر ہوئے ہو کہ پھر لے جاوے تم کو اس میں دوسری بار پھر بھیجے

امت کے لوگوں سے راحت کے وقت اس قاعدہ کی پابندی نہ ہو سکے گی چنانچہ صحیح بخاری و مسلم[۱] میں عمرو بن عوف انصاری سے اور فقط صحیح مسلم[۲] میں ابوہریرہ سے جو روایتیں ہیں ان میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس خوف کا تفصیل سے ذکر فرمایا ہے۔

۶۸۔ اوپر کی آیت میں اللہ پاک نے بیان فرمایا تھا کہ انسان جب دریا میں کشتی پر سوار ہوتا ہے اور تیز ہوا میں کشتی تہ و بالا ہونے لگتی ہے تو صرف خدا ہی کو لوگ یاد کرنے لگتے ہیں اس وقت کسی اور اپنے جھوٹے معبود کو نہیں پکارتے پھر جب اللہ پاک ان کی فریاد سن کر ان پر رحم کرتا ہے اور صحیح و سلامت خشکی پر ان کو پہنچاتا ہے تو پھر یہ لوگ خدا کو بھول جاتے ہیں ذرا بھی خیال نہیں رہتا کہ خدا کو کبھی یاد کیا تھا بالکل بے خوف ہو جاتے ہیں خدا کے عذاب کا ذرا بھی ڈر ان کے دل میں نہیں ہوتا یہ بھی خیال نہیں کرتے کہ جو دریا میں غرق کرنے پر قادر ہے وہ کیا خشکی میں ہلاک کرنے پر قدرت نہیں رکھتا غرضکہ اللہ پاک نے اسی بات کو بیان فرمایا کہ لوگ کیا بے خوف ہو گئے ہیں انہیں اس بات کا ڈر نہیں ہے کہ خدا چاہے تو زمین میں انسان کو دھنسا دے اور اگر چاہے آسمان سے سنگ باری اور برف باری کرے کہ لوگ اپنی اپنی جگہ مر کر رہ جاویں اور اس مصیبت اور عذاب سے بچانے والا انہیں کوئی میسر نہ آوے صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے انس بن مالک کی وہ روایت سورۃ الانفال میں گزر چکی ہے جس میں ابوجہل نے یہ کہا تھا کہ اگر یہ دین اسلام سچا ہو اور ہم لوگ اس کو نہ مانتے ہوں تو یا اللہ ہم پر پتھروں کا مینہ برسا یا اور کوئی سخت عذاب نازل کر[۳] صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوموسیٰ اشعری کی وہ حدیث بھی کئی جگہ گزر چکی ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نافرمان لوگوں کو اللہ تعالیٰ ایک عرصہ تک مہلت دیتا ہے اور مہلت کے زمانہ میں جب وہ لوگ اپنی نافرمانی سے باز نہیں آتے تو ان کو سخت عذاب میں پکڑ لیتا ہے[۴]۔ ان حدیثوں کو آیت کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قریش کو وہ دھمکی دی جس کا ذکر آیت میں ہے اور مشرکوں نے عذاب کے نازل ہونے کی خواہش بھی کی لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی عادت کے موافق ان لوگوں کو چودہ پندرہ برس کی مہلت دی اور مہلت کے زمانہ میں قرآن کی بہت سی آیتیں نازل فرما کر ان لوگوں کو طرح طرح سے سمجھایا جب یہ لوگ اپنی سرکشی اور نافرمانی سے باز نہیں آئے تو بدر کی لڑائی میں ان کے بڑے بڑے سرکشوں کی ساری سرکشی خاک میں مل گئی جس کا قصہ صحیح بخاری و مسلم کی انس بن مالک کی روایت کے حوالہ سے کئی جگہ گزر چکا ہے[۵]۔

۶۹۔ اوپر یہ فرمایا تھا کہ تم دریا سے خشکی میں آ کر خدا کی نعمت کو بھول جاتے ہو اور اس کی ناشکری کرتے ہو اور اس بات کا

[۱] تفسیر ہذا ص ۱۸ ج ۳ [۲] مشکوٰۃ ص ۴۴۰ کتاب الرقاق [۳] نیز دیکھئے تفسیر ابن کثیر ص ۳۰۴ ج ۲ [۴] مثلاً تفسیر ہذا ص ۵۳ ج ۲ [۵] مثلاً تفسیر ہذا ص ۳۵۲ ج ۳۔

عَلَيْكُمْ قَاصِفًا مِّنَ الرِّيحِ فَيُغْرِقَكُم بِمَا كَفَرْتُمْ ثُمَّ لَا تَجِدُوا لَكُمْ عَلَيْنَا بِهِ

تم پر ایک جھونکا باؤ کا پھر ڈبا دے تم کو بدلا اس ناشکری کا پھر نہ پاؤ اپنی طرف سے ہم پر

تَبِيعًا ﴿٦٩﴾ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُم مِّنَ

اس کا دعویٰ اور ہم نے عزت دی آدم کی اولاد کو اور سواری دی ان کو جنگل اور دریا میں اور روزی دی ہم

الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَىٰ كَثِيرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا ﴿٧٠﴾

نے ان کو ستھری چیزوں سے اور زیادہ کیا ان کو اپنے بنائے ہوئے بہت شخصوں پر بڑھتی دے کر۔

ذرا خوف نہیں کرتے کہ وہ جسطرح دریا میں تمہاری کشتیوں کو ڈبا کر تمہیں غرق کر سکتا تھا اسی طرح وہ خشکی میں بھی تمہیں دھنسا سکتا ہے اور تم پر آسمان سے پتھروں کی بارش کر سکتا ہے اب اس آیت میں یہ بیان فرمایا کہ اگر ان باتوں سے بھی تم نڈر ہو تو کیا اس کا بھی تمہیں خوف نہیں رہا کہ پھر کبھی جب تم دریا میں کشتیوں پر سوار ہو کر جاؤ تو تیز ہوا ایسی چلے کہ تمہاری کشتیوں کا تختہ تختہ الگ ہو جاوے اور تمہاری ناشکری اور کفرانِ نعمت کے پاداش میں تمہیں غرق دریا کر دے اور جب تم دریا میں بے دست و پا ہو کر ڈوب جاؤ تو کوئی حمایت کرنے والا تمہاری طرف سے نہ کھڑا ہو کیونکہ خداوند پاک اکیلا دونوں جہان میں جس طرح چاہتا ہے کرتا ہے اس سے کوئی شخص کسی بات کا سوال نہیں کر سکتا۔ یہ دوسری دھمکی قریش کو دی گئی ہے جو حدیثیں اوپر کی آیت کی تفسیر میں گزریں وہی حدیثیں اس آیت کی تفسیر ہیں اور اس تفسیر کا حاصل بھی وہی ہے جو اوپر کی آیت کی تفسیر میں بیان کیا گیا۔

۷۰۔ اللہ پاک نے اس آیت میں اس احسان کا ذکر فرمایا جو انسان کو اپنی اور دوسری مخلوق پر فضیلت دی ہے کہ خشکی میں طرح طرح کی سواریاں اسی انسان کے واسطے بنائی ہیں دوسری مخلوق اس سے بالکل بے بہرہ ہے اور جسطرح انسان خشکی میں سواریوں پر سوار ہو کر سیر کرتا ہے ادھر ادھر جاتا ہے اسی طرح دریا میں بھی اسکے واسطے سواری کا انتظام کیا گیا ہے کہ کشتی پر بیٹھ کر انسان دریا کا سفر کرتا ہے دوسری کوئی مخلوق ایسی نہیں ہے جو دریا کا سفر اس طرح کرتی ہو یہ انسان کی سواری کا حال تھا اب اس کی روزی کو دیکھیے دوسری مخلوق جانور وغیرہ کو اس کی ذرا بھی تمیز نہیں کہ اپنی روزی صاف ستھری بنا کر کھاویں انسان کو وہ عقل اور وہ صفائی اور نفاست دی کہ غذا کو بھوسی وغیرہ سے پاک صاف کر کے پیس کوٹ کر پکا کر کھاتا ہے میوہ کھاتا ہے تو گٹھلی پھینک دیتا ہے غرضکہ انسان کے حصہ میں بہت ہی پاک روزی آئی ہے طرح طرح کا لذیذ کھانا انواع انواع کے مربے چٹنیاں شربت جو شمار سے باہر ہیں انسان کے واسطے مقرر ہیں ان سب امور پر نظر کر کے دیکھیے تو خدا نے انسان کو اپنی بہت سی مخلوق پر ایک بہت بڑی فضیلت بخشی ہے صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی روایت کی حدیث قدسی کئی جگہ گزر چکی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا جنت میں جو نعمتیں فرمانبردار لوگوں کے لیے پیدا کی گئی ہیں دنیا میں وہ نعمتیں نہ کسی نے آنکھوں سے دیکھیں نہ کانوں سے سنیں نہ کسی کے دل میں ان کا خیال گزر سکتا ہے[1] سورہ والصافات میں آوے گا کہ دوزخیوں کو سینڈھ کا پھل کھلایا جاویگا ترمذی وغیرہ کے حوالہ سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی صحیح حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے کہ اس سینڈھ کے عرق کا ایک قطرہ

[1] مشکوٰۃ ص ۴۹۵ باب صفۃ الجنۃ واہلہا۔

يَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِمْ ۖ فَمَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ فَأُولَٰئِكَ

جس دن ہم بلائیں گے ہر فرقے کو ان کے سرداران کے ساتھ سو جس کو ملا اس کا لکھا اس کے داہنے ہاتھ میں سو پڑھتے

يَقْرَءُونَ كِتَابَهُمْ وَلَا يُظْلَمُونَ فَتِيلًا ﴿٧١﴾

ہیں اپنا لکھا اور ظلم نہ ہوگا ان پر ایک تاگے کا۔

زمین میں آن پڑے تو تمام دنیا کے لوگوں کی زندگی میں خلل پڑ جاوے۔ سورہ والصافات کی آیتوں اور ان حدیثوں کو اس آیت کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ انسان کی جس فضیلت کا ذکر آیت میں ہے اس فضیلت کے شکریہ میں جن لوگوں نے اپنی عمر اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں گزاری عقبیٰ میں ان کو وہ فضیلت دی جاوے گی کہ اس کا حال دنیا میں نہ کسی نے آنکھوں سے دیکھا نہ کانوں سے سنا نہ کسی کے دل میں اس کا خیال گزر سکتا ہے اور جن لوگوں نے اس دنیا کی فضیلت کی ناشکری کی اور اپنی تمام عمر نافرمانی میں گزاری وہ دنیا میں چند روزہ اس فضیلت کو برت لیویں مگر عقبیٰ میں طرح طرح کے اور عذابوں کے علاوہ کھانے کے لیے ان کو وہ چیز ملے گی جس کے عرق کا ایک قطرہ تمام دنیا کے لوگوں کی زندگی میں خلل ڈال سکتا ہے۔

۷۱۔ اس آیت کی تفسیر میں علماء مفسرین نے لفظ امام کے مختلف معنے لیے ہیں لیکن نامۂ اعمال کے لفظ کے ساتھ لفظ امام کی تفسیر کا کرنا زیادہ صحیح ہے کس واسطے کہ یہ تفسیر ترمذی اور مسند بزار وغیرہ میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آ چکی ہے چنانچہ ابوہریرہؓ سے ترمذی مسند بزار اور صحیح ابن حبان میں معتبر روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اس آیت کی تفسیر میں آنحضرتؐ نے فرمایا قیامت کے دن بعضے لوگوں کو بلا کر ان کے دائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال دیا جائے گا جس سے ایسے شخص کے منہ پر ایک طرح کا نور آ جائے گا اس شخص کے سر پر ایک تاج رکھ دیا جائے گا جس جماعت میں سے یہ شخص بلایا گیا تھا اس جماعت میں واپس آن کر باقی کے لوگوں کو خوشخبری دیوے گا کہ ہماری ساری جماعت کے لوگوں کے ساتھ یہی معاملہ پیش آئے گا اور جماعت کے لوگ اس کو نجات کی مبارکبادی دیویں گے اور بعضے لوگوں کو ایک جماعت میں سے ہر ایک شخص کو بلا کر بائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال دیا جائے گا جس سے اس شخص کا منہ کالا ہو جائے گا اور وہ شخص جس جماعت میں سے گیا تھا اس جماعت میں آنا چاہے گا تو باقی کے لوگ اس کو جھڑکیں گے کہ ہماری جماعت میں مت آ وہ جماعت والوں کو جھڑکے گا اور کہے گا جو میرا حال ہوا ہے وہی ساری جماعت کا حال ہونیوالا ہے۔[1] صحیح مسلم کے حوالہ سے ابوذرؓ کی حدیث قدسی کئی جگہ گزر چکی ہے[2] کہ ظلم اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات پاک پر حرام ٹھہرا لیا ہے یہ حدیث ولا یظلمون فتیلا کی گویا تفسیر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ظلم اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات پر حرام ٹھہرا لیا ہے اس واسطے قیامت کے دن اعمالناموں کے موافق جزا و سزا ہوگی کسی پر کچھ ظلم نہ ہوگا۔ شاہ صاحب نے ترجمہ میں امام کے معنے سردار کے جو قرار دیئے ہیں وہ مجاہد کے قول کے موافق ہیں باقی کے دونوں ترجموں میں بھی یہی مجاہد کا قول لیا گیا ہے اور حافظ ابوجعفر ابن جریر نے اپنی تفسیر میں اسی قول کو ترجیح دی ہے لیکن اوپر ابوہریرہؓ کی حدیث جو گزری حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے۔[3]

[1] ترمذی ص ۱۸۲ ج ۲ باب صفۃ شراب اہل النار [2] تفسیر الدر المنثور ص ۱۹۴ ج ۴ [3] تفسیر ہذا ص ۲۴ ج ۳ [4] فتح البیان ص ۸۰ ج ۲

وَمَنْ كَانَ فِىْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰى فَهُوَ فِى الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۷۲﴾ وَاِنْ

اور جو کوئی رہا اس جہاں میں اندھا سو پچھلے جہان میں اندھا ہے اور زیادہ دور پڑا راہ سے اور وہ تو

كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِىْۤ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِىَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ ۖ وَاِذًا

لگے تھے کہ تجھ کو بچلا دیں اس چیز سے جو وحی بھیجی ہم نے تیری طرف تا باندھ لاوے تو اس کے سوائے اور

لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا ﴿۷۳﴾

تب پکڑ لیویں تجھ کو دوست۔

۷۲: اوپر کی آیت میں اللہ پاک نے یہ بات بیان فرمائی تھی کہ آخرت میں جن لوگوں کے داہنے ہاتھ میں عمل کا کاغذ ہوگا وُہ توخوش ہو ہو کر پڑھیں گے اور دوسروں کو دکھلائیں گے۔ یہ لوگ وُہ ہیں جن کے اعمال نیک ہیں اب بائیں ہاتھ میں جن کے نامۂ اعمال دیئے جائیں گے ان کے حق میں یہ آیت ہے کہ یہ وُہ لوگ ہیں جو دُنیا میں راہ حق سے دُور رہے اور اچھے بُرے میں انہوں نے تمیز نہیں کی گویا اندھے تھے کہ خدا کی ظاہر ظاہر قدرت کو بھی دیکھ کر ایمان نہیں لائے۔ آسمان و زمین دریا پہاڑ اور بہتیری مخلوق خدا نے بنائی ہے وہ کل خدا کی توحید ثابت کر رہی ہے ان میں کسی ایک کے دیکھنے سے بھی راہ یاب نہ ہوئے ایسا شخص آخرت میں اندھا ہوگا بلکہ اور بھی گمراہ ہوگا کیونکہ اگر وہاں غور و فکر کرنے پر ایمان کا ارادہ کرے گا تو کچھ حاصل نہ ہوگا سورۃ الحاقہ میں آئے گا کہ جن لوگوں کے نامۂ اعمال بائیں ہاتھ میں دیئے جاویں گے وُہ کہیں گے ہمارا نامۂ اعمال اگر ہم کو نہ دیا جاتا تو اچھا ہوتا۔ سُورۃ الحاقہ کی آیتوں سے اس آیت کا مطلب اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ لوگ اندھوں کی طرح نامۂ اعمال کے پڑھنے سے گھبرائیں گے اس واسطے ان کو اندھا فرمایا۔ سورۃ الحاقہ کی آیتوں میں یہ بھی ہے کہ نامۂ اعمال کے بائیں ہاتھ میں دیتے ہی اللہ تعالیٰ کا حکم ہو جائے گا کہ یہ لوگ دوزخی ہیں اسلیئے ان لوگوں کو بہشت کی راہ سے دُور فرمایا۔ صحیح مسلم کے حوالہ سے ابو ہریرہؓ کی حدیث ایک جگہ گزر چکی[1] کہ جو بائیں ہاتھ کے اعمالنامہ والے اپنے گناہوں کا انکار کریں گے اُن کے منہ پر خاموشی کی مہر لگائی جا کر ان کے ہاتھ پیروں سے سارے گناہوں کی گواہی ادا کرائی جائے گی اس حدیث کو آیت کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس سے گناہوں کے منکر بائیں ہاتھ کے اعمالنامے والے لوگوں کا حال اچھی طرح معلوم ہو جاتا ہے۔

۷۳: تفسیر ابن ابی حاتم میں جو روایت[2] ہے اس میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ اس آیت کی شان نزول میں یوں فرماتے ہیں کہ امیہ بن خلف اور ابوجہل بن ہشام اور چند اشخاص قریش آنحضرت کے پاس آئے اور کہا کہ آپ ہمارے بتوں کو چھو لیں تو ہم آپ کے دین میں داخل ہو جائیں گے[3]۔ مشرکین مکہ کی یہ خواہش ایسی تھی جس طرح کی ان کی ایک خواہش کا ذکر سورۂ یونس میں گزرا کہ وُہ قرآن کی آیتوں کو بدل دینا چاہتے تھے شاہ صاحب نے اپنے فائدہ میں مشرکوں کی اس خواہش کا ذکر کیا ہے صحیح مسلم کے حوالہ سے عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کی حدیث کئی جگہ گزر چکی ہے کہ دُنیا کے پیدا کرنے سے پچاس ہزار برس پہلے دُنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے وُہ سب اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے[4] صحیح بخاری کے حوالہ سے عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث

[1] صحیح مسلم ص ۴۰۹ ج ۲ فی بیان ان الاعضاء منطقۃ شاہدۃ الخ [2] تفسیر الدر المنثور ص ۱۹۴ ج ۴ [3] تفسیر ہذا ص ج ۳

وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيْلًا ﴿۷۴﴾ اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ

اور اگر یہ نہ ہوتا کہ ہم نے تجھ کو ٹھہرا رکھا تو لگ ہی جاتا جھکنے ان کی طرف تھوڑا سا۔ تب ضرور چکھاتے ہم تجھ کو دونا مزہ زندگی

ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا ﴿۷۵﴾

میں اور دونا مرنے میں پھر نہ پاتا تو اپنے واسطے ہم پر مدد کرنے والا۔

بھی کئی جگہ گزر چکی ہے کہ فتح مکّہ کے وقت اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم نے مکّہ کے سب بتوں کو لکڑیاں مار مار کر زمین میں گرا دیا اور کوئی مشرک اپنے بتوں کی حمایت نہ کر سکا[۱]۔ ان حدیثوں کو آیت کے ساتھ ملانے سے یہ مطلب ہُوا کہ اے رسُول اللہ کے اگرچہ یہ مشرک لوگ قرآن کی آیتوں کے برخلاف تم سے اپنے بتوں کی بیجا عزت اور توقیر کرانا چاہتے ہیں اور ان کے دل میں یہ بھی ہے کہ اگر تم ان کا کہا مان لو تو بجائے دشمن کے یہ لوگ تمہارے دوست بن جائیں لیکن اللہ تعالیٰ کے کارخانہ میں ہر کام کا وقت لوحِ محفوظ میں لکھا جا چکا ہے وقت مقررہ کے آنے تک یہ مشرک اپنی بیجا خواہشیں زبان پر لاتے ہیں وقتِ مقررہ کے آجانے پر تمہارے ہی ہاتھ سے اللہ تعالیٰ ان بتوں کی سب عزت و توقیر خاک میں ملا دے گا اور ان مشرکوں سے ان بتوں کی کچھ حمایت نہ ہو گی۔

۷۴، ۷۵۔ تفسیر ابن ابی حاتم تفسیر ابن مردویہ اور تفسیر ابوالشیخ میں سعیدؓ بن جبیر سے جو شانِ نزول اس آیت کی اور اوپر کی آیت کی بیان کی گئی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ مشرکینِ مکّہ نے آنحضرتؐ کو حجرِ اسود کو ہاتھ لگاتے اور چھوتے ہوئے دیکھ کر یہ کہا کہ جس طرح ایک پتھر حجرِ اسود ہے ویسا ہی ہمارے بت پتھر ہیں اگر ایک دفعہ آپ ہمارے بتوں کو حجرِ اسود کے چھونے کی طرح ہاتھ لگا لیویں تو ہم آپ کو حجرِ اسود کو آئندہ چھونے دیں گے ورنہ ہم حجرِ اسود کو بھی آپ کو ہاتھ نہ لگانے دیں گے[۲] مشرکین کی یہ بات سُن کر آپ کے دل میں ایک وسوسہ اور پس و پیش تھا اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کا پس و پیش رفع کرنے اور مشرکوں کے بہکاوے سے محفوظ رکھنے کے لیے یہ آیتیں نازل فرمائیں اس شانِ نزول کی سند میں کسی طرح کا کلام نہیں ہے اور ابن ابی حاتم کا اس شانِ نزول کو اپنی تفسیر میں ذکر کرنا بھی ایک رفع وسوسہ کی بات ہے، کیونکہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی دو روایتوں کے بعضے طریق جن میں کچھ تردد تھا ان کو ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر کی صحت کے خیال سے خود چھوڑ دیا ہے یہ وُہ طریق ہیں جن کو حاکم نے اپنی مستدرک کی کتاب التفسیر میں لیا ہے اور ابن ابی حاتم نے چھوڑ دیا ہے اسی واسطے ابن ابی حاتم کی تفسیر کا درجہ مستدرک حاکم سے زیادہ شمار کیا جاتا ہے جلال الدین سیوطی نے اتقان میں اس بحث کو تفصیل سے لکھا ہے[۳] اور اسبابِ نزول میں اس شانِ نزول کے راویوں کی ثقاہت بھی بیان کی ہے معالم التنزیل میں بغوی نے بھی اس شانِ نزول کو ذکر کیا ہے اور جامع البیان خازن وغیرہ میں بھی یہ شانِ نزول ہے صحیح مسلم میں عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے جس میں اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر شخص کے ساتھ ایک فرشتہ اور ایک شیطان تعینات ہے۔ فرشتہ نیک کاموں کی ترغیب دلاتا رہتا ہے اور شیطان بُرے کاموں کی اس پر صحابہؓ نے پوچھا کہ کیا حضرت آپ کے ساتھ

[۱] صحیح بخاری ص ۶۱۴ ج ۲ باب ابن رکز النبی صلی اللہ علیہ وسلم الرأیۃ یوم الفتح [۲] تفسیر الدر المنثور ص ۱۹۴ ج ۴
[۳] الاتقان ص ۱۹۰ ج ۲ [۴] تفسیر معالم و ابن کثیر ص ۲۰۹ ج ۵۔

وَاِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَاِذًا لَّا يَلْبَثُوْنَ

اور وُہ تو لگے تھے گھبرانے تجھ کو اس زمین سے کہ نکال دیں تجھ کو یہاں سے اور تب نہ ٹھہریں گے تیرے

خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۷۶﴾ سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا ﴿۷۷﴾

پیچھے مگر تھوڑا۔ دستور پڑا ہُوا ہے ان رسُولوں کا جو تجھ سے پہلے بھیجے ہم نے اور نہ پاویگا تو ہمارے دستور میں تفاوت۔

بھی شیطان تعینات ہے آپؐ نے فرمایا ہاں ہے تو سہی مگر اللہ کی مدد سے مجھ کو وُہ نیک کام کا مشورہ دیتا رہتا ہے۔ کسی بُرے کام کی ترغیب نہیں دلا سکتا[۱]۔ یہ حدیث ولولا ان ثبتناك کی گویا تفسیر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اے رسُول اللہ کے تمہارے ساتھ شیطان جو تعینات ہے اگر اللہ اس کو بُرے کام کی ترغیب سے روک کے اس سے فرشتہ کا کام نہ لیتا تو تم مشرکوں کا کہنا ماننے کی طرف کسی قدر مائل ہو جاتے لیکن اللہ کے انتظام نے تم کو اس چوک سے اس لیے بچایا کہ انبیاء کے مرتبہ کے موافق جس طرح ان کے نیک کاموں کا اجر اللہ کی بارگاہ میں زیادہ ہے اسی طرح ان کی چوک کی پکڑ بھی زیادہ ہے اور اس کی پکڑ سے کوئی کسی کو چھڑا نہیں سکتا۔

۷۶-۷۷: بیہقی کی دلائل النبوت میں اور ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں جو شانِ نزول اس آیت کی سعیدؓ بن جبیر کی روایت بیان کی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرتؐ کی ہجرت اور مدینہ منورہ میں آجانے کے بعد یہود نے آپ کو ملک شام میں رہنے کی ترغیب دی اور آپؐ نے اس ترغیب پر تبوک کے سفر کا ارادہ کیا اس پر مقام تبوک میں یہ آیت نازل ہوئی ہے[۲] لیکن ابو عیسٰی ترمذی نے آیت وقل رب ادخلنی کی جو شانِ نزول بیان کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت مکی ہے[۳] اور مشرکین مکہ نے ہجرت سے پہلے جو آپ کو تکلیفیں دی تھیں اس پر یہ آیت اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہے حافظ ابو جعفر ابن جریر اور حافظ ابن کثیر نے اسی بات کو قوی ٹھہرایا ہے کہ یہ آیت مکی ہے[۴] اور مشرکین مکہ نے ہجرت سے پہلے آنحضرتؐ کو طرح طرح کی تکلیفیں جو دی تھیں ان کے ہی ذکر میں یہ آیت نازل ہوئی ہے اس واسطے یہی شانِ نزول صحیح ہے اس لیے کہ ترمذی کی روایت ابن ابی حاتم اور بیہقی کی روایت پر بلا شک مقدم ہے علاوہ اس کے تفسیر عبدالرزاق میں یہ دُوسری شانِ نزول کی روایت قتادہ کی روایت سے ہے اور اس تفسیر میں یہ بات ایک جگہ گزر چکی ہے کہ عبدالرزاق کی یہ تفسیر ان کے نابینا ہونے سے پہلے کی ہے اور ان کے نابینا ہونے سے پہلے ان کی تصنیفات کو امام بخاری نے معتبر ٹھہرایا ہے حاصل مطلب ان آیتوں کا یہ ہے کہ اے رسُول اللہ کے یہ مشرکین مکہ تم کو طرح طرح کی تکلیفیں دے کر مکہ کی سکونت سے گھبراہٹ میں جو ڈال رہے ہیں یہ ان کے ہی حق میں بُرا ہے کیونکہ اگر یہ لوگ تم کو مکہ سے نکال دیں گے تو پھر یہ لوگ بھی بہت دنوں تک مکہ میں نہ رہ سکیں گے کس لیے اللہ کے انتظام میں یہ دستور پڑا ہوا ہے کہ قوم کے لوگوں میں سے جب اللہ کے رسُول علیحدہ ہو جاتے ہیں تو پھر قوم کے لوگوں پر کچھ نہ کچھ آفت آجاتی ہے اور اللہ کے انتظام میں جو دستور پڑا ہوا ہے اس کو کوئی بدل نہیں سکتا صحیح سند سے ترمذی اور مستدرک حاکم میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جب مشرکین مکہ نے اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت ستانا شروع کیا تو آگے کی آیت وقل رب ادخلنی مدخل صدق سے اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ سے مدینہ کی ہجرت کا حکم ہُوا[۵]۔ ہجرت کے

---

[۱] مشکوٰۃ ص ۱۸ باب فی الوسوسۃ [۲] تفسیر ابن کثیر ص ۵۳ ج ۳ [۳] جامع ترمذی ص ۱۴۲ ج ۲ کتاب التفسیر [۴] تفسیر ابن کثیر ص ۵۳ ج ۳ [۵] جامع ترمذی ص ۱۴۲ ج ۲ کتاب التفسیر ۱۲

اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ۭ اِنَّ قُرْاٰنَ

کھڑی رکھ نماز سورج ڈھلنے سے رات کے اندھیرے تک اور قرآن پڑھنا فجر کا بیشک قرآن پڑھنا

الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ﴿۷۸﴾ وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ڰ

فجر کا ہوتا ہے روبرو اور کچھ رات جاگتا رہ اس میں یہ بڑھتی ہے تجھ کو

ڈیڑھ برس کے بعد بدر کی لڑائی پیش آئی اور اس لڑائی میں اللہ کے رسُول کے بڑے بڑے ستانے والوں پر جو آفت آئی صحیح بخاری و مسلم کی انسؓ بن مالک کی روایت کے حوالہ سے یہ قصّہ کئی جگہ گزر چکا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ دُنیا میں بڑی ذلّت سے یہ لوگ مارے گئے اور مرتے ہی عذاب آخرت میں گرفتار ہوئے جس عذاب کے جتلانے کو اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کی لاشوں پر کھڑے ہو کر فرمایا کہ اب تو تم لوگوں نے اللہ کے وعدہ کو سچا پایا[۱]۔ ان حدیثوں کو آیتوں کی تفسیر میں بڑا دخل ہے کیونکہ آیتوں اور حدیثوں کو ملا کر قرآن شریف کا یہ معجزہ ثابت ہوتا ہے کہ انتظامِ الٰہی کے موافق جس دستور کا ذکر آیتوں میں تھا۔ ہجرت کے ڈیڑھ برس کے بعد بالکل اس کے موافق ظہور ہوا کہ اللہ کے رسول کے بڑے بڑے ستانے والوں کو مکّہ سے نکل کر مکّہ میں پھر کر جانا نصیب نہ ہوا اس آیت میں پانچوں نمازوں کا ذکر ہے سورج کے ڈھلنے سے رات کے اندھیرے تک میں چار نمازیں ہیں اور صبح کی نماز کا الگ ذکر ہے کس واسطے کہ اگرچہ فرشتے جو لوگوں کے نامۂ اعمال لکھنے اور آدمی کی حفاظت کرنے کے لیے مقرر ہیں ان کی چوکی عصر کے وقت اور صبح کے وقت بدلتی رہتی ہے اور عصر اور صبح دونوں نمازوں کے وقت دونوں چوکیوں کے فرشتے ایک جگہ جمع ہو جاتے ہیں لیکن صبح کی نماز کے وقت پکار کے قرآن شریف پڑھا جاتا ہے اور اسکو بڑے شوق سے دونوں چوکیوں کے فرشتے سُنتے ہیں اس لیے یہ فرمایا کہ صبح کی نماز کی قرأت سننے کو فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔ صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہؓ کی ایک روایت میں اس آیت کی تفسیر کے ذیل میں صرف صبح کی نماز کے وقت اور دُوسری روایت میں عصر اور صبح دونوں نمازوں کے وقت فرشتوں کے جمع ہونے کا جو ذکر ہے[۲] اس کا سبب یہی ہے کہ جہاں قرأت سُننے کا ذکر ہے وہاں حضرت ابوہریرہؓ نے صرف صبح کی نماز کا ذکر کیا ہے اور جہاں محض فرشتوں کے جمع ہونے کا ذکر ہے وہاں انہوں نے دونوں نمازوں کا نام لیا ہے جن علماء کی سمجھ میں یہ سبب اچھی طرح نہیں آیا تھا انہوں نے ان دونوں روایتوں کے اختلاف پر طرح طرح کے اعتراض کئے ہیں اور ان اعتراضوں کے جواب حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں تفصیل سے دیے ہیں ابو جعفر ابن جریر نے اپنی تفسیر میں ایک بڑی عمدہ قابلِ قدر بات لکھی ہے حاصل اس کا یہ ہے کہ صحیح بخاری و مسلم میں ابوہریرہؓ کی روایت[۳] سے ہر رات کو پچھلی رات سے صبح تک اللہ تعالیٰ کا آسمان اوّل پر نزول فرمانا اور قبول دُعا اور مغفرت کا وعدہ فرمانا جو ثابت ہوا ہے اس سے حافظ ابن جریر نے یہ بات نکالی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بندہ کو قرأت قرآن صبح کے وقت جو ایک قرب خاص ہے وہ قرب اور وقت میسّر نہیں ہو سکتا اس لیئے صبح کی نماز کی قرأت قرآن کو ایک خاص شرف ہے اور بعد فرض نماز کے سب نفلوں میں افضل تہجد کی نماز ہے اس واسطے فرض نماز کے بعد اللہ تعالیٰ نے تہجد کی نماز کا ذکر فرمایا ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ سے پوچھا گیا بعد نماز فرض کے کون سی نماز افضل ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ تہجد افضل

[۱] تفسیر ہذا ص ۲۳ ج ۳ [۲] تفسیر ابن کثیر ص ۵۴ ج ۳ [۳] مشکوٰۃ ص ۱۰۹ باب التحریض علی قیام اللیل۔

عَسٰۤى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ﴿۷۹﴾

شاید کھڑا کرے تجھ کو تیرا رب تعریف کے مقام میں۔

ہے[1]۔ فتھجد بہ اور قم اللیل کے خطاب سے جمہور سلف کا مذہب یہی ہے کہ تہجد کی نماز فقط اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر فرض تھی امت کے لوگوں پر نہ پہلے فرض تھی نہ اب ہے۔ صحیح بخاری و مسلم میں زیدؓ بن ثابت سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ایک رمضان میں تین راتوں تک صحابہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تہجد کی نماز پڑھنے آئے پھر چوتھی رات کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم حجرہ سے مسجد میں تشریف نہیں لائے اور صبح کو صحابہؓ سے فرمایا مجھ کو تم لوگوں کا آج کی رات کا آنا بھی معلوم تھا مگر میں اس خوف سے باہر نہیں آیا کہ کہیں تم پر تہجد کی نماز فرض نہ ہو جائے[2]۔ صحیح بخاری و مسلم میں طلحہؓ بن عبید اللہ کی دوسری حدیث ہے جس میں فرض نمازوں کا ذکر کرتے وقت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تہجد کا ذکر نہیں[3] کیا۔ ان حدیثوں سے جمہور کے مذہب کی پوری تائید ہوتی ہے کیونکہ امت پر تہجد کی نماز فرض ہوتی تو اللہ کے رسول یہ نہ فرماتے کہ مجھ کو اس کے فرض ہو جانے کا خوف تھا اور فرض نمازوں کے تذکرہ میں آپ ضرور اس نماز کا ذکر بھی فرماتے۔ زیادہ تفسیر اس مسئلہ کی سورۃ المزمل میں آوے گی۔ ان حدیثوں کے موافق نافلۃ لک کی تفسیر حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے یہی کی ہے کہ تہجد کی نماز فقط اے اللہ کے رسول تم پر فرض ہے اُمت کے لوگوں پر نہیں۔

۷۹، معتبر سند سے مسند امام احمد اور ترمذی میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ صحابہؓ نے آنحضرتؐ سے پوچھا کہ حضرت مقامِ محمود سے کیا مُراد ہے آپ نے فرمایا کہ یہ وہ مقام ہے جو خدا کی طرف سے تمہارے نبی کو شفاعت کی دعا کرنے کے لیے ملا ہے[4]۔ مسند امام احمد میں کعب بن مالکؓ کی ایک روایت[5] بھی اسی مضمون کی ہے اُس کی سند بھی معتبر ہے اور صحیح حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مقام عرشِ معلّٰی کے نیچے ہے مسلم وغیرہ کی صحیح حدیثوں[6] سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت پہلے میدان محشر میں عام خلق اللہ کے لیے اس وقت ہو گی جب ایک میل کے فاصلہ کی بلندی پر آفتاب کے آجانے اور دوزخ کے میدانِ محشر میں لانے سے تمام اہلِ محشر گرمی اور پسینہ سے بہت تکلیف میں ہوں گے اور حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت عیسٰیؑ تک سب انبیاء کے پاس وہ لوگ شفاعت کی غرض سے جاویں گے اور سب انبیاء خُدا کے غصہ سے ڈر کر شفاعت سے انکار کریں گے اور کہیں گے آج وہ دن ہے کہ کسی دُوسرے کی شفاعت تو درکنار ہمیں اپنی ہی جان کا اندیشہ ہے پھر جب وہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آویں گے تو آپ شفاعت کا ذمّہ لیں گے اور مقامِ محمود میں جا کر سجدہ کریں گے اور شفاعت کی التجا کریں گے اللہ تعالیٰ آپ کی التجا کو قبول کرے گا یہ شفاعت اس بات کی ہو گی کہ لوگوں کا حساب و کتاب ہو کر اعمال کے موافق سزا و جزا ہو جاوے اور میدانِ محشر سے لوگوں کا چھٹکارہ ہو اس شفاعت کو شفاعت عامہ اس لیے کہتے ہیں کہ یہ شفاعت امتِ محمدی کے لیے خاص نہیں ہے بلکہ تمام اہلِ محشر کی

---

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۵۴ ج ۳ [2] مشکوٰۃ ص ۱۱۴ باب قیام شہر رمضان [3] مشکوٰۃ ص ۱۲ کتاب الایمان [4] تفسیر ابن کثیر ص ۵۷ ج ۳
[5] تفسیر ابن کثیر ص ۵۷ ج ۳ [6] تفصیل کے لیے دیکھئے تفسیر ابن کثیر ص ۵۵-۵۸ ج ۳

وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ

اور کہہ اے رب بٹھا مجھ کو سچا بیٹھانا اور نکال مجھ کو سچا نکالنا اور بنا دے مجھ کو اپنے

لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا ﴿۸۰﴾ وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ اِنَّ الْبَاطِلَ

پاس سے ایک حکومت کی مدد۔ اور کہہ آیا سچ اور نکل بھاگا جھوٹ بیشک جھوٹ ہے

شفاعت ہے اب اس کے بعد پل صراط پر گزرتے وقت امت محمدی میں کے بعضے گنہگار جو دوزخ میں گر پڑیں گے اور آپ اللہ سے شفاعت کر کے جس کے دل میں ذرہ بھر بھی ایمان ہوگا اس کو جنت میں داخل کرا دیں گے یہ دوسری شفاعت ہے جو امتِ محمدیہ کے لیے خاص طور پر آپ فرمائیں گے یہ دُوسری قسم کی شفاعت ملائکہ اور انبیاء اور ہر امت کے نیک لوگ بھی کریں گے مگر پہلی شفاعت آنحضرتؐ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے اسی دوسری قسم کی شفاعت کا انکار عمرو بن عبید اور اس کے پیرو معتزلے فرقے نے کیا ہے اور اہل سنت نے ان کا جواب طرح طرح سے دیا ہے فرقہ معتزلہ کے سرکردہ عمرو بن عبید نے جب شفاعت کا انکار کیا تو ثابت بنانی اور بزرگوں نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص قرآن کی ایک آیت کو چھری سے چھیل رہا ہے جب عمرو بن عبید سے اس خواب کا ذکر آیا تو اس نے جواب دیا کہ جس آیت کو میں چھیلتا ہوں اس سے اچھی آیت اس کی جگہ جماتا ہوں۔ غرض حسن بصری سے منحرف ہونے سے پہلے یہ عمرو بن عبید بڑے زاہد اور عالم مشہور تھے پھر عقیدہ بگڑ گیا اور واصل بن عطاء اور یہ عمرو بن عبید اپنے استاد حسن بصری سے منحرف ہو گئے۔ خدا کو بگاڑتے دیر نہیں لگتی نہ بناتے یہ ثابت بن اسلم بنانی ثقہ تابعیوں میں ہیں اور حدیث کی سب کتابوں میں ان سے روایت ہے صحیح بخاری و مسلم میں ابوہریرہؓ اور ابوسعید خدریؓ سے جو روایتیں ہیں[1] ان میں عام شفاعت اور خاص شفاعت کا ذکر تفصیل سے ہے۔

۸۰-۸۱:- صحیح سند سے ترمذی اور مستدرک حاکم کی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت اوپر گزر چکی ہے[2] جس میں انہوں نے اس آیت کو مکہ سے مدینہ کی ہجرت کا حکم قرار دیا ہے۔ حسن بصریؒ کا قول بھی اس آیت کی شان نزول میں یہ ہے کہ جب کفار مکہ نے آنحضرت صلعم کے تنگ کرنے کا مشورہ کیا اور چاہا کہ ان کو مکہ سے نکال دیں یا قید کریں تو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم فرمایا کہ آپ یوں دُعا کریں جس طرح کی دُعا کا اس آیت میں ذکر ہے اور مکہ سے مدینہ کو چلے جائیں قتادہؒ کہتے ہیں کہ مدخل صدق سے مُراد مدینہ ہے اور مخرج صدق مکہ ہے سلطانا نصیرا کی تفسیر میں حسن بصری یہ کہتے ہیں اللہ پاک نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ کیا تھا کہ ہم ملک عرب اور فارس اور روم کافروں سے چھین کر تمہیں دے دیں گے یہ جو ارشاد کیا ہے کہ حق آیا اور باطل گیا اس میں کفار مکہ کے لیے یہ دھمکی ہے کہ ان کے پاس ایسا حق آیا ہے جس میں ذرا بھی شک و شبہ نہیں ہے۔ بخاری نے عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب فتح مکہ کے وقت مکہ میں داخل ہُوئے تو بیت اللہ کے ارد گرد تین سو ساٹھ بُت تھے آپ کے دست مبارک میں ایک لکڑی تھی آپ اس لکڑی سے ان بتوں کو مارتے جاتے تھے اور زبان سے یوں فرماتے جاتے تھے جاء الحق و زھق الباطل[3]

[1] مشکوٰۃ ص ۴۸۹-۴۹۰ باب الحوض والشفاعۃ [2] تفسیر جلد ہذا ص ۵۷ [3] صحیح بخاری ص ۶۱۴ ج ۲ باب این رکز النبی صلی اللہ علیہ وسلم الرایۃ یوم الفتح۔

كَانَ زَهُوْقًا ﴿٨١﴾ وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ

نکل بھاگنے والا۔ اور ہم اتارتے ہیں قرآن میں سے جس سے روگ اچھے ہوں اور مہر ایمان والوں کو اور گناہ گاروں کو

وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ﴿٨٢﴾

یہی بڑھتا ہے نقصان۔

مسلم اور بخاری میں حضرت ابوبکر صدیقؓ سے روایت ہے کہ ہجرت کے ارادہ سے جب میں اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے نکل کر غارِ ثور میں گئے تو مشرکین مکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں ثور پہاڑ پر چڑھے اور میں نے غار میں سے مشرکین کے قدم دیکھے تو مجھ کو بڑا اندیشہ ہوا اور جب میں نے اپنا یہ اندیشہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا تو آپ نے میری تسکین کی اور فرمایا کچھ اندیشہ کی بات نہیں اللہ ہماری مدد کو موجود ہے[1] ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے جو دعا اپنے رسول کو بتلائی تھی اس دعا کا اثر اس حدیث سے اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے کہ مکہ سے نکلتے وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی آبرو کا یہ انتظام کیا کہ غارِ ثور تک پہنچ جانے پر بھی مشرکین کی آنکھوں پر اللہ تعالیٰ نے پردہ ڈال دیا جس سے اللہ کے رسول ان دشمنوں کو نظر نہ آئے اور مدینہ پہنچ جانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی وہ آبرو بڑھائی کہ دس ہزار آدمیوں کے لشکر سے اللہ کے رسول نے مکہ پر چڑھائی کی اور مکہ فتح ہوگیا۔ حکومت اپنے رسول کو اللہ تعالیٰ نے وہ عطا کی کہ اللہ کے رسول نے اپنے ہاتھ کی لکڑی مار مار کر مشرکوں کے جھوٹے معبودوں کو زمین پر گرا دیا اور اللہ کے رسول کی حکومت کے آگے کوئی مشرک دم نہیں مار سکا۔ ان آیتوں میں حق کے معنے اسلام کے ہیں اور باطل کے معنے شرک کے کیونکہ جس تاریخ کو اللہ تعالیٰ کی رسول کی زبان پر یہ لفظ تھے اسی تاریخ سے مکہ میں اسلام پھیلا اور شرک مٹا۔

۸۲۔ کفر نفاق حسد بغض وغیرہ امراض باطنی کے لیے قرآن شریف کا شفا بخش ہونا تو ظاہر ہے کیونکہ ان امراض باطنی میں سے کوئی مرض ایسا نہ تھا جو قرآن شریف کے نازل ہونے سے پہلے اہلِ عرب میں نہ تھا قرآن شریف کے طفیل سے ان امراض کے حق میں پھر وہ شفا اہل عرب نے پائی کہ اس شفا کے اثر سے اور ملک کے لوگوں کو بھی ان امراض سے شفا نصیب ہوگئی غرض سوا اس شفا باطنی کے امراض ظاہری کی شفا کا اثر بھی قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے رکھا ہے چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ کی جو حدیث ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ کو جب کبھی کوئی مرض ہوتا تھا تو آپ قل ھو اللہ قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس پڑھ کر اپنے اوپر دم کیا کرتے تھے[2] اور الحمد پڑھ کر بچھو جہاں کاٹے وہاں منہ کا لعاب لگانے سے بچھو کا زہر اتر جاتا ہے یہ حدیث بھی بخاری[3] میں ہے اور اس قسم کی بہت سی روایتیں کتب صحاح میں ہیں اور بہت لوگوں کو تجربہ ہے کہ تعویذ کے طور پر لکھ کر باندھنے یا پڑھ کر دم کرنے سے بہت سی آیتوں سے طرح طرح کے امراض کو فائدہ ہوتا ہے۔ تعویذ منتر ان عملیات سے منع ہے جس میں کچھ خلاف شریعت الفاظ ہوں یا ایسے الفاظ ہوں جن کے معنے معلوم نہ ہونے سے ان کے خلافِ شریعت ہونے کا دھوکا ہو باقی آیات قرآنی سے تعویذ و منتر کا عمل کرنا جائز

[1] مشکوٰۃ باب المعجزات [2] مشکوٰۃ ص ۱۸۳ کتاب فضائل القرآن [3] مشکوٰۃ ص ۲۵۸ باب الاجارہ۔

وَإِذَآ أَنْعَمْنَا عَلَى الْإِنسَانِ أَعْرَضَ وَنَـَٔا بِجَانِبِهِۦ ۖ وَإِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ

اور جب ہم آرام بھیجیں انسان پر ٹلا جاوے اور ہٹاوے اپنا بازو اور جب لگے اس کو بُرائی رہ جائے

بلکہ مستحب ہے لیکن تعویذ منتر میں اتنا عقیدہ ضرور رکھنا چاہیئے کہ تعویذ منتر میں خدا اثر دلوے گا تو اثر ہوگا نہیں تو کچھ بھی نہیں ابوداؤد ابن ماجہ اور مستدرک حاکم میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی جو حدیث ہے جس میں آپؐ نے تعویذ گنڈے سے منع فرمایا ہے اور تعویذ وغیرہ کو شرک فرمایا ہے[1] وہ منع اسی تعویذ گنڈے کے حق میں ہے جو خلاف شریعت کسی شرکی الفاظ سے ہو چنانچہ صحیح مسلم میں حضرت جابرؓ کی حدیث اس ممانعت کے بعد کی جو ہے اس میں اس ممانعت کے سبب کی صراحت خود آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ کے تعویذ گنڈے منتر سے منع فرمانے کے بعد عمرو بن حزم کے کنبے کے کچھ لوگ آنحضرتؐ کے پاس آئے اور انہوں نے آنحضرتؐ سے عرض کیا کہ حضرت ہم لوگوں کو زمانہ جاہلیت کا ایک منتر بچھو کا یاد ہے مگر آپؐ نے اب ایسی باتوں سے منع فرما دیا ہے اس لیے آپ کی اجازت بغیر ہم اس منتر کا استعمال نہیں کر سکتے آپؐ نے فرمایا وہ منتر مجھ کو پڑھ کر تو سناؤ جب انہوں نے وہ منتر آپؐ کو سنایا تو آپؐ نے فرمایا کہ اس میں تو کچھ حرج معلوم نہیں ہوتا اگر ایسی چیز سے کوئی مسلمان اپنے بھائی مسلمان کو نفع پہنچانا چاہے تو کچھ ممانعت نہیں ہے[2] اور صحیح مسلم میں دوسری حدیث حضرت عوف بن مالکؓ کی ہے اس میں آپؐ نے صاف فرما دیا ہے کہ جس منتر میں کچھ شرک کا خوف نہیں ہے اس کے استعمال میں کچھ حرج نہیں ہے[3] صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوموسیٰؓ اشعری کی حدیث کئی جگہ گزر چکی ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی نصیحت کی مثال مینہ کے پانی کی اور اچھے بُرے لوگوں کی مثال اچھی بُری زمین کی بیان فرمائی ہے[4] آیت میں یہ جو ذکر ہے کہ ایماندار لوگوں کے لیے یہ قرآن اللہ کی رحمت کا سبب ہے اور منکر قرآن لوگوں کے لیے نقصان کا سبب ہے۔ یہ حدیث گویا اس کی تفسیر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ایماندار لوگ قرآن کی نصیحت کے موافق عمل کر کے قیامت کے دن اللہ کی رحمت سے اسی طرح فائدہ اٹھائیں گے جس طرح مینہ کے پانی سے اچھی زمین کو فائدہ پہنچتا ہے اور قرآن کے منکر لوگوں کے حق میں قرآن کی نصیحت اس طرح رائگاں ہے جس طرح بُری زمین میں مینہ کا پانی رائگاں جاتا ہے اس لیے نئی نئی آیتوں کے انکار کے سبب سے قیامت کے دن کا عذاب ان کے حق میں روز بروز بڑھتا جاتا ہے جو وقت مقررہ پر ان کو بہت نقصان پہنچائے گا۔

۸۳-۸۴:۔ اس آیت میں اللہ پاک نے انسان کی ناشکری کا بیان فرمایا کہ جب ہم انسان پر اپنی نعمت نازل کرتے ہیں اس کو صحت و تندرستی بخشتے ہیں اس کی روزی میں ترقی کرتے ہیں فارغ البالی دیتے ہیں اور وہ وہ انعام اس پر کرتے ہیں جن کا شکر ہر گھڑی اور ہر آن واجب ہوتا ہے تو وہ ہم سے روگردان ہو جاتا ہے اور جب کوئی بلا اس پر نازل ہوتی ہے یا کوئی رنج اسے پہنچتا ہے تو پھر اسے اس بات کی امید نہیں رہتی کہ کبھی یہ سختی کا وقت ٹل جاوے گا پھر آنحضرتؐ

[1] مشکوٰۃ ص ۳۸۹ بحوالہ سنن ابوداؤد ص ۵۴۲ ج ۲ باب فی تعلیق التمائم [2] مشکوٰۃ ص ۳۸۸ کتاب الطب و الرقی [3] ایضاً
[4] تفسیر ہذا ص ۳۰ ج ۳۔

يَؤُسًا ﴿٨٣﴾ قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ۭ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ

آس ٹوٹا ۔ تو کہہ ہر کوئی کام کرتا ہے اپنے ڈول پر ۔ سو تیرا رب خوب جانتا ہے کون خوب

اَهْدٰى سَبِيْلًا ﴿٨٤﴾ ع

سوجھا ہے راہ ۔

صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد ہوا کہ آپ لوگوں سے کہہ دیں کہ تم ہر ایک آدمی اپنے اپنے طریقہ اور نیت کے موافق عمل کرتے رہو مطلب یہ ہے کہ جس کا نفس پاک صاف ہے وہ اچھے عمل کرتا ہے اور جس کا نفس ناپاک و خبیث ہے وہ برے عمل کرتا ہے اس میں کفار کی مذمت ہے اور مومنین کی تعریف ہے پھر یہ فرمایا کہ اللہ پاک سب کو جانتا ہے کہ کون گمراہی میں ہے اور کون راہ یاب ہے کیونکہ وہ خالق ہر مخلوق کا ہے ہر ایک شخص کے بھید کو جانتا ہے۔ اگرچہ یہ بھی مشرکین مکہ کا حال ہے کہ مثلاً کشتی کے ڈوبنے کے خوف کے وقت جب اللہ تعالیٰ سے اس خوف کے ٹل جانے کی التجا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ ان کی وہ آفت ٹال دیتا تھا تو اس تکلیف کے رفع ہو جانے کے بعد راحت کے وقت یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو بالکل بھول جاتے تھے اور اللہ کی مدد پر ان لوگوں کا پورا بھروسہ نہیں تھا اس لئے تکلیف کے وقت بے صبری کے سبب سے ان لوگوں کے دل میں امید باقی نہیں رہتی تھی کہ یہ سختی کا وقت ٹل جائے گا لیکن اس آیت میں یہ تنبیہ ہے کہ ہر ایماندار آدمی کو اس عادت سے بچنا چاہیئے کیونکہ ایماندار آدمی کی شان یہی ہے کہ وہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کو یاد رکھے۔ صحیح مسلم کے حوالہ سے صہیب رومیؓ کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایماندار آدمی کی نشانی یہ ہے کہ وہ تکلیف کے وقت کے ٹل جانے کا بھروسہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر کر کے ایسے وقت پر صبر کرتا ہے اور راحت کے وقت ہر طرح کی شکر گزاری سے اللہ تعالیٰ کو یاد رکھتا ہے[۱] مشرکین مکہ کا حال بیان فرما کر ایماندار شخص کو جو تنبیہ آیت میں کی گئی ہے اس کی یہ حدیث گویا تفسیر ہے مسند امام احمد نسائی اور دارمی میں عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ایک دن اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خط کھینچ کر فرمایا یہ اللہ کا راستہ ہے اور پھر اس خط کے دائیں بائیں اور خط کھینچ کر فرمایا ان سب راستوں پر شیطان کا دخل ہے[۲] ترمذی میں عبداللہ بن عمروؓ سے اور مسند امام احمد ابوداؤد اور مستدرک حاکم میں معاویہؓ سے جو صحیح روایتیں ہیں ان میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس طریقہ پر میں اور میرے صحابہؓ ہیں وہی راستہ نجات کا ہے[۳]۔ یہ حدیثیں بمن هو اهدیٰ سبیلا کی گویا تفسیر ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں جو ہدایت کا راستہ تھا وہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلایا اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ راستہ امت کے لوگوں کو بتلایا اب اس راستہ کے برخلاف جبریہ قدریہ لوگوں کے جتنے راستے ہیں ان سب میں شیطان کا دخل ہے۔ ترمذی کی عبداللہ بن عمروؓ کی حدیث کی سند میں ایک راوی عبدالرحمن بن زیاد افریقی کو دارقطنی وغیرہ نے ضعیف کہا ہے لیکن امام بخاریؒ نے اس کو کتاب ضعفاء میں نہیں لکھا اور یحییٰ بن سعید القطان نے اسے ثقہ قرار دیا ہے اس واسطے ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے علاوہ اس کے معاویہؓ کی صحیح حدیث سے بھی اس حدیث کو تقویت ہو جاتی ہے۔

[۱] تفسیر ہذا ص ۲۴ ج ۳ [۲] مشکوٰۃ ص ۳۰ باب کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ [۳] ملاحظہ ہو مشکوٰۃ ص ۳۰ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ فصل دوسری۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ۖ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ

اور تجھ سے پوچھتے ہیں رُوح کو تو کہہ رُوح ہے میرے رب کے حکم سے اور تم کو خبر دی ہے

الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۸۵﴾

تھوڑی سی۔

۸۵۔ صحیحین میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت سے جو شان نزول اس آیت کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے رُوح کا حال پوچھا تھا اور بخاری کی روایت میں یہ صراحت بھی آچکی ہے کہ یہود کا یہ سوال مدینہ میں تھا اس صورت میں اس آیت کا نازل ہونا مدینہ میں ہے اور یہ آیت مدنی ہے[۱] لیکن ترمذی نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے جو روایت کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ یہود کے سکھلانے سے قریش نے مکہ میں آنحضرت سے رُوح کا سوال کیا تھا اس پر یہ آیت نازل ہوئی ہے[۲] اس صورت میں یہ آیت مکی ٹھہرتی ہے اس حدیث کی سند بھی معتبر ہے اس واسطے حافظ ابن کثیر اور معتبر علماء نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ یہ آیت قریش کے سوال پر پہلے مکہ اور یہود کے سوال پر پھر مدینہ میں دو دفعہ نازل ہوئی ہے متقدمین مفسرین صوفیہ کرام سب کا یہ قول ہے کہ رُوح کا حال سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا کہ رُوح کیا چیز ہے لیکن متاخرین میں سے کچھ مفسروں اور صوفیوں نے اپنی سمجھ کے موافق روح کا حال بیان کیا ہے یہ متاخرین کے سب قول سو کے قریب ہیں مگر ایک قول دوسرے قول کے اس طرح ضد میں ہے کہ ایک قول بھی بھروسہ کے قابل باقی نہیں رہتا سچ بات یہ ہے جب اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں رُوح کا حال نہیں بتلایا آنحضرت صلعم سے کوئی روایت ایسی نہیں جس میں رُوح کا کچھ حال ہو پھر یہ غیب کی بات نہ اٹکل سے حل ہو سکتی ہے نہ کسی صوفی کے کشف سے حل ہو سکتی ہے اٹکل تو شریعت میں گنتی کے قابل چیز نہیں کشف و الہام شریعت میں مسلم ہے لیکن کشف و الہام میں اس قدر قوت کہاں ہے کہ وحی کی طرح اس سے کوئی مسئلہ شرعی ثابت ہو سکے شیطانی مداخلت سے وحی کی حفاظت خدا کی طرف سے ہمیشہ فرشتے کیا کرتے ہیں جس کا ذکر سورۂ جن میں آئے گا اس لیے وحی سے ہی خدا کی شریعت ثابت ہوتی ہے اولیاء اللہ کے کشف و الہام میں وہ بات نہیں ہے اس واسطے کشف و الہام سے کوئی شرعی مسئلہ ثابت نہیں ہو سکتا ان علماء نے جن کو شریعت اور علم طریقت دونوں علموں میں مہارت ہے اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ مجتہد کے اجتہاد میں جس طرح خطا اور صحت کا گمان ہے اسی طرح علم طریقت میں صاحب کشف کے کشف کا حال ہے اور باوجود گمانِ خطا کے مجتہد کا اجتہاد دلیل شرعی اس وجہ سے ٹھہرا ہے کہ شارعؑ نے معاذ بن جبلؓ کی حدیث[۳] میں اجتہاد کو دلیل شرعی قرار پانے کی اجازت دے دی ہے کشف کیلئے اس طرح کی کوئی شرعی اجازت نہیں ہے اس لیے کشف تابع شریعت ہے اور تابع شریعت کے یہ معنے ہیں کہ جس کشف کی شہادت شریعت دیوے وہ مقبول ہے نہیں تو نہیں غرض کشف کا دلیل شرعی تو ہونا درکنار بلکہ دلیل شرعی سے کشف کی صحت ہوتی ہے حاصل کلام یہ ہے کہ جس طرح کسی کو یہ نہیں معلوم کہ قیامت کب آئے گی یا مینہ کب برسے گا، یا

[۱] صحیح بخاری ص ۶۸۶ ج ۲ کتاب التفسیر [۲] جامع ترمذی ص ۱۴۲ ج ۲ کتاب التفسیر [۳] مشکوٰۃ ص ۳۲۴ باب العمل بالقضاء بحوالہ جامع ترمذی (باب ما جاء فی القاضی کیف یقضی)

وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَکَ بِہٖ عَلَیْنَا

اور اگر ہم چاہیں سلے جاویں جو چیز تجھ کو دی بھیجی پھر نہ پائے اس کے لا دینے کو ہم پر کوئی

وَکِیْلًا ﴿۸۶﴾ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّکَ ؕ اِنَّ فَضْلَهٗ کَانَ عَلَیْکَ کَبِیْرًا ﴿۸۷﴾

ذمہ لینے والا۔ مگر مہربانی ہے تیرے رب کی اس کی بخشش تجھ پر بڑی ہے۔

ماں کے پیٹ میں کیا ہے لڑکا ہے یا لڑکی یا کل کیا ہوگا یا کون کس سرزمین پر مرے گا اسی طرح رُوح کا علم بھی اللہ ہی کو ہے کہ رُوح کیا چیز ہے جس کسی نے عقل سے یا کشف سے رُوح کے حال میں کچھ بحث کی ہے وُہ بحث ایسی ہے جس طرح ان پانچ باتوں میں کوئی بحث کرے کیونکہ نبی وقت نے جس طرح ان پانچ چیزوں کی صراحت سے سکوت اختیار کیا ہے اسی طرح رُوح کی صراحت سے سکوت اختیار کیا ہے پھر ان پانچ چیزوں کے بحث کو بطریق عقل اور کشف کے منع جاننا اور رُوح کی بحث کو منع نہ جاننا ایک بے دلیل بات ہے اسی واسطے سہروردیؒ نے عوارف میں لکھا ہے کہ الا قلیلا فرما کر بہت سی باتوں کا علم اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو جو نہیں دیا یہ رُوح کی حقیقت کا علم بھی انہی بہت سی باتوں میں سے ہے[1]۔ معاذ بن جبلؓ کی جس حدیث کا ذکر اوپر گزرا یہ حدیث ترمذی اور ابوداؤد میں ہے۔ اگرچہ بعضے علماء نے اس حدیث کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے لیکن ابوبکر خطیب نے اس سند کو قوی ٹھہرایا ہے جس میں عبدالرحمٰن بن غنمؓ نے اس حدیث کو معاذ بن جبلؓ سے روایت کیا ہے[2]۔ یہ احمد بن علی ابوبکر خطیب بغدادی مشہور علماء میں ہیں چوتھی صدی ہجری کے علماء میں دارقطنی کے ہم پلہ علماء میں ان کا شمار ہے اور راویوں کے باب میں ان کے قول کا بڑا اعتبار ہے۔ اس تفسیر میں ان کا حال ایک جگہ اور بھی بیان کر دیا گیا ہے مسند امام احمد اور ابوداؤد میں براءؓ بن عازب کی ایک صحیح حدیث ہے جس میں یہ ہے کہ اچھے لوگوں کی رُوح کو جنت کے کپڑے میں اور بُرے لوگوں کی رُوح کو ٹاٹ کے ٹکڑے میں لپیٹ کر فرشتے آسمان پر لے جاتے ہیں[3]۔ اس حدیث سے اتنی بات کہہ سکتے ہیں کہ جن علماء نے رُوح کو جسم لطیف کہا ہے ان کا قول اس حدیث کے قریب قریب ہے کیونکہ بغیر جسم کے کسی چیز کو کپڑے یا ٹاٹ میں لپیٹنا ممکن نہیں ہے باقی جس قدر قول رُوح کے باب میں ہیں وُہ اس حدیث کے برخلاف معلوم ہوتے ہیں۔

۸۶ ـ ۸۷:۔ اوپر ذکر تھا کہ یہ قرآن ایسے بڑے فائدہ کی چیز ہے کہ اس سے دلی اور جسمانی بیماریوں کو شفا ہوتی ہے اس آیت میں اس فائدہ کی قدر بڑھانے کے لیے فرمایا اگر ہم اس قرآن کو لوگوں کے دل اور ورقوں سے ایسا مٹا اور بھلا دیں کہ اس کا اثر تک باقی نہ رہے تو ہمارے اس کام پر کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو اعتراض کرے اور اس کو پھیر لاوے مستدرک حاکم اور تفسیر ابن ابی حاتم وغیرہ میں صحیح سند کی عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ قیامت کے قریب قرآن اٹھالیا جائے گا لوگوں نے پوچھا یہ کس طرح ہوگا قرآن تو حافظوں کے سینہ میں محفوظ ہے اور ورقوں میں لکھا ہوا ہے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے جواب دیا کہ قیامت کے قریب ایک رات ایسی آئے گی کہ جس میں تمہارے دل اور تمہارے ورقوں میں

[1] عوارف برحاشیہ احیاء العلوم ص ۲۰۲ ج ۴ [2] یہ پوری بحث تحفۃ الاحوذی شرح جامع ترمذی ص ۲۷۶ ج ۲ میں قابل مطالعہ ہے۔
[3] مشکوٰۃ باب اثبات عذاب القبر۔

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا

کہہ اگر جمع ہو دیں آدمی اور جن اس پر کہ لاویں ایسا قرآن نہ

يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ﴿۸۸﴾ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ

لاویں گے ایسا قرآن اور پڑے مدد کریں ایک کی ایک اور ہم نے پھیر پھیر سمجھائی لوگوں کو

قرآن نہ ہوگا اور صبح کے وقت تم اٹھوگے تو کوئی اثر اس کا نہ پاؤگے پھر یہ آیت پڑھی[1] اس سے معلوم ہوا کہ قیامت سے پہلے ایک ایسی ہوا چلے گی کہ قرآن مجید کا ایک ایک حرف لوگوں کے دلوں سے فراموش ہو جائے گا اور ورقوں میں سے حرف مٹا دیئے جائیں گے اس مضمون کی ایک صحیح روایت تفسیر ابن ابی حاتم اور مستدرک حاکم میں ابوہریرہؓ سے بھی ہے[2] پھر اللہ پاک نے اپنا فضل و انعام آنحضرتؐ پر بیان فرمایا کہ اگر ہم چاہیں تو ایسا کر سکتے ہیں کہ قرآن کو اٹھالیں مگر یہ ہمارا فضل و کرم ہے کہ ہم نے ایسا نہیں کیا اور علاوہ اس کے اور بہت سی مہربانیاں اللہ کی آپؐ پر ہیں آپؐ کو اولادِ آدمؑ کا سردار اور خاتم الانبیاء قرار دیا مقامِ محمود عطا کیا اس کے سوا اور بہت سے اور بڑے بڑے فضل خدا کے آپؐ پر ہیں صحیح مسلم میں ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ہم سب صحابہ سورہ براءۃ کی برابر ایک سورۃ قرآن شریف کی سورتوں میں سے پڑھا کرتے تھے مگر اب اس کی ایک آیت بھی یاد نہیں رہی اس حدیث سے آیت کا اور عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت کا مطلب اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آیت کے مضمون کے موافق جب اللہ چاہے اس بھولی ہوئی سورت کی طرح سارے قرآن کو لوگوں کے دل اور ورقوں سے بھلا اور مٹا دیوے چنانچہ قیامت کے قریب جب وہ چاہے گا تو ایسا ہی کرے گا۔

۸۸-۸۹: تفسیر ابن جریر اور ابن اسحاق میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی ایک صحیح روایت سے جو شانِ نزول اس آیت کی بیان کی گئی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ یہود کے چند علماء نے یہ کہا تھا کہ قرآن شریف کی عبارت تورات جیسی فصیح نہیں ہے اس لیے ہم چاہیں تو قرآن جیسی عبارت بنا سکتے ہیں اور یہود سے یہ بات سن کر قریش بھی کہا کرتے تھے لو نشآء لقلنا مثل ھذا[3] جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ہم چاہیں تو ایسا قرآن بنا سکتے ہیں اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور قسم کھا کر فرمایا کہ ساری دنیا بھر کے انسان اور جنات ایک جگہ جمع ہو جائیں جب بھی ان سے اس قرآن کے مانند کلام نہیں بن سکتا اس آیت سے قرآن شریف کا معجزہ ہونا اور ایسا معجزہ ہونا ثابت ہوتا ہے جس کے مقابلہ سے جن و انسان عاجز ہیں قرآن شریف کے معجزہ ہونے کی بحث ایک ایسی بڑی بحث ہے جس کی دو چار دس پانچ مثالیں نہیں ہیں بلکہ سینکڑوں ہزاروں ہیں علماء نے اس خاص بحث میں بڑی بڑی کتابیں لکھی ہیں۔ قاضی ابوبکر باقلانی کی کتاب اس باب میں بے مثل مشہور ہے حاصل کلام یہ ہے کہ گذشتہ سچے تاریخی حالات آئندہ کے غیب کے واقعات یہ معنوی معجزات تو قرآن شریف میں جدا ہیں یہ ایک خاص معجزہ قرآن شریف کا جدا ہے کہ الفاظ قرآن شریف کے وہی ہیں جو اہل عرب کی زبان ہے لیکن ایسی حسن ترتیب کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ان لفظوں کو برتا ہے کہ وہ حسن ترتیب طاقت انسانی سے باہر ایک چیز ہے نظم نثر کی جتنی خوبیاں اہل عرب میں مشہور ہیں وہ سب قرآن میں ہیں اور اس خوبی کے ساتھ ہیں کہ تیرہ برس تک مکہ کے فصیح لوگوں سے یہی مقابلہ رہا کہ

[1] تفسیر الدر المنثور ص ۲۰۱ ج ۴ [2] تفسیر الدر المنثور ۲۰۱ ج ۴ [3] تفسیر ہذا ۱۱۱ ج ۱ [4] تفسیر ابن کثیر ص ۶۲ ج ۳

فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿٨٩﴾ وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ

اس قرآن میں ہر ایک کہاوت سو نہیں رہتے بہت لوگ بن ناشکری کئے اور بولے ہم نہ مانیں گے

لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ﴿٩٠﴾ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ

تیرا کہا جب تک تو نہ بہا نکالے ہمارے واسطے زمین سے ایک چشمہ یا ہو جاوے تیرے واسطے ایک باغ کھجور

اگر یہ کلام الٰہی معجزہ نہیں ہے تو تم بھی اس طرح کا کلام بنا کر لاؤ مگر سب عاجز ہو گئے اور کچھ نہ ہو سکا مستدرک حاکم میں معتبر سند سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے اس وقت کا ایک تاریخی حال یوں منقول ہے کہ ایک دفعہ ابوجہل نے ولید بن مغیرہ سے کہا کہ ہم سب لوگ چندہ کر کے تم کو بہت سا روپیہ دیتے ہیں تم وہ روپیہ دل جمعی سے بیٹھ کر کھاؤ اور محمدؐ جو کلام پڑھتے ہیں اس کے مقابل کا کچھ کلام بناؤ ولید بن مغیرہ نے جواب دیا کہ فصیح انسانوں کے شعر کلام قصیدے تم کو معلوم ہیں کہ کسی کو قریش میں میرے برابر یاد نہیں ہیں لیکن یہ کلام جو محمدؐ پڑھتے ہیں ان سب سے نرالا ہے میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس کلام میں ایسا جادو کا اثر ہے کہ اس کے سننے کے بعد دل قابو میں نہیں رہتا اسی واسطے[1] ابوہریرہؓ کی روایت سے جو حدیث صحیح بخاری میں ہے اس میں آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ لوگوں کے ایمان یقین کے لیے اللہ تعالیٰ نے پچھلے انبیاء کو طرح طرح کے معجزے دیئے مگر قرآن ہی ایک میرا ایسا معجزہ ہے جس کے سبب سے قیامت تک لاکھوں آدمی مسلمان ہوں گے اسی سبب سے مجھ کو توقع ہے کہ قیامت کے دن میری امت کی تعداد سب انبیاء[2] سے بڑھ کر ہو گی۔ قرآن شریف کا یہ معجزہ اب بھی سب کی آنکھوں کے سامنے ہے کہ اس ضعف اسلام کے زمانہ میں ہر سال غیر قوموں کے لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہوتے رہتے ہیں۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے حضرت علیؓ کی حدیث کئی جگہ گزر چکی[3] ہے کہ دنیا کے پیدا کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنے علم غیب کے نتیجہ کے طور پر لوح محفوظ میں یہ لکھ لیا ہے کہ دنیا میں پیدا ہونے کے بعد کتنے آدمی جنت میں جانے کے قابل کام کریں گے اور کتنے دوزخ میں جھونکے جانے کے قابل اسی طرح صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوموسیٰ اشعریؓ کی حدیث بھی کئی جگہ گزر چکی[4] ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی نصیحت کی مثال مینہ کے پانی کی اور اچھے برے لوگوں کی مثال اچھی بری زمین کی بیان فرمائی ہے یہ حدیثیں آخری آیت کی گویا تفسیر ہیں جس کا حال یہ ہے کہ جو لوگ اللہ کے علم غیب کے موافق دوزخ میں جھونکے جانے کے قابل ٹھہر چکے ہیں ان کے حق میں قرآن کی نصیحت اسی طرح رائگاں ہے جس طرح بری زمین میں مینہ کا پانی رائگاں جاتا ہے اسی واسطے طرح طرح کی مثالیں دے کر جس قدر قرآن کی آیتوں سے ان لوگوں کو سمجھایا جاتا ہے اسی قدر قرآن کو جھٹلانے پر یہ لوگ آمادہ ہو جاتے ہیں۔

٨٩-٩٣: تفسیر ابن جریر میں کئی سند سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت سے اور سنن سعید بن منصور میں سعید بن جبیر سے جو شان نزول اس آیت کی بیان کی گئی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ ایک روز ابوجہل اور چند قریش نے جمع ہو کر آنحضرتؐ سے کہا کہ یہ نیا دین تم نے اگر روپے کے لالچ سے یا قوم کے سردار رہنے کی طمع سے نکالا ہے تو ہم روپیہ کا چندہ کرنے کو اور قوم کا سردار تم کو بنانے کو موجود ہیں اور اگر خلل دماغ کے سبب سے ایسی باتیں کرتے ہو تو اس کا علاج بھی ہو سکتا ہے آنحضرتؐ نے جواب دیا کہ ان باتوں میں سے ایک بات بھی نہیں ہے بات فقط اتنی ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں تم لوگوں کو اللہ کا حکم

[1] تفسیر ابن کثیر ص ٤٤٣ ج ٤ تفسیر سورۃ المدثر [2] تفسیر ہذا ص ٢١١ ج ٣ [3] تفسیر ہذا ص ٩٠ ج ٣ [4] تفسیر ہذا ص ٣٠ ج ٣۔

وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ﴿۹۱﴾ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا

اور انگور کا پھر بہالے تو اس کے بیچ نہریں چلا کر یا گرا دے آسمان ہم پر جیسا کہا کرتا ہے

كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ﴿۹۲﴾ اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ

ٹکڑے ٹکڑے یا لے آ اللہ کو اور فرشتوں کو ضامن یا ہو جائے تجھ کو ایک گھر سنہرا یا

تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ ؕ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ؕ قُلْ

چڑھ جائے تو آسمان میں اور ہم یقین نہ کریں گے تیرا چڑھنا جب تک نہ اتار لاوے ہم پر ایک لکھا جو ہم پڑھ لیں تو کہہ

سُنتا ہوں اگر تم مانو گے تو تمہارے لیے اچھا ہے ورنہ تم جانو یہ سن کر انہوں نے ضد سے کہا اچھا اگر تم سچے رسُول ہو تو اس مکہ کی سرزمین پر باغ لگا دو نہریں جاری کرا دو یا اپنا گھر سونے کا بنا لو ہمارے سامنے آسمان پر چڑھ جاؤ یا اللہ اور فرشتے ہمارے روبرو آن کر تمہارے رسُول ہونے کی گواہی دیویں یا اللہ کی طرف سے کوئی نوشتہ اس صداقت میں ہمارے پاس آ جائے اگر ان باتوں میں سے کوئی بات تم نہیں کر سکتے تو ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا عذاب کے طور پر گرا دو۔ ان باتوں پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں[۱] یہ سعید بن منصور ۲۲۰ھ اور شروع ۲۲۷ھ کے علماء میں مشہور ثقہ عالم ہیں یہ امام مالکؒ کے شاگرد اور امام احمد بن حنبلؒ کے استاد ہیں جب ان کا ذکر آتا تھا تو امام احمدؒ ان کی بہت تعریف کیا کرتے تھے۔ امام مسلم اور ابو داؤد نے بھی ان سے حدیث کی روایتیں لی ہیں غرض ان کے زمانہ کے علماء نے ان کو ثقہ اور ان کی تصنیف کی کتابوں کو معتبر ٹھہرایا ہے حاصل مطلب ان آیتوں کا یہ ہے کہ معجزہ کا ظاہر کرنا اللہ کے اختیار میں ہے رسُول کا اس میں کچھ اختیار نہیں ہے اور اللہ کی درگاہ میں ہر کام کا وقت مقرر ہے چنانچہ ویسا ہی ہُوا اللہ کی طرف سے جب وقت مقررہ آ گیا تو سب ضد جاتی رہی اور جن لوگوں کی ضد کی باتوں کا آیت میں ذکر ہے ان میں سے اکثر لوگ خود بخود مسلمان ہو گئے ان کی ضد کے موافق نہ فرشتوں کے رسُول بن کر آنے کی ضرورت پڑی نہ کسی اور معجزہ کی ضرورت پڑی غرض یہ اللہ کے بھید اللہ ہی جانتا ہے۔ جس وقت قریش نے آنحضرت سے یہ ضد کی باتیں کہیں اس وقت اللہ کے علم غیب میں یہ بھید تھا کہ اس جماعت میں سے تھوڑے آدمی تو کچھ دنوں کے بعد بدر کی لڑائی ہو کر حالت کفر میں ہلاک ہونے والے ہیں ان کا کفر تو کسی معجزہ سے ٹوٹنے والا نہیں اور اکثر لوگ اس جماعت میں کے کچھ عرصہ کے بعد بغیر کسی معجزہ کے خود بخود مسلمان ہونے والے ہیں ان کو معجزہ کی ضرورت نہیں اسی بھید سے اللہ تعالیٰ نے اس وقت کی ان لوگوں کی ضد پر کوئی معجزہ ظاہر نہیں فرمایا بلکہ اتنے جواب پر ان لوگوں کی ضد کو ٹال دیا کہ معجزہ رسُولؐ کے اختیار میں نہیں ہے کیونکہ اگر اس وقت ان لوگوں کی ضد پر کوئی معجزہ ظاہر ہو جاتا تو وقت مقررہ سے پہلے ان میں سے کسی کا اسلام لانا تو ممکن نہیں تھا اسی طرح ان میں سے جن لوگوں کا حالت کفر پر مرنا اللہ کے علم غیب میں ٹھہر چکا تھا وہ ہزاروں معجزے دیکھ کر بھی اسی کفر پر مرنے تھے پھر جب ان میں سے کوئی شخص بھی معجزہ کو دیکھ کر ایمان نہ لاتا تو اسی روز عذاب آن کر سارا مکہ غارت ہو جاتا کیونکہ یہ عادت الٰہی ہے کہ ثمود کی اونٹنی کی طرح اس طرح کی ضد کے بعد کوئی معجزہ ظاہر ہوا اور پھر وہ قوم ایمان نہ لائے تو فوراً وہ سب قوم غارت ہو جاتی ہے او تاتی باللہ والملائکۃ قبیلا کی تفسیر ابن جریرؒ نے یہ بیان کی ہے کہ اللہ اور فرشتے تمہارے رسُول ہونے کی

[۱] تفسیر ابن کثیر ص ۶۲ ج ۳

سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۳﴾ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ

پاک ہے اللہ میں کون ہوں مگر ایک آدمی ہوں بھیجا ہوا۔ اور لوگوں کو اٹکاؤ نہیں ہوا اس سے کہ یقین لاویں

جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۴﴾ قُلْ لَّوْ كَانَ فِي

جب پہنچے ان کو راہ کی سوجھ مگر یہی کہ کہنے لگے کیا اللہ نے بھیجا آدمی پیغام لے کر کہہ اگر ہوتے زمین میں

ضمانت دیویں۔ ترجمہ میں شاہ صاحب نے یہی قول لیا ہے لیکن اس آیت کی تفسیر میں مجاہد کا قول وہی ہے جو اوپر بیان کیا گیا کہ اللہ اور فرشتے ہمارے روبرو آن کر تمہارے رسول ہونے کی گواہی دیویں۔ اس تفسیر میں کئی جگہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے شاگردوں میں مجاہد کے قول کا بڑا اعتبار ہے اس لیے حافظ ابو جعفر ابن جریرؒ نے اپنی تفسیر میں مجاہد کے قول کو ابن جریج کے قول پر ترجیح دی ہے اور باقی کے دونوں ترجموں میں اس لیے یہی قول لیا گیا ہے۔ اس واسطے اس تفسیر میں وہی قول لیا گیا کیونکہ یہ عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج اگرچہ مجاہد کے شاگردوں میں ہیں، لیکن ان کو مجاہد سے تفسیر کی روایتوں کے لینے کا زیادہ موقع نہیں ملا۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابو موسیٰ اشعریؓ کی حدیث کئی جگہ گزر چکی ہے[1] کہ اللہ تعالیٰ نافرمان لوگوں کو راہِ راست پر آنے کے لیے مہلت دیتا ہے اور مہلت کے زمانہ میں جب وہ لوگ راہِ راست پر نہیں آتے تو کسی سخت عذاب میں پکڑ کر ان کو ہلاک کر دیتا ہے۔ اس حدیث کو ان آیتوں کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اہلِ مکہ نے ایسی سرکشی اور نافرمانی کی بہت سی باتیں کیں جیسی باتوں کا ذکر ان آیتوں میں ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی عادت کے موافق تیرہ چودہ برس ان لوگوں کو مہلت دی اور اس مہلت کے زمانہ میں تیرہ برس تک ان کو طرح طرح سے سمجھایا گیا جب یہ لوگ اپنی سرکشی اور نافرمانی سے باز نہ آئے تو بدر کی لڑائی کے وقت ان پر یہ آفت آئی کہ ان کے بڑے بڑے سرکش دنیا میں بڑی ذلت سے مارے گئے اور مرتے ہی عذابِ آخرت میں گرفتار ہو گئے جس عذاب کے جھٹلانے کے لیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی لاشوں پر کھڑے ہو کر یہ فرمایا کہ اب تو تم لوگوں نے اللہ کے وعدے کو سچا پایا چنانچہ صحیح بخاری و مسلم کی انسؓ بن مالک کی روایت کے حوالہ سے یہ قصہ کئی جگہ گزر چکا ہے[2] بعد اس کے مکہ کی گلی گلی میں اسلام پھیل گیا اور ان سرکشی کی باتوں کا کہیں نشان تک مکہ میں باقی نہ رہا۔

۹۴-۹۹:۔ اوپر کی آیتوں میں مشرکین مکہ کی سرکشی کی باتوں کا ذکر فرما کر ان آیتوں میں فرمایا بڑا سبب قرآن کی نصیحت کے نہ ماننے کا ان لوگوں کے نزدیک یہ ہے کہ یہ لوگ اس بات کو خلافِ عقل جانتے ہیں کہ اللہ کا رسول کوئی انسان ہو سکتا ہے ان لوگوں کا خیال یہ ہے کہ اللہ کا رسول فرشتہ ہونا چاہیے حالانکہ یہود کی باتوں کو یہ لوگ بہت مانتے ہیں اور یہود سے اکثر یہ لوگ سن چکے ہیں کہ بنی اسرائیل کے رسول موسیٰ علیہ السلام تھے پھر بھی شیطان کے بہکانے سے یہ لوگ ایک ظاہر بات کو خلافِ عقل جانتے ہیں اے رسول اللہ کے تم ان لوگوں سے کہہ دو جس طرح بنی آدم زمین پر رہتے ہیں اسی طرح فرشتے بھی اگر زمین پر بستے ہوتے اور فرشتوں کا اصلی صورت میں دیکھنا انسان کی طاقت سے باہر نہ ہوتا تو ان کے پاس کوئی فرشتہ رسول بنا کر بھیج دیا جاتا اب اگر کوئی فرشتہ رسول بنا کر بھیجا بھی جاتے تو وہ ضرور انسان کی

[1] مثلاً تفسیر ہذا ص ۵۳ ج ۳ [2] مثلاً تفسیر ہذا ص ۲۳ ج ۳۔

الْاَرْضِ مَلٰٓئِکَةٌ یَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّیْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَیْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَکًا

فرشتے پھرتے بستے تو ہم اتارتے ان پر آسمان سے کوئی فرشتہ

رَّسُوْلًا ﴿۹۵﴾ قُلْ کَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیْدًا بَیْنِیْ وَبَیْنَکُمْ ؕ اِنَّهٗ کَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِیْرًا

پیغام لے کر، کہہ اللہ بس ہے حق ثابت کرنے والا میرے اور تمہارے بیچ وہ ہے اپنے بندوں سے خبردار

بَصِیْرًا ﴿۹۶﴾ وَمَنْ یَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ اَوْلِیَآءَ

دیکھنے والا۔ اور جس کو سمجھائے اللہ وہی ہے سوجھا اور جس کو بھٹکا دے پھر تو نہ پاوے ان کے واسطے کوئی رفیق

مِنْ دُوْنِهٖ ؕ وَنَحْشُرُهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ عَلٰی وُجُوْهِهِمْ عُمْیًا وَّبُکْمًا وَّصُمًّا ؕ

اس کے سوا، اور اٹھا دیں گے ہم ان کو دن قیامت کے اوندھے منہ پر اندھے اور گونگے اور بہرے۔

صورت میں ہوگا اور پھر ان لوگوں کا وہی شبہ باقی رہے گا جو اس وقت ہے سورۃ الانعام کی آیتوں میں یہ مضمون تفصیل سے گزر چکا ہے وُہ آیتیں گویا ان آیتوں کی تفسیر ہیں جس کا حاصل وہی ہے جو اوپر بیان کیا گیا آگے فرمایا اے رسُول اللہ کے ان لوگوں سے یہ بھی کہہ دو کہ فرشتہ کی گواہی کچھ اللہ کی گواہی سے بڑھ کر نہیں میں اپنے رسُول ہونے پر اللہ کی گواہی پیش کرتا ہوں اور اللہ کی گواہی کا ثبوت یہ ہے کہ اسلام کی جن باتوں کی میں نصیحت کرتا ہوں اللہ کی مدد سے ان باتوں کی روز بروز ترقی ہوتی جاتی ہے اور اسلام کے برخلاف باتیں روز بروز دنیا سے اٹھ رہی ہیں اور یہ بھی کہہ دو کہ اللہ اپنے بندوں کے ذرا ذرا حال سے خبردار اور ان کے سب کاموں کو دیکھتا ہے میں جو تم کو نصیحت کرتا ہوں وُہ بھی اس کو معلوم ہے اور تم بغیر کسی سند کے زبردستی جو مجھ کو جھٹلاتے ہو وُہ بھی اس سے پوشیدہ نہیں ہے وقت مقررہ پر ان سب باتوں کا فیصلہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا آگے فرمایا اللہ کے علمِ غیب میں جو لوگ راہِ راست پر آنے والے ٹھہر چکے ہیں وہی نیک کاموں کا ارادہ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ انہیں نیک کاموں کی توفیق دیتا ہے اور جو لوگ اللہ کے علمِ غیب میں گمراہ ٹھہر چکے ہیں ان کو کوئی نصیحت کرنے والا راہ راست پر نہیں لا سکتا اس لیے وُہ لوگ اسی گمراہی کی حالت میں مر جائیں گے اور قیامت کے دن وُہ میدانِ محشر تک تو بجائے پیروں کے منہ کے بل چلیں گے اور پھر اوندھے منہ گھسیٹے جا کر دوزخ میں ڈال دیئے جائیں گے جہاں سوا ہر وقت کے عذاب کے آنکھوں سے کسی نجات کی صورت کے دیکھنے سے وُہ اندھے اور کانوں سے سننے سے بہرے اور زبان پر لانے سے گونگے ہوں گے۔ قبروں سے میدان محشر تک ایسے لوگوں کے منہ کے بل چلنے کا حال تو ان آیتوں میں ہے اور اوندھے منہ گھسیٹے جا کر دوزخ میں ڈالے جانے کا حال سورہ قمر میں آئے گا صحیح بخاری و مسلم میں انس بن مالکؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ بعضے صحابہؓ نے اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ قیامت کے دن دوزخی لوگ منہ کے بل کس طرح چلیں گے آپ نے فرمایا جو پیروں کے بل چلانے پر قادر ہے اُس دن وہی منہ کے بل چلانے پر قدرت رکھتا ہے[1] اس سے معلوم ہوا کہ حاضر پر غائب کا قیاس کر کے غیب کی باتوں میں عقل نہیں دوڑانی چاہیئے عذاب قبر حشر پل صراط عذاب دوزخ یہ سب غیب کی باتیں ہیں شریعت میں جس طرح یہ باتیں

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۶۵ ج ۳۔

مَأْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا ﴿۹۷﴾ ذٰلِكَ جَزَاۗؤُهُمْ بِاَنَّهُمْ

ٹھکانا ان کا دوزخ ہے جب لگے گی بجھنے اور دیں گے ان پر بھڑکا۔ یہ ان کی سزا ہے اس واسطے کہ منکر

كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا

ہوئے ہماری آیتوں سے اور بولے کیا جب ہم ہوگئے ہڈیاں اور چورا کیا ہم کو اٹھانا ہے نئی

جَدِيْدًا ﴿۹۸﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰٓي

بناکر، کیا نہیں دیکھ چکے کہ جس اللہ نے بنائے آسمان اور زمین سکتا ہے ایسوں کو بنانا

اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ وَجَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۭ فَاَبَى الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۹۹﴾

اور ٹھہرایا ہے ان کا ایک وعدہ بے شبہ سو نہیں رہتے بے انصاف بن ناشکری کئے۔

آتی میں بغیر عقلی دخل کے ان کا یقین کرنا ایماندار آدمی کا کام ہے۔ سورہ الزخرف میں آئے گا کہ دوزخ کی آگ کی تیزی کبھی کم نہ ہوگی۔ ترمذی ابن ماجہ موطا وغیرہ میں ابوہریرہؓ کی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ دوزخ کی آگ کی تیزی قائم رہنے کے لیئے اس کو تین ہزار برس تک دہکایا گیا ہے[1] حاصل یہ ہے کہ اس قسم کی آیتوں اور حدیثوں کے لحاظ سے قتادہ نے کلما خبت زدنٰھم سعیرا کی جو تفسیر کی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ دوزخ کی آگ کی ذاتی تیزی تو کبھی نہ کم ہوگی نہ وہ آگ کبھی بجھے گی لیکن دوزخیوں کے ایک کھال کے جل جانے کے سبب سے جب جلی ہوئی کھال پر آگ کی تیزی کم معلوم ہوگی تو فوراً دوسری کھال بدلی جاکر آگ کو تیز کر دیا جائے گا۔ اس تفسیر سے ان آیتوں اور سورۃ الزخرف کے مضمون کی آیتوں میں مطابقت اچھی طرح ہو جاتی ہے۔ یہ کھال کے بدلے جانے کا ذکر سورۃ النساء میں تفصیل سے گزر چکا ہے اور صحیح بخاری و مسلم کی ابوسعید خدریؓ کی روایت کے حوالہ سے یہ بھی گزر چکا ہے کہ کھالیں ان لوگوں کی بدلی جائیں گی جو حشر کے منکر ہونے کے سبب سے ہمیشہ دوزخ میں رہنے والے ہیں اور جو لوگ دوزخ سے نکل کر جنت میں داخل ہونے والے ہیں ان کی کھال نہیں بدلی جائے گی بلکہ وہ ایک دفعہ کے جلنے میں مر کر کوئلے ہو جائیں گے پھر ان کوئلوں کو دوبارہ زندہ کیا جا کر جنت میں داخل کیا جائے گا[2]

۹۸-۹۹۔ اوپر نافرمان لوگوں کے عذاب کا ذکر فرما کر ان آیتوں میں فرمایا کہ یہ عذاب ان لوگوں پر کچھ ظلم کے طور پر نہ ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ظلم اپنی ذات پر حرام ٹھہرایا ہے صحیح مسلم کے حوالہ سے ابوذرؓ کی روایت کی حدیث قدسی کئی جگہ گزر چکی ہے[3] جس میں یہ ذکر ہے کہ ظلم اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات پاک پر حرام ٹھہرالیا ہے اس لیئے فرمایا کہ یہ عذاب ان لوگوں کی بداعمالی کی سزا کے طور پر ہوگا کیونکہ یہ اللہ کے کلام کو اور حشر کو جھٹلاتے تھے پھر فرمایا کیا ان لوگوں نے یہ نہیں دیکھا کہ ان کی عقل سے باہر اس پاک ذات نے بغیر ستون کے آسمان کس طرح بنائے اور پانی پر زمین کیونکر بچھائی پھر آدم علیہ السلام کے پتلے کی طرح مٹی سے ان کے دوبارہ پتلے بنانا اور ان میں روح کا پھونکنا اس کی قدرت کے آگے کیا مشکل ہے۔ رہی یہ بات کہ آخر یہ کب ہوگا اس کے واسطے اللہ کے کارخانہ میں ایک وقت مقرر ہے اس وقت کو بغیر کسی سند کے جو یہ لوگ جھٹلاتے ہیں اس کا خمیازہ ان کو بھگتنا پڑے گا۔ مسند امام احمد کے حوالہ سے حضرت عائشہؓ کی صحیح حدیث کئی جگہ گزر چکی ہے[4] کہ منکر نکیر کے سوال اور مردہ کے جواب کے بعد نیک شخص کو جنت کا اور

[1] مشکوٰۃ ص ۵۰۲ باب صفۃ النار واہلہا [2] تفسیر ہذا ص ۳۳۲ ج ۱ [3] مثلاً تفسیر ہذا ص ۳۴ ج ۳ [4] تفسیر ہذا ص ۱۷۱ ج ۲

قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّیْٓ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ ط

کہہ اگر تمہارے ہاتھ میں ہوتے میرے رب کی مہر کے خزانے تو ضرور موند رکھتے اس ڈر سے کہ خرچ نہ ہو جائیں

وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا ﴿۱۰۰﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ فَسْـَٔلْ

اور ہے انسان دل کا تنگ۔ اور ہم نے دیں موسیٰؑ کو نو نشانیاں صاف پھر پوچھ

ہر شخص کو دوزخ کا ٹھکانہ دکھا کر فرشتے یہ جتلا دیتے ہیں کہ اس ٹھکانے میں رہنے کے لیے تم کو قیامت کے دن دوبارہ زندہ کیا جائے گا[۱]۔ ابوداؤد اور مسند امام احمد کے حوالہ سے براء بن عازب کی صحیح حدیث بھی گزر چکی[۲] ہے کہ نیک لوگ اپنا جنت کا ٹھکانا دیکھ کر قیامت کے جلدی سے قائم ہونے کی اور بدلوگ اپنے دوزخ کے ٹھکانا سے ڈر کر قیامت کے قائم نہ ہونے کی آرزو کریں گے ان حدیثوں کو آیتوں کے ساتھ ملانے سے یہ مطلب ہُوا کہ اب تو یہ لوگ مسخرا پن سے قیامت کے آنے کی جلدی کرتے ہیں مگر مرنے کے ساتھ ہی جب ان کا قیامت کا انجام ان کو دکھا دیا جائے گا تو پھر اس سے ڈر کر بجائے قیامت کی جلدی کے انہیں قیامت کے قائم نہ ہونے کی آرزو کرنی پڑے گی۔

۱۰۰۔ اوپر کی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے قریش کی ان باتوں کا ذکر فرمایا تھا جن باتوں کا ضد سے معجزہ کے طور پر وُہ ظاہر ہونا چاہتے تھے ان باتوں میں قریش نے یہ بھی کہا تھا کہ اگر صفا پہاڑ سونے کا ہو جائے گا تو ہم مسلمان ہو کر اس سونے کو ہر طرح سے اللہ کی راہ میں خرچ کریں گے یہ اس کا جواب اللہ نے دیا ہے کہ ایک صفا پہاڑ تو کیا دنیا میں جتنی سونے چاندی کی کانیں اللہ تعالیٰ کے خزانہ کی موجود ہیں ان سب کے یہ مالک بن جائیں جب بھی خرچ کرنے میں دل تنگی کریں گے کیونکہ ہر انسان کی جبلی عادت میں یہ بات داخل ہے کہ وُہ مال کے خرچ کرنے میں تنگدلی کرتا ہے۔ یہاں بعضے مفسروں نے یہ اعتراض کیا ہے کہ بعضے آدمی ذاتی سخی ہوتے ہیں پھر سب آدمیوں کو جو آیت میں دل تنگ فرمایا گیا ہے اس کا کیا مطلب ہے جواب اس اعتراض کا یہ ہے کہ دُنیا دار دُنیا کی نمود کے لیے اور دین دار دین کے اجراء کے لیے سخاوت کرتے ہیں یہ اوپری سبب ہیں جن کے تصور سے آدمی میں سخاوت آجاتی ہے ورنہ ہر دل میں مال کی محبت ہے جس نے دِل کو پیدا کیا ہے اس سے بڑھ کر دل کا حال کون جان سکتا ہے اسی واسطے صحیح بخاری و مسلم میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی جو روایت ہے اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ آدمی کا پیٹ مال سے اس وقت تک نہیں بھرتا جب تک قبر کی مٹی اس کے پیٹ میں نہ بھر جائے[۳]۔

۱۰۱۔ مسند امام احمد بن حنبل ترمذی نسائی ابن ماجہ اور تفسیر ابن جریر میں اس آیت کی شانِ نزول صفوان بن عسالؓ کی روایت سے یوں بیان کی گئی ہے کہ دو یہودیوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان نو معجزوں کی تفصیل پوچھی جن کا ذکر اس آیت میں ہے تو آپؐ نے فرمایا شرک نہ کرنا چوری نہ کرنا بدکاری نہ کرنا قتل بے جا نہ کرنا جادو نہ کرنا سود نہ کھانا بادشاہِ وقت سے چغلی نہ کھانا پارسا عورتوں پر بدکاری کا بہتان نہ لگانا دین کی لڑائی سے نہ بھاگنا یہ جواب سُن کر ان یہودیوں نے آنحضرتؐ کے ہاتھوں اور پیروں کو بوسہ دیا اور کہا بلاشک آپ نبی ہیں آپؐ نے فرمایا جب تم مجھ کو سچا نبی جانتے ہو تو پھر مجھ پر ایمان کیوں نہیں لاتے انہوں نے کہا ہم اپنی قوم کے لوگوں سے ڈرتے ہیں کہ وُہ ہم کو مار ڈالیں گے[۴]۔ اگرچہ ترمذی نے اس حدیث کو حسن

[۱] تفسیر ہذا ص ۱۸۱ ج ۲ [۲] ایضاً [۳] مشکوٰۃ ص ۴۵۰ باب العمل والحرص [۴] تفسیر ابن کثیر ص ۶۷ ج ۳۔

بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اِذۡ جَآءَهُمۡ فَقَالَ لَهٗ فِرۡعَوۡنُ اِنِّیۡ لَاَظُنُّكَ یٰمُوۡسٰی مَسۡحُوۡرًا ﴿۱۰۱﴾

بنی اسرائیل سے جب آیا وہ ان کے پاس تو کہا اس کو فرعون نے میری اٹکل میں موسیٰ تجھ پر جادو ہوا۔

قَالَ لَقَدۡ عَلِمۡتَ مَاۤ اَنۡزَلَ هٰۤؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ بَصَآئِرَ ۚ

بولا تو جان چکا ہے کہ یہ چیزیں کسی نے نہیں اتاریں مگر آسمان اور زمین کے صاحب نے سوجھانے کو۔

کہا ہے[1] لیکن عماد الدین حافظ ابن کثیر نے اس تفسیر پر یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ شانِ نزول عبارتِ قرآن کے مخالف ہے کیونکہ قرآن کی آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وُہ نو معجزے جن کا ذکر آیت میں ہے فرعون کے غرق ہونے سے پہلے فرعون کے جیتے جی حضرت موسیٰؑ کو ملے اور وُہ معجزے حضرت موسیٰؑ نے فرعون پر ظاہر کئے اور فرعون نے وُہ معجزے دیکھ کر حضرت موسیٰؑ کو جادو میں آلودہ بتلایا اور حضرت موسیٰؑ نے فرعون سے کہا کہ نہ میں جادو میں آلودہ ہوں اور نہ یہ نو باتیں جادو ہیں بلکہ تیرا دِل بھی جانتا ہے کہ جادو ایسا نہیں ہوتا خدا کی طرف سے یہ معجزے ہیں پھر اوپر کی حدیث میں جن باتوں کا ذکر ہے وُہ باتیں آیت کی تفسیر نہیں ٹھہرائی جا سکتی ہے کس واسطے کہ جن باتوں کا ذکر حدیث میں ہے نو باتیں وُہ اور ایک ہفتہ کے دِن کی تعظیم کا حکم یہ دس حکم تو وُہ ہیں جو توراۃ کے شروع میں لکھے جاتے تھے اور یہ ظاہر بات ہے کہ توریت تو فرعون کی ہلاکت کے ایک عرصہ کے بعد نازل ہُوئی ہے غرض اصل بات یہ ہے کہ اس حدیث کی سند میں ایک شخص عبداللہ بن سلمہ کے حافظہ میں فتور ہے اس سبب سے بجائے دس احکام کے نو معجزوں کا ذکر حدیث میں عبداللہ بن سلمہ کی غلطی سے ہو گیا ہے آیت میں جن نو معجزوں کا ذکر ہے وُہ وہی نو باتیں ہیں جن کا ذکر خود اللہ تعالیٰ نے سورہ الاعراف اور سورہ طٰہٰ میں کیا ہے کہ وُہ نو باتیں عصاؐ ید بیضاءؐ خونؐ اور ٹڈیوںؐ اور مینڈکوںؐ اور پانی کا خون ہو جانے کا عذاب اور طوفانؐ اور قحطؐ اور باغات کے پھل خراب ہو جانے کا خزانوںؐ کے پتھر ہو جانے کا عذاب۔ یہ سب باتیں ہیں۔ چنانچہ تفسیر عبدالرزاق تفسیر ابن ابی حاتم وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے چند روایتیں[2] آیت کی تفسیر کی جو ہیں ان میں نو نشانیاں انہی باتوں کو ٹھہرایا گیا ہے جن کا ذکر سورہ اعراف اور سورہ طٰہٰ میں ہے اذ جآءھم اس کا مطلب یہ ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام فرعون اور اس کی قوم کی ہدایت کے لیے رسُول بن کر آئے اس وقت موسیٰ علیہ السلام کو یہ نو نشانیاں معجزے کے طور پر دی گئی تھیں۔

۱۰۲-۱۰۴: اللہ تعالیٰ نے اوپر کی آیت میں یہ ذکر فرمایا تھا کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو نو نشانیاں دے کر فرعون کے پاس رسُول بنا کر بھیجا تھا مگر فرعون نے حضرت موسیٰؑ کو جادوگر تصور کیا حضرت موسیٰؑ نے فرمایا کہ اے فرعون کیا تو نہیں جانتا کہ یہ نشانیاں اس نے اتاری ہیں جو آسمان اور زمین سارے جہان کا پیدا کرنے والا ہے اور یہ نشانیاں اس بات کو ثابت کرتی ہیں کہ مَیں اللہ تعالیٰ کا سچا رسُول ہوں اور ان نشانیوں سے اللہ کی ہستی اور اس کی قدرت کا پورا پورا پتہ چلتا ہے تو جو اس کا انکار کرتا ہے اور اسے نہیں مانتا مجھے جادوگر خیال کرتا ہے ان باتوں سے ضرور ہلاک ہو جائے گا۔ فرعون نے اس بات کو سُن کر یہ ارادہ کیا کہ موسیٰ علیہ السلام کو اور ان کے ساتھ بنی اسرائیل کو جلا وطن کر کے ملک مصر سے کہیں دُور

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۶۷ ج ۳ جامع ترمذی ۱۴۲ ج ۲ کتاب التفسیر [2] تفسیر الدر المنثور ص ۲۰۴ ج ۴

وَاِنِّیْ لَاَظُنُّكَ یٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا ﴿۱۰۲﴾ فَاَرَادَ اَنْ یَّسْتَفِزَّهُمْ مِّنَ الْاَرْضِ

اور میری اٹکل میں فرعون تو کھپا چاہتا ہے پھر چاہا کہ ان کو چین نہ دے زمین میں

فَاَغْرَقْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ جَمِیْعًا ﴿۱۰۳﴾ وَّقُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ لِبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اسْكُنُوا

پھر ڈبا دیا ہم نے اس کو اور اس کے ساتھ والوں کو سارے۔ اور ہم نے کہا اس کے پیچھے بنی اسرائیل کو بسو تم

الْاَرْضَ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِیْفًا ﴿۱۰۴﴾

زمین میں پھر جب آوے گا وعدہ آخرت کا لے آویں گے ہم تم کو سمیٹ کر۔

نکال دیوے مگر اللہ عالم الغیب ہے اس نے فرعون کو مع اس کے لشکر کے قلزم میں غرق کر کے ہلاک کر دیا پھر یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو یہ حکم دے دیا کہ فرعون تمہیں ملک مصر سے نکالنا چاہتا تھا تو اب تو وہ ہلاک ہو گیا تم اس کی جگہ سلطنت کرو اور مشرق سے مغرب تک جہاں چاہو بسو رہو کوئی تمہارا روک ٹوک کرنے والا نہیں ہے ہاں جس وقت قرب قیامت ہو گا اور وعدہ کا دن آجائے گا اس وقت تمہیں اور تمہارے دشمنوں سب کو جزا اور سزا کے لیے دوبارہ زندہ کیا جا کر ایک جگہ اکٹھا کیا جائے گا یہ قصہ بیان فرما کر آیت میں اللہ پاک نے آنحضرتؐ کو اس بات کی بشارت دی ہے کہ جس طرح فرعون چاہتا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام اور تمام بنی اسرائیل کو ملک مصر سے نکال دے مگر اس کا کچھ بس نہ چلا خدا کے سامنے مجبور ہو گیا اور اس کے ہلاک ہونے کے بعد بنی اسرائیل اس کے ملک اور مال پر قابض ہو گئے اسی طرح مشرکین چاہتے ہیں کہ آپ کو اور آپ کے اصحاب کو سرزمین مکہ سے علیحدہ کر دیں مگر آخر کار مکہ پر تمہارا اور تمہارے اصحاب کا قبضہ ہو گا اور یہ مکہ کے مشرک لوگ مغلوب ہو جائیں گے فرعون اور اس کے لشکر کے غرق ہو جانے کا قصہ قرآن میں کئی جگہ ہے یہ تو سورہ بقر میں گزر چکا ہے کہ اسرائیل یعقوب علیہ السلام کو اور بنی اسرائیل اُن کی اولاد کو کہتے ہیں حضرت یوسف علیہ السلام کی مصر کی سکونت کے سبب سے بنی اسرائیل ملک شام سے مصر میں آئے اور یوسف علیہ السلام کی وفات کے بعد بنی اسرائیل مصر میں ذلیل حالت سے رہتے تھے اس لیے موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا حکم تھا کہ مصر سے بنی اسرائیل کو ساتھ لے جا کر ان کے قدیمی وطن ملک شام میں انہیں آباد کر دو اسی واسطے موسیٰ علیہ السلام فرعون سے کہتے تھے کہ بنی اسرائیل کو میرے ساتھ کر دے اگرچہ فرعون بنی اسرائیل کو مصر سے نکال دینا چاہتا تھا لیکن ضد کے مارے جب فرعون نے بنی اسرائیل کو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کر دینے سے انکار کیا تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ کو حکم دیا کہ وہ ایک رات بنی اسرائیل کو ساتھ لیکر مصر سے چلے جائیں موسیٰ علیہ السلام نے اس حکم کی تعمیل کی فرعون نے بنی اسرائیل کے مصر سے چلے جانے کی خبر سُن کر اُن کا پیچھا کیا اور دریائے قلزم پر ان کو جا پکڑا۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے موسیٰ علیہ السلام نے دریا کے پانی پر اپنا عصا مارا جس سے دریا میں راستہ ہو گیا موسیٰ علیہ السلام تو بنی اسرائیل کو لیکر اس راستے سے دریا پار ہو گئے مگر فرعون نے جب اس راستے سے دریا پار ہونے کا قصد کیا تو وہ اپنے لشکر کے ساتھ ڈوب کر ہلاک ہو گیا اس قصہ کو مختصر طور پر فاغرقناہ ومن معہ جمیعا کے لفظوں سے بیان فرمایا ہے صحیح بخاری میں عبداللہ بن مسعودؓ سے اور صحیح مسلم میں ابوہریرہؓ سے جو روایتیں ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ کعبہ کے گرد جو بُت رکھے تھے فتح مکہ کے وقت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے ہاتھ کی لکڑی سے مار مار کر زمین پر گرا دیا[1] حضرت

[1] تفسیر جلد ۱ ص ۶۱

وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ؕ وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا ﴿۱۰۵﴾ وَقُرْاٰنًا

اور سچ کے ساتھ اتارا ہم نے یہ قرآن اور سچ کے ساتھ اترا اور تجھکو جو بھیجا ہم نے سو خوشی اور ڈر سنانا اور پڑھنے کا

فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَی النَّاسِ عَلٰی مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِیْلًا ﴿۱۰۶﴾

وظیفہ کیا ہم نے اس کو بانٹ کر کہ پڑھے تو اس کو لوگوں پر ٹھہر ٹھہر کر اور اس کو ہم نے اتارتے اتارا۔

موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے قصہ میں اللہ تعالیٰ نے جو بشارت اپنے رسول کو دی تھی اس کا ظہور ان حدیثوں سے اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ کے موافق مشرکین مکہ کو ایسا مغلوب کر دیا کہ وہ اپنے جھوٹے معبودوں کو ذلت سے نہ بچا سکے۔

۱۰۵-۱۰۶: یہاں حق کا مطلب یہ ہے کہ یہ قرآن بالکل محفوظ ہے خدا کے پاس سے آنے میں کوئی کمی بیشی اس میں نہیں ہوئی جبرئیل امین خداوند جل جلالہ کے پاس سے جوں کا توں لائے پھر فرمایا کہ جو لوگ ایمان دار ہیں اور تمہارے تابع اور مطیع ہیں تم ان کو خوشخبری سنانے والے ہو کہ انہیں ان کے نیک اعمال کا بدلہ آخرت میں اچھا ملے گا اور جنت ان ہی کے واسطے تیار ہوئی ہے اور جو لوگ تمہاری نافرمانی کرتے ہیں اور تمہیں جھٹلاتے ہیں آپ ان کے واسطے خوف سنانے والے ہیں کہ آخرت میں ان کا نتیجہ اور انجام اچھا نہیں ہوگا۔ دوزخ ان کے واسطے مقرر ہے پھر اللہ پاک نے یہ بات بیان فرمائی کہ ہم نے قرآن کو ایک بارگی نہیں اتارا بلکہ تھوڑا تھوڑا کر کے جب جس بات کی ضرورت ہوئی ویسی ہی آیتیں نازل کیں تاکہ تمہیں لوگوں کو سنانا آسان ہو اور پہلے اس قرآن کو لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر اتارا پھر حسب ضرورت ۲۳ سال میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا۔ نسائی مستدرک حاکم وغیرہ کی صحیح روایت میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ قرآن شب قدر کو رمضان کے مہینے میں پہلے پورا ایک ہی دفعہ میں آسمان دنیا پر اتارا گیا پھر جب مشرک کوئی نئی بات کرتے تھے تو اللہ پاک ان کا جواب دیتا رہا غرض کہ ۲۳ برس کی مدت میں تھوڑا تھوڑا ہو کر سارا نازل ہوا[1] مکث کا یہی مطلب ہے کہ مدت دراز میں قرآن نازل ہوا چالیس برس کی عمر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت ہوئی قیام مکہ کے تیرہ برس میں سے پہلے تین برس میں بہت کم آیتیں قرآن کی نازل ہوئیں اور کچھ دنوں وحی بند بھی رہی پھر دس برس تک متواتر وحی نازل ہوتی رہی حاصل کلام یہ ہے کہ جن روایتوں میں یہ ذکر ہے کہ دس برس تک قرآن مکہ میں نازل ہوا اور دس برس تک مدینہ میں ان روایتوں میں متواتر وحی کا زمانہ لیا گیا ہے اور جن روایتوں میں ۲۳ برس تک قرآن کے نازل ہونے کا ذکر ہے ان میں قیام مکہ کے وہ تین برس بھی لیے گئے ہیں جن کا ذکر اوپر گزرا۔ صحیح بخاری[2] میں حضرت عائشہؓ سے جو روایت ہے اس میں یہ بات تو صاف ہے کہ ۶۳ برس کی عمر میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی اس لیے یہی بات صحیح ہے کہ چالیس برس کی عمر میں آپ نبی ہوئے اور ۲۳ برس تک آپ پر قرآن نازل ہوا کیونکہ بیس برس تک قرآن کے نازل ہونے کی مدت لی جائے تو آپ کی عمر ساٹھ برس کی قرار پاتی ہے جو حضرت عائشہؓ کی صحیح روایت کے برخلاف ہے سورۃ الجن میں آوے گا کہ قرآن شریف کے نازل ہونے کے زمانے میں آسمان و زمین پر وحی کی حفاظت کا بڑا انتظام تھا آسمان پر جگہ جگہ فرشتے تعینات تھے

[1] تفسیر الدر المنثور ص ۲۰۵ ج ۴ [2] جلد اول باب وفاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖٓ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ اِذَا یُتْلٰی عَلَیْهِمْ

کہہ تم اس کو مانو یا نہ مانو جن کو علم ملا ہے اس کے آگے جب ان کے پاس اس کو پڑھئے

یَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ۙ﴿۱۰۷﴾ وَّ یَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنْ کَانَ وَعْدُ رَبِّنَا

گرتے ہیں ٹھوڑیوں پر سجدے میں، اور کہتے ہیں پاک ہے ہمارا رب بے شک ہمارے رب کا وعدہ

جو چوری سے وحی کی خبر سننے والے جنات پر چاروں طرف سے انگارے برساتے تھے اور آسمان سے زمین پر جب وحی آتی تھی تو اس کے اردگرد فرشتے اس بات کی چوکسی کرتے تھے کہ اس میں کوئی شیطانی دخل نہ ہونے پائے سورۃ الجن کی آیتوں سے ونزلناہ تنزیلا کا یہ مطلب اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ قرآن خود نہیں بنایا بلکہ ایک خاص انتظام کے ساتھ یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا ہے جو ہر طرح کی کمی بیشی سے بالکل دور ہے۔

۱۰۷ - ۱۰۸: ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ تم ان کافروں سے جو تم سے طرح طرح کی فرمائش اور معجزے مانگتے ہیں کہہ دو کہ تم قرآن شریف پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ پہلی کتابوں میں اس کا ذکر موجود ہے اس لیے اس کو وہ لوگ مانتے ہیں جو توریت وانجیل سے واقف ہیں جیسے ورقہ بن نوفل اور عبداللہ بن سلام وغیرہ لوگ اللہ کے رسول صلعم کو سچا جانتے ہیں اور جب ان لوگوں کے روبرو قرآن پڑھا جاتا ہے تو سجدہ میں گر پڑتے ہیں اور کہتے ہیں پاک ہے پروردگار ہمارا بیشک اس کا وعدہ سچا ہے وہ سجدہ میں روتے ہیں اور عاجزی ان کی زیادہ ہوتی ہے اس آیت میں اللہ تعالیٰ پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تسلی دیتا ہے کہ اگر یہ مشرکین مکہ قرآن پر ایمان نہیں لاتے تو پڑے نہ لاؤ تم پرواہ نہ کرو یہ کس گنتی میں اہل علم تو اس کو مانتے ہیں اور جب وہ اس قرآن کو سنتے ہیں تو روتے ہیں اور عاجزی کرتے ہیں۔ یہ بھی اس آیت سے معلوم ہوا کہ قرآن کی تلاوت کے وقت رونا مستحب ہے۔ صحیح بخاری و مسلم میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ جو شخص تنہائی میں اللہ تعالیٰ کے خوف سے روے گا حشر کے میدان میں اللہ تعالیٰ اس کو سورج کی گرمی سے بچانے کے لیے سایہ میں جگہ دیوے گا[1] صحیح سند سے ترمذی نسائی مستدرک حاکم میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ جو اللہ کے ڈر سے رویا، وہ دوزخ میں نہ جائے گا[2] یہاں تک کہ دودھ تھنوں میں پھر کر نہ جائے معتبر سند سے ترمذی میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ دو آنکھوں کو دوزخ کی آگ نہ چھووے گی ایک وہ آنکھ جو خدا کے خوف سے آنسو بھر لائے دوسری وہ جس نے خدا کے راستے میں تمام رات پہرہ دیا[3] سورۃ المائدہ میں تورات کے حصے استثناء کے باب ۳۳ اور انجیل یوحنا کے باب ۱۴ کے حوالے سے نبی آخرالزمان کے پیدا ہونے اور نبی ہونے کی ان بشارتوں کا ذکر گزر چکا ہے جو توریت انجیل میں ہیں ان آیتوں میں ان ہی اہل کتاب کا ذکر ہے جو ان بشارتوں کے پورے پابند تھے اور قرآن شریف کے نازل ہونے سے پہلے اپنی کتابوں میں نبی آخرالزمان کا اور قرآن کا حال پڑھ کر ان کا دل نرم ہوتا اور ان کو رونا آتا تھا مثلاً جیسے نجاشی اور اس کے ساتھیوں کے رونے کا ذکر سورۃ المائدہ میں گزرا یا مثلاً جیسے ورقہ بن نوفل جس کا قصہ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت عائشہؓ کی روایت سے ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ شخص بت پرستی چھوڑ کر نصرانی ہو گیا تھا جب

[1] صحیح بخاری ص ۹۵۹ ج ۲ باب البکاء من خشیۃ اللہ۔ [2][3] جامع ترمذی ص ۵۵ ج ۲ باب ماجاء فی فضل البکاء من خشیۃ اللہ۔

لَمَفْعُوْلًا ﴿۱۰۸﴾ وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا ﴿۱۰۹﴾ السجدۃ قُلِ ادْعُوا

البتہ ہونا ہے اور گرتے ہیں ٹھوڑیوں پر روتے ہوئے اور زیادہ ہوتی ہے ان کو عاجزی کہہ اللہ کو

اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ؕ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۚ

پکارو یا رحمٰن کو جو کہہ کر پکاروگے سو اسی کے ہیں سب نام خاصے۔

ابتدا وحی کے زمانہ میں حضرت خدیجہؓ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ملاقات اس شخص سے کرائی تو اس نے آنحضرتؐ کا حال سنتے ہی آپؐ کی نبوت اور وحی کو مان لیا اور متواتر قرآن کے نازل ہونے اور قریش کی مخالفت اور ہجرت کا زمانہ آنے تک اپنی زندگی کی تمنا کی لیکن اس قصے کے تھوڑے دنوں بعد اس شخص کا انتقال ہوگیا[1] یا وہ جنہوں نے اپنی کتابوں میں تو قرآن کا حال پڑھا تھا مگر پھر قرآن کے نازل ہونے کا پورا زمانہ بھی پایا مثلاً جیسے عبداللہ بن سلام کہ انہوں نے قرآن کو خود بھی کلام الٰہی جان کر اسلام قبول کیا اور اپنے قبیلہ کے یہود بنی قینقاع کو بھی قرآن کے کلام الٰہی ہونے کے اقرار کی نصیحت کی چنانچہ صحیح بخاریؒ کی انس بن مالکؓ کی روایت میں اس کا ذکر تفصیل سے ہے[2] ایسے لوگوں کو دو شریعتوں پر عمل کرنے کے سبب سے قیامت کے دن دوہرا اجر ملے گا چنانچہ صحیح بخاری و مسلم کی ابوموسیٰ اشعریؓ کی حدیثؓ میں اس کا ذکر تفصیل سے آیا ہے[3] ان کان وعد ربنا لمفعولا اس کا مطلب یہ ہے کہ ان اہل کتاب میں سے جن نیک لوگوں نے قرآن کے نازل ہونے کا زمانہ پایا وہ یہ کہتے ہیں کہ مشرکین مکہ قرآن کی شان میں جو باتیں منہ سے نکالتے ہیں اللہ اور اس کا کلام اُن سے دور ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے یہ قرآن اس وعدہ کے موافق نازل فرمایا جس وعدہ کا ذکر توریت و انجیل میں ہے۔ پہلا سجدہ اس وعدہ کے پورا ہونے کے شکریہ کا ہے اور دوسرا سجدہ جنت اور دوزخ کے حال کی آیتیں سن کر جنت کی امید پر اور دوزخ کے خوف سے ہے اسی واسطے دوسرے سجدے میں عاجزی زیادہ اور دوزخ کے خوف سے رونا بھی ہے وہ لوگ اس طرح غش آنے والے شخص کی طرح بے تاب ہو کر سجدہ میں گرتے تھے کہ ان کی ٹھوڑیاں زمین پر ٹک جاتی تھیں اسی واسطے سجدہ میں ٹھوڑی کا ذکر فرمایا یہ قرآن شریف میں تلاوت کا چوتھا سجدہ ہے اور اس سجدہ کی بابت سلف میں کچھ اس طرح کا اختلاف نہیں ہے جس طرح کا اختلاف سورہ الحج کے دو سجدوں میں آئے گا۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا اللہ یا رحمٰن کہہ کر دعا مانگا کرتے تھے یہ سن کر مشرکین مکہ کہنے لگے کہ ہم کو تو محمدؐ اکیلے اللہ کی عبادت کرنے اور اسی سے دعا مانگنے کو کہتے ہیں اور خود دو معبودوں کا نام لے کر دعا مانگتے ہیں اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی[4] اور فرمایا کہ شریعت الٰہی میں اللہ تعالیٰ کے جو نام آچکے ہیں دعا کے وقت لیے جا سکتے ہیں ہاں ان مشرکوں نے لفظ اللہ سے لات اور لفظ منان سے منات تراش کر بتوں کے نام جو رکھیں ہیں جن بتوں کو یہ اللہ کا شریک جانتے ہیں اس سے اللہ کے رسول اللہ تعالیٰ کے حکم کے موافق ان مشرکوں کو

[1] صحیح بخاری باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [2] دیکھئے ص ۵۶۱ ج ۱ باب بعد باب کیف اخی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بین اصحابہ [3] صحیح مسلم ص ۸۶ ج ۱ باب وجوب الایمان برسالۃ نبینا صلی اللہ علیہ وسلم الخ [4] تفسیر ابن کثیر ص ۶۸ ج ۳۔

وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذَٰلِكَ سَبِيلًا ﴿١١٠﴾ وَقُلِ الْحَمْدُ

اور تو نہ پکار اپنی نماز میں اور نہ چپکے پڑھ اور ڈھونڈھ لے اس کے بیچ میں راہ اور کہہ سراہیے

لِلَّهِ الَّذِي لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَلَمْ يَكُنْ لَهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ

اللہ کو جس نے نہیں رکھی اولاد اور نہ کوئی اس کا ساجھی سلطنت میں اور نہ کوئی اس کا مددگار

لَهُ وَلِيٌّ مِنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيرًا ﴿١١١﴾

ذلت کے وقت پر اور اس کی بڑائی کر بڑا جان کر۔

منع کرتے ہیں صحیح بخاری و مسلم میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کے ایک کم سو نام ہیں جو شخص ان کو یاد کرے گا وہ جنت میں جائے گا[1] یہ وہی مشہور نام ہیں جو اکثر لوگوں کو یاد ہیں اللہ کے ناموں کی زیادہ تفسیر سورۃ الاعراف میں گزر چکی ہے۔

۱۱۰۔۱۱۱: صحیحین میں اس آیت کی شان نزول کے باب میں دو قول ہیں ایک قول امام المفسرین حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ غلبہ اسلام سے پہلے جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مکہ میں بلند آواز سے نماز میں قرآن شریف پڑھا کرتے تھے تو مشرکین قرآن کو برا بھلا کہا کرتے تھے یہ بات اللہ تعالیٰ کو ناگوار ہوئی اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ بات نازل فرمائی[2] اور فرمایا کہ اوسط درجے کی آواز سے قرآن مجید پڑھا کرو نہ ایسی بلند آواز سے ہو کہ مشرکین سن کر برا بھلا کہیں نہ ایسا ہو کہ قرآن کے سننے کے مشتاق صحابہ بھی قرآن کے سننے سے محروم رہ جائیں دوسرا قول حضرت عائشہؓ کا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ دعا اوسط درجہ کی آواز سے مانگنے کے حکم میں یہ آیت نازل ہوئی ہے[3] حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں ان دونوں قولوں کا اختلاف یوں رفع کر دیا ہے کہ دعا سے مراد عبادت ہے جو قرأت قرآن کو بھی شامل ہے اور دعا کو بھی شامل ہے[4] بعضے مفسروں نے آیت ادعوا ربکم سے اس آیت ولا تجھر بصلاتک کو منسوخ جو ٹھہرایا ہے وہ قول صحیح نہیں ہے کیونکہ صحیح بخاری و مسلم میں ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت چیخ کر دعا مانگنے سے منع فرمایا ہے[5] اس صورت میں آیت ولا تجھر قراءۃ اور دعا دونوں کے حکم کو شامل ہو گئی تو اس صحیح حدیث کے موافق بہت چیخ کر دعا مانگنے کی ممانعت آیت سے نکلے گی یہی مطلب ادعوا ربکم کا ہے پھر جب دونوں آیتوں میں مخالفت ہی نہیں تو ایک آیت سے دوسری آیت کیونکر منسوخ ہو سکتی ہے اسی واسطے سب مفسرین نے بالاتفاق جو پانچ آیتیں منسوخ ٹھہرائی ہیں ان میں یہ آیت نہیں ہے ان پانچ آیتوں کا ذکر تفصیل سے ایک جگہ اس تفسیر میں کر دیا گیا ہے یہود عزیر علیہ السلام کو اور نصاریٰ عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہتے تھے اور مشرکین مکہ اپنے بتوں کی ہر وقت بڑائی کرتے رہتے تھے اسی واسطے آگے فرمایا اے رسول اللہ کے تم ان لوگوں سے کہہ دو کہ جس اللہ نے عزیرؑ عیسیٰؑ اور ان مشرکوں کے بتوں کو سب کو پیدا کیا ہے بڑائی اسی ذات کو سزاوار ہے کہ جس کے نہ کوئی اولاد ہے نہ اس کی

[1] مشکوٰۃ ص ۱۹۹ کتاب اسماء اللہ تعالیٰ [2] صحیح بخاری ص ۶۸۶ ج ۲ کتاب التفسیر [3] صحیح بخاری ص ۶۸۷ ج ۲ کتاب التفسیر
[4] فتح الباری ص ۲۳۹ ج ۴ کتاب التفسیر [5] صحیح مسلم ص ۳۴۶ ج ۲ باب استحباب خفض الصوت بالذکر الخ۔

آیاتھا ١١٠ (١٨) سُوْرَةُ الْكَهْفِ مَكِّيَّةٌ (٦٩) رکوعاتھا ١٢

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰي عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ۝١ قَيِّمًا

سراہیے اللہ کو جس نے اتاری اپنے بندے پر کتاب اور نہ رکھی اس میں کچھ کجی ٹھیک

لِّيُنْذِرَ بَاْسًا شَدِيْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ

اتاری تا ڈر سناوے ایک سخت آفت کا اس کی طرف سے اور خوشخبری دی یقین لانے والوں کو جو کرتے ہیں

بادشاہت میں کوئی اس کا شریک ہے اور وہ ایسا زبردست ہے کہ وہ کسی کی مدد کا محتاج نہیں صحیح مسلم میں سمرہ بن جندب سے روایت ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا الحمد للہ اور اللہ اکبر یہ کلمے اللہ کو بہت پیارے ہیں[1] یہ حدیث آخری آیت کی گویا تفسیر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اس آیت میں جو لفظ ہیں وہ اللہ تعالیٰ کو بہت پیارے ہیں کیونکہ الحمد للہ کا لفظ تو خود آیت میں موجود ہے اور اللہ اکبر کے کہنے سے کبرہ تکبیرا کی تعمیل بھی ہو جاتی ہے اور صحیح حدیث کے موافق وہ کلمہ بھی آدمی کے منہ سے نکلتا ہے جو اللہ تعالیٰ کو بہت پیارا ہے۔ سورہ بنی اسرائیل ختم ہوئی

سورۃ الکہف: حضرت عبد اللہ بن عباس کے موافق یہ سورہ مکی ہے صحیح مسلم ترمذی ابو داؤد و نسائی وغیرہ میں ابو درداء سے روایت ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اس سورہ کی اوّل کی دس آیتیں یاد کرے گا وہ دجّال کے فتنہ سے امن میں رہے گا[2] صحیح مسلم میں ابو داؤد کی دوسری حدیث ہے جس میں آخر کی دس آیتوں کا بھی ذکر ہے[3] مستدرک حاکم میں ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ اس سورہ کو جو شخص جمعہ کے دن پڑھے گا دو جمعوں تک اس کے ایمان کی روشنی بڑھ جائے گی حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے[4]

١-٥: صحیح مسلم کے حوالہ سے سمرہ بن جندب کی حدیث سورہ بنی اسرائیل کی تفسیر میں گزر چکی ہے جس میں یہ ہے کہ الحمد للہ کا کلمہ اللہ تعالیٰ کو بہت پیارا ہے[5] اس حدیث سے یہ مطلب اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف کی بعض سورتوں کے اوّل میں اور بعض کے آخر میں یہ کلمہ اس لیے فرمایا ہے کہ یہ اللہ کا پیارا کلمہ اس کے نیک بندوں کے منہ سے نکلے اور ان کا عقبےٰ کا بھلا ہو جائے مشرکین مکہ یہ کہتے تھے کہ یہ قرآن محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بنا لیا ہے انزل علی عبدہ الکتٰب سے اللہ تعالیٰ نے ان کو جھٹلایا اور فرمایا کہ یہ قرآن اللہ کا کلام ہے جس کو اس نے اپنے بندے اور رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا ہے جس میں کسی طرح کی کچھ کجی نہیں عبارت اس کی ایسی ہے جس کو منکر لوگ بھی جادو کے اثر کی ایک چیز بتلاتے ہیں غیب کی خبریں اس میں کئی ایسی سچی ہیں جو پہلی آسمانی کتابوں میں ہیں پہلی کتابوں کی صداقت اس میں ایسی ہے جو اس کے کلامِ الٰہی ہونے کی پوری گواہی دیتی ہے معتبر سند سے مستدرک حاکم میں حضرت

[1] الترغیب ص ٢٨٠ ج ١ الترغیب فی التسبیح والتکبیر الخ [2] صحیح مسلم ص ٢٧١ ج ١ باب فضل سورۃ الکہف جامع ترمذی ص ١١٢ ج ٢ میں تین آیات کا ذکر ہے [3] تفسیر ابن کثیر ص ٧٠ ج ٣ [4] تفسیر ابن کثیر ص ٧١ ج ٣ [5] الترغیب ص ٢٨ ج ١

الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا ﴿٢﴾ مَّاكِثِيْنَ فِيْهِ اَبَدًا ﴿٣﴾ وَّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ

نیکیاں کہ ان کو اچھا اجر ہے ۔ جس میں رہا کریں ہمیشہ اور ڈر سنائے ان کو جو

قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ﴿٤﴾ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ وَّلَا لِاٰبَآئِهِمْ ؕ كَبُرَتْ كَلِمَةً

کہتے ہیں اللہ رکھتا ہے اولاد کچھ خبر نہیں ان کو اس بات کی نہ ان کے باپ دادوں کو کیا بڑی بات

تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ؕ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا ﴿٥﴾

ہو کر نکلتی ہے ان کے منہ سے سب جھوٹ ہے جو کہتے ہیں۔

عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ قرآن شریف کی آیتیں سن کر جب ولید بن مغیرہ کے دل پر اثر ہوا تو اس نے کہا اس کلام میں جادو کا سا اثر معلوم ہوتا ہے[1] یہ ولید بن مغیرہ مشرکین مکہ میں بڑا الشان مشہور تھا زیادہ حال اس کا سورہ المدثر میں آوے گا اصحاب کہف اور ذوالقرنین کا قصہ جس طرح توریت میں تھا اسی طرح قرآن کے آگے کی آیتوں میں ہے منکر قرآن لوگ قرآن کی عبارت میں جادو کا اثر جو بتلاتے تھے اس کا مطلب حضرت عبداللہ بن عباس کی اوپر کی روایت سے اور قرآن میں پہلی آسمانی کتابوں کی صداقت جو ہے ان قصوں سے اس کا مطلب اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے صحیح بخاری و مسلم میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سب انبیاء کی نبوت کی مثال ایک عالیشان خوبصورت مکان کی بیان کر کے یہ فرمایا ہے کہ اس مکان میں ایک آخری اینٹ کی کسر تھی جو کسر میرے نبی ہونے کے بعد پوری ہو گئی[2] قرآن کو قیما جو فرمایا اس کا مطلب اس حدیث سے اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف ایسا ٹھیک اتارا جس سے نبوت کا عالیشان محل ٹھیک ہو گیا اب آگے قرآن شریف کے نازل فرمانے کا مقصد بیان فرمایا کہ یہ قرآن نافرمان لوگوں کو دوزخ کے سخت عذاب کا ڈر اور فرمانبردار لوگوں کو جنت کی خوشخبری سنانے کے لیے نازل کیا گیا ہے۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے کئی جگہ روایتیں گزر چکی ہیں کہ نیک عمل کا اجر دس گنے سے لے کر سات سو تک اور بعض نیکیوں کا اجر اس سے بھی زیادہ ہے[3] وہی حدیثیں اجرا حسنا کی گویا تفسیر ہیں صحیح مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہؓ اور ابو سعید خدریؓ کی روایتیں کئی جگہ گزر چکی ہیں کہ جنت میں داخل ہونے کے بعد اللہ کے فرشتے جنتیوں کو ہمیشہ صحت و تندرستی سے جنت میں رہنے کی خوشخبری سنائیں گے[4] یہ روایتیں ماکثین فیہ ابدا کی گویا تفسیر ہیں پھر فرمایا جو لوگ اتنی بڑی جھوٹی بات منہ سے نکالتے ہیں کہ اللہ کو صاحب اولاد ٹھہراتے ہیں ان کے اور ان کے بڑوں کے پاس ان بے ٹھکانے باتوں کی کچھ سند نہیں ہے اس لیے ان کو دوزخ کے سخت عذاب کا ڈر سنا دیا جائے صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے انس بن مالکؓ کی حدیث کئی جگہ ذکر کی گئی ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ کو دوزخ کے عذاب کا جو حال معلوم ہے اگر وہ میں پورا لوگوں کے روبرو بیان کر دوں تو سوائے رونے کے لوگوں سے دنیا کا اور کام نہ ہو سکے[5] اس حدیث سے یہ مطلب اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے کہ قرآن شریف میں جہاں کہیں دوزخ کے سخت عذاب کا

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۴۴۳ ج ۴ [2] مشکوۃ ص ۵۱۱ باب فضائل سید المرسلین [3] صحیح بخاری ص ۹۶۰ ج ۲ باب من ہم بحسنۃ او سیئۃ۔ [4] مشکوۃ ص ۴۹۶ باب صفۃ الجنۃ واہلہا [5] مشکوۃ ص ۴۵۶ ، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لو تعلمون ما اعلم لضحکتم قلیلا الخ۔

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلَىٰٓ اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ﴿٦﴾

سو کہیں تو گھونٹ ڈالے گا اپنی جان ان کے پیچھے اگر وہ نہ مانیں گے اس بات کو پچھتا پچھتا کر۔

اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ﴿٧﴾

ہم نے بنایا ہے جو کچھ زمین پر ہے اس کی رونق تا جانچیں لوگوں کو کون ان میں اچھا کرتا ہے کام۔

آیا ہے اس کی پوری تفسیر علمائے امت کی طاقت سے باہر ہے کیونکہ دنیا کا انتظام قائم رہنے کے لیے اس کا پورا حال اللہ کے رسول نے اللہ کے حکم سے امت کے لوگوں سے بیان نہیں کیا۔

۶-۷: تفسیر ابن جریر اور سیرۃ محمد ابن اسحاق میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے[1] جو شان نزول اس سورۃ کی بیان کی گئی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ قریش نے چند آدمیوں کو یہود کے پاس اس غرض سے بھیجا تھا کہ یہود کچھ مشکل باتیں قریش کو ایسی بتلا دیں جن کو قریش آنحضرت سے امتحان کے طور پر پوچھیں یہود نے تین باتیں بتلا کر یہ کہا کہ اگر ان باتوں کا جواب محمد دے دیں تو جان لینا کہ وہ بلاشک سچے نبی ہیں ایک تو روح کا سوال تھا کہ روح کیا چیز ہے اور دوسرا یہ سوال تھا کہ وہ کون سے چند شخص ہیں جو دنیا میں جیتے جی غائب ہو گئے ہیں تیسرا یہ سوال تھا کہ وہ کون شخص ہے جس نے دنیا بھر کا سفر کیا ہے جب یہود کے سکھلانے سے قریش نے آنحضرت ﷺ سے یہ باتیں پوچھیں تو آپ نے وحی کے بھروسہ پر یہ وعدہ کیا کہ کل تک ان باتوں کا جواب دے دوں گا انشاء اللہ کہنا آپ کو اس وعدہ کے وقت یاد نہ رہا اللہ تعالیٰ کو آپ کا بغیر انشاء اللہ کہنے کا وعدہ پسند نہیں آیا اس لیے پندرہ روز تک وحی نازل نہیں ہوئی وحی کے نازل نہ ہونے سے آپ کو بہت رنج ہوا آخر سولہویں دن سورۂ بنی اسرائیل میں کی وہ آیت جس میں روح کا حال ہے اور یہ سورۃ جس میں اصحاب کہف اور ذوالقرنین کا حال ہے یہ دونوں باتیں نازل ہوئیں[2] ان باتوں کو سن کر بھی جب قریش اپنی سرکشی سے باز نہ آئے تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑا رنج ہوا جس کا ذکر اس آیت میں ہے اس رنج کے دور کرنے کے لیے آخری آیت میں فرمایا کہ دنیا کے عیش و آرام کو اللہ تعالیٰ نے اسی امتحان کے لیے پیدا کیا ہے کہ بہت لوگ دنیا کی راحت کو اپنے پیدا ہونے کا مدار قرار دے کر آخرت سے مرتے دم تک بے خبر رہیں گے اور کچھ لوگ دنیا کے عیش و آرام کو ناپائدار سمجھ کر عقبیٰ کی بہبودی کے کاموں میں لگے رہیں گے پھر اے رسول اللہ کے تمہارے رنج کے کرنے سے اللہ کے انتظام کے برخلاف تمام اہل مکہ کو کیونکر ہدایت ہو سکتی ہے صحیح بخاری و مسلم میں عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اپنی امت کی تنگدستی سے نہیں ڈرتا بلکہ اس سے ڈرتا ہوں کہ میرے بعد ان کو دنیا کی راحت ملے اور وہ دنیا کی راحت میں پھنس کر پچھلی امتوں کی طرح ہلاک نہ ہو۔ آخری آیت میں دنیا کی راحت کو جانچ کی چیز جو فرمایا اس کا مطلب اس حدیث سے اچھی طرح سمجھ میں آ جاتا ہے صحیح بخاری و مسلم میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی جو حدیث ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو بھی ایک دفعہ انشاء اللہ نہ کہنے سے رنج پہنچا تھا چنانچہ ایک روز کسی ذکر میں حضرت سلیمان نے فرمایا تھا کہ اپنی نوے عورتوں سے مباشرت کروں گا تو نوے لڑکے خدا کی راہ میں لڑنے والے پیدا ہوں گے حضرت سلیمان انشاء اللہ کہنا بھول گئے اس لئے ایک ہی عورت کو حمل رہا وہ بھی

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۷۱ ج ۳ [2] تفسیر ہذا ص ۳۶۸ ج ۲۔

وَاِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَيْهَا صَعِيْدًا جُرُزًا ﴿۸﴾ اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ

اور ہم کو کرنا ہے جو کچھ اس پر ہے میدان چھانٹ کر ۔ کیا تو خیال رکھتا ہے کہ غار اور کھوہ والے ہماری

وَالرَّقِيْمِ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا ﴿۹﴾ اِذْ اَوَى الْفِتْيَةُ اِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوْا رَبَّنَآ

قدرتوں میں اچنبا تھے ۔ جب جا بیٹھے وہ جوان اس کھوہ میں پھر بولے اے رب دے

کچا ہی ساقط ہو گیا آنحضرتؐ نے فرمایا اگر سلیمانؑ انشاء اللہ کہتے تو ضرور نوے لڑکے پیدا ہوتے[۱] غرض آئندہ کی بات پر آدمی کو انشاء اللہ تعالیٰ کہنا ضرور ہے تاکہ اللہ کی مدد سے وہ بات پوری ہو جائے ۔

۸ :۔ اوپر دنیا کی زیب و زینت کا ذکر فرما کر اس آیت میں فرمایا کہ ہم اس کو زینت و رونق کے بعد ایسا تباہ اور برباد کر دیں گے کہ ساری زمین ایک چٹیل میدان رہ جائے گی قتادہ کا قول ہے کہ صعید اس زمین کو کہتے ہیں جس میں کسی طرح کی روئیدگی نہ ہو صحیح مسلم میں جابرؓ بن عبداللہ سے روایت ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانہ کے لوگوں کے حق میں فرمایا سو برس کے اندر ان میں سے شاذونادر کوئی زندہ رہے گا[۲] صحیح بخاری میں ابوہریرہؓ کی اور صحیح مسلم میں عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کی روایت سے جو حدیثیں ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ بازاروں میں کپڑوں کے تھان جنگل میں کھیتیاں باغ حوض نہریں سب کچھ یوں ہی پڑا رہے گا کہ یکایک پہلے صور کی آواز سے سب مخلوقات بالکل فنا ہو جائے گی[۳] صحیح بخاری میں سہل بن سعدؓ اور صحیح سند سے شعب الایمان بیہقی میں عبداللہ بن مسعودؓ کی جو روایتیں ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ جس زمین پر لوگوں کا حشر قائم ہو گا اس پر کھیتی باغ پہاڑ مکان دنیا کی زمین کی چیزوں میں سے کوئی چیز نہ ہو گی نہ اس زمین پر کسی گنہ گار شخص نے کوئی گناہ کیا ہو گا[۴] مطلب یہ ہے کہ یہ زمین فنا ہو کر حشر کے لیے دوسری نئی زمین پیدا ہو گی ، ان حدیثوں کو آیت کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جن کا حاصل یہ ہے کہ سو برس کے اندر مکہ کے ان لوگوں میں سے کوئی شخص باقی نہ رہے گا جو مکہ کے پہاڑوں کے دور ہٹ جانے اور ان کی جگہ کھیتی کے لیے زمین کے نکل آنے کی اور مکہ میں نہروں کے جاری ہو جانے کی تمنا رکھتے ہیں اور پھر ان کی نسل میں سے جو لوگ پہلے صور کے زمانہ میں ہوں گے کھیتیاں باغ نہریں سب کچھ چھوڑ کر مر جائیں گے اور پھر آخر کو یہ زمین ہی نہ رہے گی جس پر کھیتی کی جاتی ہے باغ لگائے جاتے ہیں نہریں جاری کی جاتی ہیں یہ ان لوگوں کی بڑی نادانی ہے کہ ان کو ہمیشہ رہنے والے باغوں ہمیشہ جاری رہنے والی نہروں کے قبضہ میں لانے کی تدبیر بتلائی جاتی ہے اور یہ لوگ اس سے غافل اور چھوڑ جانے کی چیزوں کی تمنا میں لگے ہوئے ہیں ، ترمذی اور ابن ماجہ کے حوالہ سے شداد بن اوس کی معتبر روایت کئی جگہ گزر چکی ہے[۵] جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عقلمند وہ شخص ہے جو مرنے سے پہلے مرنے کے لیے کچھ سامان کر لیوے اور نادان وہ شخص ہے جو اس سامان سے عمر بھر غافل رہے اور مرنے کے بعد بہبودی کی توقع رکھے اہل مکہ میں سے جن لوگوں کی نادانی کا ذکر اوپر گزرا ان کی حالت اس حدیث سے اچھی طرح سمجھ میں آجاتی ہے ۔

۹۔۱۲ :۔ ان آیتوں میں اصحاب کہف کے قصہ کی بابت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ کھوہ والوں کا قصہ ہماری قدرت

[۱] تفسیر ابن کثیر ص ۸۷ ج ۳ [۲] مشکوٰۃ ص ۴۸۰ باب قرب الساعۃ [۳] الترغیب ص ۲۹۳ ج ۲ کتاب البعث و اہوال یوم القیامۃ [۴] الترغیب ص ۲۹۴ ج ۲ فصل فی الحشر وغیرہ [۵] مثلاً تفسیر ہذا جلد دوم ص ۱۲۹ ۔

اٰتِنَا مِنۡ لَّدُنۡكَ رَحۡمَةً وَّهَيِّئۡ لَنَا مِنۡ اَمۡرِنَا رَشَدًا ﴿۱۰﴾ فَضَرَبۡنَا عَلٰۤى اٰذَانِهِمۡ
ہم کو اپنے پاس سے مہر اور بنا ہمارے کام کا بناؤ۔ پھر تھپک دیئے ہم نے اُن کے کان
فِى الۡـكَهۡفِ سِنِيۡنَ عَدَدًا ﴿۱۱﴾ ثُمَّ بَعَثۡنٰهُمۡ لِنَعۡلَمَ اَىُّ الۡحِزۡبَيۡنِ اَحۡصٰى لِمَا لَبِثُوۡۤا
اس کھوہ میں کئی برس گنتی کے۔ پھر ہم نے ان کو اٹھایا کہ معلوم کریں دو فرقوں میں کس نے یاد رکھی ہے
اَمَدًا ﴿۱۲﴾ نَحۡنُ نَقُصُّ عَلَيۡكَ نَبَاَهُمۡ بِالۡحَـقِّ ؕ اِنَّهُمۡ فِتۡيَةٌ اٰمَنُوۡا بِرَبِّهِمۡ وَ
جتنی مدت وہ رہے ہم سنا دیں تجھ کو ان کا احوال تحقیق وہ کئی جوان ہیں کہ یقین لائے اپنے رب پر اور

ع ۱ ۱۲ ۱۳

کے روبرو عجیب بات نہیں ہے کس لیے کہ آسمان و زمین کی پیدائش رات دن کا بدلنا چاند سورج اور اس کے سوا بڑی بڑی نشانیاں ہماری قدرت کی ہیں جو اصحاب کہف کے قصہ سے بھی عجیب ہیں سیرۃ محمد بن اسحاق تفسیر ابن ابی حاتم وغیرہ میں ان آیتوں کی تفسیر کے متعلق جس قدر قصہ مجاہد سے ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ کہف کے معنے غار کے ہیں اور جو لوگ غار میں پہنچے عیسائی تھے روم کے بت پرست دقیانوس بادشاہ نے ان لوگوں کو عیسائی مذہب چھڑا کر بت پرستی اختیار کرنے کے لیے ایک مہلت دی تھی اس مہلت میں یہ غار میں جا چھپے اور اپنے مذہب کی حفاظت کے لیے انہوں نے اللہ تعالیٰ سے وہ دعا مانگی جس کا ذکر ان آیتوں میں ہے ان کی یہ دعا قبول ہوئی اور وہ باوجود تلاشی کے دقیانوس کے سپاہیوں کو نظر نہ آئے اور اللہ کے حکم سے ان اصحاب کہف کو اس غار میں ایسی نیند آئی کہ تین سو برس تک ان کی آنکھ نہ کھلی جب یہ اصحاب کہف اس وقت کے لوگوں کو نظر نہ آئے تو ان لوگوں نے اصحاب کہف کے نام اور ان کے غائب ہو جانے کی تاریخ یہ سب حال ایک پتھر پر کندہ کرا کے اس غار میں وہ پتھر رکھ دیا حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے صحیح قول کے موافق اسی پتھر کے کندہ کو رقیم فرمایا ہے کیونکہ جس طرح قتیل مقتول کی جگہ بولا جاتا ہے اسی طرح رقیم مرقوم کی جگہ بولا جاتا ہے ان کے غائب ہو جانے کے زمانہ کا تو کوئی شخص اس تین سو برس کے عرصہ میں زندہ نہیں رہا کہ ان کے غائب ہو جانے کی صحیح تاریخ اس کو یاد ہوتی اس لیے اصحاب کہف کی قوم کے نئے لوگوں کے دو گروہ ہو گئے ایک گروہ اُن کے غائب ہو جانے کی مدت کچھ بتلاتا تھا اور دوسرا کچھ اختلاف کے رفع ہو جانے کے لیے اللہ کے حکم سے اتنے عرصہ میں ان کی آنکھ کھلی باقی کا قصہ آگے کی آیتوں میں آتا ہے لنعلم ای الحزبین اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم غیب کے موافق دنیا میں اس گروہ کا حال ظاہر ہو جائے جس نے اس پتھر کے کندہ کے موافق اس قصہ کی صحیح تاریخ یاد رکھی ورنہ اللہ تعالیٰ کے علم غیب سے کوئی چیز باہر نہیں ہے چنانچہ صحیح مسلم کے حوالہ سے عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کی حدیث کئی جگہ گزر چکی ہے[1] کہ دنیا کے پیدا کرنے سے پچاس ہزار برس پہلے جو کچھ دنیا میں ہو رہا ہے اپنے علم غیب کے نتیجہ کے طور پر وہ سب اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں لکھ لیا ہے۔

۱۳-۱۶۔ اوپر مختصر طور پر قصہ کا ذکر فرما کر ان آیتوں میں اس کی تفصیل بیان فرمائی حاصل مطلب ان آیتوں کا یہ ہے کہ اے رسول اللہ کے یہود کے سکھانے سے قریش نے تم سے ان چند جوان شخصوں کا قصہ جو پوچھا ہے جو جیتے جی غائب ہو گئے وہ صحیح قصہ یوں ہے کہ ان چند جوانوں کی ساری قوم تو بت پرست تھی مگر یہ چند جوان اللہ کی وحدانیت اور عیسائی دین پر قائم تھے پھر فرمایا

[1] مثلاً تفسیر ہذا ص ۳۰ ج ۳۔

زِدْنٰهُمْ هُدًى ﴿١٣﴾ وَّرَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ

زیادہ دی ہم نے سوجھ اور گرہ دی ان کے دل پر جب کھڑے ہوئے پھر بولے ہمارا رب ہے رب آسمان و

وَالْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَاۡ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلٰهًا لَّقَدْ قُلْنَاۤ اِذًا شَطَطًا ﴿١٤﴾ هٰۤؤُلَاۤءِ قَوْمُنَا

زمین کا نہ پکاریں گے ہم اس کے سوا کسی کو ٹھاکر تو کہی بات ہم نے عقل سے دُور یہ ہماری قوم ہے

اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً ؕ لَوْلَا يَاْتُوْنَ عَلَيْهِمْ بِسُلْطٰنٍۭ بَيِّنٍ ؕ فَمَنْ اَظْلَمُ

پکڑے ہیں انہوں نے اس کے سوا اور معبود کیوں نہیں لاتے ان کے واسطے کوئی سند کھلی۔ پھر اس سے گناہ گار

مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ﴿١٥﴾ وَاِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ

کون جس نے باندھا اللہ پر جھوٹ۔ اور تم نے کنارہ پکڑا ان سے اور جن کو وہ پوجتے ہیں اللہ کے سوا

جب کہ بت پرست بادشاہ دقیانوس نے بت پرستی اختیار کرنے کے لیے ان جوانوں کو بلا کر اپنے سامنے کھڑا کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی ثابت قدمی بڑھا دی اور اُن کے دلوں کو خوب مضبوط کر دیا جس سے انہوں نے دقیانوس کو یہی جواب دیا کہ ہم سوا اللہ تعالیٰ کے بتوں کے معبود ہونے کا خلاف عقل اقرار ہرگز زبان پر نہیں لا سکتے کیونکہ یہ بات تو ہر ایک کی سمجھ میں آتی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے انسان کو اور انسان کی سب ضرورت کی چیزوں کو پیدا کیا تو اس کے شکریہ میں انسان پر اکیلے اللہ کی تعظیم واجب ہے ہماری قوم کے لوگ اللہ کی تعظیم میں اوروں کو جو شریک کرتے ہیں ان کے پاس اس کی کوئی ایسی سند نہیں جو ہر ایک کی سمجھ میں آئے پھر بے سند بات کو دین ٹھہرانا اللہ پر یہ جھوٹ باندھنا ہے کہ یہ بے سند دین اللہ تعالیٰ کا ٹھہرایا ہوا ہے دُنیا کے حاکموں پر کوئی جھوٹ باندھے تو اس کو مجرم قرار دیتے ہیں اس لیے ایسے شخص سے بڑھ کر کوئی مجرم دنیا میں نہیں ہو سکتا جو سب سے بڑے حاکم پر جھوٹ باندھے صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا اب اپنے پیدا کرنے والے کی تعظیم میں جو شخص دوسروں کو شریک کر کے اللہ تعالیٰ کی تعظیم میں فرق ڈالے اس سے بڑھ کر دُنیا میں کوئی گناہ گار نہیں[1] اس حدیث سے یہ مطلب اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے کہ بے سند شرک میں پھنسنا اس سے بڑھ کر دنیا میں کوئی گناہ نہیں۔ مجاہد کے قول کے موافق اس قصہ میں یہ بھی ہے کہ ان جوانوں کی یہاں تک کی باتیں سُن کر دقیانوس نے ان جوانوں سے یہ کہا کہ تمہاری جوانی پر مجھ کو ترس آتا ہے اس واسطے میں تمہارے قتل کرانے میں جلدی نہیں کرتا لیکن تم کو مہلت دیتا ہوں اگر اس مہلت کے بعد تم نے قوم کا مذہب اختیار نہیں کیا تو تم ضرور قتل کر دیئے جاؤ گے یہ کہہ کر دقیانوس نے ان جوانوں کو اپنے دربار سے نکلوا دیا اس مہلت کے زمانہ میں ان جوانوں نے اپنے دین پر قائم رہنے اور غار میں چھپ جانے کا مشورہ کیا اور اس ارادہ کے پورا ہو جانے میں اللہ کی رحمت پر بھروسہ کیا اسی کا ذکر آخری آیت میں ہے غار میں چھپ جانے کے بعد انہوں نے اللہ تعالیٰ سے وہ دُعا کی جس کا ذکر اوپر کی آیتوں میں ہے وہ یہی لفظ تھے جن کا ذکر انہوں نے اس مشورہ میں کیا تھا صحیح بخاری و مسلم میں ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے لوگوں کی تعریف کی ہے جو

[1] تفسیر ہذا ص ۲۴۹ ج ۳ -

فَأْوٗٓا اِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَيُهَيِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ

اب جا بیٹھو اس کھوہ میں پھیلادے تم پر رب تمہارا کچھ اپنی مہر سے اور بنادے تم کو تمہارے کام کا

مِّرْفَقًا ﴿۱۶﴾ وَتَرَى الشَّمْسَ اِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَ

آرام اور تو دیکھے دھوپ جب نکلتی ہے بچ کے جاتی ہے ان کے کھوہ سے داہنے کو ، اور

اِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمْ فِيْ فَجْوَةٍ مِّنْهُ ۭ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ

جب ڈوبتی ہے کترا جاتی ہے ان سے بائیں کو اور وہ میدان میں ہیں اس کے یہ ہے قدرتوں سے اللہ کے

اللّٰهِ ۭ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا ﴿۱۷﴾

جس کو راہ دے اللہ وہی آوے راہ پر اور جس کو بھلا دے پھر تو نہ پائے اس کا کوئی رفیق راہ پر لانے والا۔

ع ۲/۱۴

بستی کے رہنے میں دین کا خلل دیکھ کر پہاڑ پر یا جنگل میں جا رہیں[1]۔ اس حدیث کو آیتوں کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ دین کے خلل کے وقت ایماندار آدمی کو یہی کرنا چاہیئے۔ اس قصہ کی روایت میں یہ بھی ہے کہ مہلت کے بعد جب یہ جوان دقیانوس کے دربار میں حاضر نہیں ہوئے تو دقیانوس ان کے رشتہ دار لوگوں پر بہت خفا ہوا اور ان جوانوں کے حاضر کرنے کا حکم دیا جوانوں کے رشتہ داروں نے جواب دیا کہ گھروں سے تو وہ جوان چلے گئے مگر سنتے ہیں کہ بستی کے پاس جو پہاڑ ہے اس کے غار میں چھپ گئے ہیں یہ سن کر دقیانوس نے غار کے منہ پر ایک دیوار چنوا دی تاکہ وہ جوان بھوک کے پیاسے اس غار کے اندر مر جائیں مگر تقدیر الٰہی کے آگے کسی کی کوئی تدبیر نہیں چلتی اللہ تعالیٰ نے اس دیوار کو ان جوانوں کی حفاظت کا ایک ذریعہ ٹھہرا دیا تاکہ باہر سے کوئی اس غار میں جا کر ان جوانوں کی نیند میں خلل نہ ڈالے معتبر سند سے ترمذی ابوداؤد اور ابن ماجہ میں ابوسعید خدری ؓ سے اور صحیح سند سے طارق بن شہاب سے جو روایتیں ہیں ان میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ظالم بادشاہ کے روبرو حق بات منہ سے نکالنے میں کچھ خوف نہ کرے گا اس کو قیامت کے دن بڑا اجر ملے گا[2]۔ ان حدیثوں کو آیتوں کے ساتھ ملانے سے یہ مطلب ہوا کہ ان جوانوں نے دقیانوس کے روبرو حق بات جو منہ سے نکالی وہ بڑے اجر کا کام ہے۔

۱۷۔ اس قصہ میں اللہ کی قدرت کی جس طرح اور نشانیاں ہیں یہ بھی ایک نشانی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان جوانوں کے جسموں کو دھوپ مینہ اور برف کے صدمہ سے بچا دیا ہے مینہ اور برف ہر روز کے صدمہ کی چیزیں نہیں ہیں موسمی چیزیں ہیں اس واسطے فقط دھوپ کا ذکر فرمایا کہ یہ بارہ مہینے کے صدمہ کی چیز ہے بعضے علماء نے غار کے دیواروں کی بلندی کو دھوپ کے غار میں نہ آنے کا سبب قرار دیا ہے لیکن یہ ظاہر ہے کہ دیواروں کی بلندی مینہ اور برف کو نہیں روک سکتی اس واسطے یہی قول صحیح ہے کہ جس صاحبِ قدرت نے اس غار سے مینہ اور برف کو روکا اس نے دھوپ کو غار کے دائیں بائیں کر کے غار کو دھوپ سے بچا دیا علاوہ اس کے ان جوانوں کا سونا غار کے میدان میں بیان کر کے دھوپ کے دائیں بائیں کے جانب کر دینے کا اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کے یاد دلانے کا ذکر جو آیت میں ہے اس سے بھی اس قول کا صحیح ہونا معلوم ہوتا ہے صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے حضرت علیؓ

[1] مشکوٰۃ ص ۴۶۲ کتاب الفتن [2] مشکوٰۃ ص ۳۲۲ کتاب الامارۃ والقضاء۔

وَتَحْسَبُهُمْ أَيْقَاظًا وَهُمْ رُقُودٌ ۖ وَنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِينِ وَذَاتَ الشِّمَالِ ۖ

اور تو جانے وُہ جاگتے ہیں اور وُہ سوتے ہیں اور کروٹ دلاتے ہیں ہم ان کو داہنے اور بائیں اور

وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيدِ ۚ لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ

کتا ان کا پسار رہا ہے اپنی باہیں چوکھٹ پر اگر تو جھانک دیکھے ان کو پیٹھ دے کر بھاگے اُن سے

فِرَارًا وَلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا ﴿۱۸﴾

اور بھر جائے تجھ میں ان کی دہشت ۔

کی حدیث کئی جگہ گزر چکی ہے[1] کہ دُنیا کے پیدا کرنے سے پہلے اپنے علم غیب کے نتیجہ کے طور پر اللہ تعالیٰ نے لوحِ محفوظ میں یہ لکھ لیا ہے کہ دُنیا میں پیدا ہونے کے بعد کون شخص جنّت میں جانے کے قابل کام کرے گا اور کون شخص دوزخ میں جھونکے جانے کے قابل اور جو لوگ جس انجام کے قابل پیدا ہوئے ہیں ان کو ویسے ہی کام اچھے اور آسان معلوم ہوتے ہیں اس حدیث کو آیت کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اس آیت اور دُوسری آیتوں میں قدرت کی نشانیوں کا جو ذکر ہے ان قدرت کی نشانیوں سے وہی لوگ راہ راست پر آتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے علم غیب میں جنّت کے قابل ٹھہر چکے ہیں اور جو لوگ دوزخ کے قابل ٹھہر چکے ہیں ان کو گمراہی کے کام اچھے اور آسان معلوم ہوتے ہیں اس لیے کوئی قدرت کی نشانی ان کو راہ پر نہیں لاسکتی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی ایسے لوگوں کو راہ راست پر آنے کی توفیق نہیں دی جاتی کیونکہ دُنیا نیک و بد کے امتحان کے لیے پیدا کی گئی ہے کسی کو مجبور کرکے راہ راست پر لانے کے لیے نہیں پیدا کی گئی کس لیئے کہ مجبوری کی حالت میں وُہ امتحان اور آزمائش کا موقع باقی نہیں رہتا ۔

۱۸: یہ اور ایک قدرت کی نشانی بیان فرمائی کہ اے رسُول اللہ کے اگر تم غار میں جاکر ان جوانوں کو دیکھو تو یہ جانو کہ وُہ جاگتے ہیں کیونکہ اللہ کی قدرت سے وُہ اس طرح آنکھیں کھولے ہوئے سوتے ہیں کہ دیکھنے والا شخص ان کو جاگتے ہوئے آدمی خیال کرے گا لیکن حقیقت میں وُہ سوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کی دائیں بائیں طرف کی کروٹیں بدلوا تا رہتا ہے۔ پھر فرمایا ان کے ساتھ ایک کتا جو چلا گیا تھا وُہ بھی غار کے منہ پر اپنے پنجے پھیلائے ہوئے سو رہا ہے پھر فرمایا ان جوانوں کے آرام میں خلل نہ پڑنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس غار میں ایسی ہیبت پیدا کر دی ہے کہ اے رسُول اللہ کے اگر تم غار کے اندر جھانک کر ان جوانوں کو دیکھنا چاہو تو دہشت کے مارے وہاں ٹھہر نہ سکو۔ یہ رعب ایسا ہی ہے جس طرح کا رعب اللہ تعالیٰ نے غار ثور میں اپنے رسُول کی ہجرت کے وقت پیدا کر دیا تھا جس کا ذکر سورۃ التوبہ میں گزرا حضرت عبد اللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ان جوانوں کی کروٹیں اس لیے بدلوائی جاتی ہیں کہ ایک حالت پر رہنے سے ان کا جسم نہ بگڑے مسند امام احمد ابو داؤد و ابن ماجہ صحیح ابن حبان مستدرک حاکم میں ابو درداءؓ اور اوس بن اوسؓ سے صحیح روایتیں ہیں جس میں اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انبیاء کے جسموں کو بگاڑنا اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام ٹھہرا دیا ہے[2] آیت اور ان حدیثوں اور حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کے قول کو ملا کر یہ مطلب ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جو عزت انبیاء کے جسموں

[1] مثلاً تفسیر ہذا ص ۹۰ ج ۳ [2] الترغیب ص ۱۲۹ ج ۲ کتاب الجمعہ ۔

وَكَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ ۭ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ ۭ قَالُوْا لَبِثْنَا
اور اسی طرح ان کو جگا دیا ہم نے کہ آپس میں لگے پوچھنے ایک بولا ان میں کتنی دیر ٹھہرے تم بولے ہم ٹھہرے

يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۭ قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ ۭ فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ
ایک دن یا دن سے کم بولے تمہارا رب بہتر جانے جتنی دیر رہے ہو اب بھیجو اپنے میں سے ایک کو یہ روپیہ لے کر

هٰذِهٖٓ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ
اپنا اس شہر کو پھر دیکھے کون سا ستھرا کھانا سو لا دے تم کو اس میں سے کھانا اور نرمی سے جاوے ،

وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا ⑲ اِنَّهُمْ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوْكُمْ اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ فِيْ
اور جتا نہ دیوے تمہاری خبر کسی کو ، وہ لوگ اگر خبر پائیں تمہاری پتھراؤ سے ماریں تم کو یا الٹا پھیریں تم کو

کی ہے کروٹیں بدلوا کر اس کے قریب قریب ان اولیاء اللہ کے جسموں کی عزت بھی اللہ تعالیٰ کو منظور ہے۔

١٩-٢٠:۔ ان آیتوں میں تین سو برس کے بعد ان جوانوں کے جاگنے کا ذکر ہے ان کے جاگنے سے پہلے انتظام الٰہی کے موافق ایک بکریاں چرانے والے شخص نے اپنی بکریوں کو اس غار میں رکھنے کا ارادہ کر کے غار کے منہ پر کی دیوار کو ڈھا ڈالا مگر اس غار میں اللہ تعالیٰ نے دہشت جو پیدا کر دی تھی اس کے سبب سے وہ بکریاں چرانے والا شخص غار کے اندر نہیں گیا اور اپنی بکریاں بھی اس نے وہاں نہیں رکھیں۔ حاصل مطلب ان آیتوں کا یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے تین سو نو برس تک ان جوانوں کو سلایا اب ان کو اسی طرح اس صاحب قدرت نے اٹھا بٹھایا تاکہ ان کو اللہ کی قدرت معلوم ہو جائے کہ بے آب و دانہ کتنی مدت تک وہ کیوں کر سوئے اور اٹھنے کے ساتھ ہی بھوک ان کو کیوں کر لگ آئی اتنی مدت تک ان کے جسم اور کپڑوں کو زمین نے کیوں کر نہیں کھایا سوتے سے اٹھتے ہی ان میں سے ایک نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا کہ ہم کتنی دیر سوئے ہوں گے اس کے ساتھیوں نے جواب دیا کہ دن بھر یا پہر دو پہر سوئے ہوں گے مگر جب انہوں نے اپنے بال اور ناخن بڑھے ہوئے دیکھے تو کہنے لگے اللہ ہی کو خوب معلوم ہے کہ کتنی دیر سوئے اب تو بھوک لگ رہی ہے ہم میں سے ایک شخص کو ایک روپیہ لے کر بستی کو جانا اور کچھ اچھا سا کھانا لانا چاہیئے مگر جو کوئی جاوے ذرا ہوشیاری سے جائے تاکہ دقیانوس کے سپاہیوں یا شہر کے لوگوں کو ہماری کچھ خبر معلوم نہ ہو کیونکہ اگر ان لوگوں کو ہماری خبر معلوم ہو جائے گی تو وہ ہم کو پکڑ لیویں گے اور بغیر جان سے مار ڈالنے کے یا بت پرست بنانے کے نہ چھوڑیں گے اور اگر ہم نے جان کے خوف سے بت پرستی اختیار کر لی اور اسی حالت میں مر گئے تو پھر عقبیٰ کی بہبودی بالکل ہاتھ سے جاتی رہے گی۔ یہ تین سو برس کا عرصہ اس طرح ان جوانوں کو اللہ کی قدرت سے تھوڑا معلوم ہوا جس طرح عزیر علیہ السلام کو سو برس کا عرصہ تھوڑا معلوم ہوا تھا جس کا قصہ سورۂ بقر میں گزر چکا ہے۔ مسند امام احمد صحیح ابن حبان اور مسند ابی یعلیٰ میں ابوہریرہؓ اور ابوسعید خدریؓ سے جو صحیح روایتیں ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ قیامت کا ایک دن پچاس ہزار برس کا ہوگا تو صحابہ کو اس دن کا بڑا ہونا شاق گزرا یہ حال دیکھ کر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایماندار لوگوں کو وہ اتنا بڑا دن ایسا معلوم ہوگا جیسے قریب غروب سے مغرب تک میں یا ایک وقت کی فرض نماز کے پڑھنے میں دیر لگتی ہے[1]

[1] الترغیب ص ٢٩٦ ج ٢ فصل فی الحشر۔

مِلَّتِهِمْ وَلَنْ تُفْلِحُوْا اِذًا اَبَدًا ﴿۲۰﴾ وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوْا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ

اپنے دین میں اور تب بھلا نہ ہو تمہارا کبھی۔ اور اسی طرح خبر کھول دی ہم نے ان کی تا لوگ جانیں کہ وعدہ اللہ کا

حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيْهَا ۚ اِذْ يَتَنَازَعُوْنَ بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ فَقَالُوا ابْنُوْا

ٹھیک ہے اور وہ گھڑی آئی اس میں دھوکا نہیں جب جھگڑ رہے تھے آپس میں اپنی بات پر پھر کہنے لگے بناؤ

تین سو نو برس کا عرصہ ان جوانوں کو یا سو برس کا عرصہ عزیر علیہ السلام کو جو تھوڑا معلوم ہوا اس کا مطلب ان حدیثوں سے اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جو ایماندار لوگ اللہ تعالیٰ کی اس قدرت کا پورا یقین کرتے ہیں کہ وہ صاحب قدرت جب چاہتا ہے لوگوں کی نگاہ میں بڑی مدت کو چھوٹا کر کے دکھا دیتا ہے قیامت کے دن اللہ کی اس قدرت کو وہ ایمان دار خود دیکھ لیں گے کہ پچاس ہزار برس کی مدت ان کو گھڑی کی مدت نظر آئے گی۔

۲۱؎ شروع سورہ سے اصحاب کہف کا قصہ جو یہاں تک گزرا کہ یہ لوگ تین سو برس تک پہاڑ کی کھوہ میں بے آب و دانہ سوتے پڑے رہے اور جب اللہ نے چاہا ان کو اٹھا کر کھڑا کر دیا یہ آیت اس قصہ کا نتیجہ ہے حاصل اس نتیجہ کا یہ ہے کہ جب اللہ اس بات پر قادر ہے کہ تین سو برس تک جسم کو اس نے زمین میں رکھ کر پھر اُٹھا بٹھایا تو قیامت کے آنے اور مر کر پھر جینے میں کون شک کر سکتا ہے مر کر جینا تو ایسا ہی ہے جس طرح ماؤں کے پیٹوں میں بچوں کے پتلے تیار ہوتے ہیں اور ان میں روح پھونک دی جاتی ہے اسی طرح حشر کے دن پتلے تیار کئے جائیں گے اور ان میں روح پھونک دی جائے گی تین سو برس بے آب و دانہ روح کا جسم میں اور جسم کا مٹی میں رہنا اور جسم کو مٹی کا نہ کھانا اس سے زیادہ مشکل ہے جو کچھ حشر کے دن ہو گا جس کی قدرت کے آگے ایسے مشکل کام آسان ہیں اس کو آسان کاموں کے کرنے میں کیا مشکل پیش آسکتی ہے شمسی سو برس کے ایک سو تین سال قمری ہوتے ہیں اصحاب کہف کی قوم میں شمسی سال کا حساب تھا اس قوم کے حساب سے تین سو برس اصحاب کہف کو غائب ہو کر ہو گئے تھے اور عرب میں قمری سال کا حساب ہے جس کے حساب سے شمسی تین سو برس کے قمری تین سو نو برس ہوتے تھے کیونکہ شمسی سو برس کے قمری ایک سو تین برس ہو جاتے ہیں اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے تین سو برس علیحدہ اور نو برس علیحدہ آیت میں ذکر فرمائے تاکہ دونوں حساب ٹھیک بیٹھ جائیں۔ عکرمہ کے قول کے موافق اس آیت کی تفسیر کا حاصل یہ ہے کہ اس تین سو نو برس کی مدت میں دقیانوس اور اس کے بعد کئی بادشاہ ہو کر مر گئے تھے اور جوانوں کے جاگنے کے زمانہ میں ایک عیسائی دین کا پابند اس شہر کا بادشاہ تھا لیکن اس کی رعیت میں کچھ لوگ حشر کے پورے قائل نہیں تھے ان کے قائل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے تین سو نو برس کے بعد ان جوانوں کو جگایا اور اوپر کی آیتوں کے موافق جب ان جوانوں میں کا ایک دقیانوس کے سکہ کا روپیہ لے کر شہر میں گیا تو شہر کے دوکاندار لوگ وہ اتنی مدت کا سکہ دیکھ کر یہ خیال کرنے لگے کہ اس جوان کو کہیں گڑا ہوا خزانہ ملا ہے یہ پرانے سکہ کا روپیہ اس خزانہ میں کا ہے آخر یہ قصہ اس وقت کے بادشاہ تک گیا بادشاہ نے جوان سے اس روپیہ کا حال پوچھا تو اس نے سارا اپنا اور اپنے ساتھیوں کا قصہ بادشاہ کے روبرو بیان کیا۔

عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا ۭ رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهِمْ ۭ قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓي اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ

ان پر ایک عمارت ان کا رب بہتر جانتے ان کو وہ بولے جن کا کام زبر تھا ہم بنا دیں گے ان کے مکان پر

عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا ۝۲۱ سَيَقُوْلُوْنَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ

عبادت خانہ ۔ اب یہی کہیں گے کہ وہ تین ہیں چوتھا ان کا کتا اور یہ بھی کہیں گے وہ پانچ ہیں چھٹا ان کا

بادشاہ اس بات کی تلاش میں تھا کہ اپنی رعیت میں کے منکر حشر لوگوں کو کسی طرح قائل کر کے راہ راست پر لائے اس لیے بادشاہ اپنی رعیت کو ساتھ لے کر اس غار پر گیا۔ مجاہد کے قول کے موافق بادشاہ اور اس کی رعیت نے ان جوانوں کو دیکھا اور بادشاہ نے سارا قصہ ان جوانوں سے پوچھا اور انہوں نے بادشاہ کے روبرو اپنا سارا قصہ بیان کیا اس کے بعد وہ جوان تو پہلے کی طرح سو گئے اور بادشاہ اپنی رعیت سمیت شہر کو واپس چلا آیا غرض اللہ تعالیٰ نے اس وقت کے لوگوں پر اس واسطے ان جوانوں کی حالت ظاہر کر دی کہ منکرین حشر اس حشر کے نمونہ سے یہ جان لیں کہ حشر اور قیامت کا وعدہ برحق ہے اس وعدہ کے ظہور میں کسی طرح کا شک و شبہ نہیں کیونکہ انسان پہلے نیست و نابود تھا اللہ تعالیٰ نے جس طرح اس کو پہلی دفعہ پیدا کیا اسی طرح دوبارہ پیدا کرے گا جو لوگ پہلی دفعہ کی پیدائش کو آنکھوں سے دیکھ کر دوسری دفعہ کی پیدائش کے منکر ہیں ان کو اتنی سمجھ نہیں کہ دنیا کے فنا ہو جانے کے بعد دوسرا جہان قائم ہو کر نیک و بد کی جزا و سزا کا فیصلہ نہ ہو تو دنیا کا پیدا کرنا بے فائدہ ٹھہرتا ہے جو اللہ کی شان سے بہت بعید ہے اس مطلب کو کئی جگہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں تفصیل سے بیان فرمایا ہے وہی آیتیں اس آیت کی گویا تفسیر ہیں آگے فرمایا جو لوگ اس قصہ سے پہلے حشر کے منکر تھے ان جوانوں کا حال دیکھ کر اتنے تو قائل ہوئے کہ اس غار پر عمارت بنانے کو تیار ہو گئے اور جب حشر کے ماننے والے لوگوں نے وہاں عبادت خانہ بنانے کا قصد کیا تو ان سے جھگڑنے لگے آخر بادشاہ کے حکم سے وہاں عبادت خانہ بنایا گیا۔ ربھم اعلم بھم۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس عبادت خانے کے بنانے سے اصحاب کہف خوش ہوئے یا ناخوش۔ اس کا حال اللہ کو معلوم ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو نصاریٰ کے عبادت خانوں کا ذکر آیا آپ نے مذمت کے طور پر فرمایا ان لوگوں میں دستور ہے کہ جب کوئی نیک آدمی ان میں کا مر جاتا ہے تو اس کی قبر کے پاس عبادت خانہ بنا کر اس میں اس نیک آدمی کی تصویر بھی بنا دیتے ہیں[1]۔ اس حدیث کو آیت کے ساتھ ملانے سے یہ مطلب ہوا کہ جس دستور کے موافق اس غار کے پاس عبادت خانہ بنایا گیا ہے اللہ کو خوب معلوم ہے کہ اس سے اصحاب کہف ناخوش ہیں کیونکہ اس طرح کے عبادت خانہ کی بنیاد بت پرستی کی بنیاد ہے اور اصحاب کہف بت پرستی سے ہی بیزار ہو کر اس غار میں آن کر چھپے ہیں۔

۲۲:۔ اس کی تفسیر میں یہ بات ایک جگہ بیان کر دی گئی ہے کہ نصاریٰ میں کئی فرقے ہیں اور ایک فرقہ دوسرے فرقے کی بات نہیں سنتا اسی واسطے فرمایا یہ قصہ سن کر آپس کے اختلاف کے سبب سے بعضے ان میں سے یہ کہیں گے کہ

[1] صحیح بخاری ص ۱۷۷ ج ۱ باب ما یکرہ من اتخاذ المسجد الخ۔

كَلْبُهُمْ رَجْمًا بِالْغَيْبِ ۚ وَيَقُولُونَ سَبْعَةٌ وَثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ قُل رَّبِّي أَعْلَمُ

کتا۔ بن دیکھے نشانہ پتھر چلانا اور کہیں گے وُہ سات ہیں اور آٹھواں ان کا کتا تو کہہ میرا رب بہتر جانے

بِعِدَّتِهِم مَّا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا قَلِيلٌ ۗ فَلَا تُمَارِ فِيهِمْ إِلَّا مِرَاءً ظَاهِرًا وَلَا تَسْتَفْتِ

گنتی ان کی خبر نہیں رکھتے مگر تھوڑے لوگ سو تو مت جھگڑ ان کی بات میں مگر سرسری جھگڑا اور نہ تحقیق کر

فِيهِم مِّنْهُمْ أَحَدًا ﴿٢٢﴾ وَلَا تَقُولَنَّ لِشَيْءٍ إِنِّي فَاعِلٌ ذَٰلِكَ غَدًا ﴿٢٣﴾ إِلَّا أَن

ان کا احوال اس میں کسی سے اور نہ کہیو کسی کام کو کہ میں یہ کروں گا کل۔ مگر یہ کہ

وُہ غار میں چھپنے والے تین ہیں اور چوتھا ان کا کتا ہے اور بعضے یہ کہیں گے کہ وُہ پانچ ہیں چھٹا ان کا کتا ہے پھر فرمایا ان لوگوں کی یہ باتیں ایسی بے ٹھکانے ہیں جس طرح کوئی شخص ایک نشانہ پر پتھر مارنا چاہے مگر پتھر ایسا بے ٹھکانے پھینکے کہ کوئی پتھر نشانہ کے ادھر جائے اور کوئی اُدھر غرض نشانہ پر ایک بھی نہ لگے۔ پھر فرمایا کچھ لوگ یہ بھی کہیں گے کہ وُہ سات ہیں اور آٹھواں کتا ہے لیکن اے رسُول اللہ کے تم ان لوگوں سے کہہ دو کہ ان کی صحیح گنتی اللہ کو ہی معلوم ہے دُنیا میں ایسے لوگ بہت تھوڑے ہیں جن کو ان کی صحیح گنتی کی خبر ہے پھر فرمایا ان کی گنتی کے جان لینے پر کوئی دین کا معاملہ منحصر نہیں ہے اس لیے اے رسُول اللہ کے نہ تم اس بات میں ان لوگوں سے جھگڑا کرو نہ کسی سے ان کی گنتی کا حال پوچھو۔ تفسیر عبدالرزاق اوسط طبرانی وغیرہ میں صحیح سند سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ وُہ سات ہیں اور آٹھواں ان کا کتا ہے[1] آیت میں اس قول کو "نشانہ" سے بہکا ہوا پتھر نہیں فرمایا اس سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت کی پوری تائید ہوتی ہے۔ مسند امام احمد ترمذی ابن ماجہ مستدرک حاکم وغیرہ میں ابوامامہؓ سے صحیح روایت ہے جس میں اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم نے بے فائدہ باتوں میں جھگڑا کرنے سے امت کے لوگوں کو اسی طرح روکا ہے[2] جس طرح آیت میں اصحاب کہف کی گنتی کے جھگڑے سے روکا گیا ہے اس لیے یہ حدیث آیت کی گویا تفسیر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آیت اگرچہ اہلِ کتاب کے جھگڑے کی شان میں ہے لیکن صحیح حدیث کے موافق آیت کے حکم میں یہ امت بھی داخل ہے فلا تمار فیھم الامراء ظاھرا حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے قول کے موافق آیت کے اس ٹکڑے کی تفسیر یہ ہے کہ اے رسُول اللہ کے قرآن میں جس قدر یہ قصہ نازل ہوا ہے وُہ اہل کتاب کو سُنا دیا جائے اس سے زیادہ جھگڑے کی ضرورت نہیں

۲۳-۲۶: شروع سورہ میں گزر چکا ہے کہ یہود کے سکھانے سے قریش نے تین باتیں اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھیں تو آپ نے وحی کے بھروسہ پر یہ وعدہ کیا کہ کل تک میں ان باتوں کا جواب دے دوں گا مگر اس وعدہ کے وقت انشاءاللہ کا کہنا آپ کو یاد نہ رہا اس لیے پندرہ روز تک وحی نہیں آئی۔ مجاہد کے قول کے موافق اس پر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسُول کو ان آیتوں کے ذریعہ حکم دیا کہ آئندہ ہر ایک وعدہ کے ساتھ لفظ انشاءاللہ کہنا چاہیے واذکر ربک اذا نسیت سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے یہ بات نکالی ہے کہ اگر قسم کھا کر کوئی شخص ایک بات کہے اور انشاءاللہ بھول جائے اور پھر جب وُہ بات یاد آئے اور انشاءاللہ کہہ لیوے تو ایسی قسم کا کفارہ نہیں ہے[3] لیکن جمہور کا مذہب ہے کہ قسم کے ساتھ ہی انشاءاللہ کہہ لیوے تو قسم کے

[1] تفسیر الدر المنثور ص ۲۱۷ ج ۴ [2] ابن ماجہ ص ۹ باب اجتناب البدع والجدل [3] تفسیر ابن کثیر ص ۷۹ ج ۳۔

يَّشَآءَ اللّٰهُ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ وَقُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّهْدِيَنِ رَبِّيْ لِاَقْرَبَ

اللہ چاہے اور یاد کرے اپنے رب کو جب بھول جائے اور کہہ امید ہے کہ میرا رب مجھ کو سوجھا دے اس سے نزدیک

مِنْ هٰذَا رَشَدًا ﴿۲۴﴾ وَلَبِثُوْا فِيْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِيْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا ﴿۲۵﴾

راہ نیکی کی اور مدت گزری ان پر اپنے کھوہ میں تین سو برس اور اوپر سے نو۔

قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا ۚ لَهٗ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اَبْصِرْ بِهٖ وَاَسْمِعْ ۭ مَا لَهُمْ

تو کہہ اللہ خوب جانتا ہے جتنی مدت وہ رہے اسی پاس ہیں چھپے بھید آسمان اور زمین کے عجب دیکھتا اور سنتا ہے کوئی نہیں

ٹوٹ جانے پر کفارہ نہیں ہے ورنہ کفارہ ہے مسند امام احمد ترمذی ابو داؤد نسائی اور ابن ماجہ میں عبد اللہ بن عمرؓ سے صحیح روایت[1] ہے جس سے جمہور کے مذہب کی تائید ہوتی ہے کیونکہ جو جمہور کے قول کا مطلب ہے وہی اس صحیح روایت کا مطلب ہے علاوہ اس کے صحیح بخاری و مسلم میں عبد الرحمٰنؓ بن سمرہ سے روایت[2] ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس بات پر قسم کھائی جائے اگر اس سے کوئی اچھی بات نظر آوے تو آدمی کو چاہیئے کہ قسم کا کفارہ دے کر اس اچھی بات کو کر لیوے اس حدیث سے بھی جمہور کے مذہب کی تائید ہوتی ہے کیونکہ قسم کے بعد بھی اگر انشاء اللہ کہنا جائز ہوتا تو آپ کفارہ کا ذکر نہ فرماتے بلکہ یہ فرماتے کہ جس بات پر قسم کھائی جائے اگر اس سے اچھی کوئی بات نظر آئے تو آدمی انشاء اللہ کہہ کر قسم کے کفارہ سے بچ جائے اور اچھی بات کو کر لیوے اس کے بعد فرمایا اے رسول اللہ کے ان مشرکوں سے یہ بھی کہہ دو کہ میری نبوت کا ثبوت کچھ اس پر منحصر نہیں ہے کہ مثلاً تم لوگوں نے یہود کے سکھانے سے اصحاب کہف کا قصہ پوچھا اور میں نے باوجود ان پڑھ ہونے کے صحیح صحیح وہ قصہ بیان کر دیا بلکہ مجھ کو تو اللہ کی ذات سے امید ہے کہ وہ اس سے بڑھ کر مجھ کو نبوت کا ثبوت عنایت کرے گا صحیح بخاری میں خباب بن الارت سے روایت[3] ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ایک روز خبابؓ نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ اب تو مشرکین مکہ بہت تکلیفیں دیتے ہیں آپ نے فرمایا ذرا صبر کرو اللہ تعالیٰ اسلام کے غلبہ کا وعدہ ایسا پورا کرے گا کہ کسی دشمن کا خوف باقی نہ رہے گا۔ اصحاب کہف کے قصہ سے بڑھ کر نبوت کا ثبوت عنایت کرنے کی امید جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو ان آیتوں میں دلائی تھی اس قسم کی امید کی آیتوں پر بھروسہ کر کے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت سے پہلے اس طرح کی تسلی صحابہ کی فرمایا کرتے تھے جس کا ذکر خبابؓ بن الارت کی روایت میں گزرا آخر اللہ کا وعدہ اور اللہ کے رسول کا اس وعدہ پر بھروسا کرنا یہ باتیں کہیں خالی جانے والی تھیں اللہ اکبر اسلام کے اس غلبہ کا اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی امید کے پورے ہونے کا کچھ ٹھکانا نہ ہے کہ جن بتوں کی حمایت میں مشرکین مکہ مسلمانوں کو طرح طرح کی تکلیفیں دیتے تھے فتح مکہ کے وقت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان بتوں کو اپنے ہاتھ کی لکڑی مار مار کر زمین پر گرا دیا اور کسی مشرک کو اتنی جرأت نہیں ہوئی کہ ان بتوں کی کچھ حمایت کرتا۔ یہ بتوں کے زمین پر گرا دینے کا قصہ صحیح بخاری کی عبد اللہ بن مسعودؓ کی اور صحیح مسلم کی ابو ہریرہؓ کی روایتوں کے حوالہ سے کئی جگہ گزر چکا ہے[4] حاصل کلام یہ ہے کہ اصحاب کہف کے قصہ سے بڑھ کر نبوت کا ثبوت

[1] ابن ماجہ ص ۱۵۳ باب الاستثناء فی الیمین [2] صحیح بخاری ص ۹۸۰ ج ۲ کتاب الایمان والنذور [3] تفسیر ہذا ص ۲۷۶ ج ۲

[4] صحیح بخاری ص ۶۱۴ ج ۲ باب این رکز النبی صلی اللہ علیہ وسلم الرایۃ یوم الفتح۔

مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ ۫ وَّلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا ﴿۲۶﴾ وَاتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ

بندوں پر اس کے سوا مختار اور نہیں شریک کرتا اپنے حکم میں کسی کو اور پڑھ جو وحی ہوئی تجھ کو

مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ﴿۲۷﴾ وَاصْبِرْ

تیرے رب کی کتاب سے کوئی بدلنے والا نہیں اس کی باتیں اور کہیں پناہ دے گا تو اس کے سوا چھپنے کو جگہ اور تھام

نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ

رکھ آپ کو ان کے ساتھ جو پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح اور شام طالب ہیں اس کے منہ کے

عنایت کرنے کی امید جو اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں اپنے رسول کو دلائی تھی غلبۂ اسلام کے اس طرح کے قصے اس امید کے پورا ہونے کی تفسیر ہیں۔ آگے فرمایا اصحابِ کہف غار میں سوکر پھر جو جاگے یہ مدت تو شمسی سال کے حساب سے تین سو اور قمری کے حساب سے تین سو نو برس کی ہے اور ان کے دوبارہ سو جانے اور اس قصہ کے قرآن میں نازل ہونے تک کی مدت اللہ خوب جانتا ہے کیونکہ آسمان و زمین کے دیکھنے اور سننے کی سب غیب کی باتیں اسی کو اچھی طرح معلوم ہیں سوا اس کے اور کسی کا اس میں کچھ دخل نہیں ولا یشرک فی حکمہ احدا اس کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً جس طرح دقیانوس نے اصحاب کہف کو بت پرست بنانا چاہا اور اللہ کا حکم ان کے حق میں یہ تھا جس کا ذکر اس قصہ میں ہے کہ وہ ایک مدت تک سوئے اور پھر جاگے اور منکرین حشر کو ان کا حال دیکھ کر عبرت ہوئی غرض جو اللہ کا حکم تھا وہ ہو کر رہا یا مثلاً موسیٰ علیہ السلام کے مار ڈالنے کے قصد سے فرعون نے بنی اسرائیل کے ہزارہا لڑکے قتل کرائے مگر جو اللہ کا حکم تھا وہ آخر ہو کر رہا غرض بادشاہ ہو یا وزیر اللہ کے حکم میں کوئی شریک نہیں اس لیے اس کے حکم کو اس طرح کوئی ٹال نہیں سکتا جس طرح ایک شریک دوسرے شریک کے حکم کو کبھی ٹال دیتا ہے مسند امام احمد اور ترمذی کے حوالہ سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی معتبر روایت ایک جگہ گزر چکی ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمام دنیا کے لوگ اکٹھے ہو کر کسی شخص کو نفع یا نقصان پہنچانا چاہیں تو بغیر اللہ کے حکم کے کچھ نہیں ہو سکتا[۱] اس حدیث سے ولا یشرک فی حکمہ احدا کا مطلب اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے جس کا حاصل وہی ہے جو اوپر بیان کیا گیا کہ اللہ کے حکم میں کوئی شریک نہیں اس لیے اس کا حکم کوئی ٹال نہیں سکتا۔

۲۷۔۲۸: صحیح مسلم میں سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ بعضے مالدار مکہ کے مشرکوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ خواہش کی تھی کہ ہمارے آپ کے پاس آنے کے وقت غریب مسلمان آپ کی مجلس میں نہ بیٹھیں گے تو ہم آپ کی مجلس میں آن کر قرآن کی آیتیں سنا کریں گے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں[۲] اور فرمایا اللہ کا حکم نہیں بدل سکتا اس کا حکم یہی ہے کہ غریب امیر سب کو یکساں ایک ہی مجلس میں قرآن کی آیتیں نصیحت کے طور پر سنائی جائیں اور اے رسول اللہ کے تم کو اللہ کی پناہ کے سوا کسی کی پناہ نہیں ہے اس واسطے اللہ کی مرضی کے موافق تم اپنا کام کیے جاؤ پھر فرمایا غریبوں کی مجلس میں اگر یہ مالدار مشرک نہ آئیں تو اس کی کچھ پروا نہ کرو کیونکہ ان کے آنے سے فقط دنیا کی زیب و زینت ہے جو اللہ کو پسند نہیں بلکہ اللہ کو تو یہ پسند ہے کہ خالص اللہ کے واسطے جو غریب مسلمان قرآن کی آیتوں کی نصیحت سننے کو تمہارے پاس آتے ہیں اور پھر اس

[۱] مشکوٰۃ ص ۴۵۳ باب التوکل والصبر [۲] تفسیر ابن کثیر ص ۸۰ ج ۳

وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ ۚ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا

اور نہ دوڑیں تیری آنکھیں ان کو چھوڑ کر تلاش میں رونق دنیا کی زندگی کی اور نہ کہا مان اس کا جس کا دل غافل کیا

قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ﴿۲۸﴾ وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۫ فَمَنْ

ہم نے اپنی یاد سے اور پیچھے لگا ہے اپنی چاؤ کے اور اس کا کام ہے حد پر نہ رہنا اور کہہ سچی بات ہے تمہارے رب کی طرف سے

شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ۙ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا ۙ اَحَاطَ بِهِمْ

پھر جو کوئی چاہے مانیں اور جو کوئی چاہے نہ مانیں ہم نے رکھی ہے گنہ گاروں کے واسطے آگ گھیر رہی ہیں ان کو

سُرَادِقُهَا ۭ وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَاۗءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوْهَ ۭ بِئْسَ الشَّرَابُ ۭ

اس کی قناتیں اور اگر فریاد کریں گے تو ملے گا پانی جیسے پیپ بھون ڈالے منہ کو کیا برا پینا ہے۔

نصیحت کے موافق خالص عقبیٰ کی بہبودی کی نیت سے صبح شام اللہ کی عبادت میں لگے رہتے ہیں ایسے لوگوں سے تم کام رکھو اور جن لوگوں کے دل اللہ کی یاد سے غافل اور شرک میں گرفتار ہیں ان کی کوئی بات نہ مانو کس لیے کہ ایسے لوگ اپنی مالداری کے غرور میں انسانیت کی حد سے بڑھ گئے ہیں کہ غریب مسلمانوں کو انسان نہیں گنتے اس لیے ان کے ساتھ ایک مجلس میں بیٹھنے سے گھبراتے ہیں ایسے لوگوں سے کہہ دیا جائے کہ یہ قرآن اللہ کا کلام ہے جس کا جی چاہے اس کو مانے جس کا جی نہ چاہے وہ نہ مانے اب آگے کی آیتوں میں قرآن کی نصیحت کے نہ ماننے والوں اور ماننے والوں کا نتیجہ بیان فرمایا۔ صحیح مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہ کی حدیث کئی جگہ گزر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نظر انسان کی ظاہری حالت پر نہیں ہے[1] بلکہ اللہ تعالیٰ کی نظر انسان کے دل پر ہے کہ کس نیت سے انسان نے یہ کام کیا ہے[2] اس حدیث کو آیت کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جو لوگ عقبیٰ کی بہبودی کی نیت سے قرآن کی نصیحت سننے کو اللہ کے رسول کی مجلس میں آتے تھے ان کی خاطرداری کی اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو تاکید فرمائی ہے اور جو لوگ اوپرے دل سے آتے تھے ان کو دھمکانے کے طور پر فرمایا کہ ان کا جی چاہے تو قرآن کی نصیحت کو مانیں نہیں تو ان کے لیے دوزخ تیار ہے۔

۲۹-۳۱: جامع ترمذی میں حضرت ابوسعید خدری سے جو روایت[3] ہے اس میں دوزخ کے ان پردوں کی تفسیر ہے جن کا ذکر اس آیت میں ہے یوں آئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مکان کے پردہ کی دیواروں کی طرح دوزخ کے چاروں طرف چار دیواری ہے جس کا اُتار چالیس برس کے راستہ کا ہے ترمذی کی سند میں ایک راوی رشدین بن سعد ہے جس کو بعضے علماء نے ضعیف کہا ہے لیکن امام احمد نے اس رشدین بن سعد کو ناقابل اعتراض قرار دیا ہے حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے[4] کیونکہ حاکم کی سند میں بجائے رشدین ابن سعد کے ایک عبداللہ ابن وہب راوی ہے جس کا شمار ضعیف راویوں میں نہیں ہے اور دوزخ کے اس گرم پانی کی تفسیر جس کا ذکر اس آیت میں ہے ترمذی اور بیہقی میں ابودرداء کی معتبر روایت سے یوں آئی ہے کہ دوزخ میں جب بھوک لگے گی تو ایک کانٹوں دار گھاس ان کو کھلائی جائے گی جو ان کے حلق میں پھنس جائے گی جب وہ اس کو حلق سے اتارنے کے

[1] صحیح مسلم ص ۳۱۷ ج ۲ باب تحریم ظلم المسلم الخ۔ [2] تفسیر ابن کثیر ص ۸۱ ج ۳ و جامع ترمذی ص ۸۲ باب ماجاء فی صفۃ شراب اہل النار۔
[3] الترغیب ص ۲۱۶ ج ۲ فصل فی اودیتہا وجبالہا۔

وَسَآءَتْ مُرْتَفَقًا ﴿۲۹﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اِنَّا لَا نُضِیْعُ اَجْرَ

اور کیا بُرا آرام بیشک جو لوگ یقین لائے اور کیں نیکیاں ہم نہیں کھوتے نیگ اس کا

مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا ﴿۳۰﴾ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ

جس نے بھلا کیا کام ایسوں کو باغ ہیں بسنے کے بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں

لیے پانی مانگیں گے تو ایسا گرم پانی گلے ہوئے تانبے کی طرح کھولتا ہوا دیا جائے گا جس کو منہ سے لگاتے ہی چہرے کی تمام کھال اتر کر اس پانی میں گر پڑے گی اور جب زبردستی وُہ پانی ان کو پلایا جائے گا تو سب انتڑیاں کٹ کر باہر گر پڑیں گی۔ ان تکلیفوں سے تنگ آ کر اہل دوزخ اپنے مرنے کی دُعا مانگیں گے ہزار برس تک تو ان کی دُعا کا کچھ جواب ملے گا ہزار برس کے بعد دوزخ کے فرشتے ان سے یہ کہیں گے کیا دُنیا میں تمہارے پاس اللہ کے رسُول نہیں آئے اور اس عذاب سے تم کو نہیں ڈرایا وُہ جواب دیں گے کہ ہاں آئے تو تھے وُہ فرشتے کہیں گے جب تم نے اللہ کے رسولوں کا کہنا نہ مانا اور دُنیا میں اس عذاب کا حال سُن کر بھی اللہ کی نافرمانی کو نہ چھوڑا تو پھر آج تم کو موت کہاں ہے اب تو تم کو ہمیشہ یہی عذاب بھگتنا پڑے گا۔[1] صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے انس بن مالک رض کی حدیث کئی جگہ گزر چکی ہے جس میں اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دوزخ کے عذاب کا جو حال مجھ کو معلوم ہے اگر وُہ پورا حال لوگوں کے سامنے میں بیان کر دوں تو لوگ سوائے رونے کے دُنیا کے سب کام چھوڑ دیں[2] اس حدیث سے یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آسکتی ہے کہ دُنیا کا انتظام قائم رہنے کے لیے اللہ کے حکم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دوزخ کے عذاب کا پورا حال امت کے لوگوں کے روبرو بیان نہیں فرمایا اس لئے دوزخ کے عذاب کا جو ذکر اوپر گزرا وُہ گویا مختصر ہے۔

۳۱: ۔ اوپر کی آیت میں اہل دوزخ کا ذکر تھا اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے اس دوسری آیت میں اہل جنت کا ذکر فرمایا ہے تمام قرآن شریف میں خدا تعالیٰ نے یہی طریقہ برتا ہے کہ جہاں دوزخ اور اہل دوزخ کا ذکر فرمایا ہے اس کے مقابلہ میں جنت اور اہل جنت کے عیش و آرام کا ذکر ضرور فرمایا ہے تاکہ کچھ لوگ دوزخ کے خوف سے اور کچھ لوگ جنت کے شوق سے ہدایت پائیں غرض ہدایت کا کوئی خوفیہ یا شوقیہ طریقہ اس معبود مطلق نے اٹھا نہیں رکھا ہے اس پر بھی جو کوئی دُنیا سے گمراہ اٹھے سوا اس کے کم نصیبی کے اس کا سبب اور کیا کہا جا سکتا ہے غریب آدمیوں کو بعضے بیش قیمت کھانے کپڑے میسّر تو نہیں مگر اوروں کو کھاتے پہنتے انہوں نے آنکھوں سے دیکھا ہے اس واسطے ان کھانے اور کپڑوں کا حال ان غریب آدمیوں سے کوئی پوچھے تو جو کچھ انہوں نے آنکھوں سے دیکھا ہے اس کو وُہ بیان کر سکتے ہیں بعضے غریب آدمی ایسے ہیں کہ ان کو اچھا کھانا اچھا کپڑا آنکھوں سے دیکھنا تو نصیب نہیں ہُوا لیکن انہوں نے کانوں سے سن لیا ہے کہ مثلاً پلاؤ ایسا ہوتا ہے اور کمخواب کا تھان ایسا ہوتا ہے وُہ بھی پلاؤ اور کمخواب کی سنی سنائی حالت بیان کر سکتے ہیں بعضے غریب لوگ ایسے ہیں کہ انہوں نے جو چیزیں کبھی عمر بھر نہ آنکھ سے دیکھیں نہ کانوں سے سنیں لیکن وُہ گھر میں بیٹھے بیٹھے دلی منصوبے کر لیتے ہیں کہ خدا دے تو ایسے کھانے پکائیں ایسے کپڑے بنائیں ایسے باغ لگا دیں۔ رہے بادشاہ وزیر امیر یہ تو اپنے اپنے مقدور کے موافق ہر روز دُنیا کی سب عیش و آرام کی چیزیں آنکھوں سے دیکھتے برتتے ہیں لیکن جنّت کے عیش و آرام کے سامان ایسے ہوں گے کہ دُنیا

[1] الترغیب ص ۳۲۰ ج ۲ فصل فی طعام اہل النار [2] صحیح بخاری ص ۹۶۰ ج ۲ باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لو تعلمون ما اعلم لضحکتم قلیلا۔

يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَيَلْبَسُونَ ثِيَابًا خُضْرًا مِنْ سُنْدُسٍ

پہناتے ہیں ان کو وہاں کچھ کنگن سونے کے اور پہنتے ہیں کپڑے سبز پتلے اور گاڑھے

وَإِسْتَبْرَقٍ مُتَّكِئِينَ فِيهَا عَلَى الْأَرَائِكِ ۚ نِعْمَ الثَّوَابُ ۚ وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا ﴿۳۱﴾ وَ

ریشم کے لگے بیٹھے ہیں ان میں تختوں پر کیا خوب بدلہ ہے اور کیا خوب آرام ، اور

میں آج تک بادشاہ سے فقیر تک نہ وہ سامان کسی کو آنکھ سے دیکھنے نصیب ہوئے نہ کسی نے ان کو کانوں سے سُنا نہ کسی کے جی میں ان کا منصوبہ جم سکتا ہے کہ وہ کیا کیا اور کس کس طرح کے سامان ہوں گے چنانچہ صحیحین میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے جو حدیثِ قدسی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ جنتی لوگوں کے لیے جنت میں وہ وہ عیش کے سامان مہیا کئے گئے ہیں کہ وہ نہ کسی آنکھ نے دیکھے نہ کان نے سُنے ، نہ کسی جی میں ان کا تصور گزر سکتا ہے[۱]۔ حاصل کلام یہ ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے فضل اور اپنے حبیبؐ کے طفیل سے جن نیک بندوں کو بہشت نصیب کرے گا وہ بہشت میں داخل ہونے کے بعد جانیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے کیا کیا سامان ان کے لیے مہیا کیا ہے قرآن شریف اور حدیث میں نمونہ کے طور پر بہشت کی نعمتوں کا کسی قدر جو ذکر آیا ہے اور اس ذکر کو نیک لوگوں نے کانوں سے سُنا ہے جنت کی نعمتیں اس صحیح حدیث کی شہادت سے ہزاروں لاکھوں کروڑوں ابھی ایسی باقی ہیں کہ جن کا نہ ذکر آیا نہ کسی نے اُن کو کانوں سے سُنا خیر خدا اپنے فضل سے ایک دن ان کو آنکھوں سے ہی دکھلا دیوے اور ہر مسلمان کو ایسے عملوں کی توفیق دیوے جن سے ان کو وہ نعمتیں برتنی نصیب ہوں یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ جنت کی وہ چیزیں دُنیا کی چیزوں کے ہم نام سمجھانے کے لیے قرآن شریف یا حدیث میں بتلائی گئی ہیں ان کو دُنیا کی چیزوں سے کچھ مناسبت نہیں ہے مثلاً اس آیت میں ذکر ہے کہ جنتیوں کو سونے کے کڑے پہنائے جائیں گے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے ترمذی میں روایت ہے[۲] جس کا حاصل یہ ہے کہ وہ کڑا اگر دنیا میں ہو تو اس کی روشنی کی جھلک سے سورج کی روشنی مدھم ہو جائے۔ اب خیال کر لینا چاہیئے کہ کیا کسی ہفت اقلیم کے بادشاہ کے پاس ایسا کوئی زیور ہے جس کی جھلک آفتاب کو ماند کر دیوے اسی طرح جنت کی ان اور چیزوں کو سمجھنا چاہیئے جن کا ذکر قرآن شریف یا حدیث میں دُنیا کی چیزوں کے نام سے آیا ہے اگرچہ سعد بن ابی وقاص کی حدیث کی سند میں عبداللہ بن لہیعہ ہے اور ان ابن لہیعہ کی کتابیں جل جانے کے بعد ان کو علماء نے ضعیف قرار دیا ہے لیکن ترمذی میں یہی حدیث مرسل طور پر عمر بن سعد کی روایت سے ہے جس کی سند میں ابن لہیعہ نہیں ہے اس لیے ایک سند کو دُوسری سند سے تقویت ہو جاتی ہے عمر بن سعد تابعی نے اس حدیث کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو روایت کیا ہے اس طرح کی روایت کو مرسل کہتے ہیں کسی دُوسری روایت سے مرسل روایت کو جو تقویت ہو جائے تو پھر مرسل روایت معتبر ٹھہر جاتی ہے۔

۳۲-۴۴۔ اوپر ان مالدار مشرکین مکہ کا ذکر تھا جو غریب مسکین مسلمانوں کے ساتھ بیٹھنے سے گھبراتے تھے اس پر اللہ تعالیٰ نے ایک کہاوت بیان کی کہ دو مرد تھے ایک کے دو باغ تھے انگور و کھجور کے جن کے درمیان میں کھیتی بھی ہوتی تھی۔

[۱] تفسیر ہذا ص ۱۲ ج ۳ [۲] مشکوٰۃ ص ۴۹۷ باب صفۃ الجنۃ واہلہا۔

ع ۱۶/۴

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِأَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ أَعْنَابٍ وَحَفَفْنٰهُمَا

بتا ان کو کہاوت دو مردوں کی کہ بنا دیئے ہم نے ایک کو دو باغ انگور کے اور گرد ان کے

بِنَخْلٍ وَّجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا ﴿٣٢﴾ كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ آتَتْ أُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْئًا

کھجوریں اور کی دونوں کے بیچ میں کھیتی دونوں باغ لاتے ہیں اپنا میوہ اور نہ گھٹاتے اس میں سے کچھ

وَّفَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا ﴿٣٣﴾ وَّكَانَ لَهٗ ثَمَرٌ ۚ فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ أَنَا أَكْثَرُ

اور بہائی ہم نے ان دونوں کے بیچ نہر اور اس کو پھل ملا پھر بولا اپنے دوسرے سے جب باتیں کرنے لگا اس سے مجھ پاس زیادہ

مِنْكَ مَالًا وَّأَعَزُّ نَفَرًا ﴿٣٤﴾ وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ قَالَ مَآ أَظُنُّ أَنْ

ہے تجھ سے مال اور آبرو کے لوگ اور گیا اپنے باغ میں اور وہ برا کر رہا تھا اپنی جان پر بولا نہیں آتا مجھ کو خیال

تَبِيْدَ هٰذِهٖٓ أَبَدًا ﴿٣٥﴾ وَّمَآ أَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ إِلٰى رَبِّيْ

کہ خراب ہو یہ باغ کبھی اور نہیں خیال کرتا ہوں میں کہ قیامت ہونے والی ہے اور اگر کبھی پہنچایا مجھ کو میرے رب

ہر طرح کے درخت اور پھل پھول اور میوے پیدا ہوتے تھے ولم تظلم منہ شیئا سے اسی مطلب کو ادا فرمایا ہے۔ پھر فرمایا ان باغوں میں نہریں جاری تھیں پھر فرمایا اس باغ والے نے اپنے دوسرے بھائی سے بطور فخر کے کہا کہ میں تجھ سے مال و اولاد اور خدمت گاروں میں زیادہ عزت والا ہوں اور وہ اپنے باغ میں اپنے بھائی کا بھی ہاتھ پکڑ کر لے گیا اور باغ کی سیر کرائی اترانے کے طور پر کہنے لگا کہ مجھے گمان نہیں کہ یہ میرا باغ کبھی اجڑے اور یہ جائداد برباد ہو اور میں قیامت کے قائم ہونے کا خیال نہیں رکھتا اور اگر بالفرض قیامت ہو وے تو بھی میں وہاں بہتر باغ پاؤں گا کیونکہ بقول تیرے اے بھائی یہ دنیا مقام فانی ہے اور آخرت باقی ہے تو جس طرح میں یہاں مالدار ہوں اسی طرح آخرت میں بھی غنی ہوں گا یہ نہ سمجھا کہ دنیا کی آسودگی خدا کی طرف سے ایک ڈھیل ہے اب آگے اللہ تعالیٰ اس دوسرے شخص ایمان والے کے حال سے خبر دیتا ہے کہ اس نے بات چیت کے وقت اس سے کہا کیا تو کافر ہو گیا اس خدا سے کہ جس نے تجھ کو اور تیرے باپ آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا پھر ان کی نسل کو نطفہ سے پیدا کیا۔ ترمذی ابوداؤد اور صحیح ابن حبان میں ابوموسیٰ اشعری ؓ سے روایت ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدم علیہ السلام کے پتلے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ساری زمین کی مٹی لی ہے اس طرح طرح کی مٹی کی خاصیت کے سبب سے اولادِ آدم میں کوئی گورا ہے کوئی کالا[1]۔ خلقك من تراب کا مطلب اس حدیث سے اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کے بعد اگرچہ اولادِ آدم کی پیدائش نطفہ سے ہے لیکن سب اولادِ آدم کی پیدائش میں آدم علیہ السلام کے پتلے کی مٹی کا اثر ضرور ہے اس ایماندار شخص نے یہ بھی کہا کہ میں تو اللہ ہی کو اپنا معبود جانتا ہوں اور اس کی عبادت میں کسی کو شریک نہیں کرتا اور یہ بھی کہا کہ بجائے اس فخر اور ناشکری کے لفظوں کے تو یہ کہتا کہ انسان کی کیا طاقت تھی کہ وہ ایسا باغ لگاتا اور اتنا مال کماتا تو خوب ہوتا کیونکہ انسان کو جو کچھ فارغ البالی ہوتی ہے وہ اللہ ہی کے چاہنے

[1] مشکوٰۃ باب الایمان بالقدر۔

لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ﴿٣٦﴾ قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَكَفَرْتَ

کے پاس پاؤں گا بہتر اس سے اس طرف پہنچ کر۔ کہا اس کو دُوسرے نے جب بات کرنے لگا کیا تو منکر ہو گیا

بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا ﴿٣٧﴾ لٰكِنَّا۠ هُوَ

اس شخص سے جس نے بنایا تجھ کو مٹی سے پھر لوندے سے پھر پورا کر دیا تجھ کو مرد پر میں تو کہوں

اللّٰهُ رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ﴿٣٨﴾ وَلَوْلَآ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا

وہی اللہ ہے میرا رب اور نہ مانوں ساجھی اپنے رب کا کسی کو اور کیوں نہ جب تو آیا تھا اپنے باغ میں کہا ہوتا جو چاہا

شَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّوَلَدًا ﴿٣٩﴾ فَعَسٰى

اللہ کا کچھ زور نہیں مگر دیا اللہ کا اگر تو دیکھتا ہے مجھ کو کہ میں کم ہوں تجھ سے مال اور اولاد میں تو امید ہے

رَبِّيْٓ اَنْ يُّؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ

کہ میرا رب دیوے مجھ کو تیرے باغ سے بہتر اور بھیج دے اس پر ایک بگولا آسمان سے پھر صبح کو

صَعِيْدًا زَلَقًا ﴿٤٠﴾ اَوْ يُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِيْعَ لَهٗ طَلَبًا ﴿٤١﴾ وَاُحِيْطَ

رہ جائے میدان پٹپڑ یا صبح کو ہو رہے اس کا پانی خشک پھر نہ سکے تو کہ اس کو ڈھونڈ لاوے اور سمیٹ

سے ہوتی ہے اگرچہ مال و اولاد نہ ہونے کے سبب سے تو مجھ کو حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے مگر مجھ کو اللہ کی ذات سے امید ہے کہ وُہ آخرت میں تیرے اس باغ سے بہتر کوئی باغ دیوے اور تیری اس ناشکری اور نافرمانی کے سبب سے اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کچھ دُور نہیں کہ وُہ تیرے اس باغ پر کوئی آسمانی آفت بھیج دیوے۔ آخر کو اس ایماندار شخص کی زبان سے جو نکلا تھا وہی ہُوا کہ جس باغ پر وُہ قیامت کا منکر اتراتا تھا آسمانی آفت سے وُہ باغ کھیتی سب کچھ برباد ہو گیا اور وُہ اترانے والا شخص اپنے اترانے پر پچھتاتا اور نقصان پر افسوس سے ہاتھ ملتا ہُوا رہ گیا اور اللہ کے عذاب کے آگے اس اترانے والے کی کوئی کچھ مدد نہ کر سکا آخر قصہ پر اللہ تعالیٰ نے اس ایماندار شخص کے قول کی تائید فرمائی کہ قیامت کے دن ایمانداروں کو اچھا بدلا ملنے والا ہے۔ مسند امام احمد میں جابر بن عبداللہؓ کی صحیح روایت ہے جس میں اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بدری صحابہ میں سے کوئی شخص دوزخ میں نہیں جائے گا[1] سورۃ الانفال میں گزر چکا ہے کہ بدر کی لڑائی کے لوٹ کا مال جب تقسیم ہوا تو ہر ایک بدری صحابی کے حصّہ میں پانچ ہزار روپیہ کا مال آیا صحیح بخاری کے حوالہ سے خباب بن الارتؓ کی حدیث اوپر گزر چکی ہے[2] جس میں یہ ذکر ہے کہ مالدار مشرکین مکہ غریب مسلمانوں کو طرح طرح سے ستاتے تھے جن علماء نے بدری صحابہ کے نام تفصیل سے اپنی کتابوں میں لکھے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ خباب بن الارت بدری صحابہ میں ہیں اور ان کو غریب جان کر ہجرت سے پہلے مالدار مشرکین مکہ بہت ستاتے تھے صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے انس بن مالکؓ کی حدیث کئی جگہ گزر چکی ہے[3] کہ مشرکین مکہ میں کے بڑے بڑے سردار بدر کی لڑائی میں مارے گئے اور مرتے ہی آخرت کے عذاب میں گرفتار ہو گئے جس عذاب کے جتلانے کے لیے اللہ کے رسُول نے ان کی

[1] فتح الباری ص ۱۴۱ ج ۴ باب فضل من شہد بدرا [2] تفسیر ہذا ص ۲۷۶ ج ۳ [3] تفسیر ہذا ص ۲۳ ج ۳۔

بِثَمَرِهٖ فَاَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلٰى مَآ اَنْفَقَ فِيْهَا وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا

لیا اسکا سارا پھل پھر صبح کو رہ گیا ہاتھ نچاتا اس مال پر جو اس میں لگایا تھا اور وہ ڈہا پڑا تھا اپنی چھتریوں پر

وَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ﴿۴۲﴾ وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ يَّنْصُرُوْنَهٗ

اور کہنے لگا کیا خوب تھا اگر میں ساجھی نہ بناتا اپنے رب کا کسی کو ، اور نہ ہوئی اس کی جماعت کہ مدد کریں اس کو

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا ﴿۴۳﴾ هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ هُوَ خَيْرٌ

اللہ کے سوائے اور نہ ہوا وہ کہ بدلہ لے سکے ۔ وہاں سب اختیار ہے اللہ سچے کا اسی کا انعام

ثَوَابًا وَّخَيْرٌ عُقْبًا ﴿۴۴﴾ وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ

بہتر ہے اور اسی کا دیا بدلا ۔ اور بتا ان کو کہاوت دُنیا کی زندگی کی جیسے پانی اتارا ہم نے

مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ

آسمان سے پھر بھڑ کر نکلا اس سے زمین کا سبزہ پھر کل کو ہو رہا چورا باؤ میں اڑتا

ع ۱۳ ۱۷

لاشوں پر کھڑے ہو کر فرمایا کہ اب تو تم لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے عذاب کے وعدہ کو سچا پالیا صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی روایت سے وہ حدیث کئی جگہ گزر چکی[1] ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا نیک بندوں کے لیے جنت میں جو نعمتیں پیدا کی گئی ہیں وہ کسی نے آنکھوں سے دیکھیں نہ کانوں نے سنیں نہ کسی کے دل میں ان کا خیال گزر سکتا ہے ان روایتوں کو آیتوں کے ساتھ ملانے سے یہ مطلب ہوا کہ جن مالدار مشرکوں کے دھمکانے اور غریب مسلمانوں کی تسلی کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ کہاوت بیان فرمائی ان دونوں کا انجام یہ ہوا کہ مغرور مالدار مشرکوں نے دنیا میں جان اور مال کا نقصان جدا اٹھایا اور مرتے ہی آخرت کے عذاب میں گرفتار ہوئے اور جن غریب مسلمانوں کو یہ لوگ حقیر جانتے تھے دنیا میں ان کا انجام یہ ہوا کہ ان جاننے والوں کا مال ان غریبوں کے ہاتھ آیا اور عقبیٰ میں وہ قطعی جنتی ٹھہرے جس جنت کی نعمتوں کی پوری تفصیل اللہ تعالیٰ ہی کو خوب معلوم ہے اس واسطے اللہ تعالیٰ نے جنت کو نیک عملوں کا اچھا بدلہ فرمایا۔

۴۵۔۴۷۔ ان آیتوں میں پروردگار نے اپنے رسول مقبول سے فرمایا کہ تم لوگوں کے روبرو دنیائے فانی کی زندگی کی کہاوت بیان کرو کہ جیسے آسمان سے پانی نازل ہوتا ہے اور اس کے سبب سے کھیتیاں سرسبز ہو جاتی ہیں اور ایک بہار ہوتی ہے پھر بعد میں یہ سب بہار خشک ہو کر جاتی رہتی ہے ہوا اس کو اڑالے جاتی ہے بہار کا موسم خزاں سے بدل جاتا ہے اور وہ کھیتی کے درخت کٹ کر میدان نکل آتا ہے غرض جس طرح کھیتی کے درخت کا حال ہے کہ وہ بیج سے پیدا ہوتا ہے اور سرسبز ہو کر پھر زرد ہو جاتا ہے اور کٹ جاتا ہے اسی طرح نطفہ سے آدمی کا بچہ پیدا ہوتا ہے اور جوانی کے زمانہ میں سرسبز ہو کر پھر بوڑھا ہو جاتا اور مر جاتا ہے اس واسطے انسان کی زندگی کی مثال کھیتی کی فرمائی اور آخر آیت میں فرمایا اللہ کو ہر چیز پر قدرت ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح مینہ برسا کر سوکھے ہوئے مردہ بیج سے وہ صاحب قدرت ہر سال کھیتی کے درخت پیدا کرتا ہے اسی طرح حشر کے دن انسان کی ریڑھ کی ہڈی کے ایک ٹکڑے سے بیج کا کام لیا جائے گا اور دوسرے صور سے پہلے ایک مینہ

[1] تفسیر ہذا ص ۱۱۲ ج ۳

وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ مُّقْتَدِرًا ﴿۴۵﴾ اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ

اور اللہ کو ہے ہر چیز پر قدرت۔ مال اور بیٹے رونق ہیں دُنیا کے جیتے

وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا ﴿۴۶﴾ وَيَوْمَ نُسَيِّرُ

اور رہنے والے نیکیوں پر بہتر ہے تیرے رب کے یہاں بدلا اور بہتر ہے توقع اور جس دن ہم چلا دیں

الْجِبَالَ وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً ۙ وَّحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا ﴿۴۷﴾ وَعُرِضُوْا

پہاڑ اور تو دیکھے زمین کھل گئی اور گھیر بلا دیں ان کو پھر نہ چھوڑیں ان میں ایک کو اور سامنے

عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا ۭ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۡ بَلْ زَعَمْتُمْ

آئیں تیرے رب کے قطار کر کر آپہنچے تم ہمارے پاس جیسا ہم نے بنایا تھا تم کو پہلے بار نہیں تم بتاتے تھے

برسے گا جس کی تاثیر یہ ہوگی کہ اس ہڈی کے ٹکڑے سے ہر ایک مُردہ جسم تیار ہو جائے گا اور پھر جس طرح ماں کے پیٹ میں بچّہ کا پتلا تیار ہو جانے کے بعد اس پتلا میں رُوح پھونک دی جاتی ہے اسی طرح اس جسم میں رُوح پھونک دی جائے گی۔ صحیح بخاری و مسلم میں ابوہریرہؓ سے جو روایتیں ہیں ان میں ریڑھ کی ہڈی کے ٹکڑے کا اور دُوسرے صور سے پہلے کے مینہ کا اور اس سے ہر ایک مردہ کے جسم کے تیار ہو جانے کا ذکر تفصیل[1] سے ہے۔ معتبر سند سے طبرانی کبیر میں نعمان بن بشیرؓ سے اور مسند بزار میں ابوہریرہؓ سے جو روایتیں ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ مال اور اولاد فقط جیتے جی کے ساتھی ہیں آدمی کے ساتھ ان میں سے قبر میں کوئی نہ جائے گا ہاں عمل ایسی چیز ہے جو قبر میں آدمی کے ساتھ جائے گا اور قیامت تک باقی رہے گا۔ آخر اسی کے موافق جزا و سزا کا فیصلہ[2] ہوگا۔ صحیح مسلم اور معتبر سند سے ابن ماجہ بیہقی اور صحیح ابن خزیمہ میں ابوہریرہؓ سے جو روایتیں ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ جب آدمی مر جاتا ہے تو اس کا نیک عمل بند ہو جاتا ہے ہاں جو شخص علم دین کا چرچہ یا مسجد سرائے یا اسی طرح کی اور کوئی ثواب کے جاری رہنے کی چیز چھوڑ کر مرے گا تو اس کا نیک عمل مرنے کے بعد بھی جاری رہے[3] گا ان حدیثوں کو آخر کی آیت کے ساتھ ملانے سے یہ مطلب اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے کہ مال اور اولاد فقط جیتے جی کی رونق کی چیزیں ہیں ہاں نیک عمل مرنے کے بعد ایسی باقی رہنے والی چیز ہے کہ اس سے عقبیٰ کی بہبودی کی توقع ہو سکتی ہے خواہ وُہ نیک عمل جیتے جی آدمی نے خود کیا ہو یا کسی نیک عمل کا سلسلہ اپنے مرنے کے بعد دُنیا میں چھوڑا ہو۔

۴۷-۴۹: ان آیتوں میں قیامت کا ذکر ہے کہ اس دن پہاڑ چلتے رہیں گے زمین صاف نکل آئے گی اور اکٹھا کریں گے ہم ان کو اس طرح کہ نہ چھوڑیں ان میں سے ایک کو بھی جس زمین کے ساتھ حشر کا ذکر ہے یہ وُہ نئی زمین ہے جس پر حشر قائم ہوگا۔ یہ زمین دُنیا کی زمین سے بالکل الگ اور نئی ہوگی کیونکہ شعب الایمان بیہقی تفسیر عبدالرزاق وغیرہ میں صحیح سند سے عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت[4] ہے کہ اس زمین پر کسی گنہ گار نے کوئی گناہ نہیں کیا اب یہ تو ظاہر ہے کہ دُنیا کی زمین پر روز گناہ کئے جاتے ہیں اس لیے یہ زمین بالکل نئی ہوگی مطلب[5] یہ ہے کہ پہلے صور کے وقت دُنیا کی زمین پر کے پہاڑ جو اُڑا دیئے جائیں گے وُہ پہاڑ یا کوئی ٹیلہ یا عمارت یا اور کوئی چھپ جانے کی جگہ اس نئی زمین پر نہ ہوگی پھر فرمایا اس نئی زمین پر سب حساب کے لیے صف باندھ کر

[1] تفسیر ہذا ص ۱۴۱ ج ۳ [2] مجمع الزوائد ص ۲۵۰ ج ۱۰ [3] مشکوٰۃ ص ۲۳ کتاب العلم [4] الترغیب ص ۲۹۴ ج ۲ فصل فی الحشر

اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا ﴿۴۸﴾ وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ

کہ نہ ٹھہرادیں گے ہم تمہارا کوئی وعدہ - اور رکھا جائے گا کاغذ پھر تو دیکھے گناہ گار ڈرتے ہیں اس کے

مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً

بیچ کے لکھے سے اور کہتے ہیں اے خرابی کیسا ہے یہ لکھا نہ چھوڑے چھوٹی بات نہ بڑی بات جو

اِلَّآ اَحْصٰهَا ۚ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ۗ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ﴿۴۹﴾ ع

اس میں نہیں گھیری اور پاویں گے جو کیا ہے سامنے اور تیرا رب ظلم نہ کرے گا کسی پر -

کھڑے ہوں گے اس وقت منکرین حشر کو یوں قائل کیا جائے گا کہ تم لوگ تو اس دن کے منکر تھے اب دیکھو تو یہ دن تمہارے سامنے آیا یا نہیں۔ پھر فرمایا اچھے لوگوں کے دائیں ہاتھ میں اور بُرے لوگوں کے بائیں ہاتھ میں جب نامۂ اعمال دیئے جائیں گے تو بُرے لوگ اپنے اعمالنامے میں عمر بھر کے بداعمال دیکھ کر بہت گھبرائیں گے اور سزا کے خوف سے بہت ڈریں گے مگر بے وقت کا گھبرانا اور ڈرنا ان کے کچھ کام نہ آئے گا پھر فرمایا اس دن اللہ تعالیٰ کسی پر کچھ ظلم نہ کرے گا بلکہ ہر شخص کے عملوں کے موافق جزا و سزا کا فیصلہ کیا جائے گا یہاں مختصر طور پر فقط بُرے لوگوں کے اعمال نامہ کا ذکر ہے سورۃ الحاقہ میں آئے گا کہ اچھے لوگ اپنے اعمالنامہ کو خوش ہو کر پڑھیں گے اور اپنے رشتہ داروں اور جان پہچان کے لوگوں سے کہیں گے لو تم بھی ہمارا اعمالنامہ پڑھ کر دیکھو۔ صحیح مسلم میں ابوذرؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ایک شخص کو پہلے اس کے صغیرہ گناہوں کا نامۂ اعمال دکھایا جائے گا اور کبیرہ گناہ اس کے اعمال نامہ میں سے الگ کر دیئے جائیں گے جب وہ شخص ان چھوٹے گناہوں کا اقرار کرے گا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے اپنی رحمت سے تیرے ان چھوٹے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دیا یہ سُن کر وہ شخص کہے گا یا اللہ میں نے تو دُنیا میں اور بڑے بڑے گناہ بھی کئے تھے ان کے بدلہ کی نیکیاں کہاں ہیں۔ اس قصہ کو بیان کرتے وقت اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت ہنسی آیا کرتی تھی[1] صحیح بخاری و مسلم میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے جس میں اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حشر کے دن سب لوگ قبروں سے ننگے بدن ننگے پاؤں بغیر ختنہ کئے ہوئے اٹھیں گے[2] اس حدیث سے لقد جئتمونا کما خلقناکم اول مرۃ کا مطلب اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ماں کے پیٹ سے جس حالت میں بچہ پیدا ہوتا ہے اسی طرح ننگے بدن ننگے پاؤں بغیر ختنہ کئے ہوئے سب لوگ قبروں سے اٹھیں گے۔ صحیح مسلم کے حوالہ سے ابوذرؓ کی حدیث کئی جگہ گزر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ظلم اپنی ذات پاک پر حرام ٹھہرالیا ہے[3]۔ یہ حدیث ولا یظلم ربک احدا کی گویا تفسیر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ظلم اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات پاک پر حرام ٹھہرالیا ہے اس لیے قیامت کے دن جزا و سزا کا فیصلہ نہایت انصاف سے ہوگا۔ حاصل کلام یہ ہے کہ اوپر کی آیتوں میں کھیتی کی مثال سے دُنیا کی ناپائیداری کا حال بیان فرما کر ان آیتوں میں حشر اور قیامت کا ذکر فرمایا تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ دُنیا کے فنا ہو جانے کے بعد حشر اور قیامت کا قائم ہونا ضروری ہے کیونکہ بغیر نیک و بد کی جزا و سزا کے دُنیا کا پیدا کرنا بے فائدہ ٹھہرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی شان سے بہت بعید ہے۔

[1] مشکوٰۃ ص ۴۹۲ باب الحوض والشفاعۃ [2] الترغیب ص ۷۹۴ ج ۴ فصل فی الحشر [3] تفسیر ہذا ص ۳۴ ج ۳ -

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ كَانَ مِنَ الْجِنِّ

اور جب کہا ہم نے فرشتوں کو سجدہ کرو آدم کو تو سجدے میں گر پڑے مگر ابلیس تھا جن کی قسم سے

فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ؕ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ

سو نکل بھاگا اپنے رب کے حکم سے سو اب تم ٹھہراتے ہو اس کو اور اس کی اولاد کو رفیق میرے سوا ، اور وہ

لَكُمْ عَدُوٌّ ؕ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ﴿۵۰﴾ مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَ

تمہارے دشمن ہیں بُرا ہاتھ لگا بے انصافوں کے بدلا ، دکھا نہیں لیا میں نے ان کو بنانا آسمانوں اور

الْاَرْضِ وَلَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ ۪ وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا ﴿۵۱﴾ وَ

زمین کا اور نہ بنانا ان کا اور میں وہ نہیں کہ پکڑوں بہکانے والوں کو بازو اور

۵۰۔۵۳:۔ ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے تمام اولاد آدم علیہ السّلام کو ابلیس کی دشمنی پر آگاہ فرمایا کہ یہ تمہارا اور تمہارے باپ کا دشمن ہے جو لوگ ابلیس کے تابع اور خدا کے مخالف ہیں ان کو ڈرایا ہے کہ ہم نے انسان کو پیدا کیا اور پالا اور پھر وہ شیطان کا دوست اور ہمارا دشمن بن گیا ہم نے فرشتوں سے کہا تھا کہ آدم کو سجدہ کرو سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے سجدہ نہ کیا کیونکہ اصل اس کی اچھی نہ تھی آگ کے شعلہ سے اس کی پیدائش ہے اور فرشتوں کی اصل نور سے ہے جس طرح صحیح مسلم میں حضرت عائشہؓ سے آیا ہے کہ فرشتے نور سے پیدا کئے گئے ہیں اور شیطان آگ کے شعلہ سے[1] سلف میں سے جس جماعت نے یہ کہا ہے کہ فرشتوں کی طرح شیطان نوری جسم نہیں ہے اس لیے وہ فرشتہ نہیں ہے بلکہ وہ جنات کی طرح آتشی جسم کا ہے اس حدیث سے اُن کے قول کی بڑی تائید ہوتی ہے معتبر سند سے ترمذی نسائی صحیح ابن حبان صحیح ابن خزیمہ اور مستدرک حاکم میں حارث اشعری سے روایت ہے جس میں اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سوائے ذکر الٰہی کے شیطان کی دشمنی سے انسان نہیں بچ سکتا۔[2] جس طرح کا سجدہ فرشتوں نے اللہ کے حکم سے آدم علیہ السّلام کو کیا پہلی شریعتوں میں تو وہ سجدہ جائز تھا جیسا کہ سورۂ یوسف میں ذکر ہے کہ یوسف علیہ السّلام کے بھائیوں نے ان کو سجدہ کیا مگر اب شریعت محمدی میں سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کو سجدہ کرنا جائز نہیں ہے چنانچہ مسند امام احمد ابن ماجہ وغیرہ میں جو معتبر روایتیں ہیں ان میں اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی دُوسرے کو سجدہ کرنا جائز ہوتا تو میں بیبیوں کو اجازت دیتا کہ وہ اپنے خاوندوں کو سجدہ کیا کریں[3] افتتخذونہ وذریتہ سے ان علمائے سلف کے قول کی بڑی تائید ہوتی ہے جو شیطان اور شیاطین کی نسل اور اولاد کے قائل ہیں صحیح مسلم کے حوالہ سے عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے کہ ہر شخص کے ساتھ ایک فرشتہ اور ایک شیطان رہتا ہے فرشتہ نیک کاموں کی رغبت دلاتا رہتا ہے اور شیاطین بُرے کاموں کی[4] اس حدیث سے شیاطین کی نسل کی کثرت ثابت ہوتی ہے کیونکہ اس حدیث کے موافق جہاں بنی آدم میں کا کوئی شخص موجود ہے، وہاں نسلِ شیطان میں سے ایک شیطان موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو انسان کی ضرورت کی چیزوں کو پیدا کیا اسی واسطے فرمایا جن لوگوں نے اللہ کی فرمانبرداری کو چھوڑ کر اس کے معاوضہ میں شیطان کی فرمانبرداری اپنے ذمہ لی انہوں نے

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۸۸ ج ۳ [2] تفسیر ہذا ص ۳۶۹ ج ۳ [3] ابن ماجہ ص ۱۳۴ باب حق الزوج علی المرأۃ [4] مشکوٰۃ ص ۱۹ باب فی الوسوسۃ۔

يَوْمَ يَقُوْلُ نَادُوْا شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ

جس دن فرمائے گا پکارو میرے شریکوں کو جو تم بتاتے تھے پھر پکاریں گے پھر وُہ جواب نہ دیں گے

وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَّوْبِقًا ﴿۵۲﴾ وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا

اور کر دیں گے ہم ان کے بیچ مرنے کا اسباب اور دیکھیں گے گناہ گار آگ کو پھر اٹکلیں گے کہ ان کو پڑنا ہے اس میں

وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا ﴿۵۳﴾

اور نہ پاویں گے اس سے راہ بدلنی۔

بہت بُرا گناہ کیا۔ صحیح بخاری[1] کے حوالہ سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت کئی جگہ گزر چکی ہے کہ پہلے پہل قوم نوحؑ میں بت پرستی شیطان کے بہکانے سے شروع ہوئی پھر وہی رسم دُنیا میں پھیل گئی۔ بُت پرستی کو شیطان اور شیاطین کی رفاقت جو فرمایا اس کا مطلب اس حدیث سے اچھی طرح سمجھ میں آ سکتا ہے آگے فرمایا شیطان کے بہکانے سے جن بتوں کی یہ لوگ پوجا کرتے ہیں نہ اللہ تعالیٰ نے کسی چیز کے پیدا کرنے میں ان بتوں سے کچھ مدد لی نہ قیامت کے دن اپنی پوجا کرنے والوں کو وُہ کچھ مدد دیں گے بلکہ یہ پوجا کرنے والے مدد کے لیے جب ان بتوں کو پکاریں گے تو وُہ جواب تک بھی نہ دیں گے پھر ان لوگوں کی نادانی ہے جو یہ ایسے عاجزوں کی پوجا کرتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے صحیح قول کے موافق وجعلنا بینھم موبقا کی تفسیر یہ ہے کہ شیاطین اور ان کے رفیق بُت پرست اپنے اپنے عذاب کی ہلاکت میں ایسے پھنس جائیں گے کہ ایک کو دُوسرے کے حال کی خبر نہ رہے گی۔ شاہ صاحبؒ نے ہلاکت کے اسباب کے لفظوں سے ترجمہ میں یہی مطلب ادا کیا ہے اور فائدہ میں موبقا کا مطلب آگ کی بھری خندق جو بتلایا ہے یہ قول مجاہد کا ہے مطلب دونوں قولوں کا ایک ہی ہے کہ ان دونوں میں ایک کو دُوسرے کے حال سے ایسی بے خبری ہوگی جیسے ان میں کوئی چیز حائل ہے پھر فرمایا قیامت کے دن جب یہ نافرمان دوزخ کو دیکھیں گے اور یہ جان لیں گے کہ اس میں ان کو رہنا پڑے گا تو بہت گھبرائیں گے لیکن اس بے وقت کے گھبرانے سے کچھ فائدہ نہ ہوگا کیونکہ اس آگ سے بچ کر یہ کہیں جا نہ سکیں گے۔ دوزخ کو دیکھ کر یہ نافرمان لوگ دُنیا میں دوبارہ آنے اور احکامِ الٰہی کے جھٹلانے سے پچھتانے کی گھبرائی ہوئی باتیں جو کریں گے اس کا ذکر سورۃ الانعام میں گزر چکا ہے سُورۃ الانعام کی وُہ آیتیں گویا آخری آیت کی تفسیر ہیں۔ مسند امام احمد کے حوالہ سے حضرت عائشہؓ کی صحیح حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے[2] کہ قبر میں رکھنے کے ساتھ ہی اچھے لوگوں کو جنت کا اور بُرے لوگوں کو دوزخ کا ٹھکانہ دکھا کر فرشتے یہ کہہ دیتے ہیں کہ اس ٹھکانہ میں رہنے کے لیے تم کو حشر کے دن دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔ یہ حدیث فظنوا انھم مواقعوھا کی گویا تفسیر ہے جس کا حاصل مطلب یہ ہے کہ پہلے سے فرشتوں نے ان کا دوزخ کا ٹھکانہ جو انہیں دکھا دیا تھا اس لیے دوزخ کو دیکھتے ہی یہ لوگ جان لیں گے کہ اب اس میں ان کو رہنا پڑے گا۔

۵۴:۔ اوپر کی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے باغ والے شخص کی مثال بیان فرمائی جو خدا کو بھول کر اپنے مال متاع پر مغرور ہو گیا تھا آخر ایک دم میں اس کا باغ جل گیا پھر دنیا کی زیست کی مثال بیان فرمائی کہ جس طرح پیڑوں کا حال ہے کہ زمین میں بیج پڑ کر تلے اور

[1] ص ۷۳۲، ج ۲ [2] الترغیب والترہیب کتاب الجنائز فصل فی عذاب القبر۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِي هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ

اور پھیر پھیر سمجھائی ہم نے اس قرآن میں لوگوں کو ہر ایک کہاوت اور ہے انسان سب چیز

اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا ﴿۵۴﴾

سے زیادہ جھگڑنے کو ۔

اس میں قدرت الٰہی کے طرح طرح کے تصرفات ہو کر وہ پھوٹتا ہے اور پورا ہو جاتا ہے اور روز بروز پودے کو شادابی ہوتی جاتی ہے لیکن اس شادابی کو ہمیشگی نہیں کھیتی کا پیڑ ہے تو تھوڑے دنوں میں وہ کھیتی پک کر کٹ جاتی ہے اور باغ کا پیڑ ہے تو آخر وہ بھی ایک دن سوکھ کر لکڑی ہو جاتا ہے جلنے کے کام میں مکانات بنانے کے کام میں تخت چوکی بنانے کے کام میں اور لکڑی کی چیزوں کے کام میں ہر روز جو لکڑیاں صرف ہوتی ہیں ایک دن یہ سب شاداب پودے تھے ہرے پیڑ تھے آدمی کی پیدائش کا اور زیست کا بھی یہی حال ہے ایک دن ماں کے پیٹ میں نطفہ کا بیج پڑتا ہے قدرت الٰہی کے اس میں طرح طرح کے تصرفات ہو کر پھر بچہ پیدا ہوتا ہے اور پیڑ کے پودا کی طرح دن بدن وہ بچہ بڑھتا جاتا ہے پھر کھیتی کے پیڑ کی طرح کوئی بچہ تھوڑے دنوں میں مر کر نیست و نابود ہو جاتا ہے کوئی باغ کے پیڑ کی طرح کچھ دنوں رہتا ہے پھر فرمایا کہ اس تھوڑے دنوں کی زیست میں جس کسی نے کچھ نیک کام کر لیے تو اچھا ہے نہیں تو سوکھی لکڑی کی طرح ایک دن دوزخ کی آگ ہے اور وہ ہے پھر شیطان کا حال فرمایا کہ وہ تو نافرمانی کر کے مردود بن چکا ہے جو اس کا کہنا مانے گا وہ اسی جیسا ہو جائے گا یہ سب مثالیں فرما کر اس آیت میں فرمایا کہ ہم تو طرح طرح کی مثالیں دے کر انسان کو سمجھا چکے مگر انسان اپنے جھگڑالوپنے سے باز نہیں آتا کبھی اللہ کے کلام کو پچھلے لوگوں کی کہانیاں بتلاتا ہے کبھی اللہ کے رسول کو جادوگر کہتا ہے ایسی باتوں سے ہر شخص اپنے حق میں کانٹے بوتا ہے آخر کو خراب ہو گا پچھلی امتوں کی طرح کوئی عذاب آن کر سب ہلاک ہو جائیں گے اور آخرت کا مواخذہ جدا باقی رہے گا پھر آگے فرمایا کہ ہم رسولوں کو نجات کی خوشخبری اور عذاب کا ڈر سنانے کو زمین پر بھیجتے ہیں اگر لوگ وہ ڈر کی باتیں سن کر نہ ڈرے اور کافروں نے اپنے کفر سے اور گناہ گاروں نے اپنے گناہوں سے توبہ نہ کی اور نافرمانی کی حد کو پہنچ کر کوئی عذاب اللہ کا آگیا تو پھر پچھتانے سے کچھ نہ ہو گا حاصل کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے اپنا کلام پاک نازل فرما کر اسی کلام پاک کے ذریعہ سے اور اپنے رسولوں کے دل میں الہام ڈال کر رسول کی حدیث کے ذریعہ سے جو سمجھانے کا حق تھا وہ سب کچھ سمجھا دیا ہے ہم کو اپنی حالت پر غور کر کے دیکھنا چاہیے کہ اس فہمائش کا ہمارے دل پر کس قدر اور کہاں تک اثر پیدا ہوا ہے اس اثر کی ایک نشانی اللہ کے پیغمبر نے بتلائی ہے آدمی کو چاہیے کہ اس نشانی کے پتے سے اپنے دل کا حال کبھی کبھی ٹٹولا کرے وہ نشانی یہ ہے کہ معتبر سند سے صحیح ابن حبان اور مسند امام احمد بن حنبل میں حضرت ابی امامہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ حضرت آدمی اپنے آپ کو کب خیال کرے کہ میں ایماندار ہوں آپ نے فرمایا کہ جب نیک کام کرنے سے تیرے دل میں ایک طرح کی خوشی اور بد کام کرنے سے ایک طرح کی ندامت پیدا ہو تو جان لیجیو کہ تیرے دل میں ایمان کا اثر ہے اور اس نشانی کے قریب وہ نشانی ہے جو صحیحین میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت[1] سے آئی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جس شخص میں

[1] مشکوٰۃ ص ۱۶ کتاب الایمان۔

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَاۗءَهُمُ الْهُدٰى وَيَسْتَغْفِرُوْا رَبَّهُمْ اِلَّآ اَنْ

اور لوگوں کو اٹکاؤ جو رہا اس سے کہ یقین لاویں جب پہنچی ان کو راہ کی سوجھ اور گناہ بخشوا دیں اپنے رب سے سو

تَاْتِيَهُمْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا ﴿۵۵﴾ وَمَا نُرْسِلُ

یہی کہ پہنچے ان پر رسم پہلوں کی یا آکھڑا ہُوا ان پر عذاب سامنے۔ اور ہم جو رسول

الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ وَيُجَادِلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ

بھیجتے ہیں سو خوشی اور ڈر سنانے کو اور جھگڑے لاتے ہیں منکر جھوٹے جھگڑے

لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَمَآ اُنْذِرُوْا هُزُوًا ﴿۵۶﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ

کہ ڈگا دیں اس سے سچی بات اور ٹھہرایا ہے میرے کلام کو اور جو ڈر سنائے ٹھٹھا۔ اور کون ظالم

نورِ ایمانی ہوتا ہے اس سے اگر کوئی گناہ ہو جائے تو وُہ اپنے آپ کو ایک گر پڑنے والے پہاڑ کے نیچے کھڑا ہُوا سمجھتا ہے اور ہر وقت ڈرتا رہتا ہے کہ خدا جانے کس وقت یہ پہاڑ میرے اوپر لوٹ پڑے اور جو شخص گناہوں کی بالکل خو پکڑ لیتا ہے اس کو گناہ کرنا ایسا ہے جس طرح ناک پر ایک مکھی بیٹھ گئی۔

۵۵۔۵۹۔ اوپر کی آیت میں ذکر تھا کہ قرآن کی آیتوں میں طرح طرح کی مثالیں دے کر ان مشرکین مکّہ کو سمجھایا جاتا ہے مگر یہ لوگ اپنے جھوٹے جھگڑوں سے باز نہیں آتے کبھی کہتے ہیں اللہ کا رسُول انسان نہیں ہو سکتا کوئی فرشتہ ہونا چاہیئے کبھی کہتے ہیں اگر تم اللہ کے رسُول ہو تو مکّہ کے گرد و نواح کے پہاڑ ہٹا کر ان کی جگہ کھیتی کی زمین نکال دو ان آیتوں میں فرمایا کہ ان لوگوں کے قرآن کی نصیحت نہ ماننے اور شرک سے باز نہ آنے کا یہی سبب ہے کہ اللہ کے علمِ غیب کے موافق ان میں سے کچھ لوگوں پر پچھلی امتوں کی طرح دُنیا کا کچھ عذاب وقت مقررہ سے پہلے ان میں کے جو لوگ شرک کی حالت پر مر جائیں گے ان کے سر پر آخرت کا عذاب ناگہاں آن کھڑا ہو گا پھر فرمایا اللہ نے رسُول اس لیے بھیجے ہیں کہ وُہ نافرمان لوگوں کو آخرت کے عذاب سے ڈرا دیں اور فرمانبردار لوگوں کو عقبیٰ کی بہبودی کی خوشی سنائیں۔ اللہ کے رسُول اس واسطے نہیں بھیجے گئے کہ ان سے اصحابِ کہف یا ذوالقرنین کے قصے پوچھے جائیں یا مکّہ کے گرد و نواح کے پہاڑوں کو ہٹا دینے یا صفا و مروہ کے سونا ہو جانے کی خواہش پیش کی جاوے یا قرآن کے احکام کو ہنسی میں اڑا دیا جائے ایسی باتوں سے مطلب ان لوگوں کا یہ ہے کہ یہ لوگ ایسے جھُوٹے جھگڑوں سے قرآن کی نصیحت کا اثر اوروں کے دلوں پر بھی جمنا نہیں چاہتے لیکن ان کے چاہنے سے کچھ نہیں ہو سکتا جو اللہ چاہے گا وُہ ہو گا اور اللہ کے ارادہ کے موافق جو کچھ ہو گا وُہ ان لوگوں کی آنکھوں کے سامنے آجائے گا۔ سُورہ حشر میں آئے گا کہ مشرکین مکّہ تو اپنے ان جھُوٹے جھگڑوں سے یہ چاہتے ہی رہے کہ قرآن کی نصیحت کا اثر لوگوں کے دلوں پر جمنے نہ پائے مگر اللہ تعالیٰ کے ارادہ کے موافق قبیلہ خزرج کے کچھ لوگ اسلام سے پہلے کی رسم کے موافق مدینہ سے مکّہ میں حج کو آئے اور قرآن کی آیتیں سُن کر قرآن کی نصیحت کا اثر ان کے دل میں اچھی طرح جم گیا اور منیٰ کی پہاڑ کی گھاٹی میں انہوں نے اسلام کی بیعت کی جس بیعت میں اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہ شخص نقیب اسلام پھیلانے والے اس قبیلہ

مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ ؕ اِنَّا

اس سے جس کو سمجھایا اس کے رب کے کلام سے پھر منہ پھیرا اس کی طرف سے اور بھول گیا جو آگے بھیج چکے ہیں اس کے ہاتھ ہم نے

جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَاِنْ تَدْعُهُمْ

رکھی ہے ان کے دلوں پر اوٹ کہ اس کو نہ سمجھیں اور ان کے کانوں میں ہیں بوجھ اور جو تو ان کو بلاوے

اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ يَّهْتَدُوْٓا اِذًا اَبَدًا ۝۵۷ وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ ؕ

راہ پر تو ہرگز نہ آویں راہ پر اس وقت کبھی۔ اور تیرا رب بڑا بخشنے والا ہے مہر رکھتا۔

لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوْا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ ؕ بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ لَّنْ يَّجِدُوْا

اگر ان کو پکڑے ان کے کئے پر تو جلد ڈالے ان پر عذاب پر ان کا ایک وعدہ ہے کہیں نہ پاویں گے

میں سے مقرر کئے اور اس بیعت کے بعد اہل مدینہ کا نام انصار قرار پایا جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ اسلام کے مددگار ہیں۔ صحیح بخاری وغیرہ میں عبادہؓ بن صامت سے جو روایتیں ہیں ان میں یہ بیعت کا قصہ تفصیل[۱] سے ہے حاصل کلام یہ ہے کہ ان آیتوں میں قریش کے جھوٹے جھگڑوں کا اور ان جھگڑوں سے قرآن کی نصیحت کا اثر لوگوں کے دل پر نہ جمنے دینے کا ذکر مختصر طور پر ہے اس بیعت کے قصے سے اس کی تفسیر اچھی طرح سمجھ میں آسکتی ہے جس کا حاصل وہی ہے جو اوپر بیان کیا گیا کہ یہ اہل مکہ اپنے جھوٹے جھگڑوں سے جو کچھ چاہتے ہیں وہ ہرگز نہ ہوگا بلکہ اللہ جو چاہے گا وہی ہوگا اور اللہ تعالیٰ کے ارادہ کے موافق جو کچھ ہوگا وہ ان اہل مکہ کی آنکھوں کے سامنے آجائے گا کہ قرآن کی نصیحت انصار کے دل پر ایسی جم جائے گی کہ ان انصار کی مدد سے آخر کو مکہ فتح ہو جائے گا اور مشرکین مکہ کی یہاں تک ذلت ہوگی کہ اللہ کے رسول ان مشرکوں کے جھوٹے معبودوں کو اپنے ہاتھ کی لکڑی سے مار مار کر زمین پر گرا دیں گے اور کسی مشرک کو اتنی جرأت نہ ہوگی کہ وہ اپنے جھوٹے معبودوں کی کچھ حمایت کر سکے۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے عبداللہ بن مسعودؓ کی اور صحیح مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی وہ حدیث کئی جگہ گزر چکی[۲] ہے جس میں بتوں کو زمین پر گرا دینے کا قصہ ہے اسی طرح صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے انس بن مالکؓ کی وہ حدیث بھی کئی جگہ گزر چکی[۳] ہے جس میں بدر کی لڑائی کے وقت ان مشرکین میں کے بڑے بڑے سرکش سرداروں کے نہایت ذلت سے مارے جانے اور مرتے ہی عذاب آخرت میں گرفتار ہو جانے کا قصہ ہے ان آیتوں میں دنیا اور آخرت کے عذاب کا جو جو وعدہ ہے اس کا ظہور اوپر کی روایتوں سے اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے پھر فرمایا قرآن کی نصیحت کا تو وہ اثر ہے کہ قبیلہ خزرج کے لوگ چند روز کے لیے مکہ میں آئے اور قرآن کی نصیحت کا اثر ان کے دل پر ہو گیا اس صورت میں ان مکہ کے مشرکوں سے بڑھ کر اپنی جان پر ظلم کرنے والا دنیا میں کون ہو سکتا ہے تیرہ برس تک ان کو قرآن کی آیتوں سے طرح طرح کی نصیحت کی گئی مگر ان لوگوں نے اس نصیحت کی طرف کچھ رُخ نہیں کیا اور اپنی سرکشی پر اڑے رہے پھر فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کے علم غیب میں گمراہ ٹھہر چکے ہیں اس لیے قرآن کی نصیحت کے سمجھنے سے ان کے دلوں پر پردہ پڑا ہوا ہے اور اس کے سننے سے ان کے کان

[۱] مشکوٰۃ ص ۱۲ کتاب الایمان [۲] صحیح بخاری ص ۱۴-۶۱۴ ج ۲ باب این رکز النبی صلی اللہ علیہ وسلم الخ [۳] تفسیر ہذا ص ۲۳ ج ۳۔

مِنْ دُوْنِهٖ مَوْىِٕلًا ﴿۵۸﴾ وَ تِلْكَ الْقُرٰۤى اَهْلَكْنٰهُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا وَ جَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ

اس سے ورے سرکنے کو جگہ اور یہ سب بستیاں ہیں جن کو ہم نے کھپا دیا جب ظالم ہو گئے اور کیا تھا ان کے کھپنے کو

مَّوْعِدًا ﴿۵۹﴾ وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ لَاۤ اَبْرَحُ حَتّٰۤى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَیْنِ

ایک وعدہ۔ اور جب کہا موسیٰؑ نے اپنے جوان کو میں نہ ہٹوں گا جب تک نہ پہنچوں دو دریا کے ملاپ تک یا

اَوْ اَمْضِیَ حُقُبًا ﴿۶۰﴾ فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَیْنِهِمَا نَسِیَا حُوْتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِیْلَهٗ

چلا جاؤں قرنوں پھر جب پہنچے دونوں دریا کے ملاپ تک بھول گئے اپنی مچھلی پھر اس نے اپنی راہ کر لی

فِی الْبَحْرِ سَرَبًا ﴿۶۱﴾ فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰىهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا٘ لَقَدْ لَقِیْنَا مِنْ

دریا میں سرنگ بنا کر۔ پھر جب آگے چلے کہا موسیٰ نے اپنے جوان کو لا ہمارے پاس ہمارا کھانا ہم نے پائی اپنی

بہرے ہیں جس کے سبب سے اے رسول اللہ کے قرآن کی تیرہ برس کی نصیحت نے ان کو کچھ فائدہ نہیں پہنچایا اور نہ آگے ایسے لوگوں کو قرآن کی نصیحت سے کچھ فائدہ پہنچ سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے پہلے ایسے لوگوں کو مہلت دیتا ہے عذاب کے بھیجنے میں جلدی نہیں کرتا پھر جب مہلت کے زمانہ میں وہ لوگ اپنی سرکشی سے باز نہیں آتے تو ان کو کسی عذاب میں پکڑ لیتا ہے چنانچہ جس طرح پچھلی امتیں طرح طرح کے عذابوں سے ہلاک ہوئی ہیں ان سب کے عذاب میں یہی عادتِ الٰہی جاری رہی ہے۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوموسیٰ اشعریؓ کی حدیث کئی جگہ گزر چکی ہے[1] کہ نافرمان لوگوں کو اللہ تعالیٰ پہلے مہلت دیتا ہے اس مہلت کے زمانہ میں اگر وہ لوگ اپنی نافرمانی سے باز نہیں آتے تو پھر کسی طرح کے عذاب سے ان کو بالکل ہلاک کر دیتا ہے عادتِ الٰہی جو اوپر بیان کی گئی ہے یہ حدیث گویا اس کی تفسیر ہے صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے حضرت علیؓ کی حدیث بھی گزر چکی ہے[2] کہ دنیا کے پیدا ہونے سے پہلے اپنے علم غیب کے نتیجہ کے طور پر اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں یہ لکھ لیا ہے کہ دنیا میں پیدا ہونے کے بعد کون شخص جنت میں جانے کے قابل کام کرے گا اور کون شخص دوزخ میں جھونکے جانے کے قابل اب جس قابل جو شخص پیدا ہوا ہے ویسے کام اس کو اچھے اور آسان معلوم ہوتے ہیں۔ آیتوں میں جن لوگوں کا یہ حال بیان کیا گیا کہ قرآن کی نصیحت کے سمجھنے سے ان کے دل پر پردہ پڑا ہوا ہے اور اس کے سننے سے ان کے کان بہرے ہیں یہ حدیث ان کے حال کی گویا تفسیر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ لوگ اللہ کے علم میں دوزخی ٹھہر چکے ہیں اس لیے ان کے کام بھی ویسے ہی ہیں۔

۶۰-۶۶: ان آیتوں میں مختصر طور پر قصہ شروع فرمایا ہے صحیح بخاری و مسلم میں ابی بن کعبؓ کے حوالہ سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی جو روایت ہے[3] اس میں اس قصہ کا شروع بیان کیا گیا ہے کہ بنی اسرائیل میں سے ایک شخص نے موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا کہ اس زمانہ میں اے موسیٰ بڑا صاحب علم کون ہے موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ میں ہوں اللہ تعالیٰ کو موسیٰ علیہ السلام کا یہ جواب پسند نہیں آیا کیونکہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے جواب کو اللہ تعالیٰ کے علم پر نہیں سونپا اس واسطے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو خضر علیہ السلام سے ملنے کا حکم دیا اس حکم کے موافق موسیٰ علیہ السلام نے اپنے خاص رفیق یوشع بن نون کو ساتھ لیکر خضر علیہ السلام کے ملنے کی غرض سے سفر کا ارادہ کیا۔ اب آگے وہی قصہ ہے جو ان آیتوں میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے

[1] مثلاً تفسیر ہذا ص ۵۳ ج ۲ [2] تفسیر ہذا ص ۹۰ ج ۳ [3] صحیح بخاری ص ۶۸۷ ج ۲ کتاب التفسیر۔

سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا ﴿۶۲﴾ قَالَ اَرَءَيْتَ اِذْ اَوَيْنَآ اِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّيْ نَسِيْتُ

اس سفر میں تکلیف ۔ بولا وہ دیکھا تو نے جب ہم نے جگہ پکڑی اس پتھر پاس سو میں بھول گیا

الْحُوْتَ وَمَآ اَنْسٰنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ وَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ عَجَبًا ﴿۶۳﴾

مچھلی اور یہ مجھ کو بھلایا شیطان ہی نے کہ اس کا مذکور کروں اور وہ کر گئی اپنی راہ دریا میں عجب طرح

قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ فَارْتَدَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ﴿۶۴﴾ فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ

کہا یہی ہے جو ہم چاہتے تھے ۔ پھر آئے اپنے پیر پہچانتے ۔ پھر پایا ایک بندہ ہمارے

عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ﴿۶۵﴾ قَالَ لَهٗ مُوْسٰى

بندوں میں کا جس کو دی تھی ہم نے مہر اپنے پاس سے اور سکھایا تھا اپنے پاس سے ایک علم کہا اس کو موسیٰ نے

هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ﴿۶۶﴾

کہے تو تیرے ساتھ رہوں اس پر کہ مجھ کو سکھا دے کچھ جو تجھ کو سکھائی گئی ہے بھلی راہ ۔

یوشع بن نون سے کہا کہ اس سفر میں خواہ کتنی ہی مدت لگ جائے لیکن جب تک میں دو دریاؤں کے ملنے کی جگہ تک نہ پہنچ جاؤں گا تو اس وقت تک اس سفر کا سلسلہ منقطع نہ کروں گا۔ اوپر کی حدیث میں یہ بھی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو خضر علیہ السلام سے ملنے کا حکم دیا تو موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا یا اللہ! مجھ کو خضر علیہ السلام کہاں ملیں گے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ دو دریاؤں کے ملنے کی جگہ ملیں گے۔ آیتوں میں یہ جو ذکر ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے دو دریاؤں کے ملنے کی جگہ تک کے سفر کا ارادہ یوشع بن نون سے ظاہر کیا حدیث کا یہ ٹکڑا آیتوں کے اس ٹکڑے کی گویا تفسیر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ دو دریاؤں کے ملنے کی جگہ تک کا سفر موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے قرار دیا تھا۔ تفسیر عبدالرزاق میں قتادہ کا قول ہے کہ وہ دریائے فارس اور دریائے روم کے ملنے کی جگہ تھی۔ حضرت عبداللہ بن عباس کی اوپر کی روایت میں یہ بھی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے یہ عرض کیا کہ یا اللہ دونوں دریاؤں کے ملنے کی جگہ کی کوئی نشانی مجھ کو معلوم ہو جائے اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمادیا تھا کہ مری ہوئی ایک مچھلی تم اپنے ساتھ رکھو جہاں وہ مچھلی جاتی رہے دونوں دریاؤں کے ملنے کی جگہ وہیں ہے آیتوں میں یہ جو ذکر ہے کہ وہ مچھلی دریا میں سرنگ بنا کر چلی گئی اور موسیٰ علیہ السلام نے جب یوشع بن نون سے مچھلی کا یہ حال سنا تو کہا ہم تو اس جگہ کی تلاش میں تھے۔ حدیث کا یہ ٹکڑا گویا اس کی تفسیر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مچھلی کا جاتا رہنا مجمع البحرین کی نشانی تھی جو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو بتلائی تھی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت میں یہ بھی ہے کہ مجمع البحرین تک پہنچنے میں موسیٰ علیہ السلام کو کچھ تکان نہیں ہوئی تھی اللہ تعالیٰ نے اس سفر کی جو حد ٹھہرائی اس سے بڑھنے کے بعد تکان کا غلبہ شروع ہو گیا تاکہ تکان میں ناشتہ یاد آوے اور ناشتہ کے ذکر میں مچھلی کے کھوئے جانے کا حال سن کر موسیٰ علیہ السلام الٹے پھریں۔ اب آگے جو فرمایا اس کا حاصل یہ ہے کہ یوشع بن نون سے مچھلی کا حال سن کر موسیٰ علیہ السلام الٹے پھرے اور خضر علیہ السلام سے ملاقات کے وقت انہوں نے یہ خواہش کی کہ میں تمہارے ساتھ چند روز اس

قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِىَ صَبْرًا ﴿٦٧﴾ وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا ﴿٦٨﴾

بولا تو نہ سکے گا میرے ساتھ ٹھہرنا۔ اور کیوں کر ٹھہرے دیکھ کر ایک چیز جو تیرے قابو میں نہیں اس کی سمجھ

ارادہ سے رہنا چاہتا ہوں کہ جو علم اللہ تعالیٰ نے تم کو دیا ہے اس میں سے تم کچھ مجھ کو بھی سکھا دو۔

۶۷، ۶۸۔ اوپر کی آیتوں کی تفسیر میں صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی حدیث جو گزری اس حدیث میں اس آیت کی تفسیر یوں ہے کہ جب حضرت موسیٰ اور حضرت خضر کی ملاقات ہوئی اور حضرت موسیٰؑ نے حضرت خضرؑ سے کہا کہ میں تمہارے پاس اس لیے آیا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے جو علم تم کو دیا ہے میں بھی اس میں سے کچھ سیکھوں اس وقت حضرت خضر نے یہ بات حضرت موسیٰؑ سے کہی کہ تم کو جو اللہ نے علم دیا ہے وہ میں نہیں جانتا اور مجھ کو جو علم دیا گیا ہے اس کی مصلحت تم کو معلوم نہیں ہے اس واسطے تم میرے ساتھ رہ کر جو باتیں میں کروں گا۔ ان پر صبر نہ کر سکو گے کیونکہ ان باتوں کی پوری مصلحت تم کو معلوم نہیں ہے اس سے بعضے علمائے صوفی مزاج نے یہ بات نکالی ہے کہ جس طرح حضرت خضر علیہ السلام کو کشتی کے توڑ ڈالنے اور لڑکے کے مار ڈالنے کا الہام ہوا اور باوجود اس کے کہ وہ الہام ظاہر شریعت موسوی کے برخلاف تھا مگر حضرت خضر نے اپنے الہام کے موافق عمل کیا اسی طرح اس امت میں بھی اگر بعضے اولیاء اللہ ایسے ہوں جن کو کچھ الہام ایسا ہو جو ظاہر شریعت محمدیؐ کے موافق نہ ہو تو بلحاظ شریعت ان اولیاء اللہ کے الہام پر کوئی اعتراض نہیں کیا جا سکتا علمائے شریعت نے اس بات کا جواب یہ دیا ہے[1] کہ اور انبیاء کی شریعت پر قیاس کر کے شریعت محمدیؐ کے زمانہ میں کسی ولی کا ایسا الہام جو ظاہر شریعت محمدی کے خلاف ہو ہرگز مقبول نہیں ہو سکتا کس واسطے کہ اور انبیاء خاص ایک قوم کی ہدایت کے واسطے آیا کرتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ایسی عام ہے کہ اولیاء تو درکنار آپ کے زمانہ میں حضرت نوحؑ سے لے کر حضرت عیسیٰؑ تک جتنے نبی صاحب شریعت ہیں اگر وہ زندہ اور موجود ہوتے تو سوا آپ کی پیروی کے دوسرا کوئی طریقہ اختیار نہیں کر سکتے تھے چنانچہ سورہ آل عمران میں جہاں خدا تعالیٰ کا انبیاء سے عہد لینے کا ذکر ہے وہاں حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی صحیح بخاری وغیرہ کی روایت سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ ہر نبی سے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کا عہد لیا ہے اسی واسطے صحیح حدیث میں آپ نے فرمایا ہے اگر میرے زمانہ میں حضرت موسیٰ زندہ ہوتے تو ضرور میری پیروی کرتے یہ حدیث صحیح سند سے مسند امام احمد اور صحیح ابن حبان میں جابر بن عبداللہؓ کی روایت سے اور مسند امام احمد اور ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت سے آئی ہے غرض اولیاء اللہ کے الہام میں صحیح مذہب وہی ہے جو مشائخ صوفیہ کرام مثلاً فضیل بن عیاض ابراہیم بن ادہم ابو سلیمان درانی معروف کرخی جنید بغدادی کے حوالہ سے سورہ یونس میں گزر چکا ہے کہ ولی کا جو الہام شریعت کے موافق ہے وہ مقبول ہے نہیں تو نہیں اور صحیح روایتوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جنات کی ہدایت کے لیے بھی مامور ہونا نصیبین کے جنات کا آپ پر اسلام لانا اور آپ کا سورۃ الرحمٰن ان کو پڑھ کر سنانا اور ہڈی اور لید سے آدمیوں کو استنجا کرنے سے آپ کا منع کرنا اور یہ فرمانا کہ یہ دونوں چیزیں تمہارے مسلمان بھائی جنات کی خوراک ہے یہ سب کچھ اس تفسیر میں بیان کر دیا گیا ہے اس واسطے انسان تو کیا جنات میں بھی کوئی ولی ایسا نہیں قرار دیا جا سکتا جس کو خلاف شریعت محمدی

[1] اس پر مفصل بحث کے لئے دیکھئے حاشیہ تفسیر ہذا جلد اول ص ۲۴۸ (ع، ح)

قَالَ سَتَجِدُنِيٓ إِن شَآءَ ٱللَّهُ صَابِرًا وَلَآ أَعۡصِي لَكَ أَمۡرًا ﴿٦٩﴾ قَالَ فَإِنِ ٱتَّبَعۡتَنِي

کہا تو پاوے گا اگر اللہ نے چاہا مجھ کو ٹھہرنے والا اور نہ ٹالوں گا تیرا کوئی حکم بولا پھر اگر میرے ساتھ رہتا ہے

الہام ہوا اور وُہ الہام مقبول ہو سکے اس بات میں کہ حضرت خضر علیہ السلام کس زمانے میں پیدا ہوئے اور اب زندہ ہیں یا نہیں اور وُہ نبی تھے یا ولی علماء کا اختلاف ہے صحیح قول یہ ہے کہ ان کی پیدائش کا زمانہ حضرت ابراہیمؑ سے پہلے ہے اور وُہ حضرت ابراہیمؑ کے دادا کے چچا کے بیٹے ہیں صحیح مسلم کی جابرؓ بن عبداللہ کی اس حدیث کے موافق جو آنحضرتؐ نے اپنی آخری عمر میں فرمائی ہے کہ سو برس کے بعد جتنے جاندار روئے زمین پر آج موجود ہیں ان میں سے کوئی باقی نہ رہے[1] گا امام بخاریؒ ابن العربیؒ اور کچھ اور علماء اس بات کے قائل ہیں کہ خضر علیہ السلام اب زندہ نہیں ہیں لیکن علماء کی بڑی جماعت اسی طرف ہے کہ حضرت خضر زندہ ہیں اور آنحضرتؐ کی حدیث کے فرمانے کے وقت وُہ دریا میں تھے اس لیے جس طرح ابلیس پر اس حدیث کا مطلب صادق نہیں آتا اسی طرح ان پر بھی نہیں آتا اور اکثر علماء کے نزدیک وُہ بھی نبی ہیں لیکن رسُول صاحب شریعت نہیں ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور کسی صحابی سے اُن کا ملاقات کرنا سند صحیح سے ثابت نہیں ہوتا ہاں خلیفہ عمر بن عبدالعزیز سے ان کا خلافت سے پہلے آن کر ملنا اور خلافت کی خوشخبری دینا تاریخ ابی عروبہ وغیرہ میں سند صحیح سے ثابت ہے[2] ابن عساکر نے صحیح سند سے روایت کی ہے جس میں ابو زرعہ کہتے ہیں کہ جب میں جوان تھا تو میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ انہوں نے مجھ کو امیر لوگوں کی صحبت سے اور امیروں کے دروازہ پر جانے سے منع کیا جب میں بڈھا ہو گیا تو اس شخص کو اسی صُورت میں پھر میں نے دیکھا اور اسی شخص نے پھر مجھ کو وہی نصیحت کی جو پہلی کی تھی جب میں نے اس شخص سے بات کرنی چاہی تو وُہ شخص غائب ہو گیا میرا جی گواہی دیتا ہے کہ وُہ خضر تھے[3] مگر یہ ابو زرعہ کے دل کی فقط ایک گواہی ہے کوئی روایت نہیں ہے تاریخ طبری وغیرہ میں ہے کہ حضرت خضرؑ نے ذوالقرنین کے ساتھ سفر کیا ہے ان کو چشمہ حیات کا پانی خدا نے دکھلا دیا اور انہوں نے وُہ پانی پی لیا ذوالقرنین اسی پانی سے محروم رہ گیا اس لیے حضرت خضرؑ اس وقت تک زندہ رہیں گے جب تک قرآن شریف دُنیا سے اٹھے گا مستدرک حاکم اور تفسیر ابن ابی حاتم کے حوالہ سے عبداللہ بن مسعودؓ کی صحیح روایت سورۂ بنی اسرائیل میں گزر چکی[5] ہے کہ قیامت کے قریب قرآن شریف دُنیا پر سے اٹھ جائے گا حافظ ابن حجرؒ نے اپنی کتاب الاصابہ فی معرفۃ الصحابہ میں خضر علیہ السلام کی قیامت کے قریب تک زندہ رہنے کی روایتیں[6] جو جمع کی ہیں ان میں اکثر روایتیں ضعیف[7] ہیں

[1] مشکوٰۃ ۴۸۰ باب قرب الساعۃ الخ [2] حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری (ص ۲۵۴ ج ۲) میں اس کہانی کو قدرے ثابت مانا ہے لیکن حافظ ابن کثیر اور حافظ ابن جوزی وغیرہ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی سند کسی کام کی نہیں (البدایہ والنہایہ ص ۳۳۴ جلد اول) اور دل لگتی بات بھی یہی ہے (ع ۔ ح) [3] فتح الباری ص ۲۵۴ ج ۲ لیکن ایسی خیالی کہانیوں کی حیثیت کیا ہے؟ (ع ۔ ح) [4] مگر یہ کہانی بھی اسرائیلی افسانہ ہی ہے [5] جلد ہذا ص ۶۵ دیکھئے [6] ملاحظہ ہو الاصابہ ص ۱۱۵ ۔ ۱۲۷ ج ۲ ۔ نیز ان کا مستقل رسالہ الزھر النضر فی نبأ الخضر (مجموعۃ الرسائل المنیریہ ص ۱۹۵ ۔ ۲۳۴) جس میں ان کا اپنا رجحان امام بخاریؒ کے مسلک کی طرف ہے ۔ [7] بلکہ ان میں کوئی بھی کام کی نہیں دیکھئے البدایہ ص ۲۹۹ ، ۳۲۵ تا ۳۳۷ ج ۱ میں اس پر تفصیل بحث ہے ، لہٰذا صحیح حضرت خضرؑ کی عدمِ حیات کا مسلک ہے جیسا کہ فتح البیان میں فرمایا ص ۴۸۸ ج ۲ (محمد عطاء اللہ حنیف)

ع ۹ / ۱۱ / ۲۱

فَلَا تَسْـَٔلْنِیْ عَنْ شَیْءٍ حَتّٰۤی اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ﴿۷۰﴾ فَانْطَلَقَا حَتّٰۤی

تو مت پوچھیو مجھ سے کوئی چیز جب تک میں شروع نہ کروں تیرے آگے اس کا مذکور پھر دونوں چلے یہاں تک کہ

اِذَا رَكِبَا فِی السَّفِیْنَةِ خَرَقَهَا ؕ قَالَ اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا ۚ لَقَدْ جِئْتَ

جب چڑھے ناؤ میں اس کو پھاڑ ڈالا موسیٰ بولا تو نے اس کو پھاڑ ڈالا کہ ڈبا دے اس کے لوگوں کو تو نے کی ایک

شَیْـًٔا اِمْرًا ﴿۷۱﴾ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا ﴿۷۲﴾ قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِیْ

چیز انوکھی بولا میں نے نہ کہا تھا تو نہ سکے گا میرے ساتھ ٹھہرنا۔ کہا مجھ کو نہ پکڑ

بِمَا نَسِیْتُ وَلَا تُرْهِقْنِیْ مِنْ اَمْرِیْ عُسْرًا ﴿۷۳﴾ فَانْطَلَقَا ٚ حَتّٰۤی اِذَا لَقِیَا غُلٰمًا

میری بھول پر اور نہ ڈال مجھ پر میرا کام مشکل۔ پھر دونوں چلے یہاں تک کہ ملے ایک لڑکے سے

فَقَتَلَهٗ ۙ قَالَ اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِیَّةًۢ بِغَیْرِ نَفْسٍ ؕ لَقَدْ جِئْتَ شَیْـًٔا نُّكْرًا ﴿۷۴﴾

اس کو مار ڈالا بولا تو نے مار ڈالی ایک جان ستھری بن بدلے جان کے تو نے کی ایک چیز نامعقول۔

۷۰-۸۲: جب خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے یہ کہا کہ تم میرے ساتھ رہو گے تو تم سے میری باتوں پر صبر نہ ہو سکے گا اسی کا یہ جواب موسیٰ علیہ السلام نے دیا کہ اگر اللہ نے چاہا تو میں تمہاری باتوں پر صبر کروں گا اور تمہاری کوئی بات نہ ٹالوں گا حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی حدیث صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ[1] سے جو قصہ کے شروع میں گزری اس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس وعدہ کے موافق موسیٰ علیہ السلام اگر خضر علیہ السلام کی باتوں پر صبر کر کے کچھ اور خضر علیہ السلام کے ساتھ رہتے تو خوب ہوتا کیونکہ اس صورت میں اور نئی باتیں اللہ تعالیٰ اس قصہ میں ذکر فرماتا اسی سورۃ میں مسند امام احمد ترمذی نسائی اور ابن ماجہ کے حوالہ سے عبداللہ بن عمر کی صحیح روایت گزر چکی ہے جس میں یہ ہے کہ قسم کے ساتھ ہی اگر کوئی شخص انشاء اللہ کہہ لیوے تو قسم کے ٹوٹ جانے پر کفارہ نہیں آتا[2] وعدہ کے ساتھ ہی موسیٰ علیہ السلام نے انشاء اللہ جو کہا اس کا فائدہ اس حدیث سے اچھی طرح سمجھ میں آ جاتا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس وعدے کے بعد حضرت خضر علیہ السلام نے یہ شرط کی کہ اگر تم میرے ساتھ رہنا چاہتے ہو تو کسی بات کو جب تک میں نہ بتاؤں اس وقت تک اس کی تفصیل تم خود مجھ سے نہ پوچھنا حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی اوپر کی روایت میں ہے کہ کشتی والوں نے مفت حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کو کشتی میں بٹھا لیا تھا اس لیے موسیٰ علیہ السلام کو کشتی کا تختہ توڑ ڈالنے پر بڑا تعجب ہوا کہ بھلائی کرنے والوں کے ساتھ خضر علیہ السلام نے یہ برائی کیوں کی اسی روایت میں یہ بھی ہے کہ کشتی کی منڈیر پر ایک چڑیا آن کر بیٹھی اور ایک بوند پانی دریا میں سے پی کر اڑ گئی اس پر حضرت خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا میرا اور تمہارا علم اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلہ میں ایسا ہے جیسے دریا کے مقابلہ میں چڑیا کا پیا ہوا وہ ایک قطرہ پانی کا حدیث کا یہ ٹکڑا موسیٰ علیہ السلام کے سفر کا نتیجہ ہے کیونکہ یہ اوپر گزر چکا ہے کہ بنی اسرائیل میں کے ایک شخص نے موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا تھا کہ بڑا صاحب علم کون ہے اور موسیٰ علیہ السلام نے اس سوال کے جواب کو اللہ تعالیٰ کے علم پر نہیں سونپا تھا اسی چوک کے جتلانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو سفر کرنے اور خضر علیہ السلام سے ملنے کا حکم دیا تھا حدیث کے اس ٹکڑے

[1] صحیح بخاری ص ۶۸۷ ج ۲ کتاب التفسیر [2] ابن ماجہ ص ۱۵۳ باب الاستثناء فی الیمین

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿٧٥﴾ قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ

بولا میں نے تجھ کو نہ کہا تھا تو نہ سکے گا میرے ساتھ ٹھہرنا۔ کہا اگر تجھ سے پوچھوں کوئی

شَيْءٍۭ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِيْ ۚ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّيْ عُذْرًا ﴿٧٦﴾ فَانْطَلَقَا

چیز اس کے پیچھے پھر مجھ کو ساتھ نہ رکھیو تو اتار چکا میری طرف سے الزام۔ پھر دونوں چلے

حَتّٰٓى اِذَآ اَتَيَآ اَهْلَ قَرْيَةِۨ اسْتَطْعَمَآ اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا

یہاں تک کہ پہنچے ایک گاؤں کے لوگوں تک کھانا چاہا وہاں کے لوگوں سے وہ نہ مانے کہ ان کو مہمان رکھیں پھر پائی

فِيْهَا جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ ۭ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا ﴿٧٧﴾

اس میں ایک دیوار گرا چاہتی تھی اس کو سیدھا کیا۔ بولا موسٰی اگر تو چاہتا لیتا اس پر مزدوری۔

قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ ۚ سَاُنَبِّئُكَ بِتَاْوِيْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَيْهِ

کہا اب جدائی ہے میرے اور تمہارے بیچ اب جتاتا ہوں تجھ کو پھیر ان باتوں کا جس پر تو نہ ٹھہر

صَبْرًا ﴿٧٨﴾ اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ يَعْمَلُوْنَ فِي الْبَحْرِ فَاَرَدْتُّ

سکا۔ وہ جو کشتی تھی سو تھی کتنے محتاجوں کی محنت کرتے تھے دریا میں سو میں نے ارادہ

میں خضر علیہ السلام کی جس نصیحت کا ذکر ہے اس سے وہی خرابی جتلائی گئی ہے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی اوپر کی روایت میں یہ بھی ہے کہ خضرؑ نے جس لڑکے کو قتل کیا اللہ کے علم غیب میں وہ لڑکا کافر ٹھہر چکا تھا اگر وہ جیتا رہتا تو ماں باپ کو بھی اپنے جیسا کر لیتا۔ حدیث کے اس ٹکڑے سے اس لڑکے کے قتل کرنے کی مصلحت سمجھ میں آسکتی ہے اسی روایت میں یہ بھی ہے کہ اس گاؤں کے لوگ جبکہ ایسے بے رحم تھے کہ مسافروں کو کھانا نہیں دیتے تھے تو ایسے لوگوں کی دیوار کو بے مزدوری کے درست کر دینا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایک تعجب کی بات معلوم ہوئی کشتی کی حالت پر جب موسیٰ علیہ السلام نے اعتراض کیا تو خضر علیہ السلام الم اقل کہہ کر ٹال گئے جس کا مطلب یہ ہے کیا میں نے یہ پہلے ہی نہیں کہہ دیا تھا کہ تم سے میری باتوں پر صبر نہ ہو سکے گا لڑکے کی قتل کی حالت پر جب موسیٰ علیہ السلام نے پھر اعتراض کیا تو خضر علیہ السلام نے الم اقل کے آگے لام کاف بڑھا کر تاکید کے طور پر کہا کہ تم میری باتوں پر صبر نہ کر سکو گے اس تاکید سے مطلب یہ ہے کہ جب تم میری باتوں پر صبر نہیں کر سکتے تو پھر میرے ساتھ کیوں رہتے ہو حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی اوپر کی روایت میں یہ بھی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا پہلا اعتراض بھولے سے تھا اور دوسرا جدائی کی شرط کے طور پر اور تیسرا جان بوجھ کر جدائی کے قصد سے اس سفر کا نتیجہ تو موسیٰ علیہ السلام کے تینوں اعتراضوں کی گویا تفسیر ہے حاصل کلام یہ ہے کہ چڑیا کے پانی پینے کے قصہ سے اس سفر کا نتیجہ تو موسیٰ علیہ السلام سمجھ چکے تھے اس واسطے انہوں نے خضر علیہ السلام کے ساتھ اب زیادہ رہنا ضروری نہیں خیال کیا اور دوسرے اعتراض کے وقت جدائی کی شرط کو ظاہر کر دیا۔

کشتی کا تختہ توڑنے کا سبب خضر علیہ السلام نے یہ بیان کیا کہ وہ کشتی ایسے محتاجوں کی تھی جن کی گزر اسی کشتی کے کرایہ کی آمدنی پر تھی اور دریا کے پرلے کنارہ پر ایک ظالم بادشاہ تھا جس کے حکم سے بادشاہی لوگ اچھی اچھی ثابت کشتیاں مفت بیگار میں

أَنْ أَعِيبَهَا وَكَانَ وَرَاءَهُمْ مَلِكٌ يَأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ غَصْبًا ﴿٧٩﴾ وَأَمَّا الْغُلَامُ

چاہا کہ اس میں نقصان ڈالوں اور ان کے پرے تھا ایک بادشاہ لے لیتا کشتی چھین کر۔ اور وہ جو لڑکا تھا

فَكَانَ أَبَوَاهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِينَا أَنْ يُرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَكُفْرًا ﴿٨٠﴾ فَأَرَدْنَا أَنْ

سو اس کے ماں باپ تھے ایمان پر پھر ہم ڈرے کہ ان کو عاجز کرے زبردستی اور کفر کر کر۔ پھر ہم نے چاہا

يُبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِنْهُ زَكَاةً وَأَقْرَبَ رُحْمًا ﴿٨١﴾ وَأَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ

کہ بدلا دے ان کو ان کا رب اس سے بہتر ستھرائی میں اور لگاؤ رکھتا محبت میں اور وہ جو دیوار تھی سو

لِغُلَامَيْنِ يَتِيمَيْنِ فِي الْمَدِينَةِ وَكَانَ تَحْتَهُ كَنْزٌ لَهُمَا وَكَانَ أَبُوهُمَا

دو یتیم لڑکوں کی تھی اس شہر میں اور اس کے نیچے مال گڑا تھا اور ان کا باپ تھا

صَالِحًا فَأَرَادَ رَبُّكَ أَنْ يَبْلُغَا أَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا رَحْمَةً مِنْ

نیک پھر چاہا تیرے رب نے کہ پہنچیں اپنے زور کو اور نکالیں اپنا مال گڑا مہربانی سے

پکڑ لیتے تھے اسواسطے میں نے اس کشتی کا ایک تختہ توڑ کر اس کو عیب دار کر دیا تھا کہ بادشاہی لوگ اس کشتی کو نہ پکڑیں اور ان محتاجوں کی آمدنی میں خلل نہ پڑے صحیح مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی روایت ایک جگہ گزر چکی ہے جس کے ایک ٹکڑے کا حاصل یہ ہے کہ جو کوئی اس بادشاہ کی طرح کسی کا کچھ مال زبردستی چھین لے گا قیامت کے دن اس کی اسی قدر نیکیاں چھین کر مالک مال کو دے دی جاویں گی[1]۔ حدیث کے اسی ٹکڑے کو پہلی آیت کے ساتھ ملانے سے ایسے ظالم لوگوں کی آخرت کی سزا کا حال اچھی طرح معلوم ہو جاتا ہے جس طرح کے ظالم بادشاہ کا ذکر آیت میں ہے لڑکے کے مار ڈالنے کا سبب یہ بیان کیا کہ اس کے ماں باپ ایماندار تھے اور وہ لڑکا اللہ تعالیٰ کے علم غیب میں منکر ایمان ٹھہر چکا تھا اس لیے اس کے زندہ رہنے سے اس کے ماں باپ بھی اس کی محبت میں اپنی حالت پر نہ رہتے۔ دین کی حفاظت کی نظر سے یہ قتل ایسا ہی ہے جیسے مثلاً کعب بن اشرف کا قتل کا قصہ صحیح بخاری میں جابر بن عبداللہؓ کی روایت[1] سے ہے دونوں قتلوں میں فرق اتنا ہے کہ کعب بن اشرف کا دین میں خلل ڈالنا ظاہر ہو چکا تھا اور اس لڑکے کا یہ خلل اللہ تعالیٰ کے علم غیب کے موافق آئندہ ظاہر ہوتا مگر اللہ تعالیٰ نے وہ غیب کا حال خضر علیہ السلام کو جتلا دیا اور انہوں نے اللہ کے حکم سے اس کو مار ڈالا حاصل کلام یہ ہے کہ شریعت اللہ کے حکم کا نام ہے خضر علیہ السلام کے حق میں اللہ کا وہی حکم شریعت کا حکم تھا جس کے موافق انہوں نے عمل کیا شریعت موسوی کے موافق موسیٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام پر جو اعتراض کئے تھے جب خضر علیہ السلام نے وما فعلته عن امری سے ان کا جواب دیدیا تو خضر علیہ السلام کے وہ کام شرعی ہو گئے ناقابل اعتراض سند کے نسائی میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ اس لڑکے کے مرجانے پر اس کی ماں کے پیٹ سے ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کو اللہ تعالیٰ نے ایک نبی کی ماں کر دیا یہ حدیث[3] فاردنا ان یبدلھما ربھما خیرا منه کی گویا تفسیر ہے۔ دیوار کے سیدھا کر دینے کا سبب یہ بیان کیا کہ اس دیوار کے نیچے کا گڑا ہوا مال ان دونوں یتیموں کو پہنچ جانا اللہ کو منظور تھا صحیح بخاری میں سہل بن سعد سے روایت ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دو انگلیوں

[1] مشکوٰۃ ص ۴۳۵ باب الظلم۔

رَبِّكَ ۚ وَمَا فَعَلْتُهُ عَنْ أَمْرِي ۚ ذَٰلِكَ تَأْوِيلُ مَا لَمْ تَسْطِع عَّلَيْهِ صَبْرًا ﴿٨٢﴾

تیرے رب کی اور میں نے یہ نہیں کیا اپنے حکم سے یہ پھیر ہے ان چیزوں کا جس پر تو نہ ٹھیر سکا

وَيَسْأَلُونَكَ عَن ذِي الْقَرْنَيْنِ ۖ قُلْ سَأَتْلُو عَلَيْكُم مِّنْهُ ذِكْرًا ﴿٨٣﴾ إِنَّا مَكَّنَّا

اور تجھ سے پوچھتے ہیں ذوالقرنین کو کہ اب پڑھتا ہوں تمہارے آگے اس کا کچھ مذکور۔ ہم نے اس کو

لَهُ فِي الْأَرْضِ وَآتَيْنَاهُ مِن كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا ﴿٨٤﴾ فَأَتْبَعَ سَبَبًا ﴿٨٥﴾ حَتَّىٰ

جمایا تھا ملک اور دیا تھا ہم نے ہر چیز کا اسباب۔ پھر پیچھے پڑا ایک اسباب کے یہاں تک

کو ذرا فرق کر کے کھڑا کر کے فرمایا میں اور یتیم کے ساتھ شفقت سے پیش آنے والا شخص جنت میں ایسے قریب ہوں گے جس طرح یہ دونوں انگلیاں ہیں[1] اس حدیث کو آخری آیت کے ساتھ ملانے سے یہ مطلب ہوا کہ یتیموں کے حال پر اللہ تعالیٰ کی ایک خاص نظر رحمت ہے جس کے سبب سے اس نے یتیموں کے ساتھ شفقت سے پیش آنے والے شخص کے لیے جو مرتبہ رکھا ہے اس کو اپنے رسول کی معرفت ظاہر فرمایا اور اسی رحمت کے سبب سے اس نیک شخص کی یتیم اولاد کے مال کی حفاظت فرمائی جس کا ذکر آیت میں ہے۔

۸۳-۸۶: شروع سورہ کی تفسیر میں گزر چکا ہے کہ یہود کے سکھانے سے مشرکین مکہ نے روح اصحاب کہف اور سکندر ذوالقرنین کا حال اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا۔ روح اور اصحاب کہف کا حال تو بیان ہو چکا یہ سکندر ذوالقرنین کا حال شروع ہوا اگرچہ ابوزرعہ کی کتاب دلائل النبوۃ تفسیر ابن جریر وغیرہ میں عقبہ بن عامرؓ کی ایک روایت ہے جس سے سکندر ذوالقرنین مصری اور سکندر رومی کا ایک ہونا پایا جاتا ہے[2] اور اسی روایت کی بنا پر تفسیر ابن جریر کے علاوہ بعضی اور تفسیروں میں یہی لکھا ہے کہ قرآن شریف میں جس شخص کا قصہ ہے وہ سکندر رومی ہے لیکن حافظ ابن کثیرؒ نے عقبہ بن عامرؓ کی اسی روایت کو ضعیف ٹھہرا کر معتبر اہل تاریخ مثلاً سہیلی ازرقی کے قول کے موافق اسی بات کو ترجیح دی ہے کہ سکندر دو شخص گزرے ہیں پہلا سکندر ذوالقرنین جس کا ذکر قرآن شریف میں ہے اس سکندر اور حضرت ابراہیمؑ کا زمانہ ایک ہی ہے یہ سکندر ملت ابراہیمی کا پابند شخص تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ اس شخص نے حج ادا کیا ہے۔ اس سکندر کے وزیر خضر علیہ السلام تھے دوسرا سکندر رومی ہے جس کا وزیر ارسطو تھا یہ عیسیٰ علیہ السلام سے تین سو برس پہلے ہوا ہے یہ سکندر ثانی اور اس کا وزیر ارسطو بت پرست لوگ تھے[3] تاریخ البدایہ والنہایہ حافظ ابن کثیر کی ایک بڑی معتبر کتاب چودہ جلد کی ہے جس میں قرآن اور حدیث کی تائید سے تاریخی قصے لکھے گئے ہیں بنی اسرائیلی روایتیں نہیں لی گئی ہیں اسی طرح سہیلی قدیمی تاریخوں کے حافظ علماء اندلس میں مشہور ہیں اس واسطے قرآن شریف کی تفسیر میں ایسے ہی لوگوں کا قول معتبر قرار پا سکتا ہے کیونکہ قرآن شریف میں جس شخص کا قصہ ہے اس میں یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ایک مشرک قوم کو اس کے قابو میں کر دیا تو اس نے اس قوم کو یہ حکم سنایا کہ اس قوم میں سے جو لوگ شرک پر قائم رہیں گے ان کو دنیا میں طرح طرح کے عذاب سے قتل کیا جائے گا اور عقبیٰ میں ایسے لوگوں پر اللہ تعالیٰ حد سخت عذاب کرے گا اور اس قوم کے جو لوگ خالص اللہ تعالیٰ کی عبادت کے قائل ہو کر

[1] مشکوٰۃ ص ۴۲۲ باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق [2] تفسیر ابن جریر ص ۸ ج ۱۶ [3] تفسیر ابن کثیر ص ۱۰۰ ج ۳۔

إِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِي عَيْنٍ حَمِئَةٍ وَّوَجَدَ
کہ جب پہنچا سورج ڈوبنے کی جگہ پایا کہ وہ ڈوبتا ہے ایک دلدل کی ندی میں اور پائے

عِنْدَهَا قَوْمًا ۥ قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ إِمَّآ أَنْ تُعَذِّبَ وَإِمَّآ أَنْ تَتَّخِذَ فِيهِمْ
اس کے پاس ایک لوگ ہم نے کہا اے ذوالقرنین یا لوگوں کو تکلیف دے اور یا رکھ ان میں

حُسْنًا ﴿۸۶﴾ قَالَ أَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهُ ثُمَّ يُرَدُّ إِلَىٰ رَبِّهِ فَيُعَذِّبُهُ عَذَابًا
خوبی ۔ بولا جو کوئی ہوگا بے انصاف سو ہم اس کو مار دیں گے پھر الٹا جائے گا اپنے رب کے پاس وہ مارے گا اس کو

عقبیٰ کی بہبودی کے لیے نیک عمل کریں گے دُنیا میں ہم لوگ بھی اُن سے اچھی طرح پیش آئیں گے اور عقبیٰ میں ایسے لوگوں کو بڑا اجر ملے گا قرآن شریف کی ان آیتوں سے یقینی طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص کا قصہ قرآن شریف میں ہے وہ خالص اللہ تعالیٰ کی عبادت قیامت ملت ابراہیمی کے نیک عمل ان سب باتوں کا قائل تھا اس لیے اس سکندر اول اور بت پرست سکندر ثانی کو ایک ٹھہرانا قرآن شریف کی آیتوں اور معتبر علمائے اسلام کے قول کے برخلاف ہے تفسیر عبدالرزاق تفسیر ابن منذر اور مستدرک حاکم میں ابوہریرہؓ سے صحیح روایت ہے جس میں اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ کو معلوم نہیں کہ تبع اور ذوالقرنین نبی تھے یا نہیں[۱] اس حدیث سے بھی سہیلی ارزقی اور حافظ ابن کثیر کے اس قول کی پوری تائید ہوتی ہے کہ قرآن شریف میں سکندر رومی کا قصہ نہیں ہے کس لیے قرآن شریف میں ذوالقرنین کے نام سے قصہ آیا ہے اگر ذوالقرنین اور بُت پرست سکندر رومی ایک ہوتے تو بُت پرست سکندر ثانی کی نبوت کا شبہ اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کو ہرگز نہ ہوتا فتح الباری میں کئی سند سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول ہے جس میں ذوالقرنین کا حضرت ابراہیم علیہ السّلام سے ملاقات کرنے اور اسی زمانہ میں حج کرنے کا ذکر ہے[۲] سیرۃ ابن اسحاق میں ہے کہ ذوالقرنین کا نام سکندر ہے ان روایتوں سے بھی سہیلی ارزقی اور حافظ ابن کثیر کے قول کی پوری تائید ہوتی ہے کہ سکندر دو شخص گزرے ہیں کیونکہ سکندر رومی اور حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے زمانہ میں دو ہزار برس سے زیادہ کی مدت کا فرق ہے پھر یہ سکندر ثانی حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے زمانہ میں کہاں سے آسکتا ہے محمد بن مسلم ابن شہاب زہری کا قول ہے کہ اس سکندر اول نے سُورج کی غربی اور شرقی دونوں شعاعوں کے نیچے بہت دُور تک کا سفر کیا اس لیے اس کا نام ذوالقرنین ہوگیا۔ یہ ابن شہاب زہری بڑے ثقہ اور مشہور تابعی ہیں اور حدیث کی سب کتابوں میں ان سے روایت ہے قرن کے معنے سینگ کے ہیں یہاں سورج کی غربی اور شرقی دونوں شعاعوں کو سُورج کے سینگ قرار دیا گیا ہے۔ ان آیتوں میں فرمایا اے رسُول اللہ کے یہ مشرکین مکہ تم سے ذوالقرنین کا حال جو پوچھتے ہیں تو تم ان لوگوں سے کہہ دو کہ میں تم لوگوں کو اس کا قصہ سناتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو روئے زمین کی بادشاہت دی تھی اور ہر طرح کی بادشاہت کا سامان اس کو عنایت کیا تھا جس سامان کو کام میں لا کر اس نے زمین کی غربی جانب کا سفر کیا اور اس کو یہ معلوم ہُوا کہ ایک دلدل کے چشمہ میں سورج غروب ہوتا ہے مطلب یہ ہے کہ جس طرح کشتی کے بیٹھنے والے شخص کو غروب کے وقت یہ دکھائی دیتا ہے کہ دریا کے کنارے پر سورج غروب ہو جاتا ہے

[۱] تفسیر الدر المنثور ص ۲۴۰ ج ۴ [۲] ص ۲۲۸ ج ۴ باب قصہ یاجوج ماجوج۔

نُّكْرًا ﴿٨٧﴾ وَأَمَّا مَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُ جَزَاءً الْحُسْنَىٰ ۖ وَسَنَقُولُ لَهُ

بُری مار اور جو کوئی یقین لایا اور کیا بھلا کام سو اس کو بدلے میں بھلائی ہے اور ہم کہیں گے اُس کو

مِنْ أَمْرِنَا يُسْرًا ﴿٨٨﴾ ثُمَّ أَتْبَعَ سَبَبًا ﴿٨٩﴾ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ

اپنے کام میں آسانی۔ پھر لگا اپنے اسباب کے پیچھے یہاں تک کہ جب پہنچا سورج نکلنے کی جگہ

یا ایک قلعہ کے رہنے والے شخص کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ قلعہ کی دیوار کے پیچھے سُورج غروب ہو جاتا ہے اسی طرح سکندر کو یہ دکھائی دیا کہ اس دلدل کے چشمہ میں سُورج غروب ہوتا ہے ورنہ سُورج تو ساری زمین سے کئی حصّہ بڑا ہے زمین کے اتنے ٹکڑے میں جس میں وُہ دلدل کا چشمہ ہے اسقدر گنجائش کہاں ہے کہ اس میں سُورج چھُپ جائے علاوہ اس کے سُورج آسمان پر ہے اور یہ دلدل کا چشمہ زمین پر پھر سُورج کا آسمان سے اتر کر زمین کے اس دلدل کے چشمہ میں غروب ہونا کیوں کر ہو سکتا ہے سورۃ یٰسین میں آئے گا کہ سُورج کے طلوع غروب کا راستہ اور طریقہ اللہ تعالیٰ نے ٹھہرا دیا ہے سُورج کی چال اس کے موافق ہے اللہ کے رسُول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سُورج کی چال کی تفسیر یوں فرمائی ہے سورج لوگوں کی نگاہ سے اوجھل ہو جانے کے بعد عرشِ معلّٰی کے نیچے جا کر سجدہ کرتا ہے اور دُوسرے دن مشرق سے نکلنے کی اس کو اجازت ہو جاتی ہے ہاں قیامت کے قریب اس کو مغرب سے نکلنے کا حکم ہو گا یہ حدیث صحیح بخاری مسلم نسائی وغیرہ میں ابوذرؓ کی روایت[1] سے آئی ہے اس حدیث کو آیتوں کے ساتھ ملانے سے وہی مطلب ہوا جو اوپر بیان کیا گیا کہ دلدل کے چشمے کے پاس جا کر سُورج سکندر کی نگاہ سے اوجھل ہو گیا اور پھر اللہ تعالیٰ کی ٹھہرائی ہُوئی چال کے موافق وہاں سے چل کر عرشِ معلّٰی کے نیچے سُورج نے سجدہ کیا اور دُوسرے دن کے طلوع کی اجازت حاصل کی باقی مطلب آیتوں کا وہی ہے جو اوپر بیان کیا گیا کہ اس دلدل کے چشمہ کے پاس اللہ تعالیٰ نے ایک مشرک قوم کو سکندر کے قابو میں کر دیا تو سکندر نے اس قوم کو یہ حکم سُنایا کہ اس قوم میں کے جو لوگ شرک پر جمے رہیں گے ان کو دُنیا میں طرح طرح کے عذاب سے قتل کیا جائے گا اور عقبیٰ میں ایسے لوگوں پر اللہ تعالیٰ جدا سخت عذاب کرے گا اور اس قوم میں کے جو لوگ خالص اللہ تعالیٰ کی عبادت کے قائل ہو کر عقبیٰ کی بہبودی کی نیّت سے نیک عمل کریں گے دُنیا میں ہم لوگ بھی ان سے اچھی طرح پیش آئیں گے اور عقبیٰ میں بھی ان کو بڑا اجر ملے گا مجاہد اور سفیان ثوری کا قول ہے کہ تمام روئے زمین کی بادشاہت چار شخصوں کو ملی ہے جس میں سلیمان علیہ السلام اور ذوالقرنین ایماندار تھے اور نمرود اور بخت نصر کافر۔

۸۷-۸۹: مغرب کی طرف کے سفر سے فارغ ہو کر ذوالقرنین نے مشرق کی طرف کا جو سفر کیا ان آیتوں میں اس کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے روئے زمین کی بادشاہت کا سامان جو ذوالقرنین کو دیا تھا اس سامان کو کام میں لا کر مغرب کی طرف کے سفر کے بعد اس نے مشرق کی طرف کا سفر کیا اور ایسی سرزمین پر پہنچا جہاں پہلے پہل سورج نکلتا ہے اور وہاں اس نے ایک ایسی قوم کو دیکھا کہ جن کے لیے سُورج کی دھوپ سے بچنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے کوئی آڑ نہیں بنائی مطلب یہ ہے کہ اس سرزمین پر نہ قدرتی کچھ پہاڑ و درخت ایسے ہیں کہ ان کی آڑ میں وُہ لوگ دھوپ سے بچ

[1] مشکوٰۃ ص ۴۷۰ باب العلامات بین یدی الساعۃ وذکر الدجال۔

وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰى قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًا ﴿۹۰﴾ كَذٰلِكَ ؕ وَ

پایا کہ وہ نکلتا ہے ایک لوگوں پر کہ نہیں بنا دی ہم نے ان کو اس سے ورے کچھ اوٹ یوں ہی ہے اور

قَدْ اَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا ﴿۹۱﴾ ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۹۲﴾ حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ بَيْنَ

ہمارے قابو میں آ چکی ہے اس کے پاس کی خبر پھر لگا ایک اسباب کے پیچھے یہاں تک کہ جب پہنچا دو آڑ کے

السَّدَّيْنِ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا ۙ لَّا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ قَوْلًا ﴿۹۳﴾ قَالُوْا

بیچ پائے اس نے ورے ایک لوگ لگتے نہیں کہ سمجھیں ایک بات ۔ بولے

سکیں نہ وحشی پن کے سبب سے اتنی عقل ان لوگوں میں ہے کہ وہ مکان بنا دیں زمین میں سرنگیں کھود رکھی ہیں دھوپ کے وقت ان میں گھس جاتے ہیں اور ٹھنڈے وقت ان سرنگوں میں سے نکل کر دنیا کا کچھ کام دھندہ کر لیتے ہیں قتادہ کا قول ہے کہ یہ سرزمین حبشیوں کی آخری سرحد پر ہے کذالک اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح اور ملکوں میں اللہ تعالیٰ نے پہاڑ اور پیڑ دھوپ سے بچنے کی آڑ کے لیے پیدا کئے ہیں اس زمین پر نہیں ہیں اور نہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو اتنی عقل دی ہے کہ مکان بنا کر دھوپ سے بچ جائیں بعضے مفسروں نے کذالک کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ ذوالقرنین نے جو حکم مغرب کی طرف کے سفر میں مشرک قوم کو سنایا تھا وہی حکم اس مشرقی قوم کو سنایا کہ اس قوم میں کے جو لوگ شرک پر اڑے رہیں گے ان کو دنیا میں طرح طرح کے عذاب سے قتل کیا جائے گا اور عقبیٰ میں بھی ایسے لوگوں پر اللہ تعالیٰ سخت عذاب کرے گا اور اس قوم میں کے جو لوگ خالص اللہ تعالیٰ کی عبادت کے قائل ہو کر عقبیٰ کی بہبودی کی نیت سے نیک عمل کریں گے دنیا میں ہم لوگ بھی ان سے اچھی طرح پیش آئیں گے اور عقبیٰ میں بھی ان کو بڑا اجر ملے گا صحیح مسلم کے حوالہ سے عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کی حدیث کئی جگہ گزر چکی ہے[1] کہ دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے، اپنے علم غیب کے نتیجہ کے طور پر دنیا کے پیدا کرنے سے پچاس ہزار برس پہلے وہ سب اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں لکھ لیا ہے یہ حدیث وقد احطنا بمالدیہ خبرا کی گویا تفسیر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ذوالقرنین کے پاس جو کچھ اتنے بڑے سفر کا سامان تھا اور جو کچھ اس سفر میں اس نے عجائبات دیکھے تھے ان میں سے کوئی چیز اللہ تعالیٰ کے علم سے باہر نہیں ہے کیونکہ دنیا کے پیدا کرنے سے پچاس ہزار برس پہلے اپنے علم غیب کے نتیجہ کے طور پر یہ سب باتیں اور تمام دنیا کی باتیں اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں لکھ لی ہیں۔

۹۰-۹۳: مغرب کی طرف اور مشرق کی طرف سے فارغ ہو کر ذوالقرنین نے شمال کی طرف کا جو سفر کیا ان آیتوں میں اس کا ذکر ہے کہ اس سفر میں وہ دو پہاڑوں کی گھاٹی میں پہنچا ان پہاڑوں کی ورلی طرف ایک جنگلی قوم رہتی تھی جس کے لوگ نہ دوسری کسی قوم کی بات سمجھ سکتے تھے نہ ان کی بات کوئی دوسری قوم سمجھ سکتی تھی مگر ذوالقرنین کو اللہ تعالیٰ نے ان کی بات کی سمجھ دی ان لوگوں نے ذوالقرنین سے یہ کہا کہ ان پہاڑوں کی پرلی طرف یاجوج ماجوج کی قوم رہتی ہے اس قوم کے لوگ پہاڑوں کی گھاٹی میں سے ورلی طرف آن کر ہماری کھیتی اور جانوروں کو بہت نقصان پہنچاتے ہیں ہم لوگ چندہ کر کے

[1] مثلاً تفسیر ہذا ص ۳۰ ج ۳۔

يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِنَّ يَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ

اے ذوالقرنین یہ یاجوج اور ماجوج دھوم اٹھاتے ہیں ملک میں تو کہو تو ٹھہرا دیں

لَكَ خَرْجًا عَلٰٓى اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا ﴿۹۴﴾ قَالَ مَا مَكَّنِّىْ فِيْهِ

تیرے واسطے کچھ محصول اس پر کہ بنا دے تو ہم میں اور ان میں ایک آڑ بولا جو مقدور دیا مجھ کو میرے

رَبِّىْ خَيْرٌ فَاَعِيْنُوْنِىْ بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا ﴿۹۵﴾ اٰتُوْنِىْ زُبَرَ الْحَدِيْدِ

رب نے وہ بہتر ہے سو مدد کرو میری محنت میں بنا دوں تمہارے اور ان کے بیچ ایک دیوار لا دو مجھ کو تختے لوہے کے

حَتّٰٓى اِذَا سَاوٰى بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ قَالَ انْفُخُوْا ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا ۙ

یہاں تک کہ جب برابر کر دیا دو پھانکوں تک پہاڑ کے کہا دھونکو یہاں تک کہ جب کر دیا اس کو آگ

پیسہ دیتے ہیں اس روپے کے خرچ سے ہمارے اور یاجوج ماجوج کے مابین ایک دیوار بنائی جا کر اس گھاٹی کو بند کر دیا جائے پھر یاجوج ماجوج ہم کو کچھ تکلیف نہ دے سکیں گے تفسیر عبدالرزاق میں قتادہ کا قول ہے کہ یاجوج ماجوج نوح علیہ السلام کے بیٹے یافث کی اولاد میں سے ہیں۔ قتادہ کے اس قول سے وہ مشہور قصہ بے اصل قرار پاتا ہے جس کا حاصل یہ ہے۔ کہ ایک دفعہ سوتے میں نہانے کی حاجت ہو کر آدم علیہ السلام کا نطفہ زمین پر گر پڑا تھا زمین کی اس مٹی سے یاجوج ماجوج کی پیدائش ہوئی ہے نسائی میں عمرو بن اوس کی اپنے باپ[1] کے حوالہ سے صحیح ابن حبان میں عبداللہ بن مسعودؓ سے اور تفسیر عبد بن حمید میں عبداللہ بن سلامؓ سے معتبر روایتیں ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ یاجوج ماجوج میں کا ہر شخص جب مرتا ہے کہ اس کی اولاد گنتی ایک ہزار تک پہنچ جاتی[2] ہے صحیح بخاری و مسلم میں ابو سعید خدریؓ سے روایت[3] ہے کہ دوزخیوں کی ہزار آدمیوں کی جماعت میں سے نو سو ننانوے یاجوج ماجوج ہوں[4] گے ان روایتوں سے یاجوج ماجوج کی کثرت کا حال اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے حاصل کلام یہ ہے کہ جب اس جنگلی قوم کے لوگوں نے دیوار بنانے کے خرچ کے لیے چندہ کا ذکر کیا تو ذوالقرنین نے اُن کو جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے جو مجھ کو مقدور دیا ہے وہ بغیر چندہ کے دیوار کے بنانے کے لیے کافی ہے تم لوگ فقط ہاتھ پاؤں سے محنت کرو اور اتنے لوہے کے تختے لا دو کہ میں ان سے اس گھاٹی کو دونوں پہاڑوں کی اونچائی تک روک دوں اور اس لوہے کو خوب تپا کر ان تختوں کی درزوں میں پگھلا ہوا تانبا ڈال دوں ناقابل اعتراض سند سے طبرانی میں ابی بکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جس میں یہ ہے کہ ایک شخص نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو بیان کیا کہ میں نے سد سکندری دیکھا ہے آپ نے اُس شخص سے اس دیوار کی صورت پوچھی تو اس نے چار خانے کی لنگی کی صورت بتائی آپ نے فرمایا یہ شخص سچ کہتا ہے کہ اُس نے سد سکندری کو دیکھا ہے یہ حدیث مسند بزار میں بھی[5] ہے اس حدیث سے یہ مطلب اچھی طرح سمجھ میں آ جاتا ہے کہ اس دیوار میں لوہے کے تختوں کی درزوں کو پگھلے ہوئے تانبے سے بھر گیا ہے اس لیے اس کی صورت سیاہ و سرخ دھاریوں کے چار خانہ کی ہو گئی ہے قتادہ کا قول بھی ابی بکرہؓ کی اس روایت کے موافق ہے خلفائے عباسیہ میں سے خلیفہ واثق باللہ نے کچھ لوگ اس دیوار کے دیکھنے کے لیے بھیجے تھے دو برس کے سفر کے بعد ان لوگوں نے واپس آن کر یہی بیان کیا

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۱۰۶ ج ۳ [2] بحوالہ سنن نسائی [3] تفسیر ابن کثیر ص ۱۰۳ ج ۳ [4] فتح الباری ص ۲۳۰ ج ۳

قَالَ اٰتُوْنِیْۤ اُفْرِغْ عَلَیْهِ قِطْرًا ﴿۹۶﴾ فَمَا اسْطَاعُوْۤا اَنْ یَّظْهَرُوْهُ وَمَا اسْتَطَاعُوْا

کہا لاؤ میرے پاس کہ ڈالوں اس پر پگھلا تانبا پھر نہ سکیں کہ اس پر چڑھ آویں اور نہ سکیں اس کو

لَهٗ نَقْبًا ﴿۹۷﴾ قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّیْ ۚ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّیْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ ۚ

سوراخ کرنا بولا یہ ایک مہر ہے میرے رب کی پھر جب آوے وعدہ میرے رب کا گرا دے اس کو ڈھا کر

وَكَانَ وَعْدُ رَبِّیْ حَقًّا ﴿۹۸﴾

اور ہے وعدہ میرے رب کا سچا

کہ یہ دیوار لوہے اور تانبے سے بنائی گئی ہے[1] شاہ صاحب نے اپنے فائدہ میں یہ جو لکھا ہے کہ حضرت صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے وقت میں روپیہ برابر سوراخ دیوار میں پڑ گیا تھا یہ حدیث صحیح بخاری و مسلم میں ابوہریرہؓ کی روایت[2] سے ہے حضرت عیسی علیہ السلام جب دجال کو قتل کر چکیں گے اس وقت یہ دیوار گر پڑے گی جس کے سبب سے یاجوج ماجوج گھاٹی کی درلی طرف آن کر زمین میں طرح طرح کی خرابی ڈالیں گے دریاندیوں اور کنووں کا سب پانی پی جائیں گے جو کچھ ملے گا وہ کھا جاویں گے۔ آسمان کی طرف تیر چلاویں گے جو ان کو زیادہ گمراہ کرنے کے لیے خون میں بھرے ہوئے پلٹیں گے اس وقت عیسی علیہ السلام اللہ کے حکم سے اپنے ساتھ کے مسلمانوں کو لے کر کوہ طور پر چڑھ جائیں گے اور جب وہاں کو کھانے پینے کی بہت تکلیف ہو گی تو عیسی علیہ السلام یاجوج ماجوج کے حق میں بددعا کریں گے جس کے اثر سے ان کی ناکوں میں ایک طرح کا کیڑا پیدا ہو جائے گا۔ اور اسی مرض سے سب ہلاک ہو جائیں گے مسند ابی یعلی مستدرک حاکم وغیرہ میں ابوہریرہؓ اور حذیفہؓ سے جو روایتیں ہیں[3] ان میں یہ ذکر تفصیل سے ہے حاکم نے ان روایتوں کو صحیح قرار دیا ہے[4] شاہ صاحب نے اپنے فائدہ میں ان ہی روایتوں کا خلاصہ بیان کیا ہے یہ روایت نواس بن سمعانؓ سے صحیح مسلم میں بھی مختصر طور پر آئی ہے[5] یاجوج ماجوج کے نکلنے کی زیادہ تفصیل سورہ انبیاء میں آوے گی۔

۹۶-۹۸- یہ قصہ کے بیچ میں اللہ تعالی نے ایک غیب کی بات فرمائی کہ قیامت کے قریب تک نہ یاجوج ماجوج اس دیوار پر چڑھ کر گھاٹی کی درلی طرف آسکیں گے نہ دیوار میں سوراخ کر کے آسکیں گے صحیح بخاری و مسلم کی ابوہریرہؓ کی روایت کے حوالہ سے اوپر یہ جو گزرا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں روپیہ برابر سوراخ اس دیوار میں ہو گیا تھا[6] آیت کے اس ٹکڑے اور اس حدیث میں کچھ اختلاف نہیں ہے کیونکہ حدیث میں جس سوراخ کا ذکر ہے وہ یاجوج ماجوج کے نقب لگانے سے نہیں پڑا اور نہ وہ سوراخ ایسا ہے جس میں سے آیت کے مضمون کے برخلاف وقت مقررہ سے پہلے یاجوج ماجوج گھاٹی کی درلی طرف آسکتے ہیں بلکہ یہ سوراخ تو اللہ کے حکم سے اس لیے پڑا ہے کہ وقت مقررہ تک رفتہ رفتہ یہ سوراخ بڑھ کر دیوار کو کمزور کر دیوے جس سے وقت مقررہ پر دیوار گر پڑے اور یاجوج ماجوج تمام زمین پر پھیل جائیں اوپر کی آیتوں کی تفسیر میں گزر چکا ہے کہ حضرت عیسی علیہ السلام جب دجال کو قتل کر چکیں گے تو یہ وقت مقررہ آجائے گا سورہ انبیاء میں بھی اس وقت مقررہ کا ذکر آئے گا اب آگے ذوالقرنین کا

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۱۰۴ ج ۳ [2] تفسیر ابن کثیر ص ۱۰۵ ج ۳ [3] فتح الباری ص ۵۷۶ ج ۶ کتاب الفتن [4] فتح الباری ص ۵۷۷ ج ۶ [5] تفسیر ابن کثیر ص ۱۹۵-۱۹۶ ج ۳ [6] تفسیر ابن کثیر ص ۱۰۵ ج ۳

وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِىْ بَعْضٍ وَّنُفِخَ فِى الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ

اور چھوڑ دیں گے ہم خلق کو اس دن ایک دوسرے میں دھنستے اور پھونک ماریں صور میں پھر جمع کر لاویں گے ہم ان کو

قول پھر شروع ہوا، کہ ذوالقرنین نے اس دیوار کے بنجانے کو اللہ کی رحمت کہا کیونکہ اس دیوار کے بنجانے سے ذوالقرنین کا ایک نیک کام دنیا میں باقی رہا اور اس جنگلی قوم کا نقصان بچ گیا اور ساتھ ہی اس کے اللہ تعالیٰ نے ذوالقرنین کی زبان سے یہ سچی بات بھی کہلوادی کہ جب اللہ تعالیٰ کا ٹھہرایا ہوا وقت مقررہ آجائے گا تو اس دیوار کی مضبوطی کچھ کام نہ آئے گی بلکہ وقت مقررہ پر یہ دیوار گر کر بالکل ڈھیر ہو جائے گی ملت ابراہیمی کے موافق ذوالقرنین کو یہ بات معلوم تھی کہ دنیا کی کسی چیز کو ہمیشگی نہیں اس واسطے ذوالقرنین نے اس دیوار کے گر جانے کا ذکر کیا۔

۹۹-۱۰۲ یہ ہر ایک ایماندار آدمی کا اعتقاد ہے کہ دنیا کی کوئی چیز ہمیشہ رہنے والی نہیں اسی اعتقاد کے موافق ذوالقرنین نے وقت مقررہ پر اس دیوار کے گر جانے کا ذکر کیا اب اس دیوار کے گر جانے کے بعد جو کچھ ہو گا وہ ایک غیب کی بات تھی جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا کہ اس دیوار کے گرتے ہی یاجوج ماجوج اپنی کثرت کے سبب سے دریا کی موج کی طرح تمام زمین پر پھیل جائیں گے صحیح مسلم کی نواس بن سمعان کی جس روایت[1] کا تذکرہ اوپر گزرا اس میں یاجوج ماجوج کے زمین پر پھیل جانے سے لے کر پہلے صور تک کا حال یوں ہے کہ یاجوج ماجوج کے زمین پر پھیل جانے سے پہلے عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا حکم ہو گا کہ تم اپنے ساتھ کے ایمان دار لوگوں کو لے کر کوہ طور پر چڑھ جاؤ کیونکہ زمین پر اب اللہ کی ایک ایسی مخلوق پھیلنے والی ہے جس کے مقابلہ کی تمہیں طاقت نہیں ہے اللہ تعالیٰ کے اس حکم کے موافق عیسیٰ علیہ السلام اپنے ساتھیوں کو لے کر کوہ طور پر چڑھ جائیں گے اور یاجوج ماجوج زمین پھیل کر طرح طرح کی دھوم مچا دیں گے جس کا ذکر اوپر کی آیتوں کی تفسیر میں گزر چکا ہے۔ کوہ طور پر عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو کھانے کی چیزوں کی اس قدر تکلیف ہوگی کہ ایک گائے کی سری کی قدر سو اشرفیوں سے بھی زیادہ ہو جائے گی اس تکلیف سے تنگ آن کر عیسیٰ علیہ السلام یاجوج ماجوج کے حق میں بد دعا کریں گے اور اللہ کے رسول کی بد دعا سے جس طرح یاجوج ماجوج ہلاک ہو جائیں گے اس کا ذکر اوپر گزر چکا ہے یاجوج ماجوج کی ہلاکت کے بعد اللہ تعالیٰ ایک طرح کے جانور پیدا کرے گا جو جانور یاجوج ماجوج کی لاشوں کو اٹھا کر جہاں اللہ تعالیٰ کا حکم ہو گا وہاں پھینک دیں گے اور اللہ کے حکم سے پھر خوب مینہ برسے گا جس سے زمین پر ان لاشوں کے سبب سے بدبو جو پھیل گئی تھی وہ سب جاتی رہے گی اس کے بعد عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو کوہ طور سے زمین پر اتر آنے کا حکم ہو گا اور سات برس تک عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی زمین پر رہیں گے اگرچہ نواس بن سمعان کی روایت میں ان سات برس کا ذکر نہیں ہے لیکن صحیح مسلم، ابو داؤد[2] میں یہ ذکر صاف آیا ہے اس نواس بن سمعان کی روایت کے موافق اس کے بعد ایک ٹھنڈی ہوا ایسی چلے گی جس کے اثر سے سب لوگ مر جائیں گے جن کے دل میں کچھ بھی ایمان ہے صحیح مسلم کی انس بن مالک کی روایت کے موافق اب ایسے لوگ دنیا میں رہ جاویں گے جو کبھی اللہ کا نام بھی نہ لیں گے ایسے ہی لوگوں کے زمانہ میں پہلا صور پھونکا جائے گا تمام دنیا فنا ہو جائے گی اس کے چالیس برس کے بعد دوسرا صور پھونکا جائے گا اور سب لوگ قبروں سے اٹھ کر حساب و کتاب کے لیے میدان محشر میں جمع ہو جائیں گے[3] اسی دوسرے صور کا اور سب لوگوں کے میدان محشر میں جمع ہو جانے کا ذکر اس آیت میں ہے

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۱۹۵-۱۹۶ ج ۳ [2] فتح الباری ص ۵۷۶ ج ۶ [3] مشکوٰۃ ص ۴۸۰ باب لا تقوم الساعۃ الا علی شرار الناس

جَمْعًا ﴿۹۹﴾ وَّعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ عَرْضًا ﴿۱۰۰﴾ الَّذِيْنَ كَانَتْ

سارے — اور دکھا دیں ہم دوزخ اُس دن کافروں کو — سامنے — جن — کی

اَعْيُنُهُمْ فِيْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِيْ وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا ﴿۱۰۱﴾

آنکھوں پر پردہ پڑا تھا — میری یاد سے — اور نہ سکتے تھے سننا

دوسرے صور کے بعد جو کچھ ہونے والا ہے اسی کے مشرکین مکہ منکر تھے اسی واسطے خاص طور پر اسی کا ذکر فرمایا یاجوج ماجوج کے نکلنے کے بعد سے دوسرے صور تک جن باتوں کا ذکر اوپر گزرا ان باتوں کا کچھ ذکر آیت میں نہیں فرمایا اس تفسیر میں کئی جگہ اس بات کا ذکر آیا ہے کہ ہجرت سے پہلے مسلمانوں کی کمزوری کے زمانہ میں درگزر کا جو حکم تھا ہجرت کے بعد مسلمانوں میں قوت آجانے اور جہاد کا حکم نازل ہو جانے سے وہ درگزر کا حکم منسوخ نہیں ہے کیونکہ شریعت میں جو احکام کسی سبب کے موجودی پر منحصر ہیں ان کا مطلب یہ ہے کہ جب سبب پایا جائے گا تو حکم بھی پایا جائے گا نہیں تو نہیں مثلاً مالداری زکوٰۃ کے واجب ہونے کا سبب ہے اور تنگ دستی زکوٰۃ کے واجب نہ ہونے کا سبب ہے اب فرض کیا جائے کہ ایک شخص کچھ عرصہ تک تنگدست تھا پھر مالدار ہو گیا اور کچھ مدت کے بعد پھر پہلے کی طرف اس کو تنگدستی نے آن گھیرا تو جس طرح پہلے تنگدستی کے زمانہ میں شریعت کا یہی حکم ہے کہ ایسے تنگدست شخص پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے کیونکہ زکوٰۃ کے واجب ہونے کا سبب اس شخص میں اب نہیں پایا جاتا یہی حالت جہاد کے حکم کی ہے کہ ہجرت سے پہلے مسلمانوں کی کمزوری کے سبب سے درگزر کا حکم تھا جہاد کا حکم نہیں تھا ہجرت کے بعد مسلمانوں میں قوت آگئی اس لیے جہاد کا حکم ہوا اب ضعف اسلام کے وقت مسلمان کی وہی حالت ہو جائے گی جو مالدار شخص کی پچھلی تنگدستی کی حالت تھی اس واسطے جسطرح ایسے تنگدست شخص کے حق میں شریعت کا یہ حکم ہے کہ ایسے شخص پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے اسی طرح مسلمانوں کی کمزوری کے زمانہ میں جہاد کا بھی وہی حکم ہے کہ ایسے وقت میں بجائے جہاد کے حکم پر عمل کرنے کے درگزر کے حکم پر عمل کیا جائے اسلیے اس تفسیر میں یہی قول صحیح قرار دیا گیا ہے کہ جہاد کے حکم سے درگزر کا حکم منسوخ نہیں ہے بلکہ درگزر کے زمانہ میں مسلمانوں کی جو حالت تھی ویسی حالت میں اب بھی درگزر کا حکم ہے اس تفسیر میں جہاں کہیں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ درگزر کا حکم منسوخ نہیں ہے وہاں صحیح مسلم کے حوالہ سے ابوسعید خدریؓ کی وہ حدیث بھی ذکر کی گئی ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ایماندار شخص جب کوئی خلاف شریعت بات دیکھے تو قوت کے وقت ہاتھ سے اس کی اصلاح کرے اگر قوت نہ ہو تو زبان سے نصیحت کر کے اس کی اصلاح کرے اور اگر ضعف اسلام کے سبب سے زبانی نصیحت کی بھی قوت نہ ہو تو دل سے اُس خلاف شریعت بات کو بُرا جانے یہ صحیح حدیث ہر جگہ اس تفسیر میں اس مطلب کے ثابت کرنے کے لیے بیان کی گئی ہے کہ اگر درگزر کا حکم منسوخ ہوتا تو ضعف اسلام کے زمانہ میں خلاف شریعت بات کو دیکھ کر ہاتھ پاؤں کی کوشش سے درگزر کرنے اور زبانی نصیحت یا دلی نفرت کے کافی ہو جانے کا حکم اللہ کے رسول ہرگز نہ دیتے جو مطلب ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے کئی جگہ ثابت کیا گیا ہے وہی مطلب نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے کیونکہ شرعی روایتوں سے جس طرح یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آخری زمانہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے زمین پر آئیں گے اور چالیس برس کے

[1] مشکوٰۃ ص ۴۳۶ باب الامر بالمعروف

اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ مِنْ دُوْنِيْٓ اَوْلِيَآءَ ۭ اِنَّآ

اب کیا سمجھے ہیں منکر کہ ٹھہرادیں میرے بندوں کو میرے سوا حمایتی ، ہم نے

اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ نُزُلًا ﴿۱۰۲﴾

رکھی ہے دوزخ منکروں کی مہمانی

قریب زمین پر رہیں گے اسی طرح شرعی روایتوں سے یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ اس زمانہ میں عیسٰی علیہ السلام ہر کام شریعت محمدی کے موافق کریں گے اب اگر شرع محمدی میں درگزر کا حکم منسوخ ٹھہرایا جاوے تو عیسٰی علیہ السلام کو یہ حکم کیوں کر ہو سکتا ہے کہ تم میں یاجوج ماجوج کے مقابلہ کی طاقت نہیں ہے اس لیے تم ان کے مقابلہ سے درگزر کرو اور اپنے ساتھیوں کو لے کر کوہِ طور پر چڑھ جاؤ صحیح مسلم کے حوالہ سے عبداللہ بن مسعود کی حدیث کئی جگہ گزر چکی ہے کہ ستر ہزار نکیلیں لگا کر دوزخ کو محشر کے میدان میں لایا جاوے گا[1] آیت میں یہ جو ذکر ہے کہ دوزخ میں جھونکے جانے سے پہلے نافرمان لوگوں کو دوزخ کے عذاب کا حال دکھایا جاوے گا یہ حدیث گویا اس کی تفسیر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جس دوزخ کے یہ لوگ دنیا میں منکر تھے ان کو قائل کرنے کے لیے پہلے میدان محشر میں اس دوزخ کو انہیں دکھایا جائے گا حساب و کتاب کے بعد اس میں ان کو جھونکا جائے گا صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے حضرت علیؓ کی حدیث کئی جگہ گزر چکی ہے کہ[2] دنیا کے پیدا کرنے سے پہلے اپنے علم غیب کے نتیجہ کے طور پر اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں یہ لکھ لیا ہے کہ دنیا میں پیدا ہونے کے بعد کون شخص جنت میں داخل ہونے کے قابل کام کرے گا اور کون دوزخ میں جھونکے جانے کے قابل اب دنیا میں پیدا ہونے کے بعد ہر شخص اسی انجام کے قابل کام کرتا ہے اور ویسے ہی کام اُس کو اچھے اور آسان معلوم ہوتے ہیں اس حدیث کو آیت کے ساتھ ملانے سے آیت کے آخری ٹکڑے کا مطلب اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جو لوگ اللہ کے علم غیب میں دوزخ میں جھونکے جانے کے قابل قرار پا چکے ہیں وہ برے کاموں میں ایسے مصروف ہیں اور ان مشرکوں کا ذکر تھا حق کی آنکھوں پر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی نشانیوں کے دیکھنے سے پردہ پڑا ہوا تھا اور اُن کے کان قرآن کی نصیحت کے سننے سے بہرے تھے اس آیت میں فرمایا کیا ایسے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ شیطان کے بہکانے سے جن نیک لوگوں کی مورتوں کی پوجا یہ بت پرست دنیا میں کرتے ہیں عقبیٰ میں وہ نیک لوگ ان بت پرستوں کے کچھ کام نہ آئیں گے پھر فرمایا یہ سمجھ ان لوگوں کی بڑی نادانی کی سمجھ ہے عقبیٰ میں وہ نیک لوگ ان بت پرستوں کی بت پرستی پر اللہ تعالیٰ کی گواہی سے بیزاری ظاہر کریں گے اور اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ ہے کہ اس کی درگاہ میں مشرک کی کسی طرح بخشش نہیں اس واسطے ایسے لوگوں کی مہمانی کے لیے دوزخ کی آگ تیار کر رکھی ہے نیک لوگ اپنی مورتوں کے پوجا کرنے والوں سے قیامت کے دن بیزاری ظاہر کر کے اس بیزاری پر اللہ تعالےٰ کو جو گواہ قرار دیں گے اس کا ذکر سورہ یونس میں گزر چکا ہے اور مشرک کی بخشش نہ ہونے کا جو اللہ تعالےٰ کا وعدہ ہے اس کا ذکر سورۃ النساء میں گزر چکا ہے صحیح بخاری کے حوالہ سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت کئی جگہ گزر چکی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جس قوم میں پہلے پہل بت پرستی پھیلی اس قوم میں کے کچھ نیک لوگ مر گئے تھے جن کے مرجانے کا رنج قوم کے

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۱۰۶ ج ۳ [2] تفسیر ہذا ص ۹۰ ج ۳

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُم بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ﴿١٠٣﴾ الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي

تو کہہ ہم بتادیں تم کو کن کے گئے بہت اکارت جن کی دوڑ بھٹک رہی ہے دنیا

الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا ﴿١٠٤﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ

کی زندگی میں اور وہ سمجھتے ہیں کہ خوب بناتے ہیں کام وہی ہیں۔

لوگوں کو بہت تھا شیطان نے قوم کے لوگوں کے دل میں یہ وسوسہ ڈالا کہ ان نیک لوگوں کی صورت کی مورتیں بنا کر رکھ لی جائیں تو ان نیک لوگوں کے آنکھوں کے سامنے سے اٹھ جانے کا کچھ رنج کم ہو جائے گا قوم کے لوگوں نے اس وسوسہ شیطانی کے موافق عمل کیا اور ایک عرصہ تک تو وہ بت یوں ہی رہے پھر رفتہ رفتہ ان کی پوجا ہونے لگی اسی قوم کی ہدایت کے لیے نوح علیہ السلام نبی ہو کر آئے مگر بت پرستی دنیا سے نہ اٹھی اس حدیث سے یہ مطلب اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے کہ بغیر مرضی اور بلا اجازت نیک لوگوں کے نیک لوگوں کی مورتیں بنائی گئیں اور ان ہی مورتوں کی پوجا سے دنیا میں بت پرستی شروع ہوئی جس کی ان نیک لوگوں کو خبر تک نہیں اسی واسطے قیامت کے دن وہ نیک لوگ اس سے اپنی بے خبری اور بیزاری ظاہر کر کے اللہ تعالیٰ کو اس پر گواہ ٹھہرا دیں گے۔

۱۰۳۔۱۰۷ حضرت علیؓ سے مستدرک حاکم اور تفسیر ابن مردویہ وغیرہ میں یہ جو روایت ہے کہ یہ آیت خارجی لوگوں کی شان میں ہے یا حضرت سعد بن ابی وقاص سے صحیح بخاری اور نسائی میں یہ جو روایت ہے کہ یہ آیت یہود و نصاریٰ کی شان میں ہے ان[1] روایتوں کے یہ معنی نہیں ہیں کہ خارجیوں یا یہود و نصاریٰ کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی ہے کیونکہ یہ آیت مکی ہے اور جب تک آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تھے تو نہ یہود و نصاریٰ سے آپ کو کچھ واسطہ تھا نہ قرآن شریف یہود و نصاریٰ کی شان میں نازل ہوتا تھا یہود و نصاریٰ سے جو کچھ واسطہ آپ کو پیدا ہوا ہے وہ آپ کے مدینہ تشریف لانے کے بعد پیدا ہوا ہے اور خارجی لوگ تو آنحضرت کے بعد حضرت علیؓ کی خلافت کے زمانہ میں ظاہر ہوئے ہیں اس لئے حضرت علیؓ اور حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کی روایت کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ یہ آیت مکی ہے اور کفار مکہ کی شان میں نازل ہوئی ہے لیکن مضمون آیت کا ایسا عام ہے کہ توراۃ اور انجیل کی مخالفت کے سبب سے یہود اور نصاریٰ پر اور قرآن شریف کی مخالفت کر کے صاحب کبیرہ گناہ کو کافر بتلانے سے خارجیوں پر سب پر آیت کا مضمون صادق آتا ہے حضرت علیؓ اور سعدؓ بن ابی وقاص کے اس قول کی تائید میں حضرت ثوبانؓ کی وہ صحیح حدیث ہے جس کو ابن ماجہ نے روایت[3] کیا ہے حاصل اس حدیث کا یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا بعضے لوگ میری امت کے قیامت کے روز پہاڑ کے برابر نیک عمل رکھتے ہوں گے مگر ان کے سب عمل اللہ تعالیٰ ایسے اکارت کر دے گا جیسے ہوا میں ریت اڑ جاتی ہے حضرت ثوبانؓ نے عرض کیا کہ ایسے لوگوں کی کچھ نشانی تو فرمایئے ایسا نہ ہو کہ انجانی میں ہم لوگوں میں بھی ان کی سی عادتیں پیدا ہو جاویں آپ نے فرمایا کہ وہ لوگ بھی تمہارے بھائی مسلمان ہوں گے مگر گناہوں سے بچنے کی ان کو پرواہ نہ ہوگی۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آیت میں نیک عمل اکارت ہونے کا جو ذکر ہے وہ نہ مشرکین کے ساتھ مخصوص ہے نہ یہود و نصاریٰ و خارجیوں کے ساتھ بلکہ جو عمل اللہ کی مرضی کے مخالف ہوں گے

[1] صحیح بخاری ص ۶۹۲، ج ۲ [2] تفسیر ابن کثیر ص ۱۰۷، ج ۳ [3] سنن ابن ماجہ باب ذکر الذنوب د کتاب الزہد)

كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَآئِهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

جو منکر ہوئے اپنے رب کی نشانیوں سے اور اس کے ملنے سے سو مٹ گئے ان کے کئے پھر نہ کھڑی کریں گے ہم ان کے واسطے قیامت کے

وَزْنًا ﴿۱۰۵﴾ ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوْا وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَرُسُلِيْ هُزُوًا ﴿۱۰۶﴾

دن تول ، یہ بدلا ہے ان کا دوزخ اس پر کہ منکر ہوئے اور ٹھہرائیں میری باتیں اور میرے رسولوں کو ٹھٹھا۔

خواہ کسی فرقہ کے ہوں ان کو اللہ تعالیٰ اکارت کر دے گا اور عمل کے مرضی الٰہی کے موافق نہ ہونے کی یہی صورتیں ہیں کہ خرابی عقیدہ کے سبب سے یا تو عمل اصول شرعیہ کے موافق نہ ہوں جس طرح اہل کفر اہل نفاق اہل بدعت کے عمل یا وہ عمل اصول شرع کے موافق تو ہوں لیکن خاص اللہ کے واسطے نہ ہوں جس طرح ریاکاروں کے عمل یہ سب عمل آیت کے حکم میں داخل ہیں۔ چنانچہ اور حدیثوں میں بھی اہل بدعت اور ریاکاروں کے عمل نیک کے اکارت ہونے کی صراحت صاف لفظوں میں آئی ہے۔ چنانچہ معتبر سند سے مسند امام احمد بن حنبلؒ میں محمودؓ بن لبید سے اور صحیح ابن حبان میں سعیدؓ بن فضالہ سے روایت ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جب قیامت کے روز سب لوگ جمع ہوں گے تو حساب کتاب سے پہلے ہی ایک فرشتہ پکارے گا کہ جس کسی نے دنیا کے دکھاوے کے لیے کوئی نیک کام کیا ہے اس کے ثواب کی امید خدا کی درگاہ سے بے سود ہے۔ ایسے نیک کام کا اجر اس سے مانگنا چاہیے جس کے دکھانے کو وہ نیک کام کیا گیا ہے[1] صحیح بخاری و مسلم میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا اس کا حاصل یہ ہے کہ جو نیک عمل شرعی حکم کے موافق نہ ہو گا وہ اکارت ہے[2] ان روایتوں سے ثوبانؓ کی روایت کی پوری تائید ہوتی ہے کیونکہ ثوبانؓ کی روایت میں ان لوگوں کے نیک عملوں کے رائیگاں ہو جانے کا ذکر ہے جو لوگ گناہوں سے بچنے کی پرواہ نہیں کرتے اب یہ تو ظاہر بات ہے کہ جو لوگ عام گناہوں سے بچنے کی پروا نہ کریں گے وہ ریاکاری اور بدعت سے بچنے کی کیا پروا کر سکتے ہیں حاصل مطلب ان آیتوں کا یہ ہے کہ یہ مشرکین مکہ اٹکل کے طور پر اپنے طریقہ کو اچھا جان کر اے رسول اللہ کے تم سے طرح طرح کی جھگڑے کی باتیں جو نکالتے ہیں اور یہود سے پوچھ پوچھ کر تم سے طرح طرح کی باتوں کے سوالات کرتے ہیں اور عقبیٰ کی جزا و سزا کے انکار کے سبب سے ان نیک عملوں کو رائگاں گنتے ہیں جو عمل عقبیٰ کے اجر کی نیت سے کئے جاتے ہیں تو اے رسول اللہ کے تم ان لوگوں سے کہہ دو کہ جن لوگوں کے نیک عمل اکارت ہیں وہ ایسے لوگ ہیں جن کے سارے کاموں کا دارومدار دنیا کی زندگی پر ہے اور اسی کو وہ اچھا جان کر عقبیٰ کی سزا و جزا کی قرآن کی آیتوں کو مسخراپن میں اڑاتے ہیں اور قرآن کی آیتوں اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت کے نہ ماننے پر ہر وقت کمر باندھے رہتے ہیں ایسے عقبیٰ کی جزا کے منکر لوگ اگر کوئی نیک کام کرتے بھی ہیں تو دنیا کی نمود کے طور پر کرتے ہیں اس واسطے ایسے لوگوں کے نیک عملوں کا جو بدلہ ہے وہ ان کو دنیا ہی میں مل جاتا ہے کہ ان کی دنیا اچھی کٹتی ہے اور آخرت کے اجر حساب سے ان کے عمل رائگاں ہیں اس لیے قیامت کے دن ان کے عملوں کے تولنے کے لیے ترازو بھی نہ کھڑی کی جائے گی کیونکہ ترازو تو ایسے لوگوں کے عملوں کے تولنے کے لیے کھڑی کی جاتے گی جن کی نیکی کے پلہ میں چڑھانے کے لیے کچھ نیک عمل بھی ہوں گے جن کے نیک عملوں کا بدلہ دنیا کی زندگی میں

[1] تفسیر ہذا ص ۲ ج ۳ و تفسیر ابن کثیر ص ۱۰۹ ج ۳ [2] مشکوٰۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنَّاتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ﴿١٠٧﴾

جو لوگ یقین لاتے ہیں اور کئے ہیں بھلے کام ان کو ہے ٹھنڈی چھاؤں کے باغ مہمانی،

خَالِدِينَ فِيهَا لَا يَبْغُونَ عَنْهَا حِوَلًا ﴿١٠٨﴾

سدا رہا کریں ان میں نہ چاہیں وہاں سے جگہ بدلنی۔

مل گیا اور قیامت کے دن کے لیے ان کا کوئی نیک عمل باقی نہیں رہا ان کے عملوں کے لیے ترازو کیا کھڑی کی جا سکتی ہے اگر ہو گا تو بعضے سلف کے قول کے موافق اتنا ہی ہو گا کہ ایسے لوگوں کے قائل کرنے کے لیے بدی کے پلڑے میں ان کے بداعمال رکھے جا کر نیکی کا خالی پلڑا ان کو دکھا دیا جائے گا غرض کہ ایسے لوگوں کے نیک عمل عقبیٰ کے اجر کے حساب سے اکارت ہو کر فقط بدعمل باقی رہ جائیں گے جن کی سزا بھگتنے کے لیے ایسے لوگوں کا ٹھکانا دوزخ ہے صحیح مسلم میں انس ؓ بن مالک سے روایت ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا حشر کے منکر لوگ جو دنیا میں کچھ نیک عمل کرتے ہیں تو اس کا بدلہ ان کو یہیں دنیا میں مل جاتا ہے عقبیٰ کے اجر کے لیے ان کا نیک عمل نہیں رکھا جاتا سورۃ الاعراف میں گزر چکا ہے کہ عملوں کے تولے جانے کے بعد جن کے نیک عملوں کا پلڑا بھاری ہو گا وہ جنتی قرار پائیں گے اور جن کا بدعملوں کا پلڑا بھاری ہو گا وہ دوزخ میں جاویں گے اور جن کے نیک عمل اور بدعمل برابر ہوں گے ان کو جنتیوں اور دوزخیوں کے فیصلہ آخر تک جنت اور دوزخ کے درمیان کی دیوار پر کھڑا کر دیا جائے گا پھر آخر کو یہ لوگ بھی جنت میں چلے جائیں گے حاصل کلام یہ ہے کہ جن لوگوں کا یہاں ذکر ہے انس ؓ بن مالک کی حدیث کے موافق ان کا کوئی نیک عمل عقبیٰ کے اجر کے لیے باقی نہ رہے گا اس لیے سورۃ الاعراف کی آیتوں کے موافق یہ لوگ دوزخی قرار پائیں گے۔

۱۰۸-۱۰۷۔ اوپر ذکر تھا کہ عقبیٰ کے اجر کے حساب سے منکرین حشر کے سارے نیک عمل اس واسطے اکارت ہیں کہ یہ لوگ حشر اور اُس دن کی سزا و جزا کے قائل نہیں ریاکاروں اور بدعتیوں کے اس قدر نیک عمل اکارت ہیں جن میں ریاکاری اور بدعت کا دخل ہے کیونکہ ریاکاری کے نیک عمل دنیا کے دکھاوے کے لیے کئے ہیں اور بدعت کے دخل کے عمل شریعت کے حکم کے موافق نہیں ہیں ان آیتوں میں فرمایا جن لوگوں کے نیک عملوں کے بدلہ میں جنت الفردوس دی جائے گی وہ ایسے لوگ ہیں جو اللہ کی وحدانیت کا اور اللہ کے رسول کے سچے ہونے کا یقین دل میں رکھتے ہیں اور زبان سے اس کا اقرار اور اس یقین اور اقرار کے موافق ہاتھ پیروں سے نیک عمل بھی کرتے ہیں۔ صحیح بخاری و مسلم میں ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا فردوس اعلیٰ درجہ کی جنت ہے[1] اس میں سے جنت کی نہریں نکلی ہیں اور اسی کے اوپر اللہ تعالیٰ کا عرش ہے جب تم جنت کے ملنے کی دعا اللہ تعالیٰ سے کیا کرو تو اسی جنت کی دعا مانگا کرو جنت کی نہریں دودھ شہد شراب اور پانی کی ہیں جن کا ذکر سورہ محمد میں آئے گا ترمذی میں معاذ بن جبل ؓ کی صحیح روایت ہے کہ جنت کے سو درجہ ہیں جن میں فردوس اعلیٰ درجہ کی جنت ہے[2] ان روایتوں سے یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آ سکتی ہے کہ فردوس اعلیٰ درجہ کی جنت ہے صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے حدیث قدسی کئی جگہ گزر چکی ہے

[1] صحیح مسلم ص ۳۷۴ ج ۲ [2] تفسیر الدر المنثور ص ۲۵۴ ج ۴ [3] جامع ترمذی ص ۷۰، باب جاء فی درجات الجنۃ

قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّیْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ

تو کہہ اگر دریا سیاہی ہو کر لکھے میرے رب کی باتیں بیشک دریا نبڑ چکے ابھی نہ نبڑیں میرے رب کی

رَبِّیْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا (۱۰۹) قُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ یُوْحٰۤى اِلَیَّ اَنَّمَاۤ

باتیں اور اگر دوسرا بھی لائیں ہم ویسا اس کی مدد کو تو کہہ میں بھی ایک آدمی ہوں جیسے تم حکم آتا ہے مجھ کو تمہارا

اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ج

صاحب ایک صاحب ہے۔

جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا نیک لوگوں کے لیے میں نے جنت میں وہ نعمتیں پیدا کی ہیں جو کسی نے نہ آنکھوں سے دیکھیں نہ کانوں سے سنیں نہ کسی کے دل میں ان کا خیال گزر سکتا[1] ہے ان آیتوں میں یہ جو فرمایا کہ جنتی لوگ جنت میں ہمیشہ اس طرح رہیں گے کہ وہاں کے رہنے سے اکتا کر کسی دوسری جگہ چلے جانے کو ان کا دل نہ چاہے گا اس کا مطلب اس حدیث قدسی سے اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جنت کی نعمتوں کے سبب سے کسی کا دل اس کو چھوڑنے کو نہ چاہے گا۔

۱۰۹۔ ناقابل اعتراض سند سے مستدرک حاکم وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے جو شان نزول اس آیت کی بیان کی گئی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ جب روح کی آیت نازل ہوئی کہ روح اللہ کا ایک حکم ہے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا کہ لوگوں کو بہت تھوڑا سا علم دیا گیا ہے روح کیا چیز ہے بہت سے بھید اللہ کے لوگوں کو معلوم نہیں اس آیت کو سن کر یہود کے علماء نے یہ کہا کہ ہمارا علم تھوڑا نہیں ہے ہمارے پاس توریت ہے جس میں دین و دنیا کا علم موجود ہے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی حاصل معنے آیت کے وہی ہیں جو الہام الٰہی سے حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ کے روبرو اس وقت بیان کیے جب کہ حضرت موسیٰ اور حضرت خضر کشتی میں بیٹھے ہوئے تھے اور چڑیا نے ایک قطرہ پانی کا دریا میں سے پیا اور حضرت خضر نے حضرت موسیٰؑ کو جتلا دیا کہ میرا اور تمہارا علم اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں اتنا ہے جتنا دریا کے مقابلہ میں یہ چڑیا کا پیا ہوا ایک قطرہ ہے پھر جب حضرت موسیٰؑ اور حضرت خضر کے علم کو ملا کر اللہ کے علم کے مقابلہ میں قطرہ اور دریا کی نسبت ہے تو فقط توریت کے علم کو اللہ کے علم سے جو نسبت ہے وہ ظاہر ہے غرض نظر عبرت سے اس قصہ کو یہود دیکھتے تو بہ نسبت اللہ کے علم کے توریت کے علم کو تھوڑا کہنے کو ضرور کلام الٰہی جانتے یہ چڑیا کے پانی پینے کا قصہ صحیح بخاری و مسلم کی عبداللہ بن عباسؓ کی روایت[3] کے حوالہ سے اسی سورۃ میں اوپر گزر چکا ہے۔

۱۱۰۔ اصحاب کہف اور ذوالقرنین کا قصہ بیان کرنے کے بعد مشرکین[2] مکہ کے قائل کرنے کے لیے فرمایا اے رسول اللہ کے تم ان لوگوں سے کہہ دو کہ بشر ہونے میں تم اور میں برابر ہیں پھر تم لوگوں کو کیا اتنی سمجھ نہیں کہ بغیر پڑھے لکھے یہ غیب کے قصے میں اس طرح سے کیونکر بیان کر سکتا ہوں جو پچھلی آسمانی کتابوں کے موافق ہیں اور جو بات میں تم لوگوں کو آسمانی وحی کے موافق سمجھاتا ہوں وہ بھی ہر شخص کی سمجھ میں آجانے کی بات ہے کہ جب اللہ نے تم کو تمہاری سب ضرورت کی

[1] تفسیر ہذا ص ۱۲ ج ۳ [2] تفسیر الدر المنثور ص ۹۹۔ ج ۴ [3] صحیح بخاری ص ۶۸۷ ج ۲ کتاب التفسیر

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ

پھر جس کو امید ہو ملنے کی اپنے رب سے کرے کچھ کام نیک اور ساجھا نہ رکھے اپنے رب کی

رَبِّهٖٓ اَحَدًا ﴿۱۱۰﴾

بندگی میں کسی کا

چیزوں کو اس طرح سے پیدا کیا کہ اس میں کوئی اس کا شریک تم ثابت نہیں کر سکتے تو پھر اس وحدہ لاشریک کی تعظیم میں شریک ٹھہرانا بڑے وبال کی بات ہے صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت کئی جگہ گزر چکی ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا شرک سے بڑھ کر دنیا میں کوئی گناہ[1] نہیں اس حدیث کو آیت کے اس ٹکڑے کے ساتھ ملانے سے وہ مطلب اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے جو اوپر بیان کیا گیا کہ جب اللہ تعالیٰ نے انسان کو انسان کی سب ضرورت کی چیزوں کو اس طرح سے پیدا کیا کہ اس میں کوئی اس کا شریک نہیں تو پھر یہ بات ہر شخص کی سمجھ میں آجانے کے قابل ہے کہ اس وحدہ لاشریک کی تعظیم میں دوسروں کو شریک ٹھہرانا اتنا بڑا گناہ ہے کہ اس سے بڑھ کر دنیا میں کوئی دوسرا گناہ نہیں۔

صحیح سند سے مستدرک حاکم اور تفسیر ابن ابی حاتم وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت سے جو شان نزول اس آیت کی بیان کی گئی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ ایک شخص ثواب آخرت کے خیال سے تو نماز روزہ اور نیک کام کرے لیکن کسی قدر اس کے دل میں یہ بھی خواہش ہو کہ لوگ اس کے نیک کام کی تعریف کریں اور اس کو بڑا نیک گمان کریں ایسے شخص کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی ہے[2] حاصل معنی آیت کے یہ ہیں کہ جس شخص کو مرنے کے بعد پھر جینے اور اللہ تعالیٰ کے روبرو حساب کتاب اور سزا و جزا کے لیے کھڑے ہونے کا پورا یقین ہے اور اس یقین کے سبب سے اس امید پر وہ نیک کام کرتا ہے کہ ایک دن اللہ کی درگاہ سے اس نیک کام کی جزا پائے گا۔ تو ایسے شخص کو چاہیے کہ اس طرح خالص نیت سے نیک عمل کرے کہ اس عمل میں سوا خدا کے کسی دوسرے کے دکھاوے کی کسی طرح کی شرکت نہ ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر طرح کے شرک سے بیزار ہے غرض بہت سی آیات قرآنی اور احادیث سے نیک عمل کے مقبول ہونے کی دو شرطیں ہیں ایک تو یہ کہ وہ عمل قواعد شرعیہ کی بنا پر صحیح ہو عقیدہ کی خرابی سے بلا اجازت شرع کے بدعت کے طور پر ایجاد کیا ہوا نہ ہو کیوں کہ اس طرح کا ایجادی عمل شرعی عمل ہی جب نہیں ہے تو شارع سے اس کے اجر کی توقع بے سود ہے دوسرے دنیا کے دکھاوے یا نیک کہلانے کی شہرت کا اس میں کچھ دخل نہ ہو ہاں یہ بات اور ہے۔ کہ عمل کرنے والے کی نیت خالص ثواب آخرت کی ہے کسی طرح کی دنیا کے دکھاوے یا نیک کہلانے کی شہرت کا اس کی نیت میں لگاؤ یا دخل نہیں ہے۔ لیکن اپنے طور پر لوگ اس کی نیکی کی تعریف کرتے ہیں یا اس نیکی کے سبب سے اس کو عزیز رکھتے ہیں تو یہ اللہ کی ایک نعمت ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو دنیا میں دی ہے صحیح مسلم میں ابوذرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے پوچھا حضرت ایک شخص بغیر خیال شہرت دنیا کے نیک نیتی سے نیک عمل کرتا ہے

[1] مشکوٰۃ ص ۱۶ باب الکبائر الخ [2] تفسیر الدر المنثور ص ۲۵۵ ج ۴

آیاتہا ۹۸ ——— (۱۹) سُوْرَةُ مَرْيَمَ مَكِّيَّةٌ (۴۴) ——— رکوعاتہا ۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

كٓهٰيٰعٓصٓ ۝ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ۝ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً

یہ مذکور ہے تیرے رب کی رحمت کا اپنے بندے زکریا پر ۔ جب پکارا اپنے رب کو چھپی پکار

اور لوگ اپنے طور پر اس کی تعریف کرتے ہیں یا اس کو عزیز رکھتے ہیں تو ایسے شخص کے باب میں آپ کیا فرماتے ہیں آپ نے فرمایا اس طرح کے مومن کے حق میں یہ اللہ کی دنیا میں پیشگی خوش خبری ہے کہ اللہ تعالیٰ آخرت میں اس شخص سے راضی رہے گا۔ یہ فیصلہ آدمی اپنے دل سے پوچھ کر کر سکتا ہے کہ اس کی نیت کیا تھی اس کی خواہش کو کچھ دخل تھا یا نہیں۔ اگر دخل تھا تو جس عمل پر شہرت ہوئی ہے وہ بالکل اکارت ہے اور اگر نیت خالص تھی تو صحیح حدیث کی رو سے وہ شہرت بلاشک اللہ کی ایک نعمت ہے علاوہ اس نعمت کے دنیا میں اور بھی نعمتیں اللہ تعالیٰ نے اس طرح کے خالص نیت عمل کرنے والوں کے لیے رکھی ہیں جن کا ذکر صحیحین کی صحیح حدیثوں میں آیا ہے کہ.... نیک عمل کا ثواب اور اجر دس سے سات سو تک اور کبھی سات سو سے بھی بڑھ کر لکھا جاتا ہے[1] اور اللہ کے فرشتوں کا جان کنی کے وقت اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور جنت کے عیش و آرام کی اس طرح کی خوشخبری سنانا کہ اس کی اس طرح پوری تصویر کا آنکھوں کے سامنے آجانا جس سے جان کنی کی تکلیف دنیا کے چھوٹے بال بچوں سے جدا ہونے کا رنج سب رفع ہو جائے حاصل کلام یہ کہ اگر آدمی کا نیک عمل قواعد شرع کی رو سے صحیح ہے اور خالص اللہ کے واسطے ہے تو سب کچھ ہے نہیں تو کچھ بھی نہیں۔ ترمذی اور ابن ماجہ میں حضرت شداد بن اوس سے جو روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ سب سے زیادہ درماندہ اور عاجز اور مصیبت زدہ قیامت کے دن وہ شخص ہے جو بغیر اجازت شرع کے اپنی مرضی کے موافق دنیا میں عمل کرے اور خواہ مخواہ اللہ تعالیٰ سے اجر اور ثواب کی توقع رکھے[2]

سورہ کہف ختم ہوئی

سورہ مریم

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سورہ مریم مکی ہے حضرت عائشہؓ اور ابن زبیر رضی اللہ عنہما سے بھی یہی روایت ہے کہ سورہ مریم مکے میں نازل ہوئی ہے[3] بعض مفسروں نے آیت سجدہ اور آیت فخلف من بعدھم خلف کو مدنی کہا ہے اور امام احمد نے عبداللہ بن مسعودؓ سے اور بیہقی ابن ابی حاتم نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت بیان کی ہے کہ نجاشی حبشہ کے بادشاہ نے جعفر بن ابی طالب سے کہا کیا تم کو اس وحی میں سے جو محمدؐ لائے ہیں کچھ یاد ہے انہوں نے سورہ مریم کو پڑھا تو بادشاہ روتا رہا اتنا رویا کہ ڈاڑھی تر ہو گئی اس کے پاس والے بھی روتے رہے اس کے بعد بادشاہ نے کہا کہ یہ اور وہ جس کو عیسیٰؑ لائے ہیں ایک طاق سے نکلی ہیں[4] محمد بن اسحاق نے اس قصہ کو طول سے بیان کیا ہے۔ اس قصہ کی کئی سندیں ہیں اس لیے ایک سند کو دوسرے سے تقویت ہو جاتی ہے قرآن مجید میں سوائے حضرت مریم کے نام کے

[1] صحیح بخاری ۹۶۰ ج ۲ باب من ہم بحسنۃ او سیئۃ [2] تفسیر ہذا ص ۱۰۵ ج ۳ [3] [4] تفسیر الدر المنثور ص ۲۵۸ ج ۴

خَفِيًّا ۝۳ قَالَ رَبِّ إِنِّي وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّي وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا وَ

پکار ، بولا اے میرے رب بوڑھی ہو گئیں میری ہڈیاں اور ڈیک نکلی سر سے بڑھاپے کی اور

لَمْ أَكُنْ بِدُعَائِكَ رَبِّ شَقِيًّا ۝۴

تجھ سے مانگ کر اے رب محروم نہیں رہا۔

اور کسی عورت کا نام نہیں ہے۔ حضرت مریمؑ کا نام قرآن میں تیس۳۰ جگہ ہے۔

۱؎ - اس سورت میں مریم علیہا السلام کا قصہ ہے اس واسطے اس سورہ کا نام مریم ہے حروف مقطعات کی تفسیر کا ذکر سورہ بقرہ میں گزر چکا ہے سورہ آل عمران کی آیتوں کے مضمون کے موافق حضرت مریم کی ماں نے یہ نذر مانی تھی کہ اگر ان کے ہاں کوئی لڑکا پیدا ہوگا تو اس کو دنیا کے کاموں سے باز رکھ کر بیت المقدس کا خادم بنا دیا جائے گا۔ اتفاق سے لڑکی پیدا ہوئی تو لڑکی کو بیت المقدس کی خادمہ بنانے کا دستور نہ تھا اس واسطے حضرت مریم کی ان کو نذر کے پورا نہ ہونے کا بڑا رنج ہوا اللہ تعالیٰ نے ان کا رنج رفع کرنے کے لیے اپنی رحمت سے حضرت مریم کی خادمی جائز فرمائی اور حضرت مریم کی پرورش ان کے خالو زکریا علیہ السلام کے ذمہ ٹھہری جب حضرت مریم سیانی ہو گئیں تو زکریا علیہ السلام نے حضرت مریم کے لیے ایک عبادت خانہ بنوا دیا اس عبادت خانہ میں زکریا علیہ السلام جب حضرت مریم سے ملنے آتے تو حضرت مریم کے پاس ان کو بے فصل کا میوہ رکھا ہوا نظر آیا کرتا تھا جب حضرت زکریا نے ایک دن پوچھا مریم یہ میوہ کہاں سے آیا تو حضرت مریمؑ نے جواب دیا کہ یہ میوہ اللہ تعالیٰ نے دیا ہے حاصل کلام یہ کہ جب زکریا علیہ السلام نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے بے فصل کا میوہ حضرت مریم کو عنایت کیا تو زکریا علیہ السلام کے دل میں یہ خیال گزرا کہ وہ صاحب قدرت میرے بڑھاپے اور میری بی بی کے بانجھ پنے میں مجھے اولاد عطا فرما دے تو اس کی قدرت سے کچھ بعید نہیں ہے اسی خیال سے زکریا علیہ السلام نے یہ دعا کی جس کا ذکر ان آیتوں میں ہے حاصل مطلب ان آیتوں کا یہ ہے کہ اے رسول اللہ کے اس وقت کی اللہ کی رحمت کا حال سنو جب کہ زکریا علیہ السلام نے اس خیال سے کہ بڑھاپے میں بیٹے کا مانگنا ایک ایسی خلاف عادت بات ہے کہ جس کو سن کر لوگ تعجب کریں گے اس لیے تنہائی میں زکریا علیہ السلام نے اپنی دعا کو یوں شروع کیا کہ یا اللہ بڑھاپے کے سبب سے اگرچہ میرے بدن کے سب جوڑ کمزور ہو گئے اور سارا سر سفید ہو گیا لیکن اس سے پہلے میری کوئی دعا رائگاں نہیں گئی اس لیے تیری رحمت کے بھروسہ پر ایک دعا کر کے اس کی قبولیت کا امیدوار ہوں صحیح بخاری و مسلم میں ابو ہریرہؓ کی روایت سے حدیث ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہر شخص جیسا گمان رکھتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں بھی اس شخص کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کرتا ہوں[1] اس حدیث کو آیتوں کے ساتھ ملانے سے یہ مطلب ہوا کہ زکریا علیہ السلام نے قبولیت کے گمان سے بڑھاپے میں اولاد کی دعا کی اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے گمان کو پورا کیا اللہ تعالیٰ کی رحمت کے ساتھ زکریا علیہ السلام کو جو نیک گمان تھا اس کو انہوں نے اس طرح ظاہر کیا کہ یا اللہ اس دعا سے پہلے میری کوئی دعا رائگاں نہیں گئی ہے اس لیے میرا حسن ظن یہی ہے کہ میری یہ دعا بھی بلا اثر نہ جائے گی "ڈیک" کے معنے آگ کے شعلے کے ہیں مطلب یہ

[1] صحیح مسلم ص ۳۴۱ ج ۲ کتاب الذکر والدعاء۔

وَاِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ وَّرَآءِیْ وَكَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا فَهَبْ لِیْ مِنْ

اور میں ڈرتا ہوں بھائی بندوں سے اپنے پیچھے اور عورت میری بانجھ ہے سو بخش مجھ کو اپنے

لَّدُنْكَ وَلِیًّا ۝۵ یَّرِثُنِیْ وَیَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ ۖ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِیًّا ۝۶

پاس سے ایک کام اٹھانے والا جو میری جگہ بیٹھے اور یعقوب کی اولاد کے اور کر اس کو اے رب من مانتا۔

کہ جس طرح کہ لکڑیوں میں آگ کا شعلہ پھیل جاتا ہے اسی طرح سارے سر کے بالوں میں سپیدی پھیل گئی۔

۵۔۶ حضرت زکریا حضرت مریم کے خالو تھے چنانچہ معراج کی صحیح بخاری کی مالک بن معصعہ کی حدیث[1] میں یہ بات آچکی ہے کہ حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ خالہ زاد بھائی ہیں اگرچہ حضرت زکریا بیت المقدس کے متولیوں میں تھے لیکن صحیح مسلم کی ابوہریرہؓ کی روایت میں ہے کہ بڑھئی کا کام کر کے اپنے ہاتھ کی کمائی سے اپنی گزر کیا کرتے تھے[2] اس لیے ان کے پاس کچھ ایسا مال متاع تو نہیں تھا صرف نبوت کے اپنے خاندان میں چلنے کے لیے لڑکے کی دعا مانگی اور اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول کی اور حضرت یحییٰ پیدا ہوئے یہ نام صرف حضرت یحییٰ کا اللہ تعالیٰ نے رکھا ہے اور فرمادیا ہے کہ ان سے پہلے اس نام کا کوئی آدمی دنیا میں نہیں ہوا اس نام کے موافق اگرچہ حضرت یحییٰ دنیا میں زیادہ نہیں جئے لیکن بنی اسرائیل کے ہاتھ سے شہید ہوئے اس واسطے گویا ہمیشہ اپنے نام کے موافق زندہ ہیں بنی اسرائیل کا اس وقت کا بادشاہ ایک عورت سے شادی کرنا چاہتا تھا اور توریت کے حکم سے وہ نکاح جائز نہ تھا اس لیے حضرت یحییٰ نے اس بادشاہ کو اس نکاح سے منع کیا اُس بادشاہ نے ضد کر کے حضرت یحییٰ کو شہید کر ڈالا مستدرک حاکم میں عبداللہ بن زبیرؓ کی معتبر روایت سے حضرت یحییٰ کے شہید ہونے کا پورا قصہ ہے[3] اس قصہ میں حضرت عبداللہ بن زبیر کی روایت سے یہ بھی ہے کہ حضرت یحییٰ جس جگہ شہید ہوئے تھے اُس جگہ زمین میں سے خود بخود خون ابلتا تھا اسی عرصہ میں بخت نصر بنی اسرائیل پر چڑھائی کر کے آیا اور ستر ہزار آدمی بنی اسرائیل میں کے قتل کیے جاچکے جب وہ خون کا ابلنا بند ہوا یہ قصہ مستدرک حاکم میں عبداللہ ابن عباسؓ کی روایت سے بھی[4] ہے اور اس کی سند ناقابل اعتراض ہے حاصل یہ کہ حضرت یحییٰ کے عوض میں اللہ تعالیٰ نے ستر ہزار آدمی کا قصاص[5] لیا حضرت زکریا سے بھی بنی اسرائیل منحرف ہو گئے حضرت زکریا بنی اسرائیل سے ڈر کر جنگل کو بھاگ گئے۔ اور جنگل کے ایک درخت سے پناہ چاہی وہ پیڑ شق ہو گیا اور یہ اس کے اندر چھپ گئے بنی اسرائیل بھی ان کی تلاش میں اس پیڑ کے پاس پہنچ گئے شیطان ملعون بھی وہاں آن موجود ہوا اور آرے کی صورت بنی اسرائیل کو سجھائی بنی اسرائیل نے لوہے کا آرا بنایا اور مع پیڑ کے حضرت زکریا کو بیچ میں سے چیر کر دو ٹکڑے کر ڈالا معتبر سند سے بروایت عبداللہ ابن زبیر سیرت ابن اسحاق وغیرہ میں یہ قصہ تفصیل[6] سے لکھا ہے حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ کی پیدائش ایک ہی سال کی ہے حضرت یحییٰ پر خالص توریت کی شریعت کا زمانہ ختم ہو گیا اب اس سے آگے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت اور توریت اور انجیل کی ملی ہوئی نبوت کا زمانہ ہے حاصل کلام یہ ہے کہ زکریا کو جو اندیشہ تھا کہ ان کے پیچھے اُن کے بھائی بند دین کو بگاڑ دیں گے اس کا ظہور زکریا علیہ السلام کی زندگی میں ہی ہو گیا کہ بے دینی کے سبب سے

[1] صحیح بخاری ص ۵۴۹ ج ۱ باب المعراج [2] صحیح مسلم ص ۲۶۸ باب من فضائل زکریا صلی اللہ علیہ وسلم ۱۲ [3] مستدرک حاکم ص ۵۹۲ ج ۲ قصۂ قتل یحییٰ علیہ السلام [4] تفسیر الدر المنثور ص ۲۶۳ ج ۴ [5] تفسیر الدر المنثور ص ۲۶۴ ج ۴

يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ۨاسْمُهٗ يَحْيٰى ۙ لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ۝

اے زکریا ہم تجھ کو خوشی سناتے ہیں ایک لڑکے کی جس کا نام یحییٰ ہے نہیں کیا ہم نے پہلے اس نام کا کوئی

قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ

بولا اے رب کہاں سے ہوگا مجھ کو لڑکا اور میری عورت بانجھ ہے اور میں بوڑھا ہو گیا یہاں تک کہ

عِتِيًّا ۝ قَالَ كَذٰلِكَ ۚ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَّقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَ

اکڑ گیا کہا یوں ہی فرمایا تیرے رب نے وہ مجھ پر آسان ہے اور تجھ کو بنایا میں نے پہلے سے اور

اپنے اور غیر سب نے مل کر دونبیوں کو شہید کر ڈالا سورہ والذاریات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بی بی حضرت سارا کے بانجھ ہونے اور حضرت اسحٰق علیہ السلام کے پیدا ہونے کی خوش خبری کا ذکر آئے گا اس سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی اس روایت میں کسی راوی کا سہو پایا جاتا ہے جس روایت میں یہ ہے کہ سوائے زکریا علیہ السلام کی بانجھ بی بی کے اور کسی بانجھ عورت کے پیٹ سے اولاد نہیں ہوئی واجعلہ رب رضیا اس کا مطلب یہ ہے کہ یا اللہ وہ لڑکا ایسا ہو جو عمر بھر تیری مرضی کے موافق کام کرے صحیح بخاری میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ جس شخص سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے تو جبرائیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی خبر پکار کر فرشتوں کو سنا دیتے ہیں جس سے آسمان و زمین میں اس نیک شخص کی محبت ہر کسی کو ہو جاتی ہے[1] اس حدیث سے واجعلہ رب رضیا کا مطلب اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ یا اللہ وہ لڑکا ایسا ہو کہ تیری مرضی کے موافق کام کرے جس سے تو اس سے خوش ہو اور تیری خوشنودی کے سبب سے آسمان و زمین میں اس کی محبت پھیل جائے۔

۷۔۱۱۔ اتنی عبارت یہاں گویا اور ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا قبول ہوئی اور حکم ہوا کہ ہم تم کو لڑکے ہونے کی خوشی سناتے ہیں جس کا نام یحییٰ ہے اب آگے حضرت زکریا علیہ السلام کے تعجب کا بیان ہے کہ جب ان کی دعا قبول ہوئی اور لڑکے ہونے کی ان کو خبر سنائی گئی تو اس سے وہ بہت خوش ہوئے اور لڑکے کے ہونے کی کیفیت کا سوال کیا یہ تعجب زکریاؑ کو اس سبب سے ہوا کہ بیوی بانجھ اور بوڑھی تھی اور آپ بھی اس قدر بوڑھے ہو گئے کہ ہاتھ پیر اکڑ گئے تھے فرشتے نے ان کے تعجب کے جواب میں کہا اسی طرح فرمایا ہے تیرے پروردگار نے کہ بوڑھے باپ اور بانجھ ماں سے لڑکا پیدا کر دینا اللہ تعالیٰ کو کچھ مشکل نہیں ہے کیونکہ اب تو بوڑھے باپ اور بانجھ ماں موجود ہیں اس صاحب قدرت نے تو انسان کو ایسی حالت میں پیدا کیا ہے کہ جب انسان کچھ بھی نہیں تھا ترمذی ابوداؤد اور صحیح ابن حبان کے حوالہ سے ابوموسیٰؓ اشعری کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے[2] کہ آدمؑ کے پتلے کی مٹی میں اللہ نے تمام اولاد آدم کے پتلوں کی مٹی جگہ جگہ سے لی ہے جس سے سلسلہ بسلسلہ اولاد آدم علیہ السلام کی پیدائش اس طرح چلی آتی ہے کہ کوئی گورا ہے اور کوئی کالا اس حدیث سے وقد خلقتک من قبل ولم تک شیئا کا مطلب اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جس صاحب قدرت نے انسان کی پیدائش کی ابتدا ایسی حالت سے کی ہے کہ جب انسان کچھ بھی نہیں تھا اس صاحب قدرت کے آگے بوڑھے باپ اور بانجھ ماں سے لڑکے کا پیدا کر دینا کچھ

[1] صحیح بخاری شریف ص ۹۳ ج ۲ باب المقت عن اللہ۔ [2] دیکھیے ج ۳ ص ۲۹۱

لَمْ تَكُ شَيْئًا ۝٩ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْۤ اٰيَةً ؕ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ

تو نہ تھا کچھ چیز بولا اے رب ٹھیرا دے مجھ کو کچھ نشانی فرمایا تیری نشانی یہ کہ بات نہ کرے تو لوگوں سے

ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ۝١٠ فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰۤى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا

تین رات تک چنگا بھلا پھر نکلا اپنے لوگوں کے پاس حجرے سے تو اشارت سے کہا ان کو کہ یاد کرو

بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ۝١١ يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ؕ وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ۝١٢ وَّحَنَانًا

صبح و شام اے یحییٰ اٹھالے کتاب زور سے اور دیا ہم نے اس کو حکم کرنا لڑکا پن میں اور شوق

مِّنْ لَّدُنَّا وَزَكٰوةً ؕ وَكَانَ تَقِيًّا ۝١٣ وَّبَرًّۢا بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ۝١٤ وَ

اپنی طرف سے اور ستھرائی اور تھا پرہیزگار اور نیکی کرتا ماں باپ سے اور نہ تھا زبردست بے حکم اور

مشکل نہیں ہے اور عرب لوگ العود العاتی سوکھی لکڑی کو کہتے ہیں اس لیے وقد بلغت من الکبر عتیا کا مطلب یہ ہے کہ بڑھاپے کے سبب سے سارا بدن سوکھ کر بالکل ڈھانچ ہو گیا ہڈی سے چمڑا الگ گیا شاہ صاحب نے اکڑنے کے لفظ سے اسی مطلب کو ادا کیا ہے ان آیتوں میں یحییٰ علیہ السلام کے پیدا ہونے کی خوش خبری کا جو ذکر ہے اُس سے زکریاؑ کو یہ تو معلوم ہو گیا تھا کہ ان کی دعا قبول ہو گئی مگر یہ نہیں معلوم ہوا تھا کہ اس قبولیت کا ظہور کب تک ہوگا اس لیے زکریا علیہ السلام نے قبولیت کے ظہور کی نشانی اللہ تعالیٰ سے پوچھی اور اللہ تعالیٰ نے جو نشانی اس کی بتلائی اسی کا ذکر آگے کی دونوں آیتوں میں ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اپنی بی بی کے حاملہ ہونے کے وقت اے زکریا باوجود تندرست ہونے کے تین راتوں تک تم سوائے تسبیح و تہلیل کے کسی سے اور کچھ بات نہ کر سکو گے وقت مقررہ پر زکریاؑ اپنے حجرہ سے جو نکلے تو قوم کے لوگوں سے بات نہ کر سکے اس لیے انہوں نے صبح و شام یاد الٰہی کا حکم قوم کے لوگوں کو اشارہ سے سمجھایا اب مدت حمل کے بعد یحییٰ علیہ السلام پیدا ہوئے جن کا ذکر آگے آتا ہے۔

۱۲ ا۱۴۔ مطلب کو مختصر کرنے کے لیے یہاں اتنی عبارت کو حذف کر دیا گیا ہے کہ زکریاؑ کو یحییٰ علیہ السلام کے پیدا ہونے کی خوشخبری جو دی گئی تھی اس کے موافق یحییٰ علیہ السلام پیدا ہوئے اور حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کے قول کے موافق جب سات برس کی عمر کو پہنچ گئے تو اُن کو یہ حکم ہوا کہ اے یحییٰ توریت کے احکام کے موافق تم خود بھی مستعدی سے عمل کرو اور بنی اسرائیل کو بھی ان احکام کا پابند رکھو اگرچہ اس میں اختلاف ہے کہ کتنی عمر میں یحییٰ علیہ السلام کو احکام توریت کے موافق عمل کرنے کا حکم ہوا لیکن ترمذی میں سبرہ بن معبدؓ جہنی کی صحیح حدیث ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جب لڑکا سات برس کی عمر کو پہنچ جائے تو اس کو نماز کی تاکید کرو[1] اس صحیح حدیث سے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کے قول کی پوری تائید ہوتی ہے کیونکہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سات برس کی عمر میں لڑکا اس قابل ہو جاتا ہے کہ اس کو احکام شرع کا پابند کیا جا سکتا ہے حنانا کے معنے اکثر سلف نے رحمۃ کے لیے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے زکریا علیہ السلام کو صاحب اولاد کیا اور پھر یحییٰ علیہ السلام کو چھوٹی عمر میں نبوت دی بعضے سلف نے حنانا کے معنے شوق کے لیے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یحییٰ علیہ السلام کو نیک کام کا شوق دیا تھا ترجمہ میں بھی یہی قول لیا گیا ہے زکوٰۃ کے معنے

[1] جامع ترمذی ص ۵۴ ج ۱ باب ما جاء متی یومر الصبی بالصلوٰۃ

سَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ﴿۱۵﴾ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ

سلام ہے اس پر جس دن پیدا ہوا اور جس دن مرے اور جس دن اٹھ کھڑا ہو جی کر اور مذکور کر کتاب میں

مَرْيَمَ إِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ أَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ﴿۱۶﴾ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُونِهِمْ حِجَابًا

مریم کا جب کنارے ہوئی اپنے لوگوں سے ایک شرقی مکان میں پھر پکڑ لیا ان سے ورے ایک پردہ -

یہاں پاکیزگی کے ہیں قتادہ کے قول کے موافق جس کا مطلب یہ ہے کہ یحییٰ علیہ السلام عمر بھر ہر طرح کے گناہوں سے پاک رہے آگے اللہ تعالیٰ نے یحییٰ علیہ السلام کی یہ تعریف فرمائی کہ وہ پرہیزگار اور ماں باپ کے فرمانبردار تھے کسی طرح کی جبر و زیادتی یا بے حکمی ان کی عادت میں نہ تھی سفیان بن عیینہ کا قول ہے کہ پیدا ہونے والے دن عالم ارواح سے دنیا میں آنے اور مرنے والے دن قبر کی تنہائی کی اور حشر کے دن اس دن کی سختیوں کی انسان کو پریشانی ہوتی ہے اس لئے فرمایا کہ یحییٰ علیہ السلام ان تینوں دن کی پریشانی سے امن میں ہیں نبی بن کر پیدا ہوئے شہید ہو کر مرے اور اسی حال میں حشر کے دن اٹھیں گے قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے اپنی فرمانبرداری کے ساتھ کئی جگہ ماں باپ سے اچھی طرح پیش آنے کا ذکر فرمایا ہے جس سے ماں باپ کا رتبہ اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے اسی واسطے صحیح مسلم کی ابوہریرہؓ کی روایت میں اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنے بوڑھے ماں باپ یا ان دونوں میں سے ایک کو زندہ پاوے اور پھر ان کی خدمت کر کے اس کے اجر میں جنت نہ حاصل کرے تو ایسا شخص بڑا بدنصیب[1] ہے صحیح مسلم میں ابوہریرہؓ سے دوسری روایت ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص لوگوں کے ساتھ ظلم و زیادتی کا برتاؤ کرے گا اس کی نیکیاں چھین کر قیامت کے دن مظلوموں کو دے دی جائیں[2] گی ان آیتوں میں تعریف کے طور پر اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا کہ یحییٰ علیہ السلام کی کسی پر ظلم و زیادتی کرنے کی عادت نہ تھی اس کا مطلب اس حدیث سے اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ دنیا میں جو لوگ اس عادت کے پابند نہیں وہ قیامت کے دن اپنی نیکیاں ہاتھ سے کھو بیٹھیں گے -

۱۵-۲۱ :- اوپر بنی اسرائیل کے اس دستور کا ذکر گزر چکا ہے کہ وہ اپنے لڑکوں کو بیت المقدس کا خادم بنایا کرتے تھے حضرت مریم کی ماں حنہ نے اس دستور کے موافق نذر مانی کہ ان کے پیٹ میں جو بچہ ہے اس کے پیدا ہونے کے بعد اس کو وہ بیت المقدس کا خادم بنا دیویں گی جب حضرت مریم پیدا ہوئیں تو لڑکی کے پیدا ہونے سے ان کو بڑا رنج ہوا کس لئے کہ لڑکیوں کو بیت المقدس کا خادم بنانے کا حکم نہیں تھا مگر یہ قصہ سورۂ آل عمران میں گزر چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر باوجود لڑکی ہونے کے ان کا خادم ہونا قبول فرما لیا حضرت مریم کے باپ عمران حضرت مریم کے پیدا ہونے سے پہلے وفات پا گئے تھے اس لئے اپنے خالو حضرت زکریا کے پاس حضرت مریم پرورش پا کر بیت المقدس کی خدمت کیا کرتی تھیں اس واسطے ان کا نام مریم ہے سریانی زبان میں مریم کے معنے خادم کے ہیں چھوٹی سی عمر میں حضرت مریم کی اس کرامت کا ذکر سورۂ آل عمران میں ہے کہ اکثر بے فصل کے میوے حضرت زکریا ان کے پاس دیکھ کر پوچھا کرتے تھے کہ مریم یہ میوے کہاں سے آئے تو جواب دیا کرتی تھیں کہ یہ میوے اللہ نے دیئے ہیں حضرت مریم کے نبی ہونے میں علماء کا اختلاف ہے اکثر علماء کا

[1] صحیح مسلم ص ۳۱۴ ج ۲ باب تقدیم بر الوالدین الخ [2] مشکوٰۃ ص ۴۳۵ باب الظلم -

فَأَرْسَلْنَآ إِلَيْهَا رُوحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ﴿۱۷﴾ قَالَتْ إِنِّيٓ أَعُوذُ بِالرَّحْمَٰنِ

پھر بھیجا ہم نے اس پاس اپنا فرشتہ پھر بن آیا اس کے آگے آدمی پورا بولی مجھ کو رحمٰن کی پناہ

مِنكَ إِن كُنتَ تَقِيًّا ﴿۱۸﴾ قَالَ إِنَّمَآ أَنَا۠ رَسُولُ رَبِّكِ لِأَهَبَ لَكِ غُلَٰمًا

تجھ سے اگر تو ڈر رکھتا ہے بولا میں تو بھیجا ہوں تیرے رب کا کہ دے جاؤں تجھ کو ایک لڑکا

زَكِيًّا ﴿۱۹﴾ قَالَتْ أَنَّىٰ يَكُونُ لِي غُلَٰمٌ وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ وَلَمْ أَكُ بَغِيًّا ﴿۲۰﴾ قَالَ كَذَٰلِكِ قَالَ

الربع

ستھرا۔ بولی کہاں سے ہوگا میرے لڑکا اور چھوا نہیں مجھ کو آدمی نے اور کبھی نہ تھی میں بدکار بولا یونہی فرمایا تیرے رب نے

قول یہی ہے کہ حضرت مریم صدیقہ ہیں نبی نہیں تھیں غرض جب اللہ کو منظور ہوا کہ اپنی قدرت کا ایک نمونہ دنیا میں پیدا کرے تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے ان کے جسم میں حضرت عیسیٰؑ کی روح پھونک دی اور ان کو حمل رہ گیا حضرت مریم کے چچا کا بیٹا یوسف نجار بھی بیت المقدس کا خادم تھا جب اس کو حضرت مریم کے حمل کا حال معلوم ہوا تو اس کو بہت حیرت ہوئی کہ بغیر خاوند کے ان کو حمل کس طرح رہ گیا ایک دن یوسف نے حضرت مریم سے پوچھا کہ کیا دنیا میں بغیر بیج کے بھی پیڑ اگتا ہے حضرت مریم اس کا سوال سمجھ گئیں اور یوسف کو یہی جواب دیا کہ اللہ ہر بات پر قادر ہے علماء نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر طرح کی پیدائش دنیا میں ظاہر کر دی تاکہ انسان کو اس کی ہر طرح کی قدرت پر پورا ایمان ہو۔ حضرت آدمؑ کو بغیر ماں باپ کے پیدا کیا حضرت حوا کو بغیر عورت کے صرف مرد حضرت آدمؑ کے جسم سے اور حضرت عیسیٰؑ کو صرف عورت حضرت مریم کے جسم سے پیدا کیا اور مرد عورت سے تو اولاد کا پیدا ہونا ایک عادتی بات ہے حاصل یہ ہے کہ دنیا میں جو اسباب اللہ تعالیٰ نے پیدا کئے ہیں ان اسباب پر کچھ اس کی قدرت منحصر نہیں ہے۔ جس طرح جو چاہے وہ کر سکتا ہے عادتی سبب یہ ہے کہ بانجھ عورت کے اولاد نہیں ہوتی اس نے باوجود بانجھ ہونے کے حضرت زکریا کی بی بی الیشاع کو اولاد دی بعضے وقت ظاہری سبب دنیا کے سب موجود ہوتے ہیں لیکن اس کا حکم نہیں ہوتا تو کوئی سبب کام نہیں آتا میاں بی بی اکثر جگہ جوان ہوتے ہیں اور اولاد کی تمنا بھی حد سے بڑھ کر ہوتی ہے مگر بچہ نہیں ہوتا موسم برسات کا ہوتا ہے اور بادل بھی گھر کر آتا ہے مگر ایک بوند نہیں پڑتی اس طرح اور اسباب کا حال ہے غرض جس طرح بغیر سبب ہر کام پر وہ قادر ہے اسی طرح اسباب میں تاثیر کا دینا بھی اس کا کام ہے حاصل کلام یہ ہے کہ حضرت مریم کے خالو زکریا علیہ السلام نے حضرت مریم کو پالا تھا اس مناسبت سے اللہ تعالیٰ نے سورۂ آل عمران میں اور یہاں زکریا علیہ السلام کے قصہ کے بعد حضرت مریم کا ذکر فرمایا حاصل مطلب ان آیتوں کا یہ ہے کہ حضرت مریم نہانے کا ارادہ کر کے اپنے عبادت خانہ سے مشرق کی طرف کے ایک مکان میں گئیں اور لوگوں سے آڑ کر لینے کے لئے وہاں انہوں نے ایک پردہ ڈالا تو اللہ کے حکم سے جبرئیل علیہ السلام وہاں ایک آدمی کی صورت بن کر آگئے حضرت مریم نے خالی مکان اور پردہ کی آڑ میں جب غیر مرد کو دیکھا تو یہ کہا کہ اے شخص اگر تو پرہیزگار ہے تو میں تیرے بد ارادہ سے اللہ کی پناہ میں آنا چاہتی ہوں حضرت مریم کی اس بات سے ان کی کمال درجہ کی پارسائی ثابت ہوتی ہے اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے سورۃ التحریم میں ان کی پارسائی کی تعریف فرمائی ہے صحیح بخاری اور ابن ماجہ میں حضرت عائشہؓ کی روایت سے ایک قصہ ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ایک عورت جونیہ سے اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نکاح کیا اور جب آپ

رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ۚ وَلِنَجْعَلَهُ آيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا ۚ وَكَانَ أَمْرًا مَّقْضِيًّا ﴿٢١﴾

وُہ مجھ پر آسان ہے اور اس کو چاہیں لوگوں کے لئے نشانی اور مہر ہماری طرف سے اور ہے یہ کام ٹھہر چکا۔

فَحَمَلَتْهُ فَانتَبَذَتْ بِهِ مَكَانًا قَصِيًّا ﴿٢٢﴾ فَأَجَاءَهَا الْمَخَاضُ إِلَىٰ جِذْعِ النَّخْلَةِ

پھر پیٹ میں لیا اس کو پھر کنارے ہوئی اس کو لے کر ایک پرے مکان میں پھر لے آیا اس کو جننے کا درد ایک کھجور کی جڑ میں۔

نے اس عورت کے پاس جانے کا قصد کیا تو اس عورت نے یہ کہا کہ میں تم سے اللہ کی پناہ میں آنا چاہتی ہوں آپ نے فرمایا تو نے بہت بڑی پناہ چاہی یہ فرما کر آپ نے اس عورت کو طلاق دے[1] دی اس سے معلوم ہوا کہ لڑائی جھگڑے کے وقت کسی عورت کو اپنے خاوند سے یہ نہیں کہنا چاہئیے کہ میں تجھ سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں کیونکہ یہ ایسا کلمہ ہے کہ جونہیں کے منہ سے جب یہ کلمہ نکلا تو پھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اپنے نکاح میں رکھنا پسند نہیں کیا اور اللہ کی پناہ کی عظمت اس میں خیال کی کہ اس عورت کو طلاق دے[2] دی حضرت جبرئیل علیہ السلام نے جب یہ دیکھا کہ اکیلے مکان میں غیر مرد کو دیکھ کر مریم علیہا السلام گھبرائیں تو انہوں نے مریم علیہا السلام کی تسکین کی اور یہ کہا کہ میں تو اللہ کا قاصد ہوں تم کو لڑکے کے پیدا ہونے کا پیغام پہنچانے آیا ہوں جبرئیل علیہ السلام کا یہ پیغام سن کر مریم علیہا السلام کو بڑا تعجب ہوا اور انہوں نے تعجب سے کہا کہ نہ کسی مرد سے میرا نکاح ہوا اور نہ میں بدکار تھی پھر بغیر مرد سے واقف ہونے کے میرے ہاں لڑکا کیوں کر پیدا ہوگا مریم علیہا السلام کی یہ بات سن کر جبرئیل علیہ السلام نے جواب دیا کہ کسی مرد سے واقف نہ ہونے کی تمہاری بات تو سچ ہے مگر اللہ کا حکم یہی ہے جس کا میں نے پیغام پہنچایا اور جس صاحب قدرت نے بنی آدم کے باپ آدم علیہ السلام کو بغیر ماں باپ کے پیدا کر دیا۔ اس کی قدرت کے آگے بغیر باپ کے لڑکے کا پیدا کر دینا کچھ دشوار نہیں ہے یہ بغیر باپ کا لڑکا اس لئے پیدا ہوگا کہ لوگوں کی نظروں میں اللہ کی قدرت کی ایک نشانی ہو اور یہود نے توریت کے احکام میں طرح طرح کے اختلافات جو ڈال رکھے ہیں ان اختلافوں کے رفع ہو جانے کے لئے عیسٰی علیہ السلام کا پیدا ہونا بہت سے لوگوں کے حق میں گویا اللہ کی ایک رحمت ہے اور یہ باتیں جو اوپر بیان کی گئیں یہ ایسی باتیں ہیں کہ اللہ کے علم غیب کے موافق یہ باتیں ٹھہر چکی اور لوح محفوظ میں لکھی جا چکی ہیں اس واسطے ان میں سے کوئی بات اب ٹل نہیں سکتی صحیح مسلم کے حوالے سے عبداللہ بن عمرؓ و بن العاص کی حدیث کئی جگہ گزر[3] چکی ہے کہ دنیا میں جو کچھ ہونے والا تھا اپنے علم غیب کے نتیجہ کے طور پر دنیا کے پیدا کرنے سے پچاس ہزار برس پہلے وُہ سب اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں لکھ لیا ہے۔ یہ حدیث ان آیتوں کی گویا تفسیر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جبرئیل علیہ السلام کا آدمی کی صورت میں مریم علیہا السلام کے پاس آنا اور ان کو عیسٰی علیہ السلام کے بغیر باپ کے پیدا ہونے کا پیغام الٰہی پہنچانا اور پھر اس پیغام کے موافق عیسٰی علیہ السلام کا پیدا ہونا اور بہت سے لوگوں کے حق میں اس پیدائش کا قدرت الٰہی کا نشانی کا ٹھہرنا ایسی باتیں تھیں جو دنیا کے پیدا ہونے سے پچاس ہزار برس پہلے لوح محفوظ میں لکھی جا چکی تھیں اس واسطے ان باتوں میں سے کوئی بات ٹل نہیں سکتی اس تفسیر سے وکان امرا مقضیا کا مطلب اچھی طرح سمجھ میں آ جاتا ہے۔

۲۲-۲۶ صحیح بخاری میں عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مرد

[1] سنن ابن ماجہ ص ۱۴۸ باب ما یقع بہ الطلاق [2] صحیح بخاری ص ۷۹۰ ج ۲ باب من طلق وھل یواجہ الرجل امرءتہ بالطلاق [3] مشکوٰۃ ج ۳ ص ۲۴۔

قَالَتْ يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا ﴿۲۳﴾ فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَآ

بولی کسی طرح میں مرچکتی اس سے پہلے اور ہو جاتی بھولی بسری۔ پھر آواز دی اس کو اس کے نیچے سے

اَلَّا تَحْزَنِيْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ﴿۲۴﴾ وَهُزِّيْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ

کہ غم نہ کھا کر دیا تیرے رب نے تیرے نیچے ایک چشمہ اور ہلا اپنی طرف کھجور کی جڑ اس سے گریں گی

عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ﴿۲۵﴾ فَكُلِيْ وَاشْرَبِيْ وَقَرِّيْ عَيْنًا ۚ فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ

تجھ پر پکی کھجوریں۔ اب کھا اور پی اور آنکھ ٹھنڈی رکھ سو کبھی تو دیکھے کوئی آدمی

اور عورت کا نطفہ چالیس روز تک عورت کے رحم میں رہ کر جما ہُوا خون ہو جاتا ہے پھر اس خون کا گوشت بن جاتا ہے اور اس گوشت سے ہڈیاں بن کر ان ہڈیوں پر گوشت کا غلاف چڑھ جاتا ہے اس طرح ساڑھے چار مہینے میں یہ سب کچھ ہو کر بچّہ کا پتلا تیار ہو جاتا ہے اور پھر اس پتلہ میں رُوح پھونک دی جاتی ہے[1] یہ تو سب عورتوں کے حمل کی حالت ہُوئی حضرت مریم کے حمل میں یہ بات نئی ہوئی کہ بجائے مرد اور عورت کے نطفہ کے فقط عورت کے نطفہ سے کلمہ کُن کے موافق پتلہ تیار ہوا اور پتلہ سے اس رُوح کا تعلق ہو گیا جو روح جبرئیل علیہ السّلام نے حضرت مریم کے جسم میں پھونک دی تھی چنانچہ سورۂ نساء کی آیت انما المسیح عیسی بن مریم رسول اللہ وکلمتہ القاھا الی مریم سے اس نئی بات کو جتلایا گیا ہے غرضکہ جس صاحب قدرت نے مرد اور عورت کے نطفہ سے خلاف عقل پتلہ کی تیاری کا کام لیا یا بغیر مرد اور عورت کے نطفہ کے آدم علیہ السّلام اور حوا کو پیدا کیا فقط عورت کے رحم کی رطوبت سے ایک بچّہ کا پتلا بنا دینا اس کی قدرت سے کیا بعید ہے ان آیتوں میں حضرت مریم کے حمل کا ذکر تھا یہ ذکر نہیں تھا کہ وُہ حمل بغیر مرد کے نطفہ کے کیونکر رہ گیا سورۂ نساء کی اوپر کی آیت کو ان آیتوں کے ساتھ ملایا جائے تو یہ مطلب اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے کہ خلاف عادت اس حمل کا ظہور کیوں کر ہُوا بغیر مرد کے نطفہ کے حمل کا رہنا خلافِ عادت تھا جس سے مریم علیہا السّلام کو یہ اندیشہ ہُوا کہ اس خلاف عادت حمل کو دیکھ کر قوم کے لوگ طرح طرح کی باتیں بنادیں گے اس اندیشہ سے مریم علیہا السّلام اپنے عبادت خانہ سے دُور ایک مکان میں چلی گئیں اور بچّہ کی پیدائش کے وقت تک وہیں رہیں اور بچّہ کی پیدائش کا درد جب شروع ہوا تو وہاں سے بھی الگ ایک کھجور کے درخت کے نیچے جا بیٹھیں پھر دردِ زہ کی تکلیف اور خلاف عادت بچّہ کی پیدائش کی شرم سے اپنے آپ کو یوں کوسنے لگیں کہ کسی طرح اس حالت سے پہلے میں مرجاتی اور اب تک لوگوں کے دل سے بھولی بسری ہو جاتی تو خوب ہوتا سورۃ الاعراف میں گزر چکا ہے کہ بنی اسرائیل میں کے ستر آدمی جب بجلی گر کر مر گئے تو موسیٰ علیہ السّلام نے اپنی موت کی تمنا ظاہر کی تھی اسی واسطے مریم علیہا السّلام نے اس طرح کی تمنا کو جائز رکھا لیکن شریعتِ محمدی میں تکلیف کے وقت موت کی تمنا جائز نہیں ہے چنانچہ صحیح مسلم کی انسؓ بن مالک کی روایت میں اس طرح کی تمنا کی مناہی آئی ہے[2] جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعتِ موسوی میں اس طرح کی تمنا جائز تھی۔

آگے یہ جو ذکر ہے کہ اس گھبراہٹ کے وقت مریم علیہا السّلام کو یہ آواز آئی کہ گھبراؤ نہیں، تمہارے پیروں کے نیچے اللہ تعالیٰ نے پانی کی نہر جاری کر دی ہے اور اس کھجور کے درخت کو ہلاؤ گی تو اس میں سے پکی کھجوریں

[1] صحیح بخاری ص ۴۶۹ ج ۱ باب خلق آدم و ذریتہ [2] صحیح مسلم ص ۳۴۲ ج ۲ باب کراہتہ تمنی الموت۔

أَحَدًا فَقُولِي إِنِّي نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ أُكَلِّمَ الْيَوْمَ إِنْسِيًّا ﴿۲۶﴾ فَأَتَتْ
تو کہیو میں نے مانا ہے رحمٰن کا روزہ سو بات نہ کروں گی آج کسی آدمی سے پھر لائی

بِهِ قَوْمَهَا تَحْمِلُهُ ۖ قَالُوا يَا مَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْئًا فَرِيًّا ﴿۲۷﴾ يَا أُخْتَ هَارُونَ
اس کو اپنے لوگوں پاس گود میں بولے اے مریم تو نے کی یہ چیز طوفان ۔ اے بہن ہارون کی

مَا كَانَ أَبُوكِ امْرَأَ سَوْءٍ وَمَا كَانَتْ أُمُّكِ بَغِيًّا ﴿۲۸﴾ فَأَشَارَتْ إِلَيْهِ ۖ قَالُوا كَيْفَ
نہ تھا تیرا باپ بُرا آدمی اور نہ تھی تیری ماں بدکار پھر ہاتھ سے بتایا اس لڑکے کو بولے ہم کیوں کر

جھڑیں گی وہ کھجوریں کھاؤ نہر کا پانی پیو اپنے لڑکے کو دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی کرو اور قوم میں کا کوئی شخص نظر آوے اور تم سے بات چیت کرنی چاہے تو اس سے کہہ دو کہ میرا آج خاموشی کا روزہ ہے اس لئے میں بات چیت نہیں کر سکتی۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ مریم علیہا السلام کے پیروں کے نیچے سے پیدا ہوتے ہی یہ آواز جبرئیل علیہ السلام کی تھی اور مجاہد کا قول ہے کہ یہ آواز عیسٰی علیہ السلام نے دی تھی حافظ ابو جعفر ابن جریر نے مجاہد کے قول کو ترجیح دی ہے[۱] اور اس ترجیح کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ اس آواز کے دینے سے مریم علیہا السلام کو عیسٰی علیہ السلام کے خلاف عادت بولنے کا تجربہ ہو چکا تھا اسی واسطے انہوں نے آگے کی آیت میں قوم کے لوگوں کو اشارہ سے جتلایا کہ تم اس لڑکے سے بات چیت کرو لیکن اکثر سلف کا قول وہی ہے جس کی روایت حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے ہے اسی واسطے شاہ صاحب نے اپنے فائدہ میں یہی قول لیا ہے شریعت موسوی میں خاموشی کا روزہ ہوا کرتا تھا شریعت محمدی میں اس طرح کا روزہ جائز نہیں ہے چنانچہ عبداللہ بن مسعودؓ نے ایک شخص کو اس طرح کا روزہ رکھتے ہوئے دیکھ کر منع کیا[۲] اس طرح کی ممانعت عبداللہ بن مسعود نے ضرور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر کی ہو گی کیونکہ اپنی طرف سے صحابہ کوئی ایسا حکم نہیں دیتے تھے۔

۲۷۔۳۳: تفسیر سدی میں ہے کہ حضرت عیسٰیؑ کے پیدا ہونے کے بعد شیطان نے مریم علیہا السلام کی قوم میں یہ خبر پھیلا دی کہ مریم کے ہاں بن باپ کا بچہ پیدا ہوا اس خبر کو سن کر قوم کے لوگ بڑے جوش میں آئے اور مریم علیہا السلام کو اس الگ مکان میں سے بستی میں بلایا اس پر مریم علیہا السلام چلّہ نہانے کے بعد عیسٰی علیہ السلام کو لے کر قوم کے لوگوں کے پاس گئیں یہ تفسیر حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے قول کے موافق ہے کہ گھبراہٹ کے وقت مریم علیہا السلام کو جو آواز آئی تھی وہ جبرئیل علیہ السلام کی آواز تھی عیسٰی علیہ السلام کی آواز نہیں تھی۔ اوپر گذر چکا ہے کہ مجاہد کے قول کے موافق وہ آواز عیسٰی علیہ السلام کی تھی اور یہ بھی گزر چکا ہے کہ حافظ ابو جعفر ابن جریرؒ نے اپنی تفسیر میں اس قول کو ترجیح دی ہے اس واسطے تفسیر ابن جریر میں ہے کہ عیسٰی علیہ السلام کے بولنے سے جب مریم علیہا السلام کو یہ اطمینان ہو گیا کہ قوم کے لوگوں سے عیسٰی علیہ السلام خود جواب دہی کر لیں گے تو اسی اطمینان کے بھروسہ پر وہ عیسٰی علیہ السلام کو گود میں لے کر قوم کے لوگوں کے پاس آئیں غرض جب مریم علیہا السلام کی گود میں عیسٰی علیہ السلام کو قوم کے لوگوں نے دیکھا تو کہنے لگے مریم تم نے یہ انوکھا کام کیا اور یہ بھی کہنے لگے کہ نیک نامی کی شہرت میں ہارون کی بہن مریم تمہارے ماں باپ تو ایسے بد رویہ نہ تھے

[۱] تمام اقوال کے لئے دیکھئے تفسیر ابن کثیر ص ۱۱۵ ج ۳ [۲] تفسیر ابن کثیر ص ۱۱۸ ج ۳ بحوالہ ابن جریر و ابن ابی حاتم

نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا ﴿٢٩﴾ قَالَ إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ ۖ آتَانِيَ الْكِتَابَ وَ

بات کریں اس شخص سے کہ وُہ گود میں لڑکا ہے وُہ بولا میں بندہ ہوں اللہ کا مجھ کو اس نے کتاب دی ہے اور

جَعَلَنِي نَبِيًّا ﴿٣٠﴾ وَجَعَلَنِي مُبَارَكًا أَيْنَ مَا كُنْتُ وَأَوْصَانِي بِالصَّلَاةِ وَ

مجھ کو نبی کیا اور بنایا مجھ کو برکت والا جس جگہ مَیں ہوں اور تاکید کی مجھ کو نماز کی اور

الزَّكَاةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ﴿٣١﴾ وَبَرًّا بِوَالِدَتِي وَلَمْ يَجْعَلْنِي جَبَّارًا شَقِيًّا ﴿٣٢﴾ وَالسَّلَامُ

زکوٰۃ کی جب تک مَیں رہوں جیتا اور سلوک والا اپنی ماں سے اور نہیں بنایا مجھ کو زبردست بدبخت اور سلام ہے

پھر تم کس پر ہوئیں جو تم نے ایسا انوکھا کام کیا قوم کے لوگوں کی یہ باتیں سن کر مریم علیہا السلام نے عیسیٰ علیہ السلام کی طرف اشارہ کیا جس سے ان کا مطلب یہ تھا کہ میرا تو خاموشی کا روزہ ہے مگر جس لڑکے کی پیدائش کو انوکھا کام کہا جاتا ہے اس کی جواب دہی خود وُہ لڑکا ہی کرے گا حضرت مریم کے اس اشارہ کے مطلب کو سمجھ کر قوم کے لوگوں کو بہت غصّہ آیا اور غصّہ سے یہ کہنے لگے کہ چالیس دن کے بچّہ نے دنیا میں کہیں باتیں کی ہیں جو ہم اس لڑکے سے بات چیت کریں قوم کے لوگوں کی سب باتیں سُن کر عیسیٰ علیہ السلام نے وُہ جواب دیا جس کا ذکر آگے آتا ہے اگرچہ تفسیر سدی میں ہے کہ مریم علیہا السلام موسیٰ علیہ السلام کے بھائی ہارون علیہ السلام کے خاندان میں سے تھیں اس واسطے قوم کے لوگوں نے مریم علیہا السلام کو ہارون کی بہن کہا کیونکہ عرب کا یہ محاورہ ہے مثلاً تمیمی قبیلہ کے مردوں کو تمیم کا بھائی اور عورتوں کو تمیم کی بہن کہتے ہیں یہی قول شاہ صاحب نے اپنے فائدہ میں لیا ہے لیکن قتادہ کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں ایک نیک شخص مریم علیہا السلام کے زمانہ کا تھا اسی تشبیہ سے قوم کے لوگوں نے مریم علیہا السلام کو ہارون کی بہن کہا ہے[1] جس کا مطلب یہ ہے کہ مریم تم تو بنی اسرائیل میں کے زمانہ حال کے ہارون کی طرح نیک مشہور تھیں، پھر تم نے انوکھا کام کیوں کیا۔ صحیح مسلم میں مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہی فرمایا ہے کہ قرآن میں مریم علیہا السلام کو جس ہارون کی بہن کہا گیا ہے وُہ حضرت موسیٰؑ کے بھائی کے علاوہ دُوسرا شخص تھا[2] اس حدیث سے قتادہ کے قول کی پوری تائید ہوتی ہے اس واسطے حافظ ابوجعفر ابن جریر نے قتادہ کے قول کی پوری تائید کی ہے عیسیٰ علیہ السلام نے قوم کے لوگوں کو جو جواب دیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ اے لوگو میں اللہ کا بندہ اور نبی ہوں اس طرح خلاف عادت میرا پیدا ہونا ایسا ہی میرا ایک معجزہ ہے جس طرح خلاف عادت میرا بولنا معجزہ ہے قرآن شریف کی ان آیتوں میں جس طرح یہ ذکر ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے آپ کو اللہ کا بندہ کہا اس طرح کا ذکر یوحنا کی انجیل کے باب میں بھی ہے قرآن کا جھٹلانا تو عیسائیوں کے نزدیک سہل ہے مگر معلوم نہیں انجیل کے باب کو یہ لوگ کس طرح جھٹلاتے ہیں عیسیٰ علیہ السلام نے چالیس دن کی عمر میں اپنے آپ کو نبی صاحب کتاب جو جتلایا اس کا مطلب یہ ہے کہ وقت مقررہ پر اللہ تعالیٰ ان کو صاحب کتاب نبی کرے گا۔ دنیا کے پیدا ہونے سے پہلے عالم ارواح میں جو عہد لیا گیا ہے اس کا ذکر سورۂ آلِ عمران میں گزر چکا ہے جس سے یہ بات سمجھ میں آسکتی ہے کہ ہر نبی کو اپنے پیدا ہونے سے پہلے اپنی نبوت کا حال معلوم ہے اسی واسطے ترمذی میں ابوہریرہؓ کی صحیح روایت ہے جس میں خاتم الانبیاء صلی اللہ تعالےٰ

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۱۱۸ ج ۳ [2] تفسیر ابن کثیر ص ۱۱۹ ج ۳

عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا ﴿۳۳﴾ ذٰلِكَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ قَوْلَ

مجھ پر جس دن پیدا ہوا اور جس دن مروں اور جس دن اٹھ کھڑا ہوں جی کر ۔ یہ ہے عیسیٰ مریم کا بیٹا ، سچی

علیہ وسلم نے فرمایا آدم علیہ السلام کے پیدا ہونے سے پہلے میں نبی تھا[1] اپنی نبوت کے ذکر کے بعد عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ نبی ہو کر ہر وقت میں اللہ کی رضامندی کے کاموں کی نصیحت لوگوں کو کرتا رہوں گا اس لئے میں جہاں رہوں گا وہاں خیر و برکت رہے گی پھر فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھ کو تا بہ زندگی نماز و زکوٰۃ کا حکم فرمایا عیسیٰ علیہ السلام کے حال میں علماء نے لکھا ہے کہ زکوٰۃ کے قابل نقد روپیہ کا جمع کرنا تو درکنار عیسیٰ علیہ السلام دوسرے دن کے لئے کوئی کھانے کی چیز نہیں رکھتے تھے اسی واسطے زکوٰۃ کے معنی گناہوں سے پاک رہنے کے ہیں پھر فرمایا مجھ کو یہ بھی حکم ہے کہ میں ماں کے ساتھ سلوک سے رہوں لوگوں پر ظلم و زیادتی کر کے عقبیٰ کے اجر سے بدنصیب نہ ٹھہروں پھر فرمایا پیدا ہونے کے دن مرنے کے دن اور حشر کے دن کی پریشانی سے اللہ تعالیٰ نے مجھ کو امن امان میں رکھا ہے صحیح مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی روایتیں ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کے انجام[2] اور لوگوں کے ساتھ ظلم و زیادتی کرنے کے انجام[3] میں اوپر گزر چکی ہیں وہی روایتیں وبرا بوالدتی ولم یجعلنی جبارا شقیا کی گویا تفسیر ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ ماں باپ سے بدسلوکی کرنے والا جنت کے اور ظلم و زیادتی کرنے والا نیکیوں کے ہاتھ سے کھو دینے کے سبب سے بڑا بدنصیب ہے صحیح بخاری و مسلم میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر ایک بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو شیطان اس بچے کی پسلی میں اپنی انگلی چبھو کر اس بچہ پر تسلط جماتا ہے لیکن عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے شیطان کے اس تسلط سے امن امان میں رکھا ہے[4] صحیح مسلم کے حوالہ سے نواس بن سمعان کی روایت سورۃ الکہف میں گزر چکی ہے کہ قیامت کے قریب عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اتر آئیں گے اور دجال کو قتل کریں گے[5] سورۃ الانبیاء میں آئے گا کہ مشرکین مکہ نے جب اپنے بتوں کا دوزخ کا ایندھن بنائے جانے کا حال سنا تو مشرک یوں کہنے لگے کہ نصرانی لوگ عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں تو عیسیٰ بھی کیا ہمارے بتوں کے ساتھ ہوں گے اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا اللہ کے ایسے خاص بندے قیامت کے دن کی ہر ایک آفت سے بے فکر اور ہر طرح امن و امان میں رہیں گے عیسیٰ علیہ السلام نے یہ جو فرمایا کہ پیدا ہونے کے دن مرنے کے دن اور حشر کے دن کی پریشانی سے اللہ تعالیٰ نے مجھ کو امن و امان میں رکھا ہے اس کا مطلب سورۃ الانبیاء کی آیتوں اور اوپر کی حدیثوں سے اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پیدا ہونے کے دن مرنے کے دن ان کو شیطان کے تسلط سے امن میں رکھا اور غازی نبی ہونے کا مرتبہ دے کر دنیا سے اٹھایا اور حشر کے دن کی ہر ایک آفت سے امن میں رکھنے کا وعدہ اپنے کلام پاک میں فرمایا

۳۴: یہود اور نصاریٰ دونوں حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ کے باب میں طرح طرح کے شک میں پڑے ہوئے ہیں یہود کا شک حضرت مریم کے باب میں یہ ہے کہ حضرت مریم کو وہ یوسف نجار کے ساتھ زنا کی تہمت لگاتے ہیں اور حضرت عیسیٰ کے باب میں ان کا شک یہ ہے کہ نہ وہ حضرت عیسیٰ کو حلال کی اولاد جانتے ہیں نہ نبی جانتے ہیں جب حضرت عیسیٰ نبی ہوئے اور طرح طرح کے معجزے ان سے ظاہر ہوئے اسی شک سے کہ وہ نبی نہیں ہیں یہود ان کے دشمن ہو گئے اور اس وقت کے یونان کے ستارہ پرست بادشاہ سے

[1] جامع ترمذی ص ۲۰۱ ج ۲ باب ما جاء فی فضل النبی صلی اللہ علیہ وسلم [2] صحیح مسلم ص ۳۱۲ ج ۲ کتاب البر و الصلۃ [3] صحیح مسلم ص ۳۲۰ ج ۲ باب تحریم الظلم [4] مشکوٰۃ ص ۱۸ باب فی الوسوسۃ [5] صحیح مسلم ص ۴۰۰ ج ۲ باب ذکر الدجال

الْحَقِّ الَّذِي فِيهِ يَمْتَرُونَ ﴿٣٤﴾ مَا كَانَ لِلَّهِ أَنْ يَتَّخِذَ مِنْ وَلَدٍ سُبْحٰنَهُ إِذَا قَضٰى

بات جس میں لوگ جھگڑتے ہیں۔ اللہ ایسا نہیں کہ رکھے اولاد وہ پاک ذات ہے ، جب ٹھیراتا ہے

انہوں نے حضرت عیسیٰ کی چغلیاں کھا کر سولی کا حکم حاصل کیا آخر اللہ تعالیٰ نے ایک شخص پر حضرت عیسیٰ کی شباہت ڈال دی اور اس شخص کو مخالفوں نے سولی پر چڑھا دیا یہ قصہ سورۂ نساء میں ہے اور نسائی تفسیر ابن ابی حاتم وغیرہ میں اس قصہ کی تفصیل سے روایت ہے[1] نصاریٰ کا شک حضرت عیسیٰ کے باب میں یہ ہے کہ ایک فرقہ تو نعوذ باللہ من ذٰلک حضرت عیسیٰ کو خدا کہتے ہیں اور ایک فرقہ حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں اور ایک فرقہ حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ اور اللہ تعالیٰ کو ملا کر تین خدا ہونے کے قائل ہیں اگرچہ خدا تعالیٰ نے ان آیتوں میں حضرت مریم کی براءت کا اور حضرت عیسیٰ کا اللہ کا بندہ اور رسول ہونے کا ذکر فرما کر یہود و نصاریٰ دونوں کے شک کو رفع فرما دیا ہے لیکن ہر کام کا وقت اللہ کی جناب میں مقرر ہے قیامت کے قریب جب حضرت عیسیٰ دجال کو قتل کرنے کے لیے آسمان سے اتر کر زمین پر آئیں گے اس وقت ان دونوں کا شک جائے گا اور دونوں حضرت عیسیٰ کو رسول جان کر ایمان لائیں گے سورہ نساء میں اس کا ذکر گزر[2] اور صحیح حدیثوں میں اس کی تفصیل آئی ہے نصاریٰ میں کا جو فرقہ حضرت عیسیٰ مریم علیہا السلام اور اللہ تعالیٰ کو ملا کر خدا کہتا ہے اس کو تثلیث کا فرقہ کہتے ہیں اس فرقہ کو توان میں کے فرقہ پروٹسٹنٹ نے یوں جھٹلا دیا ہے کہ یہ تثلیث کا مسئلہ انجیل میں نہیں ہے یہ پروٹسٹنٹ فرقہ انجیلی کہلاتا ہے یہ لوگ تثلیث کے مسئلہ کو انجیل کے مابعد کا مسئلہ خیال کر کے اپنی کتابوں میں اس کا ذکر نہیں کرتے علاوہ اس کے تین خدا کو ماننا کھلم کھلا شرک ہے اور انجیل یوحنا کے تیرھویں باب میں لکھا ہے کہ مشرک کا ٹھکانا دوزخ ہے اس سے اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے کہ اس طرح سے شرک کا پھیلانے والا مسئلہ کسی طرح انجیل کے حکم کے موافق نہیں ہو سکتا انجیل متی کا تیسرا اور چوتھا باب دیکھنے کے قابل ہے جس میں عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کو وحدہٗ لاشریک اور اپنے آپ کو اللہ کا بندہ ٹھہرایا ہے اس سے معلوم ہوا کہ نصاریٰ میں کے جو فرقے عیسیٰ علیہ السلام کو خدا یا خدا کا بیٹا کہتے ہیں ان کا اعتقاد عیسیٰ علیہ السلام کے قول کے برخلاف ہے سورۂ المائدہ میں گزر چکا ہے کہ نصاریٰ میں یہ اعتقاد عیسیٰ علیہ السلام کے بعد بعضے لوگوں کے الہاموں کی بنا پر پیدا ہوئے ہیں اور یہ بھی گزر چکا ہے کہ یوحنا حواری نے اپنے رسالہ کے چوتھے باب میں عیسیٰ علیہ السلام کے بعد کے الہاموں کو بے اعتبار ٹھہرا دیا ہے سورۃ المائدہ اور سورۃ التوبہ میں بھی عیسائیوں کا حال گزر چکا ہے صحیح بخاری و مسلم میں عبادہ بن الصامت سے روایت ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عیسیٰ علیہ السلام کے بندے اور رسول ہونے کا خاص طور پر ذکر فرمایا ہے[3] اس حدیث کو آیت کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ یہود اور نصاریٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کے اصلی حال میں طرح طرح کی غلط باتیں تراش لی تھیں اس واسطے جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں عیسیٰ علیہ السلام کے بندے اور رسول ہونے کو قول الحق فرمایا اسی طرح اللہ کے رسول نے بھی خاص طور پر اس حق بات کو جتلا دیا۔

۳۵:- اوپر گزرا کہ نصاریٰ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے باب میں طرح طرح کا جھگڑا ہے اسی واسطے اس آیت میں فرمایا یہ جھگڑا ڈالنے والے لوگ اللہ کی قدرت کو بھول گئے ہیں اس واسطے ایسی باتیں کرتے ہیں اس کی قدرت تو وہ ہے کہ جس کام کے کرنے کا اس کا

[1] دیکھئے ج ۱ ص ۲۴۰ تفسیر ہذا [2] تفسیر ہذا ج ۱ ص ۴۹۲ [3] صحیح بخاری ص ۴۸۸ ج ۱ باب قولہ یا اہل الکتاب لاتغلوا فی دینکم الخ

أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴿٣٥﴾ وَإِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ هَٰذَا

پھر کام یہی کہتا ہے اس کو کہ ہو وُہ ہوتا ہے اور کہا بے شک اللہ ہے رب میرا اور رب تمہارا سو اسی کی بندگی کرو یہ

صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ﴿٣٦﴾ فَاخْتَلَفَ الْأَحْزَابُ مِنْ بَيْنِهِمْ فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ

ہے راہ سیدھی۔ پھر کئی راہ ہوگئے فرقے ان میں سے سو خرابی ہے منکروں کو جس وقت

ارادہ ٹھہرتا ہے کلمۂ کن کے فرما دینے سے وُہ کام فوراً ہوجاتا ہے اسی کلمۂ کن کے فرما دینے سے اس نے بغیر ماں باپ کے آدم علیہ السلام اور بغیر باپ کے عیسےٰ علیہ السلام کو پیدا کیا غرض عیسےٰ علیہ السلام آدم علیہ السلام کی طرح اللہ کی مخلوق میں سے ہیں نہ خدا ہیں نہ خدا کے بیٹے نہ خدا کے شریک اللہ کی شان ان لوگوں کی تراشی ہوئی باتوں سے بہت دُور ہے اسی واسطے کسی آسمانی کتاب سے یہ لوگ اپنی ان تراشی ہُوئی باتوں کی سند نہیں پیش کر سکتے صحیح بخاری اور مسلم کے حوالہ سے عبادہ بن الصامت رضی کی حدیث جو اوپر کی آیت کی تفسیر میں گزری وہ اور متی کی انجیل کا تیسرا اور چوتھا باب گویا اس آیت کی تفسیر ہیں جس کا حاصل وہی ہے جو اوپر کی آیت کی تفسیر میں بیان کیا گیا کہ عیسےٰ علیہ السلام انجیل اور قرآن کی تعلیم کے موافق اللہ کے بندے رسول ہیں اور عیسےٰ علیہ السلام کے بعد بعضے الہاموں کی بنا پر جو باتیں تراشی گئی ہیں وُہ الہام بالکل غلط ہیں کیونکہ کوئی صحیح الہام کتاب آسمانی کے برخلاف نہیں ہوسکتا کس لئے کہ اللہ کی شان سے یہ بات بعید ہے کہ وُہ وحی کے ذریعہ سے نبی کو ایک حکم دے اسی نبی کی اُمت میں کے بعضے لوگوں کو الہام کے ذریعہ سے دُوسرا حکم دے اور الہام کے ذریعہ سے وحی آسمانی کو جھٹلا دے چالیس دن کی عمر میں معجزے کے طور پر عیسےٰ علیہ السلام نے قوم کے لوگوں سے جو باتیں کیں ان باتوں کے سلسلہ میں اس آیت اور اس سے اُوپر کی آیت کا مضمون اللہ تعالیٰ نے نصیحت کے طور پر بڑھا دیا تھا اب آگے کی آیت میں عیسےٰ علیہ السلام کی باتوں کے سلسلہ کا خاتمہ ہے

۳۶: شروع تقریر میں عیسےٰ علیہ السلام نے یہ کہا تھا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں رسول ہوں اسی سلسلہ میں اب یہ فرمایا کہ اے لوگو! جب میں اور تم سب اللہ کے بندے ہیں اور وُہ ہم سب کا معبود اور رب ہے تو خالص اسی کی عبادت کرنا اور اس کی عبادت میں کسی کو شریک کرنا ایک ہی سیدھا راستہ ہے مطلب یہ ہے کہ سوائے اس ایک راستہ کے اور سب راستے ٹیڑھے ہیں اس لئے کہ خالص اللہ کی عبادت کو چھوڑ کر جو کوئی دوسرا راستہ چلا وُہ دوزخ میں جانے کا شرکیہ راستہ ہے مسند امام احمد نسائی مستدرک حاکم میں عبداللہ بن مسعود رضی سے اور ترمذی وغیرہ میں عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی سے معتبر روایتیں ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک روز بہت سی لکیریں زمین پر کھینچ کر یہ فرمایا کہ ان میں سوائے ایک راستہ کے اور سب راستے دوزخ کے ہیں اور وُہ ایک راستہ دوزخ سے بچا ہوا وہی ہے جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں ان روایتوں سے اور انجیل یوحنا کے باب عیسےٰ علیہ السلام کی اس نصیحت کا مطلب اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے جس کا حاصل وہی ہے جو اوپر بیان کیا گیا کہ جو کوئی خالص اللہ کی عبادت کا راستہ چھوڑ کر دُوسرا راستہ چلا وُہ دوزخ میں جلنے کا شرک کا راستہ ہے

۳۷-۳۸: ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے عیسےٰ علیہ السلام کی نصیحت کا نتیجہ ذکر فرمایا کہ جو لوگ اپنے آپ کو عیسےٰ علیہ السلام کا پیرو کہتے ہیں عیسےٰ علیہ السلام کے بعد ان لوگوں نے عیسےٰ علیہ السلام کی نصیحت کو بالکل رائگاں کر دیا اور بجائے خالص اللہ کی

لہ مشکوٰۃ ص ۳ باب الاعتصام بالکتاب والسنہ فصل دوسری ۲ے ایضاً۔

مَّشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۳۷﴾ أَسْمِعْ بِهِمْ وَأَبْصِرْ يَوْمَ يَأْتُوْنَنَا لٰكِنِ الظّٰلِمُوْنَ الْيَوْمَ

دیکھیں گے ایک دن بڑا ۔ کیا سنتے دیکھتے ہوں گے جس دن آئیں گے ہمارے پاس پر بے انصاف آج کے دن

فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۸﴾ وَأَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ إِذْ قُضِيَ الْأَمْرُ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ وَّ

صریح بھٹکتے ہیں ۔ اور ڈر سنادے ان کو اس پچھتاوے کے دن کا جب فیصل ہو چکے گا کام اور وہ بھول رہے ہیں اور

هُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۹﴾ إِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْأَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا وَإِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ ﴿۴۰﴾ ع

وہ یقین نہیں لاتے ۔ ہم وارث ہوں گے زمین کے اور جو کوئی ہے زمین پر اور ہماری طرف پھر آویں گے ۔

وقف لازم

عبادت کے ان میں سے کچھ لوگ عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کہنے لگے کچھ خدا کا بیٹا اور کچھ خدا کا شریک اور ان میں کے جو لوگ عیسیٰ علیہ السلام کی نصیحت پر قائم تھے ان سے لڑے اور ان کو مارا اس لڑائی کا ذکر اس وقت کی تاریخ کی کتابوں میں تفصیل سے ہے پھر فرمایا ایسے منکر شریعت لوگوں کو قیامت کے دن بڑی خرابی پیش آنے والی ہے اب دنیا میں تو یہ لوگ اللہ کے رسول کی نصیحت کو رائگاں کر رہے ہیں لیکن قیامت کے دن اس نصیحت کے سننے کو ان کے کان اور نصیحت کے رائگاں کرنے کے عذاب کو دیکھنے کے لئے ان کی آنکھیں کھل جائیں گی مگر وہ بے وقت کا سننا دیکھنا ان کے کچھ کام نہ آئے گا صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے انس ؓ بن مالک کی روایت کئی جگہ گزر چکی ہے کہ کم سے کم عذاب والا دوزخی شخص تمام دنیا کے مال و متاع کو جرمانہ میں دے کر دوزخ کے عذاب سے نجات چاہے گا تو نجات نہ ہو سکے گی[1] اس حدیث سے یہ مطلب اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے کہ اللہ کے رسولوں کی نصیحت کو رائگاں کرنا اتنا بڑا جرم ہے جو تمام دنیا کے مال متاع کے جرمانہ سے بھی معاف نہیں ہو سکتا ۔

۳۹ ۔ ۴۰ : اوپر عیسائیوں کا ذکر فرما کر ان آیتوں میں مشرکین مکہ کا ذکر فرمایا جس سے یہ بات جتلائی گئی ہے کہ جس طرح عیسائی لوگ اپنے آپ کو عیسیٰ علیہ السلام کا پیرو کہتے ہیں اور حقیقت میں عیسیٰ علیہ السلام کے طریقہ کے بالکل برخلاف ہیں یہی حال ان مشرکین مکہ کا ہے کہ یہ لوگ اپنے آپ کو ملت ابراہیمی کا پابند کہتے ہیں اور حقیقت میں ابراہیم علیہ السلام کے طریقہ کے بالکل برخلاف ہیں کیونکہ ابراہیم علیہ السلام تو بت پرستی سے ایسے بیزار تھے کہ اسی پر ان کا اور ان کے باپ کا جھگڑا ہوا جس کا ذکر آگے آتا ہے اور ان لوگوں کا یہ حال ہے کہ رات دن بت پرستی میں لگے ہوئے ہیں قیامت کے دن اس بت پرستی کی جو سزا ان کو بھگتنی پڑے گی اس سے بالکل غافل ہیں اور باوجود ہر وقت کی نصیحت کے اس شرک سے باز نہیں آتے اس لیے اے رسول اللہ کے تم اپنا کام کئے جاؤ کہ ان لوگوں کو اس دن کے پچھتاوے سے ڈراتے رہو اس پر جو لوگ شرک سے باز نہ آویں تو اس کا کچھ رنج نہ کرو ایک دن دنیا فنا ہونے والی ہے اور دنیا کے فنا ہو جانے کے بعد پھر دوبارہ زندہ ہو کر جب تمام دنیا کے لوگ سزا و جزا کے لئے ہمارے روبرو حاضر ہوں گے تو اس وقت یہ لوگ اپنے اس شرک کی سزا بھگت کر بہت پچھتاویں گے اس پچھتاوے کا ذکر سورۃ الانعام میں گزر چکا ہے کہ اس طرح کے لوگ اپنی دنیا کی غفلت کی زندگی پر پچھتا کر پھر دوبارہ دنیا میں آنے اور نیک عمل کرنے کی خواہش کریں گے مگر اس بے وقت کے پچھتانے اور بے موقع خواہش سے ان کو کچھ فائدہ نہیں صحیح بخاری مسلم اور ترمذی میں ابوسعید خدری ؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جب جنت میں ہمیشہ رہنے والے

[1] صحیح مسلم ص ۳۷۴ ج ۲ باب فی الکفار ۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ۬ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴿۴۱﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ

اور مذکور کر کتاب میں ابراہیم کا بے شک تھا وہ سچا نبی جب کہا اپنے باپ کو

يٰۤاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْـًٔا ﴿۴۲﴾ يٰۤاَبَتِ اِنِّيْ

اے میرے باپ کیوں پوجتا ہے جو چیز نہ سنے اور نہ دیکھے اور نہ کام آوے تیرے کچھ اے باپ میرے مجھ کو

قَدْ جَآءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْۤ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ﴿۴۳﴾ يٰۤاَبَتِ لَا

آئی خبر ایک چیز کی جو تجھ کو نہیں آئی سو میری راہ چل سوجھا دوں تجھ کو راہ سیدھی اے میرے باپ مت

جنتیوں اور دوزخ میں ہمیشہ رہنے والے دوزخیوں کو یہ حکم سُنا دیا جائے گا کہ اب جو جہاں ہے وہیں رہے گا کبھی وہاں سے نہ نکلے گا اس وقت دوزخی لوگ اپنی دنیا کی غفلت کی زندگی پر بہت پچھتائیں گے یہ حدیث فرما کر اللہ کے رسُول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان دونوں آیتوں میں کی پہلی آیت پڑھی اس حدیث[1] سے ایسے لوگوں کے پچھتاوے کے وقت کی تفسیر اچھی طرح سمجھ میں آسکتی ہے

۴۱ - ۵۰ - تفسیر سدی اور سیرۃ ابن اسحاق میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیدائش کا قصہ جو لکھا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت ابراہیم کی پیدائش سے پہلے نمرود نے خواب میں دیکھا تھا کہ ایک بڑا روشن ستارہ آسمان پر نکلا ہے اس وقت کے نجومیوں سے اس نے اپنا یہ خواب بیان کیا انہوں نے جواب دیا کہ اس سال ایک لڑکا ایسا پیدا ہوگا کہ اس کے سبب سے تیری سلطنت غارت ہو جائے گی اس خواب کی تعبیر کے خوف سے بستی کے سب مردوں کو اپنے ساتھ لے کر نمرود بستی کے باہر چلا گیا اور سب عورتوں کو بستی کے اندر چھوڑ دیا تاکہ اس سال مرد و عورت میں مباشرت اور کوئی اولاد پیدا نہ ہو لیکن خدا کے کارخانوں کو کون روک سکتا ہے بستی میں آنے کا ایک ضروری کام درپیش آیا اور نمرود نے حضرت ابراہیم کے باپ آزر کو اس کام کے لیے بستی میں بھیجا اور سخت تاکید کی کہ تم اپنی بی بی سے مباشرت نہ کرنا مگر جب آزر بستی میں آئے تو ان سے نہ رہا گیا انہوں نے اپنی بی بی سے مباشرت کی اور حضرت ابراہیم کا حمل رہا نجومیوں نے پھر نمرود کو خبر دی کہ اس لڑکے کا حمل قرار پا چکا ہے لیکن حضرت ابراہیمؑ کی ماں کو دیکھنے میں حمل نہیں معلوم ہوتا تھا آخر حضرت ابراہیم پیدا ہوئے اور نمرود کے خوف سے سات برس کی عمر تک ان کی ماں نے ان کو ایک تہ خانہ میں پالا پہلے تو حضرت ابراہیم کی ماں نے اپنے خاوند آزر سے بھی حضرت ابراہیم کا حال چھپایا اور یوں کہہ دیا کہ ایک مرا ہوا بچہ پیدا ہوا تھا کیوں کہ جب نجومیوں نے نمرود کو اس بچہ کے حمل قرار پا جانے کی خبر دی تھی تو نمرود نے حکم دے دیا تھا کہ اس سال جو بچہ پیدا ہو وہ مار ڈالا جائے اس خوف سے حضرت ابراہیم کی ماں نے اپنے خاوند سے بھی حضرت ابراہیم کے حال کو چھپایا کہ نمرود کی خوشامد سے کہیں آزر اس بچہ کا حال ظاہر کر کے اس بچہ کو قتل نہ کرا دے اس تہ خانہ کے رہنے کے زمانہ میں ان کی ماں نے ایک رات اُن کو تہ خانہ سے باہر نکالا تھا اور جب ہی انہوں نے چاند ستاروں کو غروب اور طلوع کے وقت دیکھ کر هٰذَا رَبِّيْ کہا تھا جس کا ذکر سورہ انعام میں ہے غرض جب نمرود کے خواب کو سات برس گزر گئے اور بچوں کو مار ڈالنے کا حکم بھی نمرود نے موقوف کر دیا اور حضرت ابراہیمؑ خوب باتیں کرنے لگے تو ایک روز حضرت ابراہیمؑ کی ماں نے آزر سے محبت دلانے کیلئے

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۱۲۲ ج ۲ -

تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا ﴿۴۴﴾ يٰٓاَبَتِ اِنِّىْٓ اَخَافُ

پوج شیطان کو بے شک شیطان ہے رحمٰن کا بے حکم اے باپ میرے میں ڈرتا ہوں

اَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا ﴿۴۵﴾ قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ

کہیں آ لگے تجھ کو ایک آفت رحمٰن سے پھر تو ہو جاوے شیطان کا ساتھی وہ بولا کیا تو پھرا ہوا ہے

عَنْ اٰلِهَتِيْ يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ۚ لَىِٕنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا ﴿۴۶﴾ قَالَ

میرے ٹھاکروں سے اے ابراہیم! اگر تو نہ چھوڑے گا تو تجھ کو پتھراؤ سے ماروں گا اور مجھ سے دور جا ایک مدت کہا تیری

سَلٰمٌ عَلَيْكَ ۚ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا ﴿۴۷﴾ وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ

سلامتی رہے میں گناہ بخشواؤں گا تیرا اپنے رب سے بیشک وہ ہے مجھ پر مہربان اور کنارہ پکڑتا ہوں تم سے اور جن کو تم پکارتے ہو

حضرت ابراہیم کی باتوں کا اور حضرت ابراہیم کی پیدائش کا حال کہا آزر نے حضرت ابراہیم کو تہ خانہ میں جاکر دیکھا اور جتلایا کہ میں تمہارا باپ ہوں حضرت ابراہیم نے کہا اے میرے باپ تمہارا پیدا کرنے والا کون ہے آزر نے کہا نمرود حضرت ابراہیم نے کہا نمرود کو کس نے پیدا کیا آزر نے ایک طمانچہ حضرت ابراہیم کے منہ پر مارا اور غصہ ہو کر تہ خانہ سے باہر چلے آئے یہ گویا بت پرستی کی پہلی بحث تھی جو حضرت ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے کی پھر اسی طرح سولہ برس کی عمر تک حضرت ابراہیم اپنے باپ اور اپنی قوم کے لوگوں سے بحث کرتے رہے اور طرح طرح سے بت پرستی کی برائی ان کو سمجھاتے رہے ان ہی بحثوں میں کی ایک بحث کا ان آیتوں میں ذکر ہے جب ان بحثوں سے وہ لوگ نہ مانے تو سولہ برس کی عمر میں حضرت ابراہیم نے ان کے بت توڑ ڈالے اور اسی الزام میں نمرود نے پہلے تو حضرت ابراہیمؑ کو چند روز قید میں رکھا پھر قید سے ایک روز ان کو اپنے روبرو بلایا اور بحث ہوئی جس کا ذکر سورۂ بقر میں گزرا جس میں حضرت ابراہیمؑ نے نمرود سے کہا کہ میرا خدا تو ہر روز مشرق سے سورج نکالتا ہے تجھ میں کچھ قدرت ہے تو سورج کو مغرب سے نکال اس بحث میں لاجواب ہو کر پھر نمرود نے حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں ڈالا یہ قصہ سورۂ انبیاء میں آئے گا اولوالعزم رسولوں میں پہلے رسول حضرت نوح ہیں دوسرے حضرت ابراہیمؑ بغیر اولوالعزم دو رسول حضرت ہودؑ اور حضرت صالحؑ حضرت نوحؑ اور حضرت ابراہیمؑ کے بیچ کے زمانہ میں گزرے ہیں جامع الاصول میں ہے کہ حضرت نوحؑ اور حضرت ابراہیمؑ کے بیچ کے زمانہ کی مدت بارہ سو چالیس برس کی ہے اللہ کے حکم کی فرمانبرداری حضرت ابراہیمؑ میں بہت تھی حکم آتے ہی اسی برس کی عمر میں اپنے ہاتھ سے اپنا ختنہ کیا جس کا ذکر صحیح بخاری میں ابوہریرہؓ کی روایت[۱] سے ہے اپنے بیٹے حضرت اسمٰعیلؑ کے ذبح کرنے کو جھٹ مستعد ہو گئے جس کا ذکر والصافات میں آئے گا مہمان نوازی حضرت ابراہیم کی مشہور ہے مکہ کے مشرک لوگ اپنے آپ کو ملت ابراہیمی پر کہتے تھے اس واسطے اللہ تعالیٰ نے اوپر کی آیتوں میں ان کو بت پرستی کے وبال سے ڈرا کر ان آیتوں میں ابراہیم علیہ السلام کا قصہ بیان فرمایا تاکہ ان لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ ابراہیم علیہ السلام بت پرستی سے کس قدر بیزار تھے پھر یہ لوگ بت پرستی میں گرفتار رہ کر اپنے آپ کو ملت ابراہیمی پر کیوں کر بتلا سکتے ہیں غرض باپ کی بت پرستی سے بیزار ہو کر ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ سے کہا کہ جن بتوں کو تم پوجتے ہو نہ ان کے کان ہیں جو تمہارا کوئی مقصد

[۱] صحیح بخاری ص ۴۷۳ ج ا کتاب الانبیاء

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْا رَبِّیْ عَسٰۤى اَلَّاۤ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّیْ شَقِیًّا ﴿۴۸﴾ فَلَمَّا

اللہ کے سوا اور میں پکاروں گا اپنے رب کو امید ہے کہ نہ رہوں گا اپنے رب کو پکار کر محروم پھر جب

اعْتَزَلَهُمْ وَمَا یَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۙ وَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ ؕ وَ

کنارے ہوا ان سے اور جن کو وہ پوجتے تھے اللہ کے سوا بخشا ہم نے اس کو اسحاق اور یعقوب اور

كُلًّا جَعَلْنَا نَبِیًّا ﴿۴۹﴾ وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ

دونوں کو نبی کیا۔ اور دیا ہم نے ان کو اپنی مہر سے اور رکھا ان کے واسطے سچا بول

عَلِیًّا ﴿۵۰﴾ ع وَاذْكُرْ فِی الْكِتٰبِ مُوْسٰۤى ۤ اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا وَّكَانَ رَسُوْلًا نَّبِیًّا ﴿۵۱﴾ وَ

اونچا، اور مذکور کر کتاب میں موسیٰ کا وہ تھا چنا ہوا اور تھا رسول نبی اور

وہ سنیں نہ ان کی آنکھیں ہیں جو تمہاری پوجا کی حالت کو وہ دیکھیں پھر کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ بت تمہارا کون سا مقصد پورا کر سکتے ہیں اگر تم میرا کہنا مانو تو میں تم کو عبادت کا سیدھا راستہ بتا سکتا ہوں جن نیک لوگوں کی مورتوں کو تم پوجتے ہو ان نیک لوگوں کو تو تمہاری اس پوجا کی خبر تک بھی نہیں یہ تو شیطان کا کام ہے کہ جیسا وہ خود گمراہ ہے اوروں کو بھی ویسا کرنا اور اپنا گروہ بڑھانا چاہتا ہے اے میرے باپ میں ڈرتا ہوں کہ شیطان کے کہنے پر چلنے اور شیطان کا ساتھی قرار پا جانے سے تم پر اللہ کی طرف سے کوئی آفت نہ آجائے ابراہیم علیہ السلام کے باپ آزر نے ابراہیم علیہ السلام کی یہ باتیں سن کر کہا معلوم ہوتا ہے ابراہیم تم ہمارے ٹھاکروں سے پھرے ہوئے ہو اگر تم اپنی اس حالت کو نہ چھوڑو گے تو میں تم کو پتھروں سے کچل ڈالوں گا جاؤ کچھ دنوں تک تم مجھ کو اپنی صورت نہ دکھاؤ باپ کی یہ باتیں سن کر ابراہیم علیہ السلام نے باپ کو رخصتی سلام کیا اور یہ کہا کہ اے باپ میں تم سے اور تمہارے بتوں سے کنارے ہو جاتا ہوں مگر میں جہاں رہوں گا تمہارے حق میں دعائے خیر کرتا رہوں گا اور مجھ کو اللہ کی ذات سے امید ہے کہ میری دعا رائگاں نہ جائے گی آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کے واسطے اپنے ماں باپ اور قوم کو چھوڑا تو ان کو اولاد اور اولاد کی اولاد والا کیا اور ان سب کو نبی کر کے ان کا ذکر خیر دنیا میں باقی رکھا صحیح بخاری وغیرہ میں معراج کی جو روایتیں ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام اور خاتم الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ملاقات ساتویں آسمان پر ہوئی [1] ان روایتوں سے ابراہیم علیہ السلام کا رتبہ اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے۔

۵۱-۵۳: تفسیر سدی اور تفسیر ابن جریر وغیرہ میں حضرت موسیٰ کی پیدائش کا قصہ جو ذکر کیا گیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت موسیٰ کی پیدائش سے پہلے فرعون نے خواب میں دیکھا کہ بیت المقدس کی طرف سے ایک آگ نکلی اور سوا بنی اسرائیل کے محلہ کے تمام مصر کو اس آگ نے جلا دیا فرعون نے اپنا یہ خواب اس وقت کے نجومیوں سے بیان کیا انہوں نے کہا ایک لڑکا بنی اسرائیل میں کا جس کا اصل وطن ملک شام بیت المقدس کی سرزمین ہے پیدا ہونے والا ہے اس کے ہاتھ سے مصر خراب اور برباد ہوگا۔ فرعون نے بنی اسرائیل میں جو لڑکے پیدا ہوتے تھے ان کے مار ڈالنے کا حکم دیا۔ ہزار ہا لڑکے بنی اسرائیل

[1] صحیح بخاری ص ۵۴۱ ج ۱ باب حدیث الاسراء الخ۔

نَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا ﴿۵۲﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ

پکارا ہم نے اس کو داہنی طرف سے طور پہاڑ کے اور نزدیک بلایا اس کو بھید کہنے کو اور بخشا ہم نے اس کو اپنی

رَّحْمَتِنَآ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا ﴿۵۳﴾

مہر سے بھائی اس کا ہارون نبی ۔

کے قتل کئے گئے جب حضرت موسیٰؑ پیدا ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی ماں کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ ان کی ماں نے حضرت موسیٰؑ کو ایک صندوق میں بند کر کے اور ایک رسی سے اس صندوق کو باندھ کر وہ صندوق دریا میں ڈال دیا۔ جب دودھ پلانا ہوتا وہ صندوق کی رسی کھینچ کر صندوق میں سے حضرت موسیٰ کو نکال کر دودھ پلا دیا کرتیں اور پھر وہ صندوق دریا میں ڈال دیا کرتیں ایک روز خدا کی قدرت کہ وہ رسی کھل گئی اور صندوق دریا میں بہہ گیا حضرت موسیٰ کی ماں نے گھبرا کر حضرت موسیٰ کی بہن مریم کو اس صندوق کی خبر کو بھیجا مریم نے آن کر خبر دی کہ دریائے نیل سے ایک نہر فرعون نے جو اپنے رہنے کے مکان تک کاٹ لی تھی اس کے راستہ سے بہہ کر وہ صندوق فرعون کے دروازے پر پہنچ گیا اور اتفاق سے وہ صندوق حضرت آسیہ فرعون کی بی بی کو نظر پڑا اور انہوں نے نکلوایا اور کھولا اور فرعون سے حضرت موسیٰؑ کے پالنے کی اجازت بھی حاصل کر لی اور حضرت موسیٰ کسی انّا کا دودھ نہیں پیتے اس واسطے الیسی انّا کی تلاش ہو رہی ہے جس کا دودھ حضرت موسیٰ پئیں سورہ طٰہٰ و سورۂ شعرا اور قصص میں یہ قصہ پورا آوے گا کہ خدا کی قدرت سے حضرت موسیٰؑ نے اپنی ماں کے ہی دودھ سے اپنے دشمن فرعون کے گھر میں پرورش پائی اور پھر مدین گئے اور وہاں حضرت شعیبؑ کی بیٹی سے نکاح ہوا اور دس برس مدین رہے جب حضرت موسیٰ گھٹنوں چلنے لگے تو ایک دن آسیہؓ نے ان کو فرعون کی گود میں دیا حضرت موسیٰؑ نے فرعون کی داڑھی نوچ لی فرعون کو غصہ آگیا اس نے جلاد کو حضرت موسیٰؑ کے مار ڈالنے کے لئے بلوایا آسیہ نے کہا کہ ناسمجھ بچہ ہے اس کی بات پر تم کیا غصہ کرتے ہو ناحق لوگ ہنسیں گے میں ایک طرف آگ کا انگارہ رکھتی ہوں اور ایک طرف یاقوت رکھتی ہوں اگر اس بچہ نے آگ کا انگارہ اٹھا لیا تو جان لینا ناسمجھ بچہ ہے اور اگر یاقوت اٹھایا تو جاننا سمجھدار ہے پھر تم کو مروا ڈالنے کا اختیار ہے یہ دونوں چیزیں آسیہ نے رکھیں حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضرت موسیٰؑ کا ہاتھ پکڑ کر آگ میں ڈال دیا اور وہ آگ کا انگارہ حضرت موسیٰ کے ہاتھ میں دے کر پھر حضرت موسیٰ کا ہاتھ حضرت موسیٰؑ کے منہ میں دے دیا جس سے حضرت موسیٰؑ کی زبان جل کر توتلی ہو گئی پھر نبی بننے کے بعد جب حضرت موسیٰؑ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو وہ توتلا پن گیا جس کا ذکر سورہ طٰہٰ میں آئے گا ایک سو بیس برس کی عمر میں حضرت موسیٰؑ نے وفات پائی صحیح مسلم میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ملک الموت جب حضرت موسیٰؑ کی جان قبض کرنے کے لئے آئے تو حضرت موسیٰؑ نے ملک الموت کی آنکھ میں ایک گھونسا مار کر ملک الموت کی آنکھ پھوڑ ڈالی ملک الموت نے جا کر خدا تعالیٰ سے فریاد کی اللہ تعالیٰ نے ملک الموت کی آنکھ اچھی کر دی اور فرمایا پھر جا کر موسیٰؑ سے کہو کہ اگر ان کو دنیا کی زیست درکار ہے تو ایک بیل کی پیٹھ پر وہ ہاتھ رکھ دیں بیل کے جتنے بال ان کے ہاتھ کے نیچے دبیں گے ہر ایک بال کو ایک سال قرار دیا جا کر ان کی عمر بڑھا دی جائے گی جب ملک الموت نے اللہ تعالیٰ کا یہ پیغام حضرت موسیٰؑ کو پہنچایا تو حضرت

موسیٰ نے کہا کہ اپنی عمر پانے کے بعد پھر آخر انجام کیا ہو گا اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب ملا آخر موت ہے حضرت موسیٰ نے کہا تو ابھی سہی بعضے لوگوں نے اس حدیث کے مطلب پر یہ اعتراض کیا ہے کہ حضرت موسیٰ نے ملک الموت کو پہچان لیا تھا اور پھر آنکھ پھوڑی تو اللہ کے فرشتے کی توہین کی اور اگر نہیں پہچانا تو ایک اجنبی شخص جان کر گھونسا مارا تو حضرت موسیٰ سے قصاص لینا چاہیئے تھا جواب اس اعتراض کا وہی ہے جو حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں دیا ہے کہ شریعت موسوی اور شریعت محمدیؐ انسانوں پر نافذ اور جاری ہے یہ قصہ ایک اللہ کے رسول اور ایک فرشتہ کے فی مابین کا ہے اس قصہ کا فیصلہ اللہ تعالیٰ نے کر دیا اب اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کے بعد کسی انسان کی کیا بساط ہے جو اس فیصلہ پر اعتراض کر سکے حاصل یہ ہے کہ یہ اعتراض حد شریعت سے بڑھا ہوا ہے اس لئے علماء کی توجہ کے قابل نہیں ہے۔ حاصلِ کلام یہ ہے کہ دس برس مدین میں رہنے کے بعد شعیب علیہ السلام سے اجازت لے کر جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی ماں اور بھائی ہارون سے ملنے کا قصد کیا اور مدین سے مصر کی طرف روانہ ہوئے تو اس وقت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ان کی بی بی بھی تھیں جاڑے کا موسم اور رات کا سفر تھا اور موسیٰ علیہ السلام رات کے اندھیرے کے سبب سے راستہ بھی بھول گئے تھے اسی حالت میں ان کو دور سے آگ کی روشنی نظر آئی یہ آگ کی روشنی دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام نے اپنی بی بی سے کہا تم یہیں ٹھہرو میں اس آگ میں سے ایک انگارہ لے آؤں اور آگ کے پاس کوئی آدمی مل گیا تو اس سے راستہ بھی پوچھ لوں گا علماء کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کے روئے مبارک کے آگے جو پردے ہیں ان میں سے ایک پردہ آگ کا بھی ہے وہی آگ موسیٰ علیہ السلام کو نظر آئی تھی۔ صحیح مسلم میں ابو موسیٰ اشعریؓ سے جو روایت ہے اس میں بھی اس آگ کے پردہ کا ذکر ہے[1] اس حدیث سے ان علماء کے قول کی تائید ہوتی ہے غرض اس روشنی میں سے موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی آواز آئی اور اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کو فرعون اور اس کی قوم کی ہدایت کے لئے نبی ٹھہرا کر موسیٰ علیہ السلام سے بہت سی باتیں کیں جن کا ذکر سورہ طٰہٰ میں آئے گا۔ اسی وقت عصا اور ید بیضاء کا معجزہ موسیٰ علیہ السلام کو عطا ہوا اور موسیٰ علیہ السلام کی خواہش پر ہارون علیہ السلام کو بھی نبی قرار دیا یہ سب ذکر بھی سورہ طٰہٰ میں تفصیل سے آئے گا ان آیتوں میں بھی وہی ذکر مختصر طور پر فرمایا گیا ہے صحیح بخاری وغیرہ میں معراج کے بیان میں جو روایتیں ہیں ان کے موافق خاتم الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ہارون علیہ السلام کی ملاقات پانچویں آسمان پر ہوئی اور موسیٰ علیہ السلام کی چھٹے آسمان[2] پر ان روایتوں سے یہ بات سمجھ میں آسکتی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کے مرتبہ میں فرق ہے مشرکینِ مکہ موسیٰ علیہ السلام کو صاحبِ توریت نبی اور یہود کو اہل کتاب جانتے تھے اسی واسطے انہوں نے یہود کے مشورہ کے موافق روح اصحاب کہف اور ذوالقرنین کا حال اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا لیکن اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت پر ان کا یہ اعتراض تھا کہ اللہ کا رسول انسان نہیں ہو سکتا فرشتہ ہونا چاہیئے اس اعتراض کو موسیٰ علیہ السلام کے ذکر سے یوں غلط ٹھہرایا کہ آخر موسیٰ علیہ السلام بھی انسان تھے وہ کیوں کر اللہ کے رسول قرار پائے۔

---

[1] صحیح مسلم ص ۲۶۸ ج ۲ باب من فضائل موسیٰ علیہ السلام۔

[2] صحیح مسلم ص ۹۹ ج ۱ باب معنی قول اللہ عزوجل ولقد راٰہ نزلۃ اخریٰ الخ [3] مشکوٰۃ باب المعراج۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ﴿٥٤﴾ وَكَانَ

اور مذکور کر کتاب میں اسمٰعیل کا وُہ تھا وعدے کا سچا اور تھا رسُول نبی اور حکم

يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا ﴿٥٥﴾ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ

کرتا تھا اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا اور تھا اپنے رب کے یہاں پسند اور مذکور کر کتاب میں ادریس کا

۵۴۔۵۵: تفسیر ابن ابی حاتم میں معتبر سند سے ابن شہاب زہری کا قول ہے کہ اسمٰعیل علیہ السلام نے ایک شخص سے کچھ وعدہ کیا تھا پھر وُہ شخص وعدہ پر نہیں آیا تو اسمٰعیل علیہ السلام ایک برس تک اس کا انتظار کرتے رہے[1] ان آیتوں میں اسمٰعیل علیہ السلام کو وعدہ کا سچا جو فرمایا اس کی تفسیر اس قصہ سے اچھی طرح سمجھ میں آسکتی ہے یہ محمد بن مسلم ابن شہاب زہری قتادہ کے مرتبے کے بڑے ثقہ مشہور تابعی ہیں اور صحاح ستہ کی سب کتابوں میں ان کی روایتیں ہیں۔ سورۂ سبا میں آئے گا کہ پانی کا بند ٹوٹ جانے کی آفت سے جب قوم سبا کے یمنی عرب تباہ ہوگئے تو ان میں کے کچھ قبیلے یمن سے اٹھ کر مدینہ منورہ میں آن بسے یہ وہی لوگ ہیں جن کا لقب خاتم الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں انصار قرار پایا۔ صحیح بخاری میں سلمۃ بن الاکوعؓ سے روایت ہے جس میں اللہ کے رسُول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو بنی اسمٰعیل فرمایا ہے[2] اس واسطے سلف کا قول ہے کہ مکہ میں اور ان کے اطراف کے سب عرب اولادِ اسمٰعیل میں داخل ہیں اسمٰعیل علیہ السلام کے ذکر سے اللہ تعالیٰ نے مشرکین مکہ کو یوں قائل کیا ہے کہ تمام عرب کے باپ اسمٰعیل علیہ السلام کا تو یہ حال تھا کہ وُہ اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کی تاکید کیا کرتے تھے اور ان لوگوں کا یہ حال ہے کہ نماز کے وقت یہ لوگ سیٹیاں اور تالیاں بجاتے اور زکوٰۃ کو جرمانہ جانتے ہیں اور پھر اپنے آپ کو اولادِ اسمٰعیل کہتے ہیں اسمٰعیل علیہ السلام نے اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کے حکم کے موافق اپنی بی بی کو طلاق دے دی جس کا ذکر حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت سے صحیح بخاری میں ہے[3] کعبہ کے بنانے کے وقت پتھر ڈھو ڈھو کر لائے اور ابراہیم علیہ السلام کو بڑی مدد دی یہ ذکر بھی صحیح بخاری کی اسی روایت میں ہے ابراہیم علیہ السلام کے خواب کی بنا پر اللہ کے واسطے ذبح ہونے اور اپنی جان دینے کو تیار ہوگئے جس کا ذکر سورۂ الصافات میں آئے گا اسی واسطے ان آیتوں میں فرمایا کہ اسمٰعیل علیہ السلام کی عادتیں اللہ کو پسند تھیں۔

۵۶۔۵۷: حضرت ادریسؑ کے نسب میں علماء کا بڑا اختلاف ہے صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ کا قول جو بغیر سند کے معلق طور پر بیان کیا گیا ہے[4] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ادریسؑ اور الیاسؑ ایک ہی پیغمبر کا نام ہے اس صورت میں حضرت ادریس گویا بنی اسرائیل میں کے ایک پیغمبر ہیں کیونکہ حضرت الیاس تو حضرت ہارون کے پڑپوتے میں بعضے مفسر کہتے ہیں کہ حضرت ادریس حضرت آدمؑ کے پوتے ہیں اس آخری قول کو اکثر مفسرین نے اختیار کیا ہے کیونکہ اس معلق قول کی سند قوی نہیں ہے اسی طرح حضرت ادریس کے زندہ آسمان پر جانے میں اور اب ان کے زندہ ہونے میں اور اس میں کہ سورج پر جو فرشتہ متعین ہے اس سے ان کی دوستی ہو کر اس کے ذریعہ آسمان پر گئے علماء کے مختلف قول ہیں حاصل کلام یہ ہے

[1] فتح الباری ص ۲۷۳ ج ۲ باب من امر بانجاز الوعد الخ [2] صحیح بخاری ص ۴۹۷ ج ۱ باب نسبۃ الیمن الی اسماعیل علیہ السلام۔
[3] صحیح بخاری ص ۴۷۵ ج ۱ کتاب الانبیاء [4] صحیح بخاری ص ۴۷۰ ج ۱ کتاب الانبیاء

إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَّبِيًّا ﴿٥٦﴾ وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ﴿٥٧﴾ أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ أَنْعَمَ

وُہ تھا سچا نبی اور اٹھا لیا ہم نے اس کو ایک اونچے مکان پر وُہ لوگ ہیں جن پر نعمت دی اللہ

اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ وَّمِنْ ذُرِّيَّةِ

نے نبیوں میں اور آدمؑ کی اولاد میں اور ان میں جن کو لاد لیا ہم نے نوحؑ کے ساتھ اور ابراہیمؑ

کہ مرفوع حدیث تو اس باب میں کوئی نہیں ہے مگر اس اختلاف کے رفع کرنے میں مجاہد بن جبیر کا یہ قول قوی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ادریس زندہ آسمان پر اٹھا لیے گئے[1] کیونکہ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ مجاہد نے تین دفعہ سارا قرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے تفسیر سیکھنے کی غرض سے پڑھا ہے اور یہ بھی اوپر گزر چکا ہے کہ متقدین مفسرین میں سے سفیان ثوری نے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ تفسیر کے باب میں مجاہد کا قول سب پر فوقیت رکھتا ہے رہا مجاہد کے قول میں یہ احتمال کہ مجاہد کی تفسیر کے باب میں جو کچھ روایت ہے وُہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول ہے اور تفسیر ابن ابی حاتم میں خود حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے جو اس باب میں روایت ہے وُہ کعب احبار کا قول ہے اور اہل کتاب سے روایت کا لینا بخاری وغیرہ میں جو روایت[2] ہے اس سے منع ہے اس کا جواب یہ ہے کہ حرام حلال کے باب میں اہل کتاب سے روایت کا لینا منع ہے جہاں یہ منع کی روایت حدیث بخاری میں ہے وہیں ابن بطال وغیرہ شارحین بخاری نے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ اس طرح کے تاریخی واقعات اس منع میں داخل نہیں[3] ہے خود اللہ تعالیٰ نے فاسئلوا اھل الذکر فرما کر اسی طرح کی تاریخی روایت کا اہل کتاب سے لینا جائز فرما دیا ہے کس لیے کہ اصلی شان نزول آیت فاسئلوا اھل الذکر کی یہی ہے کہ جس کو شبہ ہو وُہ اہل کتاب سے پوچھ لے کہ رسُول ہمیشہ سے آدمی ہی آتے رہے ہیں فرشتے کبھی نہیں آئے ادریس علیہ السلام کے ذکر سے اللہ تعالیٰ نے مشرکین مکہ کو یوں قائل کیا ہے کہ یہود کو یہ لوگ اہل کتاب مانتے ہیں اور یہود کی کتاب توریت میں ادریس علیہ السلام کے انسان اور نبی ہونے کا ذکر موجود ہے پھر یہ لوگ کس سند سے یہ اعتراض پیش کرتے ہیں کہ اللہ کا رسُول انسان نہیں ہو سکتا فرشتہ ہونا چاہیئے۔

۵۸:۔یوں تو سب اولاد آدم علیہ السلام ہیں مگر شروع سورۃ سے یہاں تک اللہ تعالیٰ نے دس پیغمبروں کا ذکر جو فرمایا ہے بعضے ان میں سے حضرت آدم علیہ السلام کے قریب کے سلسلہ کی اولاد ہیں جیسے حضرت ادریس اور حضرت نوحؑ اور بعضے پھر حضرت نوحؑ کے سلسلہ میں ہیں جیسے حضرت ابراہیم بعضے پھر حضرت ابراہیم کے سلسلہ میں ہیں جیسے حضرت اسحٰقؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ اور حضرت یعقوب اور بعضے پھر حضرت اسرائیل یعنے حضرت یعقوب کے سلسلہ میں ہیں جیسے حضرت موسیٰ اور ہارون اور زکریاؑ اور یحییٰ و عیسیٰ اس سلسلہ کا ذکر اس آیت میں ہے اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ صحیح بخاری میں معلق طور پر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور عبداللہ بن عباسؓ کا یہ قول جو ہے کہ ادریس اور الیاس ایک ہی پیغمبر کا نام ہے[4] اس کی سند قوی نہیں ہے اس سند کا حال یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے قول کی پوری سند تفسیر جو بیبہ میں ضحاک کے سلسلہ سے ہے جو بالکل ضعیف[5] ہے اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے قول کی پوری سند تفسیر ابن ابی حاتم اور مسند عبد بن حمید میں ہے یہ سند بھی قوی نہیں[6] ہے۔

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۱۲۶ ج ۳ لیکن اس اسرائیلی روایت کے متعلق حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے فیہ نکارۃ (ع، ح) [2] صحیح بخاری ص ۹۰ [illegible]
[3] فتح الباری ص ۷۰۹ ج ۶ [4] فتح الباری ص ۲۲۴ باب وان الیاس لمن المرسلین (کتاب الانبیاء) [5-6] فتح الباری ص ۲۲۲ ج ۳ میں اس کی سند کو حسن بتایا ہے۔ (ع، ح)

إِبْرٰهِيْمَ وَإِسْرَآءِيْلَ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا إِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ

ابراہیم کی اولاد میں اور اسرائیل کی اور ان میں جن کو ہم نے سوجھ دی اور پسند کیا جب ان کو سنایئے آیتیں رحمٰن کی

خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا ﴿۵۸﴾ فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ أَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا

گرتے ہیں سجدے میں اور روتے پھر ان کی جگہ آئے ناخلف گنوائی نماز اور پیچھے پڑے

اس واسطے جس طرح اکثر مفسرین نے حضرت ادریسؑ کو حضرت آدمؑ کے سلسلہ میں رکھ کر ان کو حضرت نوح علیہ السلام کا دادا بتلایا ہے یہی قول قوی معلوم ہوتا ہے اسی واسطے امام بخاری نے حضرت عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن عباسؓ کے قول کو معلق طور پر بیان کیا ہے یقینی طور پر بیان نہیں کیا حاصل مطلب اس آیت کا یہ ہے کہ جن انبیاء کا ذکر اس سورہ میں کیا گیا ہے یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنا نائب بنانے کے لئے پسند کیا ہے اور ان کو نبوت کی نعمت دی ہے مکہ کے مشرک یہ جو کہتے ہیں کہ اللہ کا رسول انسان نہیں ہوسکتا یہ ان کی نادانی ہے کیونکہ فرشتوں کو اصلی صورت میں دیکھنا انسان کی طاقت سے باہر ہے پھر بنی آدم کی ہدایت کے لئے فرشتہ رسول کیونکر ہوسکتا ہے آخر کو فرمایا اللہ کی وہ عظمت ہے کہ باوجود نبی ہونے کے اپنے صحیفوں اور کتابوں میں جب یہ لوگ عذاب کی آیتیں سنتے ہیں تو عذاب سے ڈر کر سجدہ میں گر پڑتے ہیں اور رونے لگتے ہیں یہ بھی مشرکین مکہ کو تنبیہ فرمائی گئی ہے کہ نبی لوگ تو اللہ کے عذاب سے ڈرتے ہیں مگر یہ مکہ کے مشرک عذاب کی آیتوں کو اس کان سے سن کر اس کان سے اڑا دیتے ہیں جس کا خمیازہ ایک دن ان کو بھگتنا پڑے گا مسند امام احمد وغیرہ کے حوالہ سے ابوذرؓ کی حدیث کئی جگہ گزر چکی ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کل نبی ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں جن میں تین سو تیرہ اور بعضی روایتوں کے موافق تین سو پندرہ رسول ہیں ابن حبان نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے سورۃ الانعام میں یہ بھی گزر چکا ہے کہ قرآن شریف میں پچیس نبیوں کا ذکر آیا ہے اس حدیث اور سورۂ انعام کی تفسیر سے یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آسکتی ہے کہ کل نبی کتنے اور ان میں رسول کتنے ہیں اور قرآن شریف میں کتنے نبیوں کا ذکر آیا ہے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت نوح علیہ السلام تک کے نبی فقط نبی تھے نبی رسول نہیں تھے کیونکہ اس زمانہ تک شریعت کے تفصیلی احکام نازل نہیں ہوئے تھے حضرت نوح علیہ السلام سے صاحب شریعت انبیاء کا سلسلہ شروع ہوا اسی واسطے نوح علیہ السلام کو پہلا رسول کہتے ہیں چنانچہ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوسعید خدریؓ کی روایت اس باب میں کئی جگہ گزر چکی ہے ومِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا میں انبیاء کی امتوں کے وہ لوگ بھی داخل ہیں جنہوں نے انبیاء کی نصیحت کو مان کر ہدایت پائی اور اللہ تعالیٰ کی پسند کے موافق کام کیے چنانچہ سورۃ النساء کی آیت ومن يطع الله والرسول سے یہ مطلب اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے۔

۵۹۔۶۰۔ اوپر انبیاء اور نیک لوگوں کا ذکر تھا اس آیت میں فرمایا کہ ان نیک لوگوں کی جگہ ایسے ناخلف آئے کہ نماز جیسی چیز کو جس کی ہر ایک شریعت میں تاکید ہے انہوں نے یا تو بالکل چھوڑ دیا یا بعضوں نے اس کو ادا بھی کیا تو شریعت کے حکم کے موافق ادا نہیں کیا اور دنیا کے عیش و آرام کے پیچھے ایسے سرگردان ہوئے کہ نیک کاموں کے کرنے اور برے کاموں سے بچنے کی کچھ پروا نہ کی پھر فرمایا ایسے لوگ عقبیٰ میں بڑا نقصان اٹھائیں گے کیونکہ علم الٰہی میں ایسے لوگوں کا ٹھکانا دوزخ قرار پا چکا ہے جہاں

لہ تفسیر ہذا ص ۳۹۷ ج ۱ و ۵۹ ج ۲ لہ فتح البیان ص ۲۶۱ ج ۱ لہ مثلاً جلد ۲ ص ۲۶۹ میں بروایت حضرت انسؓ۔

الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ﴿٥٩﴾ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ

بُروں کے سو آگے ملے گی گمراہی۔ مگر جس نے توبہ کی اور یقین لایا اور کی نیکی سو وُہ لوگ

يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ﴿٦٠﴾ جَنّٰتِ عَدْنِ ِالَّتِيْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ

جاویں گے بہشت میں اور ان کا حق نہ رہے گا کچھ باغوں میں بسنے کی جن کا وعدہ دیا ہے رحمٰن نے

عِبَادَهٗ بِالْغَيْبِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ وَعْدُهٗ مَاْتِيًّا ﴿٦١﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا اِلَّا سَلٰمًا ؕ

اپنے بندوں کو بن دیکھے بے شک ہے اس کے وعدے پر پہنچنا۔ نہ سنیں گے وہاں بک بک سوائے سلام

ان میں سے جو لوگ عقبیٰ کی باتوں کا پورا یقین کرکے اپنے پچھلے گناہوں سے توبہ اور آگے کو نیک عمل کریں تو وُہ لوگ بہشت میں جائیں گے اور ان کے نیک عملوں کی جزا میں کچھ کمی نہ کی جائے گی مسند امام احمد صحیح ابن حبان اور مستدرک حاکم میں ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جن ناخلف لوگوں کا ذکر آیت میں ہے وُہ اس امت میں ۶۰ھ کے بعد ہوں گے[1] حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے[2] اس حدیث میں بڑی پیشین گوئی ہے کیونکہ ۶۰ھ کے بعد کا زمانہ یزید بن معاویہ کی خلافت کا زمانہ ہے جس میں حضرت حسینؓ کی شہادت کا معاملہ اہل مدینہ پر چڑھائی کے وقت اہل مدینہ اور مدینہ کی بے حرمتی کا معاملہ ابن زبیر پر چڑھائی کے وقت کعبہ کی بے حرمتی کا معاملہ یزید کے شراب پینے اور نماز چھوڑ دینے کا معاملہ[3] یہ سب معاملے ایسے ہی ہیں جس کا ذکر آیت اور حدیث میں ہے صحیح بخاری و مسلم میں خلاد بن رافع کا قصہ ابوہریرہؓ کی روایت سے ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ خلاد بن رافعؓ نے نماز میں رکوع سجدہ اچھی طرح نہیں کیا تھا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے خلادؓ سے کہا تو پھر نماز پڑھ کیونکہ تو نے نماز نہیں پڑھی[4] صحیح مسلم میں ابوذرؓ سے روایت ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بے وقت کی نماز کو مُردہ نماز فرمایا ہے[5] ان حدیثوں کو آیت کے ساتھ ملانے سے یہ مطلب ہوا کہ رکوع سجدہ اچھی طرح نہ کرنے کی نماز اور بے وقت کی نماز اضاعوا الصلوٰۃ کے حکم میں داخل ہے جس کا مطلب وہی ہے جو اوپر بیان کیا گیا کہ ناخلف لوگوں میں سے بعضے لوگوں نے نماز کو بالکل چھوڑ دیا اور بعضوں نے اس کو شریعت کے حکم کے موافق ادا نہیں کیا۔

۶۱-۶۳: صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی روایت سے حدیث قدسی کئی جگہ گزر چکی ہے[6] جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا جنت میں نیک لوگوں کے لئے جو نعمتیں پیدا کی گئی ہیں وُہ نہ کسی نے آنکھوں سے دیکھیں نہ کانوں سے سنیں نہ کسی کے دل میں ان کا خیال گزر سکتا ہے ان آیتوں میں جنت کو بن دیکھی چیز جو فرمایا اس کا مطلب اس حدیث سے اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ دنیا میں بعضی بن دیکھی چیزیں ایسی ہوتی ہیں کہ اگرچہ آدمی ان کو آنکھوں سے نہیں دیکھتا لیکن ان کا حال

[1] الدر المنثور ص ۲۷۷ ج ۴ [2] مستدرک حاکم ص ۳۷۴ ج ۲ کتاب التفسیر [3] یزید کے متعلق ایسی باتیں شہرت ضرور پا گئی ہیں اور شاید خاص مقاصد کے تحت خود یزید کے زمانے میں بھی کرنے والوں نے ایسا مشہور کر دیا تھا لیکن اس کی تردید حضرت علیؓ کے صاحبزادے محمد بن حنفیہ نے ہی کر دی تھی جنہوں نے شہادت دی کہ یزید نماز کا پابند ہے اور شراب نوش نہیں۔ ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ ص ۲۳۳ ج ۸ (محمد عطاء اللہ حنیف) [4] صحیح بخاری ص ۱۰۹ ج ۱ باب امر النبی صلی اللہ علیہ وسلم الذی لا یتم رکوعہ بالاعادۃ [5] صحیح مسلم ص ۲۳۱ ج ۱ باب کراہیۃ تاخیر الصلوٰۃ الخ [6] تفسیر ہذا ص ۱۲ ج ۳۔

وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيهَا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ﴿٦٢﴾ تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي نُورِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ

اور ان کو ہے ان کی روزی وہاں صبح اور شام وہ بہشت ہے جو میراث دیں گے ہم اپنے بندوں میں جو کوئی

كَانَ تَقِيًّا ﴿٦٣﴾ وَمَا نَتَنَزَّلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ لَهُ مَا بَيْنَ أَيْدِينَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا

ہوگا پرہیزگار اور ہم نہیں اترتے مگر حکم سے تیرے رب کے اسی کا ہے جو ہمارے آگے اور جو ہمارے پیچھے اور

بَيْنَ ذَٰلِكَ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ﴿٦٤﴾ رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ

جو اس کے بیچ اور تیرا رب نہیں بھولنے والا رب آسمانوں کا اور زمین کا اور جو ان کے بیچ ہے سو اسی کی بندگی کر

کانوں سے سنا ہوا ہوتا ہے یا کبھی دل میں ان کا خیال آجاتا ہے جنت ایسی انوکھی چیز ہے جو دیکھی نہ سنی نہ کبھی اس کا خیال کسی کے دل میں گزرا ابن ماجہ[1] کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی صحیح روایت کئی جگہ گزر چکی ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ہر ایک شخص کا ایک ٹھکانا جنت میں اور ایک دوزخ میں پیدا کیا ہے جو لوگ ہمیشہ کے لئے دوزخ قرار پائیں گے ان کے جنت میں کے لاوارث خالی مکانوں کا وارث جنتیوں کو بنا دیا جائے گا۔ جنت کو میراث کی چیز جو فرمایا اس کا مطلب اس حدیث سے اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے حاصل مطلب ان آیتوں کا یہ ہے کہ نیک لوگوں سے بن دیکھی جنت کے دینے کا وعدہ جو اللہ تعالیٰ نے کیا ہے ایک دن اس وعدہ کا ظہور بلاشک ہونے والا ہے پھر فرمایا یہ جنت وہ ہے جہاں سوائے سلام علیک کی آواز کے اور کوئی ایسی آواز جنتیوں کے کان میں نہ آئے گی جو ان کے کانوں کو بری لگے پھر فرمایا وہاں صبح و شام ان کو طرح طرح کی نعمتیں کھانے کو ملیں گے جنت میں اگرچہ صبح شام نہیں ہے صبح صادق سے لے کر سورج کے نکلنے تک کا جیسا ٹھنڈا وقت ہوتا ہے وہاں ہمیشہ ایسا وقت رہے گا لیکن دنیا میں لوگوں کا صبح و شام کھانا کھانے کا معمول ہے اس واسطے صبح و شام کا ذکر کیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ وہاں بھی اندازہ سے یہی معمول قائم رہے گا پھر فرمایا یہ جنت ان لوگوں کی میراث ہے جو دنیا میں نیک کاموں کے کرنے اور برے کاموں سے بچنے کی عادت رکھتے ہیں جنتیوں کی سلام علیک کا ذکر سورہ یٰسین میں اور سورہ الواقعہ میں آئے گا مجاہد اور اکثر سلف کا قول یہی ہے کہ جنت میں رات دن نہ ہوگا ہمیشہ صبح کا سا نورانی وقت رہے گا۔

۶۴-۶۵: صحیح بخاری[2] میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت سے جو شان نزول ان آیتوں کی بیان کی گئی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ ایک دفعہ وحی لے کر آنے میں جبرئیل علیہ السلام کو کچھ دیر لگی اس کے بعد جب وحی لے کر جبرئیل علیہ السلام آئے تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دیر کی شکایت کی اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرما کر اس شکایت کا یہ جواب جبرئیل علیہ السلام کو بتایا کہ اللہ کے فرشتے آسمان پر سے زمین پر اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر نہیں اتر سکتے جبرئیل کی طرف کا یہ کلام قرآن شریف میں اس طرح داخل ہے جس طرح ایاك نعبد وایاك نستعين بنی آدم کی طرف کا کلام قرآن شریف میں داخل ہے۔ پھر فرمایا آسمان و زمین میں جب کوئی چیز اللہ کے علم سے باہر نہیں ہے تو وحی میں جو کبھی دیر ہو جاتی ہے وہ کسی بھول چوک کے سبب نہیں ہوتی بلکہ کسی مصلحت سے ہوتی ہے مثلاً جیسے روح اصحاب کہف اور ذوالقرنین کے قصہ کی وحی میں وعدہ

[1] سنن ابن ماجہ ص ۳۳۲ باب صفۃ الجنۃ [2] صحیح بخاری ص ۶۹۱ ج ۲

وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا ﴿٦٥﴾ وَيَقُولُ الْإِنسَانُ أَءِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ

اور ٹھیرا رہ اس کی بندگی پر کوئی پہچانتا ہے تو اس کے نام کا اور کہتا ہے آدمی کیا جب میں مر گیا پھر

أُخْرَجُ حَيًّا ﴿٦٦﴾ أَوَلَا يَذْكُرُ الْإِنسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِن قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْئًا ﴿٦٧﴾

نکلوں گا جی کر کیا یاد نہیں رکھتا آدمی کہ ہم نے اس کو بنایا پہلے سے اور وہ کچھ چیز نہ تھا۔

کے وقت ان شاء اللہ کا لفظ یاد رکھنے کی مصلحت سے دیر ہوئی پھر فرمایا جب اللہ تعالیٰ ایسا بے نظیر بادشاہ ہے کہ نہ آسمان زمین میں کوئی اس کا ہم نام ہے نہ اس کی سی صفتیں اور کسی میں پائی جاتی ہیں اور آسمان و زمین میں کوئی چیز اس کے حکم سے باہر نہیں تو خالص اسی کی عبادت زیبا ہے اس کی عبادت میں کسی دوسرے کو شریک ٹھہرانا بڑے وبال کی بات ہے پھر فرمایا جاڑے کے وضو روزہ کی پیاس کی تکلیف یا اسی طرح کی اور کوئی تکلیف عبادتِ الٰہی میں پیش آوے تو اس پر صبر کرنا چاہیئے کیونکہ صبر کا اجر بہت بڑا ہے حاصلِ کلام یہ ہے کہ دینی عبادت میں آدمی کو طرح طرح کی تکلیفیں پیش آتی رہتی ہیں! اسی واسطے عبادت کے ساتھ ان تکلیفوں پر صبر کرنے کا ذکر فرمایا صحیح مسلم کے حوالہ سے صہیب رومیؓ کی حدیث کئی جگہ گزر چکی ہے[1] جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صبر کو ایمان کی نشانی فرمایا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ دین کے کاموں میں جو تکلیفیں پیش آتی ہیں ان پر صبر کرنا ایمان دار آدمی کا کام ہے۔

۶۶۔۶۷: منکرینِ حشر میں سے جس کسی کو صاحبِ عقل ہونے کا دعویٰ ہو اس سے مثال کے طور پر پوچھا جائے کہ جب دنیا میں مثلاً ریل نہیں تھی تو پہلے پہل جس نے ریل نکالی اس کو یہ سوچنا پڑا ہوگا کہ انجن کس طرح بنایا جائے پانی کا اندازہ اتنا ہو اور آگ کا اندازہ اتنا جب انجن میں اس قدر قوت پیدا ہوگی کہ اتنے بوجھ کو وہ اس قدر بھاپ کے زور سے کھینچ سکے گا جب یہ سب اندازہ صحیح تجربہ میں آگیا اور ایک مدت سے ریل چلتی ہے اب اگر فرض کیا جائے کہ دنیا بھر کی ریل ناپید ہوجائے تو جن لوگوں کے اندازہ میں ریل کی باتیں ہیں ان کو پھر ریل کے بنا دینے میں کیا ایسی مشکل پیش آئے گی جیسے نئے سرے سے ریل کے بنانے میں پیش آئی تھی کوئی صاحبِ عقل یہ نہیں کہہ سکتا کہ صحیح اندازہ سے ایک کام ہو کر مدت تک اس کام کی شد بد رہ چکی ہو اور کام کرنے والوں کو پورا اور صحیح تجربہ حاصل ہو چکا ہو اب دوبارہ وہ کام وہی کام کرنے والے کریں گے تو ان کو پہلے تجربہ کی مدد سے اس کام کے کرنے میں کچھ آسانی نہ ہوگی اگر آسانی ہوگی تو اللہ تعالیٰ نے اس حالت میں دنیا کو پیدا کر دیا کہ سوائے اس کی ذات کے کچھ بھی نہ تھا اور مدت تک اس نے اپنی قدرت سے دنیا کی ریل گاڑی کو چلایا اب بعد اس حالت کے نابود کر دینے کے اس کو پھر اس حالت کا پیدا کر دینا مشکل ہے۔ نہیں نہیں کچھ مشکل نہیں بلکہ جس کو کچھ تجربہ ہے اس کے نزدیک نہایت سہل ہے دنیا کی پہلی حالت سب کی آنکھوں کے سامنے ہے اور ایک کام ایک دفعہ کیا جا کر تجربہ میں آجائے تو دوبارہ اس کام کا کرنا سہل ہوجاتا ہے اس واسطے ثبوت حشر میں اللہ تعالیٰ نے اس قدر فرمایا ہے کہ جس نے پہلے دنیا کو پیدا کیا ہے وہی پھر پیدا کرے گا اور اس کو دوسری دفعہ کا پیدا کرنا آسان ہے وهو الذی یبدء الخلق ثم یعیدہ وھو اھون علیہ غرض جو سورۃ الروم میں فرمایا وہ گویا ان آیتوں کی تفسیر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جس صاحبِ قدرت نے پانی جیسی پتلی چیز

[1] مثلاً ص ۲۵۲ ج ۲

فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيٰطِينَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا ﴿٦٨﴾ ثُمَّ

سو قسم ہے تیرے رب کی ہم گھیر بلاویں گے ان کو اور شیطانوں کو پھر سامنے لاویں گے گرد دوزخ کے گھٹنوں پر گرے پھر

لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيعَةٍ أَيُّهُمْ أَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِيًّا ﴿٦٩﴾ ثُمَّ لَنَحْنُ أَعْلَمُ

جدا کریں گے ہم ہر فرقے میں سے جونسا ان میں سے سخت رکھتا تھا رحمٰن سے اکڑ۔ پھر ہم کو خوب معلوم ہیں

بِالَّذِينَ هُمْ أَوْلٰى بِهَا صِلِيًّا ﴿٧٠﴾

جو بہت قابل ہیں اس میں پیٹھنے کے۔

سے ماں کے پیٹ میں انسان کا پتلہ بنا کر اس پتلہ میں رُوح پھونک دی اس کو آدم علیہ السلام کے پتلہ کی طرح انسان کے دوبارہ پیدا کرنے کے وقت مٹی کا پتلا بنانا اور اس پتلہ میں رُوح پھونک دینا کیا مشکل ہے صحیح بخاری کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی روایت سے حدیث قدسی ایک جگہ گزر چکی ہے[1] جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے انسان کو پہلی دفعہ پیدا کیا اور دوسری دفعہ پیدا کرنے کی خبر اپنے کلام پاک میں انسان کو سنا دی لیکن انسان نے میرے کلام پاک کو جھٹلایا حالانکہ پہلی دفعہ کی پیدائش کو آنکھوں سے دیکھ کر دوسری دفعہ کی پیدائش کو جھٹلانا انسان کو زیبا نہیں تھا اس حدیث سے منکرین حشر کی جرأت کا حال اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے اور یہ بھی سمجھ میں آسکتا ہے کہ عقبیٰ میں کلام الٰہی کے جھٹلانے کی سزا ایسے لوگوں کو بھگتنی پڑے گی۔ جسمانی حشر کے منکروں کو یہ جو شبہ ہے کہ مرنے کے بعد انسان کی خاک رواں دواں ہو جائے گی پھر وُہ خاک دوبارہ کیونکر جمع ہو جائے گی اس کا جواب سورہ قٓ میں آئے گا کہ ان منکرین حشر کے پیدا کرنے سے پہلے اپنے علم غیب کے موافق اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں یہ پتہ لکھ لیا ہے کہ ان لوگوں کی خاک ہوا سے اڑ کر یا پانی میں بہہ کر کہاں کہاں جاوے گی۔ اسی پتہ سے ہر ایک کی خاک جمع کر لی جاوے گی۔ زیادہ تفصیل اس کی سورہ قٓ میں آئے گی۔

۶۸-۷۰:۔ اوپر منکرین حشر کو عقلی طور پر یوں قائل کیا گیا تھا کہ ان کے انکار سے اللہ تعالیٰ کا انتظام بدل نہیں سکتا جس نے اپنے انتظام کے موافق پہلی دفعہ ان کو پیدا کیا ہے وہی دوبارہ انہیں پیدا کرے گا ان آیتوں میں اسی مضمون کو تاکید کے طور پر اپنی ذات پاک کی قسم کھا کر فرمایا کہ ضرور سزا و جزا کے لئے ایک دن سب کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا تاکہ دُنیا کا پیدا کرنا ٹھکانے لگے اور جن شیاطینوں کے بہکانے سے یہ منکر حشر دوبارہ زندہ ہونے کا انکار کرتے ہیں ان کے ساتھ ان کو بھی زندہ کیا جائے گا اور دوزخ کے کنارہ پر ان سب کو کھڑا کیا جائے گا جہاں دوزخ کی دہشت سے گھٹنوں میں سر ڈال کر بیٹھ جائیں گے پھر ان میں سے بڑے بڑے سرکشوں کو چھانٹ چھانٹ کر دوزخ میں پہلے جھونکا جائے گا اور جو سرکش لوگ دوزخ کے پہلے جھونکے کے قابل ہیں ان کا حال اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے صحیح مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے[2] کہ جو شخص خود بھی گمراہی کے کام کرے گا اور دوسروں کو بھی بہکائے گا اس کو دوہرا عذاب بھگتنا پڑے گا۔ جو لوگ زیادہ عذاب کے مستحق ٹھہر کر چھانٹے جانے اور دوزخ کے پہلے جھونکے کے قابل آیتوں میں ذکر کئے گئے ہیں۔ تفسیری طور پر اُن کی مثال اس حدیث سے اچھی طرح سمجھ میں آسکتی ہے۔

[1] صحیح بخاری ص ۴۵۳ ج ۱ کتاب بدء الخلق [2] صحیح مسلم ص ۳۴۱ ج ۲ من سن سنۃ حسنۃ الخ۔

وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ﴿٧١﴾ ثُمَّ نُنَجِّي

اور کوئی نہیں تم میں جو نہ پہنچے گا اس پر ہو چکا تیرے رب پر ضرور مقرر پھر بچاویں گے ہم

الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا ﴿٧٢﴾

ان کو جو ڈرتے رہے اور چھوڑ دیں گے گنہگاروں کو اسی میں اوندھے گرے۔

۷۱-۷۲:۔ فرقہ معتزلہ نے اس آیت سے یہ بات نکالی ہے کہ کبیرہ گناہوں کے گناہ گار ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں سب آدمیوں کا پلصراط پر سے گزرنے کا ذکر فرما کر فقط متقیوں کی نجات پانے کا ذکر فرمایا ہے اور کبیرہ گناہ کے گناہ گار کو متقی کوئی نہیں کہہ سکتا اس لئے پلصراط پر سے جب وہ کٹ کٹ کر دوزخ میں گریں گے تو ان کی نجات کا ذکر قرآن شریف میں نہیں ہے اہل سنت نے جواب دیا ہے کہ صحیح حدیثوں سے گناہ گار کلمہ گو لوگوں کا ملائکہ انبیاء صالحین کی شفاعت کے سبب سے دوزخ سے نکل کر جنت میں جانا ثابت ہو چکا ہے[1] اس لئے آیت میں لفظ متقی کی تفسیر شرک سے بچنے کی ہے گناہ کے بچنے کی تفسیر جو فرقہ معتزلہ نے کی ہے وہ صحیح حدیثوں کے مخالف ہے اور خود صاحب وحی صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالف کسی کی تفسیر صحیح نہیں قرار پا سکتی اس لئے فرقہ معتزلہ کی تفسیر غلط ہے اور صحیح تفسیر وہی ہے جس کا ذکر صحیح حدیثوں میں آیا ہے کہ جس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہے وہ ضرور دوزخ سے نکل کر جنت میں جائے گا۔ کبیرہ گناہ کے سبب سے کوئی کلمہ گو ہمیشہ دوزخ میں ہرگز نہ رہے گا۔ چنانچہ صحیح بخاری و مسلم میں انسؓ بن مالک سے اور صحیح بخاری میں ابو ہریرہؓ سے جو روایتیں ہیں ان میں صاف یہ ذکر آیا ہے کہ کوئی کلمہ گو ہمیشہ دوزخ میں نہ رہے گا[2] اگرچہ وان منکم الا واردھا کی تفسیر میں سلف کے کئی قول ہیں لیکن معتبر سند سے ترمذی امام احمد اور مستدرک حاکم میں عبداللہؓ بن مسعود سے روایت ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے واردھا کی تفسیر پلصراط پر گزرنے کی فرمائی ہے[3] صاحب وحی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اس تفسیر کے بعد سلف کا اختلاف خود بخود رفع ہو جاتا ہے اس واسطے حافظ ابو جعفر ابن جریر نے اپنی تفسیر میں اس تفسیر کو معتبر ٹھہرایا ہے حاصل مطلب ان آیتوں کا یہ ہے کہ پل صراط پر سب لوگوں کا گزرنا اللہ تعالیٰ کے انتظام میں قطعی طور پر ٹھہر چکا ہے اب اس میں پرہیزگار لوگ تو صحیح سالم پلصراط سے گزر کر جنت میں چلے جائیں گے اور گناہ گار اوندھے منہ دوزخ میں جا پڑیں گے اس کے بعد اوپر جو روایتیں گزریں ان کے موافق ہر ایک کلمہ گو شخص تو آخر کو دوزخ سے نکل کر جنت میں جائے گا اور مشرک لوگ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے کیونکہ سورۃ النساء میں گزر چکا ہے کہ مشرک کی بخشش نہ ہو گی۔ صحیح مسلم میں ابو ہریرہؓ سے روایت ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دوزخ میں اگر کوئی پتھر پھینکا جائے تو ستر برس میں اس کی تہ تک پہنچے گا[4] اس حدیث سے یہ مطلب اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے کہ گہرائی کے سبب سے دوزخ کی شکل تنور کی سی ہے صحیح بخاری و مسلم میں ابو ہریرہؓ سے دوسری روایت ہے کہ دوزخ کے منہ پر جو پل ہو گا اسی پر سے گزر کر سب جنت میں جائیں گے سب سے پہلے خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کو اس پل پر سے گزرنے کا حکم ہو گا اس پل کو پلصراط کہتے ہیں ابو سعیدؓ خدری روایت کے طور پر یہ کہا کرتے تھے کہ پل صراط بال سے

[1] صحیح بخاری ص ۱۱۰۷ ج ۲ باب قول اللہ وجوہ یومئذ ناضرۃ الخ [2] صحیح مسلم ص ۱۰۹ ج ۱ باب اثبات الشفاعۃ الخ [3] تفسیر ابن کثیر ص ۱۳۲ ج ۳ [4] صحیح مسلم ص ۳۸۱ ج ۲ باب جہنم اعاذنا اللہ منہا [5] صحیح مسلم ص ۱۰۰ ج ۱ باب اثبات رؤیۃ المؤمنین الخ۔

وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا أَيُّ

اور جب سنایئے ان کو ہماری آیتیں کھلی کہتے ہیں جو لوگ منکر ہیں ایمان والوں کو دونوں فرقوں میں

الْفَرِيقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا وَأَحْسَنُ نَدِيًّا ﴿۷۳﴾ وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُم مِّن قَرْنٍ

کس کا مکان بہتر ہے اور اچھی لگتی ہے مجلس اور کتنے کھپا چکے ہم پہلے ان سے سنگتیں

هُمْ أَحْسَنُ أَثَاثًا وَرِئْيًا ﴿۷۴﴾ قُلْ مَن كَانَ فِي الضَّلَالَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمَٰنُ

وُہ ان سے بہتر تھے اسباب میں اور نمود میں تو کہہ جو کوئی رہا بھٹکتا سو چاہیئے اس کو کھینچ لے جاوے رحمٰن

باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے[۱] شاہ صاحب نے اپنے فائدہ میں ان ہی روایتوں کا خلاصہ بیان کیا ہے پل صراط کے تلوار سے تیز ہونے کی روایت طبرانی میں عبداللہ بن مسعودؓ سے بھی ہے اور اس کی سند بھی معتبر ہے اسی مضمون کی ایک روایت سلمانؓ فارسی سے مستدرک حاکم میں بھی ہے جس کی سند معتبر[۲] اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تک پوری ہے۔

۷۳-۷۴:۔ اوپر منکرین حشر کا ذکر تھا ان آیتوں میں فرمایا کہ یہ لوگ دنیا کا پیدا کیا جانا بلا نتیجہ گنتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے انتظام میں دنیا کے فنا ہونے کے بعد نیک و بد کی جزا و سزا کا فیصلہ جو ضروری ٹھہرا ہے اس کو یہ لوگ جھٹلاتے ہیں اسی واسطے جزا و سزا کی قرآن کی آیتیں جب ان کو سنائی جاتی ہیں تو تنگدست ایماندار لوگوں سے کہتے ہیں کہ اگر تم حق پر ہوتے اور ہم ناحق پر ہوتے تو تم دُنیا میں ایسے تنگدست اور ہم اس طرح کے خوشحال نہ ہوتے کیونکہ دنیا کی خوشحالی اللہ تعالیٰ کی مہربانی کی نشانی ہے اللہ نے اس کا جواب یہ دیا کہ ان سے پہلے بڑے بڑے خوشحال منکر حشر لوگ طرح طرح کے عذابوں سے ہلاک کئے جا چکے ہیں جس سے ہر ایک کی سمجھ میں یہ بات آسکتی ہے کہ اگر حشر کا انکار قابل سزا جرم نہ ہوتا اور دنیا کی خوشحالی اللہ کی مہربانی کی نشانی ہوتی تو بلا جرم ایسے قابل مہربانی لوگوں کو اللہ تعالیٰ طرح طرح کے عذابوں سے کبھی ہلاک نہ کرتا کس لیے کہ اس طرح کا ہلاک کرنا ظلم میں داخل ہے اور ظلم اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات پاک پر حرام ٹھہرا لیا ہے صحیح مسلم کے حوالہ سے ابوذرؓ کی حدیث قدسی ایک جگہ گزر چکی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے ظلم اپنی ذات پاک پر حرام ٹھہرا لیا ہے[۳] صحیح مسلم کے حوالہ سے انسؓ بن مالک کی حدیث بھی ایک جگہ گزر چکی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ منکر شریعت لوگ عقبیٰ کے اجر کو نہیں مانتے اس لئے لوگوں کی نیکی کے بدلہ میں دُنیا کی کچھ خوش حالی دنیا میں ہی ان کو مل جاتی ہے[۴] منکرِ شریعت لوگوں کی دنیا کی خوشحالی کا سبب اس حدیث سے اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے۔

۷۵:۔ منکرین حشر اپنی دنیا کی خوشحالی کو اپنے حق میں بہتر جو سمجھتے تھے اوپر اس کا ذکر تھا ان آیتوں میں فرمایا اے رسول اللہ کے تم ان لوگوں سے کہہ دو کہ یہ دُنیا کی خوشحالی ان لوگوں کے حق میں کچھ بھلائی کی چیز نہیں ہے بلکہ یہ ان کے حق میں ایک وبال کی چیز ہے کیونکہ اس خوشحالی کی حالت میں جس قدر ان کی عمر بڑھے گی اپنی خوشحالی کے نشہ میں اسی قدر یہ لوگ گمراہی کے کام زیادہ کریں گے جس کے وبال میں یا تو دنیا کا کوئی عذاب ان پر آجائے گا یا اگر ایسے حال میں یہ لوگ مر گئے تو قیامت کے دن ان کو معلوم ہو جائے گا کہ جن تنگدست ایمانداروں سے اپنے آپ کو یہ لوگ اچھا جانتے تھے ان کا کیا انجام ہوا صحیح مسلم کے حوالہ سے انسؓ بن مالک کی

[۱] فتح الباری ص ۲۰۶ ج ۲ بحوالہ صحیح مسلم باب الصراط جسر علی جہنم [۲] الترغیب ص ۲۹۶ ج ۲ فصل فی الحشر [۳] دیکھئے ص ۲۹۱ ج ۳ تفسیر ہذا [۴] صحیح مسلم ص ۳۷۴ ج ۲ باب جزاء المؤمن بحسناتہ فی الدنیا الخ

مَدًّا ۚ حَتّٰٓى إِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ إِمَّا الْعَذَابَ وَإِمَّا السَّاعَةَ ؕ فَسَيَعْلَمُوْنَ

لمبا یہاں تک کہ جب دیکھیں گے جو وعدہ پاتے ہیں یا آفت اور یا قیامت سو تب معلوم کریں گے

مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضْعَفُ جُنْدًا ﴿۷۵﴾ وَيَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدًى ؕ

کس کا بُرا درجہ ہے اور کس کی فوج کمزور ہے اور بڑھاتا جاوے اللہ سوجھے ہوؤں کو سوجھ

وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ مَّرَدًّا ﴿۷۶﴾

اور رہنے والی نیکیاں بہتر رکھتی ہیں تیرے رب کے یہاں بدلا اور بہتر پھر جانے کو جگہ ۔

حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے[1] کہ قیامت کے دن بڑے بڑے مالدار منکر شریعت لوگوں کو جب دوزخ میں ڈالا جائے گا تو دوزخ کے پہلے ہی جھونکے کے بعد فرشتے ان سے پوچھیں گے کہ دنیا کی جس خوشحالی کے نشہ میں تم اس عذاب کو جھٹلاتے تھے اس عذاب کے آگے وُہ خوشحالی کچھ تم کو یاد ہے تو وُہ لوگ قسمیں کھا کر جواب دیں گے کہ اس عذاب کے آگے ہم کو وُہ دنیا کی خوشحالی کچھ بھی یاد نہیں اسی طرح بڑے بڑے تنگ دست جنتیوں سے پوچھیں گے کہ جنت کی ان نعمتوں کے آگے تم کو دنیا کی تنگدستی کچھ یاد ہے جس پر تم نے صبر کیا اور اس صبر کے اجر میں تم کو جنت کی یہ نعمتیں ملیں تو یہ بھی قسمیں کھا کر جواب دیں گے کہ نہیں۔ اس حدیث سے مالدار نافرمانوں اور تنگ دست ایمانداروں کا عقبیٰ کے انجام کا حال اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے مشرکین مکّہ کے بڑے بڑے مالدار نافرمانوں پر دنیا اور آخرت میں جو عذاب بدر کی لڑائی کے وقت آیا انس بن مالک کی صحیح بخاری و مسلم کی روایت سے اس کا حال کئی جگہ گزر چکا ہے[2]۔

۷۶۔ اوپر ان لوگوں کا ذکر تھا جن کی گمراہی قرآن شریف کی آیتیں سن کر دن بدن اور بڑھتی جاتی تھی اس آیت میں ان لوگوں کا ذکر ہے جنہوں نے قرآن کی نصیحت سے دن بدن زیادہ نیک ہدایت پائی جیسے مثلاً ہجرت سے پہلے مکہ میں فقط نماز فرض تھی تو اللہ تعالیٰ نے اس کو اچھی طرح ادا کرنے کی انہیں توفیق دی تھی ہجرت کے بعد جب زکوٰۃ روزوں اور حج کی آیتیں نازل ہوئیں تو ان لوگوں کے نیک عمل توفیق الٰہی کے سبب سے اور بڑھ گئے پھر فرمایا یہی نیک عمل ایسی چیز ہیں جن کا بدلہ بارگاہ الٰہی سے بہت اچھا ملنے والا ہے جو لوگ اپنی دُنیا کی خوشحالی کے نشہ میں عقبیٰ سے غافل ہیں وُہ خوش حالی کی سب چیزیں چھوڑ کر دُنیا سے اٹھ جائیں گے اور عقبیٰ میں ایسے لوگوں کو بہت ندامت ہوگی اور بے وقت کی ندامت ان کے کچھ کام نہ آئے گی معتبر سند سے مسند بزار میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے جس میں اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مال اور اولاد دُنیا میں چھوڑ جانے کی چیزیں ہیں ہاں جو عمل آدمی نے عمر بھر کئے ہیں وُہ مرنے کے بعد اس کے ساتھ جانے کی چیز ہے[3] مسند امام احمد اور ابو داؤد میں براء بن عازبؓ سے صحیح روایت ہے جس میں ذکر ہے کہ نیک عمل اچھی صورت اور بدعمل بری صورت بن کر قبر میں ہر ایک مُردہ کے پاس آتے ہیں[4] مسند امام احمد میں محمد بن ابی عمرہ سے روایت ہے جس میں اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو لوگ دنیا میں عمر بھر نیک عمل کرتے رہیں گے وُہ بھی قیامت کے دن یُوں پچھتائیں گے کہ انہوں نے نیک عمل اور زیادہ کیوں نہیں کئے جو آج کے روز زیادہ اجر ملتا اس حدیث سے لوگوں کے پچھتانے کا حال جو عمر بھر بُرے کاموں میں لگے رہے اور

[1] دیکھئے ص ۱۹۳ ج ۲ [2] مثلاً ص ۲۲۳ ج ۳ [3] الترغیب والترہیب ص ۲۲۷ ج ۲ باب الزہد الخ [4] مشکوٰۃ ص ۱۴۲ باب مایقال عند من حضرہ الموت فصل ثالث ۔

أَفَرَءَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا وَقَالَ لَأُوتَيَنَّ مَالًا وَوَلَدًا ﴿٧٧﴾ أَطَّلَعَ الْغَيْبَ أَمِ

بھلا تو نے دیکھا وہ جو منکر ہوا ہماری آیتوں سے اور کہا مجھ کو ملنا ہے مال اور اولاد ۔ کیا جھانک آیا ہے غیب کو یا

اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمَٰنِ عَهْدًا ﴿٧٨﴾ كَلَّا ۚ سَنَكْتُبُ مَا يَقُولُ وَنَمُدُّ لَهُ مِنَ الْعَذَابِ

لے رکھا ہے رحمٰن کے یہاں اقرار یوں نہیں ہم لکھ رکھیں گے جو کہتا ہے اور بڑھاتے جاویں گے اس کو عذاب

مَدًّا ﴿٧٩﴾ وَنَرِثُهُ مَا يَقُولُ وَيَأْتِينَا فَرْدًا ﴿٨٠﴾ وَاتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ آلِهَةً

میں لمبا۔ اور ہم لے لیں گے اس کے مرے پر جو بتاتا ہے اور آئے گا ہم پاس اکیلا اور پکڑا ہے لوگوں نے اللہ کے سوائے اوروں کا پوجنا

لِيَكُونُوا لَهُمْ عِزًّا ﴿٨١﴾ كَلَّا ۚ سَيَكْفُرُونَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُونُونَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ﴿٨٢﴾ أَلَمْ

کہ وہ ہوں ان کی مدد۔ یوں نہیں وہ منکر ہوں گے ان کی بندگی سے اور ہو جاویں گے ان کے مخالف ۔ تو نے

ع ۵/۱۷/۸

اوپر کی حدیثوں سے مال و اولاد کا دنیا میں چھوڑ جانے اور نیک عمل کا مرنے کے بعد کام آنے کا حال اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے۔

۷۷-۸۲: صحیح بخاری و مسلم میں خباب بن ارتؓ کی روایت سے جو شان نزول ان آیتوں کی بیان کی گئی ہے اس میں خبابؓ کہتے ہیں کہ مشرکین مکہ میں کے ایک شخص عاص بن وائل پر میرا کچھ قرضہ آتا تھا میں جب اپنا قرضہ مانگنے کو اس کے پاس گیا تو اس نے کہا تم اسلام سے پھر جاؤ تو میں تمہارا قرضہ ابھی چکائے دیتا ہوں میں نے جواب دیا کہ اگر تو مر کر بھی جی اٹھے تو بھی میں اسلام سے نہ پھروں گا عاص بن وائل نے یہ سن کر کہا کہ اگر مر کر پھر جینا سچ ہے تو تم مسلمانوں کے عقیدہ کے موافق وہاں جنت میں میرے پاس مال و اولاد سب کچھ ہو گا پھر وہیں میں تمہارا قرضہ ادا کروں گا اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیںؑ اور فرمایا اے رسول اللہ کے تم نے ان منکرین قرآن کا حال دیکھا اور ان کی باتیں سنیں کہ یہ لوگ اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہراتے ہیں اور پھر اس امید میں ہیں کہ عقبیٰ میں ان کو مال و اولاد سب کچھ مل جائے گا۔ ایسی باتیں مسخرا پن کے طور پر یہ لوگ اسی واسطے کرتے ہیں کہ عقبیٰ کی باتیں ان کی آنکھوں کے سامنے نہیں آئیں جب مرنے کے ساتھ ہی دوزخ میں کا اپنا ٹھکانا دیکھ لیں گے تو انہیں ان باتوں کی قدر کھل جائے گی۔ پھر فرمایا عقبیٰ کی باتیں تو انسان کی نگاہ سے غائب ہیں پھر کیا عاص بن وائل غیب کا حال دیکھ آیا ہے یا اللہ تعالیٰ نے اس سے کوئی وعدہ کر لیا ہے جو یہ عقبیٰ میں مال و اولاد سب کچھ مل جانے کی امید رکھتا ہے پھر فرمایا نہ یہ غیب کی باتیں دیکھ آیا ہے نہ اللہ تعالیٰ کے وعدہ کی اس کے پاس کوئی سند ہے مسخرا پن کے طور پر یہ جھوٹی باتیں کرتا ہے جس سے علاوہ کفر کے اس جھوٹ کی سزا اس نے اپنے ذمہ اور بڑھالی کیونکہ اس کی یہ سب جھوٹی باتیں اللہ کے حکم سے فرشتے لکھ رہے ہیں پھر فرمایا مرنے کے بعد یہ ہمارے پاس اکیلا آئے گا جو کچھ اس کے پاس ہے وہ یہیں دنیا میں رہ جائے گا اور پھر دنیا کے فنا ہو جانے کے بعد تمام دنیا کا مال اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں آجائے گا اس کے پاس وہاں عقبیٰ میں کیا ہو گا جو یہ قرضہ ادا کرے گا پھر فرمایا ان لوگوں نے بتوں کو اپنا سفارشی جو ٹھہرایا ہے یہ بھی ان لوگوں کا ایک جھوٹا خیال ہے کیونکہ جن نیک لوگوں کی مورتوں کو یہ مشرک پوجتے ہیں قیامت کے دن وہ نیک لوگ اپنے پوجا کرنے والوں کے دشمن بن جائیں گے اس دشمنی کا ذکر سورۂ یونس میں گزر چکا ہے۔ ترمذی اور ابن ماجہ کے حوالہ سے شداد بن اوس کی معتبر روایت کئی جگہ گزر چکی ہےؑ جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ

ؑ تفسیر ابن کثیر ص ۱۳۵ ج ۳ ؑ مشکوٰۃ جلد ۲ ص ۷۶۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّا أَرْسَلْنَا الشَّيَاطِينَ عَلَى الْكَافِرِينَ تَؤُزُّهُمْ أَزًّا ﴿٨٣﴾ فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ

نہیں دیکھا کہ ہم نے چھوڑ رکھے ہیں شیطان منکروں پر اچھالتے ہیں ان کو ابھار کر سو تو جلدی نہ کر ان پر

إِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا ﴿٨٤﴾ يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِينَ إِلَى الرَّحْمَٰنِ وَفْدًا ﴿٨٥﴾ وَ

ہم تو پوری کرتے ہیں ان کی گنتی جس دن ہم اکٹھا کر لاویں گے پرہیزگاروں کو رحمٰن کے پاس مہمان بلائے اور

نَسُوقُ الْمُجْرِمِينَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ وِرْدًا ﴿٨٦﴾

ہانک لے جاویں گے گنہگاروں کو دوزخ کی طرف پیاسے۔

وقف لازم

تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا عقلمند وُہ شخص ہے جو مرنے سے پہلے مرنے کے بعد کا کچھ سامان کرے اور عقل سے بے بہرہ وُہ ہے جو عمر بھر بُرے کاموں میں لگا رہے اور مرنے کے بعد بہبودی کی امید رکھے۔ اس حدیث کو آیتوں کے ساتھ ملانے سے یہ مطلب ہوا کہ عاص بن وائل کی طرح جو شخص بُرے کاموں میں لگا رہے اور عقبیٰ کی بہبودی کی امید رکھے وُہ عقل سے بالکل بے بہرہ ہے۔

۸۳-۸۶: اوپر کی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے منکرین حشر کا ذکر فرمایا تھا اس آیت میں ان کے انکار کا سبب فرمایا ہے کہ ان کے کفر کے سبب سے شیطان ان پر ایسا مسلط ہو گیا ہے کہ ان کی عقل بالکل جاتی رہی ہے کیسی ہی موٹی اور ظاہر بات کیوں نہ ہو شیطان ان کو کسی بات کے سمجھنے کا موقع نہیں دیتا دنیا میں چھوٹی سے چھوٹی عقل کا آدمی کوئی چھوٹے سے چھوٹا کام کرتا ہے تو کوئی فائدہ اس کام کا ضرور سوچ لیتا ہے مکان کوئی بناتا ہے تو رہنے کے خیال سے کنواں کوئی کھدواتا ہے تو پانی پینے کے خیال سے اتنا بڑا جہان اللہ تعالیٰ جیسے صاحب حکمت نے کیا بے فائدہ پیدا کیا ہے کہ عمر بھر جو اللہ کی فرمانبرداری کرے اور دنیا بھی اس کی کچھ خوشحالی سے نہ گزرتی ہو اس کی مٹی بھی یونہی اکارت جائے نہ حشر ہو نہ قیامت نہ کبھی اس کی نیکی کی جزا کا موقع اس کو ملے اور جس شخص نے عمر بھر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی ہو اور دُنیا میں بھی مال سے اولاد سے وُہ خوش رہا ہو اس کی مٹی بھی یونہی اکارت کبھی کوئی پرسش کا موقع ہی نہیں خدا کی خدائی تو دُنیا کے شروع سے اب تک قائم ہے دنیا کی چار دن کی سلطنت میں بھی کوئی اندھادھند کرے کہ نیک و بد کو ایک ہی لکڑی سے ہانکے تو چار دن بھی سلطنت نہ چل سکے غرض ایسی ایسی موٹی باتیں شیطان ان منکرین حشر کو سمجھنے نہیں دیتا لیکن اے رسُول اللہ کے ایسے لوگوں پر عذاب کی جلدی نہ کرو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے حال سے غافل نہیں ہے دن دن گھڑی گھڑی ان کی عمر کی اس کے روبرو ہے جس دوزخ کا ان کو اب انکار ہے آنکھ بند ہوتے ہی جب اس دوزخ میں جھونک دیئے جائیں گے اور فرشتے ان کو قائل کریں گے اور کہیں گے هٰذِهِ النَّارُ الَّتِي كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُونَ جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ وہی دوزخ ہے جس کو تم لوگ دنیا میں جھٹلاتے تھے تو پھر قائل ہو جانے کے بعد ان کا یہ سب انکار نکل جائے گا اور یہی پکاریں گے کہ کاش ہم پھر دوبارہ دنیا میں بھیجے جائیں تاکہ نیک عمل کریں یہ بھی ذرا یاد رہے کہ دنیا میں ایسے مسلمان بھی ہیں کہ رات دن شیطان ان پر ایسا مسلط ہے کہ اگرچہ وُہ کافروں کی طرح حشر و قیامت کا زبان سے صاف انکار تو نہیں کرتے مگر رات دن کے عمل ان کے ایسے ہیں کہ گویا آخرت کی سزا و جزا ان کے نزدیک کوئی چیز نہیں ہے ان کو بھی ذرا اس آیت کے مضمون سے عبرت پکڑنی چاہیئے اور شیطان کو اپنا دشمن جانی گننا چاہیئے دوست جانی گن کر رات دن اس کے کہنے میں نہ رہنا چاہیئے کوئی گھڑی تو اپنے پیدا کرنے والے کا کہنا بھی مان لینا چاہیئے یہ تو معلوم ہے کہ شیطان نے ان کو پیدا نہیں کیا پیدا کرنے والا تو اور ہی ہے اس سے بھی ذرا معاملہ اچھا رکھنا چاہیئے جس حشر کے یہ لوگ منکر تھے آگے کی آیت میں اس کا ذکر فرمایا

لَا يَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿۸۷﴾ وَقَالُوا اتَّخَذَ

نہیں اختیار رکھتے لوگ سفارش کا مگر جس نے لے لیا ہے رحمٰن سے قرار اور لوگ کہتے ہیں رحمٰن رکھتا

الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ﴿۸۸﴾ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا اِدًّا ﴿۸۹﴾ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ

ہے اولاد تم آگئے ہو بھاری چیز میں ابھی آسمان پھٹ پڑیں اس بات سے اور

وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ﴿۹۰﴾ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ﴿۹۱﴾ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ

ٹکڑے ہو زمین اور گر پڑیں پہاڑ ڈھے کر اس پر کہ پکارتے ہیں رحمٰن کے نام پر اولاد اور نہیں بن آتا رحمٰن کو

کہ اس دن شریعت کے پابند پرہیزگار لوگ قبروں سے اٹھ کر مہمانوں کی طرح سواریوں پر میدان محشر تک جائیں گے اور منکر شریعت لوگوں کو قیدیوں کی طرح دوزخ کی آگ گھیر کر میدان محشر تک لے جاوے گی صحیح بخاری و مسلم میں ابوہریرہؓ سے جو روایت[1] ہے اس میں ان دونوں گروہوں کا ذکر تفصیل[2] سے ہے سورج کے پاس آجانے اور دوزخ کے میدانِ محشر میں لائے جانے سے میدانِ حشر میں بہت گرمی ہوگی جس کے سبب سے پیاس تو سب کو لگے گی مگر اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پرہیزگار لوگوں کو حوضِ کوثر کا پانی پلادیں گے اس واسطے جنت میں جانے سے پہلے ان لوگوں کی پیاس تو بجھ جائے گی اور منکرِ شریعت لوگوں کو اسی پیاس کی حالت میں دوزخ کا جھونکا نصیب ہوگا اسی کا ذکر آیت کے آخر میں ہے میدانِ حشر کی گرمی کا اور سورج کے پاس آجانے کا ذکر مسند امام احمد صحیح ابن حبان اور مستدرک حاکم کی عقبہؓ بن عامر کی معتبر روایت میں[3] ہے اسی طرح دوزخ کے میدانِ محشر میں لائے جانے کا ذکر صحیح مسلم کی عبداللہؓ بن مسعود کی روایت میں[4] ہے اور نیک لوگوں کو حوضِ کوثر کا پانی پلانے کا ذکر عبداللہ بن عمرؓ کی صحیح روایت سے مسند امام احمد میں[4] ہے سورۃ الکوثر میں آئے گا کہ یہ حوضِ کوثر میدانِ محشر میں ہوگا پلصراط پر گزرنے سے پہلے اللہ کے رسولؐ اپنی امت کے نیک لوگوں کو پانی پلائیں گے جنت میں جو نہر کوثر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی ہے جس کو معراج کی راتؐ میں آپ نے دیکھا ہے حشر کے دن اس نہر سے اس حوض میں پانی آئے گا اس لئے اس کو حوضِ کوثر کہتے ہیں۔

۸۷۔۹۴: مشرکینِ مکہ کہتے تھے کہ اول تو قیامت قائم ہی نہ ہوگی اور ہم کسی عذاب میں پکڑے گئے تو جن نیک لوگوں کی مورتوں کی ہم پوجا کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ سے سفارش کر کے ہم کو اس عذاب سے چھڑالیں گے۔ مشرکینِ مکہ کی اس باتؐ کا جواب اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں یہ دیا کہ اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن کی سفارش کا ہر کسی کو مالک اور مختار نہیں بنایا ہے جو یہ مشرک جس سے چاہیں گے اپنی سفارش کرالیں گے یہ شفاعت تو اللہ کے فرشتے اس کے رسول اور نیک لوگ ایسے لوگوں کے حق میں کریں گے جو اللہ کی وحدانیت اس کے رسولوں کو سچا جاننے کے عہد پر قائم ہوں گے لیکن سوائے شرک کے اور گناہوں میں عمر بھر گرفتار رہ کر بغیر توبہ کے مرجائیں گے۔ صحیح بخاری و مسلم میں ابوسعیدؓ خدری کی روایت سے شفاعت کی ایک بہت بڑی حدیث[5] ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ شفاعت کرنے والے اللہ کے فرشتے اس کے رسول اور نیک لوگ ہوں گے اور یہ شفاعت ایسے لوگوں کے حق میں ہوگی جن کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا اس حدیث سے شفاعت کرنے والوں کا اور جن کے حق میں

[1] صحیح مسلم ص ۳۸۴ ج ۲ باب فناء الدنیا و بیان الحشر۔ [2] الترغیب ص ۲۹۵ ج ۲ فصل فی الحشر [3] مشکوٰۃ ص ۵۰۲ باب صفۃ النار و اہلہا۔ ۱۲
[4] الترغیب ص ۳۰۴ فصل فی الحوض الخ [5] صحیح بخاری ص ۱۱۰۷ ج ۲ باب قول اللہ وجوہ یومئذ ناضرۃ الخ۔

اَنۡ یَّتَّخِذَ وَلَدًا ﴿۹۲﴾ اِنۡ کُلُّ مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ اِلَّاۤ اٰتِی الرَّحۡمٰنِ

کہ رکھے اولاد کوئی نہیں آسمان اور زمین میں جو نہ آوے رحمٰن کا

عَبۡدًا ﴿۹۳﴾ لَقَدۡ اَحۡصٰہُمۡ وَ عَدَّہُمۡ عَدًّا ﴿۹۴﴾ وَ کُلُّہُمۡ اٰتِیۡہِ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ فَرۡدًا ﴿۹۵﴾

بندہ ہو کر اس پاس ان کا شمار ہے اور گن رکھی ہے ان کی گنتی اور ہر کوئی ان میں آئے گا اس پاس قیامت کے دن اکیلا۔

شفاعت کی جائے گی ان کا حال اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے صحیح بخاری اور مستدرک حاکم میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ قیامت کے دن ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ آزر کی شفاعت کرنی چاہیں گے مگر منظور نہ ہوگی اس حدیث سے یہ مطلب اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے کہ مشرک کے حق میں کسی کی شفاعت منظور نہ ہوگی جس عہد کا ذکر ان آیتوں میں ہے یہ شرک سے بچنے کا وہی عہد ہے جو تمام اولاد آدم سے عالم ارواح میں لیا گیا ہے جس کا ذکر تفصیل سے سورۃ الاعراف میں گزر چکا ہے آگے فرمایا جب انتظام الٰہی میں یہ بات ٹھہر چکی ہے کہ شفاعت ان ہی لوگوں کے حق میں منظور ہوگی جو شرک سے بچنے کے اس عہد پر قائم ہیں جو اُن سے عالم ارواح میں لیا گیا ہے پھر جو لوگ اس عہد کے یاد دلانے والے قرآن اور رسول کو جھٹلاتے ہیں رات دن بُت پرستی کے شرک میں گرفتار ہیں فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہہ کر اس کو صاحب اولاد ٹھہراتے ہیں اور انتظام الٰہی کے برخلاف قیامت کے دن شفاعت کی امید رکھتے ہیں یہ ان لوگوں کی بڑی نادانی ہے کیونکہ یہ ان کو جتلا دیا گیا ہے کہ جن نیک لوگوں کی مورتوں کو یہ مشرک پوجتے ہیں وہ نیک لوگ قیامت کے دن ان پوجا کرنے والوں کی صورت سے بیزار ہو جائیں گے اور یہ پتھر کی مورتیں دوزخ کا ایندھن بنا دی جائیں گی پھر وہ کون سا شفاعت کرنے والا ہے جس کی شفاعت کے بھروسہ پر یہ لوگ شرک سے باز نہیں آتے پھر فرمایا اللہ تعالیٰ کو صاحب اولاد ٹھہرانے کا کلمہ جو یہ لوگ زبان پر لاتے ہیں یہ ایسے غضب کا کلمہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کو اپنی بردباری سے وقت مقررہ تک دنیا کا چلانا منظور نہ ہوتا تو اللہ کے حکم سے ابھی اس غضب کے کلمہ کے وبال میں ان لوگوں پر آسمان پھٹ پڑتے یا زمین پاش پاش ہو جاتی، یا پہاڑ گر پڑتے پھر فرمایا اللہ تعالیٰ کی بڑائی اور عظمت کے آگے سب اس کے حقیر بندے ہیں یہ لوگ اپنے غلاموں سے تو رشتہ ناتا جوڑنا نہیں چاہتے پھر اللہ کی شان میں ایسا گستاخی کا کلمہ کیوں زبان سے نکالتے ہیں کہ اس کے حقیر بندوں کے ساتھ اس کا رشتہ ناتا ہے پھر فرمایا اچھے برے سب کی گنتی اللہ تعالیٰ کو معلوم اور لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے اس گنتی کے موافق جب ہر ایک شخص قیامت کے دن بے یار و بے مددگار اپنے عملوں کی جواب دہی کے لئے اللہ تعالیٰ کے روبرو اکیلا کھڑا ہوگا تو اس وقت اس غضب کے کلمہ کی سزا ان لوگوں کو سنا دی جائے گی صحیح بخاری و مسلم میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر بردبار کون ہو سکتا ہے کیوں کہ لوگ اس کو صاحب اولاد ٹھہراتے ہیں اور وہ ان کے ہر طرح کے آرام اور راحت کے انتظام میں خلل نہیں ڈالتا اس حدیث سے یہ مطلب اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے کہ وقت مقررہ تک دنیا کا انتظام اللہ تعالیٰ کی بردباری کے سبب سے چل رہا ہے ورنہ شرک ایسے غضب کی چیز ہے جس سے آسمان زمین اور پہاڑ سب

[1] صحیح بخاری ص ۴۷۳ ج ۱ باب قول اللہ عزّ و جلّ واتخذ اللہ ابراہیم خلیلا الخ [2] صحیح بخاری ص ۱۰۹۷ ج ۲ باب قول اللہ انی انا اللہ الآیہ و صحیح مسلم ص ۳۷۴ ج ۲ باب الکفار بروایت ابوموسیٰ اشعریؓ۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ﴿۹۶﴾ فَاِنَّمَا

البتہ جو یقین لائے ہیں اور کیں ہیں انہوں نے نیکیاں ان کو دے رحمٰن محبت سو ہم نے

يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ﴿۹۷﴾ وَكَمْ اَهْلَكْنَا

آسان کیا یہ قرآن تیری زبان میں اسی واسطے کہ خوشی سناوے تو ڈر والوں کو اور ڈراوے جھگڑالو لوگوں کو اور کھپا

قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ ۭ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ﴿۹۸﴾

چکے ہم ان سے پہلے سنگتیں آہٹ پاتا ہے ان میں تو کسی کی یا سنتا ہے ان کی بھنک۔

کانپتے ہیں اور آسمان پھٹ جانے کو اور زمین ٹکڑے ٹکڑے ہونے کو اور پہاڑ گر پڑنے کو تیار اور حکم کے منتظر ہیں۔

۹۶:۔ اوپر کی آیت میں متقی لوگوں کے ساتھ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ جو محبت کرے گا اس کا ذکر گزر چکا ہے کہ قبروں سے ان کو اللہ تعالیٰ مہمانوں کی سی خاطر داری سے اٹھائے گا اس کے علاوہ نیک لوگوں سے جب اللہ محبت کرنے لگتا ہے تو ایسے نیک لوگوں کی طرف تمام مخلوق الٰہی کے دل مائل ہوجاتے ہیں اور دنیا بھر ایسے لوگوں کو عزیز رکھنے لگتی ہے صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص سے اللہ تعالیٰ کو محبت ہوجاتی ہے تو اللہ تعالیٰ جبرئیل علیہ السلام کو جتلا دیتا ہے کہ مجھ کو فلاں بندہ سے محبت ہے جبرئیل اس بات کی تمام آسمانوں میں شہرت کر دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں بندہ سے محبت رکھتا ہے اس سے تمام آسمان کے فرشتے اس شخص سے محبت کرنے لگتے ہیں اور زمین پر بھی لوگوں کے دلوں میں ایک توقیر اور محبت اس شخص کی طرف سے پیدا ہوجاتی ہے[1] یہ تو ایماندار نیک عمل لوگوں کی دنیا کی عزت اور قبروں سے اٹھنے کے وقت کی عزت کا حال ہوا اس کے بعد قیامت کے دن ان کی یہ عزت ہوگی کہ اللہ کے فرشتوں اور رسولوں کی طرح یہ متقی لوگ بھی گناہ گار کلمہ گو لوگوں کی شفاعت کریں گے اور ان کی شفاعت منظور ہو کر بہت سے کلمہ گو گناہ گار جنت میں داخل ہوں گے صحیح بخاری ومسلم کے حوالہ سے ابوسعیدؓ خدری کی جس شفاعت کی حدیث کا ذکر اوپر گزرا اس میں نیک لوگوں کی شفاعت کا ذکر تفصیل سے ہے[2]۔

۹۷-۹۸:۔ اوپر ذکر تھا کہ قریش میں کے بعضے لوگ قرآن کی آیتیں سن کر طرح طرح کے جھگڑے نکالتے ہیں اور بعضوں کی ہدایت قرآن کی نئی نئی آیتوں سے دن بدن بڑھتی جاتی ہے ان آیتوں میں فرمایا اے رسول اللہ کے یہ قرآن عربی زبان میں اس آسانی کے لئے نازل کیا گیا ہے کہ تم عقبیٰ کی خرابی سے ڈرا کر نیک کام کرنے والوں کو عذاب آخرت سے نجات اور جنت میں داخل ہونے کی خوشی اور جھگڑالو لوگوں کو عذاب آخرت کا ڈر سنا دو اس پر بھی ان میں کے جو لوگ سرکشی اور بے جا جھگڑوں سے باز نہ آئیں تو ان کو یہ جتا دیا جاوے کہ ان سے پہلے بہت سے جھگڑالو لوگ طرح طرح کے عذابوں سے اس طرح دنیا میں ہلاک ہو کر آخرت کے عذاب میں گرفتار ہوچکے ہیں کہ دنیا میں کہیں ان کا نشان تک باقی نہیں رہا اگر یہ لوگ بھی ان پچھلی قوموں کے قدم بقدم چلیں گے تو یہی انجام ان کا ہوگا اللہ سچا ہے اللہ کا وعدہ سچا ہے قریش کے بڑے بڑے سرکش جھگڑالو لوگوں کا جو انجام بدر کی لڑائی کے وقت ہوا صحیح بخاری ومسلم کی انسؓ بن مالک کی روایت کے حوالہ سے اس کا ذکر کئی جگہ گزر

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۱۳۹ ج ۳ [2] صحیح بخاری ص ۱۱۰۷ ج ۲ باب قول اللہ وجوہ یومئذ ناضرۃ الخ

ایاتہا ۱۳۵ (۲۰) سُوْرَۃُ طٰهٰ مَكِّيَّةٌ (۴۵) رکوعاتہا ۸

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

طٰهٰ ① مَا اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰى ② اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ

اس واسطے نہیں اتارا ہم نے تجھ پر قرآن کہ تو محنت میں پڑے مگر نصیحت کے واسطے جس کو

يَّخْشٰى ③ تَنْزِيْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى ④

ڈر ہے، اتارا ہے اس شخص کا جس نے بنائی زمین اور آسمان اونچے۔

چکا ہے[1] کہ دُنیا میں بڑی ذلت سے یہ لوگ مارے گئے اور مرنے کے ساتھ ہی آخرت کے عذاب میں گرفتار ہو گئے جس عذاب کے جتلانے کے لئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی لاشوں پر کھڑے ہو کر یہ فرمایا کہ اب تو تم لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے وعدہ کو سچا پا لیا۔ سورہ مریم ختم ہوئی۔

۱۔۴: حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے قول کے موافق یہ سورہ مکی ہے مجاہد کے قول کے موافق طٰہٰ حروف مقطعات میں سے ہے حروف مقطعات کی تفسیر کا ذکر سورہ بقرہ کے شروع میں گزر چکا ہے حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب تہجد کی نماز فرض ہوئی تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی نماز میں یہاں تک کھڑے رہتے تھے کہ آپ کے پیروں پر ورم آجاتا تھا آپ کا یہ حال دیکھ کر مکہ کے مشرک لوگ کہتے تھے یہ قرآن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو محنت اور مشقت میں ڈالنے کے لئے اتارا گیا ہے[2] اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کی اس بات کے جواب میں فرمایا اے رسول اللہ کے یہ قرآن اللہ تعالیٰ نے تم پر تکلیف اٹھانے کے لئے نہیں اُتارا بلکہ یہ قرآن تو ان لوگوں کی نصیحت کے لئے اتارا ہے جن کے دل میں آخرت کے عذاب کا ڈر ہے جن لوگوں کے دل میں آخرت کے عذاب کا ڈر نہیں ہے وہ مسخرا پن سے ایسی باتیں کرتے ہیں کہ قرآن تم کو اور مسلمانوں کو محنت اور مشقت میں ڈالنے کے لئے اترا ہے یہ منکر قرآن لوگ قیامت کے دن نیک کام والوں کے محنت اور مشقت کے اجر کو دیکھیں گے تو پچھتائیں گے کہ انہوں نے یہ محنت و مشقت کیوں نہیں اٹھائی مشرکین مکہ یہ جو کہتے تھے کہ یہ قرآن اللہ کا کلام نہیں ہے بلکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بنا لیا ہے مشرکین کی اس بات کو جھٹلانے کے لئے فرمایا یہ قرآن اس صاحب قدرت کا اتارا ہوا ہے جس نے زمین اور آسمان کو پیدا کیا ہے اس لئے اس قرآن سے اس کی یہ قدرت ظاہر ہوتی ہے کہ اس نے ان پڑھ رسول پر یہ ایسا کلام اتارا ہے کہ ان پڑھ آدمی تو کیا اہل کتاب بھی قرآن میں کی غیب کی باتیں بغیر تائید غیبی کے ہرگز نہیں بتا سکتے صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابو ہریرہؓ کی روایت کئی جگہ گزر چکی ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اور معجزوں کے علاوہ قرآن کا ایک ایسا معجزہ مجھ کو دیا گیا ہے جس سے مجھے امید ہے کہ قیامت کے دن قرآن کے پیرو لوگوں کی تعداد اور آسمانی کتابوں کے پیرووں سے زیادہ ہوگی[3] اس ضعف اسلام کے زمانہ میں فقط قرآن کی ہدایت سے غیر قوموں کے لوگ جو قرآن کے پیرو بن رہے ہیں اس سے اس حدیث کا مطلب اور قرآن کے کلام الٰہی ہونے کا ثبوت اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے معتبر

[1] مثلاً ص ۲۳ ج ۲ [2] الدر المنثور ص ۲۸۹ ج ۴ [3] مشکوۃ ص ۵۱۲ باب فضائل سید المرسلین

اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ﴿۵﴾ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَمَا

وہ بڑی مہر والا تخت کے اوپر قائم ہوا۔ اسی کا ہے جو کچھ ہے آسمان اور زمین میں اور ان دونوں

بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى ﴿۶﴾ وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى ﴿۷﴾

کے بیچ اور نیچے گیلی زمین کے اور اگر تو بات کہے پکار کر تو اس کو خبر ہے چھپے کی اور اس سے چھپے کی۔

سند سے ترمذی میں عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ ایک آسمان سے دوسرے آسمان کی پانسو برس کی راہ کی اونچائی[۱] ہے یہ حدیث وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى کی تفسیر ہے جس سے آسمانوں کی اونچائی کا مطلب اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے۔

۵: سورۂ آل عمران میں بیان ہو چکا ہے کہ اس طرح کی متشابہات آیتوں میں سلف کا مذہب یہی ہے کہ ایسی آیتوں کے ظاہر معنے پر ایمان لانا چاہئیے اور ان کی تفصیلی کیفیت اللہ کے علم پر سونپنی چاہئیے بعضے مفسروں نے آیت کے یہ معنے جو کئے ہیں کہ پہلے زمین اور آسمان کو پیدا کر کے پھر اللہ تعالیٰ نے عرش کو پیدا کیا وہ بالکل سلف کے خلاف اور اسی طرح سوا اس معنے کے اور جس قدر تاویلی معنی مفسرین متاخرین نے کئے ہیں وہ سب سلف کے مخالف ہیں اور تفسیر قرآن میں جس قدر سلف کی مخالفت مضر اور ان کی پیروی ضرور ہے وہ ہر ایک مسلمان کو خوب معلوم ہے کیونکہ تفسیر قرآن اور روایت حدیث کے باب میں یہ صحیح حدیثوں سے ثابت ہو چکا ہے کہ جو کوئی بغیر نقل شرعی کے اس باب میں اپنی رائے اور عقل کو دخل دے گا اس کا ٹھکانا دوزخ ہے تو پھر بغیر اس کے چارہ نہیں ہے کہ متشابہ آیتوں کی تفسیر میں صحابہ تابعین نے جو طریقہ اختیار کیا ہے وہی طریقہ اختیار کیا جائے تاکہ مخالفت سلف میں عقل اور رائے کا دخل تفسیر قرآن میں ہو کر حدیث کی وعید میں آدمی گرفتار نہ ہو جائے ترمذی ابوداؤد ابن ماجہ اور مسند امام احمد بن حنبلؒ میں یہی وعید کی حدیث چند صحابہ کی روایت سے[۲] آئی ہے جس کا حاصل یہی ہے کہ تفسیر قرآن یا روایت حدیث میں جو کوئی عقل کو کام میں لائے گا اس کا ٹھکانہ جہنم ہے حاصل کلام یہ ہے کہ جب حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور عبداللہ بن عباسؓ اور چند صحابہؓ سے متشابہ آیتوں کے باب میں یہی صراحت آچکی ہے کہ سوائے اللہ کے ان کے معنی کوئی نہیں جانتا تو ان کے معنے جاننے کا دعویٰ کرے وہ نازیبا ہے کیونکہ صحیحین کی حضرت عائشہؓ کی حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے متشابہ آیتوں کی تاویل سے منع فرمایا ہے[۳] کہ جس کو تاویل کرتے دیکھو اس کو ڈرا دو اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ تاویل کا طریقہ بڑے خوف کی چیز ہے حاصل مطلب اس آیت کا یہ ہے کہ جس طرح سے عرش پر ہونا اللہ تعالیٰ کی شان کے مناسب ہے اسی طرح بلا مشابہت دنیا کے بادشاہوں کے اللہ تعالیٰ جل شانہ عرش پر ہے جس کی تفصیلی کیفیت اللہ ہی کو معلوم ہے حاصل کلام یہ ہے کہ حاضر پر غائب کو قیاس کیا جا کر دین میں کوئی بات کہی جائے تو اس میں غلطی کا گمان باقی رہ جاتا ہے اس واسطے تمام سلف نے متشابہ آیتوں کے معنے میں اس طریقہ کو پسند نہیں کیا بلکہ اسی طریقہ کو پسند کیا ہے جو اوپر بیان کیا گیا۔

۶-۸: مطلب یہ ہے کہ آسمان سے لے کر ساتویں زمین کے نیچے تک سب کچھ اللہ کے قبضہ اور اختیار میں ہے اور یہ سب کچھ اس نے اس طرح پیدا کیا ہے کہ اس میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے علم اس کا ایسا وسیع ہے کہ آدمی کے دل میں جو بات

---

[۱] تفسیر ابن کثیر تفسیر آیت ہذا مگر جامع ترمذی کی یہ روایت بروایت ابوہریرہؓ ہے مشکوٰۃ ص ۵۱۰ باب بدء الخلق فصل تیسری۔

[۲] مشکوٰۃ ص ۳۵ کتاب العلم [۳] تفسیر ہذا ج ۱ ص ۲۲۲۔

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ﴿۸﴾ وَهَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ﴿۹﴾

اللہ ہے جس کے سوا بندگی نہیں کسی کی اسی کے ہیں سب نام خاصے اور پہنچی ہے تجھ کو بات موسٰی کی ؟

اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ

جب اس نے دیکھی ایک آگ تو کہا اپنے گھر والوں کو ٹھیرو میں نے دیکھی ہے ایک آگ شاید لے آؤں تم پاس اس میں سے سُلگا کر

اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ﴿۱۰﴾ فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ يٰمُوْسٰى ﴿۱۱﴾ اِنِّيْٓ اَنَا رَبُّكَ

یا پاؤں اس آگ پر راہ کا پتہ پھر جب پہنچا آگ پاس آواز آئی اے موسٰی میں ہوں تیرا رب

آچکی یا آنے والی ہے یہ سب اس کو معلوم ہے ایسے معبود کی تعظیم میں جو دُوسروں کو شریک کرتے ہیں وُہ بڑے نادان ہیں کیونکہ سوائے اللہ کے انسان کو انسان کی ضرورت کی چیزوں کو کسی دوسرے نے پیدا نہیں کیا جو انسان پر اس کی تعظیم واجب ہو نہ سوائے اللہ کے کسی دوسرے کو انسان کے دل کے مقصد کی خبر ہے نہ کسی مقصد کے پورا کرنے کا کسی دُوسرے کو اختیار ہے مشرکین مکہ کو جب اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی باتیں سمجھائی جاتی تھیں تو وُہ مشرک مسلمانوں سے کہتے تھے کہ تم بھی تو کبھی اللہ کبھی رحمٰن ، کبھی رحیم کہہ کر دُعائیں مانگتے ہو پھر اللہ کو وحدہٗ لاشریک بھی کہتے ہو اس کا جواب اللہ تعالیٰ نے یہ دیا کہ اس ایک ذات کی بہت سی صفتیں ہیں ان صفتوں کے موافق اس کے بہت سے نام ہیں حاصل یہ ہے کہ ایک ذات کے کئی نام ہوں تو ان ناموں کا لینا اور بات ہے اور ایک ذات کے ساتھ دوسرے کو شریک ٹھہرانا اور بات ہے صحیح بخاری و مسلم میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کے ایک کم سو نام ہیں جو شخص ان کو یاد کرے گا وُہ جنت میں داخل ہوگا[۱] زیادہ تفصیل اس کی سورۃ الاعراف میں گزرچکی ہے۔

۹-۱۶ : موسٰی علیہ السلام کے قصہ کے ذکر سے یہاں یہ مطلب ہے کہ جس طرح قریش میں کے سرکش لوگ اے رسول اللہ کے تم سے وُہ گستاخی کی باتیں کرتے ہیں جن کا ذکر اوپر گزرا اسی طرح فرعون نے بھی موسٰی علیہ السلام سے بہت سرکشی کی باتیں کیں تھیں لیکن آخر کو اللہ کے رسول موسٰی علیہ السلام کا غلبہ ہُوا اور فرعون ڈوب کر ہلاک ہوگیا وقت مقررہ پر یہی انجام اب ہونے والا ہے کہ اسلام کا غلبہ ہوکر مکہ کی ہر گلی کوچہ میں کلمہ گو نظر آئیں گے اور جن بتوں کی حمایت میں یہ مشرک لوگ سرکشی کی باتیں کرتے ہیں ان بتوں کی اور ان کے پوجنے والوں کی نہایت ذلت ہوگی اللہ سچا ہے چنانچہ قرآن شریف کی اس غیب کی خبر کا ظہور فتح مکہ کے وقت جو کچھ ہُوا صحیح بخاری کی عبداللہ بن مسعودؓ اور صحیح مسلم کی ابوہریرہؓ کی روایتوں کے حوالہ سے اس کا ذکر کئی جگہ گزرچکا ہے کہ ان بتوں کو اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ کی لکڑی مار مار کر زمین پر گرادیا[۲] اور کسی مشرک کا اتنا حوصلہ نہ ہُوا کہ وُہ اپنے جھوٹے معبودوں کی حمایت کرتا مسند امام احمد کے حوالہ سے عبداللہ بن عباسؓ کی یہ معتبر روایت بھی گزرچکی ہے[۳] کہ شیطان اس غلبہ اسلام کو دیکھ کر بہت رویا حاصل مطلب ان آیتوں کا یہ ہے کہ شعیب علیہ السلام سے اجازت لے کر موسٰی علیہ السلام مدین سے مصر کو اپنی ماں اور اپنے بھائی ہارون سے ملنے کے لئے آرہے تھے تو اس

[۱] صحیح بخاری ص ۱۰۹۹ ج ۲ باب ان للہ مائۃ اسم الا واحدا [۲] صحیح بخاری ص ۶۱۴ ج ۲ باب این رکز النبی صلی اللہ علیہ وسلم الرایۃ یوم الفتح [۳] تفسیر ہذا ص ۲۷۰ ج ۳ -

فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ ۚ إِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ﴿١٢﴾ وَأَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا

سو اتار اپنی پاپوشیں تو ہے پاک میدان طوٰی میں اور میں نے تجھ کو پسند کیا سو تو سنتا رہ جو

يُوحَىٰ ﴿١٣﴾ إِنَّنِي أَنَا اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْنِي وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي ﴿١٤﴾

حکم ہو میں جو ہوں میں اللہ ہوں کسی کی بندگی نہیں سوائے میرے سو میری بندگی کر اور نماز کھڑی رکھ میری یاد کو

سفر میں ان کی بی بی بھی ان کے ساتھ تھیں زنانے ساتھ کے سبب سے موسیٰ علیہ السلام راتوں کو راستہ چلتے تھے وہ سخت جاڑے کا موسم تھا برف کے پڑنے سے ایک رات بڑی سردی ہوئی اور اتفاق سے اس رات کو موسیٰ علیہ السلام راستہ بھی بھول گئے اسی حالت میں طور پہاڑ کی داہنی طرف ان کو کچھ آگ کی سی روشنی دکھائی دی اس روشنی کو دیکھ کر انہوں نے اپنی بی بی سے کہا تم یہیں ٹھہری رہو میں جہاں یہ آگ کی روشنی ہے وہاں جا کر تاپنے کے لئے کچھ آگ بھی لے آتا ہوں اور آگ کے پاس کوئی آدمی ملا تو اس سے راستہ بھی پوچھ لوں گا جب موسیٰ علیہ السلام آگ کے پاس پہنچے تو ان کو آواز آئی کہ اے موسیٰ میں تمہارا رب ہوں تم طوٰی نام کے پاک میدان میں ہو اس لئے تم اپنی جوتیاں اتار ڈالو اور اللہ تعالیٰ نے تم کو نبوت کے لئے پسند کیا ہے اس واسطے تم کو جو حکم دیا جاتا ہے اس کو سنو وہ حکم یہ ہے کہ سوائے اللہ کے اور کوئی معبود نہیں ہے اسی کی عبادت کیا کرو اور اس کی یاد قائم رہنے کے لئے نماز پڑھا کرو اور یاد رکھو کہ دنیا نیک و بد کے امتحان کے لئے پیدا کی گئی ہے اس واسطے نیکی بدی کی جزا و سزا کے واسطے قیامت ایک روز ضرور آنے والی ہے جس کے آنے کا وقت سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی دوسرے کو معلوم نہیں ہے جو لوگ قیامت کے آنے کے قائل نہیں ہیں وہ عقبیٰ کی بہبودی کے کاموں سے غافل ہیں اور جو ان کا جی چاہتا ہے سو کرتے ہیں ایسے لوگوں کا کہنا نہ مانو کیونکہ وہ راستہ ہلاکت کا ہے پاک جوتیوں سے نماز پڑھنے اور یہود سے مخالفت کرنے کی جن حدیثوں کا حوالہ شاہ صاحب نے اپنے فائدہ میں بیان کیا ہے اس میں سے یہود سے مخالفت کرنے کی حدیث شداد بن اوس کی روایت سے ابوداؤد اور صحیح ابن حبان میں[1] ہے اور اس کی سند بھی معتبر ہے اسی طرح جوتیوں کے پاک ہونے کی حدیث ابوداؤد میں ابوسعید خدری کی روایت[2] ہے، اس کی سند بھی صحیح ہے ان حدیثوں کی بنا پر اکثر علماء کا قول ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی جوتیاں ناپاک تھیں کچھ نجاست ان میں لگی ہوئی تھی اس واسطے ان کے اتار دینے کا حکم ہوا حضرت عبداللہ بن عباس کا قول ہے کہ وہ روشنی جو موسیٰ علیہ السلام کو نظر آئی وہ اللہ تعالیٰ کا نور تھا موسیٰ علیہ السلام اس نور کی روشنی کو آگ کی روشنی سمجھے تھے اس لئے ان کے کلام میں نور کو نار فرمایا بعضے علماء کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کے منہ کے آگے جو پردے ہیں ان میں ایک پردہ آگ کا بھی ہے یہ اسی کی روشنی تھی جو موسیٰ علیہ السلام کو نظر آئی صحیح مسلم میں ابو موسیٰ اشعری سے جو روایتیں اللہ تعالیٰ کے منہ کے آگے کے پردوں کے ذکر میں ہیں ان میں نور اور نار دونوں لفظ آئے ہیں[3] اس واسطے دونوں قول صحیح معلوم ہوتے ہیں ابوموسیٰ اشعری کی روایت میں یہ بھی ہے کہ اگر اللہ کے منہ کے آگے سے پردے اٹھ جائیں تو اس کے جلال سے تمام عالم جل جائے حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے یہ جو فرمایا کہ وہ روشنی جو موسیٰ علیہ السلام کو نظر آئی وہ اللہ تعالیٰ کا نور تھا

---

[1] ابوداؤد ص ۹۵ ج ۱ باب الصلوٰۃ فی النعل [2] ابوداؤد ص ۹۸ ج ۱ باب الصلوٰۃ فی النعل [3] صحیح مسلم ص ۹۹ ج ۱۔ اثبات رؤیۃ المؤمنین الخ۔

إِنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ أَكَادُ أُخْفِيهَا لِتُجْزَىٰ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعَىٰ ﴿۱۵﴾ فَلَا يَصُدَّنَّكَ

قیامت مقرر آنی ہے میں چھپا رکھتا ہوں اسے کہ بدلا ملے ہر جی کو جو وہ کماتا ہے سو کہیں تجھ کو نہ روک دے

عَنْهَا مَنْ لَا يُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ فَتَرْدَىٰ ﴿۱۶﴾ وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يَا مُوسَىٰ ﴿۱۷﴾

اس سے وہ جو یقین نہیں رکھتا اس کا اور پیچھے پڑا ہے اپنی خواہش کے پھر تو ٹپکا جاوے اور یہ کیا ہے تیرے داہنے ہاتھ میں اے موسیٰ

قَالَ هِيَ عَصَايَ أَتَوَكَّأُ عَلَيْهَا وَأَهُشُّ بِهَا عَلَىٰ غَنَمِي وَلِيَ فِيهَا مَآرِبُ أُخْرَىٰ ﴿۱۸﴾

بولا یہ میری لاٹھی ہے اس پر ٹیکتا ہوں اور پتے جھاڑتا ہوں اس سے اپنی بکریوں پر اور میرے اس میں کتنے کام ہیں اور

اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے منہ پر نور کا جو پردہ ہے وہ اس نور کے پردہ کا نور تھا کیونکہ اس حدیث کے موافق اللہ تعالیٰ کی تجلی کے دیکھنے کی تمام عالم میں کسی کو تاب نہیں سورۃ الاعراف میں جو قصہ گزرا کہ اللہ تعالیٰ کی تجلی سے پہاڑ ٹوٹ کر گر پڑا اور موسیٰ علیہ السلام بیہوش ہو گئے اس سے اس حدیث کا مطلب اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے قول کا مطلب اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے صحیح مسلم وغیرہ میں جو روایتیں ہیں کہ دنیا کی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کو کوئی نہیں دیکھ سکتا ان سے بھی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے قول کا وہی مطلب قرار پاتا ہے جو اوپر بیان کیا گیا کہ وہ روشنی جو موسیٰ علیہ السلام کو نظر آئی وہ اللہ تعالیٰ کے نور کے پردہ کی روشنی تھی اسی واسطے اس نور کے دیکھنے کے بعد سورۃ الاعراف کے قصہ کی طرح موسیٰ علیہ السلام بیہوش نہیں ہوئے منہ اور اس کے آگے کے پردے دنیا میں جسم کے ساتھ خصوصیت رکھنے کی چیزیں ہیں اور اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہے اس لئے جس طرح متشابہ آیتوں کی تفصیلی کیفیت کا اللہ تعالیٰ کے علم پر سونپنے کا طریقہ سلف نے اختیار کیا ہے وہی طریقہ سلف نے اس قسم کی حدیثوں کے معنے میں بھی اختیار کیا ہے صحیح بخاری و مسلم میں عدی بن حاتم سے روایت ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حساب و کتاب کے وقت قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بلا واسطہ ہر شخص سے کلام کرے گا[۲] معتزلہ فرقہ کے لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے موسیٰ علیہ السلام کو آواز دینے اور ان سے کلام کرنے کا یہ مطلب جو بیان کیا ہے کہ طور پہاڑ کی داہنی طرف جو پیڑ تھا اللہ تعالیٰ نے اس میں گویائی کی قوت پیدا کر دی تھی اسی آواز کو موسیٰ علیہ السلام نے سنا کیونکہ بلا واسطہ بات چیت کرنے کے لئے منہ ہونٹ اور زبان کی ضرورت ہے اللہ تعالیٰ ان اعضاء اور جسم سے پاک ہے اس صحیح حدیث میں اللہ تعالیٰ کے بلا واسطہ کلام کرنے کا جو صاف ذکر ہے اس سے معتزلہ فرقہ کے اعتقاد کی غلطی اچھی طرح ثابت ہوتی ہے اس کی زیادہ تفصیل سورۃ الاعراف میں گزر چکی ہے صحیح بخاری و مسلم میں انسؓ بن مالک سے جو روایتیں ہیں ان میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے واقم الصلوٰۃ لذکری کی تفسیر یوں فرمائی ہے کہ جو شخص کسی وقت کی نماز پڑھنی بھول جائے تو جب یاد آئے اسی وقت وہ بھولی ہوئی نماز پڑھ لے کہ اس بھول کا یہی کفارہ ہے[۳]۔

۱۷-۳۶: موسیٰ علیہ السلام کو پیغمبری جو ملی اور پر اس کا ذکر تھا ان آیتوں میں معجزوں کے ملنے کا ذکر ہے اگرچہ کوئی چیز اللہ تعالیٰ کے علم سے باہر نہیں ہے لیکن موسیٰ علیہ السلام کو یہ بات جتلانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ان سے اس لکڑی کا حال پوچھا کہ موسیٰ علیہ

[۱] صحیح مسلم ص ۹۹ ج ۱ باب معنی قول اللہ عزوجل ولقد راٰہ نزلۃ اخریٰ الخ [۲] صحیح بخاری ص ۱۱۹ اج ۲ باب کلام الرب یوم القیمۃ الخ
[۳] تفسیر ابن کثیر ص ۱۴۴ ج ۳ مشکوٰۃ ص ۶۱ باب تعجیل الصلوٰۃ فصل اول۔

قَالَ اَلْقِهَا يٰمُوْسٰى ﴿۱۹﴾ فَاَلْقٰىهَا فَاِذَا هِىَ حَيَّةٌ تَسْعٰى ﴿۲۰﴾ قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ وقفة

فرمایا ڈال دے اس کو اے موسیٰ تو اس کو ڈال دیا پھر تب ہی وُہ سانپ ہے دوڑتا فرمایا پکڑلے اس کو اور نہ ڈر ہم

سَنُعِيْدُهَا سِيْرَتَهَا الْاُوْلٰى ﴿۲۱﴾ وَاضْمُمْ يَدَكَ اِلٰى جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ

پھیر دیں گے اس کو پہلے حال پر اور لگا اپنا ہاتھ اپنے بازو سے کہ نکلے چٹا ہو کر

غَيْرِ سُوْٓءٍ اٰيَةً اُخْرٰى ﴿۲۲﴾ لِنُرِيَكَ مِنْ اٰيٰتِنَا الْكُبْرٰى ﴿۲۳﴾ اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ

نہ کچھ بُری طرح ایک نشانی اور کہ دکھاتے جائیں ہم تجھ کو اپنی نشانیاں بڑی، جا طرف فرعون کے کہ اس نے

طَغٰى ﴿۲۴﴾ قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِىْ صَدْرِىْ ﴿۲۵﴾ وَيَسِّرْ لِىْٓ اَمْرِىْ ﴿۲۶﴾ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ

سر اٹھایا، بولا اے رب کشادہ کر میرا سینہ اور آسان کر میرا کام اور کھول گرہ میری۔

ع ۱۰ ۲۴

السّلام بھی جس لکڑی کا حال بیان کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے دم بھر میں اس کو اپنی قدرت سے سانپ بنا دیا اس بات کے اچھی طرح جتلانے میں یہ حکمت تھی کہ فرعون کو معجزہ دکھانے اور جادوگروں کے مقابلہ کے وقت اس لکڑی کا سانپ بن جانا موسیٰ علیہ السلام کے دھیان میں رہے حاصل مطلب ان آیتوں کا یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السّلام سے جب اللہ تعالیٰ نے پوچھا اے موسیٰؑ تمہارے داہنے ہاتھ میں یہ کیا چیز ہے تو موسیٰ علیہ السّلام نے جواب دیا یہ میرے ہاتھ کی لکڑی ہے بکریاں چرانے کے وقت اس پر اپنی ٹھوڑی ٹیک کر میں کھڑا ہو جاتا ہوں اور اسی سے بکریوں کے لئے درختوں کے پتے جھاڑتا ہوں اور کبھی یہ لکڑی میرے اور کام بھی آجاتی ہے۔ یہ آخری بات اللہ تعالیٰ نے اپنے علمِ غیب کے موافق موسیٰ علیہ السّلام کی زبان سے نکلوائی کیونکہ اسی لکڑی کے کام میں لانے سے پانی کے وُہ بارہ چشمے پیدا ہوئے جن کا ذکر سُورۃ البقر میں گزرا اور اسی لکڑی کے کام میں لانے سے دریائے قلزم نے راستہ دے دیا جس کا ذکر سُورۃ الشعراء میں آئے گا غرض اس طرح کی غیب کی خبروں سے قرآن شریف کے کلامِ الٰہی ہونے میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا جب موسیٰ علیہ السّلام اپنے ہاتھ کی لکڑی کا حال بیان کر چکے تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا موسیٰؑ تم اس لکڑی کو زمین میں ڈال دو موسیٰ علیہ السّلام نے اس کو زمین میں ڈال دیا اور ڈالتے ہی اس لکڑی کا سانپ بن کر دوڑنے لگا یہ حالت دیکھ کر موسیٰ علیہ السّلام ڈر گئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا موسیٰ ڈرو نہیں اس سانپ کو ہاتھ میں پکڑ لو پھر وُہ سانپ کی لکڑی ہو جائے گی اب آگے اللہ تعالیٰ نے دوسرے معجزے کی تدبیر بتلائی کہ موسیٰؑ تم اپنے ہاتھ کی ہتھیلی کو بغل میں دبا کر نکالو اور پھر دیکھو کہ تمہارے ہاتھ کی ہتھیلی سفید اور اس میں سورج کی سی روشنی ہو جائے گی یہ سفیدی برص کی بیماری کی طرح نہ ہو گی بلکہ جب تم چاہو گے تو وُہ ہتھیلی کی سفیدی جاتی رہے گی یہ تمہارا دُوسرا معجزہ ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت دکھانے کے لئے یہ دو بڑے معجزے تم کو دیئے ہیں اب تم مصر میں فرعون کے پاس جا کر اسے یہ معجزے دکھاؤ کہ اس نے بہت سر اٹھایا ہے اپنے آپ کو خدا کہتا ہے جب موسیٰ علیہ السّلام نے فرعون کے گھر میں پرورش پائی تھی تو وُہ فرعون کے رعب کا حال خوب دیکھ چکے تھے اس واسطے فرعون کے پاس جانے کا حکم سن کر موسیٰ علیہ السّلام نے یہ دُعا کی کہ یا اللہ تو اپنی رحمت سے میرا دِل ایسا کھول دے کہ میں بے دھڑک تیرا پیغام فرعون کو پہنچا دوں اور میرے نزدیک یہ کام بہت مشکل ہے تو ہی اپنی قدرت سے اس کو آسان کر دے زبان کے جل جانے کے سبب سے اس میں ایک طرح کا توتلا پن جو ہو گیا ہے وُہ بھی جاتا رہے تاکہ فرعون اور

لِّسَانِیْ ﴿۲۷﴾ یَفْقَهُوْا قَوْلِیْ ﴿۲۸﴾ وَاجْعَلْ لِّیْ وَزِیْرًا مِّنْ اَهْلِیْ ﴿۲۹﴾ هٰرُوْنَ اَخِی ﴿۳۰﴾

زبان سے کہ بوجھیں میری بات اور دے مجھ کو ایک کام بٹانے والا میرے گھر کا ہارون میرا بھائی

اشْدُدْ بِهٖۤ اَزْرِیْ ﴿۳۱﴾ وَاَشْرِكْهُ فِیْۤ اَمْرِیْ ﴿۳۲﴾ كَیْ نُسَبِّحَكَ كَثِیْرًا ﴿۳۳﴾ وَّنَذْكُرَكَ

اس سے بندھا میری کمر اور شریک کر اس کو میرے کام کا کہ تیری پاک ذات کا بیان کریں بہت سا اور یاد کریں ہم تجھ کو

كَثِیْرًا ﴿۳۴﴾ اِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِیْرًا ﴿۳۵﴾ قَالَ قَدْ اُوْتِیْتَ سُؤْلَكَ یٰمُوْسٰی ﴿۳۶﴾

بہت سا تو تو ہے ہم کو خوب دیکھتا۔ فرمایا ملا تجھ کو تیرا سوال اے موسیٰؑ۔

اس کی قوم کے لوگ میری بات کو اچھی طرح سمجھیں جس طرح اپنی رحمت سے تو نے مجھ کو پیغمبر بنایا ہے اسی طرح میرے بھائی ہارون کو نبوت دے کر میرا مددگار بنا دے تاکہ اس کے شکریہ میں ہم دونوں بھائی ہر وقت تیری یاد میں لگے رہیں ہماری حالت کچھ تجھ سے چھپی نہیں ہے کہ ہم تیری یاد میں کوتاہی نہیں کرتے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی اس دعا کے جواب میں فرمایا کہ تمہاری دعا قبول ہو گئی تمہاری دعا کے موافق سب باتیں تم کو مل جائیں گی جب موسیٰ علیہ السلام فرعون کے گھر میں پرورش پا رہے تھے تو فرعون کی بی بی آسیہ نے موسیٰ علیہ السلام کو ایک دن فرعون کی گود میں دے دیا موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی داڑھی نوچ ڈالی اس سے فرعون کو اپنے خواب کی وہ تعبیر یاد آئی جو نجومیوں نے بتلائی تھی کہ بنی اسرائیل میں کا ایک لڑکا ایسا پیدا ہو گا جو فرعون کا دشمن ہو گا اور اس کے ہاتھ سے فرعون کی سلطنت کو زوال آئے گا یہ تعبیر یاد کر کے فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کے مار ڈالنے کا قصد کیا آسیہ نے فرعون کو اس قصد سے روکا اور کہا کہ اتنے چھوٹے بچے بالکل ناسمجھ ہوتے ہیں تم کو میری بات کا یقین نہ ہو تو ایک رکابی میں آگ کے انگارے اور دوسری میں کچھ جواہرات منگا کر اس بچہ کے سامنے رکھو اور دیکھو تو یہ کون سی رکابی میں ہاتھ ڈال دیتا ہے جب یہ رکابیاں آئیں تو موسیٰ علیہ السلام جواہرات کی رکابی میں ہاتھ ڈالنا چاہتے تھے لیکن جبرئیل علیہ السلام نے ادھر سے موسیٰ علیہ السلام کا ہاتھ کھینچ کر انگاروں کی رکابی میں ڈال دیا اور ایک انگارہ موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں دے کر وہی ہاتھ ان کے منہ میں دے دیا جس سے ان کی زبان جل گئی اور اس میں تتلا پن آ گیا اسی کا ذکر ان آیتوں میں ہے سورہ مریم کی آیت وهبنا له من رحمتنا اخاه هٰرون نبيا سے جس طرح ہارون علیہ السلام کا نبی ہونا ثابت ہے اسی طرح صحیح بخاری میں سعدؓ بن ابی وقاص سے روایت ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا میری نبوت کے زمانہ میں تمہارا وہی مرتبہ ہے جو موسیٰ علیہ السلام کی نبوت میں ہارون علیہ السلام کا تھا[1] فقط اتنا ہی فرق ہے کہ ہارونؑ نبی تھے اور میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ سورہ مریم کی وہ آیت اور یہ حدیث واشركه فی امری کی گویا تفسیر ہے جس سے ہارون علیہ السلام کا نبی ہونا اچھی طرح سمجھ میں آ جاتا ہے صحیح بخاری و مسلم میں مالکؓ بن صعصعہ سے اور صحیح مسلم میں انس بن مالکؓ سے جو معراج کی روایتیں ہیں[2] ان میں یہ ہے کہ معراج کی رات میں پہلے پچاس نمازیں فرض ہوئیں تھیں پھر موسیٰؑ کے مشورہ کے موافق خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے تخفیف کی التجا کی تو پچاس نمازوں کی پانچ رہ گئیں موسیٰ علیہ السلام کی نبوت سے امت محمدیہ کو جو

[1] صحیح بخاری ص ۵۲۶ ج ۱ مناقب علی ابن ابی طالب [2] صحیح مسلم ص ۹۱ ج ۱ باب الاسراء برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ۔

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً أُخْرَىٰ ﴿٣٧﴾ إِذْ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّكَ مَا يُوحَىٰ ﴿٣٨﴾ أَنِ

اور احسان کیا ہے ہم نے تجھ پر ایک بار اور، جب بھیجا ہم نے تیری ماں کو جو آگے سناتے ہیں کہ ڈال اس کو

اقْذِفِيهِ فِي التَّابُوتِ فَاقْذِفِيهِ فِي الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ يَأْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّي

صندوق میں پھر اس کو ڈال دے پانی میں پھر پانی اس کو لے ڈالے کنارے پر اٹھائے اس کو ایک دشمن میرا

وَعَدُوٌّ لَّهُ ۚ وَأَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّي ۚ وَلِتُصْنَعَ عَلَىٰ عَيْنِي ﴿٣٩﴾ إِذْ تَمْشِي أُخْتُكَ

اور اس کا اور ڈال دی میں نے تجھ پر محبت اپنی طرف سے اور تاکہ تیار ہو تو میری آنکھ کے سامنے جب چلنے لگی تیری بہن

وقف لازم

فائدہ پہنچا یہ روایتیں گویا اس کی تفسیر ہیں۔

۳۷۔۴۰: ان آیتوں کا مطلب سمجھنے کے قابل اس قصہ کا حاصل یہ ہے کہ فرعون نے خواب میں ایک آگ دیکھی جو شام کے ملک سے پیدا ہو کر مصر میں بنی اسرائیل کا محلہ جو کہلاتا تھا سوائے اس محلہ کے مصر کے اور سب گھر جل گئے فرعون نے اس وقت کے نجومیوں سے اپنے اس خواب کی تعبیر پوچھی انہوں نے یہ تعبیر بتلائی کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہونے والا ہے جس کے سبب سے فرعونی سلطنت برباد ہو جائے گی۔ فرعون نے اس تعبیر سے بچنے کے لئے یہ تدبیر نکالی ہے کہ بنی اسرائیل میں جس قدر لڑکے پیدا ہوں ان کو مار ڈالا جائے اور لڑکیوں کو چھوڑ دیا جائے سورۃ الاعراف میں گزر چکا ہے کہ بنی اسرائیل یعقوب علیہ السّلام کی اولاد کو کہتے ہیں جن کا اصلی وطن ملک شام ہے یوسف علیہ السّلام کی مصر کی سکونت کے سبب سے یہ لوگ مصر میں آن کر آباد ہوئے حاصل یہ ہے کہ بنی اسرائیل کی اصلی سکونت ملک شام کی تھی اور موسیٰ علیہ السّلام بنی اسرائیل میں سے ہیں اس واسطے وہ آگ فرعون کے خواب میں ملک شام سے پیدا ہوئی لڑکوں کے قتل کے حکم سے جب بنی اسرائیل کے ہزارہا لڑکے قتل ہو گئے اور ان میں کے بڈھے اپنی موت سے مرے تو فرعون کے مصاحبوں نے فرعون سے کہا کہ اس طرح سے تمام بنی اسرائیل ختم ہو جائیں گے اور سلطنت کے محنت مزدوری کے کام جو ان کے ذمہ ہیں ان میں حرج پڑ جائے گا اس کے بعد سے فرعون نے یہ حکم دیا کہ ایک سال بنی اسرائیل کے لڑکے قتل کئے جایا کریں اور دوسرے سال چھوڑ دیئے جایا کریں اتفاق سے موسیٰ علیہ السّلام کی پیدائش اس سال میں ہوئی جس میں بنی اسرائیل کے لڑکوں کے قتل کئے جانے کی باری تھی اس واسطے موسیٰ علیہ السّلام کی جان کی حفاظت کے لئے اللہ تعالیٰ نے جو تدبیر موسیٰ علیہ السّلام کی ماں کو بتلائی اس کا ذکر ان آیتوں میں ہے حاصل مطلب ان آیتوں کا یہ ہے کہ اوپر نبوت اور معجزوں کے احسانات کا ذکر فرما کر ان آیتوں میں فرمایا کہ اے موسیٰ اللہ کے احسانات کچھ اسی پر منحصر نہیں ہیں کہ اس نے تم کو نبی کیا معجزے دیئے بلکہ تم پر اس کے یہ احسانات بھی ہیں کہ بنی اسرائیل کے لڑکوں کے قتل کئے جانے کے سال میں جب تمہاری پیدائش ہوئی تو تمہاری جان کی حفاظت کے لئے اللہ تعالیٰ نے تمہاری ماں کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ دودھ پلانے کے بعد وہ تم کو ایک صندوق میں لٹا کر نیل دریا میں وہ صندوق ڈال دیا کریں پھر اللہ کی قدرت سے ایک دن وہ صندوق بہہ کر فرعون کے محل کے نیچے پہنچ گیا جو فرعون اور اس کی بی بی آسیہ نے نکلوایا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں تمہاری ایسی محبت ڈال دی کہ وہ دودھ پلوا کر تمہارے پالنے کو تیار ہو گئے اور اللہ کے حکم سے جب تم نے کسی غیر انّا کا دودھ نہ پیا تو تمہاری بہن نے تمہاری ماں کا درپردہ پتہ دیا غرض

فَتَقُوْلُ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى مَنْ يَّكْفُلُهٗ ؕ فَرَجَعْنٰكَ اِلٰۤى اُمِّكَ كَیْ تَقَرَّ عَیْنُهَا وَ لَا تَحْزَنَ ؕ

اور کہنے لگی بتاؤں تم کو ایک شخص کہ اس کو پالے پھر پہنچایا ہم نے تجھ کو تیری ماں پاس کہ ٹھنڈی رہے اس کی آنکھ اور غم نہ کھاوے

وَ قَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّیْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ وَ فَتَنّٰكَ فُتُوْنًا ۫۬ فَلَبِثْتَ سِنِیْنَ فِیْۤ اَهْلِ

اور تو نے مار ڈالی ایک جان پھر نکالا ہم نے تجھ کو اس غم سے اور جانچا تجھ کو ایک ذرا جانچنا پھر ٹھہرا تو کئی برس

اس تدبیر سے اللہ تعالیٰ نے تم کو تمہاری ماں کے پاس پہنچا دیا تاکہ تمہارے دیکھنے سے تمہاری ماں کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور تمہاری جدائی کا غم تمہاری ماں کے دل سے جاتا رہے صحیح بخاری میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تقدیر الٰہی کے موافق جو بات پیش آنے والی ہے وہ ٹل نہیں سکتی کیونکہ اللہ تعالیٰ کے علم غیب کے نتیجہ کے طور پر جو کچھ لوحِ محفوظ میں لکھا جانا تھا وہ لکھا جا کر قلم بھی خشک ہو گیا[1] مطلب یہ ہے کہ تحریر کے ختم ہو جانے پر قلم خشک کیا جاتا ہے اس لئے لوحِ محفوظ کی تحریر اب ختم ہو گئی کوئی نئی بات اب اس تحریر میں نہیں لکھی جا سکتی اس حدیث کو آیتوں کے ساتھ ملانے سے یہ مطلب ہوا کہ انسانی تدبیر سے تقدیر نہیں ٹل سکتی اپنی تدبیر کے موافق فرعون نے بنی اسرائیل کے ہزاروں لڑکے قتل کروا ڈالے مگر تقدیر الٰہی کے موافق اس نے جو خواب دیکھا تھا آخر اس کا ظہور ہو کر رہا ولتصنع علی عینی اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری محبت فرعون اور اس کی بیوی آسیہ کے دل میں اس واسطے ڈال دی کہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں تمہاری پرورش اچھی طرح ہو جائے اللہ تعالیٰ نے فرعون کو اپنا دشمن تو اس لئے فرمایا کہ وہ ملعون خدا کی ہستی کا منکر اور اپنے آپ کو خدا کہلواتا تھا اور موسیٰ علیہ السلام کا دشمن وہ یوں تھا کہ بنی اسرائیل کے ہزارہا لڑکے اس نے موسیٰ علیہ السلام کی دشمنی میں قتل کرائے۔

۴۰-۴۴:۔ بچپنے سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کئی طرح کی آزمائش میں پڑے اوّل تو اس سال میں پیدا ہوئے جب بنی اسرائیل کے لڑکے فرعون قتل کر رہا تھا پھر صندوق میں بند ہو کر دریا میں ڈالے گئے پھر دودھ کسی انّا کا نہ پیا پھر فرعون کی ڈاڑھی نوچ لینے سے قتل کے قابل قرار پائے پھر آخر زبان جل گئی پھر قبطی کے ان کے ہاتھ سے مارے جانے کے سبب سے فرعونی لوگ ان کے قتل پر آمادہ ہو گئے پھر بھوک پیاس سے مدین کا سفر کرنا پڑا اس قصہ میں گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی ہے کہ گھبرانے کی بات نہیں ہے انبیاء کو قدیم سے دنیا میں تکلیفیں پہنچتی رہتی ہیں پھر ویسی ہی آخرت میں ان تکلیفوں کے بدلہ راحتیں ہیں اور دنیا میں بھی وقت مقررہ پر قدیم سے انبیاء کا غلبہ آخر کو ہوتا رہا ہے اور ان کے مخالف طرح طرح کے عذابوں سے ہلاک ہوتے رہے ہیں ان آیتوں میں موسیٰؑ کے ہاتھ سے فرعون کی قوم کا ایک شخص جو مارا گیا اس کا ذکر تو فرمایا اور باقی کی آزمائش کی باتوں کو وفتنٰک فتونا فرما کر مختصر طور پر ذکر کیا جس سے مقصود وہی آزمائش کی باتیں ہیں جو اوپر بیان کی گئیں فرعون کی قوم کو قبطی قوم کہتے ہیں قوم مذکور کا ایک آدمی موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے جو مارا گیا اس کے قصہ[2] کا حاصل یہ ہے کہ ایک اسرائیلی اور دوسرا قبطی شخص مصر کے بازار میں جھگڑ رہے تھے اُدھر سے ٹہلتے میں موسیٰ علیہ السلام آ گئے ان کو دیکھ کر اسرائیلی شخص نے ان سے فریاد کی موسیٰ

[1] مشکوٰۃ ص ۲۰ باب الایمان بالقدر [2] یہ روایت "حدیث الفتون" سے موسوم ہے اور سنن کبریٰ امام نسائی کے حوالہ سے زیر تفسیر آیت کے تحت تفسیر ابن کثیر میں ہے نیز دیکھئے الدر المنثور ص ۲۹۶ تا ۳۰۱ ج ۴۔

مَدْيَنَ ۵ ثُمَّ جِئْتَ عَلٰى قَدَرٍ يّٰمُوْسٰى ﴿۴۰﴾ وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ ﴿۴۱﴾ اِذْهَبْ

مدین والوں میں پھر آیا تو تقدیر سے اے موسیٰ اور بنایا میں نے تجھ کو خاص اپنے واسطے جا تو اور

اَنْتَ وَاَخُوْكَ بِاٰيٰتِيْ وَلَا تَنِيَا فِيْ ذِكْرِيْ ﴿۴۲﴾ اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿۴۳﴾

تیرا بھائی لے کر میری نشانیاں اور سُستی نہ کرو میری یاد میں جاؤ طرف فرعون کے اس نے سر اٹھایا۔

فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ﴿۴۴﴾

سو کہو اس سے بات نرم شاید وُہ سوچ کرے یا ڈرے۔

علیہ السلام کو قبطی شخص کی زیادتی معلوم ہُوئی اس پر ان کو غصّہ آگیا انہوں نے غصّہ میں ایک گھونسا اس قبطی شخص کے مارا جس سے وُہ فوراً مرگیا لیکن قبطی قوم کے کسی شخص نے یہ ماجرا نہیں دیکھا اس واسطے اس قوم کے لوگ کسی پر نالش نہ کر سکے اس کے ایک دن بعد وہی اسرائیلی شخص دُوسرے قبطی شخص سے جھگڑ رہا تھا کہ اتفاق سے اب بھی موسیٰ علیہ السلام وہاں آگئے اور پھر اسرائیلی شخص نے قبطی کی زیادتی کی فریاد موسیٰ علیہ السلام سے کی موسیٰ علیہ السلام نے اس اسرائیلی شخص کو دھمکایا کہ تو روز جھگڑے کرتا رہتا ہے اور اس دھمکی کے بعد اس قبطی شخص کے مارنے کو ہاتھ اٹھایا اسرائیلی شخص یہ سمجھا کہ موسیٰ نے مجھ کو دھمکایا ہے اس لئے میرے ہی مارنے کو ہاتھ بھی اٹھایا ہے اس لئے اس نے غل مچا دیا کہ موسیٰؑ تم نے کل ایک قبطی کو جس طرح مار ڈالا کیا آج مجھ کو مارنا چاہتے ہو اس غل سے تمام مصر میں یہ بات پھیل گئی کہ اس قبطی کو موسیٰؑ نے مارا ہے فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کے پکڑنے کو پیادے بھیجے یہ پیادے ابھی موسیٰؑ تک نہیں پہنچے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں مصر سے نکل جانے کا ارادہ پیدا کرکے ان کو مدین کے راستہ سے لگا دیا مدین مصر سے آٹھ منزل ہے موسیٰ علیہ السلام جب مدین پہنچ گئے تو وہاں شعیب علیہ السلام کی بیٹی سے ان کا نکاح ہوگیا صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول ہے کہ موسیٰ علیہ السلام مدین میں دس برس رہے[1] اب موسیٰ علیہ السلام کی عمر چالیس برس کی ہوگئی اور نبوت کے ملنے کا زمانہ قریب آگیا اس واسطے اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں مصر کا ارادہ پیدا کیا اور راستہ میں جس طرح نبوت ملی اس کا ذکر اسی سورت کے شروع میں گزرا اور اکیلے موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی ہدایت کے لئے جانے کا حکم تھا اس حکم کے بعد جب موسیٰ علیہ السلام نے یہ دُعا مانگی کہ یا اللہ میرے بھائی ہارون کو بھی نبی کر دیا جائے تو موسیٰ علیہ السلام کی یہ دُعا قبول ہو کر ہارون علیہ السلام نبی ہوگئے اس لئے ان آیتوں میں موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام دونوں کو فرعون کی ہدایت کے لئے جانے کا حکم ہُوا سخت بات سے آدمی کو غصّہ آجاتا ہے جس کے سبب سے سمجھ میں آتی ہوئی بات کو بھی آدمی نہیں سمجھتا اس واسطے ان آیتوں میں موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کو یہ حکم ہوا کہ وُہ فرعون سے نرم لفظوں میں بات چیت کریں لعلّہٗ یتذکر او یخشی اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے علم غیب سے کوئی چیز باہر نہیں ہے فرعون اور اس کی قوم کا جو انجام ہونے والا ہے وُہ اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے لیکن دُنیا کے کاموں کا دار و مدار اللہ تعالیٰ نے اپنے علم غیب پر نہیں رکھا اور نہ غیب کا حال سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو معلوم ہے اس واسطے تم اس امید پر پوری کوشش کرو کہ شاید فرعون راہِ راست پر آجائے تم کو اس کوشش کا اجر ضرور ملے گا صحیح بخاری و مسلم کے

[1] تفسیر ابن کثیر سورۃ القصص تفسیر آیۃ کریمہ فان اتممت عشرا الآیہ بحوالہ بخاری۔

قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَآ اَوْ اَنْ يَّطْغٰى ﴿۴۵﴾ قَالَ لَا تَخَافَآ اِنَّنِىْ مَعَكُمَآ

بولے اے رب ہمارے ہم ڈرتے ہیں کہ بھبکے ہم پر یا جوش میں آوے ۔ فرمایا نہ ڈرو میں ساتھ ہوں تمہارے

اَسْمَعُ وَاَرٰى ﴿۴۶﴾ فَاْتِيٰهُ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۵

سنتا ہوں اور دیکھتا سو جاؤ اس پاس اور کہو ہم دونوں بھیجے ہیں تیرے رب کے سو بھیج دے ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو

حوالہ سے ابوموسیٰ اشعری کی حدیث کئی جگہ گزر چکی ہے[1] جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نافرمان لوگوں کو پہلے مہلت دیتا ہے جب مہلت کے زمانہ میں وہ لوگ اپنی نافرمانی سے باز نہیں آتے تو کسی سخت عذاب میں ان کو پکڑ لیتا ہے اس حدیث کو آیتوں کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی عادت کے موافق فرعون اور اس کی قوم کو بہت بڑی مہلت دی اور اس مہلت کے زمانہ میں دو نبی موسیٰ اور ہارون ان لوگوں کی فہمائش کے لیے بھیجے اور ان نبیوں کو نرم لفظوں میں فہمائش کرنے کی ہدایت بھی کی اور ان نبیوں نے ہدایت کے موافق عمل بھی کیا لیکن مہلت کے زمانہ میں جب فرعون کی سرکشی دن بدن بڑھتی گئی تو آخر کو فرعون اور اس کی قوم کو دریائے قلزم میں ڈبو کر ہلاک کر دیا۔

۴۵-۴۷ :- فرعون بڑا ظالم بادشاہ مشہور تھا اور حضرت موسیٰ کے ہاتھ سے ایک فرعونی مارا گیا تھا اس کا بھی خوف تھا کہ فرعون جب دیکھے گا ضرور بدلہ لے گا اس سبب سے حضرت موسیٰ اور ہارون نے مل کر خدا سے التجا کی کہ یا اللہ فرعون ہم پر کوئی زیادتی نہ کرنے پائے اللہ تعالیٰ نے ان کی تسکین فرمائی کہ اللہ تمہارے ساتھ ہے اس میں گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تسکین ہے کہ انبیاء کے ساتھ اللہ ہے باوجود اختیاراتِ بادشاہی کے فرعون حضرت موسیٰؑ پر کچھ زیادتی نہ کر سکا تو اے نبی اللہ کے ! اہل مکہ تم پر کیا زیادتی کر سکتے ہیں اللہ کا وعدہ سچا ہے مکہ میں باوجودیکہ سب قوم آنحضرت کے مخالف تھی مگر کسی سے کچھ نہ ہو سکا آخر کو حق ہی کا بول بالا رہا۔ مسند امام احمد نسائی ابوداؤد اور مستدرک حاکم میں اوس بن الصامتؓ کی بی بی خولہؓ اور حضرت عائشہؓ سے جو معتبر روایتیں ہیں[2] ان کا حاصل یہ ہے کہ خولہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور چپکے چپکے یہ شکایت کی کہ اوس بن الصامتؓ نے زبردستی ان کو طلاق دے دی اللہ تعالیٰ نے فوراً اس پر سورہ مجادلہ کی چند آیتیں نازل فرمائیں یہ حدیث اسمع وارٰی کی گویا تفسیر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ خولہ کے اپنے رسول کے پاس آنے کو اللہ تعالیٰ نے فوراً دیکھ لیا اور ان کی چپکے چپکے سے باتوں کو اسی وقت سن لیا۔ خولہؓ کے طلاق کے مسئلہ کی زیادہ تفصیل سورۃ المجادلہ میں آئے گی اوپر گزر چکا ہے کہ بنی اسرائیل کا اصلی وطن ملک شام ہے یوسف علیہ السلام کے زمانہ سے یہ لوگ مصر میں آن کر آباد ہوئے اور یوسف علیہ السلام کی وفات کے بعد فرعون ان کو بہت ستاتا تھا۔ طرح طرح کی ذلت اور محنت کے کام ان سے لیتا تھا اس واسطے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو یہ حکم دیا تھا کہ بنی اسرائیل کو مصر سے لے جا کر ان کے اصلی وطن ملک شام میں بسا دیا جائے اس حکم کی تعمیل میں موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام نے فرعون سے یہ کہا کہ بنی اسرائیل کو کیوں ستاتا ہے اللہ تعالیٰ کے حکم کے موافق ان کو ہمارے ساتھ کر دیا جائے ان آیتوں میں مختصر طور پر موسیٰ علیہ السلام کے عصا اور ید بیضا کے

[1] مثلاً ص ۱۰۹ ج ۳ [2] فتح الباری ص ۲۰۰-۲۰۱ ج ۵ باب الظہار۔

وَلَا تُعَذِّبْهُمْ ۖ قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ ۖ وَالسَّلٰمُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ﴿٤٧﴾

اور نہ ستا ان کو ہم آئے ہیں تیرے پاس نشانی لے کر تیرے رب کی اور سلامتی ہو اس کی جو مانے راہ کی بات ۔

اِنَّا قَدْ اُوْحِيَ اِلَيْنَآ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰى مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿٤٨﴾ قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا

ہم کو حکم ہوا ہے کہ عذاب اس پر ہے جو جھٹلاوے اور منہ پھیرے ۔ بولا پھر کون ہے صاحب تم دونوں

يٰمُوْسٰى ﴿٤٩﴾ قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ﴿٥٠﴾ قَالَ فَمَا بَالُ

کا اے موسیٰ کہا صاحب ہمارا وہ ہے جس نے دی ہر چیز کو اس کی صورت پھر راہ سوجھائی بولا پھر کیا حقیقت ہے

معجزے کا ذکر قد جئناك بآية من ربك کے لفظوں سے ہے لیکن سورۂ شعراء میں آئے گا کہ اس پہلی ملاقات میں موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو عصا اور یدِ بیضاء کا معجزہ بھی دکھایا جس سے پہلے تو فرعون ڈر گیا اور پھر موسیٰ علیہ السلام کو جادوگر اور ان کے معجزے کو جادو بتلایا والسلام علی من اتبع الهدٰی اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے موافق اس کے رسول جو نیک راستہ بتلاتے ہیں جو کوئی اس راستہ پر چلے گا آخرت میں وہی امن و امان سے رہے گا اور جو کوئی اللہ کے رسولوں کو جھٹلائے گا وہ آخرت میں سزا بھگتے گا۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام سے یہ وعدہ جو کیا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں اس کا ظہور وقت پر ہوتا رہا چنانچہ آگے آتا ہے کہ جب جادوگروں کے مقابلہ کے وقت ان جادوگروں نے اپنی رسیوں اور لکڑیوں کے سانپ بنا کر میدان میں چھوڑے تو موسیٰ علیہ السلام ان سانپوں کو دیکھ کر کچھ ڈرنے لگے تھے اس پر اللہ تعالیٰ نے فوراً ان کی تسکین کی اور فرمایا ڈرو نہیں تم ہی غالب رہو گے تم اپنے ہاتھ کی لکڑی جھٹ پٹ زمین میں ڈال دو تمہاری لکڑی کا سانپ جادوگروں کے ان سب سانپوں کو ابھی نگل جائے گا اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کا یہ کرشمہ دیکھ کر جادوگر ایمان لے آئیں گے صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے حضرت علیؓ کی حدیث کئی جگہ گزر چکی ہے[1] کہ دنیا کے پیدا کرنے سے پہلے اپنے علم غیب کے نتیجہ کے طور پر اللہ تعالیٰ نے لوحِ محفوظ میں یہ لکھ لیا ہے کہ دنیا میں پیدا ہونے کے بعد کون شخص دوزخ میں جھونکے جانے کے قابل کام کرے گا اور کون جنت میں داخل ہونے کے قابل اس حدیث سے یہ مطلب اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے کہ ایک ہی معجزے کا اثر فرعون کے دل پر تو یہ ہوا کہ وہ عمر بھر معجزہ کو جادو بتلا کر دوزخ میں جھونکے جانے کے قابل قرار پایا اور اسی معجزے کا اثر جادوگروں کے دل پر یہ ہوا کہ وہ ایمان دار بن کر جنتی ٹھہرے۔

۴۸-۵۲ :۔ اوپر موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام نے فرعون کو یہ جتلایا تھا کہ جو کوئی اللہ کے رسولوں کو جھٹلا دے گا وہ آخرت میں سزا بھگتے گا ان آیتوں میں یہ جتلایا کہ ہم نے وہ بات اپنی طرف سے نہیں کہی بلکہ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ سے ہم کو یہی حکم بھیجا ہے کہ جو کوئی اللہ کے رسولوں کو جھٹلائے گا اور اللہ کے حکم سے اس کے رسول جن باتوں کی نصیحت کرتے ہیں ان کے مان لینے کی طرف رخ نہ کرے گا تو وہ آخرت میں سزا بھگتے گا سورۃ الشعراء میں آئے گا کہ فرعون خدا کی ہستی کا اس قدر سخت منکر تھا کہ خدا کی ہستی کے اقرار کو قابل قید جرم گنتا تھا اسی واسطے اگرچہ موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام نے اوپر کی آیتوں میں فرعون سے یہ کہا تھا کہ ہم دونوں تیرے رب کے بھیجے ہوئے رسول ہیں لیکن فرعون نے غرور کے مارے ان لفظوں کو

[1] مشکوٰۃ ص ۲۰، ج ۳

الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى ﴿۵۱﴾ قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ فِيْ كِتٰبٍ ۚ لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى ﴿۵۲﴾

ان پہلے سنگتوں کی ۔ کہا ان کی خبر میرے رب کے پاس لکھی ہے نہ بہکتا ہے میرا رب نہ بھولتا ہے ۔

الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّسَلَكَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ؕ

وہ ہے جس نے بنا دی تم کو زمین بچھونا اور چلا دیں تم کو اس میں راہیں اور اتارا آسمان سے پانی ۔

فَاَخْرَجْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى ﴿۵۳﴾ كُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

پھر نکالے ہم نے بھانت بھانت کے سبزے ۔ کھاؤ اور چراؤ اپنے چوپاؤں کو البتہ اس میں

نہیں دہرایا بلکہ موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام سے یہ کہا کہ تم دونوں کا رب کون ہے موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی اس بات کا یہ جواب دیا کہ ہمارا رب وہ ہے جس نے آدمی کو آدمی کی صورت میں اور جانور کو جانور کی صورت میں پیدا کیا اور پھر ہر ایک کو زندگی کے بسر کرنے کا طریقہ سکھایا مثلاً آدمی اور جانور کے بچے کو پیدا ہوتے ہی دودھ پینے کا طریقہ سکھایا فرعون نے موسیٰ علیہ السلام سے یہ کہا کہ جب اللہ نے سب کو پیدا کیا ہے اور اسی کی تعظیم سب پر واجب ہے تو پچھلی بہت سی قومیں ایسی گزری ہیں جنہوں نے اس واجب کو ادا نہیں کیا پھر آخر ان کا کیا انجام ہوگا موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا اللہ کے کارخانہ میں بھول چوک نہیں ہے ان سب پچھلی قوموں کا حال اللہ تعالیٰ کے پاس ایک کتاب میں لکھا ہوا ہے اس کے موافق ایک دن نیکی بدی کا فیصلہ ہو جائے گا اللہ تعالیٰ کا اتنا بڑا انتظام کہ اس نے اتنی بڑی زمین بچھونے کی طرح پانی پر بچھائی جس میں کہیں کھیتی ہے کہیں باغات ہیں کہیں ایک شہر سے دوسرے شہروں کے جانے کے راستے ہیں آسمان ہے تو ایسا ہی ہے کہ ہر سال وقت مقررہ پر اس میں سے پانی برستا ہے یہ سب انتظام اس بات کا گواہ ہے کہ ایک دن نیک و بد کا ضرور فیصلہ ہوگا تاکہ یہ سب انتظام ٹھکانے لگے جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ مرنے کے بعد پھر کچھ نہ ہوگا وہ بڑے نادان ہیں کیونکہ یہ نادان لوگ دنیا کا کوئی چھوٹا سا انتظام بھی کرتے ہیں تو اس کا نتیجہ پہلے سے سوچ لیتے ہیں مثلاً فرعون نے دریائے نیل سے اپنے باغوں تک نہر جو بنائی تو یہ نتیجہ سوچ کر بنائی کہ نہر سے باغوں کے پیڑوں کو پانی اچھی طرح پہنچے گا پھر فرعون یا اس کے ساتھی جو دنیا کے اتنے بڑے انتظام کو بے نتیجہ بتلاتے ہیں ان سے بڑھ کر دنیا میں نادان کون ہو سکتا ہے اصل بات یہ ہے کہ راحت کے وقت انسان اللہ کو بھول جاتا ہے ہاں تکلیف کے وقت انسان کو اللہ یاد آتا ہے جس طرح راحت کے زمانہ تک فرعون خدا کی ہستی کا منکر رہا جب قلزم میں ڈوبنے کی تکلیف سر پر آن پڑی تو اپنی خدائی کو غلط ٹھہرا کر اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کا قائل ہو گیا جس کا ذکر سورہ یونس میں گزر چکا ہے صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے عبادہ بن الصامت کی اور صحیح مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی یہ روایتیں بھی اسی سورہ میں گزر چکی ہیں[1] کہ ایسے آخری وقت کی فرمانبرداری اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں مقبول نہیں ہے کیونکہ ایسے آخری وقت پر شرع کا کوئی حکم آدمی کے ذمہ باقی نہیں رہتا پھر ایسے وقت احکام شرع کی پابندی کا اقرار کیا کام آ سکتا ہے ۔

۵۳ - ۵۶ :۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی نصیحت میں فقط مبدء کا ذکر کیا تھا اس ذکر کو پورا کرنے کے لئے یہ اللہ تعالیٰ

[1] تفسیر ہذا ص ۱۶۱ ج ۳ ۔

لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى ﴿٥٤﴾ مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً

پتے ہیں عقل رکھنے والوں کو اسی زمین سے ہم نے تم کو بنایا اور اسی میں تم کو پھر ڈالتے ہیں اور اسی سے نکالیں گے

اُخْرٰى ﴿٥٥﴾ وَلَقَدْ اَرَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَاَبٰى ﴿٥٦﴾

تم کو دوسری بار ، اور ہم نے اس کو دکھا دیں اپنی سب نشانیاں پھر جھٹلایا اور نہ مانا ۔

نے فرمایا کہ اس مینہ سے طرح طرح کا اناج انسان کے کھانے کے لئے اور طرح طرح کا چارہ انسان کے چوپایوں کے لیئے ہر سال پیدا ہوتا ہے پھر فرمایا اے بنی آدم اللہ تعالیٰ کا پیدا کیا ہوا اناج خود کھاؤ اور چارا اپنے چوپاؤں کو چراؤ اور یہ یاد رکھو کہ اس ہر سال کے انتظام میں سمجھ دار لوگوں کے لئے اللہ کی قدرت کی یہ نشانیاں ہیں کہ جس طرح اب ایک مینہ کے اثر سے ہر سال مُردہ زمین میں سے طرح طرح کا اناج پیدا ہوتا ہے اسی طرح حشر کے دن ایک مینہ کے اثر سے ہر مردہ شخص کی مٹی سے اس کا جسم تیار ہو جائے گا اور جس طرح اب خلاف عقل پانی جیسی پتلی چیز سے ماں کے پیٹ میں بچہ کا پتلا تیار ہو کر اس میں روح پھونک دی جاتی ہے اسی طرح اس دن ہر مُردہ شخص کی مٹی سے جو پتلا تیار ہوگا اس میں رُوح پھونک دی جاوے گی صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابو ہریرہؓ کی حدیث کئی جگہ گزر چکی ہے جس میں دوسرے صور سے پہلے مینہ کے برسنے اور اس مینہ کی تاثیر سے جسموں کے تیار ہو جانے کا ذکر تفصیل[1] سے ہے اس حدیث سے یہ مطلب اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے کہ جگہ جگہ قرآن شریف میں کھیتی کے ذکر کے ساتھ حشر کا ذکر کس سبب سے آیا ہے سورہ قٓ میں آئے گا کہ مرنے کے بعد جنگل دریا میں جہاں جہاں ہر مُردہ شخص کی مٹی جائے گی اس کا سب پتہ اللہ تعالیٰ کے علم غیب کے موافق لوحِ محفوظ میں لکھا ہوا ہے اس سے ہر مُردہ شخص کی مٹی کا جمع ہو جانا اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے ترمذی ابوداؤد اور صحیح ابن حبان کے حوالہ سے ابو موسیٰ اشعری کی روایت کئی جگہ گزر چکی[2] ہے کہ آدم علیہ السلام کے پتلے کے لئے اللہ تعالیٰ نے تمام زمین کی تھوڑی تھوڑی سی مٹی لی ہے اسی واسطے بنی آدم میں کوئی گورا ہے کوئی کالا اس حدیث سے یہ مطلب اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے کہ اگرچہ اب بنی آدم کی پیدائش نطفہ سے ہے لیکن اس نطفہ میں آدم علیہ السلام کے پتلے کی مٹی کا اثر بھی پشت در پشت چلا آتا ہے اس لیے جس طرح یہاں منھا خلقنٰکم فرمایا اسی طرح قرآن شریف میں اور جگہ بھی بنی آدم کی پیدائش میں مٹی کا ذکر فرمایا ہے آخر کو فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام کی معرفت فرعون کو اللہ کی قدرت کی یہ سب نشانیاں دکھائی اور سمجھائی گئیں لیکن اس نے اللہ کے رسُول موسیٰ علیہ السلام کو جھٹلایا اور اللہ کی قدرت کی ایک نشانی کو بھی نہ مانا جس کا انجام یہ ہوا کہ دنیا میں بڑی ذلت سے وُہ ڈوب کر مر گیا اور آخرت میں سخت عذاب بھگتے گا۔ فرعوں کی مثال سے قریش کو یہ بات سمجھائی گئی تھی کہ ان میں سے جو لوگ اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کے جھٹلانے سے باز نہ آئیں گے ان کا بھی یہی انجام ہوگا جو فرعون کا ہوا اللہ سچا ہے اللہ کا کلام سچا ہے قریش میں کے جو لوگ فرعون کے قدم بقدم چلے بدر کی لڑائی کے وقت ان کا جو کچھ انجام ہوا صحیح بخاری و مسلم کی انس بن مالک کی روایت کے حوالہ سے اس کا ذکر کئی جگہ گزر چکا[3] ہے اگرچہ بعضے مفسروں نے ان آیتوں کو بھی موسیٰ علیہ السلام کا کلام ٹھہرایا ہے لیکن ظاہر یہی ہے کہ منکرین حشر کو جس طرح اور آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے حشر کا حال سمجھایا ہے وہی حالت ان آیتوں کی ہے اسواسطے ان آیتوں کو

[1] صحیح مسلم ص ۴۰۶ ج ۲ باب ما بین النفختین [2] مثلاً ص ۲۹۱ ج ۳ [3] مثلاً ص ۲۳ ج ۳

قَالَ أَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ أَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يَٰمُوسَىٰ ﴿٥٧﴾ فَلَنَأْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهِۦ

بولا کیا تو آیا ہے ہم کو نکالنے کو ہمارے ملک سے اپنے جادو کے زور سے اے موسیٰ سو ہم بھی لا دیں گے تجھ پر ایک ایسا ہی جادو

فَٱجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهُۥ نَحْنُ وَلَآ أَنتَ مَكَانًا سُوًى ﴿٥٨﴾ قَالَ

سو ٹھہرا ہمارے اپنے بیچ ایک وعدہ نہ تفاوت کریں اس سے ہم اور نہ تو ایک میدان صاف میں کہا

مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ ٱلزِّينَةِ وَأَن يُحْشَرَ ٱلنَّاسُ ضُحًى ﴿٥٩﴾ فَتَوَلَّىٰ فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدَهُۥ ثُمَّ أَتَىٰ ﴿٦٠﴾ قَالَ

وعدہ تمہارا ہے جشن کا دن اور یہ کہ جمع کرے لوگوں کو دن چڑھے پھر الٹا پھرا فرعون پھر اکٹھے کئے اپنے سارے داؤ پھر آیا کہا

لَهُم مُّوسَىٰ وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوا۟ عَلَى ٱللَّهِ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُم بِعَذَابٍ ۖ وَقَدْ

ان کو موسیٰ نے کم بختی تمہاری جھوٹ نہ بولو اللہ پر پھر کھپا دے تم کو کسی آفت سے اور مراد کو

اللہ تعالیٰ کا کلام قرار دینا قرآن شریف کی اکثر آیتوں کے طرزِ بیان کے موافق ہے۔

۵۷ ـ ۶۰: اوپر ذکر تھا کہ فرعون نے اللہ کے رسول موسیٰ علیہ السلام کو جھٹلایا ان آیتوں میں ذکر ہے کہ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو کیوں کر اور کیا باتیں کہہ کر جھٹلایا موسیٰ علیہ السلام کے سبب سے ملک مصر کے ہاتھ سے جاتے رہنے کا ذکر اگرچہ فرعون نے بہتان کے طور پر اس خیال سے کیا تھا کہ جلاوطنی کا حال سن کر ساری قبطی قوم موسیٰ علیہ السلام کی دشمن ہو جائے لیکن حقیقت میں یہ ایک غیب کی بات تھی جو اللہ تعالیٰ نے فرعون کے منہ سے نکلوائی چنانچہ سورۃ الشعراء میں آئے گا کہ فرعون کے اور اس کی قوم کے ڈوب کر ہلاک ہو جانے کے بعد تمام ملک مصر موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم بنی اسرائیل کے قبضہ میں آ گیا حاصل مطلب ان آیتوں کا یہ ہے کہ فرعون نے کہا اے موسیٰ تم اپنے جادو کے زور سے ہم کو ملک مصر سے نکال دینے اور خود اس ملک پر قبضہ کر لینے کا ارادہ جو رکھتے ہو تمہارا یہ ارادہ ہرگز پورا نہ ہو گا ہم بھی تمہارے مقابلہ کے لئے جادوگر بلواتے ہیں صاف کھلے میدان میں مقابلہ کا وقت اور دن مقرر کیا جائے موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا تم لوگوں میں جشن کا جو ایک دن مقرر ہے اسی دن پہر ڈیڑھ پہر دن چڑھے مقابلہ ہو جائے گا ان باتوں کے بعد فرعون اس محل سے اٹھ کھڑا ہوا اور جادوگروں کو جمع کر کے مقررہ وقت اور تاریخ پر میدان میں آ گیا صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے حضرت علیؓ کی حدیث کئی جگہ گزر چکی ہے[1] کہ دنیا کے پیدا کرنے سے پہلے اپنے علم غیب کے نتیجہ کے طور پر اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں یہ لکھ لیا ہے کہ دنیا میں پیدا ہونے کے بعد کون شخص دوزخ میں جھونکے جانے کے قابل کام کرے گا اور کون جنت میں داخل ہونے کے قابل اب جو شخص جس ٹھکانے کے قابل ہے دنیا میں ویسے ہی کام اس کو آسان اور اچھے معلوم ہوتے ہیں اس حدیث سے یہ مطلب اچھی طرح سمجھ میں آ سکتا ہے کہ دنیا میں پیدا ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے علم غیب میں فرعون دوزخی قرار پا چکا تھا اس لئے معجزہ کو جادو کہنا اور موسیٰ علیہ السلام کا جادوگروں سے مقابلہ کرانا اس کو اچھا معلوم ہوا اور مقابلہ کے وقت جادوگروں کے عاجز ہو جانے کے بعد بھی کسی طرح سے حق بات اس کی سمجھ میں نہیں آئی۔

۶۱: تاریخ مقررہ پر جادوگر میدان میں آئے اور فرعون بھی مع اپنے مصاحبوں کے وہاں آیا اور ایک اونچی جگہ تخت بچھا کر بیٹھا اس وقت موسیٰ علیہ السلام نے جادوگروں سے کہا کہ اے کم بختو تم جادو کی جھوٹی باتوں کو جادو کے زور سے سچی کر کے

[1] مشکوٰۃ ص ۲۰ باب الایمان بالقدر

خَابَ مَنِ افْتَرٰى ﴿۶۱﴾ فَتَنَازَعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ وَاَسَرُّوا النَّجْوٰى ﴿۶۲﴾ قَالُوْٓا اِنْ هٰذٰنِ

نہیں پہنچا جس نے جھوٹ باندھا۔ پھر جھگڑے اپنے کام پر آپس میں اور چھپ کر کی مشورت۔ بولے مقرر یہ دونوں

لَسٰحِرٰنِ يُرِيْدٰنِ اَنْ يُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا وَيَذْهَبَا بِطَرِيْقَتِكُمُ

جادوگر ہیں چاہتے ہیں کہ نکال دیں تم کو تمہارے ملک سے اپنے جادو کے زور سے اور اٹھا دیں تمہاری راہ

الْمُثْلٰى ﴿۶۳﴾ فَاَجْمِعُوْا كَيْدَكُمْ ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا ۚ وَقَدْ اَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰى ﴿۶۴﴾

خاصی۔ سو مقرر کرو اپنی تدبیر پھر آؤ قطار باندھ کر اور جیت گیا آج جو اوپر رہا۔

قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى ﴿۶۵﴾ قَالَ بَلْ اَلْقُوْا ۚ

بولے اے موسیٰ یا تو ڈال اور یا ہم ہوں پہلے ڈالنے والے۔ کہا نہیں تم ڈالو

جو لوگوں کو دکھاتے ہو اس سے تم اللہ پر جھوٹ باندھتے ہو کیونکہ مثلاً اللہ کی پیدا کی ہوئی لکڑی کے سانپ ہونے کا اقرار جو تم لوگوں سے کراتے ہو تو اس میں اللہ کو جھٹلاتے ہو کہ یہ رسی اور لکڑی نہیں بلکہ سانپ ہیں اس جھوٹ کے جرم میں اللہ تعالیٰ تمہیں کسی آفت سے ہلاک کر دے گا کس لئے کہ جھوٹا شخص کبھی فلاح کو نہیں پہنچتا صحیح بخاری و مسلم میں عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص جان بوجھ کر جھوٹ بولنے کی عادت کرے وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جھوٹوں میں لکھ لیا جاتا ہے[1] صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہ کی حدیث گزر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جیسا کوئی شخص ٹھہر جاتا ہے تمام دنیا کے لوگ اس کو ویسا ہی جاننے لگتے ہیں ان حدیثوں سے وقد خاب من افترٰی کا مطلب اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ دنیا میں ایسا شخص جھوٹا مشہور ہو جاتا ہے اور عقبیٰ میں اس کو جھوٹ کی سزا ملے گی غرض دین و دنیا میں کہیں ایسا شخص فلاح کو نہیں پہنچ سکتا۔

۶۲-۶۹:۔ جادوگر لوگ جب حضرت موسیٰ سے مقابلہ کو آئے تو حضرت موسیٰ کا یہ حال دیکھ کر نہ ان کے پاس کچھ جادو کا سامان ہے نہ ان کی اس لکڑی پر جو ان کے پاس ہے کچھ جادو کا اثر ہے اس سے بعضے جادوگروں نے یہ بات پہچان لی تھی کہ حضرت موسیٰ جادوگر نہیں ہیں اس لئے ان جادوگروں کو خدشہ پیدا ہوا تھا کہ اگر درحقیقت حضرت موسیٰ کو تائید غیبی ہوئی تو ہم کیا مقابلہ کر سکیں گے اسی خدشہ کے سبب سے انہوں نے فرعون سے چھپا کر یہ مصلحت آپس میں کی تھی کہ تائید غیبی کی صورت میں کیا کیا جائے جب باقی کے جادوگروں نے اس خدشہ والے جادوگروں کی ہمت بندھائی اور حضرت موسیٰ اور ہارون کو کہا کہ بلاشک یہ دونوں جادوگر ہیں اور ہم سب کو مل کر ان دونوں سے مقابلہ کرنا چاہئے تاکہ ان دونوں کا جادو مصر میں پھیل کر ہماری روزی اور عزت میں فرق نہ آئے اور ہم کو مصر چھوڑنا نہ پڑے اس کے بعد ان جادوگروں کی ہمت حضرت موسیٰ کے مقابلہ پر بندھ گئی ان ہمت بندھانے والے جادوگروں نے یہ بھی کہا کہ ہم سب جادوگروں کو ایک دل ہو کر جادو کا ہنر دکھانا اور ایک ساتھ دنگل میں جانا چاہئے تاکہ موسیٰ اور ہارون پر رعب پڑے اور یہ سب اس لیے ہے کہ فرعون جیسا بادشاہ آج کے دن دنگل میں موجود ہے آج کی جیت بڑی فلاح کی بات ہے اس کے بعد سب جادوگروں نے ایک زبان ہو کر موسیٰ

[1] صحیح مسلم ص ۳۲۵ ج ۲ باب قبح الکذب الخ ۱۲ نیز مشکوٰۃ ص ۴۲۵ باب الحب فی اللہ والبغض فی اللہ فصل اول۔

فَإِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ إِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ أَنَّهَا تَسْعَىٰ ﴿٦٦﴾ فَأَوْجَسَ فِي

اور تب ہی ان کی رسیاں اور لاٹھیاں اس کے خیال میں آئیں ان کے جادو سے کہ دوڑتی ہیں پھر پانے لگا

نَفْسِهِ خِيفَةً مُّوسَىٰ ﴿٦٧﴾ قُلْنَا لَا تَخَفْ إِنَّكَ أَنتَ الْأَعْلَىٰ ﴿٦٨﴾ وَأَلْقِ مَا فِي يَمِينِكَ

اپنے جی میں ڈر موسیٰ ۔ ہم نے کہا تو نہ ڈر مقرر تو ہی رہے گا اوپر اور ڈال جو تیرے داہنے ہاتھ میں

تَلْقَفْ مَا صَنَعُوا ۖ إِنَّمَا صَنَعُوا كَيْدُ سَاحِرٍ ۖ وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ أَتَىٰ ﴿٦٩﴾ فَأُلْقِيَ

ہے کہ نگل جاوے جو انہوں نے بنایا ان کا بنایا تو فریب ہے جادوگر کا اور جادوگر نہیں کام لے نکلتا جہاں آیا پھر گر پڑے

السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوا آمَنَّا بِرَبِّ هَارُونَ وَمُوسَىٰ ﴿٧٠﴾ قَالَ آمَنتُمْ لَهُ قَبْلَ أَنْ آذَنَ

جادوگر سجدے میں بولے ہم یقین لائے رب پر ہارون اور موسیٰ کے ۔ بولا فرعون تم نے اس کو مان لیا ابھی میں نے حکم

علیہ السلام سے کہا کہ موسیٰ چاہو تو تم اپنی لکڑی سانپ بن جانے کے لئے زمین میں ڈالو نہیں تو ہم پہلے ڈالتے ہیں موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ تم ہی اپنی رسیاں اور لکڑیاں پہلے زمین میں ڈالو جادوگروں نے جونہی اپنی رسیاں اور لکڑیاں زمین میں ڈالیں تو یہ دکھائی دینے لگا کہ وُہ رسیاں سانپ بن کر دوڑ رہی ہیں اس سے موسیٰ علیہ السلام کے دل میں کچھ دہشت سمائی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی تسکین کی اور فرمایا موسیٰ ڈرو نہیں تم ہی غالب رہو گے تم اپنے داہنے ہاتھ کی لکڑی زمین میں ڈال دو کہ اس کا سانپ جو بنے گا وُہ اس جادو کے سب کارخانہ کو نگل جائے گا اور کوئی جادوگر کہیں فلاح کو نہ پہنچے گا سورۂ بقر میں گزر چکا ہے کہ جادو میں ضرر تو ہے نفع نہیں ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جیسے مثلاً کوئی جادوگر ٹھیکریوں کے روپے بنا دیوے تو درحقیقت وُہ ایسے روپے نہیں ہو جاتے کہ کوئی جادوگر ان سے کچھ نفع اٹھائے بلکہ دیکھنے میں وُہ روپے ہوتے ہیں اور حقیقت میں وُہ ٹھیکریاں ہوتی ہیں جادوگروں کے فلاح کو نہ پہنچنے کا یہی مطلب ہے کہ کسی جادوگر کو اس کا جادو کچھ نفع نہیں پہنچا سکتا حاصلِ کلام یہ ہے کہ جادوگروں نے رسیوں اور لکڑیوں کے سانپ جو بنائے تھے وُہ دیکھنے میں سانپ تھے اور اصل میں لکڑیاں اور رسیاں تھیں اس لئے وُہ جادوگر مقابلہ کے وقت ان سانپوں سے کچھ نفع نہ اٹھا سکے اور معجزے کے طور پر موسیٰ علیہ السلام کی لکڑی کا اژدہا جو بنا تھا وُہ اصلی تھا اسی واسطے اس سے موسیٰ علیہ السلام نے پورا نفع اٹھایا کہ وُہ جادوگروں کے سب رسیوں اور لکڑیوں کو نگل گیا معجزہ اور جادو میں یہی فرق ہے کہ معجزہ کی خلاف عادت چیز سچی ہوتی ہے اور جادو کی چیز فقط دیکھنے کی دھوکے کی ٹٹی ۔ چنانچہ اس کی زیادہ تفصیل سورۃ الاعراف میں گزر چکی ہے جادو کے ضرر کی مثال صحیح بخاری و مسلم کی حضرت عائشہؓ کی وُہ روایت ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کے کیے جانے کا قصہ ہے کہ آپ کو اس جادو سے دُنیا کے کاموں میں نسیان ہو جانے کا ضرر پہنچا تھا[1]۔

۶۷-۷۰ :- ایک جادوگر دوسرے جادوگر کے جادو کے عمل اور منتر کو اگر بگاڑ دے تو جادو کا اثر مٹ کر اصل چیز نظر آنے لگتی ہے مثلاً رسی کا کوئی جادوگر اگر سانپ بنا دے اور دُوسرا جادوگر اس پہلے جادوگر کے جادو کے منتر کو بگاڑ دے تو اصل رسی نظر آنے لگے گی ۔ حضرت موسیٰؑ کا عصا جب ان اصل رسیوں اور لکڑیوں کو بھی نگل گیا جس کو جادوگروں نے سانپ کی

[1] صحیح بخاری ص ۴۶۲ ج ۱ باب صفۃ ابلیس وجنودہ

لَكُمْ ۚ إِنَّهٗ لَكَبِيرُكُمُ الَّذِي عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَأُقَطِّعَنَّ أَيْدِيَكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ

نہ دیا تھا وہی تمہارا بڑا ہے جس نے سکھایا تم کو جادو سو اب کٹواؤں گا تمہارے ہاتھ اور دوسرے پاؤں

وَّلَأُصَلِّبَنَّكُمْ فِي جُذُوعِ النَّخْلِ وَلَتَعْلَمُنَّ أَيُّنَا أَشَدُّ عَذَابًا وَّأَبْقٰى ﴿۷۱﴾ قَالُوا لَنْ

اور سولی دوں گا تم کو کھجور کے ٹھنڈ پر اور جان لوگے ہم میں کس کی مار سخت ہے اور دیر تک رہتی ہے وُہ بولے ہم

نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَاءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالَّذِي فَطَرَنَا فَاقْضِ مَا أَنْتَ قَاضٍ ۖ إِنَّمَا

تجھ کو زیادہ نہ سمجھیں گے اس چیز سے جو پہنچی ہم کو صاف دلیل اور اس سے جس نے ہم کو بنایا سو تو کرچک جو کرنا ہے تو یہی

تَقْضِي هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۖ ﴿۷۲﴾ إِنَّا آمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطٰيٰنَا وَمَا أَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ

کرے گا دنیا کی زندگی میں۔ ہم یقین لائے ہیں اپنے رب پر تا بخشے ہم کو ہماری تقصیریں اور جو تو نے کروایا ہم سے زورآوری

صورت بنا کر زمین پر چھوڑا تھا تو جادوگروں کو یقین ہوگیا کہ یہ تائیدِ غیبی ہے جادو کا اثر نہیں ہے اس لئے فوراً وُہ سجدے میں گر پڑے اور مسلمان ہوگئے اگرچہ بعضے مفسروں نے لکھا ہے کہ فرعون نے جادوگروں کے مسلمان ہوجانے پر ان کے ہاتھ پیر کاٹ ڈالنے اور سولی دینے کی دھمکی جو ان کو دی تھی اس دھمکی کا عمل فرعون پھر نہ کرسکا لیکن حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی صحیح روایت میں یہ ہے کہ وُہ جادوگر کچھ دیر پہلے تو جادوگر کہلاتے تھے تھوڑی دیر کے بعد شہید کہلانے لگے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فرعون نے ان کو شہید کر ڈالا۔

اہلِ سنت کے نزدیک جادو کا وجود دُنیا میں ثابت ہے صحیح بخاری وغیرہ میں لبید بن عاصم منافق کا آنحضرتؐ پر جادو کرنا اور چھ مہینے کے قریب تک آپ پر اس کا اثر رہنا ثابت ہوچکا ہے اور جادو کا علاج بھی شرع میں جائز ہے جادو کا سیکھنا اور سکھانا حرام ہے اگر جادو اتارنے کی نیت سے سیکھے تو علماء نے اس کو جائز رکھا ہے[1] جس جادو کے منتر میں کفر کے الفاظ ہوں وُہ جادو کفر ہے باقی کبیرہ گناہ ہے حاصل مطلب ان آیتوں کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے موافق جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ہاتھ کی لکڑی کو زمین میں ڈال دیا اور اس لکڑی کا اژدہا بن گیا تو وُہ اژدہا ان سب رسیوں اور لکڑیوں کو نگل گیا اور پھر فوراً اس اژدہے کی لکڑی بن گئی اور موسیٰ علیہ السلام نے وُہ لکڑی اپنے ہاتھ میں اٹھا لی۔ یہ حالت دیکھ کر جادوگروں کو یقین ہوگیا کہ موسیٰ علیہ السلام جادوگر نہیں ہیں بلکہ ان کو تائیدِ غیبی ہے اس لئے وُہ سجدے میں گر پڑے اور سمجھ گئے کہ فرعون کا خدائی کا دعویٰ بالکل جھوٹا ہے کیونکہ اگر اس کا وُہ دعویٰ سچا ہوتا تو موسیٰ کا غلبہ ہرگز نہ ہوتا اس واسطے ہم صاف کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کا جو رب ہے وہی ہمارا بھی رب ہے جادوگروں کی یہ بات سُن کر فرعون نے ان کو ڈرایا اور کہا کہ تم نے بغیر میرے حکم کے موسیٰ کے کہنے کو مان لیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ موسیٰؑ تم سے بڑھ کر جادوگر اور تم سب کے استاد ہیں پھر فرعون نے کہا کہ اس حکم عدولی کی سزا یہ ہے کہ میں تم سب کا ایک طرف کا ہاتھ اور دوسری طرف کا پاؤں کٹوا ڈالوں گا اور پھر کھجور کے ٹھنڈ میں چھید کر تم کو سولی دوں گا جس سے تم کو معلوم ہوجائے گا کہ میری سزا سخت اور پائیدار ہے یا موسیٰ کے خدا کی۔

[1] لیکن اس پر اوّلاً تو کوئی صریح و صحیح دلیل موجود نہیں ثانیاً شرکیہ منتر جادو کے ذریعے علاج اور شرکیہ منتر اور دم از روئے حدیث شریف ممنوع ہے۔ (ع ح)

مِنَ السِّحۡرِؕ وَاللّٰهُ خَيۡرٌ وَّاَبۡقٰى ﴿۷۳﴾ اِنَّهٗ مَنۡ يَّاۡتِ رَبَّهٗ مُجۡرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَؕ لَا يَمُوۡتُ

یہ جادو ہے اور اللہ بہتر ہے اور دیر رہنے والا مقرر ہے جو کوئی آیا ہے اپنے رب پاس گناہ گار ہو کر سو اس کے واسطے دوزخ نہ مرے

فِيۡهَا وَلَا يَحۡيٰى ﴿۷۴﴾ وَمَنۡ يَّاۡتِهٖ مُؤۡمِنًا قَدۡ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰۤئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ

اس میں نہ جیوے۔ اور جو آیا اس پاس ایمان سے کر کر نیکیاں سو ان لوگوں کے ہیں درجے

الۡعُلٰى ﴿۷۵﴾ جَنّٰتُ عَدۡنٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَاؕ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا مَنۡ

بلند باغ ہیں بسنے کے بہتی ہیں ان کے نیچے سے نہریں رہا کریں گے ان میں اور یہ بدلا ہے اس کا جو

جادوگروں نے فرعون کی یہ دھمکی سن کر اس کو جواب دیا کہ ہم کو ہمارے پیدا کرنے والے کی قسم ہے کہ ہم تیری دھمکی سے ڈر کر موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ کو نہ جھٹلا دیں گے جو سزا تیرا جی چاہے وہ ہمارے حق میں تجویز کر جس طرح دنیا کی زندگی ناپائیدار ہے وہی تیری تجویز کی ہوئی سزا کا حال ہے اور اللہ تعالیٰ کی ٹھہرائی ہوئی جزا و سزا تیری جزا و سزا سے بڑھ کر اور پائیدار ہے اس لئے ہم نے اللہ کو اپنا معبود مان لیا اور تو نے زبردستی ہم کو جادو کی تعلیم جو دلوائی تھی اس سے اور باقی سب گناہوں سے ہم نے توبہ کی تاکہ اللہ تعالیٰ ہمارے سب گناہوں کو معاف کر دے صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے حضرت علیؓ کی حدیث کئی جگہ گزر چکی[1] ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے علم غیب کے موافق دوزخی ٹھہر چکا ہے وہ ویسے کام کرتا ہے اور جو شخص جنتی قرار پا چکا ہے وہ ویسے ہی کام کرتا ہے اس حدیث سے آیتوں کا مطلب اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جادوگر اللہ تعالیٰ کے علم غیب میں جنتی ٹھہر چکے تھے اس لئے وہ موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ کو تائید غیبی سمجھ گئے اور فرعون اللہ تعالیٰ کے علم غیب میں دوزخی قرار پا چکا تھا اس واسطے وہ عمر بھر معجزہ کو جادو سمجھتا رہا۔

۷۴-۸۲: مسند امام احمد بن حنبل صحیح مسلم وغیرہ میں ابوسعید خدریؓ سے جو روایت ہے اس کو ان آیتوں کی تفسیر میں بڑا دخل ہے حاصل اس روایت کا یہ ہے کہ[2] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کافروں کو دوزخ میں موت نہیں ہے کلمہ گو گنہ گار جو دوزخ میں ڈالے جائیں گے وہ جل کر کوئلے ہو جائیں گے یہاں تک کہ مر جائیں گے پھر شفاعت کے سبب سے جنت میں داخل ہوں[3] گے اس سے معلوم ہوا کہ مجرم کے معنے اس آیت میں مشرک کے ہیں اسی واسطے مجرم کا لفظ مومن کے مقابلہ میں فرمایا آخری آیت میں توبہ کا جو ذکر ہے اوپر توبہ کی شرائط بیان ہو چکی ہیں ان میں بڑی شرط توبہ کی ندامت ہے کہ برا کام کر کے آدمی پچھتائے کہ یہ کام میں نے کیوں کیا جب یہ پچھتانا آدمی کے دل میں سچے طور پر ہوگا تو جو گناہ کر چکا ہے اس سے اور آئندہ گناہ کرنے کے ارادہ سے ضرور دل بیزار ہوگا غرض سچی ندامت ہوگی تو باقی کی دو شرطیں یعنی گذشتہ گناہ سے بیزاری اور آئندہ گناہ نہ کرنے کا قصد یہ خود بخود حاصل ہو جائیں گی اسی واسطے معتبر سند سے عبداللہؓ بن مسعود کی روایت مسند امام احمد بن حنبل مستدرک حاکم ابن ماجہ اور بیہقی میں جو ہے اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنا ہی فرمایا ہے کہ گناہ کر کے گناہ پر پچھتانا اور نادم ہونا بس یہی توبہ[4] ہے لیکن سچی ندامت کو باقی کی دونوں باتیں بھی لازم ہیں اس لئے علماء نے ندامت کا سچا پن آزمانے کے لیے ندامت کے ساتھ دو شرطیں اسی حدیث

[1] مثلاً ص ۱۴۰ ج ۲ [2] صحیح مسلم ص ۱۰۳ ج ۱ باب اثبات الشفاعۃ واخراج الموحدین من النار [3] نیز دیکھئے) [4] سنن ابن ماجہ ص ۳۲۳ باب ذکر التوبہ و ترغیب ص ۲۲۱ ج ۲ کتاب التوبہ والزہد۔

تَزَكّٰى ﴿۷۶﴾ وَلَقَدْ اَوْحَيْنَاۤ اِلٰى مُوْسٰۤى ۙ اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْ فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا فِي

پاک ہوا اور ہم نے حکم بھیجا موسیٰ کو کہ لے نکل میرے بندوں کو رات سے پھر ڈال دے ان کو سمندر کی راہ

الْبَحْرِ يَبَسًا ۙ لَّا تَخٰفُ دَرَكًا وَّلَا تَخْشٰى ﴿۷۷﴾ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهٖ فَغَشِيَهُمْ

میں۔ سوکھی نہ خطرہ تجھ کو آ پکڑنے کا نہ ڈر۔ پھر پیچھے لگا ان کے فرعون اپنے لشکر لے کر پھر گھیر لیا ان کو

مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ ﴿۷۸﴾ وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَمَا هَدٰى ﴿۷۹﴾ يٰبَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ

پانی نے جیسا گھیر لیا اور بہکایا فرعون نے اپنی قوم کو اور نہ سمجھایا۔ اے اولاد بنی اسرائیل

سے نکال کر اور بڑھا دی ہیں حاصل کلام یہ ہے کہ علاوہ ان تین شرطوں کے علماء نے یا اہل تصوّف نے جو اور شرطیں توبہ کی بڑھا دی ہیں مثلاً جس شہر میں گناہ کیا ہے اس شہر کو چھوڑ دینا وغیرہ ان میں سے کوئی بات توبہ کی شرط میں داخل نہیں ہے ہاں ندامت میں اتنی شرط ضرور ہے کہ وہ ندامت محض خدا کے خوف سے ہو اگر وہ ندامت لوگوں کے بُرا کہنے کے ڈر سے یا حاکم کے خوف سے ہوگی تو یہ توبہ نہیں ہے۔ اسی طرح پچھلے گناہ پر کسی قدر جو شخص نادم ہے مگر آئندہ گناہ کرنے کا قصد دل میں موجود ہے تو بھی توبہ پوری نہیں ہے اور توبہ کے قبول ہونے کے معنے شریعت میں یہ ہیں کہ جو سزا قیامت میں اللہ نے اس گناہ کے لئے رکھی ہے وہ بالکل ساقط ہو جاتی ہے لیکن اگر اس گناہ میں علاوہ خدا کے گناہ کے کچھ کسی آدمی کا بھی حق ہے مثلاً ایک شخص نے ایک شخص کی لونڈی بھگائی اور اس لونڈی سے بدکاری بھی کی تو توبہ کرنے سے بدکاری کا گناہ معاف ہو جائے گا مگر جب تک پرایا مال مالک کو نہ پہنچایا جائے گا پرائے مال کے رہنے کا مؤاخذہ محض توبہ سے ساقط نہ ہوگا اسی واسطے علماء نے چوتھی شرط توبہ میں یہ بڑھائی ہے کہ اگر گناہ حق العباد کی قسم سے ہے تو اس کی تلافی بھی جس طرح ممکن ہو کرنی چاہیئے اور اگر تلافی انسان کے اختیار سے باہر ہوگئی ہو تو اللہ معاف کرنے والا ہے صحیح حدیثوں سے یہ بات ثابت ہے کہ قیامت کے دن جس طرح اللہ تعالیٰ توحید، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ ان اپنے حقوق کا حساب لے گا اسی طرح آپس کے آدمیوں اور جانوروں کے حقوق کا بھی حساب[1] فیصلہ ہوگا لیکن یہ بھی صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ جس کسی بندہ کی نسبت اللہ تعالیٰ کو رعایت کرنی منظور ہوگی تو اللہ صاحب حق بندہ کو جنت کا لالچ دے کر وہ حق معاف کرا دے گا[2] اور یہ بھی صحیح حدیث میں ہے کہ جس شخص کے پاس لونڈی غلام ہوں اور شرارت کریں اور آقا ان کی شرارت کے سبب سے ان کو مارے یا بُرا کہے تو لونڈی غلام کی شرارت اور آقا کی مار پیٹ جھڑکی دونوں کا مقابلہ کیا جائے گا اگر آقا کی مار پیٹ جھڑکی لونڈی غلام کی شرارت کے برابر ہے تو کچھ نہیں ورنہ مؤاخذہ[3] ہوگا اصل مقصد یہ ہے کہ جس شخص کے دل میں خدا کا خوف ہوگا سوا شرک کے وہ کسی طرح کے کبیرہ گناہ کر کے بغیر توبہ کئے بھی اگر مر جائے گا تو اللہ تعالیٰ سے اس کی مغفرت کی توقع ہے چنانچہ صحیح بخاری و مسلم میں ابوہریرہؓ کی روایت سے وہ ایک گناہ گار کا قصّہ مشہور ہے جس نے مرتے وقت اپنی لاش کو جلانے کی اور اس جلی ہوئی خاک کو آدھی دریا میں بہانے اور آدھی ہوا میں اڑانے کی وصیت کی تھی جب اللہ تعالیٰ نے اس

[1] الترغیب ص ۲۹۹ ج ۲ فصل فی ذکر الحساب [2][3] الترغیب ص ۲۹۹ ج ۲ فصل فی ذکر الحساب۔

قَدْ اَنْجَیْنٰكُمْ مِّنْ عَدُوِّكُمْ وَ وٰعَدْنٰكُمْ جَانِبَ الطُّوْرِ الْاَیْمَنَ وَ نَزَّلْنَا عَلَیْكُمُ

چھڑا لیا ہم نے تم کو تمہارے دشمن سے اور وعدہ رکھا تم سے داہنی طرف پہاڑ کے اور اتارا تم پر

الْمَنَّ وَ السَّلْوٰى ﴿۸۰﴾ كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَ لَا تَطْغَوْا فِیْهِ فَیَحِلَّ عَلَیْكُمْ

من اور سلویٰ کھاؤ ستھری چیزیں جو روزی دی ہم نے تم کو اور نہ کرو اس میں زیادتی پھر اترے تم پر

غَضَبِیْ ۚ وَ مَنْ یَّحْلِلْ عَلَیْهِ غَضَبِیْ فَقَدْ هَوٰى ﴿۸۱﴾ وَ اِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ

میرا غصہ اور جس پر اترا میرا غصہ وہ ٹپکا گیا۔ اور میری بڑی بخشش ہے اس پر جو توبہ کرے اور یقین لاوے

شخص کو پھر زندہ کرکے پوچھا کہ یہ وصیت تونے کس غرض سے کی تھی اس نے کہا یا اللہ میں بہت گناہ گار تھا تیرے روبرو آنے کے خوف سے میں نے اپنی خاک کے رائگاں کرنے کی وصیت کی تھی اللہ تعالیٰ فرمائے گا جب تونے میرے خوف سے یہ کام کیا تھا تو میں نے تیرے سب گناہ معاف کردیئے[1] جس وقت جادوگروں نے فرعون سے وہ باتیں کیں جن کا ذکر اوپر کی آیتوں میں ہے اس وقت تک نہ تورات نازل ہوئی تھی نہ جادوگروں اور بنی اسرائیل کو دوزخ اور جنت کا تفصیلی حال معلوم تھا اس واسطے ظاہر یہی بات ہے کہ جادوگروں کے کلام کے بعد یہاں سے اللہ تعالیٰ کا کلام شروع ہوا۔ حاصل مطلب ان آیتوں کا یہ ہے کہ جو شخص شرک کی حالت میں مرکر اللہ تعالیٰ کے روبرو حاضر ہوگا وہ ہمیشہ اسی حالت سے دوزخ میں رہے گا کہ نہ تو سختی عذاب اس کی موت کا سبب قرار پا سکے گی نہ زندگی سے ہی اس کو کچھ فائدہ پہنچے گا اور جو ایماندار شخص نیک عمل لے کر اللہ تعالیٰ کے روبرو حاضر ہوگا وہ عقبیٰ میں بڑا مرتبہ پائے گا کہ ہمیشہ جنت میں رہے گا کیونکہ شرک سے بچنے والوں کا اللہ تعالیٰ نے یہی بدلہ مقرر کیا ہے جب فرعون بنی اسرائیل کو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کر دینے پر کسی طرح راضی نہیں ہوا تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ بنی اسرائیل کو ساتھ لے کر ایک رات مصر سے چل کھڑے ہوں اور قلزم دریا پر پہنچ کر دریا کے پانی میں اپنے ہاتھ کی لکڑی ماریں اللہ کے حکم سے دریا میں سوکھا راستہ پیدا ہوجائے گا اور بغیر خوف فرعون کے حملہ اور دریا کی طغیانی کے اے موسیٰ تم اور بنی اسرائیل تو دریا میں سوکھے راستہ سے دریا پار ہوجاؤ گے۔ فرعون اپنے لشکر کو ساتھ لے کر تمہارا پیچھا کرے گا تو وہ مع اپنے لشکر کے دریا میں ڈوب کر ہلاک ہوگا کیونکہ فرعون نے اپنی قوم کو برے راستے سے لگایا اور قوم کے لوگوں نے اس کا کہنا مانا اس لئے ان سب کی یہی سزا ہے جو انہوں نے بھگتی فرعون اور اس کے لشکر کے ڈوب کر ہلاک ہونے کا قصہ سورۃ الاعراف میں گزرچکا ہے آگے فرعون کی ہلاکت کے بعد تورات کے نازل کرنے کے اور من وسلویٰ کے اتارنے کے احسانات کو یاد دلا کر بنی اسرائیل کو ارشاد ہے کہ اے بنی اسرائیل اللہ کی دی ہوئی نعمتیں کھاؤ اور ان نعمتوں کی ناشکری نہ کرو ورنہ اللہ کے غضب میں گرفتار ہوجاؤ گے اور یہ خوب یاد رکھو کہ جو شخص اللہ کے غضب میں گرفتار ہوا اس کے لئے دنیا اور آخرت دونوں جگہ میں خرابی ہے آخری آیت میں قریش کو شرک سے باز آنے کی رغبت دلائی اور فرمایا جو شخص شرک سے توبہ

[1] مشکوٰۃ ص ۲۰۷ باب بعد باب الاستغفار والتوبہ فصل اول۔

وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى ﴿٨٢﴾ وَمَآ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى ﴿٨٣﴾ قَالَ هُمْ

اور کرے بھلا کام پھر راہ پر رہے اور کیوں جلدی کی تونے اپنی قوم سے اے موسیٰ بولا وہ یہ ہیں

اُولَآءِ عَلٰٓى اَثَرِيْ وَعَجِلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى ﴿٨٤﴾ قَالَ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْ

میرے پیچھے اور میں جلدی آیا تیری طرف رب میرے کہ تو راضی ہو فرمایا ہم نے تو بچلا دیا تیری قوم کو تیرے

بَعْدِكَ وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ ﴿٨٥﴾ فَرَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۚ قَالَ

پیچھے اور بہکایا ان کو سامری نے پھر الٹا پھرا موسیٰ اپنی قوم کے پاس غصے بھرا پچتایا ہوا ۔ کہا

کرے اللہ کی وحدانیت اور اللہ کے رسُول کی صداقت کو مانے گا اور پھر اس پر قائم رہے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے پچھلے سب گناہ معاف کر دے گا صحیح مسلم کے حوالہ سے عمرو بن العاص کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے[1] کہ جو شخص شرک سے توبہ کرے تو اس کے پچھلے سب گناہوں کی بنیاد اکھڑ جاتی ہے یہ حدیث آخری آیت کی گویا تفسیر ہے۔ تورات کے نازل ہونے اور من سلویٰ کے اترنے کا قصہ سورہ بقرہ میں اور سورۃ الاعراف میں گزر چکا ہے۔

۸۳-۸۴:۔ مدین سے مصر واپس آتے وقت جو حضرت موسیٰؑ نے اللہ تعالیٰ سے باتیں کیں اس وقت اسرائیل میں کا کوئی شخص حضرت موسیٰؑ کے ساتھ نہیں تھا اس واسطے اس کی تصدیق کے لئے کہ حضرت موسیٰ سچے نبی ہیں اور اللہ تعالیٰ سے اور ان سے باتیں ہوتی ہیں جس وقت حضرت موسیٰؑ تورات لینے کوہ طور پر گئے تو بنی اسرائیل میں سے چند شخصوں کو منتخب کر کے اپنے ساتھ لے گئے تھے اور جب کوہ طور قریب آیا تو حضرت موسیٰؑ قوم کے لوگوں سے آگے بڑھ کے جلدی سے پہاڑ پر پہنچ گئے اور ان کے ساتھ کے لوگ پیچھے رہ گئے اس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ سے پوچھا کہ قوم کے لوگوں کو چھوڑ کر جلدی کر کے کیوں چلے آئے حضرت موسیٰؑ نے جواب دیا کہ وہ لوگ بھی پیچھے آتے ہیں یا اللہ میں جلدی کر کے اس واسطے چلا آیا کہ کوہ طور پر حاضر ہونے کے تیرے حکم کی تعمیل میں جلدی کروں تاکہ تو مجھ سے خوش ہو صحیح مسلم کے حوالہ سے ابو ہریرہؓ کی روایت کئی جگہ گزر چکی ہے[2] جس میں اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی نظر انسان کے دل پر لگی رہتی ہے کہ انسان ہر ایک کام کس نیت سے کرتا ہے اس حدیث سے یہ مطلب اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا بنی اسرائیل کو پیچھے چھوڑ کر چلے آنے کا اور جس نیت سے موسیٰ علیہ السلام جلدی کر کے پہاڑ پر آگئے اس کا حال اللہ تعالیٰ کو پہلے سے ہی معلوم تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے یہ بات اس لئے پوچھی کہ اللہ تعالیٰ کا بندوں کی ہر ایک حالت سے واقف ہونے کا حال لوگوں کو معلوم ہو جائے۔

۸۵-۸۷:۔ بنی اسرائیل کا یہ بچلنا بچھڑے کی پوجا کے سبب سے تھا یہ بچھڑے کی پوجا کا قصہ سورہ بقرہ اور سورہ اعراف میں گزر چکا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ بنی اسرائیل جس رات مصر سے چلے اس رات ایک شادی کا بہانہ کر کے انہوں نے فرعون کی قوم کے لوگوں سے کچھ زیور مانگ لیا تھا تاکہ فرعون کی قوم کو شادی کا یقین ہو جائے اور بنی اسرائیل سفر کی تیاری

[1] ص ۳۲۹ ج ۳ [2] نیز مشکوٰۃ ص ۴۵۴ باب الریاء والسمعۃ۔

يٰقَوْمِ اَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا ۬ؕ اَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ اَمْ اَرَدْتُّمْ اَنْ

اے قوم تم کو وعدہ نہ دیا تھا تمہارے رب نے اچھا وعدہ کیا لمبی ہوگئی تم پر مدت یا چاہا تم نے کہ

يَّحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِيْ ﴿۸۶﴾ قَالُوْا مَاۤ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ

نازل ہو تم پر غضب تمہارے رب کا اس سے کہ خلاف کیا تم نے میرا وعدہ بولے ہم نے خلاف نہیں کیا تیرا وعدہ

بِمَلْكِنَا وَلٰكِنَّا حُمِّلْنَاۤ اَوْزَارًا مِّنْ زِيْنَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنٰهَا فَكَذٰلِكَ اَلْقَى السَّامِرِيُّ ﴿۸۷﴾

اپنے اختیار سے ولیکن اٹھالئے ہم نے بوجھ گہنے سے اس قوم کے سو ہم نے پھینک دیئے پھر نقشہ ڈالا سامری نے

میں تمام رات جو جاگتے رہے اس کو فرعون کی قوم کے لوگ شادی میں کا جاگنا سمجھ کر سفر کی تیاری میں کچھ فتور نہ ڈالیں اس رات کی صبح کو فرعون کی قوم کے لوگ تو سب ڈوب کر مر گئے اس لئے وہ زیور بنی اسرائیل کے ہی پاس رہ گیا اور دشمنوں کے ہلاک ہوجانے کے بعد اگرچہ وہ زیور غنیمت کا مال ہوگیا تھا لیکن صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے جابرؓ بن عبداللہ کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے کہ امتِ محمدیہ سے پہلے کسی امت کو غنیمت کا مال حلال نہیں تھا اس لئے ہارون علیہ السلام کو جب اس زیور کا حال معلوم ہوا تو انہوں نے بنی اسرائیل سے کہا کہ تم ایک گڑھا کھود کر زیور اس میں دبا دو بنی اسرائیل نے ایسا ہی کیا لیکن بنی اسرائیل میں سامری نام کا جو ایک سنار تھا اس نے اس زیور کو گڑھے میں سے نکال کر گلا ڈالا اور اس کا بچھڑا بنا دیا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور مجاہد کے قول کے موافق جبرئیل کے گھوڑے کے قدم کے نیچے کی مٹی جو سامری نے اٹھا رکھی تھی وہ اس نے اس بچھڑے کے منہ میں ڈال دی جس سے وہ بچھڑا گائے کی آواز کی طرح آواز نکالنے لگا اور بنی اسرائیل اس بچھڑے کی پوجا کرنے لگے کوہ طور پر جب یہ قصہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو جتلایا اور قصہ کو سن کر موسیٰ علیہ السلام کو غصہ آیا موسیٰ علیہ السلام کے اس غصہ اور رنجیدہ ہونے کا ذکر ان آیتوں میں ہے حاصل مطلب ان آیتوں کا یہ ہے کہ اے موسیٰ تمہارے پیچھے بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے بچھڑے کی بلا بھیج کر آزمایا لیکن وہ آزمائش میں پورے نہ اترے اور سامری کے بہکانے سے بہک گئے۔ موسیٰ علیہ السلام اس قصہ کا حال سن کر کوہ طور سے بہت ہی غصہ اور رنج میں لوٹے پھرے اور قوم کے لوگوں سے کہا کہ اے میری قوم کے لوگو میری معرفت کیا تمہاری دین و دنیا کی بہبودی کے لئے کتاب آسمانی تورات کے نازل فرمانے کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمایا تھا جس کتاب کے لینے کے لئے میں تم سے دین پر قائم رہنے کا عہد لے کر کوہ طور پر گیا تھا پھر اس کتاب کے نازل ہونے سے پہلے تم نے سامری کا کہنا کیوں مانا اور بلاسند بچھڑے کو اپنا معبود کیوں ٹھہرایا کیا مجھ کو کوہ طور پر برسوں کا عرصہ گزر گیا تھا جو تم میرا انتظار نہ کر سکے اور جب تم نے میرے عہد کو توڑا تو کیا تم نے اللہ کے غضب میں گرفتار ہونے کا ارادہ بھی دل میں ٹھان لیا تھا کیونکہ اللہ کے رسول کی مخالفت کے سبب سے فرعون اور اس کی قوم کے سب لوگ جس طرح غضبِ الٰہی میں گرفتار ہوئے وہ ماجرا اب تک تمہاری آنکھوں کے سامنے ہوگا۔ قوم کے لوگوں نے جواب دیا اے رسول اللہ کے ہم نے جان بوجھ کر تمہارے عہد کو نہیں توڑا بلکہ قبطی قوم کا وہ زیور جو

؎ مشکوٰۃ ص ۵۱۲ باب فضائل سید المرسلین۔

فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ فَقَالُوْا هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى ۙ فَنَسِيَ ﴿۸۸﴾

پھر بنا نکالا ان کے واسطے ایک بچھڑا ایک دھڑ جس میں چلانا گائے کا پھر کہنے لگے یہ صاحب ہے تمہارا اور صاحب موسیٰ کا سو وہ بھول گیا

اَفَلَا يَرَوْنَ اَلَّا يَرْجِعُ اِلَيْهِمْ قَوْلًا ۙ وَّلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ﴿۸۹﴾

بھلا یہ نہیں دیکھتے کہ وہ جواب نہیں دیتا ان کو کسی بات کا اور اختیار نہیں رکھتا ان کے بُرے کا نہ بھلے کا ۔

ہمارے پاس رہ گیا تھا ہارون علیہ السلام کے کہنے سے پہلے تو ہم نے اور سامری نے سب نے مل کر وہ زیور ایک گڑھے میں دبا دیا تھا لیکن اس کے بعد پھر سامری نے اس زیور کا بچھڑا بنا کر ہم کو ایسا بہکایا کہ بالکل بے قابو کر دیا ۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے انسؓ بن مالک کی حدیث گزر چکی ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا انسان کے تمام جسم میں جس طرح سے خون پھرتا ہے[1] اسی طرح بہکانے کے وقت ہر شخص کے تمام جسم میں شیطان چکر لگاتا ہے ترمذی وغیرہ کے حوالہ سے حارثؓ اشعری کی صحیح حدیث بھی گزر چکی ہے[2] جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بغیر یادِ الٰہی کے آدمی کو شیطان کے پھندے سے اور کوئی چیز نہیں بچا سکتی ۔ ان حدیثوں کو آیتوں کے ساتھ ملانے سے یہ مطلب ہوا کہ شیطان کے بہکانے سے بنی اسرائیل اس لئے بالکل بے قابو ہو کر سامری کے کہنے میں آگئے کہ انہوں نے ہارون علیہ السلام کی یادِ الٰہی کی نصیحت کو نہیں مانا جس سے شیطان کے پھندے میں پھنس گئے ۔

۸۸-۸۹ :- اگرچہ اور مفسروں کا قول ہے کہ اس گائے کے بچّے کا گوشت پوست سب کچھ ہو گیا تھا اور وہ چلتا پھرتا تھا لیکن امام المفسرین حضرت عبداللہ بن عباسؓ قسم کھا کر فرمایا کرتے تھے کہ وہ گائے کے بچّے کی صورت کا محض ایک پتلا تھا ہوا کے پھرنے سے اس میں سے ایک آواز نکلتی تھی اور کچھ بھی نہیں تھا[3] اوپر بیہقی اور ابو نعیم کی روایت سے بیان ہو چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے باب میں تفسیر قرآن آجانے کے لئے خاص طور پر دعا کی ہے[4] اس واسطے تفسیر قرآن میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول زیادہ اعتماد کے قابل ہے اگرچہ بعضے متاخر مفسر بعضی جگہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول لینے میں یہ عذر کیا کرتے ہیں کہ شاید یہ روایت حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اہلِ کتاب سے لی ہے لیکن صحیح بخاری میں جو خود عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو اہلِ کتاب کی روایت کے لینے سے ایسی نفرت تھی کہ وہ اور لوگوں کو بھی اہلِ کتاب سے روایت لینے کو منع کیا کرتے تھے[5] اوپر بنی اسرائیل نے یہ جو کہا تھا کہ سامری نے زیور کا بچھڑا بنا کر ہم کو ایسا بہکایا کہ بالکل بے قابو کر دیا ان آیتوں میں اسی کا ذکر ہے حاصل مطلب ان آیتوں کا وہی ہے جو اوپر بیان کیا گیا کہ ہارون علیہ السلام کے کہنے سے بنی اسرائیل اور سامری سب نے مل کر وہ زیور جو گڑھے میں ڈال کر دبا دیا تھا سامری نے اس زیور کو گڑھے میں سے نکال کر بچھڑا بنایا اور جبرائیل علیہ السلام کے گھوڑی کے قدم کے نیچے کی مٹی اس بچھڑے کے منہ میں ڈال دی جس سے وہ بچھڑا گائے کی سی آواز سے بولنے لگا اس بچھڑے کے بولنے سے سامری اور اس کے ساتھی بنی اسرائیل سے کہنے لگے کہ تمہارا معبود یہی ہے موسیٰ علیہ السلام بھولے سے کوہِ طور پر چلے گئے آگے فرمایا ان لوگوں نے

[1] مشکوٰۃ ص ۱۸ باب فی الوسوسۃ [2] ص ۳۶۹ ج ۳ [3] تفسیر ابنِ کثیر ص ۱۶۲ ج ۳ [4] صحیح بخاری ص ۵۲۱ ج ۱ مناقب ابن عباسؓ

[5] غالباً اس حدیث کی طرف اشارہ ہے جو صحیح بخاری باب ما یستحب للعالم اذا سئل ای الناس اعلم الخ وغیرہ میں وارد ہے (ع ، ح)

وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ ۚ وَاِنَّ رَبَّكُمُ

اور کہا تھا ان کو ہارون نے پہلے سے اے قوم اور کچھ نہیں تم کو بہکا دیا ہے اس پر اور تمہارا رب

الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِيْ وَاَطِيْعُوْٓا اَمْرِيْ ﴿٩٠﴾ قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ عَلَيْهِ عٰكِفِيْنَ

رحمٰن ہے سو میری راہ چلو اور مانو بات میری بولے ہم رہیں گے اسی پر لگے بیٹھے

حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَيْنَا مُوْسٰى ﴿٩١﴾

جب تک پھر آوے ہم پاس موسیٰ۔

کیا اتنی بات بھی نہیں دیکھی کہ بنی اسرائیل میں سے بارہ ہزار کے قریب آدمیوں نے جو اس بچھڑے کی پوجا نہیں کی اُن کو اس نے کچھ نقصان نہیں پہنچایا اور جنہوں نے اس کی پوجا کی نہ ان سے کسی مقصد کو سُن کر اس نے کچھ جواب دیا، نہ کسی کا کوئی مقصد پورا کیا خدا کی شان یہ نہیں ہے اس کی شان تو وُہ ہے کہ جب اس نے فرعون اور اس کی قوم کو نقصان پہنچانا چاہا تو ایک دم میں ان سب کو ہلاک کر دیا اور بنی اسرائیل کو جب اس نے فائدہ پہنچانا چاہا تو ان کے اتنے بڑے قوی دشمن کے پھندے سے انہیں چھوڑا دیا۔ صحیح بخاری و مسلم[1] میں ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے جس میں اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم نے اچھے رفیق کی مثال مشک و عنبر کی اور بُرے رفیق کی مثال کھال دھونکنے والے کی بیان فرما کر یہ فرمایا ہے کہ جس طرح کھال دھونکنے والے کے پاس بیٹھنے سے کبھی نہ کبھی آگ کا پتنگا اُڑ کر پڑ جانے اور کپڑوں کے جل جانے کا خوف ہے۔ یہی حال بُرے رفیق کی رفاقت کا ہے کہ اس سے کبھی نہ کبھی کچھ نقصان کے پہنچ جانے کا اندیشہ ہے اس حدیث کو آیتوں کے ساتھ ملانے سے یہ مطلب ہُوا کہ بُرے رفیق کی رفاقت سے اسی طرح کا نقصان پہنچ جاتا ہے جس طرح کا نقصان بنی اسرائیل کو سامری کی رفاقت سے پہنچ گیا۔

۹۰-۹۱:۔ موسیٰ علیہ السلام کے کوہِ طور پر سے واپس آجانے سے پہلے ہارون علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو جو نصیحت کی تھی اور بنی اسرائیل نے جو جواب اس کا دیا تھا یہ اس کا ذکر ہے ہارون علیہ السلام کی نصیحت کا حاصل یہ ہے کہ اے بنی اسرائیل یہ بچھڑا تمہارے حق میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک جانچ ہے اب تک جو کچھ تم نے کیا اگر تم میرا کہنا مان کر اس سے توبہ کرو گے تو اللہ اپنے بندوں پر بڑا مہربان ہے وُہ تمہاری توبہ ضرور قبول کرے گا۔ ہارون علیہ السلام کی اس نصیحت کا بنی اسرائیل نے یہ جواب دیا کہ موسیٰ علیہ السلام کے کوہِ طور سے واپس آنے تک ہم اس بچھڑے کی پوجا بھی نہ چھوڑیں گے۔ صحیح مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی حدیث اوپر گزر چکی ہے جس میں اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھا کر فرمایا اللہ تعالیٰ کو گنہگار بندوں کی توبہ قبول کرنے کی صفت اس قدر پیاری ہے کہ اگر موجودہ لوگ گناہ نہ کرتے تو اللہ تعالیٰ اور گنہگار مخلوقات کو پیدا کر کے انہیں توبہ استغفار کی توفیق دیتا اور ان کی توبہ قبول کرتا[2] توبہ قبول کرنے کے محل پر رحمان کا لفظ جو فرمایا اس کا مطلب اس حدیث سے اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے۔

[1] مشکوٰۃ ص ۴۲۶ باب الحب فی اللہ [2] صحیح مسلم ص ۳۵۵ ج ۲ باب سقوط الذنوب بالاستغفار والتوبہ۔

قَالَ يٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْٓا ﴿۹۲﴾ اَلَّا تَتَّبِعَنِ ۭ اَفَعَصَيْتَ

کہا موسیٰؑ نے اے ہارون تجھ کو کیا اٹکاؤ تھا جب دیکھا تو نے کہ وہ بہکے تو میرے پیچھے نہ آیا کیا تو نے رد کیا

اَمْرِيْ ﴿۹۳﴾ قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَلَا بِرَاْسِيْ ۚ اِنِّىْ خَشِيْتُ اَنْ

میرا حکم؟ وہ بولا اے میرے ماں کے جنے نہ پکڑ میری داڑھی نہ سر میں ڈرا کہ تو کہے گا پھوٹ

تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِيْ ﴿۹۴﴾

ڈال دی تو نے بنی اسرائیل میں اور یاد نہ رکھی بات میری۔

۹۲-۹۴: سورۂ اعراف میں گزر چکا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل سے خفگی کی باتیں کر چکے تو اسی غصّہ کی حالت میں انہوں نے وہ تختیاں اپنے ہاتھ میں سے زمین پر پٹخ دیں جن تختیوں پر اللہ تعالیٰ نے ان کو تورات لکھ کر دی تھی اور اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کی ڈاڑھی اور سر کے بال پکڑ کر کھینچنے لگے اسی واسطے مختصر طور پر یہاں ہارون علیہ السلام کی طرف سے ڈاڑھی اور سر کے بالوں کے چھوڑ دینے کی التجا کا ذکر فرمایا ڈاڑھی اور سر کے بالوں کے پکڑنے کا ذکر نہیں فرمایا حاصل کلام یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے فقط اس خیال سے ہارون علیہ السلام کی ڈاڑھی اور سر کے بال پکڑے تھے کہ ہارون علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو بچھڑے کی پوجا سے کیوں نہیں روکا اور اگر یہ لوگ روکنے سے نہیں رکے تھے تو بارہ ہزار آدمی ان میں کے بچھڑے کی پوجا سے جو بچے ہوئے تھے ان کو ساتھ لے کر کوہ طور پر کیوں نہیں چلے آئے کہ اس سے بچھڑا پوجنے والے تنہا رہ کر اپنی غلطی کو شاید سمجھ جاتے یا ان بارہ ہزار آدمیوں کو ساتھ لے کر بچھڑا پوجنے والوں کا مقابلہ کیوں نہیں کیا لیکن جب موسیٰ علیہ السلام کو یہ معلوم ہو گیا کہ ہارون علیہ السلام نے بچھڑا پوجنے والوں کو بچھڑے کی پوجا سے یہاں تک روکا کہ لوگ ہارون علیہ السلام کے قتل کے درپے ہو گئے اور ہارون علیہ السلام کے کوہ طور پر چلے آنے یا بچھڑا پوجنے والوں کا مقابلہ کرنے میں بنی اسرائیل کی آپس کی پھوٹ کا اندیشہ تھا جس سے خود موسیٰ علیہ السلام نے ہی کوہ طور پر جانے وقت ہارون علیہ السلام کو منع کیا تھا تو موسیٰؑ کا دل اپنے بھائی کی طرف سے صاف ہو گیا اور انہوں نے اپنے بھائی کے حق میں مغفرت کی دعا مانگی چنانچہ اس کا ذکر سورۃ الاعراف میں گزر چکا ہے۔ حاصل مطلب ان آیتوں کا یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے خفا ہو کر اپنے بھائی ہارون علیہ السلام سے یہ کہا کہ جب بنی اسرائیل بہک گئے تھے تو تم نے اس کی اطلاع مجھ کو کوہ طور پر آن کر کیوں نہیں دی میں نے جو کوہ طور پر جاتے وقت تم سے کہا تھا کہ بنی اسرائیل کی خبر گیری رکھنا کہ ان میں کسی طرح کی گمراہی نہ پھیلے اس کا خیال تم نے کیوں نہیں رکھا۔ اوپر گزر چکا ہے کہ ان خفگی کی باتوں کے وقت موسیٰ علیہ السلام نے ہارون علیہ السلام کی ڈاڑھی اور سر کے بال پکڑ لئے تھے اس واسطے ہارون علیہ السلام نے کہا بھائی میری ڈاڑھی اور میرے سر کے بال نہ پکڑو میں فقط اس خیال سے کوہ طور پر نہیں آیا کہ میرے یہاں سے چلے جانے کے بعد بنی اسرائیل میں کچھ زیادہ پھوٹ نہ پڑ جائے اور اس پھوٹ کو دیکھ کر تم کہیں یہ کہنے لگو کہ کوہ طور پر جاتے وقت بنی اسرائیل کی پھوٹ کے روکنے کی نصیحت جو کی گئی تھی وہ نصیحت کیوں نہیں یاد رکھی گئی صحیح بخاری[1] و مسلم میں حضرت عائشہؓ کی روایت سے ایک قصہ ہے جس کا

[1] صحیح بخاری ص ۱۰۰۳ ج ۲ باب کراہیۃ الشفاعۃ فی الحد الخ۔

قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يٰسَامِرِيُّ ﴿٩٥﴾ قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا بِهٖ فَقَبَضْتُ

کہا موسیٰ نے اب تیری کیا حقیقت اے سامری   بولا میں نے دیکھا جو سب نے نہ دیکھا پھر بھر لی میں نے ایک

قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ ﴿٩٦﴾ قَالَ فَاذْهَبْ فَاِنَّ

مٹھی پاؤں کے نیچے سے اس بھیجے ہوئے کے پھر میں نے وہی ڈال دی اور یہی مصلحت دی مجھ کو میرے جی نے کہا موسیٰ نے چل تجھ کو

لَكَ فِي الْحَيٰوةِ اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ ۖ وَاِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهٗ ۚ وَانْظُرْ اِلٰى

زندگی میں اتنا ہے کہ کہا کر نہ چھیڑو   اور تجھ کو ایک وعدہ ہے وہ تجھ سے خلاف نہ ہوگا اور دیکھ اپنے

حاصل یہ ہے کہ فتح مکہ کے وقت چوری کی سزا میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت کا ہاتھ کاٹنا چاہا تو بعضے صحابہ نے اس سزا کی معافی کی سفارش آپ سے کی تھی اس پر آپ نے خطبہ پڑھا اور اس خطبہ میں فرمایا کہ اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرتیں تو ان کا ہاتھ بھی کاٹا جاتا اس حدیث سے یہ مطلب اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے کہ انبیاء شریعت کی تائید کے وقت رشتہ داروں کی کچھ پاس داری نہیں کرسکتے اسواسطے موسیٰ علیہ السلام نے شریعت کی تائید کے جوش میں اپنے بھائی کی ڈاڑھی اور سر کے بال پکڑ کر کھینچ لئے۔

۹۵-۹۸: بنی اسرائیل اور ہارون علیہ السلام پر خفا ہونے کے بعد موسیٰ علیہ السلام نے سامری سے جو خفگی کی باتیں کی تھیں ان آیتوں میں ان کا ذکر ہے حاصل مطلب ان آیتوں کا یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے سامری سے پوچھا تو نے یہ بچھڑا بنانے کا فساد کیوں پھیلایا سامری نے جواب دیا کہ فرعون کے ڈوبنے کے وقت جبرائیل علیہ السلام جب گھوڑی پر سوار ہو کر آئے تو بنی اسرائیل میں سے کسی نے ان کو نہیں دیکھا مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے انہیں مجھے دکھا دیا اور میرے دل میں یہ بات سمائی کہ میں نے ان کے گھوڑی کے قدم کے نیچے کی مٹی میں سے ایک مٹھی مٹی اٹھالی اور جب میں نے زیور کا بچھڑا بنایا تو میرے دل میں یہ بات سمائی کہ میں اس مٹی کو بچھڑے کے منہ میں ڈال دوں غرق ہونے والے دن فرعون گھوڑے پر سوار تھا اور اس کا گھوڑا دریائے قلزم کے سوکھے راستہ میں جاتے ہوئے ڈرتا تھا اس لئے جبرائیل علیہ السلام گھوڑی پر سوار ہو کر دریائے قلزم کے سوکھے راستہ میں آگئے اور گھوڑی کی بو سونگھتے ہی فرعون کا گھوڑا دریا کے سوکھے راستہ میں چلا گیا۔ فرعون کے گھوڑے کے جاتے ہی فرعون کے تمام لشکر نے اپنے گھوڑے اس کے پیچھے ڈال دیئے حاصل کلام یہ ہے کہ اسی سبب سے سامری نے جبرائیل علیہ السلام کو گھوڑی پر سوار دیکھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے سامری کی اس بات کے جواب میں کہا تیرے اس جرم کی سزا یہ ہے کہ جب تک جیتا رہے گا جنگل میں مارا مارا پھرے گا اور آخرت کا عذاب بھی تیرے ذمہ سے ٹل نہیں سکتا۔ پھر فرمایا تو اور تیرے ساتھی جس بچھڑے کی پوجا میں لگے ہوئے تھے اس کو جلایا جا کر اس کی راکھ دریا میں بکھیر دی جائے گی۔ اس کے بعد نصیحت کے طور پر بنی اسرائیل سے فرمایا تمہارا معبود یہ بچھڑا کیوں کر ہوسکتا تھا جس کو کسی کے برے بھلے کی کچھ خبر نہیں بلکہ تمہارا معبود وہ ہے جس کو علم غیب ہے اور کوئی چیز اس کے علم غیب سے باہر نہیں ہے بعضی تفسیروں میں ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کی گھوڑی کے قدموں میں اللہ تعالیٰ نے یہ تاثیر دی تھی کہ جہاں وہ قدم رکھتی تھی وہاں کی سوکھی گھانس ہری ہو جاتی تھی اللہ کی قدرت سے یہ بات سامری کو نظر آگئی اس لئے اس نے اس گھوڑی کے قدموں کے نیچے کی خاک میں سے ایک مٹھی اچھی چیز سمجھ کر اٹھا رکھی تھی اگرچہ اہل کتاب کی روایت خیال کر کے اکثر مفسروں نے

إِلَٰهِكَ الَّذِي ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا ۖ لَّنُحَرِّقَنَّهُ ثُمَّ لَنَنسِفَنَّهُ فِي الْيَمِّ نَسْفًا ﴿٩٧﴾ إِنَّمَا

ٹھاکر کو جس پر سارے دن لگا بیٹھا تھا ہم اس کو جلا دیں گے پھر بکھیریں گے دریا میں اڑا کر تمہارا

إِلَٰهُكُمُ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ﴿٩٨﴾ كَذَٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ

صاحب وہی اللہ ہے جس کے سوائے بندگی نہیں کسی کی سب چیز سما گئی اس کے علم میں یوں سناتے ہیں ہم تجھ کو

مِنْ أَنبَاءِ مَا قَدْ سَبَقَ ۚ وَقَدْ آتَيْنَاكَ مِن لَّدُنَّا ذِكْرًا ﴿٩٩﴾ مَّنْ أَعْرَضَ عَنْهُ فَإِنَّهُ

احوال سے ان کے جو پہلے گذرے اور ہم نے دیا تجھ کو اپنے پاس سے ایک پڑھنا جو کوئی منہ پھیرے اس سے سو

اس قول کو اپنی تفسیروں میں نہیں لکھا ہے لیکن صحیح بخاری میں ابو ہریرہؓ سے روایت ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خضر علیہ السلام کو خضر اس لئے کہتے ہیں کہ جس سوکھی گھانس پر وُہ بیٹھتے ہیں وُہ سوکھی گھانس ہری ہو جاتی ہے[1] خضر ہری چیز کو کہتے ہیں ابو ہریرہؓ کی روایت کی بنا پر اگر یہ کہا جائے کہ جس صاحب قدرت نے خضر علیہ السلام کے جسم میں ایک خلاف عادت تاثیر پیدا کی ہے اسی نے وہی تاثیر جبرئیل علیہ السلام کی گھوڑی کے قدموں میں پیدا کر دی تو اس کی قدرت کے آگے یہ کچھ بڑی بات نہیں ہے صحیح بخاری کے حوالہ سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی حدیث گزر چکی ہے کہ نوح علیہ السلام کے نبی ہونے سے پہلے کچھ نیک لوگ مر گئے تھے جن کے مرجانے سے قوم کے لوگوں کو بڑا رنج تھا شیطان نے قوم کے لوگوں کے دل میں یہ وسوسہ ڈالا کہ اگر ان نیک لوگوں کی شکل کی مورتیں بنا کر رکھ لی جائیں تو ان مورتوں کے دیکھنے سے یہ رنج کم ہو جائے گا قوم کے لوگوں نے اس وسوسہ کے موافق عمل کیا آخر رفتہ رفتہ ان مورتوں کی پوجا ہونے لگی[2] اس حدیث سے یہ مطلب اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے کہ جس طرح کے وسوسہ سے شیطان نے پہلے پہل دُنیا میں بُت پرستی پھیلائی اسی قسم کے وسوسہ سے بنی اسرائیل میں بچھڑے کی پوجا پھیلائی کہ نعوذ باللہ من ذالک موسیٰ کا خدا اس بچھڑے میں سما گیا ہے نتیجہ جس کا یہ ہوا کہ قوم نوحؑ کو اس طوفان کی سزا ملی اور بنی اسرائیل کی قتل کی سزا کا ذکر سورہ بقرہ میں گزر چکا ہے۔

۹۹-۱۰۱:- اوپر موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا موسیٰ علیہ السلام اور جادوگروں کے مقابلہ کا فرعون اور اس کی قوم کے ڈوب کر ہلاک ہونے کا بنی اسرائیل میں بچھڑے کی پوجا جو پھیلی اس کا ذکر فرما کر ان آیتوں میں فرمایا کہ جس طرح اس سورت میں پہلے لوگوں کے چند قصے بیان کئے گئے ہیں اسی طرح قرآن میں جگہ جگہ پچھلے انبیاء اور پچھلی امتوں کا ذکر آیا ہے تاکہ اہل کتاب ان قصوں کو اپنی کتابوں کے موافق پاکر اور مشرکین مکہ یہ غیب کی باتیں ان پڑھ رسولؐ سے سُن کر قرآن کو اللہ کا کلام اور جن پر یہ کلام اترا ہے ان کو اللہ کا سچا رسُول جان لیں پھر فرمایا ایسی سیدھی بات سمجھانے کے بعد بھی جو کوئی قرآن کو اللہ کا کلام نہ مانے گا اور اس کی نصیحت کو قبول کرنے سے منہ پھیرے گا تو قیامت کے دن ایسے گناہوں کے بوجھ کے نیچے یہ لوگ دبے ہُوئے ہوں گے جس بوجھ کی سزا میں ہمیشہ گرفتار رہیں گے پھر فرمایا قیامت کے دن وُہ بوجھ ان کو بہت بُرا لگے گا جس کی سزا ان کو ہمیشہ بھگتنی پڑے گی عمرو بن قیسؒ ثقہ تابعی بعضے صحابہؓ سے سُنی ہُوئی روایت بیان کیا کرتے تھے کہ قیامت کے دن اچھے عمل کرنے والے اپنے عملوں پر سوار ہو کر قبروں سے میدان محشر تک جائیں گے اور بُرے عمل بداعمال

[1] صحیح بخاری ص ۴۸۳ ج ۱ باب حدیث الخضر مع موسیٰ علیہما السلام [2] صحیح بخاری ص ۷۳۲ ج ۲ تفسیر سُورہ نوح

يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وِزْرًا ﴿۱۰۰﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهِ وَسَآءَ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حِمْلًا ﴿۱۰۱﴾ يَوْمَ

اٹھاوے گا دن قیامت کے ایک بوجھ پڑے رہیں گے اس میں اور برا ہے ان پر قیامت میں بوجھ اٹھانے کا۔ جس دن

يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ زُرْقًا ﴿۱۰۲﴾ يَّتَخَافَتُوْنَ بَيْنَهُمْ اِنْ لَّبِثْتُمْ

پھونکیں گے صور میں اور گھیر لاویں گے گناہ گاروں کو اس دن نیلی آنکھیں چپکے چپکے کہتے ہیں آپس میں دیر نہیں ہوئی تم کو

لوگوں پر سوار ہو جائیں گے[۱] گناہوں کو بوجھ جو فرمایا اس کا مطلب اس روایت سے اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے سورۃ الاعراف میں گزر چکا ہے کہ عملوں کے تولے جانے کے بعد جن کے نیک عملوں کا پلڑا بھاری ہوگا وہ جنتی قرار پائیں گے اور جن کا عملوں کا پلڑا بھاری ہوگا وہ دوزخ میں جائیں گے معتبر سند سے مستدرک حاکم اور تفسیر ابن ابی حاتم میں جابر بن عبداللہؓ کی روایت سے ایک حدیث بھی ہے کہ جن لوگوں کے بدعملوں کا بوجھ قیامت کے دن میزان میں بھاری ہوگا وہ دوزخ میں جائیں گے[۱] بدعملوں کو برا بوجھ جو فرمایا اس کا مطلب اس حدیث سے اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ بدعملوں کا بوجھ ایسا برا بوجھ ہے کہ جو گویا آدمی کو دوزخ میں ڈال دے گا۔

۱۰۲-۱۰۴:۔ اگرچہ بعضے سلف کا قول ہے کہ صور کئی دفعہ پھونکا جائے گا لیکن صحیح مسلم میں عبداللہ بن عمروؓ سے جو روایت ہے[۲] اس میں ہے کہ صور دو دفعہ پھونکا جائے گا پہلے صور کی آواز سے تمام دنیا ویران ہو جائے گی اور دوسرے صور کی آواز سے سب زندہ ہو جائیں گے[۳] اکثر صحابہ کا قول ہے کہ دونوں صور کے مابین چالیس برس کا فاصلہ[۴] ہوگا معتبر سند سے طبرانی میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ اسرافیل علیہ السلام صور پھونکیں گے[۵] ان آیتوں میں صور کے بعد حشر کا ذکر ہے اس واسطے یہاں صور سے مطلب دوسرا صور ہے دوزخ میں جانے کے قابل لوگوں کی آنکھوں کی پتلیاں حشر کے دن نیلی ہوں گی کہ ان کی آنکھیں بے رونق اور ان کی صورتیں بری نظر آئیں معتبر سند سے ترمذی اور صحیح ابن حبان میں ابوہریرہؓ کی حدیث ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنکھوں کے نیلی ہو جانے کے علاوہ میدان محشر میں ایسے لوگوں کا منہ بھی کالا[۶] ہو جائے گا اوپر بداعمال کے بوجھ کا ذکر فرما کر ان آیتوں میں ارشاد ہے کہ ایسے لوگوں کو یہ بوجھ اس دن اٹھانا پڑے گا جس دن دوسرے صور کی آواز سن کر یہ دوبارہ زندہ ہو جائیں گے اور ایسی حالت سے میدان محشر میں کھڑے ہوں گے کہ ان کی آنکھیں نیلی ہوں گی اور منہ کالا ہوگا مسند امام احمد کے حوالہ سے حضرت عائشہ کی صحیح حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے کہ منکر نکیر کے سوال و جواب کے بعد اچھے[۷] لوگوں کو جنت کا اور برے لوگوں کو دوزخ کا ٹھکانا دکھا کر اللہ کے فرشتے جتلا دیتے ہیں کہ ان ٹھکانوں میں ہمیشہ رہنے کے لئے تم کو قیامت کے دن دوبارہ زندہ کیا جائے گا اس حدیث سے یہ مطلب اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے کہ دوبارہ زندہ ہوتے ہی ایسے لوگوں کو دوزخ میں ہمیشہ رہنے کا اپنا ٹھکانا یاد آجائے گا اس لئے اس ہمیشہ کے عذاب کی زندگی کے آگے دنیا میں رہنے کی مدت ان کو تھوڑی معلوم ہوگی اور عذاب میں گرفتار ہونے کی

[۱] ؟ [۲] فتح الباری ص ۱۷۹ ج ۶ باب من نوقش الحساب، عذب۔ [۳] مشکوٰۃ ص ۴۸۱ باب لاتقوم الساعۃ الاعلی شرار الناس بحوالہ صحیح مسلم ص ۱۰۱ ج ۲ [۴] مشکوٰۃ ص ۴۸۱ باب النفخ فی الصور بروایۃ ابی ہریرہؓ [۵] فتح الباری ص ۱۶۱ ج ۵ باب نفخ الصور [۶] الترغیب ص ۲۸۸ ج ۲ باب فیما ورد فی سوال القبر ونعیمہ۔

إِلَّا عَشْرًا ﴿١٠٣﴾ نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَقُولُونَ إِذْ يَقُولُ أَمْثَلُهُمْ طَرِيقَةً إِن لَّبِثْتُمْ إِلَّا

مگر دس دن ہم کو خوب معلوم ہے جو کہتے ہیں جب بولے گا ان میں اچھی راہ والا تم کو دیر نہیں لگی مگر

يَوْمًا ﴿١٠٤﴾ وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنسِفُهَا رَبِّي نَسْفًا ﴿١٠٥﴾ فَيَذَرُهَا قَاعًا

ایک دن اور تجھ سے پوچھتے ہیں پہاڑوں کا حال سو تو کہہ کہ ان کو بکھیر دے گا میرا رب اڑا کر پھر کر چھوڑے گا زمین کو

صَفْصَفًا ﴿١٠٦﴾ لَّا تَرَىٰ فِيهَا عِوَجًا وَلَا أَمْتًا ﴿١٠٧﴾

پٹپڑ میدان نہ دیکھے تو اس میں موڑ نہ ٹیلا۔

پریشانی سے آپس میں چپکے چپکے باتیں کرنے کے طور پر کوئی اس مدت کو دس دن کی مدت بتلائے گا کوئی ایک دن کی کوئی پہر دوپہر کی اور کوئی گھڑی بھر کی دس دن اور ایک دن کا ذکر تو ان آیتوں میں ہے پہر دوپہر کا ذکر قد افلح المؤمنون میں اور گھڑی بھر کا ذکر سورۃ الاحقاف میں آئے گا۔

۱۰۵۔۱۰۷: تفسیر ابن منذر میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت سے جو شانِ نزول اس آیت کی بیان کی گئی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ قریش نے جب قرآن شریف میں قیامت کا حال اور دُنیا کے ویران ہوجانے کا حال سُنا تو پہاڑ ان کے دل میں ایک سخت اور پائدار چیز گزری اس لئے انہوں نے اعتراض کے طور پر پوچھا کہ کیا صور پھونکنے سے پہاڑ بھی اُڑ جائیں گے ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی[1] سورۃ القارعہ میں اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کے اڑنے کی تفسیر فرمائی ہے کہ دھنکنے میں جس طرح روئی ٹکڑے ہو کر اڑ جاتی ہے اسی طرح صور کی آواز سے پہاڑ اڑتے پھریں گے سورۃ الحاقہ اور سورۂ مزمل میں پہلے صور کے وقت پہاڑوں اور زمین کی اپنی اپنی جگہ سے ٹوٹ کر اڑ جانے کی زیادہ تفصیل آئے گی۔ صحیح بخاری و مسلم میں سہل بن سعد سے روایت ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس زمین پر حشر قائم ہوگا وہ زمین صاف اور چورس[2] ہوگی پہاڑ ٹیلہ مکان اس پر کچھ نہ ہوگا شعب الایمان بیہقی تفسیر عبدالرزاق وغیرہ میں عبداللہ بن مسعودؓ کا صحیح قول ہے کہ جس زمین پر حشر قائم ہوگا اس پر کسی نے گناہ بھی نہیں[3] کیا۔ حضرت علیؓ اور انس بن مالکؓ کا قول بھی عبداللہ بن مسعودؓ کے قول کے موافق ہے[4] اس طرح کی غیب کی بات صحابہؓ اپنی طرف سے نہیں کہہ سکتے اس واسطے صحابہؓ کے یہ قول حدیث نبوی کے برابر ہیں صحیح مسلم کے حوالہ سے عبداللہ بن عمروؓ کی روایت اوپر[5] گزر چکی ہے کہ پہلے صور کی آواز سے تمام دُنیا ویران ہوجائے گی ان روایتوں کو آیتوں کے ساتھ ملانے سے یہ مطلب ہُوا کہ پہلے صور کی آواز سے پہاڑ ٹیلے مکانات سب اس طرح فنا ہوں گے کہ حشر کے قائم ہونے کے لئے دُوسرے صور کے وقت نئی زمین جو پیدا کی جائے گی نہ اس زمین پر ان چیزوں میں سے کوئی چیز پیدا کی جائے گی نہ اس زمین پر کسی نے کوئی گناہ کیا ہوگا پٹپڑ میدان کے یہی معنی ہیں، ابراہیم بن منذر امام احمد کے زمانہ کے علماء میں تھے، بخاری اور ترمذی میں ان سے روایتیں ہیں ابو حاتم نے ان کو معتبر علماء میں شمار کیا ہے ان کی تفسیر میں صحابہؓ تابعین

---

[1] الدر المنثور ص ۳۰۷ ج ۴ [2] مشکوٰۃ ص ۴۸۲ باب الحشر [3] فتح الباری ص ۱۶۵ ج ۶ باب یقبض اللہ الارض [4] ایضاً، فتح الباری [5] یعنی گزشتہ صفحہ ۱۹۰ پر۔

يَوْمَئِذٍ يَتَّبِعُونَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهُ ۚ وَخَشَعَتِ الْأَصْوَاتُ لِلرَّحْمَٰنِ فَلَا

اس دن پیچھے دوڑیں گے پکارنے والے کے ٹیڑھی نہیں جس کی بات اور دب گئیں آوازیں رحمٰن کے ڈر سے پھر تو نہ

تَسْمَعُ إِلَّا هَمْسًا ﴿١٠٨﴾ يَوْمَئِذٍ لَّا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَٰنُ وَرَضِيَ لَهُ

سنے مگر کھس کھس کی آواز اس دن کام نہ آوے گی سفارش مگر جس کو حکم دیا رحمٰن نے اور پسند کی

اور تبع تابعین تک کے قول ہیں۔ تبع تابعین کے بعد جو تفسیریں مع سند کے لکھی گئی ہیں ابراہیم بن منذر کی تفسیر بھی اسی زمانہ کی آخر تفسیر میں ہے۔

۱۰۸: صحیح بخاری و مسلم میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ دوسرے صور کے وقت بدلوگوں کو ایک آگ گھیر کر ان کی قبروں سے میدانِ محشر تک لے جاوے گی یہ حدیث لاعوج لہ کی گویا تفسیر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ وہ آگ میدانِ محشر کے راستہ سے بیچ کر اور کوئی ٹیڑھا راستہ انہیں چلنے نہ دے گی اس واسطے سورۃ المعارج میں فرمایا کہ دوسرے صور کی آواز سن کر جب یہ لوگ قبروں سے اٹھیں گے تو جس طرح اب بتوں کے نشان کی طرف پوجا کے لئے سیدھے دوڑتے ہیں اسی طرح قیامت کے دن میدانِ محشر کی طرف حساب کتاب کے لئے دوڑتے ہوئے چلے آئیں گے۔ صحیح بخاری و مسلم میں ابوہریرہ سے روایت[۱] ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ میدانِ محشر میں گرمی اور پسینے سے جب لوگ بہت گھبرائیں گے تو آدم علیہ السلام سے عیسیٰؑ تک کے انبیاء کے پاس اس التجا کے لئے جائیں گے کہ یہ انبیاء اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حساب کتاب کے شروع ہو جانے کی سفارش کر دیں یہ سب انبیاء جواب دیں گے کہ آج اللہ تعالیٰ کے غصہ کی وہ حالت ہے کہ آج سے پہلے کبھی ہوئی اور نہ اس کے بعد کبھی ہوگی اس لئے ہم اس سفارش کے باب میں کچھ نہیں کر سکتے آخر خاتم الانبیاء محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس سفارش کو اپنے ذمہ لیں گے اور آپ کی سفارش سے حساب کتاب شروع ہو جائے گا آپ کی یہ سفارش تمام امتوں کے حق میں ہووے گی اس واسطے اس سفارش کو بڑی سفارش کہتے ہیں آیت میں یہ جو ذکر ہے کہ میدانِ محشر میں اللہ تعالیٰ کے جلال کے سبب سے سب کی آوازیں ایسی دب جائیں گی کہ سوائے قدموں کی کھس کھس کی آواز کے کسی کے بولنے کی آواز نہ آئے گی۔ اس حدیث سے اس کا مطلب اچھی طرح سمجھ میں آ سکتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے جلال کے سبب سے سوائے خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے اور انبیاء بھی اس میدان میں اللہ تعالیٰ کے روبرو اور کچھ نہیں بول سکیں گے۔

۱۰۹-۱۱۲: حاصل مطلب یہ ہے کہ ان بت پرستوں کو اپنے بتوں پر یہ جو بھروسہ ہے کہ اگر قیامت قائم ہوئی تو جن نیک لوگوں کی مورتوں کو یہ لوگ پوجتے ہیں وہ نیک لوگ اللہ کی بارگاہ میں سفارش کر کے قیامت کے دن اپنی پوجا کرنے والوں کو دوزخ کے عذاب سے چھڑا لیں گے یہ بھروسہ شیطان کا دھوکا ہے جس دھوکے میں یہ لوگ پھنس رہے ہیں اس لئے کہ جب ان لوگوں کو یہ سمجھا دیا گیا ہے کہ جو شخص شرک میں گرفتار رہ کر بغیر توبہ کے مر جائے گا تو ایسے شخص کے حق میں اللہ تعالیٰ کا یہ قطعی وعدہ ہے کہ ایسا شخص ہمیشہ دوزخ کے عذاب میں گرفتار رہے گا کسی طرح اس کی بخشش نہ

[۱] مشکوٰۃ ص ۴۸۳ باب الحشر [۲] مشکوٰۃ ص ۴۸۹ باب الحوض والشفاعۃ۔

قَوْلًا ﴿١٠٩﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيطُونَ بِهِ عِلْمًا ﴿١١٠﴾ وَعَنَتِ

بات وہ جانتا ہے جو ان کے آگے اور پیچھے اور یہ قابو میں نہیں لاتے اس کو دریافت کر کر اور رگڑتے

الْوُجُوهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّومِ ۖ وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا ﴿١١١﴾ وَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ

ہیں منہ آگے اس جیتے ہمیشہ رہنے کے اور خراب ہوا جس نے بوجھ اٹھایا ظلم کا اور جو کوئی کرے کچھ بھلائیاں

الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخَافُ ظُلْمًا وَلَا هَضْمًا ﴿١١٢﴾

اور وہ یقین رکھتا ہو سو اس کو ڈر نہیں بے انصافی کا اور نہ دبانے کا۔

ہو گی اس لئے کسی مشرک کے حق میں اللہ تعالیٰ کسی کو سفارش کرنے کی اجازت نہ دے گا اور یہ بھی سمجھا دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس دعدہ کے برخلاف نیک لوگوں کا اپنے پوجا کرنے والوں کی سفارش کا کرنا تو درکنار بلکہ ان مشرکوں کے شرک کے سبب سے قیامت کے دن وُہ نیک لوگ ان مشرکوں کی صورت سے بیزار ہو جائیں گے کیونکہ نیک لوگوں کے دل میں اللہ کی وحدانیت اور شرک سے بیزاری کی جو بات تھی وہی اللہ کو پسند آئی اسی سبب سے اللہ تعالیٰ نے ان کو سفارش کا مرتبہ دیا پھر وُہ مشرکوں کی سفارش کرکے جس شرک سے بیزار تھے اس کے حامی کیونکر بن سکتے ہیں اس لئے ان مشرکوں کی یہ بڑی نادانی ہے کہ جس بات سے اللہ کے نیک بندے بیزار ہیں یہ مشرک لوگ اسی بات کا ان نیک لوگوں کو ذمہ دار قرار دیتے ہیں پھر فرمایا ہر ایک شخص کے دُنیا کے عملوں کا حال اور اس کا عقبیٰ کا انجام اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے انسان اس غیب دان کے علم کی حد کو نہیں پہنچ سکتا اس نے قیامت کے دن کا یہ غیب کا فیصلہ لوگوں کو جتلا دیا ہے کہ اس دن مشرک لوگ نقصان اٹھائیں گے اور ایمان دار نیک عمل لوگوں کو اس دن کچھ نقصان نہ پہنچے گا اور صاحب قدرت وُہ ایسا ہے کہ اس کی قدرت کے آگے سب عاجز اور اس کی بارگاہ میں ناک رگڑتے اور گڑگڑاتے ہیں اس واسطے اس کے حکم اور فیصلہ کو کوئی ٹال نہیں سکتا ان مشرکوں نے اس کے فیصلہ کے برخلاف یہ بات جو تراش رکھی ہے کہ اول تو قیامت قائم نہ ہو گی اور اگر قائم ہُوئی تو جن لوگوں کی مورتوں کی یہ مشرک لوگ پوجا کرتے ہیں وُہ اپنے پوجا کرنے والوں کو اس دن دوزخ کے عذاب سے بچا لیں گے ان مشرکوں کو اپنی اس تراشی ہُوئی بات کا انجام وقت پر معلوم ہو جائے گا دنیا کے بادشاہوں کے حکم میں یہ بات جو پائی جاتی ہے کہ ایک بادشاہ کوئی حکم جاری کرکے مر جاتا ہے اور پھر اس کے مر جانے کے بعد اس کا جانشین اس حکم کو بدل ڈالتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ زندہ ہے اور قائم رہنے والا ہے نہ اس کا کوئی جانشین ہے نہ اس کے کسی حکم کو کوئی بدل سکتا ہے۔ صحیح مسلم میں جابر بن عبداللہؓ سے روایت[1] ہے جس میں اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کے اعمال نامہ میں شرک نہ ہو گا تو اللہ تعالیٰ کو ایسے شخص کے اور گناہوں کے بخش دینے میں کچھ دریغ نہ ہو گا۔ اس حدیث کو آیتوں کے ساتھ ملانے سے یہ مطلب ہُوا کہ سفارش کے قبول ہونے اور گناہوں کے معاف ہو جانے کے لئے نامۂ اعمال میں شرک نہ ہونا چاہیئے۔ مشرکوں نے سفارش کے باب میں جو بات تراش رکھی ہے جس کا ذکر اوپر گزرا وُہ بالکل غلط ہے۔

[1] صحیح مسلم ص ۶۶ ج ۱ باب الدلیل علی ان من مات لا یشرک باللہ شیئاً دخل الجنۃ الخ۔

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا وَّصَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ اَوْ يُحْدِثُ

اور اسی طرح اتارا ہم نے قرآن عربی زبان کا اور پھیر پھیر سنایا اس میں ڈر کا شاید وہ بچ چلیں یا ڈالے ان

لَهُمْ ذِكْرًا ﴿۱۱۳﴾ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى

کے دل میں سوچ سو بلند درجہ اللہ کا اس سچے بادشاہ کا اور تو جلدی نہ کر قرآن لینے میں جب تک نہ پورا ہو چکے

۱۱۳-۱۱۵:- اوپر ذکر تھا کہ جس طرح اس سورت میں پہلے لوگوں کے چند قصے بیان کئے گئے ہیں اس طرح قرآن میں جگہ جگہ پچھلے انبیاء اور پچھلی امتوں کا ذکر آیا ہے تاکہ لوگ ان پڑھ رسول سے یہ غیب کی باتیں سن کر قرآن کو اللہ کا کلام اور جن پر یہ قرآن اترا ہے ان کو اللہ کا رسول جان لیں ان آیتوں میں فرمایا جس طرح قرآن میں جگہ جگہ پچھلے انبیاء اور پچھلی امتوں کا ذکر ہے اسی طرح عذابِ آخرت سے ڈرانے کی آیتیں بھی اہلِ مکہ کی بول چال کی عربی زبان کے موافق قرآن میں جگہ جگہ ہیں تاکہ یہ لوگ عذابِ آخرت کی آیتوں کو سُن کر شرک سے باز آئیں اور عذابِ آخرت سے بچیں اور پچھلی امتوں کے ہلاکت کے قصے سن کر اور شام کے ملک کے سفر میں قومِ ثمود اور لُوط کے اجڑے ہُوئے مکانات کو دیکھ کر دنیا کے عذاب سے بھی ڈرتے رہیں اور یہ یاد رکھیں کہ جو شرک کی باتیں یہ لوگ کر رہے ہیں کہ بتوں کو اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہتے ہیں اللہ کی شان ان باتوں سے بہت بلند ہے اور اس کی بادشاہت ایسی سچی ہے کہ اس میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے یہ اس کی بردباری ہے کہ وُہ اپنی شان اور اپنی بادشاہت کے برخلاف باتیں ان لوگوں کی سنتا ہے اور ان پر کسی طرح کا عذاب نہیں بھیجتا۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابو موسیٰ اشعریؓ کی حدیث کئی جگہ گزر چکی ہے جس میں اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ سے بڑھ کر کون بردبار ہو سکتا ہے کہ وُہ لوگوں سے اپنی شان کے برخلاف باتیں سنتا ہے اور پھر ایسے لوگوں کے آرام کا انتظام قائم رکھتا ہے[1] سورۃ الزمر اور سورۃ المومن میں آئے گا کہ پہلا صور پھونکا جا کر جب تمام دُنیا ویران ہو جائے گی تو اس ویرانی کے زمانہ میں اللہ تعالیٰ یہ فرمائے گا کہ آج وُہ بادشاہت کا دعویٰ کرنے والے کہاں گئے اس وقت کوئی جواب دینے والا موجود نہ ہوگا اس لئے پھر خود فرمائے گا کہ ساری بادشاہت اللہ ہی کی ہے ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ کی بردباری اور سچی بادشاہت کا جو ذکر ہے اس کا مطلب ابو موسیٰ اشعریؓ کی روایت سے اور سورۃ الزمر اور سورۃ المومن کی آیتوں سے اچھی طرح سمجھ میں آ سکتا ہے قرآن شریف میں لفظ وہی ہیں جو اہلِ مکہ رات دن بولتے تھے اسی واسطے قرآن کو اہلِ مکہ کی بول چال کے موافق کہا جاتا ہے لیکن اہلِ مکہ ان لفظوں کو اپنی نظم اور نثر میں جن ڈھنگوں سے برتاؤ میں لاتے تھے قرآن شریف کا ڈھنگ ان سب سے نرالا ہے اس سبب سے اہلِ مکہ کے منکرینِ قرآن جب قرآن کی آیتوں کو سُن کر بے قابو ہو جاتے تھے تو اس کو جادو بتلاتے تھے جس سے ان کا مطلب یہ تھا کہ اس قرآن میں اگرچہ لفظ وہی ہیں جو رات دن ہم بولتے ہیں لیکن جادو کی خلافِ عادت باتوں سے جس طرح آدمی کا دل بے قابو ہو جاتا ہے یہی حال اس قرآن کا ہے کہ لوگ اس کو سُن کر یہاں تک بے قابو ہو جاتے ہیں کہ اپنے باپ دادا کے طریقہ کو چھوڑ کر قرآن کی پیروی اختیار کر لیتے ہیں۔ مستدرک[2] حاکم میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ

[1] مشکوٰۃ ص ۵۰ ج ۳ [2] مستدرک ص ۵۰۶، ۵۰۷ ج ۲ کتاب التفسیر۔

إِلَيْكَ وَحْيُهُ ۖ وَقُل رَّبِّ زِدْنِي عِلْمًا ﴿١١٤﴾ وَلَقَدْ عَهِدْنَا إِلَىٰ آدَمَ مِن قَبْلُ

اس کا اترنا اور کہہ اے رب زیادہ کر میری بوجھ اور ہم نے تقید کر دیا آدم کو اس سے پہلے

فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا ﴿١١٥﴾

پھر بھول گیا اور نہ پائی ہم نے اس میں کچھ ہمت

کی صحیح روایت سے ولید بن مغیرہ کا جو قصہ ہے اس میں ولید بن مغیرہ نے قرآن کی آیتیں سُن کر قریش سے یہی بات کہی تھی کہ تم سب میں کوئی شخص مجھ سے زیادہ عربی زبان کی نظم و نثر سے واقف نہیں ہے اور مجھ کو جنات کے بھی بہت سے شعر یاد ہیں لیکن اس قرآن میں تو ایسا ایک جادو کا اثر ہے جو ہم لوگوں کی نظم و نثر سے بالکل نرالا ہے اسی واسطے قرآن کی آیتیں سُن کر میرا دل بے قابو ہو گیا جبیر بن مطعمؓ کی روایت صحیحین وغیرہ میں ہے جس میں وُہ کہتے ہیں کہ اسلام لانے سے پہلے سورۂ والطور کو سُن کر میرا دل ٹکڑے ٹکڑے ہُوا جاتا تھا[1] اس سے یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آجاتی ہے کہ اگرچہ قرآن شریف کی آیتوں کے لفظ وہی ہیں جو اہلِ مکّہ رات دن بولتے تھے لیکن ان ہی لفظوں سے مطلب کو اس طرز سے ادا کیا گیا ہے جس سے اہلِ مکّہ لاجواب اور ان کے دل بے قابو ہوتے تھے ابتدائے وحی کے زمانہ میں جب جبرائیل علیہ السّلام وحی لاتے تو اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم جبرائیل علیہ السّلام کی قرأت کے ساتھ ساتھ وحی کی آیتوں کو خود بھی پڑھنا شروع کر دیتے تھے تاکہ کوئی آیت بھول نہ جائیں اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السّلام کا بھولے سے گیہوں کھانے کا قصہ یاد دلا کر یہ جتلایا کہ بنی آدم میں بھول کی عادت اگرچہ موروثی ہے لیکن اے رسُول اللہ کے اگر تم اپنے علم کی ترقی کی دُعا اللہ سے مانگتے رہو گے تو اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کے حکم سے قرآن کی پچھلی آیتیں بھی تم کو یاد رہیں گی اور قرآن کی نئی نئی آیتوں سے روز بروز تمہارا علم بڑھتا رہے گا آدم علیہ السّلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے برخلاف گیہوں کا دانہ جو کھایا اس قصہ کے ذکر کرنے سے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسُول کی یہ تسکین بھی فرمائی ہے کہ قریش سیدھی سیدھی باتیں جو قرآن کی نہیں مانتے اور شیطان کے بہکانے میں آن کر اللہ کے حکم کے برخلاف کام کرتے ہیں یہ آدم علیہ السّلام کے زمانہ سے انسان کی ایک قدیمی عادت ہے اس لئے اس کا کچھ رنج نہیں کرنا چاہیے۔ صحیح بخاری میں ابو ہریرہؓ سے روایت ہے جس میں اللہ کے رسُول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اگر حوا نہ ہوتیں تو کوئی عورت اپنے شوہر کے برخلاف شیطان کے کہنے میں نہ آتی[2] اس حدیث سے ان علماء کے قول کی بڑی تائید ہوتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ شیطان کے بہکانے سے پہلے حوا نے گیہوں کے دانے کھائے۔ اور پھر آدم علیہ السّلام کو بھی ان دانوں کے کھالینے کی رغبت دلائی اس قول کے موافق ولم نجد لہٗ عزمًا کا مطلب یہ ہے کہ اگر آدم علیہ السّلام کے مزاج میں شیطان کی مخالفت کی پوری ہمت ہوتی تو وُہ کبھی حوا کا کہنا ماننے میں جلدی نہ کرتے موضح القرآن میں یہی قول لیا گیا ہے لیکن بعضے سلف نے ولم نجد لہٗ عزمًا کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ آدم علیہ السّلام نے گیہوں کھانے کا کام کچھ دِل کے عزم سے نہیں کیا بلکہ بھول کر کیا ان آیتوں میں بھول کا جو لفظ ہے یہ مطلب اس کے موافق ہے دل کے مضبوط ارادہ کو عزم کہتے ہیں۔ حاصل

[1] فتح الباری ص ۸۱۴ ج ۱ باب الجہر بالمغرب [2] صحیح بخاری ص ۴۶۹ ج ۱ باب خلق آدم و ذریتہ

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى ﴿۱۱۶﴾ فَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ

اور جب کہا ہم نے فرشتوں کو سجدہ کرو آدم کو تو سجدہ میں گر پڑے مگر نہ مانا ابلیس نے پھر کہہ دیا ہم نے اے آدم

اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى ﴿۱۱۷﴾ اِنَّ لَكَ اَلَّا

یہ دشمن تیرا ہے اور تیرے جوڑے کا سو نکلوا نہ دے تم کو بہشت سے پھر تو تکلیف میں پڑے گا تجھ کو یہ ملا ہے کہ نہ

تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى ﴿۱۱۸﴾ لا وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى ﴿۱۱۹﴾ فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ

بھوکا ہو تو اس میں نہ ننگا اور یہ کہ نہ پیاس کھینچے تو اس میں نہ دھوپ۔ پھر جی میں ڈالا اس کے

الشَّيْطٰنُ قَالَ يٰٓاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ﴿۱۲۰﴾ فَاَكَلَا مِنْهَا

شیطان نے کہا اے آدم میں بتاؤں تجھ کو درخت سدا جینے کا اور بادشاہی جو پرانی نہ ہو پھر دونوں کھا گئے اس میں سے

کلام یہ ہے کہ ان آیتوں میں بھول کا لفظ موجود ہونے سے علماء نے اسی قول کو ترجیح دی ہے کہ انبیاء سے کبیرہ گناہ تو ہوتا ہی نہیں اور صغیرہ گناہ بھی جان بوجھ کر نہیں بلکہ بھول سے ہوتا ہے۔

۱۱۶-۱۲۳:۔ یہ قصہ سورۂ بقر اور سورۂ اعراف میں گزر چکا ہے حاصل اس قصہ کا یہ ہے کہ فرشتوں پر انسان کی بزرگی ظاہر ہو جانے کے لئے کعبہ کی طرح آدم علیہ السّلام کو قبلہ ٹھہرا کر جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو سجدہ کرنے کا حکم دیا تو سوائے شیطان کے اور سب فرشتوں نے اس حکم کی تعمیل کی اور فقط شیطان نے اس حکم کی تعمیل میں سرکشی کی راہ سے یہ عذر پیش کیا یا اللہ تو نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا ہے اور آدم کو مٹی سے اور آگ مٹی سے بہتر ہے اس لئے آدم کو قبلہ ٹھہرا کر میں سجدہ کیوں کر کر سکتا ہوں شیطان یہ نہ سمجھا کہ نور نار سے بہتر ہے پھر نوری فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل جب فوراً بلا عذر کر لی تو اس ناری جسم کو کسی عذر کے پیش کرنے کا کیا موقع باقی رہا۔ غرض اس سرکشی کی سزا میں اللہ تعالیٰ نے شیطان کو مردود ٹھہرا کر آسمان سے زمین پر اتار دیا اور آدم علیہ السّلام کو یہ جتلا دیا کہ تمہارے سبب سے شیطان کو یہ ذلت ہوئی ہے اسی واسطے شیطان تمہارا اور تمہاری بی بی حوا کا دشمن ہو گیا ہے وہ تم کو جنت سے زمین پر اتار دینے کی تدبیر کرے گا تم اس کا کہنا ہرگز نہ ماننا کیونکہ اگر تم نے شیطان کا کہنا مان کر جس درخت کے پھل سے تم کو روکا گیا ہے وہ پھل کھا لیا تو پھر تم کو زمین پر اتار دیا جائے گا جہاں تمہیں طرح طرح کی تکلیفیں اٹھانی پڑیں گی محنت سے کھیتی نہ کرو گے تو بھوکے اور کپڑوں کی تدبیر نہ کرو گے تو ننگے رہو گے ہاتھ سے پانی نہ بھرو گے تو پیاس اور دھوپ میں کھیتی کرو گے تو گرمی کی تکلیف اٹھاؤ گے۔ یہ جنت کی سی راحت جاتی رہے گی کہ میووں کی کثرت کے سبب سے کبھی بھوکے نہیں رہتے لباس وہ ہے کہ جو نہ کبھی پھٹ کر اترے گا نہ ننگے ہو گے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے قول کے موافق آدم علیہ السّلام اور حوا کا جنت میں لباس ایسا تھا جیسے ہاتھ پیروں کی انگلیوں کے ناخن ہیں پھر فرمایا جنت میں پانی کی نہریں جاری ہیں اور یہاں سورج نہیں ہے اس واسطے یہاں پیاس اور گرمی کی تکلیف نہیں اٹھانی پڑتی ہے اللہ سچا ہے اور اس کا علمِ غیب سچا ہے اس نے اپنے علمِ غیب کے موافق یہ بات جو آدمؑ کو جتلائی تھی کہ شیطان آدم علیہ السّلام کے اور ان کی بی بی حوا کے جنت سے نکلوا دینے کی تدبیر میں لگا ہوا ہے آخر اس کا ظہور یہ ہوا کہ شیطان نے آدم علیہ السّلام کے دل میں وسوسہ

فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۚ وَعَصٰىٓ اٰدَمُ

پھر کھل گئیں ان پر ان کی بری چیزیں اور لگے گانٹھنے اپنے اوپر پتے بہشت کے اور حکم ٹالا آدم نے اپنے

رَبَّهٗ فَغَوٰى ۝۱۲۱ ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى ۝۱۲۲ قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا

رب کا پھر راہ سے بہکا۔ پھر نوازا اس کو اس کے رب نے پھر متوجہ ہُوا اور راہ پر لایا فرمایا اترو یہاں سے

جَمِيْعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى ۙ فَمَنِ اتَّبَعَ

دونوں اکٹھے ایک دوسرے کے دشمن پھر کبھی پہنچے تم کو میری طرف سے راہ کی خبر پھر جو چلا میری بتائی

هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى ۝۱۲۳

راہ پر نہ وہ بہکے گا اور نہ تکلیف میں پڑے گا۔

ٹالا کہ اس درخت کے پھل سے آدم علیہ السلام کو اس لئے منع کیا گیا ہے کہ اگر آدم علیہ السلام اس پھل کو کھالیں گے تو ہمیشہ جنت میں رہیں گے آدم علیہ السلام اور حوا شیطان کے اس فریب میں آگئے اور دونوں نے گیہوں کے دانے کھالئے گیہوں کے دانے کھاتے ہی جنت کا لباس اُتر گیا اور دونوں ننگے ہو کر انجیر کے پتوں سے اپنے ستر کو ڈھانکنے لگے گیہوں کے کھانے سے اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو منع جو کیا تھا اس امتناعی حکم کا خیال آدم علیہ السلام نے نہیں رکھا اس لئے فرمایا کہ شیطان کے بہکانے سے آدم علیہ السلام بہک گئے اور انہوں نے اللہ کے حکم کو ٹال دیا لیکن اللہ نے آدم علیہ السلام کے حال پر یہ مہربانی کی کہ انہیں توبہ کی توفیق دے کر زمین پر اتار دینے کے بعد ان کی توبہ قبول کی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے قول کے موافق گناہ کے دو سو برس کے بعد آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہُوئی اب آگے آدم علیہ السلام اور شیطان کو زمین پر اتارنے کا حکم دے کر فرمایا کہ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو گئے مطلب یہ کہ شیطان اولادِ آدم کے بہکانے کی دشمنی سے کبھی باز نہ آئے گا لیکن آسمانی کتابیں اور رسُول بھیج کر قیامت تک اللہ تعالیٰ آدم کی اولاد کو شیطان کے پھندے سے بچنے کی ہدایت فرماتا رہے گا اس لئے جو لوگ اس ہدایت کے پابند بن کر شیطان کو اپنا دشمن اور رسُولوں کو اپنا پیشوا قرار دیں گے وُہ دُنیا میں شیطان کے پھندے سے اور عقبیٰ میں اس کے خمیازہ سے بچتے رہیں گے ترمذی نسائی وغیرہ کے حوالہ سے حارث اشعری کی صحیح روایت کئی جگہ گزر چکی ہے جس میں اللہ کے رسُول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ کی یاد سے بڑھ کر شیطان کے پھندے سے بچانے والی کوئی چیز دُنیا میں نہیں ہے[1]۔ اسی طرح مسند امام احمد اور مستدرک حاکم کے حوالہ سے ابو سعید خدریؓ کی روایت بھی کئی جگہ گزر چکی ہے[2] جس کا حاصل مطلب یہ ہے کہ شیطان جب ملعون ٹھہرایا جا کر آسمان پر سے نکالا جانے لگا تو اس نے اللہ تعالیٰ کے روبرو اولادِ آدم کے بہکانے کی قسم کھائی اس پر اللہ تعالیٰ نے اپنے جاہ و جلال کی قسم کھا کر فرمایا کہ اولادِ آدم میں سے جو شخص گناہ کر کے توبہ و استغفار کرتا رہے گا تو اللہ تعالیٰ بھی اس کے ہر طرح کے گناہ معاف کرتا رہے گا۔ ان حدیثوں کو آیتوں کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اگرچہ شیطان اولادِ آدم کے بہکانے کی دشمنی سے کبھی باز نہ آئے گا لیکن جو لوگ عبادتِ الٰہی اور گناہ کے بعد خالص دل سے توبہ استغفار میں

[1] تفسیر ہذا ص ۳۶۹ ج ۳ [2] مشکوٰۃ ص ۲۰۴ ج ۲

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ﴿۱۲۴﴾

اور جس نے منہ پھیرا میری یاد سے تو اس کو ملتی ہے گزران تنگی کی اور لاویں گے ہم اس کو قیامت کے دن اندھا۔

قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا ﴿۱۲۵﴾ قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا

وہ کہے گا اے رب میرے کیوں اٹھایا تو نے مجھ کو اندھا اور میں تو تھا دیکھتا۔ فرمایا یوں ہی پہنچی تھیں تجھ کو ہماری آیتیں

مصروف رہیں گے ان کے حق میں شیطان کی دشمنی بالکل رائیگاں جائے گی۔

۱۲۴۔۱۲۶:۔ اوپر کی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کے نازل فرمانے کا اور قرآن میں ہر طرح کی نصیحت کا تذکرہ ہونے کا ذکر فرمایا اس ذکر کی ذیل میں ایک ذکر یہ آگیا تھا کہ جب حضرت جبرئیل قرآن کی کوئی آیت لے کر آتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس خوف سے کہ آیت کا کوئی لفظ بھول نہ جائیں ساری آیت کو حضرت جبرئیل کے پورا کرنے سے پہلے ایک ایک دو دو لفظ جو حضرت جبرائیل کے منہ سے نکلتے جاتے ان کو یاد کرنے لگ جاتے اس واسطے اللہ تعالیٰ نے بیچ میں اپنے رسول کو یہاں اور سورۃ القیامہ میں یہ ہدایت فرمائی کہ حضرت جبرائیل جو اللہ کا حکم لاتے ہیں جب وہ اس کو پورا سنا دیا کریں اس وقت تم آیت کو یاد کرنا شروع کیا کرو پھر شیطان کا حضرت آدمؑ کو بہکانے اور حضرت آدم کے اس حکم الٰہی کے بھول جانے کا ذکر فرمایا جو اللہ تعالیٰ نے گیہوں کھانے کی ممانعت کا دیا تھا یہ ذکر اس لئے فرمایا کہ آنحضرتؐ جو بھول چوک کے خوف سے آیت کے لفظوں کو جلدی کرکے یاد کرتے تھے وہ بھی کچھ بیجا بات نہ تھی کیونکہ حضرت آدمؑ کے زمانہ سے شیطان کے بہکانے سے انسان کا کسی بات کو بھول جانا ہر ایک انسان کی ایک عادتی بات ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے سنقرءك فلا تنسٰی نازل فرما کر وحی میں بھول چوک کا دخل نہ ہونے کا وعدہ فرمالیا ہے اس لئے وحی میں اس عادت انسانی کا دخل باقی نہیں رہا سلف سے لے کر خلف تک تمام علماء امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ انبیاء کو حکم الٰہی کے پہنچانے میں غیب سے اس طرح کی حفاظت ہے کہ کبھی ان سے اس میں غلطی نہیں ہوتی آنحضرت چھ مہینے تک جادو کے اثر میں جن دنوں مبتلا رہے ان دنوں میں بھی دنیاوی بعضی باتوں میں آپ کو ایک طرح کی بھول رہی مگر دینی ابواب میں اس حفاظت غیبی کے سبب سے کبھی آپ نے کوئی بات بھول چوک کی نہیں کی حاصل کلام یہ ہے کہ اوپر کی آیتوں کی مناسبت کے سبب سے ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اولاد آدم میں سے ان لوگوں کا ذکر فرمایا ہے جو شیطان کے بہکانے سے قرآن شریف کی نصیحتوں کو بالکل سنتے ہی نہیں یا وہ لوگ جو قرآن کو یاد کر کے پھر غفلت سے بھلا دیتے ہیں جو لوگ قرآن شریف کی نصیحتوں پر بالکل ایمان نہیں لاتے اُن پر جو کچھ قبر میں اور قیامت قائم ہونے کے بعد دوزخ میں عذاب ہوگا اس کا ذکر تو جگہ جگہ قرآن شریف کی عذاب کی آیتوں میں آچکا ہے قرآن شریف کا پڑھ کر بھول جانا اکثر صحابہؓ کے نزدیک کبیرہ گناہ ہے ابوداؤد اور ترمذی میں حضرت انسؓ کی وہ حدیث جو ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میری امت کے گناہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے میرے روبرو لائے گئے تو قرآن شریف کے پڑھ کر بھول جانے سے بڑا کوئی گناہ میں نے نہیں پایا[1] اس حدیث کی سند ضعیف ہے اسی طرح ابوداؤد کی حضرت سعد بن عبادہؓ کی وہ حدیث جو ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ قرآن شریف پڑھ کر جو بھول جائے گا وہ قیامت کے دن کوڑھی ہو کر اٹھے گا[2]۔

---

[1] الترغیب ص ۲۶۱ ج ۱ الترہیب من نسیان القرآن الخ [2] ابوداؤد ص ۲۰۷ ج ۱ باب التشدید فی من حفظ القرآن الخ۔

فَنَسِيتَهَا ۚ وَكَذَٰلِكَ الْيَوْمَ تُنسَىٰ ﴿١٢٦﴾

پھر تونے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج تجھ کو بھلا دیں گے۔

اس کی سند بھی ضعیف ہے لیکن مسند امام احمد میں یہ حدیث دوسری سند سے حضرت عبادہ بن صامت سے آئی ہے اس لئے ایک سند سے دوسری سند کو تائید ہو کر قرآن شریف کے بھولنے والے کا کوڑھی ہو کر قیامت کے دن اٹھنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے سے ثابت ہے[1] اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو قیامت کی اس رسوائی سے بچائے اور سب مسلمانوں کو یہ توفیق دے کہ قرآن شریف پڑھ کر کوئی نہ بھولے حاصل مطلب ان آیتوں کا یہ ہے کہ جس شخص نے آسمانی کتاب اور اللہ کے رسول کو نہ مانا وہ مرتے ہی عذاب قبر میں گرفتار ہوگا معیشۃ ضنکا کی تفسیر میں اگرچہ سلف کے کئی قول ہیں لیکن حافظ ابو جعفر ابن جریر نے اپنی تفسیر میں عذاب قبر کی تفسیر کو ترجیح دی ہے معتبر سند سے مسند بزار میں ابو ہریرہؓ سے روایت ہے جس میں خود صاحب وحی صلی اللہ تعالیٰ وسلم نے معیشۃ ضنکا کی تفسیر عذاب قبر کی فرمائی ہے[2] آگے فرمایا کہ ایسا شخص قیامت کے دن اندھا اٹھے گا اور جب وہ عرض کرے گا کہ یا اللہ میں تو دنیا میں آنکھوں والا تھا تو جواب ملے گا کہ تو نے ظاہری آنکھوں سے اللہ کی قدرت کی نشانیوں کو نہیں دیکھا اور دل کی آنکھوں سے آسمانی کتاب کی نصیحت کو نہیں سمجھا اس لئے آج تو بھولے بسرے شخص کی طرح اللہ کی رحمت سے دور پڑ کر ظاہری اور دلی آنکھوں سے اندھا اٹھا دلی آنکھوں سے اندھا اٹھنے کا یہ مطلب ہے کہ اپنے بچاؤ کی کوئی بات ایسا شخص دل میں نہ سوچ سکے گا بلکہ جو بات سوچے گا وہ بچاؤ سے کوسوں دور ہوگی چنانچہ صحیح مسلم کے حوالہ سے ابو ہریرہؓ کی روایت کئی جگہ گزر چکی ہے کہ قیامت کے دن بعضے گناہ گار گناہوں کے انکار کو اپنے بچاؤ کا سبب خیال کریں گے لیکن اللہ تعالیٰ ان کے ہاتھ پیروں سے گناہوں کی گواہی دلوا کر ان کو دوزخ کے قابل ٹھہرائے[3] گا مسند امام احمد اور ابو داؤد میں براء بن عازبؓ کی صحیح روایت ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے عذاب قبر سے پناہ مانگنے کی ہدایت فرما کر فرمایا نافرمان لوگ جب قبر میں منکر نکیر کے سوالوں کا پورا جواب نہ دیں گے تو ان کی قبروں میں آگ کا فرش بچھا کر آگ کا لباس ان کو پہنا دیا جائے گا اور دوزخ کی گرم ہوا بھی ان کی قبروں میں آتی رہے گی اور ان کی قبروں کو یہاں تک تنگ کیا جائے گا کہ ان کی پسلیاں ٹوٹ جائیں گی اور ایک بہرہ گونگا فرشتہ لوہے کا ایسا بھاری ہتھوڑا لے کر آئے گا کہ اگر وہ ہتھوڑا پہاڑ پر بھی مارا جائے تو وہ پہاڑ مٹی ہو جائے یہ فرشتہ اس ہتھوڑے سے ہر وقت ان لوگوں کو مار مار کر ان کے جسموں کو خاک کر دے گا اور پھر اس خاک سے جسم بنایا جا کر اس میں روح پھونک دی جائے گی ایسے لوگوں پر یہی عذاب قیامت تک رہے[4] گا کیونکہ عذاب قبر کی میعاد قیامت تک کی ہے اسی واسطے آگے فرمایا قیامت کے دن کا عذاب قبر کے عذاب سے زیادہ سخت ہوگا براء بن العازبؓ کی اس حدیث کو اوپر کی ابو ہریرہؓ کی حدیث کی تفسیر کہا جاسکتا ہے کیونکہ ابو ہریرہؓ کی حدیث میں معیشۃ ضنکا کی تفسیر عذاب قبر کو قرار دیا گیا ہے اور اس براء بن عازب کی حدیث میں

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۱۶۹ ج ۳ [2] تفسیر ابن کثیر ص ۱۶۹ ج ۳

[3] صحیح مسلم ص ۴۰۹ ج ۲ فصل فی بیان ان الاعضاء منطقۃ شاہدۃ یوم القیامۃ [4] الترغیب ص ۲۸۹ ج ۲ فی ما ورد فی عذاب القبر و فتنتہ۔

وَكَذٰلِكَ نَجْزِىْ مَنْ اَسْرَفَ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ؕ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَ

اور اسی طرح بدلا دیں گے ہم اس کو جن نے ہاتھ چھوڑا اور یقین نہ لایا اپنے رب کی باتیں اور پچھلے گھر کا عذاب ہے سخت اور

اَبْقٰى ﴿۱۲۷﴾ اَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِىْ مَسٰكِنِهِمْ ؕ

بہت دیر رہتا سو کیا ان کو سوجھ نہ آئی اس سے کہ کتنی کھپا دیں ہم نے پہلے ان سے سنگتیں یہ پھرتے ہیں ان کے گھروں میں

عذاب قبر کی تفصیل ہے براء بن العازبؓ کی روایت میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو عذاب قبر سے پناہ مانگنے کی جو ہدایت فرمائی اس سے یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آسکتی ہے کہ گناہ گار کلمہ گو لوگوں پر بھی عذاب قبر ہو گا بعضے مفسروں نے معیشۃ ضنکا کی تفسیر قیامت کے دن کے عذاب کو جو ٹھہرایا ہے وہ تفسیر قوی معلوم نہیں ہوتی کیونکہ آگے آیت میں قیامت کے دن کے عذاب کا جُدا ذکر ہے اور یہ بھی ہے کہ جس عذاب کا ذکر معیشۃ ضنکا کے لفظوں سے کیا گیا ہے قیامت کے دن کا عذاب اس سے زیادہ سخت اور زیادہ دیر تک رہنے والا ہے علاوہ اس کے مسند بزار کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی معتبر روایت جو اوپر گزری معیشۃ ضنکا کی یہ دوسری تفسیر اس روایت کے بھی برخلاف ہے۔

۱۲۷:۔ اوپر ان لوگوں کا ذکر تھا جو قرآن کے اللہ کا کلام ہونے کے منکر ہیں جیسے اہل کتاب اور مشرکین مکہ اب اس آیت میں مشرکین مکہ کا یہ ذکر ہے کہ جس طرح منکرین قرآن پر عذاب قبر ہوگا جن کا ذکر اوپر گزرا اسی طرح ان لوگوں پر بھی ہوگا جو شرک میں گرفتار ہیں اور قرآن کے بھی منکر ہیں مسند امام احمد کے حوالہ سے حضرت عائشہؓ کی معتبر حدیث کئی جگہ گزر چکی ہے کہ منکر نکیر کے سوال کے بعد اچھے لوگوں کو ان کا جنت کا ٹھکانہ اور بُرے لوگوں کو ان کا دوزخ کا ٹھکانہ فرشتے دکھا کر یہ کہہ دیتے ہیں کہ ان ٹھکانوں میں رہنے کے لئے قیامت کے دن تم کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا ابوداؤد اور مسند امام احمد کے حوالہ سے براء بن العازبؓ کی صحیح حدیث جو اوپر کی آیتوں کی تفسیر میں گزری اس میں بھی ہے کہ بُرے لوگ قیامت کے قائم نہ ہونے کی ہمیشہ قبر میں دعا مانگتے رہتے ہیں۔ یہ حدیثیں ولعذاب الاخرۃ اشد وابقی کی گویا تفسیر ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ بُرے لوگ اپنے دوزخ کے ٹھکانے میں عذاب قبر سے زیادہ عذاب مرتے ہی دیکھ لیتے ہیں اس لئے اس کے آگے عذاب قبر کو غنیمت جان کر یہ دُعا مانگتے رہتے ہیں کہ قیامت قائم نہ ہو اور ان کو دوزخ کے ٹھکانے میں نہ رہنا پڑے تو اچھا ہے۔

۱۲۸۔۱۲۹:۔ اوپر عذاب قبر اور عذاب آخرت کا ذکر تھا ان آیتوں میں فرمایا اس عذاب کی قدر تو مرنے کے بعد کھل جائے گی لیکن دُنیا میں سوداگری کی غرض سے یہ لوگ اکثر ملک شام کا سفر کرتے رہتے ہیں اور اس سفر میں قوم ثمود اور قوم لوط کی اُجڑی ہوئی بستیاں انہیں نظر آیا کرتی ہیں ان بستیوں کو دیکھ کر ان میں کے سمجھ دار لوگوں کو کیا یہ عبرت نہیں ہوتی کہ جو کوئی ان اُجڑی ہوئی قوموں کے قدم بقدم چلے گا اس کا بھی مرنے سے پہلے وہی انجام اللہ کی قدرت سے کچھ بعید نہیں ہے جو انجام ان اجڑی ہوئی قوموں کا ہوا پھر فرمایا ان لوگوں کی سرکشی تو یہاں تک بڑھ گئی ہے کہ اب تک سوائے مکہ کے قحط کے اور کسی عذاب کی ایسی بلا ان کو آن کر چمٹ جاتی جس سے انہیں پیچھا چھڑانا مشکل ہو جاتا لیکن اللہ

ا؎ الترغیب ص ۲۸۸ ج ۲ باب فی ما ورد فی سوال القبر ونعیمہ

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی النُّهٰى ﴿۱۲۸﴾ وَ لَوْ لَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَكَانَ

اس میں خوب پتے ہیں عقل والوں کو اور کبھی نہ ہوتی ایک بات نکل گئی تیرے رب سے تو مقرر ہوتا

لِزَامًا وَّ اَجَلٌ مُّسَمًّى ﴿۱۲۹﴾ؕ

عذاب کا آجانا اور جو نہ ہوتا وعدہ ٹھہرایا۔

تعالیٰ کے علمِ غیب کے موافق دُنیا کے پیدا ہونے سے پچاس ہزار برس پہلے دنیا کا ایک انتظام قرار پاکر ہر کام کا وقت مقرر ہو چکا ہے، اس وقت مقررہ تک اگر یہ لوگ اپنی سرکشی سے باز نہ آئے تو علاوہ عذابِ قبر اور عذابِ قیامت کے دنیا میں بھی ان پر کوئی ایسی سخت آفت آجاوے گی جس سے ان کی ساری سرکشی خاک میں مل جاوے گی، اللہ تعالیٰ سچا ہے اللہ تعالیٰ کا کلام سچا ہے، اس مکّی سورت کے نازل ہونے کے کچھ عرصہ کے بعد بدر کی لڑائی کے وقت اہلِ مکہ میں کے بڑے بڑے سرکشوں پر آفت آجانے کا وقت مقررہ آن پہنچا کہ دُنیا میں یہ لوگ بڑی ذلت سے مارے گئے اور مرتے ہی عذابِ قبر میں گرفتار ہو گئے، جس عذاب کے جتلانے کو اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کی لاشوں پر کھڑے ہو کر یہ فرمایا کہ اب تو تم لوگوں نے اللہ کے وعدے کو سچا پالیا، چنانچہ صحیح بخاری ومسلم کی انس رضی اللہ عنہ بن مالک کی روایت سے یہ قصہ کئی جگہ گزر چکا ہے[1] صحیح مسلم کے حوالہ سے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص کی حدیث بھی کئی جگہ گزر چکی ہے[2]، جس میں اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا کے پیدا کرنے سے پچاس ہزار برس پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنے علمِ غیب کے نتیجہ کے طور پر جو کچھ دنیا میں ہونے والا تھا وُہ سب لوحِ محفوظ میں لکھ لیا ہے اس حدیث سے یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آجاتی ہے کہ دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے وُہ لوحِ محفوظ کے لکھے کے موافق وقت مقررہ پر ہوتا ہے، وقت مقررہ سے پہلے سرکشی کے طور پر اہلِ مکہ عذاب کی جلدی کرتے رہے مگر عذاب نہ آیا، وقت مقررہ کے آتے ہی ایسی سخت آفت آئی کہ ان میں کے بڑے بڑے سرکشوں کی ساری سرکشی خاک میں مل گئی، مکہ کے قحط کا قصہ صحیح بخاری کی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کے حوالہ سے کئی جگہ گزر چکا ہے[3] کہ قریش نے جب بہت سرکشی اختیار کی تو اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کی بددُعا سے مکہ میں سخت قحط پڑا۔ یہ اوپر گزر چکا ہے کہ قرآن شریف میں لفظ وہی ہیں جو اہل مکہ رات دن بولتے تھے، مگر ان ہی لفظوں کا برتاؤ قرآن شریف میں اس طرز سے بیان کیا گیا ہے، جس طرزِ بیان کو سُن کر اہلِ مکہ میں کے منکر قرآن کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے جیسے مثلاً ان آیتوں میں آخری آیت کا مطلب یہ تھا، ولولا کلمة سبقت من ربك واجل مسمی لکان لزاما قرآن شریف کی طرزِ ادائے مطلب میں واجل مسمی کو لکان لزاما کے بعد ذکر کیا جا کر دُوسری آیت کے فاصبر علی ما یقولون سے اس کو ملا دیا جس سے یہ مطلب نکلا کہ اہلِ مکہ کے دنیاوی عذاب کا وقت مقررہ گویا اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کی صبر کی مدت سے ملا ہوا ہے کچھ بہت دُور نہیں ہے اور پھر لفظوں کے آگے پیچھے کر دینے سے علم غیب کا جو مطلب آیت میں جتلایا گیا تھا، اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ دنوں صبر کرنے کے بعد بدر کی لڑائی کے

[1] بحوالہ مشکوٰۃ ص ۳۵۵۔ باب حکم الاسراء [2] بحوالہ مشکوٰۃ باب الایمان بالقدر فصل اوّل [3] صحیح بخاری ص ۷۱۴، ج ۲ تفسیر سورۃ الدخان۔

فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا ۚ

سو تو سہتا رہ جو کہیں اور پڑھتا رہ خوبیاں اپنے رب کی سورج نکلنے سے پہلے اور سورج کے غروب سے پہلے

وقت اس کا ظہور بھی ویسا ہی ہُوا۔ حاصلِ کلام یہ ہے کہ قرآن شریف کی ایسی ہی باتوں نے مخالفوں کو قرآن شریف کے مقابلہ سے عاجز کر دیا تھا۔ اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم کے آگے نہ انسان کے علم کی کچھ حقیقت ہے نہ جنات کے علم کی اب اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کے موافق جس طرزِ بیان سے قرآن شریف کے لفظوں کا برتاؤ کیا ہے اور غیب کی خبریں اس برتاؤ سے بیان کی گئی ہیں، کسی کی کیا طاقت ہے کہ اس کا مقابلہ کر سکے، اسی واسطے سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا کہ انسان اور جنات دونوں جمع ہو کر بھی اس قرآن کے مقابلہ کا ارادہ کریں تو عاجز آجاویں، موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام کے قصہ میں صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت گزر چکی ہے جس میں خضر علیہ السلام نے اللہ کے علم کو دریا اور مخلوق کے علم کو اس دریا میں کے ایک قطرہ کی مثال سے سمجھایا ہے[1]، اس حدیث سے یہ مطلب اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے کہ قرآن اللہ تعالیٰ نے اپنے حکم کے موافق نازل فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلہ میں مخلوق کا علم ایسا ہے جس طرح دریا کے مقابلہ میں پانی کا ایک قطرہ، پھر ایک قطرہ کی کیا ہستی ہے، جو دریا کا مقابلہ کرے، اس لئے مخلوقات میں سے کسی کو یہ طاقت نہیں کہ وُہ قرآن کا مقابلہ کر سکے۔

۱۳۰۔ بعضے مفسروں نے آیت کے اس ٹکڑے کو درگزر کی آیتوں میں گن کر آیتِ جہاد سے اس کو منسوخ لکھا ہے لیکن اوپر بیان ہو چکا ہے کہ درگذر کی کوئی آیت جہاد کے حکم سے منسوخ نہیں ہے، مکّہ کے مشرک لوگ بھی اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیوانہ کہتے تھے، کبھی شاعر، کبھی جادوگر، اس پر فرمایا اے رسُول اللہ کے یہ تو تمہیں جتلا دیا گیا ہے کہ اللہ کے انتظام میں ہر کام کا وقت مقرر ہے اس کے آنے تک کچھ دنوں صبر کرنا اور رات دن میں جو نمازیں اللہ تعالیٰ نے تم پر فرض کر دی ہیں دل لگا کر ان میں مصروف رہنا چاہیئے، تمہارے صبر اور تمہاری عبادت کا بدلہ دنیا اور آخرت میں وقت مقررہ پر اتنا ملے گا کہ تم خوش ہو جاؤ گے اللہ سچا ہے، اللہ کا وعدہ سچا ہے، جن بتوں کی حمایت میں مکّہ کے مشرک لوگ اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کی ذلت کے درپے تھے اور آپ کو دیوانہ کہتے تھے، کچھ دنوں کے صبر کے بعد دنیا میں تو آیت کے وعدہ کا یہ ظہور ہُوا کہ فتح مکّہ کے وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے رسُول کے ہاتھ سے ان بتوں کو خوب ذلیل کروایا چنانچہ صحیح بخاری کے حوالہ سے عبداللہ[2] بن مسعودؓ اور صحیح مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہؓ[3] کی روایت کئی جگہ گزر چکی ہے کہ فتح مکّہ کے وقت اللہ کے رسُول نے اپنے ہاتھ کی لکڑی مار مار کر ان بتوں کو زمین میں ڈال دیا اور کسی مشرک نے دم نہیں مارا اور آخرت میں آیت کے وعدہ کا یہ ظہور ہو گا کہ امت میں کے جن گنہ گاروں کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہو گا آپ کی سفارش سے وُہ جنت میں داخل ہوں گے چنانچہ صحیح بخاری و مسلم میں ابوسعید[4] خدری کی روایت سے شفاعت کی ایک بڑی حدیث ہے جس میں اس کا ذکر تفصیل سے ہے، اس سفارش کے قبول ہو جانے سے آپ کا دل بہت خوش ہو گا، چنانچہ صحیح مسلم[5] میں عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ

[1] نیز دیکھئے صحیح بخاری ص ۲۳ ج ۱ باب ما یستحب للعالم اذا سئل ای الناس اعلم [2] صحیح بخاری ص ۶۸۶ ج ۲، کتاب التفسیر، [3] صحیح مسلم ص ۱۰۲ ج ۲ [4] مشکوٰۃ ص ۴۸۹ باب الحوض والشفاعۃ، [5] باب دعاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم لامتہ و بکائہ و شفقتہ علیہم۔

وَمِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى ﴿۱۳۰﴾

اور کچھ گھڑیوں میں رات کی پڑھا کر اور دن کی حدوں پر شاید تو راضی ہوگا۔

کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے دن کا اپنی امت کا انجام یاد کرکے رونے لگے، اسی وقت جبرائیل علیہ السلام آئے اور کہا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے رسُول اللہ کے رونے کی کوئی بات نہیں ہے قیامت کے دن تمہاری امت کے ساتھ وہ برتاؤ کیا جاوے گا کہ تم خوش ہو جاؤ گے، ابو سعیدؓ خدری کی حدیث عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث کی گویا تفسیر ہے کیونکہ عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث میں اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کی قیامت کے دن کی خوشی کا ذکر مبہم طور پر تھا۔ ابو سعید خدری کی حدیث سے معلوم ہوگیا کہ وہ خوشی یہی ہوگی کہ امتِ محمدیہ میں کے جن گنہ گاروں کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا، آپ کی سفارش سے وہ لوگ دوزخ میں سے نکالے جا کر جنت میں داخل کئے جاویں گے، سُورج کے نکلنے سے پہلے جس نماز کا حکم ہے وہ صبح کی نماز ہے اور سُورج کے غروب سے پہلے عصر کی، رات دن کی گھڑیوں میں مغرب اور عشاء کی دونوں نمازیں ہیں، دن کے چڑھتے حصّہ کے ختم اور ڈھلتے حصّہ کے شروع میں ظہر کی نماز ہے حاصل کلام یہ ہے کہ اس طرح مختصر طور پر آیت میں پانچ نمازوں کا حکم ہے اور اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حکم کی تعمیل جس طرح کی ہے، اس کی تفصیل صحیح مسلم کی ابو موسیٰ اشعری اور بریدہ اسلمی کی روایتوں[1] میں ہے، جن روایتوں کا حاصل یہ ہے کہ ایک شخص نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پانچوں نمازوں کا وقت پوچھا تھا، آپ نے اس شخص کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ شخص دو دن تک آپ کے ساتھ نماز پڑھے، اس حکم کے بعد ہر نماز کا اوّل اور آخر وقت بھلانے کے لئے پہلے دن صبح کی نماز آپ نے صبح صادق کے شروع ہوتے ہی پڑھی اور دوسرے دن سورج کے نکلنے کے قریب پھر ظہر کی نماز پہلے دن سورج ڈھلتے ہی پڑھی اور دُوسرے دن ایسے وقت پر پڑھی کہ نماز سے فارغ ہوتے ہی سوائے سایہ اصلی کے، ہر چیز کا سایہ ہر چیز کی لمبائی کے برابر ہو کر عصر کا اوّل وقت آگیا، سورج کے ڈھلنے سے پہلے ہر ایک چیز کا سایہ گھٹتا جاتا ہے اور سُورج کے ڈھلنے کے بعد بڑھتا جاتا ہے، ٹھیک دوپہر کو ہر چیز کے نیچے تھوڑا سا سایہ ایسا ہوتا ہے کہ جو کچھ دیر کے لئے نہ گھٹتا ہے نہ بڑھتا ہے اسی کو سایہ اصلی کہتے ہیں، عصر کی نماز پہلے دن ایسے وقت پر پڑھی کہ سوائے سایہ اصلی کے ہر چیز کا سایہ اس چیز کی لمبائی کے برابر ہوگیا تھا اور دُوسرے دن دھوپ پر زردی آجانے کے قریب پھر مغرب کی نماز پہلے دن سورج غروب ہوتے ہی پڑھی اور دوسرے دن شفق کے غروب ہونے کے قریب عشاء کی نماز پہلے دن شفق کے غروب ہوتے ہی پڑھی اور دُوسرے دن رات کا تہائی حصّہ گزر جانے کے قریب، سورج کے غروب ہو جانے کے بعد کچھ دیر تک آسمان پر ایک سُرخی جو رہتی ہے، اس کو شفق کہتے ہیں یا اس سرخی کے جاتے رہنے کے بعد بہت دیر تک آسمان پر ایک سفیدی جو رہتی ہے اس کو شفق کہتے ہیں اس میں اور نمازوں کے وقت جو اوپر بیان کئے گئے ہیں ان میں علماء کا اختلاف ہے جس کی تفصیل فقہ کی کتابوں[2] میں ہے، دو دن کی نمازیں پوری ہو جانے کے بعد اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نمازوں کا وقت دونوں دن کے وقتوں کے بیچ میں ہے۔ یہ تو سورہ بنی اسرائیل میں گزر چکا ہے کہ پانچوں نمازیں معراج کی رات فرض ہوئی ہیں اور پھر معراج کی رات گزر جانے کے بعد صبح کو جبرائیل علیہ السلام آئے[3] اور

[1] صحیح مسلم ص ۲۲۳ ج ۲، باب اوقات الصلوات الخمس [2] مثلاً نیل الاوطار (ابواب المواقیت) وغیرہ [3] فتح الباری ص ۲۹۷ ج ۱ طبع دہلی

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۵

اور نہ پسار اپنی آنکھیں اس چیز پر جو برتنے کو دی ہم نے ان بھانت بھانت لوگوں کو رونق دنیا کی جیتے،

انہوں نے دو دن تک امامت کر کے دس نمازیں پڑھائیں اور یہی کہا کہ جن وقتوں پر یہ دس نمازیں پڑھائی گئی ہیں ان کے بیچ میں پانچوں نمازوں کا وقت ہے جبرئیل علیہ السلام کی یہ حدیث ترمذی، صحیح ابن حبان، مستدرک حاکم میں جابر بن عبداللہؓ کی روایت[1] سے ہے۔ ترمذی نے امام بخاری کے قول کے حوالہ سے اس حدیث کو صحیح کہا ہے[2]۔ جابر بن عبداللہ کی اسی روایت میں مغرب کا وقت دونوں دن سورج کے غروب ہو جانے کا ہے شفق کے غروب ہونے کے قریب کا، دوسرا وقت نہیں ہے، علماء نے اس اختلاف کو یوں رفع کیا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام کی امامت کا قصہ ہجرت سے پہلے کا ہے اور نمازوں کے وقت پوچھنے والے شخص کا قصہ مدینہ کا ہے اور اس کی روایت بھی صحیح مسلم[3] میں ہے اس واسطے ترجیح اسی روایت کو ہے ہجرت سے پہلے فقط نماز ہی فرض تھی اس لئے آیت میں فقط نماز ہی کا ذکر ہے زکوٰۃ حج اور رمضان کے روزوں کا ذکر نہیں ہے

۱۳۱: مسند بزار، مسند ابو یعلی، مصنف ابن ابی شیبہ، تفسیر ابن مردویہ وغیرہ[4] میں جو شان نزول اس آیت کی ابو رافعؓ کی روایت سے بیان کی گئی ہے اس میں ابو رافعؓ کہتے ہیں، آنحضرتؐ کے گھر میں ایک روز کوئی مہمان آیا تھا اور آنحضرتؐ کے گھر میں اس روز کچھ کھانے کو نہیں تھا اس واسطے آنحضرتؐ نے مجھ کو ایک یہودی سے کچھ آٹا قرض لینے کو بھیجا۔ اس یہودی نے جواب دیا کہ بغیر کوئی چیز گروی رکھنے کے میں قرض نہیں دیتا۔ آنحضرتؐ کو اس یہودی کا جواب سن کر بڑا رنج ہوا اور آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے زمین اور آسمان میں مجھ کو صاحب اعتبار کیا ہے بغیر کسی چیز کے گروی رکھنے کے وہ آٹا قرض دیتا تو ضرور میں اس کا قرضہ ادا کر دیتا۔ پھر آپ نے اپنی زرہ گروی رکھنے کو دی، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی، حاصل معنی آیت کے یہ ہیں کہ بد دین لوگوں کو دنیا میں چند روز کے لئے خدا تعالیٰ نے کچھ ثروت یا کچھ خوش حالی جو دی ہے، نیک لوگوں کو اس پر کچھ نظر نہیں ڈالنی چاہئے کیونکہ نیک لوگوں کے لئے عاقبت میں جو کچھ خدا نے ہمیشہ کے لئے رکھا ہے اس کے مقابلہ میں اس دنیا کی چند روزہ ثروت اور خوشحالی کی کچھ حقیقت نہیں ہے اور دنیا میں ان لوگوں کو خدا تعالیٰ نے جو کچھ خوش حالی دی ہے وہ فقط خفگی کے لئے دی ہے کہ خوش حالی کے سبب سے ان کی اور سرکشی بڑھے پھر ان سے ایک ہی دفعہ مواخذہ کیا جاوے گا مسند امام احمد ترمذی اور ابن ماجہ میں حضرت سہل بن سعد سے روایت[5] ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا کی خوشحالی کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک مچھر کے پر کے برابر بھی اگر قدر و منزلت ہوتی تو کسی منکر شریعت کو میٹھے پانی کا ایک گھونٹ تک بھی پینے کو اللہ تعالیٰ نہ دیتا، ترمذی نے اس حدیث کو صحیح[6] کہا ہے معتبر سند سے مسند امام احمد، شعب الایمان بیہقی، تفسیر ابن ابی حاتم، تفسیر ابن المنذر وغیرہ میں عقبہ بن عامر سے روایت[7] ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کسی شخص کو باوجود بد دینی کے دنیا میں فراغت اور خوشحالی سے رکھتا ہے تو

[1] نیل الاوطار ص ۳۸۱ ج ۱ [2] جامع ترمذی مع تحفۃ الاحوذی ص ۱۴۱ ج ۱، [3] تفسیر الدر المنثور ص ۳۱۲ ج ۴ [4] مشکوٰۃ ص ۴۴۱ کتاب الرقاق، فصل ثانی [5] الترغیب والترہیب ص ۲۰۱ ج ۴ [6] تفسیر الدر المنثور ص ۳۱۲ ج ۴ و مشکوٰۃ [7] ص ۲۲۳ ج ۱ بروایت عبداللہ بن عمرؓ عنہ شرح صحیح مسلم امام نووی ص ۲۲۲ ج ۱۔

لِنَفْتِنَهُمْ فِيهِ ۚ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّأَبْقَىٰ ﴿١٣١﴾

ان کے جانچنے کو اور تیرے رب کی دی روزی بہتر ہے اور دیر رہنے والی -

جان لو کہ وُہ خوش حالی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک جانچ ہے پھر آپ نے قرآن شریف کی یہ آیت پڑھی فلما نسوا ما ذکروا بہ فتحنا علیھم ابواب کل شیء الآیۃ جس کا مطلب یہ ہے کہ جب لوگ وعظ و نصیحت پر عمل نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ ان کی دنیا کی سب مرادیں پوری کر دیتا ہے، پھر ایک دفعہ ہی ان کو پکڑ لیتا ہے، حاصل کلام یہ ہے کہ دنیا کی زیادہ خوشحالی دیندار کے لیئے اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایسی ہے، جیسے بیمار آدمی کے لئے بدپرہیزی کی چیز چنانچہ مستدرک حاکم، صحیح ابن حبان اور طبرانی میں معتبر سند سے ابو سعیدؓ خدریؓ، رافع بن خدیجؓ اور ابی قتادہؓ کی روایتیں ہیں، جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی مثال بیان فرمائی ہے کہ دیندار شخص کو اللہ تعالیٰ دنیا سے اسی طرح بچاتا ہے جس طرح کوئی شخص اپنے بیمار آدمی کو بدپرہیزی کی چیز سے بچاتا ہے پھر یہ ایک عادتی بات ہے کہ جس طرح بیمار کی زیست کی توقع نہیں رہتی اس کا پرہیز توڑ دیا جاتا ہے اور جو کچھ کھانے پینے کو وُہ بیمار مانگتا ہے وُہ اس کو دے دیا جاتا ہے اسی طرح جو لوگ اس طرح کے ناامید بیمار کی حالت تک حرص دنیا میں پہنچ جاتے ہیں کہ آخرت کی بہبودی سے بالکل ناامید ہو جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی دُنیا کی سب تمنا پوری کر دیتا ہے اور وُہ پرہیز ان کا توڑ دیتا ہے جو دین داروں کے لئے اللہ تعالیٰ نے رکھا ہے۔ پھر جس طرح بدپرہیز بیمار فوراً ہلاک ہو جاتا ہے اسی طرح ایسے لوگوں سے مؤاخذہ ہو جاتا ہے، یہ ابو رافعؓ اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کے پروردہ ہیں ان کا نام ابراہیم ہے، ابو رافعؓ کی یہ شانِ نزول کی روایت تفسیر اسحاق بن راہویہ، اور تفسیر محمد بن ابراہیم ابن منذر میں بھی ہے۔ یہ دونوں کتابیں ۳۰۰ھ کی معتبر تفسیروں میں ہیں، یہ اسحاق بن راہویہ فن حدیث میں امیر المؤمنین مشہور اور امام بخاریؒ کے استادوں میں ہیں، امام بخاریؒ نے ان ہی کی ترغیب سے صحیح بخاری کی تالیف کی ہے چنانچہ حافظ ابن حجرؒ نے مقدمہ فتح الباری شرح صحیح بخاری میں صحیح سند سے امام بخاری کا قول لکھا ہے جس میں امام بخاریؒ نے یہ بات جتلائی ہے کہ صحیح بخاری ان کے استاد اسحاق بن راہویہ کی ترغیب سے انہوں نے تالیف کی ہے نیشاپور کے علماء میں یہ محمد بن ابراہیم بن المنذر مشہور اور ان کی تالیف کی کتابیں معتبر ہیں، صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابو ہریرہؓ کی حدیث قدسی کئی جگہ گزر چکی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا، نیک لوگوں کے لئے جنت میں جو نعمتیں پیدا کی گئی ہیں وُہ نہ دُنیا میں کسی نے آنکھوں سے دیکھیں، نہ کانوں سے سنیں، نہ کسی دل میں ان کا خیال گزر سکتا ہے، صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے عبداللہ بن عمرؓ کی روایت بھی گزر چکی ہے جس میں اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب ہمیشہ کے دوزخ میں رہنے والے دوزخی دوزخ میں رہ جاویں گے تو موت کو ذبح کیا جا کر جنتیوں اور دوزخیوں کو یہ حکم سنا دیا جاوے گا کہ یہ نعمتیں ہمیشہ رہیں گی اور جو شخص جہاں ہے، ہمیشہ وہیں دوزخ اور جنت میں رہے گا، یہ حدیثیں ورزق ربك خیر وابقی کی گویا تفسیر ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ عقبیٰ کی خوشحالی کے آگے دنیا کی خوشحالی کی کچھ حقیقت نہیں، کیونکہ دنیا کی خوشحالی میں جو راحت کی چیزیں

[1] الترغیب والترہیب ص ۳۲ ج ۴ [2] ایضاً [3] مشکوٰۃ ص ۴۴۸ باب فضل الفقراء [4] تفسیر الدر المنثور ص ۳۱۳ ج ۴ مگر الفاظ مختلف ہیں [5] مشکوٰۃ باب صفۃ اہل الجنۃ ص ۴۹۵ [6] بحوالہ مشکوٰۃ ص ۴۹۳، باب الحوض والشفاعۃ،

وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ۖ لَا نَسْأَلُكَ رِزْقًا ۖ نَّحْنُ نَرْزُقُكَ ۗ

اور حکم کر اپنے گھر والوں کو نماز کا اور آپ قائم رہ اس پر ہم نہیں مانگتے تجھ سے روزی ہم روزی دیتے ہیں تجھ کو

وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ﴿۱۳۲﴾

اور آخر بھلا ہے پرہیز گاری کا۔

ہیں، ان میں کوئی چیز ایسی نہیں کہ جو نہ کسی نے آنکھوں سے دیکھی ہوں نہ کانوں سے سُنی ہوں، نہ کسی کے دل میں اس کا خیال گزرا ہو اسی طرح دنیا کی راحت کی چیزوں اور ان کے برتنے والوں کے پیچھے ہر وقت فنا اور موت لگی ہوئی ہے عقبیٰ کی راحت کی چیزوں کو ایسی ہمیشگی ہے کہ ان کے برتنے والوں کو نہ کبھی موت کا اندیشہ ہے، نہ وُہ راحت کی چیزیں نبٹرنے والی ہیں،

۱۳۲۔ ۔اوپر نمازوں کا حکم فرما کر اس آیت میں فرمایا اے رسول اللہ کے اس حکم کے موافق تم بھی نماز میں مصروف رہو اور اپنے گھر والوں کو بھی نماز میں مصروف رہنے کی تاکید کرو کیونکہ دنیا کے بادشاہ لوگ اپنی رعایا کی کمائی میں سے حصّہ مانگتے ہیں اللہ تعالیٰ کی بادشاہت ایسی نہیں کہ اس کو کسی کی کمائی کی محتاجی ہو، وُہ آپ سب کو رزق دیتا ہے اس نے تو جنّات اور انسان کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ یہ سب اس کو اپنا معبود جان کر اس کی عبادت خالص دل سے کریں اور وُہ ان کی محنت سے بڑھ کر ان کو بدلہ دیوے اور دنیا میں اگرچہ وُہ نیک و بد سب کو رزق دیتا ہے لیکن عقبیٰ میں محنت سے بڑھ کر بدلہ ان ہی لوگوں کو ملے گا جو عقبیٰ کے بدلہ کی نیت سے نیک کام کرتے اور بُرے کاموں سے بچتے ہیں، جو لوگ عقبیٰ کے منکر ہیں اگر وُہ رسم کے طور پر نیک کام کریں گے تو اس کا بدلہ ان کو دنیا میں ہی مل جاوے گا، نہ عقبیٰ کے بدلہ کا انہیں یقین ہے نہ ان کو عقبیٰ میں کچھ بدلہ ملنے والا ہے۔ صحیح بخاری و مسلم میں عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت[1] ہے جس میں اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ماں کے پیٹ میں جب بچّہ کا پتلا تیار ہو جاتا ہے تو اس میں رُوح کے پھونکے جانے سے پہلے اس کی تمام عمر کا رزق اللہ کے حکم سے فرشتہ لکھ لیتا ہے یہ حدیث نَحْنُ نَرْزُقُكَ کی گویا تفسیر ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ انسان کے پتلے میں جان پڑنے سے پہلے اس کے رزق کا انتظام اللہ تعالیٰ کے کارخانہ قدرت میں ہو جاتا ہے صحیح مسلم کے حوالہ سے ابو ہریرہؓ کی حدیث[2] ایک جگہ گزر چکی ہے جس میں اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو لوگ عقبیٰ کے منکر ہیں وُہ رسم کے طور پر دنیا میں کوئی نیک کام کرتے ہیں تو ان کو اس کا بدلہ دنیا ہی میں مل جاتا ہے عقبیٰ کے اجر کی نیت سے ان کا نہ کوئی نیک کام ہوتا ہے نہ ان کو کوئی اجر عقبیٰ میں ملنے والا ہے۔ صحیح بخاری[3] و مسلم میں ابو ہریرہؓ سے روایتیں ہیں، جن میں اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس طرح کسی شخص کے دروازہ پر نہر ہو اور وُہ ہر روز پانچ دفعہ اس نہر میں نہا دے تو اس کے پنڈے پر میل کچیل کچھ نہ رہے گا۔ اسی طرح پانچوں وقت کی نماز کے پڑھنے سے ایک رات دن کے آدمی کے صغیرہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں، صحیح مسلم کے حوالہ سے ابو ہریرہؓ کی یہ حدیث کئی جگہ گزر چکی ہے[4]، جس میں اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھا کر فرمایا، اللہ تعالیٰ کو گنہ گار بندوں کے گناہ معاف کر دینے کی

[1] مشکوٰۃ ص ۲۰ باب الایمان بالقدر [2] بحوالہ مشکوٰۃ ص ۴۳ کتاب العلم [3] مشکوٰۃ ص ۵۷، کتاب الصلوٰۃ۔
[4] بحوالہ مشکوٰۃ ص ۲۰۳ باب الاستغفار والتوبۃ۔

وَقَالُوْا لَوْلَا يَأْتِيْنَا بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ اَوَلَمْ تَاْتِهِمْ بَيِّنَةُ مَا فِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ﴿١٣٣﴾

اور لوگ کہتے ہیں یہ کیوں نہیں لے آتا ہم پاس کوئی نشانی اپنے رب سے کیا پہنچ نہیں چکی ان کو نشانی اگلی کتابوں کی۔

وَلَوْ اَنَّآ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا

اور اگر ہم کھپا دیتے ان کو کسی آفت میں ان سے پہلے تو کہتے اے رب کیوں نہ بھیجا ہم تک کسی کو پیغام لے کر

صفت ایسی پیاری ہے کہ زمین پر حال میں جو لوگ بستے ہیں اگر وُہ گناہ نہ کریں تو ان کی جگہ اللہ تعالیٰ اور گنہ گار مخلوق کو پیدا کرے اور گناہوں کے بعد توبہ کی توفیق دے کر اس گنہ گار مخلوق کے گناہ معاف فرما دے۔ ان حدیثوں کو آیت کے ساتھ ملانے سے یہ مطلب ہُوا کہ جو لوگ پانچوں وقت کی نماز کے اور کبیرہ گناہ کے بعد توبہ و استغفار کے پابند ہیں، ان کے صغیرہ گناہ نماز کی برکت اور کبیرہ گناہ خالص دل کی توبہ سے اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتا ہے جس سے قیامت کے دن عملوں کے تولے جانے کے وقت ان کے بدی کے پلڑے ہلکے ہو جاویں گے جس سے ایسے لوگوں کی نجات کی اللہ کی ذات سے پوری توقع ہے۔

۱۳۳-۱۳۴: مشرکین مکہ اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کہتے تھے کہ اگر یہ سچے رسُول ہیں تو مثلاً جس طرح صالح علیہ السلام نے اونٹنی کے پتھر میں سے پیدا ہو جانے کا ظاہر ظاہر معجزہ اپنی قوم کے لوگوں کو دکھلا دیا، اسی طرح یہ رسُول ہم کو کوئی ظاہر ظاہر معجزہ کیوں نہیں دکھلاتے، مشرکین کی اس بات کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اَن پڑھ رسُول کی معرفت پچھلی کتابوں کے سچے قصے جو ان لوگوں نے سُنے ہیں کیا اس سے اتنی بات ان لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتی کہ اَن پڑھ شخص تو درکنار کوئی اہلِ کتاب بھی وُہ غیب کے سچے قصے بغیر آسمانی کتاب کی مدد کے نہیں بیان کر سکتا تو اب اس میں کیا شک باقی رہا کہ قرآن کتاب آسمانی ہے اور جن پر یہ قرآن نازل ہوتا ہے، وُہ اللہ کے سچے رسُول ہیں اور اسی آسمانی کتاب کی مدد سے اللہ کے رسُول وُہ غیب کی باتیں بیان کرتے ہیں، اگر معجزہ دیکھ کر ان لوگوں کا سچا ارادہ راہ راست پر آنے کا ہے تو ایک ہی معجزہ ان کو کافی ہے علاوہ اس کے ان پچھلے قصّوں میں یہ عادتِ الٰہی ان لوگوں کو معلوم ہو چکی ہے کہ جس قوم کی خواہش کے موافق کسی معجزہ کا ظہور ہُوا اس معجزہ کو دیکھ کر پھر وُہ قوم راہِ راست پر نہیں آئی تو ایسی قوم پر بہت جلدی کوئی نہ کوئی عذاب آجاتا ہے یہ انجام اگر ان لوگوں کو منظور ہے تو کوئی معجزہ اللہ کی قدرت سے باہر نہیں ہے پھر فرمایا اللہ نے اپنے رسُول کو اس لئے نہیں بھیجا کہ یہ لوگ جو معجزہ چاہیں اس کا دکھا دینا اللہ کے رسُول کے ذمہ ہو بلکہ اللہ نے تو رسُول کو بھیج کر ان پر آسمانی کتاب اس واسطے نازل فرمائی ہے کہ اللہ کی مرضی اور نامرضی کے کاموں کے جان لینے میں لوگوں کو انجانی کا عذر نہ رہے کیونکہ رسُول کے بھیجنے اور آسمانی کتاب کے نازل کرنے سے پہلے ان کو کسی عذاب سے ذلیل و رُسوا کیا جاتا تو ان لوگوں کو اس عذر کی گنجائش باقی رہتی کہ عذاب کی ذلت اور رسوائی سے پہلے کوئی پیغمبر اللہ کی مرضی اور نامرضی کے کاموں کا پیغام لے کر آتا، تو یہ لوگ اس پر ضرور عمل کرتے، صحیح بخاری و مسلم میں مغیرہؓ بن شعبہ سے اور صحیح مسلم میں عبد اللہؓ بن مسعودؓ سے جو روایتیں ہیں ان میں اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، انجانی کے عذر کا رفع کر دینا اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے، اسی واسطے اس

۱؎ مشکوٰۃ ص ۲۸۶ باب اللعان ۲؎ صحیح مسلم ص ۳۵۸ ج ۲

فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى ﴿۱۳۴﴾ قُلْ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوْا ۚ

کہ ہم چلتے تیرے کلام پر ذلیل اور رسوا ہونے سے پہلے تو کہہ ہر کوئی راہ دیکھتا ہے سو تم راہ دیکھو،

فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ اَصْحٰبُ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ وَمَنِ اهْتَدٰى ﴿۱۳۵﴾ ع ۷ / ۱۷

آگے جان لوگے کون ہیں سیدھی راہ والے اور کس نے راہ پائی۔

نے آسمانی کتابیں دے کر رسُول بھیجے، تاکہ اللہ کی مرضی اور نامرضی کے کام اور مرضی کے کاموں کے ثواب، اور نامرضی کے کاموں کے عذاب کا حال آسمانی کتابوں کے ذریعہ سے اللہ کے رسول امّت کے لوگوں کو اچھی طرح سمجھا دیں جس مطلب کے لئے اللہ تعالیٰ نے آسمانی کتابیں دے کر اپنے رسُول بھیجے ہیں اس کی تفسیر ان حدیثوں سے اچھی طرح سمجھ میں آسکتی ہے۔

۱۳۵: اسلام سے پہلے عرب میں شاعر بہت ہوتے تھے اور عرب کا یہ بھی ایک دستور تھا کہ ہجو کے ڈر سے شاعروں کے منہ پر ان کو بُرا نہیں کہتے تھے، بلکہ جن شاعروں کو اپنا مخالف سمجھتے تھے، ان پر گردش زمانہ سے کسی آفت کے آجانے کا انتظار کیا کرتے تھے۔ قریش بھی اللہ کے رسُول کو شاعر اور بتوں کی مذمت کی آیتوں کو شاعرانہ ہجو خیال کر کے اللہ کے رسُول اور مسلمانوں کے حق میں کسی آفت کے آجانے کا انتظار کیا کرتے تھے، اس لئے فرمایا اے اللہ کے رسُول ان مشرکوں سے کہہ دیا جاوے کہ ہم تمہارے انجام کا انتظار کرتے ہیں اور تم ہمارے انجام کے انتظار میں لگے رہو، کچھ عرصہ کے بعد تمہیں خود معلوم ہو جائے گا کہ دنیا میں راہِ راست پر کون تھا اور ٹیڑھے رستہ پر کون، اور دونوں جہان میں راہِ راست پر قائم رہنے والوں کا انجام کیا ہُوا اور جو راہِ راست سے بہکے ہُوئے تھے ان کا انجام کیا ہُوا، اللہ سچا ہے، اللہ کا وعدہ سچا ہے، پہلا ظہور تو بدر کی لڑائی کے وقت ہُوا جس کا قصہ انسؓ بن مالک کی صحیح بخاری و مسلم کی روایت سے کئی جگہ گزر چکا ہے[1] کہ اہلِ مکّہ میں کے بڑے بڑے بتوں کے حامی اور اسلام کے بدخواہ دُنیا میں بڑی ذلت سے اس لڑائی میں مارے گئے اور مرتے ہی عذابِ قبر میں گرفتار ہو گئے۔ جس عذاب کے جتلانے کے لئے اللہ کے رسُول نے ان کی لاشوں پر کھڑے ہو کر فرمایا کہ اب تو تم نے اللہ کے وعدہ کو سچا پالیا، دُوسرا ظہور اس وعدہ کا فتح مکّہ کے وقت ہُوا، جس کا قصہ صحیح بخاری کی عبداللہؓ بن مسعود اور صحیح مسلم کی ابوہریرہؓ کی روایتوں سے کئی جگہ گزر چکا ہے[2] کہ مشرکین مکّہ جن بتوں کی مذمت سے چڑ کر اللہ کے رسول کو شاعر اور بتوں کی مذمت کی آیتوں کو شاعرانہ ہجو کہا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے اپنے رسُول کے ہاتھ سے ان بتوں کو یہ ذلت دلوائی کہ اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ کی لکڑی مار مار کر ان بتوں کو زمین پر ڈال دیا اور بتوں کی مذمت سے چڑنے والے مشرکوں میں سے کوئی بھی اتنا نہ رہا کہ ان بتوں کو اس ذلت سے بچاتا۔

سورۂ طٰہٰ ختم ہوئی۔

---

[1] جس کا حوالہ ابھی صفحہ ۱۸۳ پر گزرا [2] ملاحظہ ہو ص ۹، جلد ہذا۔

آیاتہا ۱۱۲ ——— (۲۱) سُوْرَةُ الْاَنْبِيَاۗءِ مَكِّيَّةٌ (۷۳) ——— رکوعاتہا ۷

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ ① مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ

نزدیک آلگا لوگوں کو ان کے حساب کا وقت اور وہ بے خبر ٹلاتے ہیں کوئی نصیحت نہیں پہنچتی ان کو ان

رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ ② لَاهِيَةً قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاَسَرُّوا النَّجْوَى ۖ

کے رب سے نئی مگر اس کو سنتے ہیں کھیل میں لگے ہوئے کھیل میں پڑے ہیں دل ان کے اور چھپکی مصلحت کی

الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ڰ هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۚ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ③

بے انصافوں نے یہ شخص کون ہے ایک آدمی ہے تم ہی سا پھر کیوں پڑتے ہو جادو میں آنکھوں دیکھتے۔

قٰلَ رَبِّيْ يَعْلَمُ الْقَوْلَ فِي السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ ۡ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ④ بَلْ قَالُوْٓا

اس نے کہا میرے رب کو خبر ہے بات کی آسمان میں ہو یا زمین میں اور وہ ہے سنتا جانتا۔ یہ چھوڑ کر کہتے ہیں

۱ - ۱۰: مشرکین مکہ نے دین ابراہیمی کو بگاڑ کر بُت پرستی اور طرح طرح کی خرابیاں اس میں پیدا کر لی تھیں جب قرآن شریف میں بُت پرستی اور اس کی خرابیوں کی مذمت روز بروز اترنے لگی تو وہ لوگ آنحضرتؐ کی نسبت طرح طرح کی باتیں اور مشورے کرتے تھے۔ کوئی آنحضرتؐ کو جادوگر کہتا تھا، کوئی شاعر کہتا تھا، جس کا مطلب یہ تھا کہ جس طرح شاعر لوگ عقل کے برخلاف خیالی باتیں اپنے شعروں میں باندھتے ہیں۔ ویسی ہی خیالی باتیں قرآن شریف میں ہیں کوئی کہتا تھا کہ رات کو انہیں بدخوابی ہوتی ہے، وہی رات کی بدخوابی یہ دن کو لوگوں سے بیان کرتے ہیں کوئی کہتا تھا کہ اللہ کا رسول آدمی تو نہیں ہو سکتا فرشتہ ہونا چاہیئے، کوئی کہتا تھا اگر یہ رسول ہیں تو پہلے رسولوں کی طرح کوئی ایسا معجزہ کیوں نہیں لاتے جس سے ہم سب قائل ہو جائیں، قریش کی باتوں کا جواب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنا ہی دیا تھا کہ اللہ تعالیٰ سے آسمان و زمین کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں وہ تمہاری بے ادبی کی باتوں اور خفیہ مشوروں کو خوب سنتا اور جانتا ہے، ایک دن اس کا خمیازہ تم کو بھگتنا پڑے گا لیکن قریش کے شبہات جو آنحضرتؐ کی نبوت کی نسبت تھے، ان کا جواب ادا ہو جانے کے لیئے اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں اور فرما دیا کہ نبی آخر الزمان یہی ہیں دُنیا کی مدت ان نبی آخر الزمان کے بعد بہت تھوڑی رہ گئی ہے، حساب و کتاب قریب آن لگا ہے۔ قریش کو غفلت چھوڑ دینی چاہیئے اور ان کے آس پاس جو اہل کتاب رہتے ہیں ان سے ان کو پوچھ لینا چاہیئے کہ ہمیشہ سے رسُول انسان ہی آتے رہے ہیں، فرشتے نہیں آئے، اور جو قریش کہتے ہیں کہ کوئی معجزہ ایسا پچھلے انبیاء کا ساظاہر ہو جانا چاہیئے جس سے ہم سب قائل ہو جائیں، اس کا جواب یہ ہے کہ تجارت کی غرض سے شام کے ملک کو جب یہ لوگ جاتے ہیں تو قوم ثمود کی اور قوم لوط کی بہت سی بستیاں ان کو اجڑی ہوئی نظر آتی ہیں۔ پھر ان کو یہ کیونکر معلوم ہُوا کہ پہلے رسُولوں کے معجزے سے پہلی امتیں قائل ہو گئیں، اور ایمان لے آئیں، یہ نہیں جانتے کہ اگر ایسا ہوتا تو یہ انجام ان پچھلی قوموں کا کیوں ہوتا جو ان کی

اَضْغَاثُ اَحْلَامٍۢ بَلِ افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ ۚۖ فَلْيَاْتِنَا بِاٰيَةٍ كَمَاۤ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ ۝۵

اڑتے خواب ہیں نہیں جھوٹ باندھ لیا ہے نہیں شعر کہتا ہے پھر چاہیئے لے آوے ہم پاس کوئی نشانی جیسے پیغام لائے ہیں پہلے

مَاۤ اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا ۚ اَفَهُمْ يُؤْمِنُوْنَ ۝۶ وَمَاۤ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ

نہیں مانا ان سے پہلے کسی بستی نے جو کھپائی ہم نے اب کوئی یہ مانیں گے اور پیغام نہیں بھیجا ہم نے تجھ سے پہلے

اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْۤ اِلَيْهِمْ فَسْـَٔلُوْۤا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۷ وَمَا

مگر یہی مردوں کے ہاتھ حکم بھیجتے تھے ہم ان کو سو پوچھو یاد رکھنے والوں سے اگر تم نہیں جانتے اور نہ

جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ ۝۸ ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ

بنائے تھے ہم نے ایسے بدن کہ وُہ کھانا نہ کھاویں اور نہ تھے وُہ رہ جانے والے پھر سچ کیا ہم نے ان سے

آنکھوں کے سامنے ہے کہ طرح طرح کے عذابوں سے وُہ قومیں اجڑ گئیں، پھر فرمایا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے پہلے رسولوں سے وعدہ سچا کیا، وہی اب ہونے والا ہے کہ باوجود فہمائش کے یہ لوگ راہ پر نہ آویں گے تو اجڑ جاویں گے چنانچہ بدر کی لڑائی میں اس وعدہ کا ظہور ہُوا، جس کا خلاصہ صحیح بخاری و مسلم کی انسؓ بن مالک کی روایت کے حوالہ سے کئی جگہ بیان کر دیا گیا ہے کہ اللہ کے رسُول اور قرآن شریف کی شان میں بے ادبی کے الفاظ منہ سے نکالنے والے بڑے بڑے سرکش مشرکین مکّہ میں کے بڑی ذلت سے اس لڑائی میں مارے گئے اور مرتے ہی عذابِ آخرت میں گرفتار ہو گئے جس عذاب کے جتلانے کو اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی لاشوں پر کھڑے ہو کر یہ فرمایا کہ تم نے اللہ تعالیٰ کے وعدہ کو سچا پایا[1]۔ حاصل مطلب ان آیتوں کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان اور انسان کی سب ضروریات کی چیزوں کو اس طرح پیدا کیا کہ اس میں کوئی اس کا شریک نہیں، پھر بڑا سبب جو لوگ اللہ تعالیٰ کی تعظیم میں دُوسروں کو شریک کرتے ہیں اور قرآن شریف کی نئی نئی آیتوں کی نصیحت سے جب ان کو شرک کی برائی جتلائی جاتی ہے تو قرآن کی اس طرح کی نصیحت کو سُن کر اسے مسخراپن میں اڑا دیتے ہیں اور اس میں مشورے کر کے اللہ کے رسُول اور اللہ کے کلام کی شان میں طرح طرح کی بے ادبی کے لفظ منہ سے نکالتے ہیں، ایسے لوگوں کو ہشیار ہو جانا چاہیئے کہ ان کی باتوں اور ان کے کاموں کے حساب و کتاب کا وقت بہت جلدی ان کے سر پر آ رہا ہے، یہ لوگ جو کہتے ہیں کہ اللہ کا رسُول آدمی نہیں ہو سکتا، فرشتہ ہونا چاہیئے اس کا یہ جواب بھی کئی جگہ قرآن میں ان کو سمجھا دیا گیا کہ فرشتہ کو اصلی صورت میں دیکھنا انسان کی طاقت سے باہر ہے اس لئے کوئی فرشتہ بھی اگر اللہ کا رسُول ہو کر آتا تو وُہ بھی ضرور آدمی کی صورت میں ہوتا، اس واسطے پچھلے سب رسُول آدمی تھے۔ عام بنی آدم کی طرح کھانا، پینا، مرنا سب کچھ ان کے پیچھے لگا ہُوا تھا، آخر آیت میں قریش کو یہ جتلایا کہ اس قرآن کے تمہاری زبان میں نازل ہونے کے سبب اگر تم سمجھو تو تمہاری بڑی ناموری ہے، معتبر سند سے طبرانی میں روایت ہے جس میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے ذکر کی تفسیر ناموری کو قرار دیا ہے، مطلب یہ ہے کہ اب تو یہ قرآن

[1] صحیح بخاری ص ۵۶۶ ج ۲ - باب قتل ابی جہل -

الْوَعْدَ فَأَنْجَيْنَٰهُمْ وَمَنْ نَّشَاءُ وَأَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِينَ ۝٩ لَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ

وعدہ پھر بچا دیا ہم نے ان کو اور جس کو ہم نے چاہا اور کھپا دیئے ہاتھ چھوڑنے والے ہم نے اتاری ہے تم کو

كِتَٰبًا فِيهِ ذِكْرُكُمْ ۖ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝١٠ ع وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً

کتاب کہ اس میں تمہارا نام ہے کیا تم کو بوجھ نہیں اور کتنی توڑ ماریں ہم نے بستیاں جو تھیں گنہ گار

وَأَنْشَأْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا آخَرِينَ ۝١١ فَلَمَّا أَحَسُّوا بَأْسَنَا إِذَا هُمْ مِنْهَا

اور اٹھا کھڑے کیے ان کے پیچھے اور لوگ ۔ پھر جب آہٹ پائی ہماری آفت کی تبھی لگے وہاں

يَرْكُضُونَ ۝١٢ لَا تَرْكُضُوا وَارْجِعُوا إِلَىٰ مَا أُتْرِفْتُمْ فِيهِ وَمَسَٰكِنِكُمْ

سے ایڑ کرنے ایڑ مت کرو اور پھر جاؤ جہاں تم کو عیش ملا تھا اور اپنے گھروں میں

نادانی سے اللہ کے رسُول اور قرآن کی شان میں طرح طرح کے بے ادبی کے لفظ منہ سے نکالتے ہیں لیکن ان میں سے جو لوگ اللہ کے رسُول کو سچا اور قرآن کو اللہ کا کلام جانیں گے، ایک وقت ایسا آنے والا ہے کہ ان کو اور ان کی اولاد کو بڑی ناموری حاصل ہوگی، قرآن کی یہ ایک پیشین گوئی ہے، جس کے ظہور کے انتظام کے لئے اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم نے معجزہ کے طور پر صحیح بخاری ومسلم کے عبداللہ بن عمرؓ وغیرہ کی روایتوں[1] میں جو فرمایا اس کا حاصل یہ ہے کہ جب بہت سی غیر قومیں دائرہ اسلام میں داخل ہوں گی تو اس وقت سردار سوائے قوم قریش کے اور قوم کا کوئی شخص نہ ہوگا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت سے لے کر عباسیہ کی خلافت کے عروج تک قرآن کی اس پیشین گوئی اور اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کے اس معجزہ کا جو ظہور ہُوا ، تاریخ الخلفاء[2] کے دیکھنے سے اس کا حال اچھی طرح معلوم ہوسکتا ہے، اس مضمون کی آیت سورۃ الزخرف میں آوے گی۔ اس کو بھی اس آیت کی تفسیر میں دخل ہے حاصل کلام یہ ہے کہ قریش کی اس عزت کا سبب اللہ کے رسُول کا اس قوم میں ہونا اور قرآن کا قریش کی زبان میں اُترنا ہے ۔

۱۱-۱۵ ۔اوپر کی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے قریش کی مشورتوں کا ذکر فرمایا تھا اور ان کو جو شبہے آنحضرتؐ کی نبوت میں تھے اس کے جواب دیئے تھے اور قیامت اور حساب و کتاب کا وقت قریب آن لگنے سے ان کو ڈرایا تھا۔ ان آیتوں میں حضرت نوحؑ سے لے کر حضرت موسیٰؑ کے زمانہ تک جو لوگ اور بستیاں رسُولوں کی مخالفت کے سبب سے غارت ہوگئی تھیں ، ان کا ذکر فرمایا ہے تاکہ قریش کو عبرت ہو کہ رسُولوں کی مخالفت کا نتیجہ ان کے حق میں بھی یہی پیش آوے گا جو پچھلی امتوں کو پیش آیا، پچھلی قومیں جو ہلاک ہوئیں، ان قوموں میں سب سے آخر جس قوم کا ذکر ان آیتوں میں ہے کہ وُہ اللہ کا عذاب دیکھ کر بھاگے اور بھاگتے وقت ان سے کہا گیا کہ اب کیوں بھاگتے ہو جن مکانوں میں عیش و آرام کرتے تھے وہیں کیوں نہیں ٹھہرتے، تفسیر عبدالرزاق، تفسیر ابن ابی حاتم اور تفسیر ابن مردویہ[3] میں اس قصہ کی پوری تفصیل مجاہد کے قول کے موافق ہے

[1] مشکوٰۃ باب مناقب قریش [2] حافظ سیوطیؒ کی مشہور تالیف اور مصر و ہند میں مطبوع اور متداول کتاب ہے (ع، ح)

[3] تفسیر الدر المنثور ص ۳۱۴ ج ۴ ۔

لَعَلَّكُمْ تُسْـَٔلُوْنَ ﴿۱۳﴾ قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۱۴﴾ فَمَا زَالَتْ تِّلْكَ

شاید کوئی تم سے پوچھے کہنے لگے اے خرابی ہماری ہم تھے بے شک گنہ گار پھر یہی رہی

دَعْوٰىهُمْ حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ حَصِيْدًا خٰمِدِيْنَ ﴿۱۵﴾

ان کی پکار جب تک ڈھیر کر دیئے گئے کاٹ کر بجھے پڑے ۔

جس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت سلیمانؑ اور حضرت عیسیٰؑ کے درمیانی زمانہ میں یمن کے ملک میں ایک شعیبؑ نام کے نبی تھے، جب ان کی قوم نے ان کو جھٹلایا اور شہید کر ڈالا، تو بخت نصر نے اس قوم کے اوپر چڑھائی کی، اس وقت دو دفعہ تو یہ یمن کے لوگ بخت نصر کی قوم پر غالب ہوئے جب تیسری دفعہ بخت نصر بابلی اپنی ذات سے بڑی بھاری فوج لے کر آیا، اس وقت یہ یمنی لوگ بھاگے اور فرشتوں نے طعن کے طور پر ان یمنی لوگوں سے یہ کہا کہ اب کیوں بھاگتے ہو اپنی آرام گاہوں میں اب کیوں نہیں ٹھہرتے اور اس طعن کے بعد فرشتوں نے بابلی لوگوں کے سامنے ان یمنی لوگوں کو گھیر کر کر دیا اور سب یمنی قتل ہو گئے ۔ قیامت کی نشانیاں ظاہر ہونے کے بعد یا موت کا یقین ہو جانے کے بعد یا عذاب الٰہی آنکھوں کے سامنے آجانے کے بعد کوئی ایمان لائے یا توبہ کرے تو ایسے آخری وقت کا ایمان اور آخری وقت کی توبہ قبول نہیں ہے کیونکہ ایسے وقت پر آدمی کے ذمہ شریعت کی پابندی باقی نہیں رہتی اس لئے ان یمنی لوگوں نے فرعون کی طرح آخری وقت پر ایمان لانے کا جو اقرار کیا، وہ اقرار کام نہ آیا۔ رہا حضرت یونسؑ کی قوم کا آخری وقت کا ایمان اس کا جواب خود صاحب وحی صلی اللہ علیہ وسلم نے دے دیا ہے کہ ان کا ایمان عذاب کے خوف سے مجبوری کے طور پر نہیں تھا، بلکہ خود ان کی خالص نیت ایمان لانے کی سچے طور پر ہو گئی تھی، اس نیت کی اللہ تعالیٰ نے قدر فرمائی اور ان کا آخری وقت کا ایمان قبول فرما لیا معتبر سند سے مسند امام احمد میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے اور تفسیر ابن مردویہ میں حضرت عبداللہؓ بن مسعود کی روایت سے یہ حدیث ہے، جس میں آنحضرتؐ نے حضرت یونسؑ کی قوم کے آخری وقت کے ایمان کے قبول ہونے کا سبب صراحت سے فرمایا ہے، یہ شعیب مدین والے شعیب نہیں ہیں بلکہ یہ انبیائے بنی اسرائیل میں سے حضرت موسیٰ کے بعد ایک اور شعیب ہیں، صحیح مسلم میں ابوہریرہؓ سے روایت[1] ہے، جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، قیامت کے قریب جب سورج مغرب سے نکلے گا تو پھر کسی کی توبہ قبول نہ ہوگی معتبر سند سے ترمذی اور ابن ماجہ میں عبداللہ بن عمرؓ سے روایت[2] ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، موت کے قریب جب سانس اکھڑ کر خرا طا لگ جاتا ہے تو اس وقت کی توبہ قبول نہیں ہوتی، اوپر یہ جو گزرا کہ قیامت کی نشانیاں ظاہر ہو جانے کے بعد یا موت اور عذاب کا یقین ہو جانے کے بعد انسان کے ذمہ شریعت کے حکم کی پابندی باقی نہیں رہتی، اس واسطے ایسے وقت کی توبہ قبول نہیں، اسی واسطے ان یمنی لوگوں کی آخری وقت کی توبہ قبول نہیں ہوئی، ان حدیثوں سے یہ مطلب اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے، قصم کے معنی کسی چیز کے توڑ ڈالنے کے

[1] تفسیر الدر المنثور ص ۳۱۷ - ۳۱۸ ج ۳ سورۂ یونس [2] مشکوٰۃ باب العلامات بین یدی الساعۃ ۔
[3] مشکوٰۃ ۔ باب الاستغفار والتوبۃ ۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ﴿١٦﴾ لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ

اور ہم نے نہیں بنایا آسمان اور زمین اور جو ان کے بیچ ہے کھیلتے ۔ اگر ہم چاہتے کہ بنا لیں

ہیں، مطلب یہ ہے کہ بابلی لوگوں نے ان یمنی لوگوں کو ایسا مارا کہ ان کی کمر ٹوٹ گئی۔ آگے کو لڑنے کی ہمت نہ رہی، اور شکست کھا کر بالکل ہلاک ہو گئے، چوپائے جانوروں کے قدموں کی آواز کو رکض کہتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ لوگ اپنی سواریوں پر سوار ہو کر بھاگے تھے لَعَلَّكُمْ تُسْئَلُوْنَ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم لوگ بڑے صاحب ثروت کہلاتے تھے۔ اب بھاگتے کیوں ہو، پلٹو اپنے گھروں کو جاؤ، شاید تمہارے دوست آشنا، نوکر چاکر، روپیہ پیسہ خرچ کرنے اور اس عذاب کے ٹالنے کی تم سے کوئی تدبیر پوچھیں، یہ بات بھی فرشتوں نے ان لوگوں کے شرمندہ کرنے کے لئے کہی تھی حَصِيْدًا خٰمِدِيْنَ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ کٹی ہوئی کھیتی کی طرح بالکل کٹ گئے اور بجھی ہوئی آگ کی طرح بالکل ٹھنڈے اور ڈھیر ہو کر رہ گئے۔

۱۶-۱۸: مشرکین مکہ نے جس طرح ملتِ ابراہیمی کی اور باتوں کو دل سے بھلا دیا تھا، اسی طرح حشر اور قیامت کے مسئلہ کو بھی بھلا دیا تھا۔ اس لئے قرآن شریف میں حشر اور قیامت کی باتیں سن کر وہ طرح طرح کی عقلی بحث کرتے تھے، چنانچہ ایک شخص ابی بن خلف ایک روز ایک پرانی گلی ہوئی ہڈی آنحضرتؐ کے روبرو لایا اور اس ہڈی کو مل مل کر ہڈی کی راکھ ہوا میں اڑاتا جاتا تھا، اور کہتا تھا، کیا یہ راکھ محمدؐ کا خدا پھر زندہ کرے گا، اس قصہ کا ذکر مفصل سورہ یٰسٓ میں آوے گا اور اسی طرح کی بہت عقلی بحثیں ان لوگوں کی قرآن شریف میں کئی جگہ ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں اور بہت سی قرآن کی آیتوں میں ان کو عقلی طور پر سمجھایا ہے کہ آسمان زمین اور جو کچھ دنیا کی چیزیں ہیں، اللہ تعالیٰ نے انسان کی راحت اور آسائش اور رفع ضرورت کے لئے وہ سب پیدا کی ہیں، آسمان سے مینہ کی ضرورت کے وقت مینہ برساتا ہے جس سے ہر طرح کی چیزیں زمین میں پیدا ہوتی ہیں، دھوپ کے وقت دھوپ پڑتی ہے جس سے ہر طرح کی پیداوار پک کر تیار ہو جاتی ہے، زمین میں ہر طرح کی پیداوار کی قوت اور تاثیر اللہ تعالیٰ نے رکھی ہے جس سے انسان کے کھانے، پینے، اوڑھنے، بچھانے، پہننے، مکان بنانے کی سب طرح کی ضرورتیں رفع ہوتی ہیں، زمین کے جمنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے زمین میں پہاڑ بھی ٹھونکے ہیں تو اس حکمت سے کہ دو پہاڑوں کے درمیان گھاٹیاں رکھی ہیں، تاکہ ایک شہر سے دوسرے شہر کو بھی طرح کی ضرورت سے انسان کو جانا مشکل نہ ہو۔ غرض جس انسان کی ضرورت کے لئے یہ سب کچھ پیدا کیا گیا ہے باوجود عقل و تمیز کے کیا وہ انسان حیوانوں کی طرح عبث اور بے فائدہ پیدا ہوا ہے، کہ جب تک جیئے کھائے پیئے اور ایک دن مر کر خاک ہو جاوے، بس پھر کچھ بھی نہیں، ادنیٰ سی عقل کا آدمی دنیا میں کوئی کام کرتا ہے تو کوئی مقصد اس کام کے کرنے کا اپنے دل میں ضرور ٹھان لیتا ہے مثلاً کھیتی کرتا ہے، تو اناج کے حاصل ہونے کے مقصد سے باغ لگاتا ہے تو میوہ کھانے کے مطلب سے، مکان بناتا ہے تو رہنے کی نیت سے، وہ خالق جس نے عقل اور عقل والوں سب کو پیدا کیا۔ اس کے دنیا کی پیدائش جیسے بڑے کام کو یہ لوگ کس سمجھ اور عقل سے بے فائدہ اور بے مقصد ٹھہراتے ہیں، ذرا بھی یہ لوگ اپنی عقل کو کام میں لاویں گے تو ان کی سمجھ میں آجاوے گا کہ ان کا ان کی ضرورت کی چیزوں کا پیدا کرنے والا کوئی ہے

لَهْوًا لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّاۤ ۖ إِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿١٧﴾ بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ

کچھ کھلونا تو بنا لیتے ہم اپنے پاس سے اگر ہم کو کرنا ہوتا یوں نہیں پر ہم پھینک مارتے ہیں سچ کو جھوٹ پر

اور اس کا احسان ان پر ایسا بڑا ہے کہ اس نے ان کو نیست سے ہست کر دیا، ان کی ہر طرح کی ضرورت کی چیزیں مہیا کیں اس قدر سمجھ جانے کے بعد خود ان کا دل گواہی دے گا کہ جس نے ان پر اتنا بڑا احسان کیا ہے اس کی فرمانبرداری اس کی نہایت درجہ کی تعظیم ان کے اوپر واجب اور ضرور ہے، اس پہلی سمجھ کا نام خدا کی شناخت ہے اور فرمانبرداری کا نام اسلام ہے اور نہایت درجہ تعظیم کا نام عبادت ہے، پہلی چیز عقل سے بھی دریافت ہو سکتی ہے، دُوسری اور تیسری چیز محض عقل سے نہیں معلوم ہو سکتی کیونکہ عقل میں اتنی قدرت اور طاقت نہیں ہے کہ وُہ اپنی طرف سے فرمانبرداری اور تعظیم کے طریقے ایجاد کرے جس کی فرمانبرداری اور جس کی تعظیم ہے جب تک وُہ نہ بتا دے کہ کون سی قسم کی فرمانبرداری اور کس قسم کی تعظیم اس کی مرضی کے موافق ہے۔ پرائی مرضی کا حال عقل کیا جان سکتی ہے، غرض دُوسری اور تیسری بات کے جان لینے کے لئے کسی راہبر کی ضرورت ہے، ان ہی راہبروں کا نام پیغمبر ہے، اور طریقۂ راہبری کا نام شریعت ہے اب رہی یہ بات کہ جس خدا نے اپنی فرمانبرداری اور تعظیم سے پہلے انسان پر اس کی ضرورت کی چیزوں کے پیدا کرنے کا احسان کیا ہے جو شخص اس کی فرمانبرداری اور اس کی تعظیم کرے گا کیا اس سے وُہ خوش ہو کر کچھ انعام اس کو نہ دے گا اور جو اس کی مرضی کے موافق کام نہ کرے گا اس کو وُہ کچھ سزا نہ دے گا، یہ عقلی تجربہ کے بالکل برخلاف ہے کیونکہ یہ بات ہر شخص کی آنکھوں کے رُوبرو ہے کہ کسی بادشاہ کے دربار میں فرمانبردار اور نافرمان رعیت کا ایک حال نہیں ہے، فرمانبردار رعیت کو انعام اور خلعت ملتے ہیں نافرمان رعیت سے جیل خانے بھرے جاتے ہیں، گردنیں ماری جاتی ہیں پھر خدا کی طرف کی جزا و سزا یہیں دنیا میں ہو جاتی تو دُنیا کی زیست کو قیام نہیں ہوتا، اس واسطے جزا و سزا کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے دوبارہ انسان کا پھر زندہ کرنا قرار دیا ہے، اسی کا نام حشر ہے اور جس روز یہ جزا اللہ تعالیٰ تجویز فرما دے گا اس دن کا نام قیامت ہے اور جب اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے ایک دفعہ انسان کو پیدا کر چکا ہے تو دُوسری دفعہ انسان کا پھر پیدا کرنا تجربہ عقلی سے اس کو سہل اور آسان ہے، کوئی دلیل عقلی اس دوسری دفعہ پیدا کرنے کے ناممکن ہونے کی اب تک نہ قائم ہوئی ہے نہ آئندہ کوئی عقلمند قائم کر سکتا ہے، یہ بہت سی ان آیتوں کا حاصل مطلب ہے جن آیتوں کو اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں جگہ جگہ مشرکین کی عقلی بحثوں کے جواب میں نازل فرمایا ہے اور اس حاصل مطلب سے توحید کی ضرورت، نبوت کی ضرورت، شریعت کی ضرورت، حشر کی ضرورت، قیامت، سب کچھ اس طرح ثابت ہوتا ہے کہ عقل کو بنظرِ انصاف کسی چیز کے انکار کی گنجائش کسی طرح باقی نہیں رہتی، ان ہی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی غلطی کو بھی بیان فرمایا ہے، جو حضرت عیسیٰؑ اور حضرت عزیزؑ کو خدا کا بیٹا اور فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے، وُہ بیان بھی ایسا ہے کہ کوئی عقلمند اس کے ماننے میں شبہ نہیں کر سکتا۔ مگر سورۃ المائدہ میں گزرا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کھایا کرتے تھے، اب جس کی ذات میں اتنا تغیر ہو کہ ہر روز کی غذا سے اس کا خون، گوشت سب کچھ بڑھتا رہے اسے اللہ تعالیٰ کی ذات سے کچھ مناسبت نہیں، حالانکہ باپ بیٹے میں مناسبت ضرور ہے، یہی حال عزیز علیہ السلام کا ہے، اسی طرح اللہ کی عظمت کے آگے فرشتے عاجزی سے جس طرح

فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ ۚ وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُونَ ﴿۱۸﴾

پھر وُہ اس کا سر پھوڑتا ہے پھر تب وہ سنک جاتا ہے اور تم کو خرابی ہے ان باتوں سے جو بتاتے ہو۔

ہر وقت اللہ تعالیٰ کی عبادت میں لگے رہتے ہیں، اس کا ذکر آگے آتا ہے، پھر ان میں سے کسی کو اللہ کی اولاد کیوں کر ٹھہرایا جا سکتا ہے، علم کلام کی کتابوں میں جس کو "علم عقائد" کہتے ہیں، یہ جو لکھا ہے کہ ہر ایک شخص پر دلیل عقلی سے خدا کا پہچاننا فرض ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ جو شخص ان قاعدوں کے موافق خدا کو نہ پہچانے جو قاعدے علم کلام والوں نے تراشے ہیں کہ صفاتِ الٰہی عین ذات ہیں یا غیر ہیں اور پھر وُہ سب صفات ایک ہیں یا علیحدہ علیحدہ ہیں اور اس طرح اور پیچیدہ چند قاعدے جو ہیں، ان قاعدوں کے سیکھنے اور جاننے تک آدمی کا ایمان صحیح نہیں ہوتا، یہ علمِ کلام کی ایسی سب باتیں ابوہاشم[1] معتزلی کی ایجاد کی ہوئی ہیں، عقل سے خدا کو پہچاننے کی چند آیتوں کا مطلب جو اوپر بیان ہُوا ہے یا اس قسم کی حدیثیں جو کچھ ہیں وُہ فقط ان مشرکوں کی عقلی حجتوں کے جواب میں ہیں جو شرک پر اڑے ہُوئے تھے اور توحید کے ماننے میں طرح طرح کی عقلی حجتیں پیش کرتے تھے اب بھی کوئی ایسا حجتی ہو تو اس کو اس قسم کی آیتوں یا حدیثوں سے قائل کرنے کا مضائقہ نہیں مگر جس شخص نے بغیر حجت کے کلمہ شہادت ادا کر لیا، اس کو بغیر ابوہاشم کی نکالی ہوئی باتوں کے سیکھنے کے ناقص الایمان کہنا بڑا ظلم ہے یوم المیثاق میں نہ خدا تعالیٰ نے ان علم کلام کی باتوں سے اپنی شناخت کرائی، نہ حضرت جبرائیل جب ایک سائل بن کر آنحضرتؐ کے پاس لوگوں کو ایمان سکھانے آئے تو انہوں نے ان باتوں کا ذکر کیا، نہ آنحضرتؐ اور صحابہ کرامؓ کے زمانہ میں یہ باتیں ایمان کی شرط قرار پائیں، سینکڑوں ہزاروں دیہاتی عرب آنحضرتؐ اور صحابہؓ کے زمانہ میں فقط کلمہ شہادت ادا کر کے اور کچھ معمولی نماز روزہ کے مسائل سیکھ کر اپنے اپنے گاؤں کو چلے جاتے تھے اور آنحضرتؐ اور صحابہؓ ان کو مسلمان گنتے تھے، بعض اہلِ علم کلام والوں نے اس کا یہ جواب جو دیا ہے کہ زمانہ ابتدائے اسلام میں اس طرح کا معمولی ایمان جائز تھا اب جائز نہیں ہے، یہ بالکل ایک غلط جواب ہے دین وہی ہے جو آنحضرتؐ اور صحابہؓ کے زمانہ میں قرار پا چکا ہے اب کسی جدید بات کا نکالنا اور یہ کہنا کہ آنحضرتؐ اور صحابہؓ کے زمانہ میں اس کی ضرورت نہ تھی، اب ضرورت ہے اسی کا نام بدعت ہے اور آنحضرتؐ کے زمانہ میں جو لوگ ایمان لائے اور برکت صحبتِ رسُول سے صحابیت کے درجے کو پہنچے ان کے ایمان کو ایک معمولی ایمان بتلانا اور اپنے ایمان کو درجہ معمولی سے بڑھ کر ایک اعلیٰ درجہ کا ایمان شمار کرنا ایک بڑی جرأت کی بات ہے۔ حاصلِ کلام یہ ہے کہ جس طرح فقہ میں چار مذہب حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی مشہور ہیں اسی طرح عقائد میں تین مذہب حنابلہ، اشاعرہ، ماتریدیہ مشہور ہیں، حنابلہ لوگوں کی نسبت امام احمد بن حنبلؒ سے ہے، اور اشاعرہ لوگوں کی نسبت ابوالحسن[2] اشعری سے ہے جو ابوموسیٰ اشعری ایک مشہور صحابی کی اولاد میں ہیں اور ماتریدیہ لوگوں کی نسبت ابوالمنصور ماتریدی[3] ہے، سلف کے قول سے زیادہ مطابقت حنابلہ لوگوں کے قاعدوں میں پائی جاتی ہے۔ سلف نے اس طرح کے عقلی علم عقائد کے پڑھنے لکھنے کو منع لکھا ہے اور یہ کہا ہے کہ اس طرح کے عقلی علم عقائد سے

---

[1] ایک مشہور بدعتی فرقہ معتزلہ کا ایک ممتاز عالم عبدالسلام بن محمد متوفی ۳۲۱ھ [2] امام علی بن اسمٰعیل الاشعری متوفی ۳۲۴ھ
[3] محمد بن محمود ماتریدی متوفی ۳۳۳ھ۔

بجائے عقیدہ کے مضبوط ہونے کے آدمی کا اور شک بڑھ جاتا ہے اور سچ بھی ہے، سب آدمیوں کی عقل ایک سی نہیں ہوتی، کوئی کچھ کہتا ہے اور کوئی کچھ اس لئے ہر عقلی بات شک سے خالی نہیں ہوتی، صحیح بخاری و مسلم میں ابو ہریرہؓ سے اور صحیح مسلم میں حضرت عمرؓ سے جو روایتیں ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ ایک دن ایک شخص آیا اور اس نے دین کی چند باتیں اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھیں، جب اس شخص نے پوچھا کہ ایمان کیا چیز ہے تو اللہ کے رسول نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی چیزوں کو دیکھ کر آدمی اللہ تعالیٰ کی ہستی کا یقین کرے اور جب ان چیزوں کے پیدا کرنے میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے تو خالص اسی کی عبادت انسان پر واجب ہے دین کی چند باتیں پوچھ کر جب وہ شخص چلا گیا تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ جبرائیل علیہ السلام تھے اللہ کے حکم سے تم لوگوں کو دین سکھانے آئے تھے، اس صحیح حدیث کے ٹکڑے سے یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آجاتی ہے کہ اللہ کے حکم سے جبرائیل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی پہچان کا جو طریقہ صحابہ کو سکھایا ہے اور صحابہؓ کی روایتوں سے وہی طریقہ امت میں پھیلا ہے، اس طریقہ میں علم کلام کے قاعدوں کا کچھ دخل نہیں ہے، صحیح بخاری[۱] کے حوالہ سے ابو ہریرہؓ کی روایت سے حدیث قدسی کئی جگہ گزر چکی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو لوگ اپنی پہلی پیدائش آنکھوں سے دیکھ کر دوسری دفعہ کی پیدائش سے منکر ہیں، وہ نادانی سے اللہ کو جھٹلاتے ہیں اور جو لوگ اللہ کو صاحب اولاد ٹھہراتے ہیں ان کی جرأت گویا گالی دینے کے برابر ہے کیونکہ باپ اور اولاد میں جو مناسبت اور مشابہت ہوتی ہے خالق اور مخلوق میں وہ نہیں پائی جاتی، پھر زبردستی اللہ کی ذات میں اس مناسبت کا پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کی ذات کو بٹہ لگانا ہے جو گالی کے برابر ہے، اس حدیث سے منکرین حشر کی اور اللہ تعالیٰ کو صاحب اولاد ٹھہرانے والوں کی جرأت کی تفسیر اچھی طرح سمجھ میں آسکتی ہے پھر فرمایا اگر اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے کسی کو اولاد ٹھہراتا تو فرشتوں میں سے ٹھہراتا جو کھانے پینے سے پاک اور پہلے صور تک زندہ رہنے والے ہیں، اس کے بعد قرآن کی ان سچی باتوں کو ایک پہاڑ اور مشرکوں کی ان جھوٹی باتوں کو ایک شخص قرار دے کر فرمایا کہ ان سچی باتوں کے پہاڑ کو پھینک مارنے سے آخر ایک دن ان جھوٹی باتوں کا سر کھل جاوے گا اور یہ جھوٹی باتیں مکہ میں باقی نہ رہیں گی اور جو لوگ مرتے دم تک ان جھوٹی باتوں سے باز نہ آویں گے مرنے کے بعد بڑی بڑی آفت اور برائی میں پڑ جاویں گے، صحیح بخاری کے حوالہ سے عبداللہ بن مسعودؓ اور صحیح مسلم کے حوالہ سے ابو ہریرہؓ کی روایتیں فتح مکہ کے قصہ میں کئی جگہ گزر چکی ہیں کہ اس وقت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کے مشرکوں کے بتوں کو اپنے ہاتھ کی لکڑی سے مار مار کر گرایا اور فرمایا سچ آیا اور جھوٹ بھاگا آخری آیت میں جھوٹ کا سر پھوٹ جانے اور اس کے سٹک جانے کا جو وعدہ ہے اس کا ظہور ان حدیثوں سے اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے کیونکہ اگر وہ بت انسان ہوتے تو لکڑیوں کی مار سے اور زمین پر پٹخے جانے سے ضرور ان کے سر کو صدمہ پہنچتا۔ صحیح[۳] بخاری و مسلم میں نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، قیامت کے دن کم سے کم دوزخ کا عذاب یہ ہوگا کہ دوزخی شخص کے پاؤں میں آگ کی جوتیاں پہنا دی جائیں گی جس سے اس کا بھیجا کھول کر نکل

۱؎ مشکوٰۃ۔ کتاب الایمان، حدیث اول۔ ۲؎ مشکوٰۃ ص ۱۲۔ کتاب الایمان۔

۳؎ مشکوٰۃ، باب صفۃ اہل النار واہلہا۔

وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَنْ عِنْدَهٗ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ

اور اسی کا ہے جو کوئی ہے آسمان و زمین میں اور جو اس کے نزدیک رہتے ہیں بڑائی نہیں کرتے اس کی عبادت سے

وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ ﴿۱۹﴾ يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ ﴿۲۰﴾ اَمِ اتَّخَذُوْٓا

اور نہیں کرتے کاہلی یاد کرتے ہیں رات اور دن نہیں تھکتے۔ کیا ٹھہرائے ہیں انہوں نے

اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ يُنْشِرُوْنَ ﴿۲۱﴾

اور صاحب زمین میں کے وُہ اٹھا کھڑا کریں گے۔

پڑے گا، آیتوں میں جس عذاب کو خرابی فرمایا ہے، اس کا اندازہ اس حدیث سے کیا جا سکتا ہے۔

۱۹۔۲۱: حاصل مطلب یہ ہے کہ آسمان پر کے فرشتے، زمین پر کے جنات اور انسان سب اللہ کے غلام ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کا مالک ہے پھر کوئی باپ اپنی اولاد کو غلام بنا کر رکھتا ہے جو اللہ کی اولاد تھی اور اس نے اس کو غلام بنا کر رکھا جن فرشتوں کو یہ مشرک اللہ کی بیٹیاں کہتے ہیں ان فرشتوں کا یہ حال ہے کہ اللہ کی عظمت کے آگے وُہ بالکل ناچیز اور ہر وقت اس کی عبادت میں لگے رہتے ہیں کیا باپ کے آگے اولاد کی یہ شان ہوتی ہے جو اللہ کی عظمت کے آگے فرشتوں کی ہے پھر فرمایا کہ اللہ کی تو وُہ قدرت ہے کہ انسان ناپید تھا، اللہ نے اپنی قدرت سے اس کو پیدا کر دیا۔ مٹی کی بے جان چیزوں پتھر لکڑی وغیرہ کے بُت جو ان مشرکوں نے بنائے ہیں، کیا ان میں یہ طاقت ہے کہ وُہ کسی مُردہ کو زندہ کر سکتے ہیں وُہ تو خود بے جان ہیں کیا خاک کسی مردہ کو زندہ کریں گے، مکّہ کے قحط کے وقت ان سے تو اتنا بھی نہ ہُوا کہ مینہ برسا کر اپنے پجاریوں کو قحط کی تکلیف سے بچا لیتے، آخر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی برکت سے مینہ برسایا، تب وُہ قحط رفع ہُوا، حاصل کلام یہ ہے کہ ایسی بے جان بے اختیار پتھر اور لکڑی کی مورتوں کو معبود ٹھہرانا کسی عقل مند آدمی کا کام نہیں ہے، رہی یہ بات کہ جن اچھّے لوگوں کی یہ مورتیں ہیں، وقت پر وُہ اچھّے لوگ اپنی مورتوں کے پوجنے والوں کی مدد کریں گے، اوّل تو مکّہ کے قحط کے وقت اُن کی مدد کی قلعی کھل گئی، دُوسرے ان مشرکوں کو یہ سمجھا دیا گیا ہے کہ مدد تو درکنار وُہ اچھّے لوگ ان مشرکوں کی صُورت سے بالکل بیزار ہیں، مکّہ کے قحط کا قصہ صحیح[1] بخاری وغیرہ کی عبداللہؓ بن مسعود کی روایت سے کئی جگہ گزر چکا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جب مشرکینِ مکّہ نے بہت سرکشی شروع کی تو اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں پر قحط کی بلا آنے کی بد دُعا کی اور اس بد دُعا کے اثر سے مکّہ میں ایسا قحط پڑا کہ ان مشرکوں کی ساری سرکشی نکل گئی اور فاقوں کے مارے نہ کھلنے کی چیزیں بھی کھا گئے اس قحط کے زمانہ میں ان مشرکوں نے اپنے بتوں سے مینہ برسانے کی بہت التجا کی اور اللہ کے رسُول کی دُعا سے مینہ برسا۔ صحیح[2] بخاری و مسلم کے حوالہ سے حضرت علیؓ کی حدیث کئی دفعہ گزر چکی ہے کہ دُنیا کے پیدا کرنے سے پہلے اپنے علمِ غیب کے نتیجہ کے طور پر اللہ تعالیٰ نے لوحِ محفوظ میں یہ لکھ لیا ہے کہ دنیا میں پیدا ہونے کے بعد کون شخص دوزخ میں جھونکے جانے کے قابل کام کرے گا اور کون شخص جنّت میں جانے کے قابل، اب جس کے قابل لوگ پیدا ہوئے، ان کو ویسے ہی کام آسان اور اچھّے معلوم ہوتے

[1] کتاب التفسیر۔ سورہ الدخان [2] مشکوٰۃ باب الایمان بالقدر

لَوْ كَانَ فِيهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۲۲﴾

اگر ہوتے ان دونوں میں اور حاکم سوا اللہ کے تو دونوں خراب ہوتے سو پاک ہے اللہ تخت کا صاحب ان باتوں سے جو بتاتے ہیں

لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ ﴿۲۳﴾ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً ؕ

اس سے پوچھا نہ جاوے جو وہ کرے اور ان سے پوچھا جاوے۔ کیا پکڑے ہیں انہوں نے اس سے ورے اور صاحب

ہیں، اس حدیث سے یہ مطلب اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے کہ مشرکین مکہ میں سے اللہ تعالیٰ کے علمِ غیب کے موافق جو لوگ دوزخی ٹھہر چکے ہیں وہ مکہ کے قحط میں بتوں کی اتنی بڑی عاجزی اور اللہ تعالیٰ کی اتنی بڑی قدرت دیکھنے کے بعد بھی ان ہی بے جان عاجز پتھر کی مورتوں کو پوجتے رہے اور آخر اسی حال میں دنیا سے اٹھ گئے۔

۲۲۔۲۴:۔ جن لوگوں نے عقلی بحث کے علم مثلاً علمِ منطق اور علمِ مناظرہ بنائے ہیں انہوں نے یہ بات طے کر دی ہے کہ کسی چیز میں بحث اس وقت تک ہوتی ہے جب تک وہ چیز معلوم نہ ہو جاوے جب کوئی چیز معلوم ہوئی اور آنکھوں کے سامنے آگئی تو پھر اس میں بحث کی گنجائش کچھ باقی نہیں رہتی، مثلاً دو آدمیوں نے دور سے کہیں گرد اڑتی ہوئی دیکھی اور ایک نے کہا اس گرد میں ایک گھوڑے سوار آرہا ہے دوسرے نے کہا گھوڑے کا سوار نہیں بلکہ سانڈنی سوار ہے۔ جب تھوڑی دیر میں گھوڑے کا سوار آنکھوں کے سامنے آگیا تو بحث ختم ہو گئی، اب آنکھوں کے سامنے کی چیز کو جھٹلا کر اگر کوئی شخص گھوڑے کے سوار کو سانڈنی سوار کہدے تو لوگ اس کو بیوقوف بتلاویں گے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے شرک کے مٹ جانے اور توحید کے ثابت ہو جانے کی بحث کو اس آیت میں اس درجہ تک پہنچا دیا ہے کہ جو مشرک شرک کے رواج دینے میں عقلی بحث کرتے تھے ان کو بحث کی گنجائش نہیں رہی کیونکہ یہ آنکھوں کے سامنے کی بات ہے کہ دو بادشاہ ملک اور حکومت کے لئے آپس میں لڑتے رہے، پچھلے زمانہ کے لوگوں نے آنکھوں سے دیکھ کر سینکڑوں ہزاروں تاریخ کی کتابیں ان ہی لڑائیوں کے ذکر میں لکھی ہیں اور حال کے لوگوں کے سامنے بھی وہ لڑائیاں بند نہیں ہیں اور ان لڑائیوں میں ایک غالب ایک مغلوب ہوتا رہتا ہے اور لڑائی کے زمانہ تک خونریزی اور طرح طرح کی بدنظمی اور فساد برپا ہوتے رہتے ہیں حکومت آسمانی کا ابتدائے دنیا سے اب تک ایک انتظام جو ہے وہی ہے، حکومت دنیاوی کا سا حال اس کا نہیں کہ خلجیوں کا انتظام کچھ اور تھا اور تیموریوں کا کچھ اور اور اب کچھ اور ہی ہے، اس سبب سے آنکھوں دیکھی باتوں سے یہ بات نکلی، کہ آسمانی حکومت ایک ذات پاک کی قدرت اور اختیار میں ہے کہ جس کا نہ کوئی شریک ہے نہ مقابل، اسی کا نام توحید ہے، ترمذی، مستدرک حاکم، صحیح ابن خزیمہ بیہقی[1] وغیرہ میں ابی بن کعب وغیرہ سے جو روایتیں ہیں ان کا حاصل یہی ہے کہ یہود اور مشرکین نے آنحضرتؐ سے پوچھا کہ جس خدا کی تم عبادت کرتے ہو اس کے کچھ اوصاف بیان کرو، اس پر اللہ تعالیٰ نے قُلْ هُوَ اللّٰهُ نازل فرمائی، حافظ ابن خزیمہ اور حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ کے مضمون کے موافق اللہ کو ذات اور صفات میں وحدہٗ لاشریک لہٗ جاننا یہی توحید ہے، سوا اس کے اہلِ بدعت اور اہلِ تصوف نے توحید کے اور پیچیدہ معنی جو بیان کئے ہیں وہ شریعت سے ثابت نہیں، آگے فرمایا، کہ جب ان لوگوں کے تجربہ عقلی کے

[1] فتح الباری ص ۲۱۴ ج ۲ تفسیر "قل ھو اللہ احد"

قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ ۚ هَٰذَا ذِكْرُ مَن مَّعِيَ وَذِكْرُ مَن قَبْلِي ۗ بَلْ أَكْثَرُهُمْ

تو کہہ لاؤ اپنی سند یہی بات ہے میرے ساتھ والوں کی اور مجھ سے پہلوں کی کوئی نہیں پر وہ بہت

لَا يَعْلَمُونَ الْحَقَّ ۖ فَهُم مُّعْرِضُونَ ﴿۲۴﴾

لوگ نہیں سمجھتے سچی بات پھر ٹلاتے ہیں۔

موافق اللہ کی وحدانیت اور اس کے ہاتھ میں تمام عالم کے انتظام کا ہونا ثابت ہوگیا تو یہ مشرک لوگ اللہ کی شان میں جو باتیں بناتے ہیں ان سے وہ پاک ذات بالکل پاک ہے اور اس کے کسی طرح کے انتظام میں جب کوئی شریک نہیں ہے تو اس کی تعظیم میں دوسروں کو شریک ٹھہرانا بڑے وبال کی بات ہے، صحیح بخاری و مسلم[1] کے حوالہ سے عبداللہؓ بن مسعود کی حدیث کئی جگہ گزر چکی ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا اس واسطے خالص اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور عبادت انسان پر واجب ہے اس واجب کو چھوڑ کر اللہ کی تعظیم میں شریک ٹھہرانا ایسے بڑے وبال کی بات ہے کہ اس سے بڑھ کر دنیا میں کوئی جرم نہیں، شرک کے وبال کا حال اس حدیث سے اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے پھر فرمایا ابتدائے دنیا سے اب تک تمام دنیا کا انتظام ایک وتیرہ پر اس طرح قائم ہے، نہ کوئی دوسرا اللہ کے انتظام میں شریک ہے نہ اس سے کوئی پوچھنے والا کہ مثلاً اتنی پچھلی قوموں کو اس نے طرح طرح کے عذابوں سے کیوں ہلاک کر دیا ہاں اس کا حکم تمام مخلوقات پر جاری ہے اس واسطے تمام مخلوقات میں سے جو کوئی اس کے حکم کے برخلاف عمل کرے گا وہ ضرور اس کو پکڑے گا اور اس کی پکڑ کو کوئی ٹال نہیں سکتا، فرعون جیسے صاحب لشکر بادشاہ کو اس نے ایک دم میں ڈبو کر ہلاک کر دیا اور کوئی اس سے پوچھ نہ سکا۔ پھر فرمایا کہ اس عقلی تجربہ کے طور پر سمجھانے کے بعد بھی کیا یہ لوگ شرک کو نہیں چھوڑتے تو اچھا یہ لوگ اپنے آپ کو ملت ابراہیمی پر بتلاتے ہیں اس واسطے اے رسول اللہ کے ان کو قائل کرنے کے لئے تم ان سے کہو کہ ملت ابراہیمی میں شرک کی کوئی سند ہو تو لاؤ اس کو پیش کرو ورنہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر جو قرآن نازل فرمایا اس میں حال کے اور پچھلے لوگوں کا سب حال ہے، مطلب یہ ہے کہ شرک کے وبال میں جس طرح پچھلی قومیں طرح طرح کے عذابوں میں ہلاک ہو چکی ہیں، قرآن میں ان کے قصے جگہ جگہ اس بات کے جتلانے کے لئے بیان کر دیئے گئے ہیں کہ حال کے لوگوں میں سے جو کوئی ان پچھلی قوموں کے قدم بقدم چلے گا، اس کا انجام بھی وہی ہوگا جو ان پچھلی قوموں کا ہوا، بدر کی لڑائی کے وقت اس وعدہ کا جو کچھ ظہور ہوا، صحیح بخاری و مسلم کی انس بن مالک کی روایت کے حوالہ سے اس کا قصہ کئی جگہ گزر چکا ہے آخر کو فرمایا کہ یہ بات تو نہیں کہ ان کے پاس شرک کی کوئی سند ہو بلکہ بات فقط اتنی ہی ہے کہ ان میں کے جو لوگ اللہ کے علم غیب میں گمراہ ٹھہر چکے ہیں وہ حق بات کے سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے بلکہ حق بات کو مسخراپن میں ڈال دیتے ہیں۔ صحیح بخاری و مسلم کے[2] حوالہ سے حضرت علیؓ کی حدیث اوپر گزر چکی ہے کہ دنیا کے پیدا کرنے سے پہلے اپنے علم غیب کے نتیجہ کے طور پر اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں یہ لکھ لیا ہے کہ دنیا میں پیدا ہونے کے بعد کون شخص دنیا میں دوزخیوں کے سے کام کر کے مرتے دم تک انہیں کاموں کو اچھا اور آسان سمجھتا رہے گا، عقلی تجربہ اور ملت ابراہیمی کے حوالہ سے سمجھانے کے بعد بھی مشرکین

[1] مشکوٰۃ باب الکبائر و علامات النفاق [2] مشکوٰۃ باب القدر

وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا نُوۡحِیۡۤ اِلَيۡهِ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعۡبُدُوۡنِ ﴿۲۵﴾

اور نہیں بھیجا ہم نے تجھ سے پہلے کوئی رسول مگر اس کو یہی حکم بھیجا کہ بات یوں ہے کہ کسی کی بندگی نہیں سوائے میرے سو میری بندگی کرو۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحۡمٰنُ وَلَدًا سُبۡحٰنَهٗ ؕ بَلۡ عِبَادٌ مُّكۡرَمُوۡنَ ﴿۲۶﴾ لَا يَسۡبِقُوۡنَهٗ

اور کہتے ہیں رحمٰن نے کر لیا کوئی بیٹا وہ اس لائق نہیں لیکن وہ بندے ہیں جن کو عزت دی ہے۔ اس سے بڑھ کر نہیں

بِالۡقَوۡلِ وَهُمۡ بِاَمۡرِهٖ يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۲۷﴾ يَعۡلَمُ مَا بَيۡنَ اَيۡدِيۡهِمۡ وَمَا خَلۡفَهُمۡ وَلَا

بول سکتے اور وہ اسی کے حکم پر کام کرتے ہیں اس کو معلوم ہے جو ان کے آگے اور پیچھے اور سفارش

مکہ میں کے جو لوگ مرتے دم تک شرک سے باز نہیں آئے ان کی گمراہی کا سبب اس حدیث سے اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے۔

۲۵:۔ اوپر مشرکین مکہ کو یوں قائل کیا گیا تھا کہ ملت ابراہیمی میں شرک کی کوئی سند ہو تو پیش کی جاوے اس آیت میں فرمایا، ملت ابراہیمی تو درکنار پچھلے کسی رسول کی شریعت میں سے بھی یہ لوگ شرک کی کوئی سند پیش نہیں کر سکتے کیونکہ مصلحت وقت کے موافق ہر ایک شریعت کے نماز، روزے، حلال و حرام کے احکام جدا ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور شرک کی برائی سے پچھلی کوئی شریعت خالی نہیں ہے، صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ[1] سے ابوہریرہؓ کی روایت کئی جگہ گزر چکی ہے، جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا مسئلہ پچھلی ہر ایک شریعت میں موجود ہے، اس حساب سے ایک باپ کی اولاد کی طرح سب انبیاء گویا اس میں بھائی بھائی ہیں، اس حدیث سے یہ مطلب اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے کہ جس طرح بھائی سے بھائی جدا نہیں ہوتا اسی طرح پچھلی کوئی شریعت اللہ کی وحدانیت اور شرک کی برائی سے خالی نہیں ہے، پھر کسی مشرک کی کیا طاقت ہے کہ کسی شریعت میں سے وہ شرک کی سند ڈھونڈھ کر پیش کر سکتا ہے، سلف کا یہ قول مشہور ہے کہ جس نے ایک رسول کو جھٹلایا۔ اس نے سب رسولوں کو جھٹلایا، اس کا مطلب اس آیت اور حدیث سے اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت سب رسولوں کی شریعتوں میں ہے اس واسطے ایک رسول کی شریعت جھٹلانے سے سب شریعتوں کا جھٹلانا لازم آجاتا ہے۔

۲۶-۲۹:۔ سورہ والصافات میں شعب الایمان بیہقی، تفسیر سدی، تفسیر مقاتل وغیرہ کے حوالہ سے قتادہ وغیرہ کا قول آوے گا کہ مشرکین مکہ میں سے قبیلہ خزاعہ کے لوگ فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی اولاد کہتے تھے اور ان کی مورتوں کی پوجا کر کے یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ جن بتوں کی مورتوں کی ہم پوجا کرتے ہیں، اگر قیامت قائم ہوئی تو وہ فرشتے اللہ کے روبرو ہماری سفارش کر کے ہم کو دوزخ کی آگ سے چھڑا لیویں گے، اسی کے جواب میں فرمایا کہ جس طرح ان مشرکوں کے پاس بت پرستی کی کچھ سند نہیں، اسی طرح فرشتوں کو اللہ کی اولاد ٹھہرانے کی بھی ان کے پاس کوئی سند نہیں ہے شیطان کے بہکانے سے اپنی اٹکل سے یہ لوگ جو جی میں آتا ہے بکتے ہیں جس کا خمیازہ وقت مقررہ پر بھگتیں گے، پھر فرمایا فرشتے تو اللہ کے ایسے فرمانبردار بندے ہیں کہ اللہ کے حکم پر چلتے ہیں، اپنی حد سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی خلاف مرضی کوئی بات بھی وہ منہ سے نہیں نکالتے اور ان کو اللہ تعالیٰ کا یہ حکم بھی معلوم ہے کہ جو مشرک بغیر توبہ کے مرجاوے گا تو جس طرح سوئی کے ناکے میں اونٹ کا گھس جانا ناممکن ہے، اسی

[1] مشکوٰۃ باب بدء الخلق وذکر الانبیاء علیہم السلام۔

يَشْفَعُوْنَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَمَنْ يَّقُلْ

نہیں کرتے مگر اس کی جس سے وُہ راضی ہو اور وُہ اس کی ہیبت سے ڈرتے ہیں اور جو کوئی ان

مِنْهُمْ إِنِّيْ إِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ كَذٰلِكَ نَجْزِي

میں کہے کہ میری بندگی ہے اس سے ورے سو اس کو ہم بدلا دیں دوزخ یوں ہی ہم بدلا دیتے ہیں

الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۹﴾

بے انصافوں کو۔

طرح ایسے مشرک کی نجات ناممکن ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کے اس حکم کے برخلاف اللہ تعالیٰ کے فرشتے ان مشرکوں کی سفارش کیونکر کر سکتے ہیں، پھر فرمایا فرشتے اللہ کی جو کچھ آئندہ فرمانبرداری کریں گے وُہ اوران آیتوں کے نازل ہونے تک جو فرمانبرداری انہوں نے کی ہے وُہ اللہ کے علم سے باہر نہیں ہے، یہ مشرک جو کہتے ہیں کہ اگر قیامت قائم ہوئی تو فرشتے اللہ کے روبرو ان مشرکوں کی سفارش کر کے ان مشرکوں کو دوزخ کے عذاب سے چھڑالیویں گے یہ ایک ایسی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم غیب میں اس کا کہیں پتہ نہیں ہے بلکہ اللہ کے علم غیب میں تو یہ ہے کہ فرشتے اللہ کی ہیبت سے بہت ڈرتے ہیں، پھر ان سے یہ نڈر پنے کا کام کیونکر ہو سکتا ہے کہ وُہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے برخلاف ان مشرکوں کی سفارش کرنے کی جرأت کریں گے، پھر فرمایا، فرشتوں کی مورتوں کو یہ لوگ شیطان کے بہکانے سے پوجتے ہیں، فرشتے ان کے اس شرک سے بالکل بیزار ہیں کیونکہ پچھلی قوموں پر جتنے عذاب آئے ہیں وُہ فرشتوں ہی کے ہاتھوں آئے ہیں اس لئے فرشتوں کو یہ معلوم ہے کہ جو فرشتہ اپنی پوجا کا حرف بھی زبان پر لاوے تو بنی آدم میں کی نافرمان قوموں کی سزا کی طرح ایسے فرشتے کی سزا جہنم ہے، صحیح بخاری و مسلم[1] کے حوالہ سے ابوسعید خدریؓ کی اس حدیث کا ذکر کئی جگہ گزر چکا ہے جس میں قیامت کے دن کی شفاعت کا ذکر تفصیل سے ہے، اس حدیث کے ایک ٹکڑے کا حاصل یہ ہے کہ ملائکہ، انبیاء اور صلحا کی شفاعت کا سلسلہ ان کلمہ گو گنہ گاروں پر ختم ہو جاوے گا جن کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہو گا، یہ حدیث اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى کی گویا تفسیر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى کی حد ان کلمہ گو گنہ گاروں تک ہے جن کے دل میں ذرہ بھر بھی ایمان ہے جو مشرک بغیر توبہ کے مر جاویں گے نہ ان کا شمار کلمہ گو گنہ گاروں میں ہو سکتا ہے، نہ ان کی شفاعت کی قیامت کے دن کچھ امید ہے اوپر کے ذکر کے موافق مشرکین مکہ شفاعت کی جس بے بنیاد امید پر جیتے تھے، اس بے بنیاد امید کا حال ان کو وقت پر معلوم ہو جاوے گا، صحیح بخاری[2] میں ابوہریرہؓ سے طبرانی میں[3] نواس بن سمعان سے اور تفسیر ابن[4] مردویہ میں عبداللہ بن مسعودؓ سے جو روایتیں ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ جس وقت اللہ تعالیٰ وحی کے طور پر کوئی حکم فرماتا ہے تو سب فرشتے ڈر کے مارے کانپ جاتے ہیں، پہلے پہل جبرائیل علیہ السلام کا ڈر کم ہوتا ہے اور وُہ وحی کے حکم کو سمجھ کر باقی کے فرشتوں کی تسکین کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ معمولی حکم صادر ہوا ہے، کچھ خوف نہ کرو، اس تسکین کے بعد فرشتوں کا خوف کم ہو جاتا ہے آیتوں میں یہ جو ذکر ہے کہ فرشتے

[1] مشکوٰۃ باب الحوض والشفاعۃ
[2] مع فتح الباری ص ۱۷۱ ج ۲ باب قولہ ولا تنفع الشفاعۃ الا لمن اذن لہ الآیۃ
[3] فتح الباری ص ایضاً
[4] دیکھئے حوالہ بالا۔

أَوَلَمْ يَرَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ۖ وَ

اور کیا نہیں دیکھا ان منکروں نے کہ آسمان اور زمین منہ بند تھے پھر ہم نے ان کو کھولا۔ اور

جَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ۖ أَفَلَا يُؤْمِنُونَ ﴿۳۰﴾ وَجَعَلْنَا فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ

بنائی ہم نے پانی سے جس چیز میں جی ہے پھر کیا یقین نہیں کرتے اور رکھے ہم نے زمین میں بوجھ

أَنْ تَمِيدَ بِهِمْ وَجَعَلْنَا فِيهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ ﴿۳۱﴾ وَجَعَلْنَا

کبھی ان کو لے کر جھک پڑے اور رکھیں اس میں کشادہ راہیں شاید وہ راہ پاویں اور بنایا ہم نے

اللہ تعالیٰ کے خوف سے ڈرتے رہتے ہیں، اس کا مطلب ان روایتوں سے اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے۔

۳۰-۳۳: اگرچہ پہلی آیت کی تفسیر میں سلف کے کئی قول ہیں مگر بیہقی کی کتاب اسماء وصفات، تفسیر عبد بن حمید اور مستدرک[۱] حاکم میں معتبر سند سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول ہے جس میں انہوں نے كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا کی تفسیر یوں بیان فرمائی ہے کہ آسمان بند تھا، اس میں مینہ برسنے کی تاثیر نہیں تھی، اللہ تعالیٰ نے اس میں مینہ برسنے کی تاثیر پیدا کی اسی طرح زمین بند تھی، اس میں کسی طرح کی پیداوار نہیں تھی، اللہ تعالیٰ نے اس میں پیداوار کی قوت پیدا کی، حافظ ابو جعفر ابن جریر[۲] نے سلف کے سب قولوں میں سے اسی قول کو معتبر ٹھہرایا ہے، آخر آیت میں اللہ تعالیٰ نے بھی مینہ کا ذکر فرمایا ہے، اس واسطے یہی قول صحیح معلوم ہوتا ہے، حاصل مطلب پہلی آیت کا یہ ہے کہ مکہ کے قحط کے وقت ان مشرکوں نے کیا یہ نہیں دیکھا کہ اس وقت بھی یہی آسمان زمین تھے اور یہ مشرک لوگ اپنے بتوں سے مینہ کے برسنے کی التجائیں بھی کر رہے تھے، لیکن آسمان وزمین میں جو قوت اور تاثیر اللہ تعالیٰ نے رکھی ہے، اس کا ظہور سوائے اس کے اور کسی کے اختیار میں نہیں اس لئے جب تک اس کا حکم نہ ہوا یہ دونوں ایسے ہی بند ہوگئے، جس طرح اس تاثیر کے پیدا کئے جانے سے پہلے بند تھے پر ایسی آنکھوں کی دیکھی ہوئی بات کا یقین ان لوگوں کے دل میں کیوں نہیں پیدا ہوتا مکہ کے قحط کا قصہ صحیح بخاری وغیرہ کی عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت[۳] سے اسی سورہ میں گزر چکا ہے، قحط کی حالت کے علاوہ کسی جگہ بارش اور قوت پیداوار کم ہے اور کسی جگہ زیادہ مثلاً مکہ کی سرزمین کا کچھ اور حال ہے اور طائف کی زمین کا کچھ اور حال ہے، اس سے بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کی وہی نشانی ہر وقت ان لوگوں کی آنکھوں کے سامنے ہے جو نشانی انہوں نے مکہ کے قحط میں آنکھوں سے دیکھی، صحیح[۴] مسلم کے حوالہ سے حضرت عائشہؓ کی حدیث کئی جگہ گزر چکی ہے کہ فرشتے نور سے پیدا کئے گئے ہیں اور جنات آگ کے شعلے سے، اس حدیث کو آیت کے ٹکڑے وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ کے ساتھ ملانے سے یہ مطلب ہوا کہ آیت کے اس ٹکڑے میں انسان اور اس کی ضرورت کی سب چیزوں کو پانی سے پیدا کرنے کا ذکر ہے فرشتوں اور جنات کا ذکر یہاں نہیں ہے، کھیتی اور باغات کی سرسبزی کو ان کی زندگی فرمایا، آگے فرمایا، پانی پر زمین جب بچھائی گئی تو وہ ہلتی تھی، اس کے جمانے کے لئے اس میں پہاڑ ٹھونکے گئے اور ان پہاڑوں میں گھاٹیاں رکھی گئیں

[۱] تفسیر الدر المنثور ص ۳۱۷ ج ۴ [۲] تفسیر ابن جریر ص ۱۹ ج ۱۷

[۳] ص ۲۱۷ جلد ہذا [۴] مشکوٰۃ باب بدء الخلق الخ

السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا ۚ وَّهُمْ عَنْ اٰيٰتِهَا مُعْرِضُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَهُوَ الَّذِىْ خَلَقَ

آسمان کو چھت بچاؤ کی اور وہ اس کے نمونے دھیان میں نہیں لاتے اور وہی ہے جس نے بنائے

الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۭ كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَمَا جَعَلْنَا

رات اور دن اور سورج اور چاند سب ایک ایک گھر میں پھرتے ہیں۔ اور نہیں دیا ہم نے

لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ۭ اَفَا۟ىِٕنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ ﴿۳۴﴾ كُلُّ نَفْسٍ

تجھ سے پہلے کسی آدمی کو ہمیشہ رہنا پھر کیا اگر تو مرگیا تو وہ رہ جاویں گے۔ ہر جی کو

تاکہ ایک شہر سے دوسرے شہر کو جانے میں لوگوں کو تکلیف نہ ہو، آسمان کو بچاؤ کی چھت جو فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ آسمان پر فرشتوں کا پہرہ رہتا ہے جس سے شیاطین آسمان پر کی باتیں چوری سے نہیں سُن سکتے، پھر فرمایا آسمان پر سُورج چاند اور تارے اللہ کی قدرت کے نمونے ہیں جن کو یہ لوگ دھیان کرکے اس کی قدرت کو نہیں پہچانتے، پھر فرمایا سمجھ دار شخص کے لئے رات دن بھی اس کی قدرت کی نشانیاں ہیں کہ رات کی نیند سے آدمی کی دن بھر کی تکان رفع ہو جاتی ہے اور دن کو پھر چل کر ہر شخص اپنی گزران کی صورت نکال سکتا ہے، اسی طرح سُورج کی گردش سے جاڑے گرمی اور برسات کا موسم پیدا ہوتا ہے اور چاند کی گردش سے مہینہ اور سال کا حساب معلوم ہو جاتا ہے، حاصل کلام یہ ہے کہ سمجھ دار کے حق میں سب مخلوقات اللہ کی قدرت کی نشانیاں ہیں اور جو لوگ ناسمجھی سے شیطان کے پنجے میں پھنسے ہوئے ہیں، وُہ ان قدرت کی نشانیوں سے ایسے غافل ہیں کہ سمجھانے سے بھی نہیں سمجھتے، صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ[1] سے حضرت علیؓ کی حدیث کئی جگہ گزر چکی ہے کہ دنیا کے پیدا کرنے سے پہلے اپنے علم غیب کے موافق اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں لکھ لیا ہے کہ دنیا میں پیدا ہونے کے بعد کون شخص دوزخ میں جھونکے جانے کے قابل کام کرے گا اور کون شخص جنت میں جانے کے قابل، اسی طرح صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابو موسیٰ اشعری کی حدیث بھی کئی جگہ گزر چکی ہے، جس میں اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی نصیحت کی مثال مینہ کے پانی کی اور اچھے بُرے لوگوں کی مثال اچھی بُری زمین کی بیان فرمائی ہے، ان حدیثوں کو آیتوں کے ساتھ ملانے سے یہ مطلب ہوا کہ جو لوگ دُنیا کے پیدا ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے علمِ غیب میں نیک ٹھہر چکے تھے، ان کو ان آیتوں اور اس قسم کی اور آیتوں کی قدرت کی نشانیوں سے ایسا ہی فائدہ پہنچا، اور قیامت تک پہنچتا رہے گا جس طرح اچھی زمین کو مینہ کے پانی سے فائدہ پہنچتا ہے اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے علمِ غیب میں بدقرار پاچکے تھے، ان کے حق میں قرآن کی نصیحت اور قدرت کی سب نشانیاں اسی طرح رائگاں ہیں جس طرح بُری زمین میں مینہ کا پانی رائگاں جاتا ہے۔

۳۴-۳۵: سورۂ یونس میں گزر چکا[2] ہے کہ جب اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین مکہ کو قرآن شریف کی وہ آیتیں

[1] مشکوٰۃ، باب الایمان بالقدر

[2] ص ۱۹، ۱۰۸ جلد ۳

ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ؕ وَاِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَاِذَا رَاٰكَ

چکھنی ہے موت اور ہم تم کو جانچتے ہیں بُرائی سے اور بھلائی سے آزمانے کو اور ہماری طرف پھر آؤ گے اور جہاں تجھ کو دیکھا

الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا الَّذِيْ يَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ ۚ

منکروں نے اور کام نہیں تجھ سے مگر ٹھٹھے میں پکڑنا کیا یہی شخص ہے کہ نام لیتا ہے تمہارے ٹھاکروں کا

سناتے تھے، جن میں ان کے بتوں کی مذمت ہوتی تھی تو ان میں کے بڑے بڑے سرکش اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتے تھے کہ اگر تم کو ہمیں قرآن سنانا منظور رہے تو اس میں سے ہمارے بتوں کی مذمت کا ذکر بدل ڈالو، مشرکین مکہ اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی کہا کرتے تھے کہ برس دن تک تم ہمارے بتوں کی پوجا کرو اور ہم برس دن تک تمہارے خدا کی عبادت کریں گے۔ پھر اس صورت میں ہمارا تمہارا کوئی جھگڑا باقی نہ رہے گا، یہ ذکر تفصیل سے سُورۃ الزمر میں آتا ہے، حاصل کلام یہ ہے کہ جب مشرکینِ مکہ کی یہ باتیں کچھ کارگر نہ ہوئیں تو یہ لوگ اللہ کے رسُول کو کوستے اور آپ کی وفات کی تمنا کرتے تھے اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے رسُول اللہ کے اللہ تعالیٰ کا یہ انتظام تو تم سے پہلے کا ہے کہ کوئی بشر دنیا میں سہنے والا نہیں اس انتظام کے موافق اگر تم دنیا میں نہ رہے تو ایک دن یہ لوگ بھی نہ رہیں گے کیونکہ موت کا مزہ ہر شخص کو چکھنا ضرور ہے پھر اپنی دنیا کی خوش حالی کے نشہ میں یہ لوگ اپنی موت سے جو غافل ہیں، یہ ان کی نادانی ہے، دنیا کی خوشحالی اور تنگدستی تو اللہ تعالیٰ نے اس آزمائش کے لیئے پیدا کی ہے کہ خوشحالی کی حالت میں کون شخص اللہ تعالیٰ کی شکر گزاری کرتا ہے اور کون ناشکری، اسی طرح تنگدستی کی حالت میں کون صبر کرتا ہے اور کون بے صبری، پھر ایک دن سب اللہ تعالیٰ کے رُوبرو حاضر ہونے والے ہیں اس وقت ہر شخص کے عملوں کے موافق جزا و سزا کا فیصلہ ہوگا، صحیح مسلم کے حوالہ[1] سے صہیبؓ رومی کی حدیث کئی جگہ گزر چکی ہے، جس میں اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، خوشحالی کے وقت شکر اور تنگدستی کے وقت صبر ان لوگوں کا کام ہے جو پکے ایماندار ہیں، اس حدیث کو آیتوں کے ساتھ ملانے سے یہ مطلب ہوا کہ خوشحالی اور تنگدستی دُنیا میں آزمائش کی چیزیں ہیں اور آزمائش میں وہی لوگ پورے اترتے ہیں جو پکے ایماندار ہیں، اللہ کے رسُول کی وفات کا انتظار کرنے والوں میں سے بڑے بڑے سرکش بدر کی لڑائی میں ختم ہو گئے، جس کا قصہ صحیح بخاری و مسلم کی انسؓ بن مالک کی روایت کے حوالہ سے کئی جگہ گزر چکا ہے اور جن بتوں کی حمایت میں یہ لوگ اللہ کے رسُول کی وفات کا انتظار کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسُول کے ہاتھ سے ان بتوں کو جس قدر ذلیل کرایا، صحیح بخاری کی عبداللہؓ بن مسعود[2] اور صحیح مسلم کی ابوہریرہؓ[3] کی روایتوں کے حوالہ سے یہ قصہ بھی کئی جگہ گزر چکا ہے کہ فتح مکہ کے وقت اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ کی لکڑی مار مار کر ان بتوں کو زمین میں پھینک دیا اور کسی مشرک سے ان بتوں کی کچھ حمایت نہ ہو سکی۔

۳۶-۴۱: تفسیر سدی اور تفسیر ابن ابی حاتم[4] میں چند روایتوں سے جو شانِ نزول ان آیتوں کی بیان کی گئی ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ قرآن شریف میں مشرکوں کے بتوں کی مذمت کی آیتیں جو نازل ہوتی تھیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وہ

[1] مشکوٰۃ باب التوکل والصبر [2] صحیح بخاری ابواب فتح مکہ [3] صحیح مسلم ص ۱۰۳ ج ۲
[4] تفسیر الدر المنثور ص ۳۱۹ ج ۴

وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۶﴾ خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ سَاُورِيْكُمْ

اور وہ رحمٰن کے نام سے منکر ہیں ۔ بنا ہے آدمی شتابی کا اب دکھاتا ہوں ان کو

اٰيٰتِيْ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ ﴿۳۷﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۸﴾

نمونے سو مجھ سے جلدی مت کرو اور کہتے ہیں کب ہوگا یہ وعدہ اگر تم سچے ہو ۔

لَوْ يَعْلَمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا حِيْنَ لَا يَكُفُّوْنَ عَنْ وُّجُوْهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَنْ ظُهُوْرِهِمْ

کبھی جانیں یہ منکر اس وقت کو کہ نہ روک سکیں گے اپنے منہ سے آگ اور نہ اپنی پیٹھ سے ۔

آیتیں مشرکوں کو پڑھ کر سناتے تھے تو مشرک لوگ اپنے بتوں کی مذمت سن کر دل میں تو بہت چڑتے اور برا مانتے تھے اور ظاہر میں آنحضرتؐ کو مسخرا پن میں اڑاتے تھے، چلتے پھرتے جہاں کہیں آنحضرتؐ کو دیکھتے تو ابوجہل وغیرہ آپس میں آنحضرتؐ کو چھیڑنے کو کہتے تھے، کیا قریش کی ہدایت کو یہی نبی آئے ہیں جو ہمارے معبودوں کو برا کہتے ہیں اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں اور فرمایا کہ جو عذاب ان مشرکوں کے لئے آخرت میں مہیا کیا گیا ہے، اگر اس کو یہ لوگ جان لیویں تو یہ مسخرا پن کی سب باتیں بھول جاویں اور یہ بھی فرمایا کہ دنیا چند روزہ ہے، آنکھوں کے سامنے ان کے بڑے مر گئے ان کو بھی اسی طرح آخر مرنا ہے مرتے ہی اس طرح کے ناگہانی عذاب میں یہ لوگ پھنس جاویں گے کہ پھر ان کا کچھ بس نہ چلے گا۔ قرآن کی آیتوں اور صحیح حدیثوں سے یہ ثابت ہے کہ شریعت کے منکر لوگوں کے سارے جسم پر طرح طرح کا عذاب ہوگا لیکن ان آیتوں میں ان لوگوں کے فقط منہ اور پشت کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس واسطے فرمایا ہے کہ ایسے لوگوں کے منہ اور پشت پر قبض روح کے وقت فرشتے دنیا میں ہی کوڑے مارتے ہیں، جس کا ذکر سورہ محمد میں آوے گا۔ اس لئے سب سے پہلے جو عذاب شروع ہوگا، اس کا ذکر ان آیتوں میں فرمایا گیا ہے حاصل مطلب ان پوری آیتوں کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے، اے رسول اللہ کے اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے کہ یہ مشرک لوگ جب تم کو دیکھتے ہیں تو مسخرا پن کے طور پر آپس میں چرچا کرتے ہیں کہ ہمارے ٹھاکروں کی مذمت کرنے والے یہ جا رہے ہیں، عربی زبان میں ذکر کا لفظ مذمت اور تعریف دونوں موقعوں پر بولا جاتا ہے، اگر یہ لفظ دوست کے منہ سے نکلے تو تعریف کا موقعہ ہوتا ہے، نہیں تو مذمت کا، پھر فرمایا یہ لوگ پتھر کے بتوں کا نام تو تعریف سے لینے کی خواہش دل میں رکھتے ہیں اور اللہ کی رحمت کی صفت کے سبب سے اس کا نام رحمٰن جو قرار پایا ہے، اس نام کے منکر ہیں، اس لئے اے رسول اللہ کے ان لوگوں کی باتیں ہنسی کے قابل ہیں، تمہاری باتوں پر جو یہ لوگ ہنستے ہیں، ان کی سراپا نادانی ہے کیونکہ یہ بت جن نیک لوگوں کی شکلوں کی یہ مورتیں ہیں، وہ لوگ تو ان مشرکوں کی صورتوں سے بیزار ہیں اور بت تو پھر آخر پتھر کی مورتیں ہیں جن میں نہ کسی کو نفع پہنچانے کی قدرت ہے نہ ضرر پہنچانے کی، پھر ان کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرانا قابل مذمت کام نہیں، تو اس کے قابلِ تعریف ہونے کی کیا سند ان لوگوں کے پاس ہے، صحیح بخاری کے حوالہ سے عبداللہؓ بن مسعود کی، اور صحیح مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی روایتیں کئی جگہ گزر چکی ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ فتح مکہ کے وقت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ کی لکڑی مار مار کر مکہ کے سب بتوں کو زمین میں گرا دیا، ان روایتوں کو آیتوں کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جن کا حاصل یہ ہے کہ مشرکین مکہ اپنے جن بتوں کی عزت بڑھانے کے لئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ

وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۳۹﴾ بَلْ تَأْتِيْهِمْ بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ رَدَّهَا

اور نہ ان کو مدد پہنچے گی کوئی نہیں وہ آوے گی ان پر بے خبر پھر ان کے ہوش کھو دے گی پھر نہ سکیں گے کہ اس کو پھیر دیں

وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۴۰﴾ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ

اور نہ ان کو فرصت ملے گی اور ٹھٹھے ہو چکے ہیں کتنے رسولوں سے تجھ سے پہلے پھر الٹ پڑی ٹھٹھا کرنے والوں

سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۴۱﴾ ع

پر ان میں سے جس چیز کا ٹھٹھا کرتے تھے۔

مسخراپن کرتے تھے جن کا ذکر آیتوں میں ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کے بدلہ میں اپنے رسول کے ہاتھ سے ان بتوں کو خوب ذلت دلوائی، مشرکین مکہ مسیلمہ کذاب کو رحمٰن کہتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے اس نام کے منکر تھے، صحیح بخاری[1] وغیرہ میں صلح حدیبیہ کے قصہ میں چند روایتیں ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح نامہ کے شروع میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ لکھنے کو کہا تو مشرکین مکہ نے صلح نامہ کے لکھے جانے سے انکار کیا اور کہنے لگے کہ رحمٰن کو ہم نہیں جانتے صلح نامہ کے شروع میں قدیم دستور کے مطابق بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ لکھا جاوے، آخر مشرکین کی ضد کے سبب سے بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ صلح نامہ کے شروع میں لکھا گیا، اس حدیث سے وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ هُمْ كٰفِرُوْنَ کی تفسیر اچھی طرح سمجھ میں آجاتی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مشرکین مکہ اللہ تعالیٰ کا نام رحمٰن ہونے کے سخت منکر تھے، معتبر سند سے مسند سعید بن منصور، تفسیر ابن المنذر، تفسیر سدی وغیرہ[2] میں سعید بن جبیر اور عکرمہ کا قول ہے کہ جب آدم علیہ السلام کے پتلے میں روح پھونکی گئی تو پیروں میں جان پڑ جانے سے پہلے آدم علیہ السلام نے کھڑے ہونے کا قصد کیا اور گر پڑے اس قول سے خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ کی تفسیر اچھی طرح سمجھ میں آسکتی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ہر کام میں جلدی اور شتابی کرنا انسان کے خمیر میں پڑا ہوا ہے، آگے فرمایا، انسان کے خمیر میں ہر ایک کام میں جلدی کا کرنا جو پڑا ہوا ہے اس کے موافق یہ لوگ عذاب کی جلدی جو کرتے ہیں اور گھڑی گھڑی جو کہتے ہیں کہ جس عذاب سے ڈرایا جاتا ہے آخر وہ عذاب کب آوے گا اے رسول اللہ کے ان جلد بازوں سے کہہ دیا جاوے کہ عذاب کی جلدی کیوں کرتے ہو، بہت جلد اللہ تعالیٰ عذاب کی گھڑی بھی تم کو دکھاوے گا، صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے انس رضی اللہ عنہ بن مالک کی حدیث کئی جگہ گزر چکی ہے کہ مشرکین مکہ میں سے بڑے بڑے عذاب کی جلدی کرنے والے بدر کی لڑائی کے وقت دنیا میں بڑی ذلت سے مارے گئے اور مرتے ہی عذاب آخرت میں گرفتار ہو گئے جس عذاب کے جتلانے کے لئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کی لاشوں پر کھڑے ہو کر فرمایا، اب تو تم لوگوں نے اللہ کے وعدہ کو سچا پالیا، عذاب کے جلدی کرنے والوں کو عذاب کی گھڑی کے دکھانے کا جو وعدہ آیتوں میں تھا، اس وعدہ کا ظہور اس حدیث سے اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے آگے فرمایا اگر ان لوگوں کو اس دن کا حال کھل جاوے جس دن یہ لوگ اپنے منہ اور اپنی پیٹھ کو آگ کے صدمہ سے نہ خود بچا سکیں گے، نہ کوئی دوسرا ان کی مدد کر کے ان کو اس آگ سے بچا سکے گا اور نہ کہیں بھاگ کر یہ لوگ اس عذاب کو ٹال سکیں گے کیونکہ وہ عذاب ایسی بے خبری میں آوے گا کہ ان کو بھاگنے کی مہلت بھی نہ مل سکے گی، سورۂ محمد میں آوے گا کہ اللہ کے

[1] صحیح بخاری ص ۳۸۹ جلد اول کتاب الشروط [2] تفسیر الدر المنثور ص ۳۱۹

قُلْ مَنْ يَكْلَؤُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ ۭ بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ

تو کہہ کون چوکی دیتا ہے تمہاری رات میں اور دن میں رحمٰن سے کوئی نہیں وہ اپنے رب کے ذکر سے

مُّعْرِضُوْنَ ﴿۴۲﴾ اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِّنْ دُوْنِنَا ۭ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَ

ٹال کرتے ہیں۔ یا ان کے کوئی ٹھاکر ہیں کہ ان کو بچاتے ہیں ہمارے سوا وُہ اپنی مدد نہیں

اَنْفُسِهِمْ وَلَا هُمْ مِّنَّا يُصْحَبُوْنَ ﴿۴۳﴾ بَلْ مَتَّعْنَا هٰٓؤُلَاۗءِ وَاٰبَاۗءَهُمْ حَتّٰى

کر سکتے اور نہ ان کو ہماری طرف سے رفاقت۔ کوئی نہیں پر ہم نے برتوایا ان کو اور ان کے باپ دادوں کو یہاں تک کہ

فرشتے نافرمان لوگوں کی رُوح قبض کرنے کے وقت ایسے لوگوں کے منہ اور ان کی پیٹھ پر لوہے کی گرم موگریاں مارتے ہیں، مسند امام اور ابوداؤد میں براؓ بن العازب کی صحیح روایت ہے، اس میں بھی نافرمان لوگوں کی رُوح قبض کرنے کے وقت سختی کرنے کا ذکر ہے اس سختی کا مطلب بھی وہی ہے جو سُورۂ محمد کی آیتوں کا اوپر بیان کیا گیا کہ نافرمان لوگوں کی رُوح قبض کرنے کے وقت فرشتے ایسے لوگوں کے منہ اور ان کی پیٹھ پر طرح طرح کی مار دھاڑ کرتے ہیں، حاصل کلام یہ ہے کہ ان آیتوں میں فقط منہ اور پیٹھ پر عذاب کے ہونے کا جو ذکر ہے، سُورۂ محمد کی آیتوں اور براؓ بن العازب کی حدیث سے اس کا مطلب سمجھ میں آجاتا ہے کہ یہ عذاب نافرمان لوگوں کی قبضِ رُوح کے وقت کا ہے۔ موت اور قیامت کے وقت کی کسی کو خبر نہیں، اسی واسطے موت اور قیامت کے عذاب کو بے خبری کے وقت کا عذاب فرمایا، آخر آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسُول کی یہ تسکین فرمائی ہے کہ منکرِ شریعت لوگ اسی طرح قدیم سے اللہ کے رسُولوں سے مسخراپن کرتے رہے ہیں تمہارے ساتھ ہی کچھ یہ بات نہیں ہے اور یہ بھی فرمایا کہ انجام ان کے مسخراپن کا یہ ہُوا کہ دُنیا میں طرح طرح کے عذابوں سے ہلاک ہُوئے اور آخرت کے عذاب میں جدا پکڑے جاویں گے مطلب یہ ہے کہ مشرکین مکہ میں سے جو لوگ ان پچھلے لوگوں کے قدم بقدم چلیں گے۔ یہی انجام ان کا بھی ہوگا، اللہ سچا ہے، اللہ کا کلام سچا ہے اس انجام کا ذکر انسؓ بن مالک کی صحیح بخاری و مسلم کی روایت سے ابھی اوپر گزر چکا ہے۔

۴۲-۴۶:۔ اوپر ذکر تھا کہ منکرین قیامت عذاب کی جلدی کرتے تھے ان آیتوں میں فرمایا کہ جب تک وقت نہیں آتا، ہر بلا سے اللہ ہی ان کی نگہبانی کر رہا ہے، ورنہ آدمی کے پیچھے تو رات دن اتنی بلائیں لگی ہوئی ہیں کہ دم بھر بھی اس کا جینا مشکل ہے کیونکہ قحط کے وقت یہ تو ان لوگوں کو تجربہ ہو گیا کہ ان کے بُت ایسے عاجز ہیں کہ اللہ کی مدد کے بغیر کسی مصیبت کو ٹال نہیں سکتے لیکن یہ لوگ قرآن کی نصیحت کو ٹال دیتے ہیں ورنہ اس تجربہ کے بعد یہ لوگ قرآن کی نصیحت کے پابند ہو جاتے اور عذاب کی جلدی نہ کرتے، پھر فرمایا کہ ان کو اور ان کے بڑوں کو وقت مقررہ تک اللہ نے چھوڑ رکھا ہے نہیں تو ان کے کرتوت تو ایسے تھے کہ ان کا نشان بھی زمین پر باقی نہ رہتا پھر فرمایا کہ کیا ابھی بھی ان کو دینِ اسلام کا حق ہونا ثابت نہیں ہوتا کہ اسلام کو دن بدن ترقی ہوتی جاتی ہے اور کفر زمین سے اُٹھتا جاتا ہے۔ پھر آنحضرتؐ کو فرمایا کہ ان مشرکوں سے کہہ دو کہ میں تم کو اللہ کا حکم ہر طرح کی نصیحت کا سُناتا ہوں اگر بہرے بن کر اللہ کا حکم نہیں سنتے تو عذابِ الٰہی میں گرفتار ہو جاؤ گے پھر عذاب کی سختی کا ذکر فرمایا کہ اگر عذاب کی ذرا بُو بھی ان کے ناک میں جا دے تو سب عیش و آرام ابھی بھول جائیں اور اپنی زیادتی اور گنہگاری کا اقرار کرنے لگ جاویں، صحیح بخاری و

۵؎ مشکوٰۃ ص ۱۴۲۔

طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۗ أَفَلَا يَرَوْنَ أَنَّا نَأْتِي الْأَرْضَ نَنقُصُهَا مِنْ أَطْرَافِهَا ۚ أَفَهُمُ

بڑھ گئی ان پر زندگی پھر کیا نہیں دیکھتے کہ ہم چلے آتے ہیں زمین کو گھٹاتے اس کے کناروں سے اب کیا وہ

الْغَالِبُونَ ﴿٤٤﴾ قُلْ إِنَّمَا أُنذِرُكُم بِالْوَحْيِ ۚ وَلَا يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَاءَ إِذَا مَا يُنذَرُونَ ﴿٤٥﴾

جیتنے والے ہیں تو کہہ میں جو تم کو ڈر سناتا ہوں سو حکم کے موافق اور سنتے نہیں بہرے پکار کو جب کوئی ان کو ڈر سناوے

وَلَئِن مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ لَيَقُولُنَّ يَا وَيْلَنَا إِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ ﴿٤٦﴾

اور کبھی پہنچے ان تک ایک بھاپ تیرے رب کی آفت کی تو مقرر کہنے لگیں لے خرابی ہماری بے شک ہم تھے گنہگار۔

مسلم میں انسؓ بن مالکؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کم سے کم عذاب آخرت میں جس گنہگار پر ہوگا اس سے اللہ تعالیٰ پوچھے گا کہ دُنیا بھر کا عیش و آرام اور دُنیا بھر کی دولت آج تیرے قبضے میں ہو تو اس عذاب کے چھٹکارہ کے بدلہ میں تجھ کو وُہ عیش دولت دینی منظور ہے، وُہ شخص کہے گا ہاں، اس وقت اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ جب تو پیدا بھی نہیں ہُوا تھا اس وقت اللہ تعالیٰ نے تجھ سے یہ ایک ادنیٰ سی بات چاہی تھی کہ اللہ کی عبادت میں کسی دُوسرے کو شریک نہ کیجیو جب تجھ سے یہ بات نہ ہو سکی تو آج کیونکر تیرا چھٹکارہ اس عذاب سے ہو سکتا ہے، صحیح مسلمؒ میں ان ہی انس بن مالک سے دُوسری روایت ہے جس میں اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بڑے سے بڑے عیش طلب گنہگار سے دوزخ میں ڈالتے ہی پوچھا جائے گا کہ تو نے دنیا میں اپنی عمر بھر میں کبھی کچھ آرام پایا تھا تو اس عذاب کے آگے وُہ دُنیا کے آرام کو بالکل بھول جاوے گا اور کہے گا میں نے ہرگز کبھی کوئی آرام نہیں پایا اسی طرح دُنیا کے بڑے سے بڑے مصیبت زدہ شخص سے جنّت میں داخل ہوتے ہی پوچھا جاوے گا کہ دنیا میں اپنی عمر بھر میں تو نے کوئی مصیبت بھگتی تھی تو اس آخرت کے عیش کے آگے وُہ دُنیا کی سب مصیبتیں بھول جاوے گا اور کہے گا میں نے ہرگز کوئی مصیبت نہیں بھگتی۔ سورۃ العنکبوت میں آوے گا جب یہ مشرک لوگ کشتی میں سوار ہوتے اور کشتی کے ڈوب جانے کا خوف ہوتا تو اس خوف کے وقت اپنے بتوں کو بالکل بھول جاتے تھے اور خالص اللہ تعالیٰ سے کشتی کے ڈوبنے کی مصیبت کے ٹل جانے کی التجا کرتے تھے، صحیح بخاری وغیرہ کے حوالہ سے عبداللہؓ بن مسعود کی روایت کئی جگہ گزر چکی ہے کہ جب ان مشرکوں نے سرکشی پر کمر باندھی تو اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کی بد دُعا سے مکّہ میں ایسا سخت قحط پڑا کہ مکّہ کے لوگ نہ کھانے تک کی چیزیں بھی کھا گئے اور اس قحط کے زمانہ میں اگرچہ ان لوگوں نے اپنے بتوں سے مینہ برسنے کی دُعا کرنے کی التجا کی، آخر لاچار ہو کر انہوں نے اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم سے مینہ برسنے کی دُعا کرنے کی التجا کی اور آپ کی دُعا سے مینہ برسا، سُورۃ العنکبوت کی آیتوں اور اوپر کی انس بن مالک کی روایتوں اور عبداللہؓ بن مسعود کی روایت کو ان آیتوں کے ساتھ ملانے سے یہ مطلب ہُوا کہ اے رسُول اللہ کے اگر تم عذاب کی جلدی کرنے والوں سے پوچھو گے کہ اللہ کے حکم سے کوئی آفت تم پر آگئی، تو جو اللہ کشتی کے ڈوب جانے کے خوف کے وقت ڈوبنے کی آفت سے اور رات دن میں اسی طرح کی ہزاروں آفتوں سے تم کو بچاتا ہے، اس نئی آفت سے بھی وہی تم کو بچاوے گا۔ قرآن کی نصیحت ٹال دینے کے جرم کی سزا میں کوئی عذاب نازل ہو گیا، تو تمہارے بتوں کی یہ طاقت ہے کہ سوائے اللہ کے حکم اور اس کی مدد کے وُہ بُت اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہُوئے عذاب کو ٹال دیں گے اے

لہ مشکوٰۃ ص ۵۰۲ باب صفۃ النار و اہلہا ۔ لہ ایضاً

وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا ۖ وَإِنْ كَانَ

اور رکھیں گے ہم ترازوئیں انصاف کی قیامت کے دن پھر ظلم نہ ہوگا کسی جی پر ایک ذرہ اور اگر ہوگا

رسول اللہ کے کشتی کے ڈوبنے کے اور مکہ کے قحط کے حال یاد کر کے یہ تو ان لوگوں کا منہ نہیں کہ سوائے اللہ کی مدد کے اس کے بھیجے ہوئے عذاب سے بچ جانے کا ذکر یہ لوگ زبان پر لاویں، بلکہ بات فقط اتنی ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آزمائش کے طور پر ان کو اور ان کے بڑوں کو دُنیا کی خوشحالی جو دی اس کے نشہ میں نہ یہ لوگ اسلام کی دن بدن کی ترقی کو دیکھ کر چونکتے ہیں نہ بہروں کی طرح قرآن کی نصیحت کو سنتے ہیں اور نہ عذاب کی جلدی کرنے کے انجام کو سمجھتے ہیں لیکن اللہ کے کچھ عذاب کا حصہ اگر ان کو دنیا میں مل گیا تو اپنی گنہ گاری کا اقرار کرنے لگیں گے مگر ڈوبے وقت کا اقرار ان کے کچھ کام نہ آوے گا اور دُنیا کے عذاب کے علاوہ جب آخرت کے عذاب میں گرفتار ہوں گے تو دوزخ کے پہلے ہی جھونکے میں دنیا کی یہ خوشحالی بھول جاویں گے۔

٤٧: معتبر مفسروں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ قیامت کے دن اعمال کے تولنے کے لئے ایک ہی ترازو قائم کی جاوے گی لیکن اس ایک ترازو میں ہر ایک جنس کے عمل مثلاً نفلی نماز، روزہ، حج، فرضی نماز، روزہ، حج علیحدہ یہ سب کچھ تولا جاوے گا اس واسطے وہ ایک ترازو گویا کئی ترازوؤں کا کام دے گی اس لئے اس آیت میں ترازو نہیں فرمایا، ترازوئیں لفظ جمع کا فرمایا ہے جس کے معنے یہ ہیں کہ ہر ایک شخص کی کئی کئی تولیں قائم ہوں گی، اس ترازو میں کیا چیز تلے گی نیک بد عمل والے لوگ تلیں گے یا عمل کے کاغذ تلیں گے یا خود عملوں کو ایک جسم خدا بخشے گا وہ جسم تولا جاوے گا، اگرچہ مفسرین کے اس باب میں چند قول ہیں مگر اُمورِ آخرت میں جہاں عقل کا کچھ دخل نہیں بدوں صحیح حدیث صاحب وحی صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی مفسر کا قول قابل بھروسہ نہیں قرار پا سکتا، خود صاحب وحی صلی اللہ علیہ وسلم سے جو بات صحیح قرار پائی ہے وہ یہی ہے کہ خود اعمال تولے جاویں گے صحیح بخاری و مسلم[1] میں ابوہریرہؓ کی جو روایت ہے اس میں آپ نے سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ کو فرمایا ہے کہ یہ دو کلمے ایسے ہیں کہ زبان پر ہلکے ہیں اور قیامت کے دن میزان میں بھاری ہیں اور یہ دو کلمے اللہ کو بہت پیارے ہیں جس کاغذ کے پرچے پر یہ دونوں کلمے لکھے جاویں گے اس کا ہلکا پن تو خود معلوم ہے، اس لئے ظاہر ہے کہ خود ان کلموں کا بوجھ آنحضرتؐ کا مطلب ہے، مسند امام احمد بن حنبل، ترمذی، ابن ماجہ اور مستدرک حاکم میں عبداللہ بن عمروؓ بن العاص[2] سے جو روایتیں ہیں، ان کا حاصل یہ ہے کہ ایک کم سو دفتر ایک شخص کے گناہوں کے قیامت کے دن اتنی دُور تک پھیلنے کے قابل لمبے نکلیں گے جتنی دُور آدمی کی نگاہ کام کر سکتی ہے جب وہ شخص دوزخ میں بھیجا جانے لگے گا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا، اس کا ایک عمل تولنے سے رہ گیا ہے اس پر ایک چھوٹا سا پرچہ کاغذ کا لایا جاوے گا جس میں کلمہ توحید کا ثواب لکھا ہوگا تولنے میں وہ کاغذ کا پرچہ ایک کم سو دفتروں سے بھاری نکلے گا اب یہ بات تو ظاہر ہے کہ کاغذ کے پرچہ میں اس قدر بوجھ کہاں سے آسکتا ہے یہ عمل کا بوجھ ہے، ترمذی نے اس حدیث کو حسن اور حاکم نے شرط مسلم پر صحیح کہا ہے[3]، غرض صحیح حدیثوں سے خود عملوں کا تولا جانا ثابت ہو چکا ہے سوائے ان روایتوں کے فقط مسند امام احمد میں جو لوگوں کے تلنے کی روایت[4] ہے اس کی سند ایسی قوی نہیں ہے اور بلا کسی روایت کی سند کے بعضے مفسروں نے کچھ قول جو اس باب میں نقل کئے ہیں وہ صحیح حدیث کے روبرو

---

[1] صحیح بخاری کی آخری حدیث [2] تفسیر ابن کثیر ص ۱۸۰ ج ۳ [3] فتح الباری ص ۸۰۲ ج ٦
[4] تفسیر ابن کثیر حوالہ بالا۔

مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ أَتَيْنَا بِهَا ۗ وَكَفَىٰ بِنَا حَاسِبِينَ ﴿٤٧﴾

برابر رائی کے دانے کے وُہ ہم لے آویں گے اور ہم بس ہیں حساب کرنے کو۔

کسی گنتی میں نہیں ہیں، تین موقع قیامت کے دن بڑے سخت ہیں ایک یہی اعمال تلنے کا کہ کسی کا نیکی کا پلڑا بھاری نکلتا ہے اور کسی کا بدی کا دُوسرے نامۂ اعمال کے بٹنے کا موقع کہ کس کے سیدھے ہاتھ میں وُہ کاغذ آتا ہے اور کس کے اُلٹے ہاتھ میں تیسرا پلصراط کے گزرنے کا موقعہ کہ کون صحیح سالم گزرتا ہے اور کون کٹ کر دوزخ میں گر پڑتا ہے، ابوداؤد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے[1] جس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک روز دوزخ کے عذاب کی شدت یاد کرکے میں رونے لگی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے پوچھا کیوں روتی ہو؟ میں نے کہا دوزخ کا عذاب یاد کرکے روتی ہوں، پھر میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ قیامت کے دن آپ اپنے اہل وعیال کو بھی یاد رکھیں گے آپ نے فرمایا تین موقعے تو ایسے ہیں کہ کوئی کسی کو یاد نہیں رکھے گا، پھر آپ نے اعمال کے تولے جانے اور نامۂ اعمال کے بٹنے اور پل صراط کے گزرنے کے تین موقع کا نام لیا، یہ حدیث صحیح ہے چنانچہ اس کی صحت کا حال سورۂ اعراف میں گزر چکا ہے اور معنی اس حدیث کے یہ ہیں کہ ان تینوں سخت موقعوں پر آپ کو امت کی شفاعت اور تینوں موقعوں سے نجات کا خیال زیادہ ہوگا اور آپ کے دل پر اس وقت ایک پریشانی سی ہوگی کیونکہ بعضے لوگ تو پل صراط پر ہوں گے اور بعضے جو پل صراط سے گزر چکے ہوں گے ادھر ان کے اعمال تلنے شروع ہو جاویں گے اس لئے پل صراط والے لوگوں کی سلامتی سے گزر جانے کی شفاعت فرمانے کے لئے گھڑی آپ پل صراط پر تشریف لاویں گے اور گھڑی میزان والے لوگوں کی شفاعت کے لئے میزان کے پاس تشریف لے جاویں گے غرض یہ معنی اس حدیث کے نہیں ہیں کہ ان تینوں موقعوں پر آپ امت کے حال سے بے خبر ہو جاویں گے، چنانچہ ترمذی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی جو حدیث[2] ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میں نے آنحضرت سے قیامت کے دن خاص طور پر اپنی شفاعت کی التجا کی تو آپ نے میری التجا کو قبول فرمایا پھر میں نے آپ سے پوچھا کہ میں آپ کو شفاعت کے لئے کہاں ڈھونڈوں۔ آپ نے فرمایا کہ پہلے مجھ کو پل صراط پر ڈھونڈھنا، پھر میزان کے پاس، پھر حوض کوثر پر، ان تینوں مقاموں میں سے کسی مقام پر میں ضرور ہوں گا، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پل صراط اور میزان کے پاس بھی آنحضرت شفاعت فرماویں گے کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے تو شفاعت ہی کا وعدہ تھا پھر اس وعدہ کے پورا کرنے کے لئے جو مقامات آپ نے بتلائے بلاشک وہ مقامات شفاعت کے ہیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ان مقاموں پر عام امت کی نجات کے خیال میں مصروف ہونے کے سبب سے جس طرح خود یاد رکھنے کا وعدہ آنحضرت نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نہیں فرمایا بلکہ یہ فرمایا کہ خود حضرت انس رضی اللہ عنہ آنحضرت کو ڈھونڈھ لیویں، اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ان مقاموں پر اہل وعیال کے یاد رکھنے کا وعدہ آپ نے نہیں فرمایا۔ انس رضی اللہ عنہ بن مالک کی اس حدیث کو ترمذی نے حسن کہا ہے، مطلب آیت کا یہ ہے کہ قیامت کے دن نہایت انصاف سے لوگوں کے عمل تولے جاویں گے اور عملوں کے تولے جانے کے بعد جن کے نیک عملوں کا پلڑا بھاری ہوگا وُہ جنتی قرار پاویں گے اور جن کا بد عملوں کا پلڑا بھاری ہوگا وُہ دوزخ میں جاویں گے اور دوزخ میں جانے کے بعد جس شخص کے دل میں ذرے برابر بھی ایمان ہوگا اس کی شفاعت ہوگی اور آخر ایسا ہر ایک شخص دوزخ سے نکل کر جنت میں چلا جاوے گا

[1] الترغیب والترہیب ص ۲۴۴ ج ۴ [2] ایضاً الترغیب ص ۴۲۵ ج ۴

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَضِيَآءً وَّذِكْرًا لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۸﴾ الَّذِيْنَ

اور ہم نے دی تھی موسیٰ اور ہارون کو چکوتی اور روشنی اور نصیحت ڈر والوں کو۔ جو

چنانچہ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابو سعید خدریؓ کی روایت کئی جگہ گزر چکی ہے جس میں شفاعت کا ذکر تفصیل سے ہے، صحیح مسلم کے حوالہ سے ابوذرؓ کی حدیث قدسی کئی جگہ گزر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ظلم اپنی ذات پر حرام ٹھہرا لیا ہے اس حدیث سے فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا کا مطلب اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ظلم ہمیشہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات پاک پر حرام ٹھہرا لیا ہے اس واسطے قیامت کے دن کی جزا و سزا میں کسی پر ظلم نہ ہوگا کہ نیکی کی جزا گھٹا یا بدی کی سزا بڑھا دی جائے عبداللہؓ بن عمرو بن العاص سے روایت جو ابھی گزری ہے[1] اس سے وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا کا مطلب اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ فقط کلمہ توحید کا ثواب بھی بغیر وزن کے نہیں چھوڑا گیا معتبر سند کی انس بن مالکؓ کی روایت مسند بزار کے حوالہ سے کئی جگہ گزر چکی ہے کہ بعضے لوگوں کے اعمال ناموں میں سے کچھ نیک عملوں کے نکال ڈالنے کا جب اللہ تعالیٰ قیامت کے دن حکم دے گا تو نامۂ اعمال لکھنے والے فرشتے عرض کریں گے یا اللہ ظاہری طور پر تو ان عملوں میں کوئی خرابی نہیں معلوم ہوتی اللہ تعالیٰ فرماوے گا تم کو انسان کی نیت کا حال معلوم نہیں مجھ کو معلوم ہے کہ یہ عمل نیک نیتی سے نہیں کئے گئے[2] اس سے وَكَفٰى بِنَا حَاسِبِيْنَ کا مطلب اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو انسان کے دل کے ارادہ اور نیت تک کا حال معلوم ہے اس لئے اس سے بڑھ کر کوئی حساب کا لینے والا نہیں ہے۔

۴۸-۵۰: سورہ قصص میں آوے گا وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى بَصَآئِرَ لِلنَّاسِ جس کا حاصل یہ ہے کہ قوم نوح سے لے کر فرعون تک پچھلے لوگوں کے عام عذابوں سے ہلاک ہو جانے کے بعد موسیٰ علیہ السلام پر توراۃ نازل ہوئی ہے مطلب اس کا یہ ہے کہ تفصیلی احکام اور پچھلے نافرمان لوگوں کے قصے ملا کر توراۃ کی ترتیب ایسی ہے جس سے لوگوں کے دلوں پر پورا اثر پڑے گا اب قرآن شریف میں توراۃ کی باتیں بھی ہیں اور انجیل کی بھی، اور موسیٰ علیہ السلام، عیسیٰ علیہ السلام کے بعد تورات اور انجیل میں جو خرابیاں پڑ گئی تھیں، ان کا بھی ذکر ہے، اسی واسطے قرآن شریف میں اکثر جگہ توراۃ اور قرآن کا ذکر ساتھ آیا ہے جس سے یہ جتلایا گیا ہے کہ توراۃ میں لوگوں کے دل پر اثر پڑنے کی جو باتیں تھیں قرآن میں ان سے بڑھ کر ہیں اس پر بھی قرآن کی نصیحت جو لوگ نہیں مانتے وہ اللہ کے علم غیب میں بدنصیب ٹھہر چکے ہیں، صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی روایت کئی جگہ گزر چکی ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام دنیا کی نبوت کو ایک خوشنما محل کی مثال سے سمجھا کر پھر یہ فرمایا ہے کہ اس خوشنما محل کے پورے ہو جانے میں ایک ردہ کی کسر تھی، میرے رسول ہو جانے کے بعد وہ ردہ پورا ہو کر اس خوش نما محل کی تعمیر پوری ہو گئی[2]، اس حدیث سے یہ مطلب اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے کہ اگرچہ تورات کی ترتیب ایسی تھی جس سے لوگوں کے دل پر بڑا اثر پڑتا تھا لیکن پھر بھی نبوت کے محل کے پورا ہونے میں ایک ردہ کی کسر تھی، خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہو جانے اور قرآن کے نازل ہونے کے بعد وہ ردہ پورا ہو کر نبوت کے محل کی تعمیر کامل ہو گئی اسی واسطے مسند امام احمد اور صحیح ابن حبان میں جابرؓ بن عبداللہ سے اور مسند امام احمد اور ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے جو صحیح روایتیں[3] ہیں، ان میں اللہ کے رسول

[1] الترغیب و الترہیب الترہیب من الریاء حدیث ۵ [2] مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین [3] مشکوٰۃ مع تنقیح الرواۃ ص ۴۲ ج ۱

يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَهُمْ مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَهٰذَا ذِكْرٌ

ڈرتے ہیں اپنے رب سے بن دیکھے اور وہ قیامت کا کھٹکا رکھتے ہیں۔ اور یہ ایک نصیحت ہے

مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ ؕ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿۵۰﴾ ع

برکت کی جو ہم نے اتاری سو کیا تم اس کو نہیں مانتے۔

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میرے زمانہ میں اگر موسٰی علیہ السلام زندہ ہوتے تو سوائے میری پیروی کے اور کچھ بن نہ آتا مطلب ہے کہ قرآن کے نازل ہو جانے کے بعد انہیں تورات کی پیروی کافی نہ ہوتی، سورۃ الکہف میں گزر چکا ہے کہ قریش نے یہود کو اہل کتاب اور تورات کو کتاب آسمانی جان کر یہود کے پاس خاص طور پر اس غرض سے چند آدمی بھیجے تھے کہ یہود توراۃ میں سے کچھ مشکل باتیں قریش کو بتلا دیں تاکہ قریش ان باتوں کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ کر آپ کی نبوت کی صداقت کو آزما دیں اس پر یہود نے روح کا، خضر علیہ السلام، اصحاب کہف اور ذوالقرنین کا حال پوچھنے کا مشورہ قریش کو دیا اور یہ باتیں قریش نے یہود کے مشورہ کے مطابق اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھیں اور سورۂ بنی اسرائیل و سورۃ الکہف میں ان باتوں کے جواب کی آیتیں نازل ہوئیں، اسی واسطے ان آیتوں میں قرآن اور توراۃ کا ذکر ساتھ فرما کر قریش کو یوں قائل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسٰی علیہ السلام پر تورات نازل فرمائی جس سے قیامت کے دن اللہ کے روبرو کھڑے ہونے سے ڈرنے والوں کے ہاتھ میں گویا روشن مشعل آگئی کہ اس سے وہ سب عقبیٰ کی بہبودی کی باتوں کو اچھی طرح دیکھ سکتے ہیں، دنیا میں عقبیٰ کی باتیں بن دیکھی ہیں اس لئے قرآن شریف میں جگہ جگہ ان باتوں کو غیب کی باتیں فرمایا، جکوتی سے مطلب فیصلہ ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مثلاً جادوگروں نے اپنی لکڑیوں اور رسیوں کے جھوٹے سانپ زمین پر چھوڑے تھے لیکن موسٰی علیہ السلام کے معجزہ سے ایک لکڑی کا سانپ ان سب جھوٹے سانپوں کو نگل گیا جس سے اس وقت کے سب لوگوں کے سامنے پورا پورا فیصلہ ہو گیا اگرچہ فرقان کی تفسیر میں سلف کے اور بھی قول ہیں لیکن حافظ ابوجعفر ابن جریر نے اپنی تفسیر میں عبدالرحمٰن بن زید کے اسی قول کو ترجیح دی ہے کہ فرقان سے مقصود موسٰی علیہ السلام کے معجزے ہیں اور ضیاء سے مقصود تورات ہے اسواسطے اردو کے دونوں ترجموں میں یہی قول لیا ہے یہ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم، سفیان بن عیینہ کے مرتبہ کے تبع تابعینوں میں ہیں اگرچہ حدیث کی روایت میں ان عبدالرحمٰن کو علماء نے ضعیف قرار دیا ہے لیکن تفسیر کے باب میں ان کے قول کا اعتبار ہے، اسی واسطے حافظ ابوجعفر ابن جریر نے ان کا قول لیا ہے، آگے فرمایا، کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے موسٰی علیہ السلام پر تورات نازل فرمائی، اسی طرح خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن نازل فرمایا یہ ان لوگوں کی نادانی ہے کہ تورات کو کتاب آسمانی اور موسٰی علیہ السلام کو انسان رسول مان کر قرآن کے کتاب آسمانی ہونے میں یہ حجت پیش کرتے ہیں کہ اللہ کا رسول انسان نہیں ہوسکتا کوئی فرشتہ ہونا چاہیئے، صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی روایت کئی جگہ گزر چکی ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن قرآن کی پیروی کرنے والوں کی تعداد اور آسمانی کتابوں کی پیروی کرنے والوں کی تعداد سے زیادہ ہوگی، قرآن کی نصیحت کو برکت کی نصیحت جو فرمایا اس کا مطلب اس حدیث سے اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ قرآن کی نصیحت کی برکت سے اس کے پیرو قیامت کے دن زیادہ ہوں گے اور دوسری آسمانی کتابوں کے پیرو کم۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ ﴿۵۱﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَ

اور آگے دی تھی ہم نے ابراہیم کو اس کی نیک راہ اور ہم رکھتے ہیں اس کی خبر جب کہا اس نے اپنے باپ کو

قَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ﴿۵۲﴾ قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا

اور اپنی قوم کو یہ کیا مورتیں ہیں جن پر تم لگے بیٹھے ہو۔ بولے ہم نے پایا اپنے باپ دادوں کو

لَهَا عٰبِدِيْنَ ﴿۵۳﴾ قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۵۴﴾ قَالُوْٓا

ان ہی کو پوجتے۔ بولا مقرر رہے ہو تم اور تمہارے باپ دادے صریح غلطی میں۔ بولے

اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِيْنَ ﴿۵۵﴾ قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ

تو ہم پاس لایا ہے سچی بات یا تو کھلاڑیاں کرتا ہے بولا نہیں پر رب تمہارا وہی ہے رب آسمان اور

۵۱-۵۶:۔ سورہ الانعام میں گزر چکا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کی پیدائش نمرود بن کنعان عراق کے بادشاہ کے زمانہ میں ہوئی ہے مکہ کے مشرک لوگ اپنے آپ کو ابراہیم علیہ السلام کے طریقہ پر بتلاتے تھے اس واسطے ان لوگوں کو موسیٰ علیہ السلام کے تذکرہ سے قائل کرنے کے بعد ابراہیم علیہ السلام کا قصہ بیان فرما کر انہیں یوں قائل کیا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام تو بچپنے ہی میں بت پرستی سے بیزار تھے پھر یہ مکہ کے بت پرست اپنے آپ کو ابراہیم علیہ السلام کے طریقہ پر کیوں کر کہہ سکتے ہیں، نمرود اور اس کے ساتھی ستارہ پرست لوگ تھے ستاروں کی پرستش کی نیت سے ان لوگوں نے ستاروں کی مورتیں بنا رکھی تھیں جن کو ابراہیم علیہ السلام نے تماثیل کہا ہے صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوسعیدؓ خدری کی حدیث کئی جگہ گزر چکی ہے کہ جس شخص کے دل میں ذرہ بھر بھی ایمان ہے وہ آخر کو دوزخ سے نکل کر جنت میں جاوے گا، معتبر سند سے ابن ماجہ اور صحیح ابن خزیمہ میں ابوہریرہؓ کی روایت[1] سے حدیث قدسی ہے کہ مشرک کا کوئی نیک عمل اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول نہیں، اللہ کی وحدانیت کے اعتقاد کو نیک راہ اور شرک کے اعتقاد کو صریح غلطی جو فرمایا، اس کا مطلب ان حدیثوں سے اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے، حاصل مطلب یہ ہے کہ موسیٰ اور ہارون کو نیک راہ کی توفیق سے پہلے اللہ تعالیٰ نے چھوٹی سی عمر میں ابراہیم علیہ السلام کو نیک راہ کی توفیق دی کیونکہ اللہ تعالیٰ کے علم غیب میں یہ بات ٹھہر چکی ہے کہ آزر بت پرست کے گھرانہ میں ابراہیم علیہ السلام ایسے نیک راہ اور اللہ کے رسول ہوں گے، ان کے بعد ان کے گھرانہ میں قیامت تک نبوت چلے گی، آگے ابراہیم علیہ السلام کے نیک راہ پر ہونے کی یہ تفصیل بیان فرمائی کہ وہ اپنے باپ اور اپنی قوم کو بت پرستی کی حالت پر نہ دیکھ سکے اس لئے انہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم کے لوگوں سے پوچھا کہ تم ان مورتیوں کی پوجا میں ہر وقت کیوں لگے رہتے ہو، ابراہیم علیہ السلام کے باپ اور قوم کے لوگوں نے جواب دیا کہ ہم اپنے باپ دادا کے طریقہ پر ہیں، وہ بھی یہی کیا کرتے تھے جو ہم کرتے ہیں، ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا اپنے ہاتھ کی بنائی ہوئی مورتوں کی اس قدر تعظیم کرنے میں تم بھی بڑی غلطی میں پڑے ہوئے ہو اور تمہارے باپ دادا بھی غلطی پر تھے، ابراہیم علیہ السلام کی یہ بات سن کر ان کے باپ اور ان کی قوم کے لوگوں نے ابراہیم علیہ السلام سے کہا کہ جب تم ہم کو اور ہمارے بڑوں کو غلطی پر بتاتے ہو تو تم ہمارے طریقہ سے بڑھ کر کوئی ٹھیک طریقہ بتلا سکتے ہو یا بچوں کی طرح جو منہ میں آتا ہے کہہ رہے ہو، ابراہیم علیہ السلام نے کہا جو منہ میں آوے وہ میں نہیں کہتا بلکہ میں تو تم کو ٹھیک طریقہ بتلاتا ہوں

[1] الترغیب و ترہیب ص ۶۹ ج ۱ باب الترہیب من الریاء

الْاَرْضِ الَّذِیْ فَطَرَهُنَّ ۖ وَاَنَا عَلٰی ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ ﴿۵۶﴾ وَتَاللّٰهِ لَاَكِیْدَنَّ

زمین کا جس نے ان کو بنایا اور میں اسی بات کا قائل ہوں اور قسم اللہ کی میں علاج کروں گا

اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِیْنَ ﴿۵۷﴾ فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِیْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ

تمہارے بتوں کا جب تم جا چکو گے پیٹھ پھیر کر پھر کر ڈالا ان کو ٹکڑے مگر ایک بڑا ان کا کہ شاید اس

اِلَیْهِ یَرْجِعُوْنَ ﴿۵۸﴾ قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۵۹﴾ قَالُوْا

پاس پھر آویں۔ کہنے لگے کس نے کیا یہ کام ہمارے ٹھاکروں سے وہ کوئی بے انصاف ہے۔ وہ بولے

سَمِعْنَا فَتًی یَّذْكُرُهُمْ یُقَالُ لَهٗ اِبْرٰهِیْمُ ﴿۶۰﴾ قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰی اَعْیُنِ النَّاسِ

ہم نے سنا ہے ایک جوان ان کو کچھ کہتا ہے اس کو پکارتے ہیں ابراہیم وہ بولے اس کو لے آؤ لوگوں کے سامنے

کہ جس اللہ نے آسمان زمین سب کچھ پیدا کیا، انسان پر اس کی تعظیم واجب ہے ان مورتوں نے تعظیم کے قابل کون سا کام کیا ہے جو تم ان کی تعظیم میں وقت لگے رہتے ہو اس کے پیدا کئے ہوئے آسمان زمین اور میں سب اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ تعظیم کے قابل وہی ایک ذات ہے جس نے سب کچھ پیدا کیا۔

۵۷۔۶۳: تفسیر سدی اور تفسیر ابن ابی حاتم میں زید بن اسلم وغیرہ کی روایتوں سے ان آیتوں کی تفسیر کے طور پر جو قصہ ہے سورۃ والصافات کے قصے کے ملانے سے اس سب قصے کا حاصل یہ ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام کی نصیحت سے ان کے باپ آزر اور قوم کے لوگوں نے بت پرستی نہیں چھوڑی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل میں یہ بات سمائی کہ کبھی موقع پا کر ان بتوں کا پورا علاج کرنا چاہئے ابراہیم علیہ السلام کی قوم کے لوگوں میں ہر سال ایک میلہ بستی کے باہر ہوا کرتا تھا جس میں بستی کے سب لوگ جایا کرتے تھے، بتوں کے توڑنے کے سال میں جب وہ میلہ کا وقت آیا تو ابراہیم علیہ السلام بیماری کا عذر ظاہر کر کے اس میلہ میں نہیں گئے اور دبی ہوئی آواز سے بتوں کو صدمہ پہنچانے کی یہ قسم کھائی جس کا ذکر ان آیتوں میں ہے قوم کے لوگوں کے بستی کے باہر چلے جانے کے بعد بت خانہ کو اکیلا پا کر ابراہیم علیہ السلام بت خانہ میں گئے قوم کے لوگ میلہ میں جاتے وقت کچھ کھانا پکا کر بتوں کے آگے رکھ جاتے تھے اور میلہ میں سے جب پلٹ کر آتے تو وہ کھانا تبرک کے طور پر سب قوم کے لوگ مل کر کھا لیا کرتے تھے اس لئے بت خانہ میں جانے کے بعد بتوں کے سامنے وہ کھانا دھرا ہوا دیکھ کر پہلے تو ابراہیم علیہ السلام نے دل لگی کے طور پر ان بتوں سے یہ کہا کہ تم یہ کھانا کیوں نہیں کھاتے جب بتوں نے اس بات کا جواب نہیں دیا تو ابراہیم علیہ السلام نے کہا، تم بولتے کیوں نہیں اس کے بعد سب سے بڑے بت کو تو ابراہیم علیہ السلام نے ثابت چھوڑ دیا اور باقی کے سب چھوٹے بتوں کو توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ ابراہیم علیہ السلام نے بڑے بت کو جس غرض سے ثابت چھوڑ دیا اس کا ذکر خود ان آیتوں میں ہے کہ قوم کے لوگوں نے جب ابراہیم علیہ السلام سے پوچھا کہ ابراہیم کیا تم نے ہمارے بتوں کو توڑا ہے تو ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا یہ بڑا بت ثابت نظر آتا ہے اسی نے چھوٹے بتوں کو اس غصہ سے توڑ ڈالا ہوگا کہ اس بڑے بت کے ساتھ چھوٹے بتوں کی پوجا کیوں کی جاتی ہے، یہی مطلب لَعَلَّهُمْ اِلَیْهِ یَرْجِعُوْنَ کا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ قوم کے لوگ میلہ سے پلٹ کر شاید بڑے بت کے پاس آویں اور اس کو ثابت اور چھوٹے بتوں کو ٹوٹا ہوا پا کر یہ خیال کریں کہ بڑے بت نے ہی چھوٹے بتوں کی پوجا سے چڑ کر ان کو توڑ ڈالا۔ ابراہیم علیہ السلام نے جب دبی ہوئی آواز سے بتوں کو صدمہ پہنچانے کی قسم کھائی تھی تو قوم میں کے کچھ لوگوں نے ابراہیم علیہ السلام کی آواز سن لی

لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُونَ ﴿٦١﴾ قَالُوٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ﴿٦٢﴾ قَالَ

شاید وہ دیکھیں۔ بولے کیا تو نے کیا ہے یہ ہمارے ٹھاکروں پر اے ابراہیم بولا

بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْئَلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ﴿٦٣﴾

نہیں پر یہ کیا ان کے اس بڑے نے سو ان سے پوچھ لو اگر وہ بولتے ہیں۔

تھی اس واسطے ان لوگوں نے ابراہیم علیہ السلام کا نام لیا اور قوم کے لوگوں نے ابراہیم علیہ السلام پر بتوں کے توڑنے کا الزام لگا کر نمرود کے روبرو اپنی فریاد پیش کی اور سب کی صلاح سے جب ابراہیم علیہ السلام نمرود کے سامنے بلائے گئے تو انہوں نے یہ کہا کہ تم لوگ بڑے بت کے ساتھ چھوٹے بتوں کی پوجا کرتے تھے اس واسطے اس کو غصہ آیا اور اس نے چھوٹے بتوں کو توڑ ڈالا اگر تمہارے ان بتوں میں بولنے کی طاقت ہے تو ان ہی سے اس حال کو دریافت کر لیا جاوے، قوم کے لوگوں نے ابراہیم علیہ السلام پر بتوں کے توڑنے کا الزام لگا کر اپنے بادشاہ نمرود کے روبرو اپنی فریاد اس لئے پیش کی کہ وہ بت پرست بادشاہ اس فریاد کو سن کر ابراہیم علیہ السلام کے حق میں کوئی سخت سزا تجویز کرے اور تمام اہل دربار اور قوم کے لوگ بادشاہی سزا کی شہرت کے سبب سے سزا کے موقع پر آن کر اس سزا کو آنکھوں سے دیکھ لیں، ان لوگوں کے اسی مطلب کو فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰٓى اَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ کے لفظوں سے ادا فرمایا گیا ہے صحیح بخاری و مسلم میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ابراہیم علیہ السلام نے دین الٰہی کی حفاظت میں ایسی تین باتیں منہ سے نکالی ہیں جن کی ظاہری صورت جھوٹ کی سی ہے ان میں سے یہ بات نکلتی ہے کہ بتوں کو خود توڑا اور بڑے بت کا نام لیا اور کہہ دیا اگر تمہارے ان بتوں میں بولنے کی طاقت ہو تو ان سے یہ حال دریافت کر لیا جاوے، حاصل یہ ہے کہ بڑے بت کا نام لینے میں ظاہری صورت تو جھوٹ کی تھی اور حقیقت میں بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ سے ابراہیم علیہ السلام کا یہ مطلب تھا کہ یہ کام ایسے بڑے نے کیا ہے، جو ان بتوں کو صدمہ پہنچانے کی ایسی طاقت رکھتا ہے جس کے آگے یہ بت بالکل عاجز ہیں، دوسری بات وہی ہے کہ بیماری کا عذر کر کے ابراہیم علیہ السلام میلہ میں نہیں گئے جس سے ان کا مطلب یہ تھا کہ جس طرح بیمار شخص کہیں نہیں جا سکتا اسی طرح میں بھی اس میلہ میں نہیں جا سکتا، تیسری بات یہ ہے کہ ملک عراق سے ملک شام کے سفر کے وقت جب مصر کے ایک ظالم بادشاہ نے خوبصورتی کے سبب سے حضرت سارہ کو بدکاری کے ارادہ سے پکڑ لیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت سارہ سے کہہ دیا تھا کہ وہ بادشاہ میرا حال پوچھے تو کہہ دینا وہ میرے بھائی ہیں جس سے ان کا مطلب یہ تھا کہ حضرت سارہ ان کی دینی بہن ہیں، وہ بدکار ظالم بادشاہ ہر ایک خوبصورت عورت کو بدکاری کے لئے زبردستی پکڑوا لیتا تھا، اور اگر یہ سن لیتا تھا کہ عورت کے ساتھ اس کا خاوند بھی ہے تو اس مرد کو قتل کرا دیتا تھا، اسی آفت سے بچنے کے لئے ابراہیم علیہ السلام نے حضرت سارہ سے یہ کہہ دیا تھا کہ وہ ظالم بادشاہ میرا حال پوچھے تو کہہ دینا وہ میرے بھائی ہیں۔ ابوہریرہؓ کی اسی روایت میں حضرت سارہ کا باقی کا قصہ یوں ہے کہ اس ظالم بادشاہ نے کئی دفعہ بدکاری کا ارادہ کیا لیکن اس برے ارادے کے ساتھ ہی وہ مدہوش ہو جاتا آخر عاجز آن کر اس نے حضرت سارہ کو رخصت کیا اور حضرت ہاجرہ کو حضرت سارہ کی خدمت کے لئے دیا اچھے لوگوں کے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف زیادہ ہو جاتا ہے اس لئے ظاہری

ل تفسیر ابن کثیر ص ۱۸۳ ج ۳۔

فَرَجَعُوٓا اِلٰٓى اَنۡفُسِهِمۡ فَقَالُوۡۤا اِنَّكُمۡ اَنۡتُمُ الظّٰلِمُوۡنَ ۝۶۴ ثُمَّ نُكِسُوۡا عَلٰى رُءُوۡسِهِمۡ

پھر سوچے اپنے جی میں پھر بولے لوگو تم ہی بے انصاف ہو پھر اوندھے ہو رہے سر ڈال کر

لَقَدۡ عَلِمۡتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنۡطِقُوۡنَ ۝۶۵ قَالَ اَفَتَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مَا لَا

تو تو جانتا ہے جیسا یہ بولتے ہیں۔ بولا کیا تم پوجتے ہو اللہ کے ورے ایسے کو کہ

يَنۡفَعُكُمۡ شَيۡـًٔا وَّلَا يَضُرُّكُمۡ ۝۶۶ اُفٍّ لَّكُمۡ وَلِمَا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا

تمہارا کچھ بھلا کرے نہ برا بیزار ہوں میں تم سے اور جن کو تم پوجتے ہو اللہ کے سوائے کیا تم کو

تَعۡقِلُوۡنَ ۝۶۷ قَالُوۡا حَرِّقُوۡهُ وَانۡصُرُوۡۤا اٰلِهَتَكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ فٰعِلِيۡنَ ۝۶۸ قُلۡنَا يٰنَارُ

بوجھ نہیں۔ بولے اس کو جلاؤ اور مدد کرو اپنے ٹھاکروں کی اگر کچھ کرتے ہو۔ ہم نے کہا اے آگ

صورت کے جھوٹ سے بھی حشر کے دن ابراہیم علیہ السلام ڈر جاویں گے چنانچہ صحیح بخاری کی ابو ہریرہؓ کی شفاعت کی روایت[1] میں اس کا ذکر تفصیل سے ہے۔

۶۴۔۶۷: ۔جب ابراہیم علیہ السلام نے قوم کے لوگوں کو یہ کہہ کر چپ کرا دیا کہ ان چھوٹے بتوں سے تو یہ پوچھا جاوے کہ ان کو کس نے توڑا ہے اور بڑے بُت سے یہ پوچھ لیا جائے کہ اس نے چھوٹے بتوں کو کیوں توڑا ہے تو قوم کے لوگوں نے ابراہیم علیہ السلام کی اس بات کو اپنے دل میں سوچا اور آپس میں ایک نے دُوسرے کی طرف دیکھ کر یہ کہا کہ بغیر دیکھے ابراہیم علیہ السلام کو بتوں کے توڑنے کا الزام لگانا حقیقت میں ایک زیادتی اور بے انصافی کی بات ہے پھر گردن جھکا کر شرمندگی سے کہنے لگے ابراہیم تم کو کیا معلوم نہیں کہ یہ پتھر کے بُت منہ سے نہیں بولتے، قوم کے لوگوں سے یہ بات سُن کر ابراہیم علیہ السلام نے ان سے کہا کہ تمہارے بُت جب ایسے عاجز اور بے بس ہیں کہ جس نے ان کو صدمہ پہنچایا اس کا مقابلہ نہ کر سکے اور تمہارے پوچھنے پر یہ بھی نہیں بتلا سکتے کہ کس شخص نے ان کو صدمہ پہنچایا تو پھر تم کو یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ تم اور تمہارے بُت دونوں بیزاری کے قابل ہیں کیونکہ یہ بُت اپنی پوجا کرنے والوں کے ساتھ نہ کچھ بھلائی کر سکتے ہیں نہ پوجا کے چھوڑ دینے والوں کے ساتھ کچھ برائی، صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے حضرت علیؓ کی حدیث کئی جگہ گزر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم غیب کے موافق جو لوگ دُنیا کے پیدا ہونے سے پہلے دوزخی قرار پا چکے ہیں ان کو دنیا میں پیدا ہونے کے بعد ویسے ہی کام اچھے اور آسان معلوم ہوتے ہیں، اس حدیث کو آیتوں کے ساتھ ملانے سے یہ مطلب ہوا کہ ابراہیم علیہ السلام کی نصیحت سے قوم کے لوگ اگرچہ بُت پرستی کی بُرائی کو سمجھ گئے تھے لیکن اللہ تعالیٰ کے علم غیب میں وُہ لوگ دوزخی ٹھہر چکے تھے اس لئے بجائے اس کے کہ وُہ لوگ ابراہیم علیہ السلام کی نصیحت کی کچھ قدر کرتے انہوں نے ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ وُہ بدسلوکی کی جس کا ذکر آگے آتا ہے۔

۶۸۔۷۰: ۔جب عقلی حجت میں حضرت ابراہیمؑ کے باپ نمرود اور نمرود کے ساتھ کے لوگ حضرت ابراہیمؑ پر غالب نہ آسکے تو اس وقت ان سب لوگوں نے صلاح کر کے یہ بات نکالی کہ حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں ڈال دیں۔ اس قصہ کے وقت حضرت ابراہیمؑ کی عمر سولہ برس[2] کی تھی۔ تفسیر[3] سدی میں ہے کہ وُہ لوگ حضرت ابراہیمؑ کے جلانے کے لئے لکڑیاں جمع کرنے کو ایسا اچھا سمجھتے

[1] جیسا کہ پچھلے صفحہ پر گزرا [2] الدر المنثور ص ۳۲۳ ج ۲ [3] تفسیر ابن کثیر ص ۱۸۳ ج ۳۔

كُونِي بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ﴿٦٩﴾ وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ ﴿٧٠﴾

ٹھنڈک ہو جا اور آرام ابراہیم پر اور چاہنے لگے اس کا برا پھر انہیں کو ڈالا ہم نے نقصان میں۔

تھے کہ ایک عورت بھی ان لوگوں میں بیمار ہوتی تھی تو یہ نذر مانتی تھی کہ اگر وہ اچھی ہو جاوے گی تو ایک گٹھا لکڑیوں کا اس انبار میں ڈلوا دے گی۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت[1] ہے کہ جب یہ لوگ حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں ڈالنے کا قصد کر رہے تھے تو جو فرشتہ مینہ برسانے پر تعینات ہے اس کو گمان تھا کہ اللہ کا حکم اسی فرشتہ کو اس آگ کو بجھانے کا ہو گا لیکن اللہ کا حکم کسی ذریعہ کا محتاج نہیں، اللہ تعالیٰ کے حکم سے خود آگ نے پانی کا کام دیا کیونکہ جس طرح پانی سے باغ سرسبز ہوتا ہے اسی طرح آگ سے گلزار قائم ہو گیا اور تمام روئے زمین کی آگ اس روز بجھ گئی اور اگر اللہ تعالیٰ اس طرح آگ کے ٹھنڈے ہونے کا حکم دیتا، جس میں حضرت ابراہیمؑ کی صحت و سلامتی کے باقی رہنے کا ذکر نہ ہوتا تو بلاشک اس روز حضرت ابراہیمؑ کو آگ کی ٹھنڈک سے تکلیف اٹھانی پڑتی، تفسیر ابن ابی حاتم میں روایت[2] ہے کہ چالیس روز تک حضرت ابراہیمؑ اس آگ میں رہے اور حضرت ابراہیمؑ فرمایا کرتے تھے کہ ان دنوں سے زیادہ آرام کے دن میں نے اپنی عمر میں نہیں دیکھے، نمرود نے ایک اونچا محل اس آگ کا تماشہ دیکھنے کو بنایا تھا۔ جب نمرود نے دیکھا کہ حضرت ابراہیمؑ صحیح و سالم اس آگ میں بیٹھے ہیں تو اس نے چلا کر حضرت ابراہیمؑ سے کہا کہ ابراہیمؑ بے شک تمہارا خدا بڑا قدرت والا ہے جس نے تم کو آگ میں جلنے نہیں دیا، میں بھی تمہارے خدا کے نام کی قربانی کروں گا، حضرت ابراہیمؑ نے جواب دیا کہ جب تو بت پرستی چھوڑے گا، اس وقت تیری قربانی قبول ہو گی، نمرود نے کہا یہ تو مجھ سے نہ ہو سکے گا، اسی طرح آزر اور اور لوگ بھی یہ حال دیکھ کر خدا کی قدرت کے قائل ہوئے مگر ایمان نہ لائے۔ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ اس قصہ کے بعد حضرت ابراہیمؑ ملک شام کو چلے گئے، بخاری و مسلم میں ام شریکؓ سے روایت[3] ہے کہ روئے زمین پر جس قدر جانور ہیں سب نے اپنے مقدور کے موافق حضرت ابراہیمؑ کی آگ بجھانے کی کوشش کی مگر گرگٹ اس ارادہ سے پھونکیں مارتا تھا کہ وہ آگ اور بھڑک جاوے، اس واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گرگٹ کے مارنے کا حکم دیا، حضرت عائشہؓ نے ایک برچھی اپنے گھر میں اس غرض سے رکھی تھی کہ اس برچھی سے وہ گرگٹ کو مارا کرتی تھیں، حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے بخاری میں یہ بھی روایت[4] ہے کہ جس وقت حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں ڈالا تو حضرت ابراہیمؑ حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ پڑھ رہے تھے اور جنگ احد سے واپس ہونے اور پھر دوبارہ لڑائی کے ارادہ سے مدینہ منورہ سے نکلنے کے وقت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں نے جب مشرکین کی بڑی بھاری فوج کے اکٹھے ہونے کی خبر دی تو آپ نے بھی یہی کلمے پڑھے تھے حاصل مطلب ان آیتوں کا یہ ہے کہ نمرود اور اس کے ساتھیوں نے مشورہ کر کے یہ بات قرار دی کہ اگر اپنے ٹھاکروں کا بدلہ لینا منظور ہے تو ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں جلا دیا جاوے یہاں اس قصہ کو مختصر طور پر فرمایا ہے۔ سورہ والصافات میں ذکر ہے کہ ان لوگوں نے ایک چار دیواری کے اندر آگ جلائی اور ابراہیم علیہ السلام کو اس میں ڈالا، آگے فرمایا اللہ کے حکم سے وہ آگ ٹھنڈی ہو گئی اور اللہ کے رسول ابراہیم علیہ السلام کو اس آگ سے کچھ نقصان نہیں پہنچا، بلکہ ان لوگوں کا ایندھن کا خرچ آگ جلانے کی محنت سب کچھ رائگاں گیا جس سے یہ لوگ نقصان میں رہے۔

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۱۸۴ ج ۳ [2] ایضاً [3] مشکوٰۃ ص ۳۶۱ باب ما یحل اکلہ وما یحرم و تفسیر ابن کثیر ص ۱۸۴ ج ۳۔
[4] صحیح بخاری ص ۶۵۵ ج ۲ کتاب التفسیر۔

وَنَجَّيْنٰهُ وَلُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿٧١﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ

اور بچا نکالا ہم نے اس کو اور لوط کو اس زمین کی طرف جس میں برکت رکھی ہم نے جہان کے واسطے اور بخشا ہم نے اس کو اسحاق

وَيَعْقُوْبَ نَافِلَةً ؕ وَكُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ ﴿٧٢﴾ وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا

اور یعقوب انعام میں اور سب کو نیک بخت کیا۔ اور ان کو کیا ہم نے پیشوا راہ بتاتے ہمارے حکم سے

وَاَوْحَيْنَاۤ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ ۚ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ ﴿٧٣﴾

اور کہہ بھیجا ان کو کرنا نیکیوں کا اور کھڑی رکھنی نماز اور دینی زکوٰۃ اور وہ تھے ہماری بندگی میں لگے۔

علاوہ اس نقصان کے پہلے پانچ ہزار گز کی اونچی عمارت کے گر پڑنے سے اور پھر مچھروں کے عذاب سے نمرود اور اس کا لشکر جو ہلاک ہوا، یہ نقصان بھی ان لوگوں کو پہنچا، تفسیر مقاتل تفسیر عبدالرزاق اور تفسیر ابن ابی حاتم کی حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور زید بن اسلم کی روایتوں کے حوالہ سے یہ قصہ سورۃ النحل میں گزر چکا ہے[1]، صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابو موسیٰ اشعری کی روایت کئی جگہ گزر چکی ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ جب تک چاہتا ہے نافرمان لوگوں کو مہلت دیتا ہے اور جب مہلت کے زمانہ میں وہ لوگ اپنی نافرمانی سے باز نہیں آتے تو ان کو کسی سخت عذاب میں پکڑ لیتا ہے، اس حدیث کو آیتوں کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ چار سو برس تک اللہ تعالیٰ نے نمرود کو مہلت دی لیکن جب وہ اتنی مہلت میں اپنی سرکشی سے باز نہ آیا تو مع اپنے لشکر کے بڑی ذلت سے ہلاک ہوگیا۔ اس قصہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی مخالفت کا انجام قریش کو سمجھایا تھا لیکن بارہ تیرہ برس کی مہلت میں جب ان میں کے سرکش لوگ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت سے باز نہ آئے تو وہی انجام ان کا ہوا کہ بدر کی لڑائی میں یہ لوگ بڑی ذلت سے مارے گئے اور مرتے ہی عذاب آخرت میں گرفتار ہوئے جس کا قصہ صحیح بخاری و مسلم کی انسؓ بن مالک کی روایت سے کئی جگہ گزر چکا ہے۔

۷۱۔۷۳۔ اوپر ذکر تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ کو آگ کے صدمہ سے بچایا، ان آیتوں میں فرمایا کہ علاوہ آگ کے صدمہ سے بچانے کے ایسی دشمن قوم کی بستی میں رہنے کی آفت سے بھی نجات اس طرح دی کہ ابراہیمؑ اور ان کے بھتیجے لوط علیہ السلام کو ملک شام کی سرسبز اور برکت والی زمین میں پہنچا دیا اور ابراہیم علیہ السلام نے فقط بیٹے کی دعا کی، اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے ان کو بیٹا بھی دیا اور پوتا بھی دیا اور ان میں سے ہر ایک کو اللہ کی فرمانبرداری کی توفیق دی اور ایسا پیشوا مقرر کیا کہ جن کے سبب سے بہت لوگوں کو نیک راہ کی سمجھ آگئی۔ حضرت ابراہیمؑ کے بعد عیسیٰ علیہ السلام تک کے سب نبی حضرت ابراہیمؑ کے بیٹے اسحٰق علیہ السلام کی اولاد میں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں پیدا ہوئے، اسی واسطے ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد کو پیشوا فرمایا، اسی طرح ان میں سے ہر ایک کو نماز، زکوٰۃ، ہر ایک طرح کے نیک کاموں کے بجالانے کا حکم دیا اور اپنی ذات سے بھی اس حکم کی انہوں نے پوری تعمیل کی، ملک عراق سے ملک شام کی طرف جب ابراہیم علیہ السلام نے ہجرت کی تو ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے لوط علیہ السلام بھی ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ تھے۔ ابراہیم علیہ السلام جب ملک شام میں پہنچ کر رہنے لگے تو ملک شام کی ایک بستی سدوم کے لوگوں کی ہدایت کے لئے لوط علیہ السلام نبی ہوئے

[1] ص ۳۲۲-۳۲۳ ج ۳ تفسیر ہذا۔

وَلُوطًا اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا وَّنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبٰٓئِثَ ۭ اِنَّهُمْ

اور لوط کو دیا ہم نے حکم اور سمجھ اور بچا نکالا اس کو اس شہر سے جو کرتے تھے گندے کام، وہ تھے

كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِيْنَ ۝ وَاَدْخَلْنٰهُ فِيْ رَحْمَتِنَا ۭ اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ وَ

لوگ بُرے بے حکم اور اس کو لے لیا ہم نے اپنی مہر میں وُہ ہے نیک بختوں میں۔ اور

نُوْحًا اِذْ نَادٰى مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ۝

نوح کو جب اس نے پکارا اس سے پہلے پھر سُن لی ہم نے اس کی پکار سو بچا دیا اس کو اور اس کے گھر کو بڑی گھبراہٹ سے۔

وَنَصَرْنٰهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝

اور مدد کی اس کی ان لوگوں پر جو جھٹلاتے تھے ہماری باتیں وُہ تھے بُرے لوگ پھر ڈبو دیا ہم نے ان سب کو۔

قوم لُوط کے لوگوں کو لڑکوں سے بدفعلی کرنے کی عادت تھی، اسی کو گندے کام فرمایا مدت تک لوط علیہ السلام نے ان لوگوں کو اس گندے کام سے باز آنے کی نصیحت کی، مگر ان میں سے ایک شخص بھی راہ راست پر نہ آیا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام اور اسرافیل علیہ السلام کو انسان کی صورت میں قوم لوطؑ کے عذاب کے لئے بھیجا، پہلے یہ انسان کی شکل کے فرشتے ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے اور ان کو اسحٰق علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام کے پیدا ہونے کی خوشخبری دی اور پھر پتھروں کے مینہ اور بستی کے الٹ دینے کے عذاب سے تمام قوم لوط کو غارت کر دیا، لوط علیہ السلام اور ان کی بیٹیوں کو اللہ تعالیٰ نے اس عذاب سے بچا لیا، اسی کا ذکر آخری آیت میں ہے، یہ سورۂ ہود میں تفصیل سے گزر چکا ہے۔ سورۂ ہود کی آیتوں کو ان آیتوں کے ساتھ ملانے سے یہ مطلب اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے کہ جن فرشتوں نے ابراہیم علیہ السلام کو اسحٰق علیہ السلام کے پیدا ہونے کی خوشخبری دی تھی، وہی فرشتے قوم لوط کے عذاب کا حکم بھی لے کر آئے تھے، اسی واسطے ایک ہی جگہ دونوں باتوں کا ذکر ان آیتوں میں فرمایا ہے، صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوموسیٰ اشعریؓ کی روایت اور انسؓ بن مالک کی روایت جو اوپر کی آیتوں کی تفسیر میں گزر چکی ہیں وہی روایتیں ان آیتوں کی تفسیر ہیں جس کا حاصل وہی ہے جو اوپر کی آیتوں کی تفسیر میں بیان کیا گیا ملک شام بڑا سرسبز ملک ہے اور ابراہیم علیہ السلام سے لے کر عیسیٰ علیہ السلام تک سب انبیاؑ وہیں گزرے ہیں اس واسطے وہاں کی زمین کو برکت والی زمین فرمایا جب تک لوط علیہ السلام قوم لوط میں تھے تو اپنے علم نبوت کے موافق قوم کے لوگوں کے ہر طرح کے جھگڑوں کا فیصلہ کرتے تھے اسی واسطے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے لُوط علیہ السلام کو صاحب حلم اور صاحب فہم ہونے کی نعمت دی تھی۔

۷۶-۷۷:- سب انبیاء میں نوح علیہ السلام پہلے صاحبِ شریعت نبی ہیں، چنانچہ صحیح بخاری و مسلم کی ابوہریرہؓ کی شفاعت کی بہت بڑی حدیث میں اس کا ذکر تفصیل سے ہے، سورہ قمر اور سُورہ نوح میں آوے گا کہ ساڑھے نو سو برس نصیحت کر کے جب نوح علیہ السلام قوم کے لوگوں کی سرکشی سے تنگ آگئے تو انہوں نے قوم کے لوگوں پر عذاب نازل ہونے کی بددُعا کی اس کو فرمایا اے رسُول اللہ کے ابراہیم اور لوط علیہ السلام کے زمانہ سے پہلے جب نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کے حق میں بددُعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی بددُعا سن لی اور نوح علیہ السلام کو مع ان کے ساتھیوں کے طوفان کے عذاب سے بچا کر باقی قوم کو طوفان کے عذاب سے ہلاک کر دیا جس کا قصہ تفصیل سے سورۂ ہود میں گزر چکا ہے۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوموسیٰ اشعریؓ کی اور انسؓ بن مالک

وَدَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ اِذْ يَحْكُمٰنِ فِي الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ ۚ وَكُنَّا

اور داؤد اور سلیمان کو جب لگے فیصلہ کرنے کھیتی کا جھگڑا جب روند گئیں اس کو رات میں بکریاں ایک لوگوں کی اور

لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ ﴿٧٨﴾ فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ۚ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا ۡ وَّسَخَّرْنَا

روبرو تھا ہمارے ان کا فیصلہ ۔ پھر سمجھا دیا ہم نے یہ فیصلہ سلیمان کو اور دونوں کو دیا تھا ہم نے حکم اور سمجھ اور تابع کئے ہم نے

مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ ۭ وَكُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿٧٩﴾ وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ

داؤد کے ساتھ پہاڑ پڑھا کرتے اور اڑتے جانور اور ہم نے یہ کیا تھا اور اس کو سکھایا ہم نے بنانا ایک تمہارا پہناوا

کی روایتیں جو اوپر گزر چکی ہیں، وہی روایتیں ان آیتوں کی بھی تفسیر ہیں حاصل جس کا وہی ہے جو اوپر بیان کیا گیا۔

۷۸-۸۲:۔ نوح علیہ السلام کے قصہ کے بعد داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام کے ایک قصہ کا ذکر ان آیتوں میں فرمایا سورۂ بقر میں گزر چکا ہے کہ جب بنی اسرائیل میں طرح طرح کی نافرمانی پھیل گئی تو اس کی سزا میں ملک شام کے کئی شہر قوم عمالقہ کے بادشاہ جالوت نے بنی اسرائیل سے چھین لیئے اس کے بعد بنی اسرائیل کے پیغمبر شمویل علیہ السلام نے طالوت کو بنی اسرائیل کا بادشاہ مقرر کیا اور جالوت و طالوت کی لڑائی میں داؤد علیہ السلام نے جالوت کو قتل کیا اور شمویل کی وفات کے بعد نبوت، بادشاہت یہ سب کچھ داؤد علیہ السلام کے خاندان میں آگیا، داؤد علیہ السلام کی بادشاہت کے زمانہ میں ایک شخص کی کھیتی دوسرے شخص کی بکریاں رات کو چر گئیں، جب یہ جھگڑا داؤد علیہ السلام کے روبرو پیش ہوا تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہؓ بن مسعود کے قول[1] کے موافق داؤد علیہ السلام نے اس جھگڑے کا یہ فیصلہ کیا کہ وہ بکریاں کھیتی والے شخص کو ہمیشہ کے لئے بکری والے شخص سے دلائیں اسی قول کے موافق سلیمان علیہ السلام نے اس فیصلہ کا حال سن کر اپنی جگہ یہ کہا کہ اگر وہ کھیتی کی زمین بکری والے شخص کے حوالہ کی جاتی کہ وہ اس زمین میں زراعت کر کے کھیتی کو اس حالت پر پہنچا دیوے جس حالت پر وہ کھیتی بکریوں کے چرنے کے وقت پر تھی اور کھیتی کی زراعت کے اس حالت پر پہنچنے تک بکریاں کھیتی والے شخص کے قبضے میں رکھی جاتیں تو یہ فیصلہ اچھا تھا، داؤد علیہ السلام کے کان تک جب سلیمان علیہ السلام کے اس فیصلہ کی خبر پہنچی تو انہوں نے اپنے فیصلہ کو موقوف رکھ کر یہی سلیمان علیہ السلام کا فیصلہ قائم رکھا ان ہی دونوں فیصلوں کا ذکر ان آیتوں میں فرما کر فرمایا کہ اگرچہ ان دونوں فیصلوں کا حال اللہ تعالیٰ کے علم سے باہر نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام دونوں کو نبوت اور علم کی نعمت اپنے علم غیب کے موافق عطا کی ہے جس کا ظہور داؤد علیہ السلام کے حق میں تو ہو گیا اور سلیمان علیہ السلام کے حق میں ہونے والا ہے لیکن اس وقت بھی اس جھگڑے کا صحیح فیصلہ وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کو سمجھایا اس فیصلہ کے وقت سلیمان علیہ السلام کی عمر گیارہ برس کی تھی، سورۃ النمل میں آوے گا کہ نبوت اور بادشاہت سلیمان علیہ السلام کو وراثت کے طور پر داؤد علیہ السلام کے بعد ملی ہے اس سے معلوم ہوا کہ اس فیصلہ کے زمانہ تک سلیمان علیہ السلام نبی نہیں تھے، ہاں اللہ تعالیٰ کے علم غیب کے موافق آئندہ نبی ہونے والے تھے، اسی واسطے فرمایا وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا جس کا مطلب وہی ہے جو اوپر بیان کیا گیا کہ داؤد علیہ السلام کے حق میں تو اس کا ظہور ہو گیا اور سلیمان علیہ السلام کے حق میں ہونے والا ہے۔ اکثر سلف کا قول ہے کہ کوئی چوپایا رات کو کسی کے کھیت میں گھس جاوے تو اس کو نفش کہتے ہیں اور

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۱۸۶ ج ۳ و تفسیر الدر المنثور ص ۳۳۴ ج ۴

لَكُمْ لِتُحْصِنَكُم مِّنْ بَأْسِكُمْ فَهَلْ أَنتُمْ شَاكِرُونَ ﴿٨٠﴾ وَلِسُلَيْمَانَ الرِّيحَ عَاصِفَةً

تاکہ بچاؤ ہو تم کو تمہاری لڑائی سے سو کچھ تم شکر کرتے ہو اور سلیمان کے تابع کی باؤ جھپکے کی

تَجْرِي بِأَمْرِهِ إِلَى الْأَرْضِ الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا ۚ وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عَالِمِينَ ﴿٨١﴾ وَمِنَ

چلتی اس کے حکم سے زمین کی طرف جہاں برکت دی ہم نے اور ہم کو سب چیز کی خبر ہے اور تابع

الشَّيَاطِينِ مَن يَغُوصُونَ لَهُ وَيَعْمَلُونَ عَمَلًا دُونَ ذَٰلِكَ ۖ وَكُنَّا لَهُمْ حَافِظِينَ ﴿٨٢﴾

کئے کتنے شیطان جو غوطہ لگاتے اس کے واسطے اور کچھ کام بناتے اس کے سوائے اور ہم تھے ان کو تھام رہے ۔

دن کو گھس جائے تو اس کو ھمل کہتے ہیں اسی واسطے اکثر سلف نے نَفَشَتْ فِيهِ غَنَمُ الْقَوْمِ کی تفسیر یہی کی ہے کہ وہ بکریاں رات کو کھیت میں گھس گئی تھیں، مسند امام احمد، ابوداؤد اور ابن ماجہ، نسائی وغیرہ میں براء بن العازبؓ سے روایت[1] ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ رات کو چوپایوں کا باندھ کر رکھنا چوپاؤں کے مالکوں کے ذمہ ہے، اس واسطے رات کو جو چوپایہ کسی کا کچھ نقصان کرے گا تو اس کا بدلہ مالک سے دلایا جاوے گا اگرچہ ابن حبان نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے لیکن بعضے علماء کہتے ہیں کہ حرام بن محیصہ راوی کو براء بن العازبؓ سے کسی حدیث کے سننے کا موقع نہیں ملا اس لئے اس حدیث کی سند پوری نہیں[2] ہے، نسائی کی سند میں بجائے حرام بن محیصہ کے سعید بن المسیب کا نام ہے جس سے یہ سند پوری ہو جاتی ہے، لیکن رات دن کے فرق میں علماء کا اختلاف ہے جس کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں ہے، ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کے فیصلہ کی تعریف جو فرمائی ہے صحیح بخاری و مسلم کی عبداللہ بن عمرو بن العاص کی روایت[3] میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تفسیر یوں فرمائی ہے کہ جو حاکم صحیح فیصلہ کرنے کی کوشش کرے اور بشریت کے تقاضا سے اس فیصلہ میں کوئی غلطی رہ جاوے تو ایسے حاکم کو کوشش کے بدلہ میں اکہرا ثواب ملے گا اور جو حاکم صحیح فیصلہ کی کوشش بھی کرے گا اور اس کے فیصلہ میں غلطی بھی نہ رہے گی تو ایسے حاکم کو دوہرا ثواب ملے گا، اس حدیث سے یہ مطلب اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے کہ سلیمان علیہ السلام کے فیصلہ میں دونوں باتیں تھیں اس لئے اس فیصلہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنا سمجھایا ہوا فیصلہ فرمایا حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے قول کے موافق اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں اور پرندوں کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ داؤد علیہ السلام کے ذکر الٰہی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا کریں وَكُنَّا فَاعِلِينَ اس کا مطلب یہ ہے کہ داؤد علیہ السلام کے پیدا ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے علم غیب کے موافق یہ بات لوح محفوظ میں لکھی جا چکی تھی کہ پہاڑ اور پرند داؤد علیہ السلام کے تابعدار رہیں گے حسن بصری اور قتادہ کا قول ہے کہ داؤد علیہ السلام کو لوہے کے آگ میں تپانے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی بلکہ تاگے کی طرح لوہے کو ہاتھ سے بٹ کر کڑیوں کی زرہ بناتے تھے جو لڑائی کے وقت دشمن کے وار سے بچنے کے لئے کام آتی تھی، پھر فرمایا لوگوں کو اس کا شکریہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ادا کرنا چاہیے کہ اس نے داؤد علیہ السلام کے زمانہ سے زرہ کے بنانے کی حکمت دنیا میں پھیلا دی داؤد علیہ السلام کے ذکر کے بعد ان کے بیٹے سلیمان علیہ السلام کا ذکر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہوا کو ان کے تابع کر دیا تھا کہ وہ ان کے تخت کو مہینہ بھر کے راستہ کے شہر کو دوپہر تک پہنچا دیتی تھی اور پھر شام کو برکت کی زمین یا ملک شام میں وہ اپنے تخت پر بیٹھ کر آجاتے تھے۔ وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عَالِمِينَ اس کا مطلب وہی ہے جو وَكُنَّا فَاعِلِينَ کی تفسیر میں بیان کیا گیا، سلیمان علیہ السلام کے پیدا ہونے سے

[1] مشکوٰۃ مع تنقیح الرواۃ ص ۱۸۸ ج ۲ باب الغصب والعاریۃ [2] تنقیح الرواۃ صفحہ مذکورہ [3] مشکوٰۃ ص ۳۲۴ باب العمل فی القضاء والخوف منہ۔

وَاَيُّوبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّىْ مَسَّنِىَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿٨٣﴾ فَاسْتَجَبْنَا

اور ایوب کو جس وقت پکارا اپنے رب کو کہ مجھ کو پڑی ہے تکلیف اور تو ہے سب رحم والوں سے رحم والا۔ پھر ہم نے سن لی

لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّاٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا

اس کی پکار سو اٹھا دی جو اس پر تھی تکلیف اور دی اس کو اس کی گھر والی اور ان کے برابر ساتھ ان کے اپنے پاس کی مہر سے

وَذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ ﴿٨٤﴾

اور نصیحت بندگی والوں کو۔

پہلے اللہ تعالیٰ کے علم غیب کے موافق یہ بات لوح محفوظ میں لکھی جا چکی تھی کہ ہوا اور جنات سلیمان علیہ السلام کے فرمانبردار رہیں گے اسی واسطے فرمایا ہوا کی طرح جنات کو بھی ان کا فرمانبردار کر دیا تھا کہ وہ غوطہ لگا کر سمندر میں سے جواہرات نکالتے تھے اور طرح طرح کے اور کام بھی کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے جنات کو اس طرح تھام رکھا تھا کہ وہ بنی آدم کو ستا نہیں سکتے تھے۔ صحیح بخاری میں ابوہریرہؓ سے روایت[1] ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک سرکش جن رات کو میری نماز میں خلل ڈالنا چاہتا تھا، اللہ تعالیٰ نے مجھ کو اس پر غالب کر دیا یہاں تک کہ میں نے اس کو پکڑ لیا، مگر مجھ کو سلیمان علیہ السلام کی دعا یاد آ گئی اس لئے میں نے اس کو چھوڑ دیا، سلیمان علیہ السلام کی یہ دعا سورہ صٓ میں آوے گی، اس حدیث سے یہ مطلب اچھی طرح سمجھ میں آ سکتا ہے کہ سلیمان علیہ السلام کے خاص معجزہ کے طور پر جن ان کے تابع تھے، اس خیال سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جن کو چھوڑ دیا۔ سورۂ سبا کی تفسیر میں جنات کا ذکر ذرا تفصیل سے آوے گا، جو ہوا سلیمان علیہ السلام کا تخت لے جاتی تھی، وہ ظاہر میں تو دھیمی تھی، آندھی نہیں تھی اور تاثیر میں ایسی تیز تھی کہ وہ دوپہر میں مہینہ بھر کا راستہ طے کرتی تھی اسی واسطے اس کو یہاں تو تیز فرمایا اور سورۂ سبا میں نرم فرمایا،

۸۳-۸۴: سلیمان علیہ السلام کے قصہ کے بعد اس سورہ میں اور سورہ ص میں ایوب علیہ السلام کا قصہ قرآن شریف میں آیا ہے اس واسطے بعضے علماء کا قول ہے کہ ایوب علیہ السلام انبیائے بنی اسرائیل میں سلیمان علیہ السلام کے بعد نبی ہوئے ہیں لیکن تاریخ ابن عساکر[2] میں ہے کہ ایوب علیہ السلام، لوط علیہ السلام کے نواسے اور موسیٰ علیہ السلام سے پہلے کے انبیاء ہیں اس تفسیر میں ایک جگہ یہ ذکر کر دیا گیا ہے کہ ابوالقاسم علی بن عساکر متوفی ۵۷۱ھ شام کے ثقہ اور مشہور علماء میں سے ہیں اور ان کی تاریخ دمشق اور باقی کی تصنیفات معتبر ہیں، ترمذی اور ابن ماجہ میں سعدؓ بن ابی وقاص کی صحیح روایت[3] ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، دنیا میں سب سے زیادہ آزمائش انبیاء کی ہوا کرتی ہے۔ اس عادت الٰہی کے موافق ایوب علیہ السلام کی یہ آزمائش ہوئی کہ ان کے بیٹے سب مر گئے مال سارا برباد ہو گیا، خود ایسے بیمار ہوئے کہ تمام بدن میں کیڑے پڑ گئے، بستی کے لوگوں نے بستی کے باہر ایک کونے میں ان کو ڈال دیا، سوائے ان کی بی بی کے اور کسی نے ساتھ نہ دیا۔ بعضی روایتوں کے موافق تیرہ برس اور بعضی کے موافق اٹھارہ برس یہی حال رہا۔ صحیح سند سے مسند بزار، مستدرک حاکم اور صحیح ابن حبان میں انسؓ بن مالک سے روایت[4] ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ایوب علیہ السلام کے کسی دوست نے ایک دن یہ بات کہی کہ ایوب علیہ السلام سے کوئی ایسا بڑا گناہ ہو گیا ہے جو اٹھارہ برس کی تکلیف

[1] صحیح بخاری ص ۶۶ جلد اول باب الاسیر والغریم یربط فی المسجد [2] تہذیب تاریخ ابن عساکر ص ۱۹۱ ج ۳ [3] الترغیب والترہیب ص ۲۸۰ ج ۲
[4] فتح الباری ص ۲۴۷ ج ۳۔ کتاب الانبیاء۔

وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِدْرِيْسَ وَذَا الْكِفْلِ ۭ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿٨٥﴾ وَاَدْخَلْنٰهُمْ فِيْ

اور اسمٰعیل اور ادریس اور ذوالکفل کو یہ سب ہیں سہارنے والے اور لے لیا ہم نے ان کو اپنی

رَحْمَتِنَا ۭ اِنَّهُمْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿٨٦﴾

مہر میں وہ ہیں نیک بختوں میں ۔

اٹھا کر بھی معاف نہیں ہوا، اس سخت کلمہ کی برداشت ایوب علیہ السلام نہ کر سکے اور اس کلمہ کے سننے کے بعد انہوں نے اپنی تندرستی کے لئے دعا کی جس کا ذکر ان آیتوں میں ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرما کر ان کو تندرست کر دیا جس کا تفصیلی قصہ سورہ صٓ میں آوے گا، تفسیر ضحاکؒ[1] میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول ہے کہ تندرست ہو جانے کے بعد ایوب علیہ السلام کے ۲۳ لڑکے پیدا ہوئے۔ صحیح بخاری اور صحیح ابن حبانؒ[2] میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایوب علیہ السلام کے اچھے ہو جانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان پر سونے کی ٹڈیوں کا مینہ برسایا جس سے ایوب علیہ السلام بہت مالدار ہو گئے وَذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے نیک بندوں کے حق میں یہ قصہ اس بات کی نصیحت ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو اس طرح آزماتا ہے اور پھر اس کا انجام یوں اچھا ہوتا ہے۔

۸۵-۸۶: صحیح بخاریؒ[3] میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی ایک بہت بڑی حدیث ہے جس کے ایک ٹکڑے کا حاصل یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام مکہ کے میدان میں جب ہاجرہ علیہا السلام اور دودھ پیتے بچے اسمٰعیل علیہ السلام کو چھوڑ گئے تو ان کو ایک مشک پانی کی بھری ہوئی دے گئے تھے، جب اس مشک کا پانی ختم ہو چکا اور ہاجرہ علیہا السلام پیاس سے بہت پریشان ہوئیں تو اللہ کے حکم سے جبرئیل علیہ السلام نے زمزم کے مقام پر اپنا پر مارا جس سے یہ زمزم کا چشمہ نکلا اور اس پانی کے سبب سے جرہم بن قحطان کے قبیلہ کے لوگ اس مکہ کے میدان میں آباد ہوئے اور جوان ہو جانے کے بعد اس قبیلہ کی ایک عورت سے اسمٰعیل علیہ السلام کا نکاح ہوا، اس قبیلہ جرہم کے اسمٰعیل نبی تھے اور جرہم قبیلہ کے زمانہ تک مکہ میں ملت ابراہیمی کی پوری پابندی جاری تھی، قوم جرہم کے زمانہ کے بعد جب قوم خزاعہ کے حوالہ میں بیت اللہ آیا تو قوم خزاعہ کے سردار ایک شخص عمرو بن لحی نے پہلے پہل ملت ابراہیمی کو مٹایا اور جدہ سے بت لا کر مکہ میں رکھے اور بت پرستی پھیلائی، چنانچہ صحیح بخاری کی ابوہریرہؓ کی روایت سے اور مسند امام احمد وغیرہ کی اور روایتوں سے یہ قصہ سورہ المائدہ میں گزر چکا ہے۔ قریش جو یہ کہتے تھے کہ بت پرستی ہمارے بڑوں کا طریقہ ہے قریش کی اس بات کو جھٹلانے کے لئے اسمٰعیل علیہ السلام کے قصہ سے قریش کو یوں قائل کیا گیا ہے کہ یہ لوگ اپنے آپ کو بنی اسمٰعیل کہتے ہیں مگر ان کو یہ خبر نہیں کہ عمرو بن لحی کے پہلے ان کے بڑوں کے بڑے اسمٰعیل گزرے ہیں ان کا یہ طریقہ ہرگز نہیں تھا ان لوگوں کی یہ بڑی نادانی ہے کہ اپنے اصل بڑوں کے طریقہ کو چھوڑ کر عمرو بن لحی کے طریقہ پر جمے ہوئے ہیں، صحیح بخاری میں امام بخاریؒ نے بغیر سند کے عبداللہ بن مسعودؓ اور عبداللہ بن عباسؓ کا یہ قول جو بیان کیا ہے کہ الیاس اور ادریس ایک ہی پیغمبر کا نام ہے اس میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے قول کی سند تو ضعیف[4] ہے اور عبداللہ بن مسعودؓ کے قول کی سند تفسیر ابن ابی

[1] فتح الباری ص ۲۱۷ ج ۳ [2] فتح الباری ص ۲۴۰ ج ۳ [3] صحیح بخاری مع فتح الباری ص ۲۳۵ - ۲۳۹ ج ۳ -

[4] فتح الباری ص ۲۲۴ ج ۳

حاتم میں اگرچہ معتبر ہے، لیکن یہ قول ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث کے مخالف ہے، جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ادریس علیہ السلام نے پہلے پہل قلم سے لکھنا دنیا میں جاری کیا کیونکہ الیاس انبیائے بنی اسرائیل میں سے ہیں اور قلم سے لکھنا بنی اسرائیل سے پہلے دنیا میں جاری تھا، چنانچہ یعقوب علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام کو جو خط لکھا ہے اس کا ذکر اکثر مفسروں نے اپنی تفسیروں میں کیا ہے، اس واسطے یہی قول صحیح معلوم ہوتا ہے کہ ادریس علیہ السلام نوح علیہ السلام سے پہلے ہیں، ادریس علیہ السلام کا قصہ سورۂ مریم میں گزر چکا ہے۔ ابوذر رضی اللہ عنہ کی اوپر کی حدیث کو ابن حبان نے صحیح کہا ہے[۱] صحیح بخاری و مسلم کی مالک رضی اللہ عنہ بن صعصعہ کی روایت[۲] کے اور صحیح مسلم کی انس رضی اللہ عنہ بن مالک کی روایت[۳] کے موافق صحیح قول یہی ہے کہ معراج کے وقت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ادریس علیہ السلام کی ملاقات چوتھے آسمان پر ہوئی ہے، ذوالکفل کے نبی ہونے اور نہ ہونے میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ سے اختلاف چلا آتا ہے چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اسی بات کے قائل ہیں کہ ذوالکفل نبی نہیں[۴] تھے اور ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ منبر[۵] پر وعظ کی طرح بیان کیا کرتے تھے کہ بنی اسرائیل میں ذوالکفل ایک نیک شخص تھے، نبی نہیں تھے، مسند امام احمد میں عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے ایک روایت[۶] ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بنی اسرائیل میں الکفل نام کا ایک شخص بڑا گنہ گار تھا، اس نے ایک عورت کو ساٹھ اشرفیاں بدکاری کے وعدہ پر دیں اور جب اس نے اس عورت سے بدکاری کا ارادہ کیا تو وہ عورت رونے لگی، الکفل نے اس عورت سے رونے کا سبب پوچھا تو اس عورت نے کہا میں نے ایسا برا کام کبھی عمر بھر نہیں کیا، تنگ دستی نے مجھے اس کام کے وعدہ پر مجبور کر دیا ہے۔

الکفل نے عورت کی یہ بات سن کر اس کو رخصت کیا اور ساٹھ اشرفیاں بھی اس کے پاس چھوڑ دیں اور عہد کر لیا کہ آئندہ وہ عمر بھر کوئی گناہ نہ کرے گا، اس عہد کی ہی رات کو الکفل کا انتقال ہو گیا اور صبح کو اس کے دروازے پر یہ لکھا ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے الکفل کی مغفرت فرما دی، حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے مسند امام احمد کے حوالہ سے اس حدیث کو اپنی تفسیر میں نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ صحاح ستہ کے کسی مصنف نے اپنی کتاب میں اس حدیث کو نہیں لیا، ترمذی کے ابواب[۸] زہد میں یہ حدیث موجود ہے اور قصہ بھی پورا وہی ہے جو مسند امام احمد میں ہے اور ترمذی نے اس حدیث کو حسن بھی کہا ہے لیکن مسند امام احمد اور ترمذی کے لفظوں میں تھوڑا سا فرق ہے اس لئے شاید حافظ ابن کثیر کا مطلب یہ ہے کہ مسند احمد کے لفظوں سے یہ حدیث صحاح ستہ کی کسی کتاب میں نہیں ہے، مسند امام احمد اور ترمذی میں تو یہ قصہ الکفل کے نام سے ہے لیکن یہ روایت صحیح ابن حبان، طبرانی اور شعب الایمان بیہقی میں بھی ہے، ان کتابوں کی بعضی روایتوں میں کچھ قصہ الکفل کے نام سے بیان کیا گیا ہے، اس سورہ کا نام سورۃ الانبیاء ہے اور اللہ تعالیٰ نے ذوالکفل کا نام انبیاء کے ناموں کے ساتھ لیا ہے، اس واسطے حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے اس اختلاف کو یوں رفع[۹] کیا ہے کہ قرآن شریف میں جن ذوالکفل کا ذکر ہے وہ تو نبی ہیں اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں جس کا ذکر ہے وہ بنی اسرائیل میں کا کوئی دوسرا شخص ہے، آخر کو فرمایا، جن انبیاء کا ذکر ان آیتوں میں ہے یہ سب آزمائش کے وقت صبر کرنے والے اللہ کی رضی

---

[۱] فتح الباری ص ۲۲۴ ج ۳ و فتح البیان ص ۲۵ ج ۳ [۲] فتح الباری ص ۲۲۶ ج ۳ [۳] تفسیر ابن کثیر ص ۸ ج ۳ [۴] مشکوٰۃ ص ۵۲۷ [۵] تفسیر ابن کثیر ص ۱۹۱ ج ۳ [۶] ایضاً [۷] تفسیر ابن کثیر ص ۳۹۱ ج ۲ اور لکھا ہے اسنادہ غریب [۸] راقم کو جامع ترمذی کے ابواب الزہد میں یہ روایت نہیں مل سکی واللہ اعلم۔ البتہ منذری نے بحوالہ جامع ترمذی و حاکم ذکر کی ہے دیکھئے عنوان "الترغیب فی الخوف" [۹] الترغیب والترہیب باب مذکور (ع ح) [۱۰] تفسیر ابن کثیر ص ۱۹۱ ج ۳

وَذَا النُّوْنِ إِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ أَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ

اور مچھلی والے کو جب چلا گیا غصے سے لڑکر پھر سمجھا کہ ہم نہ پکڑ سکیں گے پھر پکارا ان اندھیروں میں

أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ إِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۷﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَنَجَّيْنٰهُ

کہ کوئی حاکم نہیں سوائے تیرے تو بے عیب ہے اور میں تھا گنہ گاروں سے پھر سُن لی ہم نے اس کی پکار اور بچا دیا اس

مِنَ الْغَمِّ ۭ وَكَذٰلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۸﴾ وَزَكَرِيَّآ إِذْ نَادٰى رَبَّهٗ رَبِّ لَا

کو اس گھُٹنے سے اور یوں ہی ہم بچا دیتے ہیں ایمان والوں کو اور زکریا کو جب پکارا اپنے رب کو اے رب نہ

کے پابند نیک بندے تھے اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی رحمت کے قابل ٹھہرایا۔

۸۷-۸۸: یہ یونس علیہ السلام کا قصہ یہاں سورہ والصافات اور سورہ نٓ میں اس طرح کئی جگہ آیا ہے، تفسیر سدی، تفسیر ابن ابی حاتم، مسند بزار اور تفسیر ابن مردویہ میں عبداللہؓ بن مسعود کی صحیح روایت[1] سے یہ قصہ جو بیان کیا گیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ موصل شہر کی سرزمین میں ایک نینوا بستی ہے، وہاں کے لوگوں کی ہدایت کے واسطے یونس علیہ السلام نبی مقرر ہوئے تھے جب وہاں کے لوگوں نے یونس علیہ السلام کی نصیحت کو نہ مانا تو یونس علیہ السلام تین دن میں عذاب کے آجانے کا پیغام قوم کے لوگوں کو سنا کر قوم کی حالت پر غصہ میں بھرے ہوئے اس بستی سے باہر چلے گئے۔ نینوا کے لوگوں نے جب کچھ آثار عذاب کے دیکھے تو جنگل میں جا کر بہت روئے اور خالص دل سے توبہ کی، اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے حال پر رحم فرمایا اور اس عذاب کو ٹال دیا چنانچہ اس کا ذکر سورہ یونس میں گزر چکا ہے بستی کے باہر جب یونس علیہ السلام کو یہ خبر پہنچی کہ وقت مقررہ پر عذاب نہیں آیا تو بغیر حکم الٰہی کے اس بستی سے دور جانا چاہا اور سفر کے ارادہ سے دریا پر جا کر کشتی میں بیٹھے، اللہ کے حکم سے جب وہ کشتی نہ چلی تو انہوں نے اپنے آپ کو دریا میں ڈال دیا، جہاں ایک مچھلی ان کو نگل گئی اور پھر مچھلی کے پیٹ کے اندھیرے، رات کے اندھیرے ان اندھیروں میں یہ دعا مانگی جس کا ذکر ان آیتوں میں ہے اللہ تعالیٰ نے یہ دعا قبول کی اور اس رنج و غم سے ان کو نجات دے کر پھر اسی قوم کی ہدایت کے لئے انہیں بھیجا، اسی کا ذکر ان آیتوں میں فرما کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اسی طرح اپنے نیک بندوں کو ہر ایک بلا سے نجات دیتا ہے زیادہ تفصیل اس قصہ کی سورہ والصافات میں آوے گی فَظَنَّ أَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ اس کا مطلب یہ ہے کہ یونس علیہ السلام نے بغیر حکم الٰہی کے بستی کو چھوڑ کر خود اختیاری سے چلے جانے کو لائق گرفت گناہ خیال نہیں کیا۔ اللہ کے رسول خاتم الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس خیال سے کہ یونس علیہ السلام کا قصہ سن کر لوگ یونس علیہ السلام کو حقیر نہ جانیں، صحیح بخاری و مسلم کی ابو ہریرہؓ کی روایت اور صحیح بخاری کی عبداللہؓ بن مسعود اور عبداللہ بن عباسؓ کی روایتوں[2] میں فرمایا کوئی شخص مجھ کو یہ نہ کہے کہ میں یونس علیہ السلام سے بہتر ہوں۔ نون عربی زبان میں مچھلی کو کہتے ہیں، یونس علیہ السلام کو مچھلی نگل گئی تھی اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے ان کو مچھلی والا پیغمبر فرمایا۔

۸۹-۹۰: زکریا علیہ السلام کا قصہ سورہ آل عمران اور سورہ مریم میں گزر چکا ہے[3] جس کا حاصل یہ ہے کہ مریم علیہا السلام کی ماں اور زکریا علیہ السلام کی بی بی دونوں بانجھ تھیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے مریم علیہا السلام کی ماں کو صاحب اولاد کیا تو زکریا علیہ السلام کے دل میں بھی یہ امید پیدا ہوئی کہ ان کے بڑھاپے اور ان کی بی بی کے بانجھ پنے کی حالت میں ان کو بھی اللہ تعالیٰ صاحب اولاد

---

[1] تفسیر الدر المنثور ص ۳۳۳-۳۳۴ ج ۴ [2] ایضاً ص ۳۳۴ ج ۴ [3] ص ۲۴۵ جلد اوّل تفسیر ہذا۔

تَذَرْنِیْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَیْرُ الْوٰرِثِیْنَ ﴿۸۹﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ؗ وَوَهَبْنَا لَهٗ یَحْیٰی وَ

چھوڑ مجھ کو اکیلا اور تو ہے سب سے بہتر وارث ۔ پھر ہم نے سُن لی اس کی پکار اور بخشا اس کو یحییٰ اور

اَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا یُسٰرِعُوْنَ فِی الْخَیْرٰتِ وَیَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّ

چنگی کر دی اس کی عورت وُہ لوگ دوڑتے تھے بھلائیوں پر اور پکارتے تھے ہم کو توقع سے اور

رَهَبًا ؕ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِیْنَ ﴿۹۰﴾ وَالَّتِیْۤ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِیْهَا مِنْ

ڈر سے اور تھے ہمارے آگے دبے اور وُہ عورت جس نے قید میں رکھی اپنی شہوت پھر پھونک دی ہم نے اس عورت

رُّوْحِنَا وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَاۤ اٰیَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۹۱﴾

میں اپنی رُوح اور کیا اس کو اور اس کے بیٹے کو نمونہ جہان والوں کا ۔

کردیوے، اسی امید پر انہوں نے یہ دعا کی جس کا ذکر ان آیتوں میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی وُہ دُعا قبول فرمائی، ان کی بی بی کا بانجھ پنا کھو دیا اور ان کے گھر میں یحییٰ علیہ السلام پیدا ہوئے، آگے فرمایا زکریا علیہ السلام ان کی بی بی، ان کے بیٹے یحییٰ یہ سب نیک کاموں میں چست اور اللہ کی رحمت کے امیدوار اور اس کے عذاب کے خوف سے اس کی عبادت کرنے والے تھے اور اللہ کی عظمت کے آگے اپنے آپ کو اس کا حقیر اور ادنیٰ بندہ سمجھتے تھے، صحیح مسلم[1] میں ابوہریرہ سے روایت ہے جس میں اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ زکریا علیہ السلام بڑھئی کا کام کرکے اپنے ہاتھ کی مزدوری کی آمدنی پر اپنی گزر کرتے تھے۔

۹۱ مریم علیہا السلام اور عیسٰی علیہ السلام کا قصہ سورۂ آلِ عمران اور سورۂ مریم میں گزر چکا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ عیسٰی علیہ السلام کے حمل سے پہلے مریم علیہا السلام کو جو دو حیض آئے تھے ان میں آخری حیض سے فارغ ہو کر جب وُہ سب سے الگ نہانے کو گئیں اور پردہ ڈال کر نہانے کا ارادہ کیا تو ایک خوبصورت مرد کی شکل میں جبرائیل علیہ السلام ان کو نظر آئے۔ مریم علیہا السلام نے مرد کی شکل دیکھ کر یہ کہا کہ اے شخص اگر تو پرہیزگار آدمی ہے تو میں تیرے بد ارادہ سے اللہ کی پناہ میں آتی ہوں۔ جبرائیل علیہ السلام نے مریم علیہا السلام کی اس بات کا یہ جواب دیا کہ اے مریم میں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم کو ایک بڑی شان کے لڑکے کے پیدا ہونے کی خوشخبری دینے آیا ہوں، مریم علیہا السلام نے اس خوشخبری کا حال سُن کر بڑی حیرت سے کہا، میرے لڑکا کیونکر پیدا ہوگا مجھ کو تو آج تک کسی مرد نے ہاتھ تک بھی نہیں لگایا، جبرئیل علیہ السلام نے کہا یہ تو سچ ہے کہ آج تک کسی مرد نے تم کو ہاتھ تک نہیں لگایا لیکن اللہ کا حکم یہی ہے کہ بغیر باپ کا ایک لڑکا تمہارے یہاں پیدا ہو کر اللہ کی قدرت کی ایک نشانی دُنیا میں لوگوں کو نظر آوے، یہ کہہ کر اللہ کے حکم سے جبرئیل علیہ السلام نے عیسٰی علیہ السلام کی رُوح مریم علیہا السلام کے جسم میں پھونک دی، جس سے مریم علیہا السلام کو حمل رہ گیا اور وقت مقررہ پر عیسٰی علیہ السلام پیدا ہوئے سورۂ مریم میں اس قصہ کی تفصیل زیادہ ہے اس لئے سورۂ مریم کی آیتیں گویا اس آیت کی تفسیر ہیں جس کا حاصل وہی ہے جو اوپر بیان کیا گیا، صحیح بخاری و مسلم میں ابوموسیٰ اشعری[2] کی حدیث ہے جس میں اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم نے مریم علیہا السلام کو اس زمانہ کی عورتوں میں کامل فرمایا ہے، اس حدیث کو آیت کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مریم علیہا السلام کے زمانہ میں کوئی عورت

[1] مشکوٰۃ ص ۵۰۹ باب بدء الخلق و ذکر الانبیآء۔ [2] ایضاً

إِنَّ هَٰذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُونِ ﴿٩٢﴾ وَتَقَطَّعُوا أَمْرَهُم

یہ لوگ ہیں تمہارے دین کے سب ایک دین پر اور میں ہوں رب تمہارا سو میری بندگی کرو اور ٹکڑے ٹکڑے بانٹ لیا لوگوں نے

بَيْنَهُمْ ۖ كُلٌّ إِلَيْنَا رَاجِعُونَ ﴿٩٣﴾ فَمَن يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ

آپس میں اپنا کام سب ہمارے پاس پھر آویں گے۔ سو جو کوئی کرے کچھ نیک کام اور وہ یقین رکھتا ہو

فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهِ وَإِنَّا لَهُ كَاتِبُونَ ﴿٩٤﴾ وَحَرَامٌ عَلَىٰ قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا

سو اکارت نہ کریں گے اس کی دوڑ اور ہم اس کو لکھتے ہیں اور مقرر ہو رہا ہے ہر بستی پر جس کو ہم نے کھپا دیا

مریم علیہا السلام کے مرتبہ کی نہیں تھی۔

۹۲-۹۴: امت کے معنی ایسی جماعت کے ہیں، جس کے سب آدمی ایک ہی مقصد پر جمے ہوئے ہوں، اس مطلب کے ادا کرنے کے لئے حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے یہاں امت کے معنی دین کے لئے ہیں، حاصل ان معنوں کا یہ ہے کہ اللہ کی وحدانیت اور اس کے احکام کی پابندی اصل دین ہے، اس مقصد کے پھیلانے میں سارے انبیاء ایک ہیں، ضرورت وقتیہ کے لحاظ سے فقط حلال وحرام کے احکام بدلتے رہے ہیں جس کو ہر ایک نبی کی شریعت کہتے ہیں لیکن اصل دین کی ہر ایک شریعت میں تاکید ہے، صحیح بخاری ومسلم میں ابوہریرہؓ کی روایت[1] ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اصل دین کے حساب سے سب انبیاء اس طرح سے ایک ہیں جس طرح ایک باپ کی اولاد میں بھائی ایک ہوتے ہیں، ہاں حلال وحرام کے احکام ہر شریعت کے اس طرح الگ الگ ہیں جس طرح ایک باپ کی اولاد کے دو بھائیوں کی ماں جدا ہوا کرتی ہے، اس حدیث سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے اوپر کے قول کا مطلب اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے۔ آگے فرمایا اصل دین میں اگرچہ سب انبیاء ایک ہیں لیکن جن لوگوں کی ہدایت کے لئے انبیاء بھیجے گئے انہوں نے انبیاء کی نصیحت کو نہیں مانا اور ایک دین کے بہت سے دین ٹھہرائے مثلاً کوئی بت پرست ہے، کوئی ستارہ و آتش پرست، پھر فرمایا، ایک دن یہ سب اللہ تعالیٰ کے روبرو حاضر ہوں گے اور ایماندار کے نیک عمل کی جزا رائگاں نہ جاوے گی کیونکہ دس گنا سے لے کر سات سو گنا اور اس سے بھی زیادہ اجر جن نیکیوں کا ہے وہ سب نیکیاں دفتر الٰہی میں صبح وشام لکھی جاتی ہیں، اسی طرح بد لوگ اپنی بدی کی سزا سے کسی طرح بچ نہ سکیں گے کہ ان نیک لوگوں کے سب برے عملوں کا اعمال نامہ بھی دفتر الٰہی میں موجود ہے، صحیح بخاری ومسلم کے حوالہ سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت سے حدیث قدسی کئی جگہ گزر چکی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا، نیکی کا بدلہ دس سے لے کر سات سو تک اور بعضی نیکیوں کا اس سے بھی زیادہ ہے اور بدی کی سزا میں کچھ زیادتی نہ ہوگی، آیتوں میں اللہ تعالیٰ کے روبرو حاضر ہونے کا اور نیکی کے اکارت نہ جانے کا جو ذکر ہے اس کا مطلب اس حدیث سے اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے۔

۹۵: حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے قول کے موافق آیت کا حاصل مطلب یہ ہے کہ نافرمانی کے سبب سے جس بستی والوں کو اللہ تعالیٰ نے ہلاک کر دیا ایسے لوگوں پر قیامت سے پہلے دنیا میں پھر آنا انتظام الٰہی میں حرام ٹھہر چکا ہے، حضرت عبداللہؓ بن عباس کے اس قول کے موافق مَا مَنَعَكَ أَلَّا تَسْجُدَ میں جس طرح حرف مَا کے بعد تاکید کے لئے صرف لا بڑھایا گیا ہے۔

[1] مشکوٰۃ ص ۵۰۹ باب بدء الخلق وذکر الانبیاءؑ۔

أَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُونَ ﴿٩٥﴾ حَتَّىٰ إِذَا فُتِحَتْ يَأْجُوجُ وَمَأْجُوجُ وَهُم مِّن

کہ وہ نہیں پھرتے ۔ یہاں تک کہ جب کھول دیویں یاجوج و ماجوج کو اور وہ ہر

كُلِّ حَدَبٍ يَنسِلُونَ ﴿٩٦﴾

اوچان سے پھسلتے آویں ۔

اسی طرح لَا یَرْجِعُوْنَ میں لَا حرف فقط حَرَامٌ کی تاکید کے لئے بڑھایا گیا ہے قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ میں آوے گا کہ ایسے نافرمان لوگ جب مرجاتے ہیں اور منکر نکیر کے جواب کے لئے ان کے جسم میں رُوح پھر اللہ کے حکم سے آجاتی ہے تو ایسے لوگوں کا دوزخ کا ٹھکانا ان کو دکھا کر اللہ کے فرشتے ان سے کہتے ہیں کہ قیامت کے دن اسی ٹھکانے میں رہنے کے لئے تم کو دوبارہ زندہ کیا جاوے گا، اس وقت ایسے لوگ دُنیا میں دوبارہ آنے اور نیک کام کرنے کی تمنا ظاہر کرتے ہیں اور ان کو یہی جواب ملتا ہے کہ انتظام الٰہی کے موافق قیامت تک اب دُنیا میں دوبارہ جانا ممکن نہیں ہے، ہاں ذوالقرنین نے یاجوج ماجوج کے روکنے کے لئے جو دیوار بنائی ہے، قیامت کے قریب جب وہ دیوار ڈھے جاوے گی اور یاجوج ماجوج زمین پر پھیل جاویں گے اور پھر مرجاویں گے اور اس کے بعد وقت مقررہ پر پہلا صور پھونکا جاکر تمام دُنیا ویران ہوجاوے گی تو اس کے چالیس برس کے بعد ان دُنیا میں دوبارہ جانے کی تمنا کرنے والوں کو قیامت کے دن حساب کتاب کے لئے دوبارہ زندہ کیا جاکر دُنیا کے میدانِ محشر میں سب کے ساتھ جمع کیا جاوے گا، اس پر حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول جو بیان کیا گیا اس کا مضمون قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ کی آیت کے مضمون کے موافق ہے اس واسطے آیت کی وہی تفسیر صحیح ہے جو حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے قول کے حوالہ سے اوپر بیان کی گئی، صحیح مسلم کے حوالہ سے عبداللہ بن عمروؓ بن العاص کی حدیث[1] کئی جگہ گزر چکی ہے کہ دُنیا کے پیدا کرنے سے پچاس ہزار برس پہلے جو کچھ دُنیا میں ہونے والا تھا، اللہ تعالیٰ نے اپنے علم غیب کے موافق وہ سب لوحِ محفوظ میں لکھ لیا ہے، صحیح بخاری میں ابوہریرہؓ سے روایت[2] ہے کہ جو کچھ لکھا جانا تھا وہ لکھا جاکر قلم خشک ہوگیا، جس کا مطلب یہ ہے کہ قلم کو دوبارہ سیاہی میں ڈبویا جاکر نہ تر کیا جاوے گا نہ کچھ لکھا جاوے گا۔ شاہ صاحب نے حرام کا ترجمہ مقرر ہو رہا جو کیا ہے یہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے قول کے موافق ہے، اوپر کی حدیثوں کے موافق اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ حرام شریعت کے حکم سے نہیں مقرر ہوا بلکہ دُنیا کے پیدا ہونے سے پہلے انتظام الٰہی میں یہ امر مقرر ہوا ہے اور لکھا جاکر قلم بھی خشک ہوگیا ہے کہ ایسے لوگوں کا قیامت سے پہلے دنیا میں پھر آنا انتظام الٰہی کے موافق منع اور حرام ہے۔ تفسیر کے حساب سے قرآن شریف کی مشکل آیتوں میں سے یہ آیت بھی مشہور ہے، انتظامی حرام کی شریعت میں اور بھی مثالیں ہیں مثلاً جیسے سورہ القصص میں آوے گا کہ سوائے موسیٰ علیہ السلام کی ماں کے دُودھ کے غیر عورتوں کا دودھ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر حرام ٹھہرا دیا تھا یا مثلاً صحیح مسلم کے حوالہ سے ابوذرؓ کی حدیث کئی جگہ گزر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ظلم اپنی ذات پاک پر حرام ٹھہرا لیا ہے۔

۹۶۔ امام نووی اور بعض علماء نے ایک حکایت جو نقل کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو احتلام ہوگیا تھا، اور وہ نطفہ زمین پر گر پڑا، اس خاک سے جو نسل چلی، اسی کا نام یاجوج ماجوج ہے اس حکایت کی سند صحیح نہیں[3] ہے، صحیح یہی ہے کہ یاجوج ماجوج یافث بن نوح کی اولاد میں ہیں اس کی تصریح مستدرک حاکم اور تفسیر ابن مردویہ کی معتبر روایت[4] میں آئی ہے دجال کا بیان جو اوپر

[1] مشکوٰۃ باب الایمان بالقدر [2] ایضاً [3] فتح الباری ص ۲۳ ج ۲ [4] تفسیر ابن کثیر ص ۲۰۴ ج ۳ و فتح الباری ص ۵۷۵ ج ۶

حضرت عیسٰی علیہ السلام کا آسمان سے اترنا اور دجال کو قتل کرنا، یہ سب دس نشانیاں قیامت کی جو صحیح[1] مسلم وغیرہ کی روایت میں ہیں جن نشانیوں کا ذکر مناسب طور پر ہر ایک آیت کے ساتھ آوے گا۔ ان دس نشانیوں میں سے ایک نشانی یاجوج ماجوج کا سدِ سکندری کو توڑ کر زمین میں پھیل جانا بھی ہے، ترمذی، صحیح ابن حبان، مستدرک حاکم، مسند عبد بن حمید وغیرہ میں جو معتبر[2] روایتیں ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ اب یاجوج ماجوج کا کام یہی ہے کہ وُہ سب مل کر سارا دن اس دیوار کو کھودا کرتے ہیں جو سکندر ذوالقرنین نے ان کے روکنے کو بنا دی ہے، جب وُہ دیوار قریب قریب اس کے کھودی جاتی ہے کہ ذرا اور کھودنے سے راستہ ہو جائے تو ان کا سردار کہتا ہے کہ کل راستہ کرلیں گے اور زمین پر چلے جاویں گے رات کو اللہ کی قدرت سے پھر وُہ دیوار ویسی ہی ہو جاتی ہے جیسی کہ تھی۔ جب قیامت قریب ہوگی اور یاجوج ماجوج کے نکلنے کا وقت آجاوے گا تو ان کا سردار کہے گا کہ انشاء اللہ کل کے روز راستہ کرکے زمین پر پھیل جاویں گے، اس رات کو وُہ دیوار اور راتوں کی طرح مضبوط نہ ہوگی اور صبح کو یاجوج ماجوج کل رُوئے زمین پر پھیل جاویں گے، مستدرک حاکم اور صحیح ابن حبان وغیرہ میں سندِ صحیح سے جو روایتیں[3] ہیں۔ ان کا حاصل یہ ہے کہ رُوئے زمین پر جس قدر انسان ہیں یاجوج ماجوج ان سب سے نو حصے زیادہ ہیں، ایک ایک شخص کی ان میں سے ہزار کبھی ہزار سے زیادہ اولاد ہو جاتی ہے جب وُہ شخص مرتا ہے تو اپنے مرے ہُوئے مُردوں کو وُہ آپ ہی کھا جاتے ہیں، صحیح مسلم[4]، مسند امام احمد وغیرہ میں جو روایتیں[5] ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ جب حضرت عیسٰی علیہ السلام دجال کو قتل کرچکیں گے تو اللہ تعالیٰ کا حکم ہوگا کہ اب تم اپنے ساتھ کے مسلمانوں کو لے کر کوہ طور پر چلے جاؤ، زمین پر اللہ کی ایک اور مخلوق آنے والی ہے جس کے مقابلہ کی تم کو طاقت نہیں ہے، جب حضرت عیسٰی علیہ السلام اپنے ساتھ کے مسلمانوں کو لے کر کوہِ طور پر چڑھ جاویں گے، اس وقت یاجوج ماجوج زمین میں پھیلیں گے سارے دریاؤں اور ندیوں کا پانی پی جاویں گے اور جو کچھ نظر پڑے گا وُہ کھا جاویں گے زمین کو خالی پاکر وُہ کہیں گے، زمین والوں کو تو سب کو ہم نے ہلاک کر دیا، پھر آسمان کی طرف تیر چلا ویں گے۔ اللہ کے حکم سے وُہ تیر خون میں بھر کر گریں گے، یہ دیکھ کر وُہ کہیں گے ہم نے آسمان میں رہنے والوں کو بھی قتل کر ڈالا، پھر حضرت عیسٰی علیہ السلام کی بد دُعا سے ان کی گردنوں میں پھوڑے نکل کر اور کیڑے پڑ کر سب مر جاویں گے ان کی لاشوں کی یہ کثرت ہوگی کہ تمام زمین میں کہیں جگہ باقی نہ رہے گی، اللہ کے حکم سے ایک پردار بڑے بڑے جانور پیدا ہوں گے، وُہ جانور ان کی لاشوں کو جہاں اللہ کا حکم ہوگا وہاں پھینک دیں گے اور زمین کو خالی کر دیں گے پھر اللہ کے حکم سے مینہ برسے گا اور ساری زمین دُھل کر صاف ہو جائے گی اور زمین میں ایسی برکت آجاوے گی کہ ایک انار کے دانوں سے چند آدمیوں کا پیٹ بھر جاوے گا، اس برکت کے زمانہ میں حضرت عیسٰی علیہ السلام اور ان کے ساتھ کے لوگ کوہِ طور سے اُتر کر زمین پر رہیں گے، اسی زمانہ میں حضرت عیسٰی علیہ السلام حج کریں گے غرض سات برس زمین پر رہنے کے بعد حضرت عیسٰی علیہ السلام وفات پاویں گے اور مدینہ منورہ میں آنحضرتؐ کے مزار شریف کے پاس حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے مزار کے بیچ میں جو جگہ ہے، وہاں دفن ہوں[6] گے، پھر شام کے ملک کی طرف سے ایک ٹھنڈی ہوا چلے گی اور اس ہوا کی تاثیر سے اس طرح

---

[1] دیکھئے مشکوٰۃ باب العلامات بین یدی الساعۃ وذکر الدجال [2] فتح الباری ص ۵۰۷ ج ۶ [3] فتح الباری ص ۲۳۰ ج ۳ و ۵۰۷ ج ۶ والدر المنثور ص ۲۵۰ ج ۴ لیکن ان میں سے اکثر اسرائیلیات ہیں جو بغیر کسی صحیح بنیاد کے ناقابل اعتماد ہیں (ع، ح) [4] دیکھئے مشکوٰۃ ص ۴۷۳ و فتح الباری ص ۵۷۶ طبع دہلی [5] الدر المنثور ص ۳۳۶ - ۳۳۸ ج ۴ [6] ایضاً فتح الباری ۴۸۲ ج ۶ شرح باب ذکر النبی صلی اللہ علیہ وسلم وحض علی اتفاق اہل العلم الخ۔

کے سب لوگ جن کے دل میں رائی برابر بھی ایمان ہے ایک دفعہ ہی مرجاویں گے اور دُنیا میں اس طرح بدلوگ رہ جاویں گے کہ جانوروں کی طرح سر بازار بدکاریاں کریں گے اور بُت پرستی بھی پھیل جاوے گی، دُنیا کی عمر اس وقت بہت تھوڑی رہ جائے گی جس طرح پورے دنوں سے پیٹ والی عورت ہوتی ہے کہ ہر وقت اس کے جننے کا کھٹکا لگا رہتا ہے، اسی طرح آسمان پر ملائکہ کو ہر وقت قیامت کا کھٹکا لگا رہے گا، انجام یہ ہوگا کہ دُنیا کے یہی کارخانے چل رہے ہوں گے، مکانوں کی مرمت ہو رہی ہوگی بازار لگے ہوں گے، دُودھ والے جانوروں کا دُودھ دوہا جا رہا ہوگا کہ ایک دفعہ ہی پہلا صور پھونکنے کا حکم ہو جاوے گا اور تمام دُنیا فنا ہو جاوے گی۔

ایک اشکال اور اس کا حل

یہاں ایک اعتراض ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ابو داؤد اور مستدرک حاکم وغیرہ میں جو روایتیں ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ ایک جماعت مسلمانوں کی ایسی ہوگی کہ آخر وقت تک دین پر قائم رہے گی اور اوپر جو ذکر ہُوا، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسٰیؑ کی وفات کے بعد شام کے ملک کی طرف سے ایک ٹھنڈی ہوا چل کر جس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا وُہ فوت ہو جاوے گا اور کوئی مسلمان رُوئے زمین پر باقی نہ رہے گا اس اختلاف کا رفع کیونکر ہے۔

حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری[1] میں اس اعتراض کا جو جواب دیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ حدیث میں جو یہ آیا ہے کہ آخر وقت تک ایک جماعت مسلمانوں کی دین پر قائم رہے گی۔ اس آخر وقت سے مُراد یہ ہے کہ جب تک بڑی بڑی نشانیاں قیامت کی ظاہر نہ ہوں گی، مثلاً آفتاب کا مغرب کی طرف سے نکلنا یا اس جانور کا ظاہر ہونا، جس کو دابۃ الارض کہتے ہیں، اس وقت تک ایک جماعت مسلمانوں کی دین پر قائم رہے گی، اس کے بعد وُہ شام کی طرف کی ٹھنڈی ہوا چل کر سب مسلمان مرجاویں گے غرض آخری وقت سے صور پھونکنے کا وقت مراد نہیں ہے، کس لئے کہ صور پھونکنے کے وقت جس طرح کے لوگ زمین پر علی العموم ہوں گے، ان کی صراحت صحیح حدیثوں میں آچکی ہے چنانچہ صحیح مسلم، مسند امام احمد، ابن ماجہ، طبرانی وغیرہ میں جو روایتیں[2] ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ صور پھونکنے کے وقت زمین پر ایسے لوگ ہوں گے کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ اور اللہ کا کہنا زمین پر باقی نہ رہے گا اور سر بازار بدکاری دیکھ کر ان میں سے اگر کوئی یہ کہے گا کہ یہ کام دیوار کی آڑ میں کرنا چاہیئے تھا تو اس کا درجہ ان لوگوں میں ایسا گنا جاوے گا جیسے صحابہؓ میں حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ کا درجہ گنا جاتا ہے۔

ایک بحث: یہاں ایک بحث جو صحابہؓ کے زمانے سے اب تک چلی آتی ہے وُہ یہ ہے کہ بعض صحابہؓ اس بات کے قائل ہیں کہ ابن صیاد ایک شخص جو آنحضرتؐ کے زمانہ میں پیدا ہُوا تھا وہی دجّال ہے اس ابن صیاد کا قصہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت سے صحیحین میں اور اور روایتوں[3] سے مسلم وغیرہ میں ہے کہ آنحضرتؐ چند صحابہؓ کے ساتھ ابن صیاد کو دیکھنے تشریف لے گئے تھے اور آپؐ نے اس سے باتیں کیں اور اس نے آپ سے کہا کہ مجھ کو ایک تخت پانی پر نظر آیا کرتا ہے آپ نے فرمایا، وُہ شیطان کا تخت ہے، حضرت عمرؓ نے آپ سے ابن صیاد کے قتل کرنے کی اجازت چاہی آپ نے فرمایا۔ اگر یہ دجّال ہے تو اس کو

---

[1] فتح الباری ص ۵۵۹ ج ۶ شرح باب تغیر الناس حتّٰی تعبد الاوثان ص ۷۲ ج ۶ جلد ایضاً

[2] فتح الباری ص ۵۶۳ ج ۶ کتاب الفتن۔

[3] ان روایات کے لئے دیکھئے مشکوٰۃ ص ۴۷۸۔ ۴۷۹۔

عیسٰی علیہ السلام قتل کریں گے تم اس کو قتل نہیں کر سکتے، پھر یہ ابن صیاد مسلمان ہوگیا اور حضرت ابوسعید خدریؓ کے ساتھ ایک دفعہ یہ ابن صیاد حج کو جا رہا تھا تو اس نے حضرت ابوسعید خدریؓ سے کہا کہ لوگ میرے اوپر دجال ہونے کا شبہ کرتے ہیں، اس واسطے میرا جی چاہتا ہے کہ میں اپنا گلا گھونٹ کر مر جاؤں، پھر آخر کو اس نے یہ بھی کہا کہ دجال کو، دجال کی پیدائش کی جگہ کو اور اس بات کو کہ اس وقت دجال کہاں ہے، میں خوب جانتا ہوں، حضرت ابوذرؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت جابرؓ قسمیں کھایا کرتے تھے کہ ابن صیاد ہی دجال ہے اگرچہ بعضے علماء نے یہ روایت کی ہے کہ ابن صیاد مدینہ میں ہی مر گیا لیکن صحیح روایت یہ ہے کہ یزید کی خلافت کے زمانہ میں یہ ابن صیاد لوگوں کی نظروں سے غائب ہوگیا، بیہقی نے ابن صیاد کے دجال ہونے کا انکار کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ جن صحابہؓ کو تمیم داری کا قصہ معلوم نہ تھا، انہوں نے ابن صیاد کو دجال کہا ہے۔ تمیم داری کے قصہ کو مسلم وغیرہ نے روایت کیا ہے حاصل اس قصہ کا یہ ہے کہ آنحضرتؐ ایک روز بے وقت اپنے حجرہ سے مسجد نبوی میں تشریف لائے اور مہاجرین اور انصار صحابہؓ کو بلا کر جمع کیا اور فرمایا کہ میں نے تم سب کو اس وقت خاص اس لئے جمع کیا ہے کہ تمیم داری جو ایک شخص نصرانی اسلام لایا ہے کہتا ہے کہ اس کی کشتی طوفان میں آ کر ایک ٹاپو میں چلی گئی تھی، وہاں یہود کا ایک عبادت خانہ تھا جس میں ایک شخص زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا اس نے تمیم داریؓ سے باتیں کیں اور پوچھا کہ ملک شام میں بیسان جو ایک قصبہ ہے وہاں کی کھجوروں میں ابھی پھل آتا ہے، تمیم داریؓ نے کہا ہاں ان میں پھل آتا ہے اس شخص نے کہا کہ ایک زمانہ قریب میں ایسا آوے گا کہ ان کھجوروں میں پھل آنا بند ہو جاوے گا اور پھر ملک شام میں طبریہ جو ایک چشمہ ہے اس میں پانی ہونے کا حال تمیم داریؓ سے سن کر کہنے لگا کہ کچھ مدت میں اس کا پانی بھی سوکھ جاوے گا پھر نبی آخر الزمان کا حال پوچھا اور کہا کہ ان نبی کی پیروی لوگوں کو ضرور ہے پھر اس زنجیروں میں جکڑے ہوئے شخص نے کہا کہ میں دجال ہوں جس وقت مجھے نکلنے کا حکم ہوگا تو سوائے مکہ اور طیبہ کے میں ساری زمین کو روند ڈالوں گا اور طیبہ کے ناکوں پر ننگی تلواریں لئے فرشتے کھڑے ہوں گے اس واسطے وہاں نہ جا سکوں گا۔ یہ قصہ تمیم داریؓ کا آنحضرتؐ نے ذکر فرما کر فرمایا کہ یاد رکھو طیبہ مدینہ کا نام ہے۔ بیہقی نے یہ قصہ نقل کرتے وقت یہ بھی روایت کی ہے کہ تمیم داریؓ نے جس شخص کو زنجیروں میں جکڑا ہوا دیکھا وہ شخص بڈھا تھا اور ابن صیاد کو آنحضرتؐ نے تمیم داریؓ کے قصہ سے تھوڑے عرصہ پہلے جو دیکھا تو اس وقت ابن صیاد کی عمر چودہ پندرہ برس کی تھی پھر ابن صیاد اور دجال ایک کیونکر ہو سکتے ہیں، حافظ ابن حجرؒ نے اس بحث کا یہ فیصلہ کیا ہے کہ دجال تو اصل میں وہی شخص ہے جس کو تمیم داریؓ نے دیکھا ہے مگر ابن صیاد شیطان ہے جو دجال کے ساتھ اس کے ہمراز کے طور پر پیدا ہوا ہے صحیح مسلم کی بعض روایتوں کو جو دیکھا جاتا ہے تو ابن صیاد کی عادتیں انسانوں کی نہیں پائی جاتیں مثلاً یہ روایت کہ ابن صیاد کو شیطان کا تخت پانی پر نظر آتا ہے اور یہ روایت کہ مدینہ کے ایک گلی میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور ابن صیاد کا کچھ جھگڑا ہوگیا تھا جس جھگڑے کے سبب سے ابن صیاد کو غصہ آگیا اور وہ غصہ کے سبب سے ایسا پھول گیا کہ مدینہ کی تمام گلی اس کے جسم سے بھر گئی یا یہ روایت کہ اس نے کہا مجھ کو دجال کا حال اور اس کی

۱؎ فتح الباری ص ۶۹۲ ج ۶ بحوالہ صحیح مسلم ۲؎ صحیح بخاری مع فتح الباری ص ۶۹۲۔۶۹۴ ج ۱ طبع ہند ۳؎ مشکوٰۃ ص ۴۷۹ ۴؎ مشکوٰۃ ص ۴۷۵ و فتح الباری ص ۶۹۳ ج ۶ ۵؎ مشکوٰۃ ص ۴۷۵ ۶؎ دیکھئے فتح الباری ص ۶۹۳ ج ۶ باب من رأی ترک النکیر من النبی صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ لا من غیر الرسول صلی اللہ علیہ وسلم ۷؎ فتح الباری ص ۶۹۴ باب ایضاً ۸؎ فتح الباری ص ۶۹۲ ج ۶۔

وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَإِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ أَبْصَارُ الَّذِينَ كَفَرُوا يَا وَيْلَنَا قَدْ
اور نزدیک پہنچے سچا وعدہ پھر تب ہی اوپر لگ رہیں منکروں کی آنکھیں اے خرابی ہماری ہم

كُنَّا فِي غَفْلَةٍ مِنْ هَٰذَا بَلْ كُنَّا ظَالِمِينَ ﴿٩٧﴾ إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ
بے خبر رہے اس سے نہیں پر ہم تھے گنہ گار تم اور جو کچھ تم پوجتے ہو اللہ کے

اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ أَنْتُمْ لَهَا وَارِدُونَ ﴿٩٨﴾ لَوْ كَانَ هَٰؤُلَاءِ آلِهَةً مَا وَرَدُوهَا
سوائے جھونکنا ہے دوزخ میں تم کو اس پر پہنچنا ہے اگر ہوتے یہ لوگ ٹھاکر نہ پہنچتے اس پر

پیدائش کی جگہ معلوم ہے اور اگر میں دجال بنا دیا جاؤں تو میں اس بات کو کچھ بُرا نہیں جانتا، جب ان روایتوں سے ابن صیاد کی عادتیں انسانوں کی سی نہیں پائی جاتیں تو حافظ ابن حجرؒ نے جو فیصلہ ابن صیاد کے باب میں کیا ہے اس فیصلہ کی تائید ان روایتوں سے پورے طور پر ہوتی ہے، امام بخاریؒ کا منشا بھی قریب قریب اس کے معلوم ہوتا ہے کہ ابن صیاد دجال ہے کیونکہ امام بخاریؒ نے اپنی کتاب صحیح بخاری میں فقط ابن صیاد کا قصہ ذکر کیا ہے تمیم داری کا قصہ ذکر نہیں کیا[۱]، دُوسرے صور کے وقت لوگ جو قبروں سے نکل کر زمین پر ٹڈیوں کی طرح پھیلیں گے بعضے مفسرین نے مِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَنْسِلُونَ کی تفسیر اسی حالت کو قرار دیا ہے لیکن صحیح مسلم میں نواسؓ بن سمعان کی جو روایت ہے اس میں خود اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم نے مِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَنْسِلُونَ کی تفسیر میں یاجوج ماجوج کے پھیلنے کا ذکر فرمایا ہے۔ اس واسطے آیت کی وہی تفسیر صحیح ہے جو اوپر بیان کی گئی۔

۹۷:۔ اوپر یاجوج ماجوج کے نکلنے کا ذکر فرما کر اس آیت میں فرمایا کہ یاجوج ماجوج کا نکلنا قیامت کی نشانیوں میں سے ایسی نشانی ہے کہ جس کے بعد قیامت کے قائم ہونے کے سچے وعدہ کا وقت نزدیک آ پہنچے گا اور جس دن اس سچے وعدہ کا ظہور ہو جاوے گا تو اس دن کی آفتوں کو دیکھ کر دہشت کے مارے ان منکرینِ حشر کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جاویں گی اور اس دن کی آفتوں سے غافل رہنے پر پچھتاویں گے اور کہیں گے کہ اللہ کے رسولوں نے ہمیں ان آفتوں کا حال جو بتلایا اور ہم نے ان کو جھٹلا دیا، حقیقت میں ہم نے یہ اپنے حق میں بڑا ظلم کیا ہے، صحیح مسلم میں حذیفہؓ بن اسید سے روایت ہے جس میں اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم نے آفتاب کے مغرب سے نکلنے کے بعد یاجوج ماجوج کے نکلنے کا ذکر فرمایا ہے[۲]، صحیح مسلم میں ابو ہریرہؓ سے روایت ہے جس میں اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، گنہ گار لوگوں کی توبہ قبول ہونے کا وقت آفتاب کے مغرب سے نکلنے تک ہے[۳] ان حدیثوں سے یہ مطلب اچھی طرح سمجھ میں آ جاتا ہے کہ یاجوج ماجوج کا نکلنا قیامت کی نشانیوں میں سے ایسی قریب قیامت کی نشانی ہے کہ جس کے ظہور سے پہلے ہی گنہ گاروں کی توبہ کا وقت ہاتھ سے نکل جاوے گا اور اس نشانی کے ظہور کے وقت جو شخص جس حالت پر ہو گا، قیامت کے دن وُہ اسی حالت پر قبر سے اٹھے گا۔

۹۸-۹۹:۔ مستدرک حاکم اور تفسیر ابن مردویہ[۵] میں جو شانِ نزول ان آیتوں کی بیان کی گئی ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ نے مشرکینِ مکہ کے قائل کرنے کے لئے اوپر کی آیتیں نازل فرمائی تھیں جن کا حاصل یہ ہے کہ یہ مشرک لوگ اور

---

[۱] فتح الباری ص ۹۴-۱۹۹ ج ۶ [۲] مشکوٰۃ ص ۴۷۲ [۳] مشکوٰۃ باب العلامات بین یدی الساعۃ وذکر الدجال [۴] مشکوٰۃ باب الاستغفار والتوبۃ [۵] تفسیر الدر المنثور ص ۳۳۸ ج ۴

وَ كُلٌّ فِيهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٩٩﴾ لَهُمْ فِيهَا زَفِيْرٌ وَّهُمْ فِيهَا لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿١٠٠﴾ إِنَّ

اور سارے اس پر پڑے رہیں گے۔ ان کو وہاں چلانا ہے اور وہ اس میں بات نہیں سنتے ۔ جن کو

الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى ۙ أُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ﴿١٠١﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ

آگے ٹھہر چکی ہم سے نیکی وہ اس سے دور رہیں گے۔ نہیں سنتے

جن بتوں کو یہ پوجتے ہیں قیامت کو یہ سب دوزخ کا ایندھن بنائے جاویں گے اور ہمیشہ دوزخ ان کا ٹھکانا ہوگا، ان سے پوچھا جاوے گا کہ اگر یہ بت معبود ہونے کی صلاحیت رکھتے تو خدا کے نزدیک ان کی بھی قدر و منزلت ہوتی نہ کہ خدا ان کو دوزخ کا ایندھن ٹھہراتا جب آنحضرتؐ نے یہ آیتیں مشرکوں کو پڑھ کر سنائیں تو ایک شخص ابن الزبعری شاعر نے آنحضرتؐ سے بڑا جھگڑا کیا اور کہا کہ سوائے اللہ کے حضرت عیسٰی اور عزیر اور ملائکہ کو بھی لوگ پوجتے ہیں ہمارے معبود دوزخ کا ایندھن ٹھہریں گے تو عیسٰی عزیر اور ملائکہ کا کیا حال ہوگا، اس پر اللہ تعالیٰ نے آگے کی آیتیں نازل فرمائیں اور فرما دیا کہ جن سے اللہ تعالیٰ نجات کا وعدہ فرما چکا ہے اور یہ مشرک ان کی بغیر مرضی انہیں اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں ان کو دوزخ کی بھاپ بھی نہ لگے گی یہ ابن الزبعری پھر مسلمان ہوگئے اور آنحضرتؐ اور مسلمانوں کی مدح میں بہت شعر انہوں نے کہے ہیں[1] صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوسعید خدریؓ کی روایت کئی جگہ گزر چکی ہے کہ جس شخص کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا وہ آخر کو دوزخ سے نکل کر جنت میں داخل ہوگا، اسی طرح صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوسعید خدریؓ کی دوسری روایت بھی گزر چکی ہے کہ جب جنت کے قابل لوگ جنت میں جا چکیں گے اور ہمیشہ دوزخ میں رہنے کے قابل لوگ دوزخ میں رہ جاویں گے تو موت کو ذبح کیا جا کر یہ حکم سنا دیا جاوے گا کہ اب جو جہاں ہے ہمیشہ وہیں رہے گا، ان حدیثوں کو آیتوں کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ کلمہ گو گنہگار جب دوزخ سے نکل کر جنت میں جا چکیں گے اور کلمہ کے منکر مشرک لوگ اور ان کے بت دوزخ میں رہ جاویں گے تو ان کو یہ حکم سنا دیا جاوے گا کہ اب تم اور تمہارے جھوٹے معبود ہمیشہ دوزخ میں پڑے رہو۔

۱۰۰۔۱۰۳: ۔ اوپر ذکر تھا کہ مشرکوں اور ان کے جھوٹے معبودوں کو ہمیشہ دوزخ میں رہنے کا حکم سنا دیا جاوے گا اور قائل کرنے کے لئے ان مشرکوں سے یہ کہا جاوے گا کہ دنیا میں جن بتوں کو تم اپنا معبود جانتے تھے اللہ تعالیٰ کے نزدیک اگر ان بتوں میں معبود ہونے کی صلاحیت ہوتی تو آج ان کو دوزخ کا ایندھن نہ بنایا جاتا، ان آیتوں میں فرمایا، دوزخ میں ہمیشہ رہنے کا حکم سن کر یہ لوگ روئیں گے چلاویں گے اور ان میں کا ہر ایک شخص اپنے اپنے عذاب کی تکلیف میں ایسا بدحواس ہوگا کہ ایک شخص دوسرے کے رونے اور چلانے کی آواز بھی نہ سنے گا، ترمذی[2] میں ابودرداءؓ سے اور مستدرک حاکم، بیہقی کی بعث و نشور وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے جو روایتیں[3] ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ جب یہ دوزخی لوگ دوزخ کے عذاب کی تکلیف سے بہت گھبرا جاویں گے تو تک دوزخ کے داروغہ سے التجا کریں گے کہ مالک ان لوگوں کی موت کی اللہ تعالیٰ سے دعا کرے ہزار برس تک تو ان لوگوں کی التجا کا کچھ جواب نہ ملے گا پھر ہزار برس کے بعد یہ جواب ملے گا کہ دنیا میں تم لوگوں نے اس عذاب کو جھٹلایا اس لئے اب تمہاری یہی سزا ہے کہ تم ہمیشہ اس عذاب میں گرفتار رہو گے اس حکم کو سن کر یہ لوگ اور بھی زیادہ چیخنا اور چلانا شروع کر دیں گے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی اس روایت

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۱۹۹ ج ۳ [2] الترغیب والترہیب ص ۴۸۱ ج ۴ طبع مصر فصل فی طعام اہل النار [3] ایضاً ص ۴۹۲ فصل فی بکاءہم وشہیقہم۔

حَسِيسَهَا ۚ وَهُمْ فِي مَا اشْتَهَتْ أَنفُسُهُمْ خَالِدُونَ ﴿١٠٢﴾ لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْأَكْبَرُ

اس کی آہٹ اور وہ اپنے جی کے مزوں میں سدا رہیں نہ غم ہوگا ان کو اس بڑی گھبراہٹ میں

وَتَتَلَقَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ هَٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ ﴿١٠٣﴾ يَوْمَ نَطْوِي

اور لینے آویں گے ان کو فرشتے آج دن تمہارا ہے جس کا تم سے وعدہ تھا جس دن ہم لپیٹ لیں

السَّمَاءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ۚ كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيدُهُ ۚ وَعْدًا عَلَيْنَا ۚ

آسمان کو جیسے لپیٹتے ہیں طومار میں کاغذ جیسا سرے سے بنایا پہلے بار پھر اس کو دہرا دیں گے وعدہ ضرور ہو چکا ہم پر

کو حاکم نے صحیح کہا ہے[۱] اور ترمذی کی ابو درداؓ کی حدیث کی سند میں قطبہ بن عبد العزیز راوی کو اگرچہ بعض علماء نے لائق اعتراض قرار دیا ہے لیکن اکثر اہل حدیث نے قطبہ بن عبد العزیز کو ثقہ کہا ہے[۲] ابن ماجہ میں انس بن مالک سے روایت ہے[۳] کہ دوزخ میں دوزخی یہاں تک روئیں گے کہ ان کے آنسوؤں میں کشتی چلاؤ تو چل نکلے، اس حدیث کی سند میں ایک راوی یزید الرقاشی کو اگرچہ بعض علماء نے قابل اعتراض ٹھہرایا ہے لیکن ابن معین اور ابن عدی نے یزید الرقاشی کو ثقہ قرار دیا ہے[۴] جن لوگوں کا ذکر پہلی آیت میں ہے ان روایتوں سے ان کے رونے اور چلانے کی تفسیر اچھی طرح سمجھ میں آجاتی ہے، مشرکین مکہ جو یہ کہتے تھے کہ اگر ہمارے بت دوزخ کا ایندھن ٹھہریں گے تو فرشتوں کو عزیر علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کو بھی لوگ اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں پھر ان کا کیا حال ہوگا، اس کے جواب میں فرمایا دوزخ کے پیدا ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے علم غیب میں جو لوگ اللہ کی رحمت اور ہمیشہ کی جنت کے عیش کے قابل ٹھہر چکے ہیں، ان کے کانوں میں دوزخ کے شور و غل کی آواز تک بھی نہ جاوے گی بلکہ دوسرے صور کے بعد جب سب لوگ قبروں سے اٹھیں گے اور اس دن کی آفتوں کو دیکھ کر گنہ گار لوگوں کے دل پر گھبراہٹ چھا جاوے گی، ان نیک لوگوں کو اسی وقت اللہ کے فرشتے جنت میں داخل ہونے کی خوشخبری سنا دیویں گے اسی واسطے ان لوگوں کے دل پر دوزخ کی طرف سے کچھ گھبراہٹ تک باقی نہ رہے گی، مسند امام احمد کے حوالہ سے حضرت عائشہؓ کی صحیح حدیث کئی جگہ گزر چکی ہے کہ منکر نکیر کے سوال جواب کے بعد اللہ کے فرشتے اللہ کے حکم سے نیک لوگوں کو ان کا جنت کا ٹھکانا دکھا کر یہ وعدہ خوشخبری کے طور پر سنا دیتے ہیں کہ اسی ٹھکانے میں ہمیشہ رہنے کے لئے تم کو قیامت کے دن دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔ یہ حدیث آخری آیت کی گویا تفسیر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ قبر میں رکھتے ہی اللہ کے حکم سے فرشتوں نے جو خوشخبری نیک لوگوں کو وعدہ الٰہی کے موافق سنائی تھی قبر سے اٹھتے ہی وہ خوشخبری کا وعدہ ان لوگوں کو اللہ کے فرشتے پھر یاد دلا دیں گے یہ حدیث صحیح بخاری میں بھی انسؓ بن مالک کی روایت[۵] سے آئی ہے۔

۱۰۴: تفسیر ابن جریر[۶] وغیرہ میں علی بن طلحہ کی سند سے سجل کے لفظ کے معنی خط اور دفتر کے جو بیان کئے گئے ہیں وہی معنی صحیح ہیں اس صورت میں معنی آیت کے یہ ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ آسمان کو لپیٹ لے گا، جس طرح کوئی کاغذ کو لپیٹ لیتا ہے۔ ابو داؤد اور نسائی میں یہ روایت ہے کہ سجل آنحضرتؐ کے ایک کاتب کا نام ہے اس روایت کی سند میں اکثر علمائے محدثین کو کلام ہے[۷]، بعضے مفسروں نے یہ جو لکھا ہے کہ دوسرے آسمان پر ایک فرشتہ ہے جس کے پاس کراماً کاتبین پر اعمال

[۱] مستدرک حاکم ص ۴۴۸ ج ۲ [۲] الترغیب و الترہیب ص ۸۲۴ ج ۴ [۳] ایضاً ص ۴۹۳ [۴] ایضاً ص ۵۸۰ [۵] مشکوٰۃ ص ۲۵ باب اثبات عذاب القبر [۶] تفسیر ابن کثیر ص ۲۰۰ ج ۳ [۷] فتح البیان ص ۱۴۱ ج ۳ طبع ہند و ابن کثیر ص ۲ ج ۳۔

إِنَّا كُنَّا فَاعِلِينَ ﴿١٠٤﴾ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ

ہم کو کرنا اور ہم نے لکھ دیا ہے زبور میں نصیحت کے پیچھے کہ آخر زمین پر

يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ ﴿١٠٥﴾

مالک ہوں گے میرے نیک بندے۔

جمعرات کے روز بنی آدم کے اعمال پیش کرتے ہیں[1]، اس فرشتہ کا نام سجل ہے، اس روایت کا پتہ صحیح تفسیروں سے اس قدر لگتا ہے کہ پہلے انسان کے منہ سے جو کچھ نکلتا ہے اس کو کراماً کاتبین لکھ لیتے ہیں پھر جمعرات کے روز اس میں سے آسمان پر صرف وہ باتیں چھانٹ لی جاتی ہیں جو ثواب یا عذاب کے قابل ہیں غرض اس کام کا دفتر جو آسمان پر ہے، اس دفتر کے اہل دفتر میں سے سجل نام کا کوئی فرشتہ ہو تو عجب نہیں لیکن جب تک کوئی صحیح روایت اس باب میں نہ ملے۔ عقل سے ایسے ابواب میں کچھ نہیں کہا جا سکتا، جس وقت پہلا صور پھونکا جا کر تمام دنیا فنا ہو جاوے گی اور چالیس برس تک ساری دنیا ویران پڑی رہے گی۔ بڑے بڑے ملک اور حکومت کے دعوے کرنے والے جو ہیں یہ سب مٹ جاویں گے اور خاک کے ڈھیر ہو کر پڑے ہوئے ہوں گے اس وقت اللہ تعالیٰ آسمان اور زمین کو اور تمام عالم کو لپیٹ کر اپنے ہاتھ میں لے لے گا اور فرماوے گا آج کہاں گئے وہ ملک اور بادشاہت کا دعویٰ کرنے والے جب کوئی جواب دینے والا پیدا نہ ہو گا تو آخر کو فرماوے گا سب ملک اللہ ہی کا ہے اور اللہ ہی بادشاہ ہے زیادہ تفسیر اس کی سورۂ زمر اور سورۂ مومن میں آوے گی۔ یہ صحیح بخاری و مسلم وغیرہ کی روایتیں جو اس باب میں ہیں وہ بھی ان ہی سورتوں کی تفسیر میں آویں گی، صحیح بخاری و مسلم[2] میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن سب لوگ ننگے پاؤں ننگے بدن بغیر ختنہ کئے ہوئے قبروں سے اٹھیں گے یہ حدیث کَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيدُهُ کی گویا تفسیر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جس طرح اب بچہ ننگے پاؤں، ننگے بدن، بغیر ختنہ کیا ہوا ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے قیامت کے دن سب لوگ قبروں سے اسی حالت میں اٹھیں گے آگے فرمایا دوبارہ پیدا کرنے کا اللہ تعالیٰ کا ایک یقینی وعدہ ہے جس کا ظہور ضرور ہو گا۔

۱۰۵:۔ مجاہد اور سعید بن جبیر کے قول کے موافق حاصل مطلب آیت کا یہ ہے کہ پہلے لوح محفوظ میں اور لوح محفوظ کے بعد انبیاء پر جو کتابیں نازل کی گئی ہیں ان میں اللہ تعالیٰ نے یہی لکھا ہے کہ جنت کی زمین کے وہی لوگ وارث ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کے علم غیب میں نیک ٹھہر چکے ہیں، صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے حضرت علیؓ کی حدیث کئی جگہ گزر چکی ہے کہ لوگوں کے پیدا کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ہر ایک شخص کا ایک ٹھکانا دوزخ اور ایک جنت میں پیدا کیا ہے اب پیدا ہونے کے بعد آدمی جس ٹھکانے کے قابل عمل کرے گا مرنے کے بعد اسی ٹھکانے میں جاوے گا۔ بخاری میں عبداللہؓ بن مسعود سے روایت[3] ہے کہ بعضے لوگ تمام عمر جنتیوں کے سے کام کرتے ہیں لیکن آخر عمر میں لوح محفوظ کے لکھے کے موافق دوزخیوں کے سے کام کر کے مرتے ہیں اسی طرح بعضے لوگ تمام عمر دوزخیوں کے سے کام کرتے ہیں لیکن آخر عمر میں لوح محفوظ کے لکھے کے موافق جنتیوں کے سے کام کر کے مرتے ہیں ان حدیثوں کو آیتوں کے ساتھ ملانے سے یہ مطلب ہوا کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ کے علم غیب سے کوئی چیز باہر نہیں ہے اسی واسطے اس نے ہر شخص کے کام کا انجام لوح محفوظ

[1] پیر اور جمعرات کے دن عملوں کے پیش ہونے والی روایات کے لئے ملاحظہ ہو الترغیب و الترہیب ص ۱۲۴ ج ۲ کتاب الصوم "سجل" کا ان میں نام نہیں (ع۔ح) [2] مشکوٰۃ باب الحشر ص ۴۸۳ [3] مشکوٰۃ ص ۲۰ باب الایمان بالقدر۔

اِنَّ فِیْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِیْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۰۷﴾

اس میں مطلب کو پہنچتے ہیں ایک لوگ بندگی والے ۔ اور تجھ کو جو ہم نے بھیجا سو مہر کر کر جہان کے لوگوں پر

میں لکھ لیا ہے لیکن انصاف کی نظر سے اللہ تعالیٰ نے جزا و سزا کا دارو مدار اپنے علم غیب پر نہیں رکھا بلکہ ہر شخص کا ایک ٹھکانا دوزخ میں اور ایک جنت میں پیدا کر کے سزا کے طور پر دوزخ میں جھونکے جانے اور جزا کے طور پر جنت میں داخل ہونے کا مدار دنیا کے ظاہری عملوں پر رکھا ہے ہاں اتنی بات ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کے علم غیب سے کوئی چیز باہر نہیں ہے اسی طرح اس کے علم غیب کے برخلاف کچھ نہیں ہو سکتا اس لئے اگرچہ ہر شخص کا ایک ٹھکانا دوزخ میں اور ایک جنت میں پیدا کیا گیا ہے لیکن آخر کو جنت میں وہی لوگ داخل ہوں گے جو اللہ کے علم غیب کے موافق پہلے لوح محفوظ میں اور پھر آسمانی کتابوں میں نیک ٹھہر چکے ہیں اسی واسطے قرآن شریف میں جگہ جگہ فرمایا ہے کہ راہ راست پر آنے کی توفیق ان ہی لوگوں کو ہو گی جو اللہ تعالیٰ کے علم غیب میں راہ راست پر آنے کے قابل قرار پا چکے ہیں، حاصل کلام یہ ہے کہ دنیا میں پیدا ہو کر اپنے اختیار سے جو کوئی جس طرح کے کام کرنے والا تھا۔ لوح محفوظ میں وہ لکھا گیا ہے، کسی کو کسی کام پر مجبور نہیں کیا گیا۔

۱۰۶-۱۰۷:- اوپر ذکر تھا کہ پہلے لوح محفوظ میں اور اس کے بعد انبیاء پر جو کتابیں نازل کی گئی ہیں ان میں اللہ تعالیٰ نے یہی لکھا ہے کہ جنت کی زمین کے وہی لوگ مالک اور وارث ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کے علم غیب میں نیک ٹھہر چکے ہیں ان آیتوں میں فرمایا ایسے لوگ آسمان و زمین سے اور آسمان و زمین میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی ہزاروں نشانیوں سے اللہ تعالیٰ کو تو پہچان سکتے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کی مرضی اور نامرضی کے کاموں کی تفصیل ان کو بغیر آسمانی کتاب کے نہیں معلوم ہو سکتی تھی اس واسطے خالص دل سے اللہ کی عبادت کرنے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس قرآن شریف میں اپنی مرضی اور نامرضی کی سب باتیں کافی طور پر بتلا دی ہیں اور اے رسول اللہ کے تم کو جو اللہ تعالیٰ نے رسول بنا کر بھیجا ہے تو یہ جہان بھر کے لوگوں کے حق میں اللہ کی رحمت ہے کیونکہ جو لوگ تمہاری فرمانبرداری، قرآن کی نصیحت کے پابند رہیں گے ان کو دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ حکومت و ثروت سب کچھ دے گا اور عقبیٰ میں ان کے نیک کاموں کے بدلہ میں ہمیشہ کے لئے اتنا بڑا عیش و عزت کا سامان ان کو عطا فرما دے گا جو ان کے وہم و گمان سے باہر ہو گا، حضرت ابوبکرؓ کی خلافت سے لے کر خلفائے عباسیہ کے عروج کے زمانہ تک دنیا کی جو کچھ حکومت و ثروت قرآن کی نصیحت کے پابند لوگوں میں رہی اس کا حال تاریخ الخلفاء کے دیکھنے سے معلوم ہو سکتا ہے اس کے بعد کے لوگ قرآن کی نصیحت کے پابند نہ رہے اس واسطے وہ حکومت اور ثروت بھی نہ رہی، صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی روایت سے حدیث قدسی کئی جگہ گزر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نیک بندوں کے لئے جنت میں جو عیش و عشرت کا سامان پیدا کیا ہے وہ نہ کسی نے آنکھوں سے دیکھا اور نہ کانوں سے سنا نہ کسی کے دل میں اس کا خیال گزر سکتا ہے اس حدیث سے یہ مطلب اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے کہ عقبیٰ میں جو عیش و عشرت کا سامان نیک بندوں کو ملے گا وہ انسان کے وہم و گمان سے باہر ہو گا سورۂ انفال میں گزر چکا ہے کہ مشرکین مکہ نے سرکشی سے جب عذاب کے نازل ہونے کی خواہش کی تو اللہ تعالیٰ نے اس سورہ کی آیتیں نازل فرما کر یہ فرما دیا کہ اے رسول اللہ کے یہ اللہ کی ایک رحمت ہے کہ جب تک تم ان لوگوں میں موجود ہو اس وقت تک جس طرح پچھلی امتوں پر عام عذاب آئے اس طرح کا کوئی عام عذاب ان سرکش لوگوں پر نہ آوے گا جو لوگ اللہ کے رسول کے مخالف تھے ان کے حق میں بھی آپ کی موجودگی کا رحمت الٰہی ہونا سورۃ

قُلْ إِنَّمَا يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ فَهَلْ أَنتُم مُّسْلِمُونَ ﴿١٠٨﴾ فَإِن

تو کہہ مجھ کو حکم یہی آیا ہے کہ صاحب تمہارا ایک صاحب ہے پھر ہو تم حکم برداری کرتے پھر اگر

تَوَلَّوْا فَقُلْ آذَنتُكُمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ ۖ وَإِنْ أَدْرِي أَقَرِيبٌ أَم بَعِيدٌ مَّا تُوعَدُونَ ﴿١٠٩﴾

منہ موڑیں تو تو کہہ میں نے خبر کر دی تم کو دونوں طرف برابر اور میں نہیں جانتا نزدیک ہے، یا دُور ہے جو تم کو وعدہ ملتا ہے۔

إِنَّهُ يَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَيَعْلَمُ مَا تَكْتُمُونَ ﴿١١٠﴾ وَإِنْ أَدْرِي لَعَلَّهُ فِتْنَةٌ

وہ رب جانتا ہے پکار کی بات اور وُہ جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو اور میں نہیں جانتا شاید کہ تم کو اس میں جانچنا

لَّكُمْ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ﴿١١١﴾

ہے اور برتوانا ایک وقت تک۔

الانفال کی آیتوں سے اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے، سورۃ الانفال کی آیتوں کی جو شانِ نزول اوپر بیان کی گئی وُہ صحیح بخاری میں انس بن مالک کی روایت سے آئی ہے اس لئے یہ شانِ نزول بہت صحیح ہے۔

۱۰۸-۱۱۱:- اللہ تعالیٰ نے اس قرآن شریف میں اپنی مرضی اور نامرضی کی سب باتیں پورے طور پر جتلا دی ہیں ان آیتوں میں فرمایا کہ قرآن شریف کی نصیحت سے اگرچہ ان ہی لوگوں کو نیک ہدایت ہوتی ہے جو اللہ کے علم غیب میں نیک ٹھہر چکے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کو ہر شخص کے انجانی کا عذر رفع کر دینا بہت پسند ہے اس واسطے اے رسول اللہ کے تم ان مکہ کے مشرکوں سے کہہ دو مجھ کو حکم ہے کہ جس اللہ نے انسان کو اور انسان کی سب ضرورت کی چیزوں کو اس طرح پیدا کیا ہے کہ اس میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے تو انسان پر اللہ تعالیٰ کا یہ حق ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم میں انسان کسی کو شریک نہ کرے، اس حق کے ادا ہونے کے بعد انسان کا اللہ تعالیٰ پر یہ حق ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اس حق ادا کرنے والے لوگوں کو قیامت کے دن دوزخ کے عذاب سے بچاوے اس نصیحت کے بعد ان مشرکوں سے پوچھا جاوے کہ یہ لوگ اس نصیحت کو مانتے ہیں یا اپنے آپ کو عذاب کے قابل ٹھہراتے ہیں، پھر فرمایا اس نصیحت کو سن کر اگر یہ لوگ اکڑائی کریں اور اس نصیحت کو نہ مانیں تو ان سے کہہ دیا جاوے کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے حق ادا کرنے اور نہ ادا کرنے دونوں باتوں کا انجام تم لوگوں کو جتلا دیا ہے اور یہ مجھ کو معلوم نہیں کہ قرآن کی نصیحت کو ٹالنے والوں پر دیر سویر کب عذاب آجاوے، پھر فرمایا یہ بھی کہہ دیا جاوے کہ ان لوگوں کے دل میں جو شرک کا عقیدہ ہے وُہ اور ان کے ہاتھ پیروں کے شرک کے کام اللہ تعالیٰ کو سب معلوم ہیں، اس پر بھی عذاب کے آنے میں جو دیر لگ رہی ہے تو مجھ کو یہ معلوم نہیں کہ اس مہلت میں راہِ راست پر آنے کی جانچ ہے یا وقتِ مقررہ کا انتظار ہے، صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے مغیرہؓ بن شعبہ کی روایت کئی جگہ گزر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو لوگوں کی انجانی کے عذر کا رفع کر دینا بہت پسند ہے اسی واسطے اس نے آسمانی کتابیں دے کر رسول بھیجے، صحیح مسلم و بخاری کے حوالہ سے معاذؓ بن جبل کی یہ حدیث بھی کئی جگہ گزر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ وُہ اس کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کریں اس حق کو جو لوگ پورا ادا کریں گے ان کا حق اللہ تعالیٰ پر یہ ہوگا کہ وُہ ان کو دوزخ کے عذاب سے بچاوے آیتوں کی تفسیر میں جو مطلب اوپر بیان کیا گیا ہے وُہ ان صحیح حدیثوں کا خلاصہ ہے۔

لہ صحیح بخاری ص ۶۷۰ ج ۲۔

قٰلَ رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ ۗ وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ﴿۱۱۲﴾

رسول نے کہا اے رب فیصلہ کر انصاف کا اور رب ہمارا رحمٰن ہے اسی سے مدد مانگتے ہیں ان باتوں پر جو تم بتاتے ہو۔

آیاتها ۷۸ ــــــ (۲۲) سُوْرَةُ الْحَجِّ مَدَنِيَّةٌ (۱۰۳) ــــــ رکوعاتها ۱۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ﴿۱﴾ يَوْمَ تَرَوْنَهَا

اے لوگو! ڈرو اپنے رب سے بیشک بھونچال قیامت کا ایک بڑی چیز ہے۔ جس دن اس کو دیکھو گے

۱۱۲: یہ اللہ کے رسول کی دعا کا ذکر ہے جو انہوں نے مشرکین مکہ کی سرکشی سے تنگ آن کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کی تھی، حاصل اس بددعا کا یہ ہے کہ یا اللہ جو لوگ تیری عبادت میں غیروں کو شریک کرتے ہیں اور تیرے رسول کو جھٹلاتے ہیں اور جو غریب لوگ راہ راست پر آئے ہیں ان کو طرح طرح سے ستاتے ہیں، ان سرکش لوگوں کی سرکشی کے مٹ جانے میں تجھ سے ہی مدد چاہی جاتی ہے، ان سرکشوں اور اپنے رسول کا اپنے انصاف کے موافق یا اللہ کوئی فیصلہ جلدی سے فرما دے اللہ تعالیٰ کے انتظام میں دنیا کے پیدا ہونے سے پچاس ہزار برس پہلے ہر کام کا وقت مقرر ہو چکا ہے چنانچہ صحیح مسلم کے حوالہ سے عبداللہ بن عمروؓ بن العاص کی حدیث کئی جگہ گزر چکی ہے اس واسطے اللہ کے رسول کی اس بددعا کے ظہور کا ایک وقت تو بدر کی لڑائی کے موقع پر آیا کہ اس لڑائی کے موقع پر بڑے بڑے سرکش معاندین نہایت ذلت سے مارے گئے اور مرتے ہی آخرت کے عذاب میں گرفتار ہو گئے جس عذاب کے جتلانے کے لیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کی لاشوں پر کھڑے ہو کر یہ فرمایا کہ اب تو تم لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے وعدہ کو سچا پالیا۔ یہ قصہ صحیح بخاری و مسلم کی ابوہریرہؓ کی روایت سے کئی جگہ گزر چکا ہے، دوسرا موقع فتح مکہ کے وقت آیا کہ مشرکین مکہ جن بتوں کی حمایت میں اللہ کے رسول کو جھٹلاتے تھے، اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے ہاتھ سے فتح مکہ کے وقت ان بتوں کو یہ ذلت دلوائی کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان بتوں کو اپنے ہاتھ کی لکڑی سے مار مار کر زمین میں ڈال دیا اور کسی مشرک کو اپنے جھوٹے معبودوں کی حمایت کی جرأت نہ ہوئی یہ قصہ بھی صحیح بخاری کی عبداللہ بن مسعود کی اور صحیح مسلم کی ابوہریرہؓ کی روایت سے کئی جگہ گزر چکا ہے۔

۱-۲: علمائے مفسرین نے اس بات میں بڑا اختلاف[1] کیا ہے کہ پہلے صور کے وقت جو زمین ہلے گی اور آخر کو پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جاوے گی اور پہاڑ آسمان سب ریزہ ریزہ ہو جاویں گے، اس آیت میں سورۃ الحاقہ کی آیتوں کے موافق زمین کے اس بھونچال کا ذکر ہے یا حشر کے دن جب اللہ تعالیٰ ہر ہزار اولاد آدم کی صف میں سے نو سو ننانوے آدمیوں کو دوزخ میں بھیجنے کا حکم حضرت آدم علیہ السلام کو دے گا اور اس حکم کی دہشت سے تمام مخلوقات کے دل جو بے قابو ہو جاویں[2] گے، اس کا نام زلزلہ ہے، اور وہی زلزلہ اس آیت میں ذکر کیا گیا ہے لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو اس اختلاف کی کوئی وجہ نہیں ہے کیونکہ جب آیت کے لفظ عام ہیں اور قابل خوف جو زلزلہ قیامت کا ہے اس سے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو ڈرایا ہے اور قرآن و حدیث میں ان دونوں زلزلوں کا ذکر آیت کی تفسیر کے طور پر آ چکا ہے تو اب اختلاف کیا باقی رہ گیا یہ کیوں نہیں کہا جاتا کہ آیت دونوں

[1] تفسیر کبیر۔ سورہ الحج [2] تفسیر فتح البیان ص ۱۴۶ ج ۳

تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى

بھول جاوے گی ہر دودھ پلانے والی اپنی دودھ پلائی کو اور ڈال دے گی ہر پیٹ والی پیٹ اپنا اور تو دیکھے

النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ۝

لوگوں پر نشہ اور ان پر نشہ نہیں پر آفت اللہ کی سخت ہے۔

زلزلوں سے ڈرانے کی غرض سے نازل ہوئی ہے، حاصل کلام یہ ہے کہ جب سورۃ الحاقہ میں پہلے صور کی آواز سے سخت بھونچال آنا اور زمین کا اور زمین کے پہاڑوں کا ٹوٹ پھوٹ جانا موجود ہے اور طبرانی، تفسیر ابن جریر، تفسیر ابن ابی حاتم وغیرہ میں صحیح[1] سند سے پہلے زلزلہ کو آیت کی تفسیر کے طور پر ابو ہریرہؓ کی روایت میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کیا ہے جس روایت کا حاصل یہ ہے کہ پہلا صور جب پھونکا جاوے گا تو زمین اس طرح ڈگمگا دے گی جس طرح دریا میں ناؤ ڈانواں ڈول پھرتی ہے، پھر آخر زمین اور پہاڑوں کے ٹکڑے ہو جاویں گے، پھر آسمان بھی اسی طرح سب پھٹ جاویں گے، سورج، چاند تارے سب ٹوٹ کر گر پڑیں گے پھر آپ نے یہ آیت پڑھی یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ابو ہریرہؓ کہتے ہیں، میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ حضرت سورہ زمر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ پہلے صور کے شروع ہوتے ہی زمین و آسمان میں جتنے جاندار ہیں سب بے ہوش ہو کر گر پڑیں گے اور مر جاویں گے پھر اللہ تعالیٰ نے اسی آیت میں یہ بھی فرمایا ہے کہ جن کو اللہ چاہے گا وہ اس صدمہ سے بچے رہیں گے وہ کون لوگ ہوں گے، آپ نے فرمایا وہ شہید لوگ ہیں، مردوں میں سے کسی کو اس صدمہ کی خبر نہ ہوگی، شہید باوجودیکہ زندہ ہیں لیکن اس صدمہ سے بچے رہیں گے اور دوسرے زلزلہ کا ذکر صحیح بخاری و مسلم میں ابو سعید خدریؓ کی روایت[2] سے جو آیت کی تفسیر کے طور پر آیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ جب یہ آیت اتری تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کو پڑھا اور فرمایا کہ یہ زلزلہ وہ ہے کہ حشر کے دن اللہ تعالیٰ حضرت آدمؑ سے فرماوے گا کہ اپنی اولاد میں سے دوزخ کا حصہ نکالو، حضرت آدم عرض کریں گے، یا الٰہی اولاد آدم میں دوزخ کا حصہ کس قدر ہے، اللہ تعالیٰ فرمائے گا، ہزار میں نو سو ننانوے، اللہ کا یہ حکم سن کر تمام محشر میں ایک زلزلہ پڑ جاوے گا اور لوگوں کے دل ہل جاویں گے، اس حدیث کو سن کر صحابہؓ کو بڑا رنج ہوا پھر آپ نے تسلی دی اور فرمایا کہ نو سو ننانوے یاجوج ماجوج میں ہوں گے اور ایک تم میں کا ہوگا اور امتوں کے مقابلہ میں میری امت کی گنتی تو اتنی ہے کہ جس طرح سفید بیل کی کھال میں چند کالے بال ہوتے ہیں، پھر فرمایا کہ مجھ کو توقع ہے میری امت آدھی جنت میں جاوے گی بعضی روایتوں میں دو تہائی بھی آیا ہے جس زلزلہ کا ذکر پہلی حدیث میں ہے اس زلزلہ کے وقت حقیقت میں دودھ والی عورت اپنے بچہ کو خوف کے مارے چھوڑ دے گی اور بھول جاوے گی اور حاملہ عورت کے حمل گر پڑیں گے اور جس زلزلہ کا ذکر دوسری حدیث میں ہے، اس زلزلہ میں یہ بات مثال کے طور پر فرمائی کہ اس وقت بھی اس قدر خوف لوگوں کے دلوں پر ہوگا کہ اگر وہاں بھی دودھ والی عورت ہوتی تو دودھ پلانا بھول جاتی اور حمل والی عورت ہوتی تو اس کا حمل گر جاتا، نیک کام میں لگے رہنے اور برے کام سے بچنے کو تقویٰ کہتے ہیں جس کے معنی پرہیزگاری کے ہیں، صحیح بخاری[3] میں ابو ہریرہؓ سے روایت ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کے مزاج میں پرہیزگاری زیادہ ہے اللہ کے نزدیک اسی کی عزت زیادہ ہے اس حدیث کو آیتوں کے ساتھ ملانے سے یہ مطلب

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۲۰۱۔۲۰۵ ج ۳ [2] مشکوٰۃ ص ۴۸۳ باب الحشر [3] مشکوٰۃ باب المفاخرۃ والعصبیۃ بحوالہ شیخین۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ ﴿۳﴾ كُتِبَ

اور بعضا شخص ہے جو جھگڑتا ہے اللہ کی بات میں بن خبر اور ساتھ پکڑتا ہے ہر شیطان بے حکم کا جس کی قسمت

عَلَيْهِ اَنَّهٗ مَنْ تَوَلَّاهُ فَاَنَّهٗ يُضِلُّهٗ وَيَهْدِيْهِ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ﴿۴﴾ يٰٓاَيُّهَا

میں لکھا ہے کہ جو کوئی اس کا رفیق ہو سو وہ اس کو بہکاوے اور لے جاوے عذاب میں دوزخ کے۔ لے

ہوا اے لوگو قیامت کے دن کا عذاب ایسا سخت ہے کہ اس کی سختی کو دیکھ کر دودھ پلانے والی عورت اپنے بچہ کو دودھ پلانا بھول جاوے گی حمل والی عورت کا حمل گر جاوے گا اور بغیر نشہ کی چیز کے کھانے پینے کے لوگ نشہ بازوں کی طرح بدحواس ہو جاویں گے پرہیزگاری اس دن ایک ایسی چیز ہوگی جو اس عذاب کی ذلت اور تکلیف سے بچا کر آدمی کو عزت سے قائم رہنے کا سبب ہو سکتی ہے اس واسطے ہر شخص کو چاہیئے کہ جہاں تک ہو سکے پرہیزگاری اختیار کرے۔

۳-۴۔ تفسیر سدی، تفسیر ابن ابی حاتم اور تفسیر ابن جریج وغیرہ[۱] میں معتبر سند سے جو شان نزول اس آیت کی بیان کی گئی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ نضر بن حارث ایک شخص بڑا جھگڑالو مشرکین مکہ میں تھا جو فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں اور قرآن کو پچھلے لوگوں کی کہانی کہا کرتا تھا اور حشر کا بڑا سخت منکر تھا۔ بدر کی لڑائی والے دن حالت کفر میں وہ مارا گیا اور اس کے ساتھی ایک دو اور تھے، جو بجلی گر کر ہلاک ہوئے ایسے لوگوں کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی ہے

عقلی وجوہ سے شریعت کی باتوں کو مسترد نہ کیا جائے

حاصل معنی آیت کے یہ ہیں کہ نضر بن حارث اور اس کے ساتھیوں کی طرح آدمی کو دین کی بات میں عقل سے جھگڑنا نہیں چاہیئے کیونکہ جن باتوں کا شریعت میں حکم دیا گیا ہے ان میں سے اکثر باتوں کی مصلحت کو عقل نہیں پہنچ سکتی مثلاً ریشمی کپڑے کو بہ نسبت سوتی کپڑے کے عقل اچھا اور نرم جانتی ہے مگر شریعت نے ریشمی کپڑا دنیا میں مرد کو جائز نہیں رکھا۔ اس کی مصلحت عقل کی رسائی سے باہر ہے، یہ شیطان کا کام ہے کہ آدمی کے دل میں عقلی وسوسے دین کی باتوں میں ڈالتا ہے تاکہ جس طرح خود گمراہ ہو چکا ہے اوروں کو بھی گمراہ کر کے اپنے ساتھ دوزخ میں لے جاوے، اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے ذریعہ سے جو دین کی باتیں بتلا دی ہیں جو شخص ان باتوں کو چھوڑ کر عقلی شیطانی وسوسوں میں پڑے گا نضر بن حارث کی طرح اس کو دین و دنیا کا ٹوٹا بھگتنا پڑے گا کیونکہ شیطان کی قسمت میں یہ لکھا جا چکا ہے کہ جو کوئی اس کا رفیق ہوگا وہ اس کو نیک راہ سے بہکا کر اپنے ساتھ اسے دوزخ میں لے جاوے گا جس طرح ایک بادشاہ کے دو وزیر ایک نیک مزاج ایک ظالم فرض کئے جاویں اسی طرح ایک اللہ کا فرشتہ نیک کام کی صلاح دینے والا اور ایک شیطان بری راہ لگانے والا۔ یہ دونوں ہر وقت ہر انسان کے ساتھ لگے رہتے ہیں، صحیح مسلم میں عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں ان دونوں ساتھیوں کا ذکر صراحت سے آچکا ہے جس نے صلاح رحمانی کے موافق کام کیا، نجات پائی اور جو وسوسہ شیطانی میں پھنسا خراب ہوا۔ بعضے دوست آشنا بھی آدمی کے انسان کی صورت میں شیطان کی خصلت کے ہوتے ہیں جو ہمیشہ آدمی کو بری راہ لگنے کا مشورہ دیتے رہتے ہیں جن کا ذکر سورۃ انعام میں گزر چکا ہے ایسے لوگوں کی صحبت بھی آدمی کو برباد کر دیتی ہے ایسے دوست آشناؤں سے بھی انسان کو بچنا چاہیئے، اسی واسطے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے صحیح بخاری و مسلم کی ابوسعید خدریؓ کی

[۱] تفسیر ابن کثیر ص ۲۰۶ ج ۳ والدر المنثور ص ۳۴۴ ج ۴ [۲] مشکوٰۃ ص ۱۸ باب الوسوسہ۔

النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ

لوگو! اگر تم کو دھوکا ہے جی اٹھنے کا تو ہم نے بنایا تم کو مٹی سے پھر

نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ ؕ

بوند سے پھر پھٹکے سے پھر بوٹی سے نقشہ بنے اور بن نقشہ بنے اس واسطے کہ تم کو کھول سناویں

وَنُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا

اور ٹھہرا رکھتے ہیں پیٹ میں جو کچھ چاہیں ایک ٹھہرے ہوئے وعدے پر پھر تم کو نکالتے ہیں لڑکا پھر جب تک کہ پہنچو

روایت میں ایسے دوست آشناؤں کی رفاقت کی مثال لوہار کی کھال دھونکنے والے کی رفاقت کی فرمائی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح کھال دھونکنے والے کے پاس بیٹھنے میں آگ کی چنگاری اڑ کر ان پر پڑنے اور کپڑوں کے جلنے کا خوف ہے اسی طرح بُرے دوست آشناؤں کی رفاقت سے دوزخ میں جلنے کا اندیشہ ہے، دوزخ کے عذاب کا ذکر فرما کر ان آیتوں میں اس عذاب کے منکر اور اس سے غافلوں کا ذکر فرمایا گیا ہے۔

دلائل حشر ونشر

۵۔۱۰: اوپر کی آیت میں اللہ تعالیٰ نے منکرین حشر نضر بن حارث اور اس کے ساتھیوں کا ذکر فرما کر یہاں اخیر رکوع تک دو دلیلیں حشر کی بیان فرمائی ہیں، پہلی دلیل کا حاصل یہ ہے کہ جس اللہ میں یہ قدرت ہے کہ اس نے پانی سے مٹی کا کام لیا، اس کو مٹی سے مٹی کا کام لینا کون سی عقل سے یہ لوگ مشکل بتاتے ہیں کیونکہ ماں کے پیٹ میں اس نے پانی جیسی پتلی چیز نطفہ سے آدمی کا پتلا بنا کر اس پتلے میں رُوح پھونک دی ہے، حشر میں تو مٹی سے مٹی کا پتلا بنایا جا کر اس پتلے میں رُوح پھونک دی جاوے گی۔

دوسری دلیل کا حاصل یہ ہے کہ جو زمین اللہ کے حکم سے اس طرح کے جاندار صاحب عقل لوگوں سے بڑھ کر کام کرتی ہے کہ ساری دُنیا کے جاندار صاحب عقل کاریگر اگر جمع ہو جاویں تو جس طرح کے ہزاروں پھول زمین میں سے ہر موسم پر سوکھے ہوئے بیجوں سے پیدا ہوتے ہیں اس طرح کا ایک پھل ایک پھول یہ دُنیا بھر کے لوگ پیدا نہیں کر سکتے پھر اس زمین کو اللہ کے حکم سے انسان کا پتلا بنا دینا اور اللہ تعالیٰ کو اس پتلے میں رُوح کا پھونک دینا کیا مشکل ہے، غرض ان آیتوں میں جو باتیں اللہ تعالیٰ نے حشر کے ذہن نشین ہونے کے ثبوت میں بیان فرمائی ہیں ان باتوں میں سے ہر ایک بات کو آدمی غور سے دیکھے تو ہر انسان کو اپنی پیدائش کے حال پر غور و تامل کرنے سے زمین میں کھیتی اور باغات کے ذریعے سے جو اناج، پھل، پھول پیدا ہوتے ہیں ان کے حال کو دیکھنے سے یہ اچھی طرح ذہن نشین ہو سکتا ہے کہ ہمیشہ جو کچھ سب کی آنکھوں کے سامنے ہو رہا ہے وہ حشر سے سینکڑوں درجہ بڑھ کر مشکل ہے مثلاً جس کی قدرت میں یہ ہے کہ منی جیسی پتلی بہتی ہوئی چیز کا اس نے رحم جیسے تنگ جگہ میں پتلا بنایا اور اس پتلے میں جان ڈالی۔ پھر پتلا بھی ایسا کہ اس میں بڑھنے کی قوت بھی رکھی ہے، پیدا ہوتے وقت بچہ کیا ہوتا ہے اور برس دو برس میں کیا کا کیا ہو جاتا ہے، حشر میں نہ کسی پتلی چیز کا پتلا بنانا ہے نہ رحم جیسی تنگ جگہ ہے نہ پتلے میں بڑھنے کی قوت رکھنے کی مشکل ہے نہ اس طرح کا چھوٹا پتلا ہے جب کی ہڈیوں کے جوڑ مشکل ہوں تاریخ کی کتابوں سے سینکڑوں برس کے بعد جس طرح اب لوگوں کو معلوم ہے کہ خلیفہ ہارون رشیدؒ کی خاک ملک

؎ مشکوٰۃ باب الحب فی اللہ ومن اللہ و صحیح بخاری، باب المسک من کتاب الصید والذبائح از روایت ابوموسیٰؓ

أَشُدَّكُمْ ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ

اپنی جوانی کے زور کو اور کوئی تم میں پورا بھر لیا اور کوئی تم میں پھر چلا نکمی عمر تک تاکہ سمجھ کے پیچھے

بَعْدِ عِلْمٍ شَيْئًا ۭ وَتَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاۗءَ اهْتَزَّتْ

کچھ نہ سمجھنے لگے اور تو دیکھتا ہے زمین دبی پڑی پھر جہاں اتارا اس پر پانی تازی ہوئی

وَرَبَتْ وَاَنْۢبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّهٗ يُحْيِ الْمَوْتٰى

اور ابھری اور اگائیں ہر بھانت بھانت رونق کی چیزیں یہ اسواسطے کہ اللہ وہی ہے تحقیق اور وہ جلاتا ہے مردے

وَاَنَّهٗ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ وَّاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ

اور وہ ہر چیز کر سکتا ہے اور یہ کہ قیامت آنی ہے اس میں دھوکا نہیں اور یہ کہ اللہ

طوس میں ہے اور اکبر کی خاک سکندرہ میں اور عالمگیر کی خاک اورنگ آباد میں۔ اسی طرح ہر شخص کی خاک کے مقام اور ٹھکانے کا دفتر خدا کے نزدیک موجود ہے جس سے یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ رواں دواں ہو جانے کے بعد اس خاک کا پتہ اور نشان کیونکر ملے گا یہ تو آدمی کی پیدائش کا حال مختصر طور پر ہوا، سو اس کے بعد یہ غور کرنے کی جائے ہے کہ حشر میں ایک ہی آدمی کی مٹی سے ایک ہی آدمی پیدا کیا جائے گا، اب ایک بیج کے دانہ سے ہزاروں دانے اور ایک آم یا جامن کی گٹھلی سے ہر آم اور جامنوں کا ہر سال کی فصل پر حشر ہو جاتا ہے یہ سب باتیں اور ہزاروں، لاکھوں، کروڑوں ایسی ہی آنکھوں کے سامنے کی باتیں ایک حشر کیا ہزار حشر سے بھی زیادہ مشکل ہے اس واسطے سورۃ الروم میں فرمایا وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ جس کا مطلب یہ ہے کہ پہلی پیدائش کی بہ نسبت دوسری پیدائش بہت آسان ہے، حاصل کلام یہ ہے کہ جس کے سر پر شقاوت ازلی سوار ہے اس کا تو کچھ ذکر ہی نہیں وہ چاہے حشر کا انکار کرے چاہے خدا کی وحدانیت کا انکار کرے لیکن جس کو خدا نے ہدایت دی ہے اس کے سمجھنے کے لئے بلاشک خدا تعالیٰ نے ان آیتوں میں جو باتیں ذکر فرمائی ہیں ان باتوں کو جہاں تک غور و تامل کی نظر سے دیکھا جاتا ہے تو وہ قدرت اللہ تعالیٰ کی دکھائی دیتی ہے جس کے آگے ایک حشر کیا بے گنتی حشر سہل اور آسان معلوم ہونے ہیں لیکن انسان کی آنکھوں پر غفلت کا پردہ پڑا ہوا ہے جب تک وہ پردہ نہ اٹھے اس کو خدا کی قدرت کیا نظر آسکتی ہے۔ اس غفلت کے سبب سے نہ اس کو اپنی پیدائش کی خبر ہے نہ کسی دوسری چیز کی، اسی واسطے ان آیتوں کے بعد آخر سورہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ لوگ اللہ کی قدرت کی قدر نہیں کرتے۔

ترمذی، ابوداؤد، صحیح ابن حبان کے حوالہ سے ابوموسیٰ اشعریؓ کی صحیح حدیث کئی جگہ گزر چکی ہے[1] جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، آدم علیہ السلام کا پتلا بنانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے تمام روئے زمین کی مٹی لی ہے اسی واسطے بنی آدم میں کوئی گورا ہے، کوئی کالا، کوئی بدمزاج، کوئی نیک مزاج، یہ حدیث فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ کی گویا تفسیر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اب بنی آدم کی پیدائش اگرچہ نطفہ سے ہے لیکن اس پیدائش میں آدم علیہ السلام کے پتلے کے لئے جو مٹی لی گئی ہے اس کا اثر پشت در پشت چلا آتا ہے اور قیامت تک چلے گا، صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے عبداللہ بن مسعود کی حدیث بھی گزر چکی ہے، کہ عورت کے

---

[1] بحوالہ مشکوٰۃ ص ۲۲ نیز دیکھئے تفسیر ابن کثیر ص ۲۰۷ ج ۳ و تفسیر الدر المنثور ص ۳۴۵ ج ۴

يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُورِ ⑦ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّ

اٹھاوے گا قبریں پڑوں کو اور بعضا شخص ہے جو جھگڑتا ہے اللہ کی بات میں بن خبر اور

لَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ⑧ ثَانِيَ عِطْفِهٖ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ لَهٗ فِي

بن سوجھ اور بن کتاب چمکتی۔ اپنی کروٹ موڑ کر کہ بہکاوے اللہ کی راہ سے اس کو

الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّنُذِيْقُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَذَابَ الْحَرِيْقِ ⑨ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ

دنیا میں رسوائی ہے اور چکھا دیں گے ہم اس کو قیامت کے دن جلن کی مار یہ اس پر ہے جو آگے بھیج چکے

يَدٰكَ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ⑩ ع

تیرے دو ہاتھ اور یہ کہ اللہ ظلم نہیں کرتا بندوں پر۔

رحم میں مرد کا نطفہ چالیس دن کے بعد جما ہوا خون ہو جاتا ہے اور پھر چالیس دن کے بعد اس جمے ہوئے خون کا ایک گوشت کا ٹکڑا بن جاتا ہے، اس حدیث سے یہ مطلب اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے کہ تین چلے میں نطفہ کا ایک گوشت کا ٹکڑا بن جاتا ہے مجاہد کے قول کے موافق مخلقة وغیر مخلقة کا یہ مطلب ہے کہ تین چلے کے بعد اگر اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے تو بچہ کا نقشہ آنکھیں کان اور سب اعضاء اس گوشت کے ٹکڑے سے بن جاتے ہیں نہیں تو گوشت کے ٹکڑے کی حالت میں حمل ساقط ہو جاتا ہے مخلقة وغیر مخلقة کی تفسیر میں اگرچہ سلف کے کئی قول ہیں لیکن حافظ ابو جعفر ابن جریر نے مجاہد کے قول کو صحیح قرار دیا ہے[1]، اسی واسطے ترجمہ میں یہی قول لیا ہے نُبَیِّنَ لَکُمْ اس کا مطلب یہ ہے کہ گوشت کے ٹکڑے سے پورا بچہ کا بن جانا یا گوشت کے ٹکڑے کی حالت میں حمل کا ساقط ہو جانا، اللہ تعالیٰ نے اس لئے رکھا ہے کہ لوگ اس کی قدرت کو پہچانیں پھر فرمایا، اللہ تعالیٰ کے حکم سے جو بچہ پورا پیدا ہونے والا ہوتا ہے وہ حمل کی پوری مدت تک ماں کے پیٹ میں رہتا ہے اور پھر بچہ پیدا ہو کر جوانی کو پہنچتا ہے کوئی جوانی سے پہلے اور کوئی بہت بوڑھا ہو کر مرتا ہے، صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابو ہریرہ کی روایت کئی جگہ گزر چکی ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دوسرے صور سے پہلے ایک مینہ برسے گا جس کی تاثیر سے اسی طرح سب مرے ہوئے لوگوں کے جسم تیار ہو جاویں گے جس طرح اب مینہ کی تاثیر سے ہر طرح کی پیداوار زمین میں تیار ہو جاتی ہے اور اس کے بعد ان جسموں میں روحیں پھونک دی جاویں گی آگے ان آیتوں میں اور اکثر جگہ قرآن شریف کی اور آیتوں میں کھیتی اور حشر کا ذکر ایک ہی جگہ جو آیا ہے اس کا مطلب اس حدیث سے اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تو انسان کا دوبارہ پیدا کرنا ایسا ہی ہے جیسے ہر سال کھیتی کی پیداوار سب کی آنکھوں کے سامنے ہے پھر بھی یہ مکہ کے مشرک اللہ کی قدرتیں آنکھوں سے دیکھ کر، پھر پتھر کی مورتوں کو اللہ کا شریک جو ٹھہراتے ہیں اور مشکل طریقہ کی اپنی پہلی پیدائش کو قبول کر آسان طریقہ کی دوبارہ پیدائش کو جھٹلاتے اور حشر کا ذکر سن کر طرح طرح کی ایسی بے سند مکرائی کی باتیں جو بناتے ہیں کہ جن باتوں کے سبب سے خود بھی گمراہی میں پھنستے ہیں اور دوسروں کو بھی اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکتے ہیں ان کی یہ باتیں دنیا میں ان کو رسوا اور عقبیٰ میں سخت عذاب کا سزاوار ٹھہراویں گی کیونکہ ظلم کے طور پر تو اللہ تعالیٰ کسی کو سزا کا دینا نہیں چاہتا لیکن سزا کے قابل جرم پر سزا کے دینے کا اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے جو کسی طرح ٹل نہیں سکتا۔ صحیح مسلم کے حوالہ سے ابوذر کی روایت قدسی کئی جگہ گزر چکی ہے[2] کہ اللہ تعالیٰ نے ظلم کو اپنی ذات

[1] تفسیر ابن جریر طبری ص

[2] بحوالہ مشکوٰۃ باب الاستغفار والتوبہ

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ۚ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ ِۨاطْمَاَنَّ بِهٖ ۚ

اور بعضا شخص ہے کہ بندگی کرتا ہے اللہ کی کنارے پر پھر اگر مل گئی اس کو بھلائی چین پکڑا اس پر

وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ ِۨانْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ۚ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ۭ ذٰلِكَ

اور اگر مل گئی اس کو جانچ پھر گیا الٹا اپنے منہ پر گنوائی دنیا اور آخرت یہی ہے

هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ⑪ يَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهٗ وَمَا لَا يَنْفَعُهٗ ۭ

ٹوٹا صریح ، پکارتا ہے اللہ کے سوائے ایسی چیز کہ اس کا بُرا نہیں کرتی اور ایسی چیز کہ اس کا بھلا نہیں کرتی

پاک پر حرام ٹھہرا لیا ہے، یہ حدیث وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ کی گویا تفسیر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ جو کچھ چاہے وہ ہو سکتا ہے لیکن ظلم کے طور پر وہ کسی کو اس لئے سزا کا دینا نہیں چاہتا کہ اس نے اپنی ذات پاک پر ظلم کو حرام ٹھہرا لیا ہے جس شخص نضر بن حارث کا ذکر اوپر گزرا، یہ شخص ان ہی لوگوں میں سے ہے جو بدر کی لڑائی کے وقت دنیا میں بڑی ذلت سے مارے گئے اور مرتے ہی عذاب آخرت میں گرفتار ہوئے، چنانچہ یہ قصہ صحیح بخاری و مسلم کی انسؓ بن مالک کی روایت سے کئی جگہ گزر چکا ہے حاصل کلام یہ ہے کہ ان آیتوں میں قرآن شریف کا یہ ایک بڑا معجزہ ہے کہ کچھ عرصہ پہلے ان آیتوں میں یہ جو فرمایا تھا، کہ ایسے لوگ دنیا میں رسوا اور عقبیٰ میں سخت عذاب بھگتیں گے تھوڑے عرصہ کے بعد ان لوگوں کا وہی انجام ہوا۔

۱۱-۱۳: صحیح بخاری[1]، مصنف ابن ابی شیبہ، تفسیر ابن المنذر، تفسیر ابن ابی حاتم وغیرہ[2] میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت سے جو شان نزول اس آیت کی بیان کی گئی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ مدینہ منورہ کے آس پاس کے کچھ دیہاتی لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آن کر اسلام لے آتے تھے اور پھر اپنے اپنے گاؤں کو چلے جاتے تھے، گاؤں میں چلے جانے کے بعد اگر ان کے مال یا اولاد میں کچھ ان کو بہبودی نظر آتی تھی تو اسلام پر قائم رہتے تھے اور کہتے تھے بلاشک دین اچھا ہے اور اگر اسلام کے بعد اتفاق سے کوئی سختی پیش آتی تھی تو اسلام کی مذمت کرنے لگتے تھے اور اسلام سے پھر جاتے تھے ایسے لوگوں کی شان میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں تفسیر[3] ابن مردویہ میں ایک یہودی کا قصہ اس آیت کی شانِ نزول میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک یہودی اسلام لایا اسلام لانے کے بعد اتفاق سے وہ اندھا ہو گیا اس لئے اسلام سے پھر گیا اس روایت کی سند ضعیف ہے حاصل معنی ان آیتوں کے یہ ہیں کہ اللہ کے نزدیک خالص دل کا اسلام اور عمل مقبول ہے اس طرح ذرا ذرا بن کر اسلام لاوے یا نیک عمل کرے کہ خوشحالی کے وقت جو کچھ بن آیا وہ کر لیا ذرا کسی طرح کی کوئی مصیبت پیش آگئی تو ناشکری کا کلمہ بھی زبان پر آنے لگا، نماز روزہ بھی چھوٹ گیا یا چھوٹا نہیں تو اس میں کچھ فرق آگیا اس طرح کا اسلام اور نیک عمل اللہ کی درگاہ میں مقبول نہیں، صحیح مسلم[4] میں سفیان بن عبداللہؓ سے روایت ہے جس میں سفیان بن عبداللہ کہتے ہیں میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ حضرت دین میں مجھ کو کوئی ایسی بات بتلا دیجئے کہ پھر مجھ کو کسی بات کے پوچھنے کی ضرورت باقی نہ رہے آپ نے فرمایا کہ اللہ کے احکام پر ایمان لانا اور ہر حال میں اس پر قائم رہنا یہی بڑی بات دین کی ہے یہاں بعضے مفسروں[5] نے اعتراض کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ پہلے تو اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ بت پرستوں کو

[1] صحیح بخاری مع فتح الباری ص ۲۵۹ ج ۴ [2] تفسیر ابن کثیر ص ۲۰۹ ج ۳ و تفسیر الدر المنثور ص ۳۴۶ ج ۴ [3] فتح الباری ص ۲۵۹ ج ۴
[4] دیکھئے مشکوٰۃ ص ۱۲ کتاب الایمان [5] تفسیر کبیر، تفسیر آیت ہذا۔

ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ﴿۱۲﴾ يَدْعُوْا لَمَنْ ضَرُّهٗٓ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ ؕ لَبِئْسَ

یہی ہے دُور پڑنا بھول کر پکارے جاتا ہے البتہ جس کا ضرر پہلے پہنچے نفع سے بے شک بُرا

الْمَوْلٰى وَلَبِئْسَ الْعَشِيْرُ ﴿۱۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

دوست ہے اور بُرا رفیق بے شک اللہ داخل کرے گا ان کو جو یقین لائے اور کیں بھلائیاں

جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ﴿۱۴﴾

باغوں میں بہتی نیچے ان کے نہریں اللہ کرتا ہے جو چاہے۔

ان کے بُت نفع نقصان کچھ نہیں پہنچا سکتے اور پھر فرمایا کہ بُت پرستوں کو ان کے بتوں سے بہ نسبت نفع کے نقصان زیادہ پہنچنے والا ہے اس اختلاف کا رفع کیونکر ہے اس اختلاف کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ دونوں آیتوں میں اختلاف کچھ بھی نہیں ہے ایک ٹکڑے میں دنیا کا حال ہے کہ بُت بالکل پتھر ہیں ان کو کوئی پوجے تو وہ پتھر کچھ نفع نہیں پہنچا سکتے اور جو نہ پوجے تو کچھ نقصان ان پتھروں سے نہیں پہنچ سکتا، دُوسرے ٹکڑے میں آیت کے آخرت کا حال ہے، اس دُوسرے ٹکڑے کے معنی کا حاصل یہ ہے کہ دنیا میں جس طرح بُت پرستوں کو بتوں سے نفع و نقصان پہنچانے کا غلط خیال ہے، آخرت میں ان لوگوں کو بُت پرستی کا نقصان جو عذابِ آخرت سے پہنچنے والا ہے وُہ خیالی نہیں بلکہ یقینی ہے، اس لئے بُت پرستی میں نفع سے نقصان زیادہ اور زیادہ نزدیک ہے ان پوری آیتوں کا حاصل مطلب یہ ہے کہ بعضے دیہاتی لوگوں کے دائرہ اسلام میں داخل ہونے کا طریقہ یہ ہے کہ غنیمت کے مال میں سے صدقہ و خیرات میں سے کچھ مل جانے کا لالچ کر کے دائرہ اسلام میں داخل ہوتے ہیں اور جب تک ان کا مطلب پورا ہوتا رہتا ہے تو اوپرے دل سے مسلمانوں کے ساتھ نماز روزہ میں شریک ہو جاتے ہیں اور جس وقت ان کا یہ مطلب پورا نہیں ہوتا تو اسلام سے پھر جاتے ہیں جس سے ان کا دُنیا میں تو یہ نقصان ہے کہ اسلام کے چھوڑنے پر ان کے نصیب سے زیادہ ان کو کچھ ملنے والا نہیں اور عقبیٰ کا نقصان وقتِ مقررہ پر ان کی آنکھوں کے سامنے آجائے گا پھر فرمایا اسلام سے پھر جانے کے بعد یہ اور ان کے ساتھی مشرک پتھر کی مورتوں کی پوجا کرتے ہیں اتنا نہیں سمجھتے کہ وُہ بت بالکل پتھر ہیں ان کی کوئی پوجا کرے تو وُہ کچھ نفع نہیں پہنچا سکتے اور نہ پوجا کرے تو ان پتھروں سے کچھ نقصان نہیں پہنچ سکتا یہ تو ان بت پرستوں کا دنیاوی مآل ہُوا، عقبیٰ میں ایسے لوگوں کا جو کچھ انجام ہوگا وُہ سب کی آنکھوں کے سامنے آجاوے گا، صحیح مسلم کے حوالہ سے عبداللہؓ بن مسعود کی روایت کئی جگہ گزر چکی، جس میں اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر شخص کے ساتھ ایک شیطان اور ایک فرشتہ رہتا ہے شیطان ہر وقت اس کو بُرے کاموں کی اور فرشتہ نیک کاموں کی رغبت دلاتا رہتا ہے یہ حدیث بِئْسَ الْمَوْلٰى وَلَبِئْسَ الْعَشِيْرُ کی گویا تفسیر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ان لوگوں کا دوست اور رفیق ان کے ساتھ رہنے والا شیطان ہے جو ان کو بُرے کاموں میں لگائے رکھتا ہے اور اگرچہ ان لوگوں کے حق میں وُہ بہت بُرا دوست اور رفیق ہے جس کی بُرائی ان لوگوں کو مرنے کے بعد معلوم ہوگی لیکن دنیا میں ان کو اس کی بُرائی نظر نہیں آتی۔

۱۴:۔ ان لوگوں کی عقلوں کی خرابی کا ذکر تھا جو دنیا کے لالچ سے ظاہری طور پر دائرہ اسلام میں داخل ہوتے ہیں اور حقیقت میں گویا اس دائرہ کے کنارے پر کھڑے رہ جاتے ہیں، اندر نہیں گھستے کیونکہ جس طرح کسی چھت کے کنارہ پر کھڑا ہونے والا شخص ذرا سی ٹھیس میں گر پڑتا ہے اسی طرح جن لوگوں کا اوپر ذکر ہے وُہ بھی ذرا سی آزمائش میں دائرہ اسلام کے باہر ہو جاتے ہیں ان آیتوں

مَنْ كَانَ يَظُنُّ اَنْ لَّنْ يَّنْصُرَهُ اللّٰهُ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ

جس کو یہ خیال ہو کہ ہرگز نہ مدد کرے گا اس کو اللہ دنیا میں اور آخرت میں تو تانے ایک رسی

اِلَى السَّمَآءِ ثُمَّ لْيَقْطَعْ فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهٗ مَا يَغِيْظُ ﴿۱۵﴾ وَكَذٰلِكَ

آسمان کو پھر کاٹ ڈالے اب دیکھے کچھ گیا اس کی تدبیر سے اس کے جی کا غصہ۔ اور یوں

میں فرمایا، جو لوگ پکے ایماندار ہیں اور تکلیف اور راحت ہر حال میں نیک کام کرتے رہتے ہیں اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کو ایسے باغوں میں ہمیشہ کے لئے رہنے کا حکم دیوے گا جن کے باغوں کے درختوں کے نیچے دُودھ، شہد، شراب اور پانی کی نہریں جاری ہوں گی دنیا کی نہروں میں بہت دنوں تک پانی رہے تو اس میں ایک طرح کی بدبو پیدا ہو جاتی ہے دنیا کا دُودھ زیادہ رہنے سے کھٹا ہو جاتا ہے، دنیا کی شراب میں تلخی ہوتی ہے دُنیا کا شہد بغیر چھاننے کے صاف نہیں ہوتا جنت کے دُودھ، شہد، شراب اور پانی میں یہ باتیں نہ ہوں گی چنانچہ اس کی تفصیل سورہ محمدؐ میں آوے گی، صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی روایت سے حدیث قدسی کئی جگہ گزر چکی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا جنت میں وُہ وُہ نعمتیں پیدا کی گئی ہیں جو نہ کسی نے آنکھوں سے دیکھیں نہ کانوں سے سنیں، نہ کسی کے دل میں ان کا خیال گزر سکتا ہے، اس حدیث سے یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آسکتی ہے کہ اس آیت میں یا اور آیتوں میں جہاں کہیں جنت کی نعمتوں کا ذکر ہے وُہ مختصر طور پر ہے تمام لوگوں کے نیک و بد عمل اور ان عملوں کے سبب سے ہر ایک کا جنت اور دوزخ کا ٹھکانا اللہ تعالیٰ کو سب معلوم ہے اسی واسطے اخیر آیت میں فرمایا قیامت کے دن اپنے علم اور ارادہ کے موافق اللہ تعالیٰ جزا و سزا کا جو فیصلہ کرے گا وہ ٹل نہیں سکتا۔

اس تفسیر میں ایک جگہ یہ گزر چکا ہے کہ پہلے ہر کام کا نتیجہ سوچ لیا جاتا ہے پھر اس کے کرنے یا نہ کرنے کا ارادہ کیا جاتا ہے۔ علماء کا یہ قول جو مشہور ہے کہ ارادہ علم کا تابع ہے اس کا یہی مطلب ہے کہ پہلے ہر کام کا نتیجہ سوچا جاتا ہے پھر اس کے کرنے یا نہ کرنے کا قصد کیا جاتا ہے حاصل کلام یہ ہے کہ ہر ارادہ کے ساتھ علم لگا ہُوا ہے اس لئے آیت کے آخری ٹکڑے کا مطلب وہی ہے جو اوپر بیان کیا گیا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنے علم غیب اور ارادہ کے موافق جزا و سزا کا جو فیصلہ کرے گا وُہ ٹل نہیں سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا علم غیب ردّ و بدل سے پاک ہے۔

۱۵-۱۶:- اوپر ذکر تھا کہ بعضے لوگ دنیا کی خوشحالی کی امید پر اسلام میں داخل ہوتے ہیں اور جب ان کی امید پوری نہیں ہوتی تو اس غصہ سے وُہ لوگ اسلام کے دائرہ سے نکل جاتے ہیں کہ اسلام لانے والوں سے دینُ دنیا کی بہبودی کا جو وعدہ اللہ کے رسُول نے اور اس کو اللہ کا وعدہ بتلانے میں ہمارے اسلام لانے کے بعد اس وعدہ کا ظہور جلدی کیوں نہیں ہُوا اور جب اس وعدہ کا ظہور جلدی نہیں ہُوا تو ہمارے دل میں یہ خیال جم گیا ہے کہ جو وعدہ یہ رسُول لوگوں سے کرتے ہیں سرے سے وُہ اللہ کا وعدہ ہی نہیں ہے ان رسُول کا جو جی چاہتا ہے یہ اپنی طرف سے کہہ دیتے ہیں ان لوگوں کی خیالی باتوں کا جو اللہ تعالیٰ نے جواب دیا اس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے انتظام میں ہر کام کا وقت مقرر ہے، اس لئے جس طرح یہ لوگ اگر رسی گلے میں ڈالیں اور اپنا گلا گھونٹ کر مرجاویں تو نہ بے وقت ان کو کچھ خوشحالی حاصل ہو سکتی ہے، نہ ان کا وُہ بے جا غصہ رفع ہو سکتا ہے، اسی طرح وقتِ مقررہ

لہ مشکوٰۃ باب صفۃ الجنۃ واہلہا۔

أَنزَلْنَٰهُ ءَايَٰتٍۭ بَيِّنَٰتٍ وَأَنَّ ٱللَّهَ يَهْدِى مَن يُرِيدُ ﴿١٦﴾ إِنَّ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَ

اتارا ہم نے قرآن کھلی باتیں اور یہ ہے کہ اللہ سوجھ دیتا ہے جس کو چاہے جو لوگ مسلمان ہیں اور

ٱلَّذِينَ هَادُوا۟ وَٱلصَّٰبِـِٔينَ وَٱلنَّصَٰرَىٰ وَٱلْمَجُوسَ وَٱلَّذِينَ أَشْرَكُوٓا۟ إِنَّ ٱللَّهَ

جو یہودی ہیں اور صابئین اور نصاریٰ اور مجوس اور جو شرک کرتے ہیں اللہ

سے پہلے کچھ نہیں ہو سکتا، ہاں وقتِ مقررہ پر اللہ تعالیٰ اپنے رسُول کی دین و دنیا میں ضرور مدد کرتا ہے جس کا نتیجہ ان کی آنکھوں کے سامنے آجاوے گا۔ اس وعدہ کے ظہور کا ذکر سُورۃ التوبہ میں گزر چکا ہے کہ جب وقتِ مقررہ میں مدد الٰہی کا نتیجہ ان دیہاتی لوگوں نے دیکھ لیا تو ان میں کے بہت لوگ پکے مسلمان بن گئے آگے فرمایا کہ جس طرح ایسے لوگوں کے خیال کو جھٹلانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ہے اسی طرح قرآن کی کھلی کھلی اور آیتوں میں اس طرح کے لوگوں کے بہت سے خیال جھٹلائے گئے ہیں، لیکن دُنیا کے پیدا ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے علمِ غیب کے موافق جو گمراہ اور دوزخی ٹھہر چکے ہیں وہ خود تو راہ راست پر نہیں آسکتے اور اللہ تعالیٰ مجبور کر کے ان کو راہ راست پر لانا نہیں چاہتا کیونکہ دنیا انتظامِ الٰہی کے موافق نیک و بد کی آزمائش کے لئے پیدا کی گئی ہے کسی کے مجبور کرنے کے لئے پیدا نہیں کی گئی۔ اس مطلب کو مختصر طور پر یوں ادا فرمایا گیا ہے وَأَنَّ ٱللَّهَ يَهْدِى مَن يُرِيدُ لیکن سُورۂ یونس میں یہ مطلب تفصیل سے گزر چکا ہے اور صحیح مسلم کے حوالہ سے عبداللہ بن عمروؓ بن العاص کی یہ حدیث بھی گزر چکی ہے کہ دُنیا کے پیدا کرنے سے پچاس ہزار برس پہلے جو کچھ دنیا میں ہو رہا ہے اپنے علمِ غیب کے نتیجہ کے طور پر اللہ تعالیٰ نے وُہ سب لوحِ محفوظ میں لکھ لیا ہے سورۂ یونس کی آیتوں اور عبداللہ بن عمروؓ بن العاص کی حدیث کو ان آیتوں کے ساتھ ملانے سے وہی مطلب ہُوا جو اُوپر بیان کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے علمِ غیب کے موافق یہاں اور سب کچھ لوحِ محفوظ میں لکھا گیا ہے وہاں یہ بھی ہے کہ ان مشرکوں میں سے کچھ لوگ خُود تو راہ راست پر نہیں آسکتے اور ان کو مجبور کر کے راہِ راست پر لانا انتظامِ الٰہی کے برخلاف ہے ثُمَّ لْيَقْطَعْ کی تفسیر عبداللہ بن عباسؓ نے ثُمَّ لْيَخْتَنِقْ کی فرمائی ہے[1]، اختناق کے معنی گلے میں پھانسی لگا لینے کے ہیں، حاصل مطلب یہ ہے کہ ایسا شخص اپنے گلے میں پھانسی ڈال کر مر جاوے جب بھی انتظامِ الٰہی پلٹ نہیں سکتا، پھانسی کو قطع اس لئے کہتے ہیں کہ جس طرح گردن کے قطع کر دینے اور کاٹ ڈالنے سے آدمی مر جاتا ہے اسی طرح پھانسی گلے میں لگا دینے سے سانس رُک کر آدمی مر جاتا ہے۔

۱۷: سورۂ آلِ عمران میں گزر چکا ہے کہ یوم المیثاق میں اللہ تعالیٰ نے سب انبیاء سے اور انبیاء نے اپنی امتوں سے یہ مضبوط عہد لیا ہے کہ ہر زمانہ میں اسی شریعت کے موافق عمل ہو گا جو شریعت اللہ تعالیٰ نے اپنی مرضی کے موافق ہر ایک زمانہ کے لئے ٹھہرائی ہے اور اس آخری زمانہ کی مصلحت کے موافق مرضی الٰہی یہی ہے کہ اس زمانہ میں جو شخص آخری شریعت شرع محمدیؐ کے موافق عمل کرے گا عقبیٰ میں اسی کو اجر ملے گا نہیں تو نہیں کیونکہ اجر اسی عمل پر مل سکتا ہے جو مرضی الٰہی کے موافق ہے، مرضی الٰہی کے برخلاف کام پر تو مواخذہ ہو گا، پھر ایسے کاموں پر اجر کہاں، حاصل کلام یہ ہے کہ اس عہد کی بنا پر اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس آخری زمانے میں موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو ان کو شرع محمدیؐ کی پیروی لازمی ہوتی یہ حدیث جابرؓ بن عبداللہ کی روایت[2] سے مسند امام احمد، شعب الایمان بیہقی، صحیح ابن حبان میں اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت[3] سے ابن ماجہ، مسند امام احمد میں ہے اور

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۲۱۰ ج ۳ [2] مشکوٰۃ ص ۳۰ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ [3] تنقیح الرواۃ ص ۴۲ ج ۱۔

يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۱۷﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ

فیصلہ کرے گا ان میں قیامت کے دن اللہ کے سامنے ہے ہر چیز تو نے نہ دیکھا کہ

اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ

اللہ کو سجدہ کرتا ہے جو کوئی آسمان میں ہے اور جو کوئی زمین میں ہے اور سورج اور چاند اور تارے

اس کی سند صحیح ہے، سورۂ آل عمران میں عہد کی آیتوں کی جو تفسیر ہے اس کو اس آیت کے ساتھ ملانے سے یہ مطلب ہوا کہ اس آخری زمانہ میں جو لوگ مرضی الٰہی کی شریعت کے پابند ہیں ان کا اور جو مرضی الٰہی کی شریعت کے منکر ہیں ان کا حال اللہ تعالیٰ کو سب معلوم ہے، قیامت کے دن ان سب کا فیصلہ ہو جاوے گا، جو شخص ایک حالت کو چھوڑ کر دوسری حالت کا پابند ہو جائے تو عربی زبان میں اس کو صابی کہتے ہیں، چنانچہ صحیح بخاری[1] میں ابوہریرہؓ کی روایت سے جو قصہ ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ ثمامہؓ بن اثال کے اسلام لانے کے بعد مشرکین مکہ ثمامہؓ کو صابی کہتے تھے، تمام اہل کتاب ابراہیم علیہ السلام کی نبوت کے قائل ہیں اور فرقہ صابئین ابراہیم علیہ السلام کی نبوت کا منکر ہے اس لئے اہل کتاب تو اس فرقہ کو یوں صابی کہتے ہیں کہ یہ فرقہ ملت ابراہیمی کو چھوڑ کر ایک نئی حالت کا پابند ہے اس فرقہ کے لوگ ادریس علیہ السلام کی نبوت کے قائل ہیں اس واسطے اس فرقہ کا شمار پارسی اور بت پرست لوگوں میں بھی نہیں ہے، یہ فرقہ ستارہ پرست ہے اور نجوم کا رواج اس فرقہ کے لوگوں میں بہت ہے یونانی لوگوں کی طرح یہ فرقہ بھی جسمانی حشر کا قائل نہیں ہے۔

۱۸:۔ سورۃ الرعد اور سورۃ النحل کی آیتوں کو اس آیت کے ساتھ ملانے سے حاصل مطلب یہ ہوا کہ آسمان کے سارے فرشتے زمین پر کے ایماندار جنات اور انسان خوشی سے اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتے ہیں اور ایماندار جنات اور انسان کی پرچھائیاں بھی اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتی ہیں اور یہ مشرک لوگ اپنے پیدا کرنے والے کی تعظیم کو چھوڑ کر خود تو پتھروں کی مورتوں کو سجدہ کرتے ہیں لیکن سایہ کے ڈھلنے کے وقت ان کی پرچھائیاں، پہاڑ، درخت اور جانوروں کی پرچھائیاں اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتی ہیں، معتبر سند سے مسند امام احمد، ترمذی، ابن ماجہ اور مستدرک حاکم کے حوالہ سے ابوذرؓ کی روایت سورۃ النحل میں گزر چکی[2] ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، آسمان پر کہیں چار انگل جگہ ایسی نہیں ہے جہاں ایک فرشتہ سجدہ میں نہ پڑا ہو، فرشتوں کے سجدہ کرنے کی یہ حدیث گویا تفسیر ہے، صحیح بخاری و مسلم وغیرہ میں چند صحابہؓ سے روایتیں[3] ہیں جن میں غروب کے وقت سورج کے سجدہ کرنے کا ذکر ہے، رفیع بن مہران ابوالعالیہ ثقہ تابعی کا قول ہے کہ سورج کی طرح چاند اور تارے بھی سجدہ کرتے ہیں۔ یہ ابوالعالیہ قدیم مفسروں میں سے ہیں تمام معتبر روایتی تفسیروں میں مفسروں نے تابعیوں کے صحیح قول کو تفسیر ٹھہرایا ہے اور یہ کہا ہے کہ ثقہ تابعی تفسیر کے باب میں جو کچھ کہتے ہیں وہ صحابہؓ سے سن کر کہتے ہیں کیونکہ ان کو معلوم ہے کہ عقلی تفسیر بڑے وبال کی بات ہے، صحیح مسلم کے حوالہ سے ابوذرؓ کی حدیث قدسی بھی کئی جگہ گزر چکی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تمام دنیا کے جنات اور انسان اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف ہو جاویں تو اس سے اللہ کی بادشاہت میں کچھ بڑھ نہ جاوے گا، اسی طرح یہ سب لوگ اللہ کی عبادت چھوڑ دیویں تو اس کی بادشاہت میں سے کچھ گھٹ نہ جاوے گا اس حدیث کو آیت کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ مشرک لوگ خوشی سے اللہ کو سجدہ نہیں کرتے تو اللہ کو اس کی کچھ پرواہ نہیں لیکن اللہ کی عظمت وہ ہے کہ جن چیزوں کا آیت میں ذکر ہے ان کے ساتھ مشرکوں کی پرچھائیاں بے اختیار اللہ کو سجدہ کرتی ہیں، صحیح سند سے ترمذی اور مسند امام احمد میں عبد اللہ

[1] باب وفد بنی حنیفہ وحدیث ثمامہ بن اثال [2] دیکھئے تفسیر ہذا ص ۳۳۵ ج ۳ [3] صحیح بخاری مع فتح الباری ص ۳۱۳ ج ۴

وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ ۭ وَكَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ ۭ وَ

اور پہاڑ اور درخت اور جانور اور بہت آدمی اور بہت ہیں کہ ان پر ٹھہر چکا عذاب اور

مَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَاۗءُ ۝۱۸ هٰذٰنِ خَصْمٰنِ

السجدة ۶

جس کو اللہ ذلیل کرتا ہے اسے کوئی نہیں عزت دینے والا اللہ کرتا ہے جو چاہے یہ دو مدعی ہیں

اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ ۡ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ ۭ يُصَبُّ مِنْ

جھگڑتے ہیں اپنے رب پر سو جو منکر ہوئے ان کے واسطے بیونتے ہیں کپڑے آگ کے ڈالتے ہیں

فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ ۝۱۹ يُصْهَرُ بِهٖ مَا فِيْ بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ ۝۲۰ وَلَهُمْ

ان کے سر پر جلتا پانی نچڑ جاتا ہے اس سے جو ان کے پیٹ میں ہے اور کھال بھی اور ان کے واسطے

بن عمروؓ بن العاص سے روایت[1] ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ایک دن اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں ہاتھوں میں دو کتابیں تھیں جن کی طرف آپ نے اشارہ کرکے صحابہؓ سے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کے علم غیب کے موافق ان دونوں کتابوں میں سے ایک میں تمام اہل جنت کے نام مع ولدیت اور دوسری میں تمام اہل دوزخ کے نام معہ ولدیت لکھے ہوئے ہیں اب ان کتابوں میں نہ کچھ بڑھ سکتا ہے نہ گھٹ سکتا ہے اس کے بعد اپنے دونوں ہاتھ جھٹکے، جس سے وہ دونوں کتابیں غائب ہوگئیں، اس حدیث سے آخری آیت کے ٹکڑے کا مطلب اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم غیب کے موافق جن لوگوں کی قسمت میں عقبیٰ کے عذاب کی ذلت لکھی جاچکی ہے ان کو کوئی عزت دینے والا نہیں اسی طرح اپنے علم غیب کے موافق اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے اس کے کسی کام کو کوئی روک نہیں سکتا، اس آیت کے آخر پر سجدہ تلاوت کرنا سنت ہے۔

۱۹۔۲۴۔ صحیحین ابوداؤد، مستدرک حاکم وغیرہ میں حضرت علیؓ اور ابوذرؓ کی روایت سے جو شانِ نزول اس آیت کی بیان کی گئی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ بدر کی لڑائی میں مشرکین مکہ میں سے جس وقت یہ تین شخص شیبہ بن ربیعہ اور شیبہ کا بھائی عتبہ اور عتبہ کا بیٹا ولید مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے صف جنگ سے باہر نکلے تو ایک انصاری جوان نے ان کا مقابلہ کرنا چاہا انہوں نے کہا کہ ہم تم لوگوں سے لڑنا پسند نہیں کرتے بلکہ ہم کو تو اپنے ہم قوم قریش کے لوگوں سے مقابلہ کرنے کا شوق ہے یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امیر حمزہؓ اور حضرت علیؓ اور عبیدہؓ بن حارث ان تینوں کو مشرکوں کے مقابلہ کے لئے بھیجا، ان ہی دو دو شخصوں کے مقابلہ کی شان میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ہے تفسیر ابن جریر وغیرہ میں اس آیت کی شانِ نزول یہ جو بیان کی گئی ہے کہ یہود اور مسلمانوں میں ایک دن جھگڑا[2] ہوا تھا۔ یہود نے اپنے دین کو اچھا بتلایا اور مسلمانوں نے اپنے دین کو اس پر یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ اس قول کا مقصد یہ ہے کہ اس قصہ پر بھی آیت کا مطلب صادق آتا ہے کیونکہ جس طرح اس مقابلہ میں ایک گروہ حق پر تھا اور دوسرا ناحق پر، اسی طرح اس جھگڑے کا حال ہے۔ غرض اصل شانِ نزول وہی ہے جو صحیحین کی روایت میں ہے کیونکہ ابوذرؓ اس شانِ نزول کو قسم کھا کر روایت کیا کرتے تھے۔

اب آگے ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اس مقابلہ کا نتیجہ ذکر فرمایا ہے کہ اس مقابلہ میں ناحق پر جو لوگ مارے گئے دنیا میں

[1] مشکوٰۃ: باب الایمان بالقدر [2] تفسیر ابن کثیر ص ۲۱۲ ج ۳ والدر المنثور ص ۳۴۸ ج ۴۔

مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيدٍ ﴿٢١﴾ كُلَّمَا أَرَادُوا أَنْ يَخْرُجُوا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ أُعِيدُوا فِيهَا

موگریاں ہیں لوہے کی جب چاہیں کہ نکل پڑیں اس سے گھٹنے کے مارے پھر ڈال دیئے اندر

وَذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ ﴿٢٢﴾ إِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

اور چکھتے رہو جلن کی مار اللہ داخل کرے گا ان کو جو یقین لائے اور کیں بھلائیاں

جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَلُؤْلُؤًا ۖ

باغوں میں بہتی ان کے نیچے نہریں گہنا پہناویں گے ان کو وہاں کنگن سونے کے اور موتی

وَلِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرِيرٌ ﴿٢٣﴾ وَهُدُوا إِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ ۚ وَهُدُوا

اور ان کی پوشاک ہے وہاں ریشم کی اور راہ پائی انہوں نے ستھری بات کی اور پائی

إِلَىٰ صِرَاطِ الْحَمِيدِ ﴿٢٤﴾

اس خوبیوں سراہے کی راہ۔

تو ان کی جان گئی اور عقبیٰ میں گلے ہوئے تانبے کے کپڑے ان کو پہنائے جاویں گے ان کے سر پر کھولتا ہوا پانی ڈالا جاوے گا جس سے بدن کی کھالیں اور پیٹ کی انتڑیاں جل کر گر پڑیں گی۔ بھاری بھاری ہتھوڑوں سے سر کچلا جاوے گا اسی طرح کے طرح طرح کے عذاب ہوں گے ان عذابوں سے گھبرا کر جب یہ لوگ دوزخ سے باہر بھاگنا چاہیں گے تو فرشتے پھر گھیر کر ان کو اندر کر دیویں گے اور کہیں گے جس عذاب کو تم جھٹلاتے تھے اب اس عذاب کا مزہ چکھو، اکثر متقدمین مفسروں سے روایت ہے کہ جس طرح پانی میں کوئی ڈوب کر اوپر کو آتا ہے اسی طرح آگ کی لپٹ میں دوزخی جب اوپر کو آویں گے یہ اس وقت کا حال ہے ورنہ خود ان کو بھاگنے کا موقع نہ ملے گا کیونکہ ان کے ہاتھ، پیر زنجیروں سے جکڑے ہوئے ہوں گے ان اہلِ دوزخ کے بعد اللہ تعالیٰ نے اہلِ جنت کا ذکر فرمایا ہے کہ طرح طرح کے ریشمی کپڑے کے خلعت ان کو ملیں گے، سونے اور موتیوں کے جڑاؤ کپڑے پہنائے جاویں گے، فرشتے ان کی شادمانی کی مبارک باد دیویں گے سوا اس کے جنت کی تفصیلی نعمتیں جو ہیں صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی روایت سے حدیث قدسی اس باب میں کئی جگہ گزر چکی ہے کہ وہ نعمتیں نہ کسی نے آنکھوں سے دیکھیں نہ کانوں سے سُنیں نہ ان کا خیال کسی کے دل میں گزر سکتا ہے، آخر کو فرمایا جنت کی یہ نعمتیں ان نیک لوگوں کو اس واسطے دی جاویں گی کہ دنیا میں یہ لوگ اللہ کی وحدانیت پر قائم رہ کر اللہ کی مرضی کے موافق کاموں میں لگے رہے الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ کا مطلب اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر قائم رہنے کا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اور انسان کی سب ضرورت کی چیزوں کو اس طرح پیدا کیا کہ اس میں کوئی اس کا شریک نہیں اس واسطے دنیا میں اس سے بڑھ کر کوئی ستھری بات نہیں کہ انسان خالص اللہ ہی کی ذات کو اپنا معبود قرار دیوے صِرَاطِ الْحَمِيدِ اس کا مطلب ہے کہ ان لوگوں نے اس اللہ تعالیٰ کا راستہ اختیار کیا جس کے سب کام تعریف کے قابل ہیں مسند امام احمد اور ابو داؤد میں براء بن العازب سے صحیح روایت[1] ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، قابل عذاب لوگوں کے مارنے کے لئے جو ہتھوڑے فرشتوں کو دیئے گئے ہیں اگر ان میں کا ایک ہتھوڑا پہاڑ پر مارا جاوے تو پہاڑ خاک در خاک ہو جاوے جن موگریوں اور ہتھوڑوں

[1] مشکوٰۃ ص ۲۵۔ باب اثبات عذاب القبر۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِي جَعَلْنَاهُ

جو لوگ منکر ہوئے اور روکتے ہیں اللہ کی راہ سے اور ادب والی مسجد سے جو ہم نے بنائی

لِلنَّاسِ سَوَاءً الْعَاكِفُ فِيهِ وَالْبَادِ ۚ وَمَن يُرِدْ فِيهِ بِإِلْحَادٍ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ

سب لوگوں کے واسطے برابر ہے اس میں لگا رہنے والا اور باہر کا اور جو اس میں چاہے ٹیڑھی راہ شرارت سے اسے ہم چکھاویں گے

کا ذکر آیتوں میں ہے ان کے بھاری پن کی تفسیر اس حدیث سے اچھی طرح سمجھ میں آجاتی ہے۔

۲۵ :۔ ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین مکہ کو یہ الزام دیا ہے کہ یہ مشرک لوگ اپنے آپ کو ملتِ ابراہیمی پر کہتے ہیں حالانکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب اللہ کے حکم سے کعبہ بنایا ہے تو اس لئے بنایا ہے کہ دُور دُور سے لوگ آویں اور اس میں خالص اللہ کی عبادت کریں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے صحیح قول کے موافق کعبہ کے بن جانے کے بعد مقامِ ابراہیم جس پتھر کا نام ہے اس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے لوگوں کے دل کعبہ کی طرف مائل ہو جانے کی غرض سے ایک اذان دی جس اذان کا مضمون یہ تھا کہ اے لوگو حج کرنے کو آؤ، اللہ کا گھر بن کر تیار ہو چکا ہے اس اذان کی تاثیر اللہ تعالیٰ نے ہر مسلمان کے دل میں ڈال دی ہے کہ قیامت تک جن ارواح نے اس اذان کے جواب میں لبیک کہا ہے وہ حج اور عمرہ کی نیت سے کعبہ کو آویں گے، صلح حدیبیہ کے وقت ان مشرکوں نے ملتِ ابراہیمی کے خلاف اور اس غرض کے خلاف جس غرض سے کعبہ بنایا ہے مسلمانوں کو تو عمرہ سے روکا اور خود اللہ کے گھر میں بُت پرستی پھیلاتے ہیں اور دوسروں کو بھی نیک راہ سے روک کر بُت پرستی کے راستہ سے لگاتے ہیں، پھر یہ لوگ اپنے آپ کو ملتِ ابراہیمی پر کیوں کر بتلاتے ہیں، اس بات میں سب علماء کا اتفاق ہے[۱] کہ مسجدِ حرام میں مسافر اور مکہ کے رہنے والے برابر ہیں کوئی کسی کو طواف نماز یا اور عبادت سے روک نہیں سکتا، ہاں تمام شہر مکہ کے حکم میں حضرت عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ یہ فرماتے ہیں کہ مسجد الحرام اور تمام مکہ کا ایک ہی حکم ہے باقی صحابہ کو اس میں اختلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ مسجد الحرام کے سوا مکہ میں جن لوگوں کے گھر ہیں ان کو اپنے گھروں کا اختیار ہے ان آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حرم کی حد کے اندر جو کوئی گناہ کا ارادہ بھی کرے تو اس پر اس سبب سے عذاب ہوگا کہ اس نے حرم کی بزرگی میں خلل ڈالنے کا ارادہ کیا، اسی واسطے بخاری وغیرہ میں ابوہریرہؓ کی حدیث[۲] میں یہ جو حکم ہے کہ نیکی فقط قصد کر لینے سے لکھ لی جاتی ہے اور بدی جب تک عمل نہ کر لیا جاوے فقط قصد سے نہیں لکھی جاتی، اس حدیث کا حکم حرم کی سرزمین کے سوا اور سرزمین کے لیے ہے، چنانچہ مسند امام احمد بن حنبل، تفسیر سدی اور تفسیر ابن ابی حاتم میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی صحیح روایت[۳] سے صراحت بھی آچکی ہے کہ سر حد حرم کے اندر گناہ کے ارادہ کی بھی پکڑ اور اس پر عذاب ہے مجاہد اور علمائے سلف کا مذہب ہے کہ حرم کی حد کے اندر جو شخص گناہ کرے گا اس پر دوگنا عذاب ہوگا، گناہ کا عذاب جدا اور حد حرم کی بزرگی میں خلل ڈالنے کا عذاب جدا، صلح حدیبیہ کے وقت مشرکین مکہ نے اللہ کے رسول اور ان کے ساتھ کے مسلمانوں کو عمرہ کے ارادہ سے روک کر مکہ کے اندر جو نہیں جانے دیا، اس کا پورا قصہ تو سورۂ انا فتحنا کی تفسیر میں آوے گا لیکن حاصل اس قصہ کا یہ ہے کہ ہجرت کے بعد ۶ھ میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے چودہ سو صحابہؓ کے ساتھ عمرہ کی نیت سے مکہ کا ارادہ کیا اور مشرکین نے راستہ کے ایک مقام پر جس کا نام حدیبیہ ہے آپ کو مع صحابہؓ کے روک کر مکہ کے اندر جانے سے منع کیا اس کے بعد چند

[۱] تفسیر ابن جریر ص ۱۴۴ ج ۱۷، و ابن کثیر ص ۲۱۶ ج ۳ [۲] فتح البیان ص ۱۶۰ ج ۳ [۳] صحیح بخاری باب قول اللہ تعالیٰ یریدون ان یبدلوا کلام اللہ من کتاب التوحید [۴] تفسیر ابن کثیر ۲۱۵ ج ۳۔

مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿٢٥﴾ وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ

ایک دکھ کی مار اور جب ٹھیک کر دیا ہم نے ابراہیم کو ٹھکانا اس گھر کا کہ شریک نہ کر میرے ساتھ

شَيْئًا وَّطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْقَآئِمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿٢٦﴾

کسی کو اور پاک رکھ میرا گھر طواف کرنے والوں کے واسطے اور کھڑے رہنے والوں کے اور رکوع و سجدہ کرنیوالوں کے۔

شرطوں پر دس برس تک کے لئے صلح ہوئی، ان شرطوں میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ صلح کی مدت تک قبیلہ خزاعہ مسلمانوں کے امن میں رہے اور قبیلہ بنی بکر مشرکین مکہ کے امن میں، صلح کے دو برس کے بعد قبیلہ خزاعہ اور بنی بکر میں لڑائی ہوئی اور مشرکین مکہ نے صلح کے برخلاف درپردہ قبیلہ بنی بکر کو مدد دی، مغازی ابن اسحاق[1] میں جو روایتیں ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لڑائی اور مدد حرم کی حد کے اندر بھی جاری رہی اور حرم کی عزت و حرمت کا بالکل کچھ پاس و لحاظ نہیں رکھا گیا، مسند بزار میں اس قصہ کی روایت جو ابوہریرہؓ سے ہے[2] اس کی سند بھی معتبر ہے، حاصل کلام یہ ہے کہ جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حال معلوم ہوا تو آپ نے مکہ پر چڑھائی کی اور اللہ کی مدد سے مکہ فتح ہو گیا صحیح بخاری کے حوالہ سے عبداللہ بن مسعودؓ کی اور صحیح مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی روایتیں کئی جگہ گزر چکی ہیں کہ فتح مکہ کے وقت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ کی لکڑی مار مار کر مشرکین مکہ کے بتوں کو زمین میں گرا دیا اور کسی مشرک کو ان بتوں کی حمایت کی جرأت نہ ہوئی، صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے انسؓ بن مالک کی یہ روایت بھی کئی جگہ گزر چکی ہے کہ بدر کی لڑائی میں مشرکین مکہ میں کے بڑے بڑے سرکش جو مارے گئے وہ مرتے ہی عذاب میں گرفتار ہو گئے، جس عذاب کے جتلانے کے لئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی لاشوں پر کھڑے ہو کر یہ فرمایا کہ اب تم لوگوں نے عذاب الٰہی کے وعدہ کو سچا پالیا، آیت میں یہ جو ذکر ہے کہ جو شخص حرم کی حد کے اندر شرارت سے ٹیڑھی راہ چلے گا، اس کو دردناک سزا کا مزہ چکھنا پڑے گا، ان روایتوں سے اس کا مطلب اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مشرکین مکہ نے اللہ کے رسول کو عمرہ سے روکنے کی حرم کی حد میں لڑائی اور شرک کا فساد پھیلانے کی صلح کی شرط پر قائم نہ رہنے کی جو شرارت کی اس کی سزا میں دنیا اور عقبیٰ کے عذاب کی وہ ذلت انہوں نے بھگتی جس کا ذکر اوپر کی آیتوں میں ہے۔

۲۶:۔ اس تفسیر میں یہ بات کئی جگہ جتلا دی گئی ہے کہ قرآن شریف میں پچھلے قصے فقط قصہ کے طور پر نہیں ذکر کئے جاتے بلکہ ان کے ذکر سے یہ مطلب ہوتا ہے کہ ان کو تاریخی ثبوت کے طور پر بیان کیا جا کر قرآن شریف کے نازل ہونے کے زمانے کا کوئی مطلب اس تاریخی شہادت سے ثابت کیا جاوے، چنانچہ مشرکین مکہ نے اللہ کے گھر میں بت پرستی کا شرک جو پھیلا رکھا تھا اوپر اس کا ذکر فرما کر ابراہیم علیہ السلام کے اس قصہ سے ان مشرکین کو یوں قائل کیا گیا ہے کہ اگرچہ کعبہ کے بنانے کے وقت سے ہی اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو یہ حکم دیا تھا کہ کعبے میں شرک نہ پھیلنے پاوے بلکہ خالص نیت سے طواف کرنے والوں اور نماز پڑھنے والوں کے لیے یہ جگہ خاص کر دی جاوے لیکن عمرو بن لحی کے زمانہ سے ان مشرکوں کے بڑوں نے اللہ کے اس حکم کی تعمیل چھوڑ دی اور یہ حال کے مشرک اپنے بڑوں کی رسم کے پابند ہیں اب اس شرک کے دفع کرنے کے ارادہ سے اللہ تعالیٰ نے نبی آخرالزمان کو پیدا کیا ہے اور وقت مقررہ پر اللہ کا یہ ارادہ ضرور پورا ہو گا، صحیح مسلم کے حوالہ سے جابر بن عبداللہ کی روایت[3] سورہ بقر میں گزر چکی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ فتح مکہ کے بعد اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شیطان جزیرہ عرب کی بت پرستی سے تو اب مایوس ہو گیا ہے ہاں جزیرہ عرب میں مسلمانوں کو آپس میں لڑانے کا اس کا

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۱۸۹ ج ۴ تفسیر سورہ فتح [2] فتح الباری ص ۳ ج ۴ باب غزوۃ الفتح [3] مشکوٰۃ ص ۱۹، باب فی الوسوسۃ۔

وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَىٰ كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِنْ كُلِّ

اور پکار دے لوگوں میں حج کے واسطے کہ آئیں تیری طرف پاؤں چلتے اور سوار ہو کر دبلے دبلے اونٹوں پر چلے آئے

فَجٍّ عَمِيقٍ ﴿٢٧﴾ لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ مَعْلُومَاتٍ عَلَىٰ

راہوں دور سے کہ پہنچیں اپنے بھلے کی جگہ پر اور پڑھیں اللہ کا نام کئی دنوں میں جو معلوم ہیں

مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ ۖ فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْبَائِسَ الْفَقِيرَ ﴿٢٨﴾ ثُمَّ

ذبح پر چوپایوں مواشی کے جو اُس نے دیئے ہیں ان کو سو کھاؤ اس میں سے اور کھلاؤ بُرے حال کے محتاج کو پھر چاہیئے

کام باقی رہ گیا ہے، نبی آخرالزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے پیدا اور رسُول ہونے سے جس قدر شرک مٹا اس کا مطلب جابرؓ بن عبداللہ کی اس حدیث سے اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے۔ طواف تین ہیں ایک تو مکہ میں داخل ہوتے ہی کیا جاتا ہے یہ طواف اگر جاتا رہے تو اس کی کچھ تاکید ہے نہ اس کا کچھ بدلہ دینا پڑتا ہے، دوسرا طواف عرفات سے پلٹنے، احرام کے کھولنے اور شیاطینوں کے کنکریاں مارنے کے بعد دسویں ذی الحجہ کو کیا جاتا ہے اس طواف کے بغیر مکہ سے سفر کرنا جائز نہیں ہے، تیسرا طواف مکہ کے چھوڑنے کے وقت ہے۔ یہ طواف اگر جاتا رہے تو اس قصور کے بدلے میں قربانی لازم آتی ہے مگر حیض والی عورت اس حکم سے مستثنیٰ ہے، چنانچہ صحیح بخاری، مسلم اور مسند امام احمد کی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی حدیث[1] میں اس کا ذکر تفصیل سے آیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر حیض والی عورت نے حیض کے آنے سے پہلے دسویں ذی الحجہ کا طواف عرفات سے آن کر کر لیا ہے تو پھر آخری طواف کے لئے اس کو مکہ میں ٹھہرنا ضروری نہیں ہے نہ اس پر کچھ فدیہ ہے، حج اور عمرہ کی باقی باتوں کی تفصیل سورۂ بقر میں گزر چکی ہے۔

۲۷-۲۹:۔ اوپر حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا یہ قول گزر چکا ہے کہ کعبہ کے تیار ہو جانے کے بعد مقامِ ابراہیم پر کھڑے ہو کر ابراہیم علیہ السلام نے یہ اذان دی کہ اے لوگو! حج کرنے کے لیئے آؤ، اللہ کا گھر تیار ہو گیا ہے اور اس اذان کی یہ تاثیر اللہ تعالیٰ نے اہلِ قبلہ کے دلوں میں ڈال دی کہ وہ حج اور عمرہ کی نیت سے قیامت تک کعبہ کو جاویں گے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی یہ روایت مصنف ابن ابی شیبہ، سنن بیہقی، تفسیر ابن المنذر، تفسیر ابن ابی حاتم، مستدرک[2] حاکم وغیرہ میں ہے اور حاکم نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے، اذان کے معنی جتلانے کے ہیں۔ نماز سے پہلی جو اذان دی جاتی ہے اس سے نماز کا وقت جتلایا جاتا ہے اس لیئے اس کو بھی اذان کہتے ہیں جس طرح اللہ کے حکم سے ابراہیم علیہ السلام نے حج کی فرضیت لوگوں کو جتلائی، اسی طرح حجۃ الوداع کے خطبہ میں خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی حج کی فرضیت لوگوں کو جتلائی ہے جس کا ذکر مسلم کی ابوہریرہؓ کی روایت[3] میں ہے، دبلے اونٹوں کے ذکر کا مطلب ایسے دور مقامات سے حج کو آنے کا ہے جس سفر کی تکلیف سے ان حج کو آنے والوں کے سواری کے اونٹ دُبلے ہو گئے، ترمذی میں عبداللہ بن عمرؓ سے روایت[4] ہے جس میں اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، حج آدمی پر جب ہی فرض ہوتا ہے کہ اس کے پاس مکہ تک کے سفر کا کھانے اور سواری کے انتظام کا خرچ ہو، ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے اس حدیث کی سند میں ایک راوی ابراہیم بن یزید خوزی کو ابن معین، نسائی وغیرہ نے اگرچہ ضعیف قرار دیا ہے لیکن ابن عدی نے ابراہیم کو معتبر ٹھہرایا ہے، سنہ تین سو کے جرجان

[1] صحیح بخاری مع فتح الباری ص ۱۰۷ ج ۲ باب اذا حاضت المرأۃ بعدما افاضت [2] تفسیر الدر المنثور ص ۳۵۴ ج ۴ [3] مشکوٰۃ کتاب المناسک بحوالہ مسلم [4] جامع ترمذی ص ۱۰۰ ج ۱۔ طبع مجتبائی دہلی۔

لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ ﴿٢٩﴾ ذٰلِكَ

کو بیڑیں اپنا میل کچیل اور پوری کریں اپنی منتیں اور طواف کریں اس قدیم گھر کا۔ یہ سن چکے

وَمَنْ يُعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۗ وَاُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ اِلَّا

اور جو کوئی بڑائی رکھے اللہ کے ادب کی سو وہ بہتر ہے اس کو اپنے رب کے پاس اور حلال ہیں تم کو چوپائے مگر

مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ﴿٣٠﴾

جو تم کو سناتے ہیں سو بچتے رہو بتوں کی گندگی سے اور بچتے رہو جھوٹی بات سے۔

کے علماء میں یہ عبداللہ بن عدی مشہور اور ثقہ عالم ہیں، راویوں کے ثقہ اور ضعیف ہونے کے باب میں ان کے قول کا بڑا اعتبار ہے اس مضمون کی ایک روایت دارقطنی اور مستدرک حاکم میں انسؓ بن مالک سے بھی ہے جس کو حاکم نے صحیح قرار دیا ہے ان روایتوں کے موافق اکثر علماء کا مذہب وہی ہے جو شاہ صاحب نے اپنے فائدے میں بیان کیا ہے کہ حج کے فرض ہونے کے لئے سواری کا خرچ ضروری ہے، فقط امام مالک رحمہ اللہ یہ کہتے ہیں کہ جس شخص کو پیدل چلنے کی عادت ہو اس پر بغیر سواری کے خرچ کے حج فرض ہو جاتا ہے، ترمذی[1] میں ابوہریرہؓ کی صحیح روایت ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص پرہیزگاری سے حج کا فرض ادا کرے تو اس کے پچھلے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں، صحیح بخاری کے حوالہ سے حضرت عبداللہؓ بن عباس کی روایت سورہ بقرہ میں گزر چکی ہے[2] کہ حج کے سفر میں تجارت جائز ہے یہ حدیثیں مَنَافِعَ لَهُمْ کی گویا تفسیر ہیں جن سے دین و دنیا کے جو فائدے حج میں ہیں ان کا مطلب اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے، قربانی کے دنوں میں جانوروں کے ذبح کے وقت اللہ کا نام جو لیا جاتا ہے آگے اس کا ذکر فرمایا، مشرکین مکہ قربانی کے گوشت میں سے خود نہیں کھاتے تھے اس لئے فرمایا کہ قربانی کے گوشت میں سے خود کھانا اور محتاجوں فقیروں کو دینا سب کچھ جائز ہے ہاں حج کے دنوں کے کسی قصور کی سزا میں جو قربانی کی جاتی ہے وہ سب گوشت محتاجوں کو دے دیا جاوے کیونکہ وہ گوشت قربانی والا شخص نہیں کھا سکتا، عرفات سے پلٹنے کے بعد حجامت جو بنوائی جاتی ہے کپڑے پہنے جاتے ہیں دسویں ذی الحجہ کا طواف منیٰ سے آن کر کیا جاتا ہے حج کے دنوں کی کوئی منت ہو تو وہ پوری کی جاتی ہے آخری آیت میں ان سب باتوں کا ذکر فرمایا، سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے کہ کعبہ پہلے آدم علیہ السلام نے بنایا، پھر شیث علیہ السلام نے، پھر ابراہیم علیہ السلام نے، حاصل یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے کعبہ بنانے کے ذکر میں کعبہ کو قدیم گھر اس لئے فرمایا کہ کعبہ کی عمارت کا ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ سے پہلے کا ہونا اور اس پہلی بنا پر ابراہیم علیہ السلام کا کعبہ کو بنانا اچھی طرح سمجھ میں آجاوے۔

۳۰-۳۱: کعبہ کی تعظیم اور حج کی باتوں میں سے چند باتوں کا ذکر فرما کر فرمایا یہ باتیں جو لوگ سن چکے یہ اللہ کی بتلائی ہوئی ادب کی باتیں ہیں ان میں سے مناہی کی باتوں سے جو شخص باز رہے گا اور جن باتوں کے کرنے کا حکم ہے ان کو بجا لاوے گا تو اسی شخص کے حق میں یہ فرمانبرداری بہتر ہے کہ اس کو اس فرمانبرداری کا بدلہ ملے گا ورنہ اللہ کی بادشاہت تو ایسی بے پرواہ بادشاہت ہے کہ اس کو کسی کی نیکی بدی کی کچھ پرواہ نہیں ہے، صحیح مسلم کے حوالہ سے ابوذرؓ کی روایت سے حدیث قدسی کئی جگہ گزر چکی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تمام دنیا کے جنات اور انسان نیک ہو جاویں تو اس سے اللہ کی بادشاہت میں کچھ بڑھ نہ جاوے گا اور اگر یہ سب بد ہو جاویں تو اللہ تعالیٰ

[1] ص ۱۰۰ ج ۱ باب ثواب الحج [2] ص ۱۵۹ جلد اول [3] تنقیح الرواۃ ص ۱۱۳ ج ۲

حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ

ایک اللہ کی طرف ہوکر نہ اس کے ساتھ ساجھی بنا کر اور جس نے شریک بنایا اللہ کا سو جیسے گر پڑا آسمان سے

فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ ﴿۳۱﴾ ذٰلِكَ ۗ وَمَنْ يُّعَظِّمْ

پھر اچکتے ہیں اس کو اڑتے جانور یا لے ڈالا اس کو باؤنے کسی دور مکان میں یہ سن چکے اور جو کوئی ادب رکھے

کی بادشاہت میں سے کچھ گھٹ نہ جاوے گا، اس حدیث سے فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ کا مطلب اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ نیک کام کرنے کا حکم لوگوں کی بھلائی کے لئے دیا جاتا ہے، ورنہ اللہ کی بادشاہت میں کسی کی نیکی کی کچھ پرواہ نہیں، صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت سے یہ حدیث قدسی بھی گزر چکی ہے کہ ہر ایک نیکی کا بدلہ دس گنے اجر سے لے کر سات سو تک اور بعضی نیکیوں کا بدلہ اس سے بھی زیادہ دیا جاوے گا۔ نیک کام کرنے میں جو نیک لوگوں کی بھلائی اور بہتری ہے اس کا مطلب اس حدیث سے اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے، سورۃ المائدہ میں گزر چکا ہے کہ مشرکین مکہ بہت سے جانوروں کو بتوں کے نام ٹھہرا کر ان جانوروں کے گوشت کا کھانا حرام سمجھتے تھے اسی واسطے آگے فرمایا، سوائے ان جانوروں کے جن کی تفصیل ان لوگوں کو سورۃ المائدہ کی آیت حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ میں سمجھا دی گئی ہے اور چوپائے اللہ تعالیٰ نے انسان پر حلال کر دیئے ہیں، ان کے بڑوں میں سے قوم خزاعہ کے سردار ایک شخص عمرو بن لحی نے بت پرستی کی اور بتوں کے نام جانوروں کے حرام ٹھہرانے کی رسم ان لوگوں میں جو پھیلائی ہے اس کو اللہ کا حکم ٹھہرانا بالکل جھوٹ ہے ان لوگوں کو بت پرستی کی گندگی اور اس جھوٹ سے باز آنا اور خالص اللہ کی عبادت میں لگے رہنا چاہیئے کیونکہ عمرو بن لحی کے بہکانے سے جن نیک لوگوں کے نام کی مورتوں کی یہ مشرک لوگ پوجا کرتے ہیں، قیامت کے دن وہ نیک لوگ تو ان لوگوں کی صورت سے بیزار ہو جاویں گے اور ان مشرکوں کو ذلیل کرنے کے لئے ان کے بتوں کو دوزخ کا ایندھن بنا دیا جاوے گا، اس لئے ان مشرکوں کی مثال ایسی ہے جس طرح کوئی شخص آسمان پر سے گر پڑے اور زمین پر اس کے پہنچنے تک یا تو پرند جانور اس کی بوٹیاں نوچ کر کھا جاویں یا ہوا کے جھونکوں سے وہ کہیں ایسی دور جگہ جا پڑے جہاں اسی کی ہڈیوں تک کا بھی کچھ ٹھکانا نہ لگے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ جس طرح آسمان پر سے گرنے والے شخص کی کوئی صورت راحت کی نہیں ہے، قیامت کے دن یہی حال مشرکوں کا ہوگا، صحیح بخاری، مسند امام احمد وغیرہ کے حوالہ سے سورۃ المائدہ میں روایتیں گزر چکی ہیں[۱] کہ بت پرستی اور بتوں کے نام جانوروں کو حرام ٹھہرانے کی رسم قریش خزاعہ میں قبیلہ کے سردار عمرو بن لحی نے پھیلائی اور اس رسم کے پھیلانے سے پہلے پہل اسی شخص نے ملت ابراہیمی کو بگاڑا۔

۳۲-۳۳: صحیح بخاری و مسلم میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، رمضان کے مہینے میں عمرہ حج کے ثواب کے برابر ہے، ترمذی میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی یہ صحیح روایت میں[۲] ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے رجب میں عمرہ ادا کیا۔ بیہقی میں حضرت علیؓ کی صحیح روایت[۳] میں ہے کہ عمرہ کا احرام ہر ایک مہینے میں جائز ہے۔ بخاری میں بغیر سند کے معلق طور پر اور صحیح ابن خزیمہ، مستدرک حاکم وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مع سند کے روایت ہے،

---

[۱] دیکھئے ص ۱۰۱-۱۰۲ ج ۲ تفسیر ہذا [۲] مشکوٰۃ، کتاب المناسک [۳] منتقی مع نیل الاوطار ص ۳ ج ۵۔ [۴] منتقی مع نیل الاوطار ص ۳۱ ج ۵۔

شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ﴿۳۲﴾ لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ اِلٰۤى اَجَلٍ

اللہ کے نام لگی چیزوں کا سو وُہ دل کی پرہیزگاری سے ہے۔ تم کو چوپایوں میں فائدے ہیں ایک ٹھہرے

مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَاۤ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿۳۳﴾

وعدے تک پھر ان کو پہنچنا اس قدیم گھر تک۔

جس میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں[1]، اللہ کے رسُول کی سنت یہی ہے کہ حج کا احرام حج کے مہینوں میں باندھا جاوے، بخاری میں معلق طور پر اور دارقطنی وغیرہ میں مع سند کے عبداللہ بن عمرؓ سے جو روایت[2] ہے اس میں ہے کہ حج کے مہینے شوال سے لے کر ذی الحجہ کی دسویں تک ہیں، صحیح مسلم میں جابرؓ بن عبداللہؓ سے روایت ہے جس میں[3] جابرؓ فرماتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو حج اور عمرہ کی قربانی کے اونٹ اور گائے میں ہم سات آدمی شریک ہو جاتے تھے شعائر شعیرۃ کی جمع ہے جس کے معنی نشانی کے ہیں، احرام کے مہینوں میں حج کے احرام کے وقت یا کسی اور مہینہ میں عمرہ کے احرام کے وقت قربانی کی مقررہ مقدار سے زیادہ کعبہ کے چڑھانے کی نیت سے منیٰ میں ذبح کرنے کے لئے جو جانور ساتھ لے جاتے ہیں، سورۃ المائدہ میں اور اس آیت میں ان کو شَعَآئِرَ اللّٰهِ فرمایا جس کا مطلب ہے کہ احرام کے بعد ان جانوروں کو ساتھ رکھنا نشانی کے لئے ان کے گلے میں پٹہ کا ڈال دینا، سفر حج یا عمرہ میں بلاضرورت اونٹ پر سواری نہ کرنا، اسی طرح ان جانوروں میں اگر اونٹنی ہو تو بلاضرورت اس کا دُودھ نہ پینا، یہ سب اللہ کی تعظیم کی نشانیاں ہیں اور یہ تعظیم آدمی کی دلی پرہیزگاری کی علامت ہے، کعبہ کی نیاز کی نیت سے جب تک ان جانوروں کو اللہ کے نام کے جانور نہ ٹھہرایا جاوے اس وقت تک اونٹ پر سواری کرنا، اونٹنی کا دُودھ پینا جائز ہے اسی کو فرمایا کہ ان چوپایوں میں ٹھہرے وعدہ تک فائدے ہیں، پھر ٹھہرا ہُوا وعدہ آنے کے بعد اللہ کے نام پر ان جانوروں کی قربانی ہو گی حج کے وقت ٹھہرا ہُوا وعدہ عرفات سے پلٹ کر منیٰ میں آجانا ہے اور عمرہ کے وقت عرفات کا جانا نہیں ہے اس لئے عمرہ کے وقت ان جانوروں کا منیٰ میں پہنچ جانا یہی ٹھہرا ہُوا وعدہ ہے۔ صلح حدیبیہ کے قصہ کی صحیح بخاری وغیرہ میں جو[4] روایتیں ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ جب مشرکین مکہ نے اللہ کے رسُول کو مکہ کے اندر جانے سے روکا تو آپؐ نے نیاز کے جانوروں کی قربانی حدیبیہ کے مقام پر ہی کر دی۔ شاہ صاحب نے اپنے فائدہ میں جو یہ لکھا ہے کہ نیاز کے جانوروں کو مکہ تک پہنچانے میں دشواری ہو تو اللہ کا نام لے کر جہاں ان جانوروں کو ذبح کیا جاوے گا وہیں نیاز پوری ہو جائے گی، اس سے شاہ صاحب نے اسی حدیبیہ کے قصہ کے مطلب کو ادا کیا ہے، حج یا عمرہ کے سفر میں ایسے جانوروں پر ضرورت کے وقت سواری کا کرنا جائز ہے، چنانچہ صحیح بخاری ومسلم کی انسؓ بن مالک کی روایت[5] میں اس کا ذکر تفصیل سے ہے یہ بھی جائز ہے کہ اگر آدمی مکہ کو خود نہ جاوے، تو دُوسرے شخص کی معرفت نیاز کے جانور قربانی کے لئے منیٰ کو بھیج دے، اس صورت میں جانور بھیجنے والے شخص کی حالت احرام کی نہیں ہے اس لئے احرام کی حالت میں جن چیزوں کی مناہی کا حکم ہے وُہ حکم اس شخص سے متعلق نہیں ہے، صحیح بخاری ومسلم کی حضرت عائشہؓ کی روایت[6] میں اس صورت کا ذکر تفصیل سے آیا ہے۔

---

[1] صحیح بخاری مع فتح الباری باب قول اللہ تعالیٰ الحج اشہر معلومات [2] ایضاً [3] مشکوٰۃ ص ۲۱۷ باب فی الاضحیۃ وص ۲۳۱ باب الہدی [4] صحیح بخاری ص ۲۲۹ ج ۱ [5] مشکوٰۃ باب الہدی ص ۲۳۱۔

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم مِّن بَهِيمَةِ

اور ہر فرقے کو ہم نے ٹھہرا دی ہے قربانی کہ یاد کریں اللہ کا نام چوپاؤں کے ذبح پر جو اُن کو

الْأَنْعَامِ ۗ فَإِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ فَلَهُ أَسْلِمُوا ۗ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِينَ ﴿٣٤﴾ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ

دیئے سو اللہ تمہارا اللہ ایک ہے سو اسی کے حکم پر رہو اور خوشی سُنا عاجزی کرنے والوں کو وُہ کہ جب نام لیجئے

اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَالصَّابِرِينَ عَلَىٰ مَا أَصَابَهُمْ وَالْمُقِيمِي الصَّلَاةِ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ

اللہ کا ڈر جاویں ان کے دل اور سہنے والے جو ان پر پڑے اور کھڑی رکھنے والے نماز کے اور ہمارا دیا

يُنفِقُونَ ﴿٣٥﴾ وَالْبُدْنَ جَعَلْنَاهَا لَكُم مِّن شَعَائِرِ اللَّهِ لَكُمْ فِيهَا خَيْرٌ ۖ فَاذْكُرُوا اسْمَ

خرچ کرتے ہیں اور کعبہ کے چڑھانے کے اونٹ ٹھہرائی ہے ہم نے تمہارے لئے نشانی اللہ کے نام کی تمہارا اس میں بھلا ہے سو پڑھو ان پر نام

٣٤-٣٥ :- اوپر قربانی کا ذکر فرما کر ان آیتوں میں فرمایا اللہ کے نام پر جانوروں کو ذبح کرنے کا حکم کچھ اس امت کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ اور دیندار امتوں میں بھی خدا کا یہی حکم تھا تاکہ لوگ اللہ کے دیئے ہوئے جانوروں میں سے اس کے نام پر قربانی کریں اور عقبیٰ کا اجر کمائیں، مشرکین مکہ بتوں کے نام پر جانوروں کو ذبح کرتے اور طرح طرح کے شرک میں گرفتار تھے اس لئے فرمایا جس نے ان لوگوں کو ان کی سب ضرورت کی چیزوں کو اس طرح پیدا کیا کہ اس میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے تو انسان پر ہر طرح سے اس کی فرمانبرداری واجب ہے، اس کی فرمانبرداری میں کسی دُوسرے کو شریک کرنا بڑے وبال کی بات ہے پھر فرمایا اے رسُول اللہ کے اگر یہ مشرک لوگ قرآن کی نصیحت کو نہ مانیں تو تم فقط ان لوگوں کو عقبیٰ کی بہبودی کی خوشخبری سُنا دو جو اللہ سے ڈرتے ہیں اور مشرک ان کو ستاتے ہیں تو اس پر اور ہر طرح کی تکلیف پر صبر کرتے ہیں اور نماز کے پابند رہ کر قربانی اور سوائے قربانی کے سب صدقہ خیرات خاص اللہ ہی کے نام پر کرتے ہیں۔ مشرکین مکہ کے ستانے کے سبب اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کی سکونت کو چھوڑ کر مدینہ کی سکونت جو اختیار کی، اسی کو ہجرت اور ہجرت کرنے والوں کو مہاجر کہتے ہیں۔ فتح مکہ سے پہلے یہ حکم تھا کہ ہر مسلمان مکہ کو چھوڑ کر دین اسلام کے کاموں میں مدد دینے کے لئے اللہ کے رسُول کی خدمت میں حاضر ہو، اس ہجرت پر بہت بڑے اجر کا وعدہ جگہ جگہ قرآن شریف میں اگرچہ آیا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اجر کا مدار آدمی کی نیت پر ہے، اسی واسطے صحیح بخاری و مسلم کی حضرت عمرؓ کی حدیث[1] میں اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، سوائے دین کی مدد کے اور کسی نیت سے جو شخص ہجرت کرے گا تو اگرچہ ظاہر میں وُہ شخص مہاجر کہلاوے لیکن عقبیٰ میں ایسے شخص کو ہجرت کا کچھ اجر نہ ملے گا، اس حدیث سے لِيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم کا مطلب اسی طرح سمجھ میں آجاتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص ذبح سے پہلے سوائے اللہ کے کسی اور شخص کی تعظیم کی نیت سے جانور کو خریدے یا پالے گا اور ذبح کے وقت بطور عادت کے اللہ کا نام لے گا تو عقبیٰ کے اجر کے حساب سے ایسے شخص کا اللہ کا نام لینا اسی طرح بے کار ہے جس طرح ظاہری ہجرت کے بے کار ہونے کا ذکر حدیث میں ہے۔

٣٦ :- وَالْبُدْنَ بدنہ کی جمع ہے، بدنہ موٹی چیز کو کہتے ہیں، زیادہ ثواب کی نیت سے نیاز کے اونٹوں اور گایوں کو لوگ یا تو پال کر خوب موٹا کرتے تھے، یا نیاز کی نیت سے جو اونٹ یا گائے خرید کرتے تو موٹا دیکھ کر خرید کرتے۔ انہیں فربہ جانوروں کو وَالْبُدْنَ

[1] مشکوٰۃ شریف کی پہلی حدیث۔

اللہ علیھا صوآف فاذا وجبت جنوبھا فکلوا منھا واطعموا القانع و
اللہ کا قطار باندھ کر پھر جب گر پڑے ان کی کروٹ سو کھاؤ اس میں سے اور کھلاؤ صبر سے بیٹھے کو اور
المعتر کذلک سخرنھا لکم لعلکم تشکرون ۳۶ لن ینال اللہ لحومھا ولا دمآؤھا
بے قراری کرنے کو اسی طرح تمہارے بس میں دیئے ہم نے وہ جانور شاید تم احسان مانو اللہ کو نہیں پہنچتے ان کے گوشت نہ لہو

فرمایا، صحیح بخاری و مسلم میں جابرؓ بن عبداللہ سے روایت[1] ہے جس میں بُدن اونٹ اور گائے دونوں کو ٹھہرایا ہے، ہاں صحیح بخاری و مسلم میں بکری کو نیاز کا جانور ٹھہرانے کا ذکر حضرت عائشہؓ کی روایت[2] سے جو آیا ہے اس میں علماء کا اختلاف ہے جس کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں ہے، مطلب یہ ہے کہ نیاز کے فربہ جانوروں کو حج یا عمرہ کے سفر میں ساتھ رکھنا اور نیاز کعبہ کی پہچان کے لئے ان کے گلوں میں پٹہ کا ڈالنا اللہ کی تعظیم کی نشانی ہے اور قربانی سے پہلے ضرورت کے وقت سواری اور دُودھ کا اور قربانی کے بعد عقبیٰ کے اجر کا تمہیں ان جانوروں سے نفع ہے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے قول کے موافق صواف کے یہ معنی ہیں کہ ہر ایک اونٹ کا ایک پاؤں باندھ کر تین پاؤں کی قطار پر انہیں روبقبلہ کھڑا کر دیا جاوے اور بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ان کی چھاتی میں زخم لگایا جاوے اس زخم کے سبب سے جب وُہ زمین پر گر پڑیں تو آگے کے حکم کے موافق ان کا گوشت قربانی کرنے والا شخص خود بھی کھاوے نہ مانگنے والے اور مانگنے والے محتاجوں کو بھی دیوے، آخر کو فرمایا، اللہ تعالیٰ نے ان چوپایوں کو تمہارے بس میں کر دیا ہے تاکہ اس کے شکریہ میں تم خالص دل سے اللہ کے نام کی قربانی کرو اور اس کے نام کی قربانی میں کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔

۳۷-۳۸: تفسیر ابن منذر میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت[3] سے جو شان نزول اس آیت کی بیان کی گئی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ حج کے وقت مشرک لوگ جو قربانی کرتے تھے تو ذرا سا خون اللہ کے نام کا کعبہ کو لگا دیتے تھے، اسلام کے بعد مسلمانوں نے بھی اس رسم کو جاری کرنا چاہا، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور مسلمانوں کو اس رسم سے منع فرمایا اور فرما دیا کہ جو چیز تم اللہ کے نام پر دیتے ہو، اس چیز کی اللہ کو پرواہ نہیں ہے، خود تم اور جو چیز تم اللہ کے نام پر دیتے ہو، سب کچھ اللہ کا پیدا کیا ہوا ہے صدقہ خیرات کا حکم شریعت میں اللہ تعالیٰ نے اس واسطے دیا ہے کہ صدقہ دینے والے کا دل اللہ آزما دے کہ کہاں تک اس کے دل میں پرہیزگاری کا اثر ہے، اس تفسیر[4] میں ایک جگہ یہ جتلا دیا گیا ہے کہ تفسیر ابن المنذر قدیمی اور معتبر تفسیروں میں ہے، صحیح مسلم میں ابوہریرہؓ سے روایت[5] ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، خدا تعالیٰ لوگوں کی صورت شکل اور ان کے مال متاع پر نظر نہیں ڈالتا بلکہ خدا کی نظر لوگوں کے دل اور ان کے اعمال پر پڑتی ہے کہ لوگوں کے دلوں میں آخرت کا یقین، اللہ تعالیٰ کی محبت، ریا اور دکھاوے سے بچاؤ کہاں تک ہے اور ان کے اعمال حکم شریعت کے موافق کہاں تک صحیح اور بدعت کے اثر سے کہاں تک پاک صاف ہیں، ایک شخص بڑے سے بڑا کوئی نیک کام کرے اور اس کے دل میں یہ باتیں ایمان کی مضبوطی کی کم ہوں جن کا ذکر اوپر کی حدیث میں گزرا تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں اس کے برابر ہرگز نہیں ہو سکتا، جو شخص چھوٹا سا کوئی کام نیک نیتی اور مضبوطی ایمان سے کرے، چنانچہ صحیحین میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت[6] سے یہ حدیث

---

[1] مشکوٰۃ باب الہدی ص ۲۳۱ [2] ایضاً مشکوٰۃ [3] تفسیر الدر المنثور ص ۳۶۳ ج ۴ [4] تفسیر ابن کثیر ص ۲۲۴ ج ۳۔
[5] مشکوٰۃ کتاب اسماء اللہ تعالیٰ

وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ؕ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ ؕ وَبَشِّرِ

لیکن اس کو پہنچتا ہے تمہارے دل کا ادب اسی طرح ان کو بس میں دیا تمہارے کہ اللہ کی بڑائی پڑھو اس پر کہ راہ سوجھائی اور خوشی سنا

الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٣٧﴾ اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ ﴿٣٨﴾

نیکی والوں کو اللہ دشمنوں کو ہٹا دے گا ایمان والوں سے اللہ کو خوش نہیں آتا کوئی دغا باز ناشکر۔

قدسی جو ہے کہ نیکی کا اجر دس سے سات سو تک اور کبھی اس سے بھی زیادہ ہوتا ہے، اس کی شرح خود صاحب وحی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحیحین میں ابوہریرہؓ کی روایت[1] میں یہ فرمائی ہے کہ جس قدر ایمان واسلام اچھا اور مضبوط ہوتا ہے اسی قدر نیکی کا اجر بڑھتا ہے اب ترمذی اور ابن ماجہ میں حضرت عائشہ کی یہ جو حدیث[2] ہے کہ جو چیز خیرات کی جاوے تو محتاج کے ہاتھ میں وہ چیز پیچھے جاتی ہے پہلے اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں وہ چیز چلی جاتی ہے اور قربانی کا خون زمین پر پیچھے گرتا ہے، پہلے اللہ تعالیٰ کے روبرو وہ خون چلا جاتا ہے، اس کے معنی بھی حل ہوگئے کہ نیک کام سے پہلے جس طرح کی نیت کام کرنے والے کی ہوتی ہے، اس نیت کے موافق پہلے ہی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ثواب اور اجر قرار پا جاتا ہے، پھر پیچھے وہ کام ظہور میں آتا ہے، کس لئے کہ قصد اور نیت ہر کام سے مقدم ہے اور خدا تعالیٰ کی جناب میں نیت پر اجر کی مقدار ہے، یہ بھی معلوم ہوگیا کہ جس کام کی اجازت شریعت میں نہ ہو وہ کام اللہ کو پسند نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خلاف ملتِ ابراہیمی کعبہ کو خون لگانے کی رسم کو پسند نہیں فرمایا، سبب اس کا یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ تو اپنی فرمانبرداری کو اپنے بندوں سے چاہتا ہے اور فرمانبرداری حکم کی تعمیل سے ہوتی ہے، جس چیز کا اللہ تعالیٰ نے حکم ہی نہیں دیا، اس کے کرنے میں فرمانبرداری کہاں ہے، الٹی نافرمانی ہے، بدعتی لوگوں کو ذرا اس مطلب پر غور کرنا چاہیئے، چوپایوں کے انسان کے بس میں کر دینا، یہ اللہ تعالیٰ کی ایک بڑی نعمت ہے، مشرکین مکہ بڑے ناشکر تھے کہ اللہ تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے جانوروں کو بتوں کے نام پر ذبح کرتے تھے، اس سے اوپر کی آیت میں اس نعمت کا ذکر فرما کر تاکید کے طور پر ان آیتوں میں پھر اس کا ذکر فرمایا، صحیح بخاری[3] ومسلم میں انسؓ بن مالک سے روایت[3] ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جانوروں کے ذبح کے وقت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ کہا کرتے تھے، یہ حدیث لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ کی گویا تفسیر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جس طرح اللہ نے اپنے رسول کی معرفت ہدایت کی ہے، جانوروں کے ذبح کے وقت اس کے موافق اللہ کی بڑائی خالص دل سے کیا کرو کہ اس نے اپنی کبریائی سے چوپایوں کو تمہارے بس میں کر دیا، صحیح بخاری، نسائی، ابن ماجہ میں حضرت عائشہ سے روایت[4] ہے کہ بعضے ایسے نومسلم لوگ صحابہؓ کو تحفہ کے طور پر گوشت بھیجا کرتے تھے کہ ذبح کے وقت ان لوگوں کے بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ کہنے میں شبہ باقی رہتا تھا، جب یہ ذکر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو آیا تو آپؐ نے فرمایا ایسے گوشت کے کھاتے وقت بِسْمِ اللّٰهِ کہہ لی جاوے، کھانے کے وقت کی سنت بِسْمِ اللّٰهِ کو ذبح کے وقت کی بِسْمِ اللّٰهِ کا قائم مقام جو اس حدیث میں ٹھہرایا گیا ہے، اس سے علماء نے یہ بات نکالی ہے کہ ذبح کے وقت بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ کہنا سنت ہے، زیادہ تفصیل اس کی فقہ کی کتابوں میں ہے جس طرح احسان کے معنی کسی کے ساتھ نیکی اور بھلائی سے پیش آنے کے ہیں، اسی طرح اس کے معنی خالص دل کے حسنِ عمل کے بھی ہیں، چنانچہ صحیح بخاری ومسلم میں ابوہریرہؓ

[1] مشکوٰۃ ص ۱۶ کتاب الایمان [2] تفسیر ابن کثیر ص ۲۲۴ ج ۳ و مشکوٰۃ ص ۱۲۸ باب فی الاضحیۃ [3] صحیح بخاری ص ۸۳۴ ج ۲
[4] صحیح بخاری ص ۸۸۸ ج ۲۔

أُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰي نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُۨ ﴿۳۹﴾ الَّذِيْنَ

حکم ہوا ان کو جن سے لوگ لڑتے ہیں کہ ان پر ظلم ہوا اور اللہ ان کی مدد کرنے پر قادر ہے وُہ جن کو

اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ۭ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ

نکالا ان کے گھروں سے اور کچھ دعوٰی نہیں سوائے اس کے کہ وُہ کہتے ہیں ہمارا رب اللہ ہے اور اگر نہ ہٹایا کرتا اللہ لوگوں کو

بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا

ایک کو ایک سے تو ڈھائے جاتے تکیئے اور مدرسے اور عبادت خانے اور مسجدیں جن میں نام پڑھا

سے اور فقط مسلم میں حضرت عمرؓ سے جو روایتیں ہیں ان میں اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم نے احسان کے معنی یہ فرمائے کہ آدمی نیک کام کرتے وقت یہ جانے کہ وُہ اللہ کو دیکھ رہا ہے اگر یہ مرتبہ آدمی کو میسر نہ آوے تو اتنا حاضر و رجان لیوے کہ اللہ اس آدمی کو دیکھ رہا ہے یہ روایتیں وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ کی گویا تفسیر ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ قربانی اور باقی کے سب نیک عمل خالص عقبیٰ کے ثواب کی نیت سے اللہ کو حاضر و ناظر جان کر جو لوگ کرتے ہیں ان کو دس گنا سے لے کر سات سو تک اور زیادہ نیک نیتی کے نیک عملوں کا اس سے بھی بڑھ کر اجر دیا جاوے گا اس لئے فرمایا اے رسُول اللہ کے ایسے لوگوں کو اس اجر کی خوشخبری سُنا دی جاوے، اللہ کے رسُول کی ہجرت کے بعد جو کمزور مسلمان مکہ میں رہ گئے تھے، مشرکین مکہ ان کو طرح طرح کی تکلیفیں دیتے تھے، ان مسلمانوں کی تسکین کے لئے آگے فرمایا کہ ان مشرکوں کی دغا بازی اور ناشکری اللہ کو پسند نہیں ہے اس لئے بہت جلد وُہ زمانہ آنے والا ہے کہ اللہ ان دغا باز اسلام کے دشمنوں کا غلبہ مسلمانوں پر باقی نہ رکھے گا، مشرکین مکہ نے دغا بازی سے اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم پر ننگی تلواریں لے کر حملہ کرنے کا جو مشورہ کیا تھا اس کا ذکر سورہ انفال میں گزر چکا ہے، اس قصہ سے ان لوگوں کی دغا بازی اچھی طرح سمجھ میں آجاتی ہے اور ناشکری ان لوگوں کی اس سے سمجھ میں آجاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے آسمانی کتاب دے کر ان کی ہدایت کے لیے خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا لیکن ان لوگوں نے اس نعمت کی ناشکری کر کے اللہ کے رسُول اور اللہ کے کلام کو جھٹلایا، آخری آیت میں مشرکوں کے غلبہ کو مٹا دینے کا جو وعدہ تھا فتح مکہ کے وقت اس وعدہ کا یہ ظہور ہُوا کہ جن بتوں کی حمایت کے جوش میں مشرکین مکہ مسلمانوں سے دشمنی رکھتے اور شرک کے غلبہ کے سبب سے مسلمانوں کو طرح طرح کی تکلیفیں دیتے تھے، فتح مکہ کے وقت اس غلبہ کو اللہ تعالیٰ نے یہاں تک مٹایا کہ اللہ کے رسُولؐ نے اپنے ہاتھ کی لکڑی مار مار کر ان بتوں کو زمین میں گرا دیا اور کوئی مشرک ان بتوں کی کچھ حمایت نہ کر سکا صحیح بخاری کی عبداللہؓ بن مسعود اور صحیح مسلم کی ابوہریرہؓ کی روایتوں کے حوالہ سے یہ قصہ کئی جگہ گزر چکا ہے۔

۳۹-۴۴ ۔ ترمذی، نسائی، مسند امام احمد بن حنبل اور مستدرک حاکم وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت[۲] میں جو شان نزول ان آیتوں کی بیان کی گئی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ جب تک آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تھے تو مشرکین مکہ صحابہؓ کو طرح طرح کی تکلیفیں دیتے تھے اور صحابہؓ جب آنحضرتؐ سے ان تکالیف کا ذکر کرتے تھے تو آپ فرمایا کرتے تھے کہ صبر کرو ابھی مجھے لڑائی کا حکم خدا کی طرف سے نہیں ہے، جس وقت مکہ سے ہجرت کا حکم آنحضرتؐ کو ہو گیا تو حضرت ابوبکر صدیقؓ کو قرینہ سے معلوم ہو گیا کہ مشرکین مکہ پر اب کوئی وبال ضرور آوے گا اس لئے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اِنَّا لِلّٰہ پڑھی اور فرمایا، قریش نے نبی وقت کو مکہ سے نکال دیا، اب ان پر

[۱] مشکوٰۃ کتاب الایمان پہلی حدیث [۲] تفسیر ابن کثیر ص ۲۲۵ ج ۳ والدر المنثور ص ۳۶۳ ج ۴ -

اسْمُ اللّٰهِ كَثِيرًا ۗ وَلَيَنصُرَنَّ اللّٰهُ مَن يَنصُرُهُ ۗ إِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ﴿٤٠﴾ الَّذِينَ

جاتا ہے اللہ کا بہت اور اللہ مدد کرے گا اس کی جو مدد کرے گا اس کی بیشک اللہ زبردست ہے زور والا وہ کہ

إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا

اگر ہم ان کو مقدور دیں ملک میں کھڑی کریں نماز اور دیں زکوٰۃ اور حکم کریں بھلے کام کا اور منع کریں

عَنِ الْمُنكَرِ ۗ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ ﴿٤١﴾ وَإِن يُكَذِّبُوكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ

بُرے سے اور اللہ کے اختیار ہے آخر ہر کام کا۔ اور اگر تجھ کو جھٹلاویں تو ان سے پہلے جھٹلا چکی نوح کی قوم

کوئی وبال آنے والا ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے صدیق کی تصدیق میں یہ آیتیں نازل فرمائیں، ترمذی نے اسی شان نزول کی روایت کو حسن[1] اور حاکم نے صحیح کہا ہے، یہ پہلی آیتیں ہیں جن میں لڑائی کی اجازت مسلمانوں کو ملی ہے، پہلی آیت کا حاصل مطلب یہ ہے کہ آج تک جن مسلمانوں کو مشرک طرح طرح سے ستاتے تھے اور ستانے پر بھی مسلمانوں کو لڑائی کا حکم نہیں تھا۔ اب اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی مخالفوں سے لڑنے کا حکم دے دیا، غرض اللہ کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں، مکہ میں تھوڑے سے مسلمان جب تک تھے اور موسم حج پر مدینہ منورہ کے لوگ آن کر مسلمان نہیں ہوئے تھے اس وقت تک اگرچہ مکہ کے موجودہ مسلمان مشرکوں کی ایذارسانی سے تنگ آکر لڑنے کو تیار تھے لیکن اللہ کی حکمت میں لڑائی کا حکم نازل ہونا مصلحت کے خلاف تھا جب اسی آدمیوں کے قریب انصار موسم حج کے وقت مسلمان ہوئے اور ہجرت کا حکم نازل ہو کر آنحضرت ﷺ مدینہ میں تشریف لے آئے اور مہاجر اور انصار مل کر ایک دل ہو گئے اور مسلمانوں کی جماعت بڑھ گئی، اس وقت اللہ نے لڑائی کا حکم نازل فرمایا کہ جو لوگ اللہ کے نام پر اپنے شہر سے نکالے گئے، اللہ ان کی مدد فرمائے گا۔ بدر کی لڑائی کے وقت اللہ تعالیٰ کے اس وعدہ کا ظہور ہوا، جب مسلمانوں کی جماعت تھوڑی اور مشرکوں کی بھیڑ زیادہ تھی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد کو آسمان سے فرشتے بھیجے، چنانچہ اس کا پورا ذکر سورہ آل عمران میں گزر چکا ہے، علاوہ اس کے مہاجرین کی ایک خاص مدد[2] اللہ تعالیٰ نے یہ فرمائی کہ انصار کے دل میں ان کی ایسی محبت ڈال دی کہ مہاجروں کو اپنا شہر مکہ چھوڑنے کے بعد مدینہ میں ہر طرح کا آرام انصار کے سبب سے ملا اور یہ بھی فرما دیا کہ شرع کے طور پر لڑائی کے جائز کر دینے میں بڑی مصلحت یہ ہے کہ اس سے دین کی حفاظت ہوتی ہے اور کوئی مخالف دین، کسی دین کی ہتک نہیں کر سکتا، اگر یہ دین کی لڑائی جائز نہ ہوتی تو مخالف لوگ نصاریٰ کے جنگلوں میں چھوٹے چھوٹے عبادت خانے، شہروں میں کے ان کے بڑے بڑے گرجا، یہود اور مسلمانوں کی مسجدیں سب ڈھا دیتے اور ان میں اللہ کا ذکر بند ہو جاتا مگر اللہ بڑا زبردست ہے، جو اس کے دین کی مدد کرتا ہے، وہ اسے غیب سے مدد دے کر مخالف لوگوں پر غالب کر دیتا ہے، اس کے بعد مہاجرین کی تعریف فرمائی کہ یہ لوگ ایسے ہیں کہ اللہ کی زمین میں ان کو ٹھکانا ملے تو یہ نماز روزہ اور نیک کام کرتے ہیں اور ہجرت کا ذکر آنے سے آنحضرت ﷺ کے دل پر مشرکین مکہ کے جھٹلانے کا خیال جو گزرا تھا اور اس خیال سے کچھ رنج جو آپ کو ہوا تھا، اس رنج کو اس تسکین سے رفع فرما دیا کہ ہمیشہ سے مخالف لوگ انبیاء کو جھٹلاتے رہے ہیں، تمہارے ساتھ کچھ یہ بات نئی نہیں ہے اور انبیاء کی قوم کے لوگوں نے ان انبیاء کو جھٹلایا تھا، اس واسطے ان قوموں کا نام لیا اور حضرت موسیٰ کی قوم بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ کو نہیں جھٹلایا تھا، بلکہ فرعون کی قوم نے جس کا

[1] جامع ترمذی ص ۱۴۶ ج ۲ [2] الدر المنثور ص ۳۶۴ ج ۴

وَعَادٌ وَّثَمُوْدُ ﴿۴۲﴾ وَقَوْمُ اِبْرٰهِيْمَ وَقَوْمُ لُوْطٍ ﴿۴۳﴾ وَّاَصْحٰبُ مَدْيَنَ ۚ وَكُذِّبَ

اور عاد اور ثمود اور ابراہیم کی قوم اور لوط کی قوم اور مدین کے لوگ اور موسیٰ کو

مُوْسٰى فَاَمْلَيْتُ لِلْكٰفِرِيْنَ ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ ۚ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿۴۴﴾ فَكَاَيِّنْ مِّنْ

جھٹلایا پھر میں نے ڈھیل دی منکروں کو پھر ان کو پکڑا تو کیسا ہوا میرا انکار سو کتنی

قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّ

بستیاں ہم نے کھپا دیں اور وہ گنہ گار تھیں اب وہ ڈھے پڑے ہیں اپنے چھتوں پر اور کتنے کنویں نکمے پڑے اور

قَصْرٍ مَّشِيْدٍ ﴿۴۵﴾ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ

کتنے محل گچ گیری کے کیا پھرے نہیں ملک میں جو ان کے دل ہوتے جن سے بوجھتے

نام قبطی قوم ہے، حضرت موسیٰ کو جھٹلایا تھا، اس لئے جھٹلانے والی قوموں میں حضرت موسیٰؑ کی قوم کا نام نہیں لیا اور جھٹلانے والی قوموں کے ہلاک ہوجانے کا ذکر بھی فرما دیا تاکہ قریش کو تنبیہ ہو جاوے کہ رسولِ وقت کے ساتھ سرکشی کرنے والوں کا جو انجام سلف سے ہوتا رہا ہے وہی انجام ان کا ہوگا، اصحاب مدین شعیب علیہ السلام کی امت کو کہتے ہیں، صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوموسیٰ اشعری کی روایت کئی جگہ گزر چکی ہے کہ نافرمان لوگوں کو پہلے اللہ راہِ راست پر آنے کے لئے مہلت دیتا ہے، جب مہلت کے زمانے میں وہ لوگ راہ راست پر نہیں آتے تو پھر ان کو سخت عذاب میں پکڑ لیتا ہے، اس حدیث سے یہ مطلب اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے کہ قوم نوح سے لے کر فرعون تک منکر شریعت قوموں کو اللہ تعالیٰ نے پہلے مہلت دی اور پھر طرح طرح کے عذابوں سے ان کو ہلاک کر دیا۔ بدر کی لڑائی تک یہی عادت الٰہی قریش کے حق میں جاری رہی لیکن جب اس مہلت کے زمانہ میں ان میں کے بڑے بڑے سرکش اپنی سرکشی سے باز نہیں آئے تو بدر کی لڑائی کے وقت ان پر جو آفت آئی، صحیح بخاری و مسلم کی انسؓ بن مالک کی روایت کے حوالہ سے اس کا قصہ کئی جگہ گزر چکا ہے کہ دنیا میں بڑی ذلت سے یہ لوگ مارے گئے اور مرتے ہی عذاب آخرت میں گرفتار ہوگئے، جس عذاب کے جتلانے کے لئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کی لاشوں پر کھڑے ہو کر یہ فرمایا کہ اب تو تم لوگوں نے عذاب الٰہی کے وعدہ کو سچا پالیا فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ اس کا مطلب ہے کہ مہلت کے زمانہ میں ان لوگوں کو جو ڈھیل دی گئی تھی، مہلت کے بعد اس ڈھیل کو ناپسندی کی نظر سے اللہ تعالیٰ نے دیکھا اور ان لوگوں کو طرح طرح کے عذاب میں پکڑ لیا۔

۴۵-۴۸- اوپر ذکر تھا کہ مہلت کے زمانہ میں نافرمان لوگوں کو جو ڈھیل دی گئی تھی، مہلت کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس ڈھیل کو بحال نہیں رکھا اور ان نافرمان لوگوں کو طرح طرح کے عذابوں میں پکڑ لیا، ان آیتوں میں اس کی یہ تفسیر فرمائی کہ ان نافرمان لوگوں کی بستیاں اس طرح ناگہانی عذابوں سے ہلاک کر دی گئیں کہ مثلاً قوم لوط کی بستیوں کے مکانات چھتوں کے بل الٹ دیئے گئے۔ قوم ثمود کے پکے پکے مکانات اور بڑے بڑے کارآمد کنویں نکمے پڑے رہ گئے، آگے فرمایا، یہ مشرکین مکہ تجارت کی غرض سے اکثر ملک شام کا سفر کرتے رہتے ہیں، اس سفر میں کیا ان کو قوم ثمود اور قوم لوط کی اجڑی ہوئی بستیاں نظر نہیں آتیں، پھر فرمایا ان لوگوں کے منہ پر آنکھیں ہیں اس لئے ان اجڑی ہوئی بستیوں پر تو ان کی نظر اکثر پڑتی ہے، لیکن شرک اور گناہوں کے

أَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۚ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ
یا کان ہوتے جن سے سنتے سو کچھ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں پر اندھے ہوتے ہیں دل جو
فِي الصُّدُوْرِ ﴿۴۶﴾ وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ ۭ وَاِنَّ يَوْمًا
سینوں میں ہیں اور تجھ سے جلدی مانگتے ہیں عذاب اور اللہ ہرگز نہ ٹالے گا اپنا وعدہ اور ایک دن
عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ﴿۴۷﴾ وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَمْلَيْتُ لَهَا وَ
تیرے رب کے یہاں ہزار برس کے برابر ہے جو تم گنتے ہو اور کتنی بستیاں ہیں کہ میں نے ان کو ڈھیل دی اور
هِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ اَخَذْتُهَا ۚ وَاِلَيَّ الْمَصِيْرُ ﴿۴۸﴾
وُہ گنہ گار تھیں پھر ان کو پکڑا اور میری طرف پھر آنا ہے ۔

سبب سے ان کے دل اندھے ہیں اس واسطے نہ عبرت کی نظر سے ان اجڑی ہوئی بستیوں کو یہ آنکھوں سے دیکھتے ہیں نہ اس کا کچھ حال ہوش حواس کے کانوں سے سنتے ہیں، ترمذی، نسائی وغیرہ کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی صحیح حدیث کئی جگہ گزر چکی ہے کہ بغیر توبہ کے گناہوں سے آدمی کے دل پر سیاہی چھا جاتی ہے، اس حدیث سے مشرک کے دل کے اندھے ہو جانے کا مطلب اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جس طرح اندھے آدمی کی آنکھوں پر اندھیرا چھا جاتا ہے، اور وُہ اپنی آنکھوں کے سامنے کی کسی چیز کو دیکھ نہیں سکتا، اسی طرح رات دن کے شرک سے مشرک کے سارے دل پر سیاہی چھا جاتی ہے، اس لئے اس کے دل میں کسی نیک بات کے سمجھنے کی گنجائش باقی نہیں رہتی، صحیح مسلم کے حوالہ سے عبداللہ بن عمروؓ بن العاص کی روایت کئی جگہ گزر چکی ہے کہ دُنیا کے پیدا ہونے سے پچاس ہزار سال پہلے جو کچھ دُنیا میں ہونے والا تھا، اپنے علم کے موافق اللہ تعالیٰ نے وُہ سب لوحِ محفوظ میں لکھ لیا ہے، صحیح مسلم کے حوالہ سے ابوموسیٰ اشعریؓ کی یہ حدیث بھی کئی جگہ گزر چکی ہے کہ لوگوں کے دن کے عمل رات سے پہلے اللہ کے فرشتے آسمان پر لے جاتے ہیں اس تفسیر میں یہ بھی ایک[1] جگہ جتلا دیا گیا ہے کہ زمین سے آسمان تک پانسو برس کی راہ کا فاصلہ ہے جس سے ابوموسیٰ اشعریؓ کی حدیث کا یہ مطلب ہُوا کہ اول آسمان سے زمین تک آنے جانے کا ہزار برس کا فاصلہ اللہ کے فرشتے ایک دن میں طے کرتے ہیں، حاصل کلام یہ ہے کہ قریش میں کے عذاب کے جلدی کرنے والوں کو یہ سمجھایا گیا ہے کہ جس کے حکم سے ہزار برس کا کام ایک دن میں طے ہو جاتا ہے اس کے حکم کے بعد عذاب کے آجانے میں کچھ دیر نہیں لگ سکتی مگر یہ عادتِ الٰہی ہے کہ لوحِ محفوظ کے نوشتہ کے مطابق پہلے نافرمان لوگوں کو مہلت دی جاتی ہے، پھر اگر مہلت کے زمانہ میں وُہ لوگ اپنی نافرمانی سے باز نہ آئے تو دُنیا اور عقبیٰ کے عذاب میں ان کو پکڑ لیا جاتا ہے صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے بدر کے قصّہ کی انسؓ بن مالک کی روایت جو جگہ جگہ گزر چکی ہے، اس سے آخری آیت کا مطلب اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مشرکین مکہ میں کے یہ دل کے اندھے لوگ مہلت کے بعد اس لڑائی کے وقت دُنیا میں بڑی ذلت سے مارے گئے اور مرتے ہی عذابِ آخرت میں گرفتار ہو گئے، جس عذاب کے جتلانے کے لئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کی لاشوں پر کھڑے ہو کر یہ فرمایا کہ اب تو تم نے اللہ کے وعدہ کو سچا پا لیا۔

[1] نیز دیکھئے مشکوٰۃ ص ۵۱۰ باب بدء الخلق الخ فصل ثالث

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَآ اَنَا لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٤٩﴾ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

تو کہہ لوگو! میں تو ڈر سنا دینے والا ہوں تم کو کھول کر سو جو یقین لائے اور کیں

الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿٥٠﴾ وَالَّذِيْنَ سَعَوْا فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ

بھلائیاں ان کے گناہ بخشنے ہیں اور روزی عزت کی اور جو دوڑے ہماری آیتوں کے ہرانے کو

اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿٥١﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا

وہی ہیں لوگ دوزخ کے۔ اور جو رسول بھیجا ہم نے تجھ سے پہلے یا نبی سو جب لگا

تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ ۚ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِى الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ

خیال باندھنے شیطان نے ملا دیا اس کے خیال میں پھر اللہ تعالیٰ مٹاتا ہے شیطان کا ملایا پھر پکی کرتا ہے اللہ

۴۹-۵۱: یہ مشرکین مکہ مسخراپن سے عذاب کی جلدی جو کیا کرتے تھے اوپر کی آیتوں میں اس کا ذکر تھا اس لئے ان آیتوں میں فرمایا، اے رسول اللہ کے ان لوگوں سے کہہ دو کہ میں تو فقط عذابِ الٰہی سے ڈرانے والا ہوں، یہ اللہ ہی کو معلوم ہے کہ وہ عذاب کب آوے گا اور جس طرح میں عذاب سے ڈراتا ہوں اسی طرح یہ خوشخبری بھی سناتا ہوں کہ جو کوئی شرک سے باز آن کر خالص اللہ کو اپنا معبود جانے گا اور مرضی الٰہی کے موافق نیک کاموں میں لگا رہے گا تو شرک کے نیچے کے کچھ گناہ کر کے اگر ایسا شخص بغیر توبہ کے مر جاوے گا تو اللہ تعالیٰ اگر چاہے گا تو ایسے شخص کے گناہوں کو معاف کر کے اسے جنت میں داخل کر دے گا ہاں جو لوگ بلا سند باتوں کے کلامِ الٰہی کی آیتوں کو جھٹلانے کی کوشش میں عمر بھر لگے رہیں گے وہ بلا شک دوزخ کے قابل ٹھہریں گے، صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت[1] ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ تعالیٰ کو گناہوں کے بخشنے پر قادر جان کر مرے گا اور اس شخص کے نامۂ اعمال میں بغیر توبہ کا شرک نہ ہوگا تو اللہ تعالیٰ کو ایسے شخص کے گناہوں کو معاف کر دینے میں کوئی دریغ نہ ہوگا اس حدیث سے شرک سے نیچے کے بغیر توبہ گناہوں کے معاف ہو جانے کا مطلب اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے۔

۵۲-۵۳: مسند بزار، تفسیر سدی، تفسیر ابن منذر، تفسیر ابن مردویہ، تفسیر ابن ابی حاتم، تفسیر ابن جریر وغیرہ[2] میں مختلف سندوں سے اس آیت کی شانِ نزول میں جو قصہ بیان کیا گیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ جس وقت سورہ والنجم مکہ میں نازل ہوئی اور آنحضرتؐ اس سورت کو مشرکینِ مکہ کے روبرو پڑھنے لگے اور سورہ والنجم کی اس آیت پر پہنچے جس میں لات، عزیٰ اور منات بتوں کا نام ہے تو شیطان نے آنحضرتؐ کی قرأت کے سکتہ کے وقت کچھ کلمے پڑھ دیئے، جن کے معنوں سے ان بتوں کی تعریف کا ذکر اور ان کی شفاعت کا ذکر نکلتا ہے ان کلموں کو مشرکینِ مکہ نے قرآن کی آیت اور اس شیطان کی آواز کو آنحضرتؐ کی آواز خیال کیا اور کہنے لگے کہ سوا آج کے اور کبھی محمدؐ نے ہمارے بتوں کا اچھی طرح نام نہیں لیا اور اپنے بتوں کی تعریف سن کر خوش ہو گئے اور آخر سورہ پر جب آنحضرتؐ اور مسلمانوں نے سجدہ کیا تو مشرکین نے بھی سجدہ کیا، اس سے یہ خبر مشہور ہو گئی کہ مکہ کے تمام مشرک مسلمان ہو گئے اور انہوں نے آنحضرتؐ کے ساتھ مکہ میں نماز پڑھی، چنانچہ اس خبر کو سن کر مشرکین کی ایذا سے تنگ آن کر جو مسلمان لوگ حبشہ کے ملک کو چلے گئے تھے ان میں سے اکثر آدمی مکہ کو پھر کر واپس چلے آئے پھر مکہ میں آن کر ان کو معلوم ہوا کہ یہ خبر غلط تھی کیونکہ شیطان کی اس

[1] مشکوٰۃ باب الاستغفار والتوبہ کی دوسری فصل میں یہ روایت بحوالہ شرح السنہ ہے راقم کو صحیح مسلم میں نہیں مل سکی (ع ح) [2] الدر المنثور ص ۳۶۶-۳۶۷ ج ۴

اٰيٰتِهٖ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿٥٢﴾ لِّيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ فِيْ

اپنی باتیں اور اللہ سب خبر رکھتا ہے حکمتوں والا ۵ اس واسطے کہ اس شیطان کے ملانے سے جانچے ان کو جن کے

قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَفِيْ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ ﴿٥٣﴾

دل میں روگ ہیں اور جن کے دل سخت ہیں اور گنہ گار تو ہیں مخالفت میں دور پڑے ۔

شرارت کے بعد فوراً حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور انہوں نے شیطان کی شرارت کا حال حضرت سے کہہ دیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین پر یہ حال ظاہر کر دیا کہ مشرکوں کے کانوں میں جو آواز گئی تھی وہ شیطان کی آواز تھی اور وہ کلمے جو شیطان نے کہے وہ بھی شیطان کے بناوٹی کلمے تھے، اللہ کا کلام وہ نہیں تھا، محی الدین ابن عربیؒ[1] اور قاضی عیاضؒ[2] اور بعضے علماء[3] نے اگرچہ اس قصہ کا انکار کیا ہے لیکن حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری شرح صحیح بخاری میں یہ فیصلہ کیا ہے کہ اس قصہ کو مرسل کے طور پر کئی سند سے معتبر

(حاشیہ متعلقہ متن) ع۵ اس آیت پر موضح القرآن کا فائدہ یہ ہے: نبی کو ایک حکم اللہ سے آتا ہے، اس میں ہرگز تفاوت نہیں اور ایک اپنے دل کا خیال اس میں جیسے اور آدمی، کبھی خیال ٹھیک پڑا کبھی نہ پڑا جیسے حضرت نے خواب میں دیکھا کہ مدینے سے مکے میں گئے عمرہ کیا خیال میں آیا کہ شاید اب کے برس وہ ٹھیک پڑا اگلے برس، یا وعدہ ہوا کافروں پر غلبہ ہو گا خیال آیا کہ اب کی لڑائی میں اس میں نہ ہوا، پھر اللہ جتا دیتا ہے لڑائی کا حکم تھا، اس میں تفاوت نہیں۔

نیز مناسب ہے کہ شاہ عبدالقادر کے والد (شاہ ولی اللہؒ) کا فارسی اور ان کے بھائی شاہ رفیع الدین کا (تحت اللفظ) اردو ترجمہ دونوں یہاں ذکر کر دیئے جائیں کیونکہ اس سے فہم آیت میں صحیح راہ نمائی ملتی ہے (ع ۔ ح)

(فارسی) "ونہ فرستادیم پیش از تو ہیچ فرستادہ ونہ صاحب وحی الا چوں آرزوئے بخاطر بست، بیافگند شیطان چیزے در آرزوئے وے پس دور مے کند خدا آنچہ شیطان انداختہ است۔ باز محکم مے کند خدا آیات خود را وخدا دانا با حکمت است" (فتح الرحمان)

(اردو) اور نہیں بھیجا ہم نے تجھ سے پہلے کوئی رسول اور نہ نبی، مگر جس وقت آرزو کرتا تھا ڈال دیتا تھا شیطان بیچ آرزو اس کی کے، پس موقوف کر دیتا ہے اللہ جو ڈالتا ہے شیطان، پھر محکم کرتا ہے اللہ نشانیوں اپنی کو اور اللہ جاننے والا ہے حکمت والا ہے۔

[1] یہ "ابن عربی" محی الدین (محمد بن علی الطائی) (۶۳۸ھ) نہیں بلکہ ابن العربی المالکی (ابوبکر محمد بن عبداللہ ۵۴۳ھ) ہیں جیسا کہ فتح الباری میں ہے۔

[2] ابن العربی مالکیؒ کی کتاب احکام القرآن (۱۲۸۸ ج ۳) طبع جدید میں یہ مبحث ہے [3] قاضی عیاض بن موسیٰ المالکی (۵۴۴ھ) یہ مبحث ان کی مشہور تصنیف الشفاء فی تعریف حقوق المصطفیٰ (ص ۲۵۹، ۲۶۰ ۔ ۲۶۶) طبع صدیقی بریلی (ہند) میں ہے (ع ح) نیز دیکھئے نووی شرح صحیح مسلم (ص ۲۱۵ ج ۱) [3] مثلاً حافظ ابن کثیرؒ کا رجحان انکار ہی کی طرف ہے جبکہ ان کے استاذ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کا میلان حافظ ابن حجرؒ کی طرح اس کے اثبات کی جانب ہے ملاحظہ ہو فتاویٰ ابن تیمیہ جلد دوسری ص ۲۸۲ ۔ ۲۸۳ [5] دیکھئے ص ۲۵۰ ج ۴ تفسیر سورۃ الحج لیکن مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوریؒ اور ہمارے معاصر مولانا عبیداللہ صاحب رحمانی مبارک پوری حافظ ابن حجر کی اس تحقیق پر مطمئن نہیں اور وہ ان روایتوں کے مسترد کرنے والوں کے ہم نوا ہیں ملاحظہ ہو تحفۃ الاحوذی (ص ۳۹۹ ج ۱) اور مرعاۃ شرح مشکوٰۃ (ص ۴۴ ج ۲) پھر روایت کسی درجہ میں ثابت بھی مان لی جائے تو اس کی کوئی نہ کوئی توجیہ ہی کرنی پڑی ہے جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ اور حضرت مفسرؒ نے کوشش فرمائی ہے تاہم جو کچھ بھی ہو آیت زیر بحث کا فہم اس قصہ پر موقوف نہیں جیسا کہ تینوں دہلوی ترجموں کے دیکھنے سے معلوم ہو سکتا ہے جن میں "تمنیٰ" کے معنی "آرزو" یا "خیال" کے کئے گئے ہیں

راویوں نے روایت کیا ہے، اس سبب سے اس قصہ کو بے اصل نہیں کہا جا سکتا، تابعی کسی حدیث کو اللہ کے رسُول سے روایت کرے تو اس کو مرسل کہتے ہیں، دنیا اور دنیا کے تمام معاملے اللہ تعالیٰ نے امتحان کے طور پر پیدا کئے ہیں، یہ معاملہ بھی امتحان کے طور پر پیش آیا ہو تو اس کو شیطان کی ایسی شرارت خیال کرنی چاہیئے جس طرح اس نے شرارت سے جنگِ احد میں آنحضرتؐ کے شہید ہو جانے کی خبر لوگوں کے کانوں میں پھونک دی تھی جس خبر سے ایک بڑا موقع جانچ و امتحان کا پیش آیا تھا، مشرکین اور یہود کی گمراہی اس خبر سے اور بڑھ گئی تھی اور وہ کہتے تھے کہ آنحضرتؐ نبی ہوتے تو یہ نوبت پیش نہ آتی کہ شہید ہو جاتے، اوپرے دل کے مسلمان بھی ابوسفیان اور قریش سے امان مانگنے کو مستعد ہو گئے تھے، مضبوط ایمان کے جو صحابہؓ تھے ان کے ایمان اس خبر سے اور مضبوط ہو گئے تھے، چنانچہ انسؓ بن نضر نے اس خبر کو سنتے ہی لوگوں سے کہا کہ ہم تو اللہ تعالیٰ کے دین کے لئے لڑتے تھے، اگر فرض کرو کہ ہمارے رسُول کافروں کے ہاتھ سے شہید بھی ہو گئے تو ہمارا اللہ حیّ و قائم ہے، ہم کو اب بھی ویسی ہی جانبازی کرنی چاہیئے جو آنحضرتؐ کے روبرو کرتے تھے غرض اس آیت کے مضمون سے بھی وہی امتحان کا موقع پورے طور پر نکلتا ہے اور سندِ صحیح سے اس قصہ کی روایت بھی ہے، پھر اس قصہ کو شانِ نزول ٹھہرانے میں کون سا امر شرعی مانع[1] ہے۔ رہی یہ بات کہ اس قصہ کی سند مرسل طور پر ہے تو جب اس مرسل روایت کی سندیں کئی ہیں اور ایک کو دوسری سند سے قوت اور تائید ملتی ہے اور اس طرح کی مرسل روایت باتفاق محدثین قابلِ قبول ہے تو پھر اس مرسل روایت کے ماننے میں کیا عذر ہے، یہ اوپر گزر چکا ہے کہ صحابی کا نام ذکر کرنے کے بغیر کسی تابعی کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی قول یا فعل کو روایت کرنا اس طرح کی روایت کو محدثین کی بول چال میں مرسل کہتے ہیں، رسُول اور نبی دونوں لفظ اللہ تعالیٰ نے اس لئے فرمائے کہ شریعت میں رسُول ان پیغمبروں کو کہتے ہیں جن کے پاس حضرت جبرئیل وحی لے کر آتے تھے اور نبی کے لئے جدید وحی کا آنا ضرور نہیں بلکہ اپنے سے پہلے رسُول کی کتاب کے موافق بھی نبی لوگوں کو ہدایت کر سکتے ہیں جس طرح آخر زمانہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اتر کر شریعتِ محمدی کے موافق ہدایت فرماویں گے یا حضرت موسیٰ سے لے کر حضرت عیسیٰؑ کے زمانہ تک کئی ہزار نبی تورات کے موافق ہدایت کرتے رہے، قرآن شریف میں جو یہ مضمون موجود ہے کہ شیطان اللہ کے کلام میں جو بات ملاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو مٹا کر اپنی آیتیں پکی کر دیتا ہے، اس سے بھی شانِ نزول کے قصہ کی اصلیت[2] پائی جاتی ہے کیونکہ قرآن شریف کے اس مضمون سے یہ بات نکلتی ہے، کہ شیطان نے قرآن کی آیتوں میں کوئی بات ملائی تھی جس کو اللہ تعالیٰ نے مٹا کر اپنی آیتوں کو پکا کر دیا، علاوہ اس کے جب صحیح بخاری کی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت میں یہ ذکر موجود ہے کہ سورہ والنجم کے ختم پر مسلمانوں کے سجدہ کرنے کے وقت مشرکوں نے بھی سجدہ کیا تو مشرکوں کے سجدہ کرنے کا کوئی سبب تو ضرور ہونا چاہیئے، یہ سبب وہی ہے جو اس آیت کے شانِ نزول کی روایتوں کے حوالہ سے اوپر بیان کیا گیا کہ اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم جب سورہ والنجم کی اس آیت پر پہنچے جس میں لات منات اور عزیٰ بتوں کا نام ہے تو شیطان نے اللہ کے رسُول کی آواز بنا کر ان بتوں کی تعریف کے چند کلمے پڑھ دیئے جن کلموں سے مشرکین مکہ خوش ہو

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) لیکن اگر "قرات" کے معنی بھی لئے جائیں تو بھی اس قصہ کو درمیان میں لائے بغیر غور کرنے پر آیت کا مطلب ٹھیک سمجھ میں آجاتا ہے (ع-ح) [1] مانع یہی ہے کہ اس سے قرآن مجید میں دخل اندازی کا پہلو نکلتا ہے جن واقعات کو حضرت مفسر نے نظائر بنایا ہے ان پر اس کو قیاس کرنا مشکل ہے [2] وہ سبب یہ تھا کہ سجدۂ تلاوت والی پہلی سورت یہی سورہ النجم نازل ہوئی تھی مسلمانوں کے ساتھ مشرکین بھی رواداری میں سجدے میں گر گئے (نووی شرح مسلم ص ۲۱۵ ج ا و فتح الباری بحوالہ کرمانی ص ۶-۵ تفسیر سورۃ النجم) یا ہو سکتا ہے کہ کوئی تصرف الٰہی ہو جس پر جنوں کا سجدہ کرنا (اگلے صفحہ پر)

گئے اور آخر سورت پر جب اللہ کے رسُول اور مسلمانوں نے سجدہ کیا تو مشرکوں نے بھی سجدہ کیا۔ یہ شان نزول کی روایت مسند بزار اور تفسیر ابن مردویہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے بھی آئی ہے، اگرچہ بعضے علماء نے اس سند پر اعتراض کیا ہے کہ اس سند میں ایک راوی امیہ بن خالد اکیلے ہیں لیکن یہ امیہ بن خالد امام شافعیؒ کے زمانہ کے ثقہ اور مشہور تبع تابعین میں ہیں اس لئے ان کے اکیلے ہونے سے روایت کو ضعیف نہیں کہا جاسکتا۔ پھر جب یہ روایت ضعیف نہیں اور اصول حدیث میں یہ مسئلہ ٹھہر چکا ہے کہ شانِ نزول کے باب میں صحابہؓ کا قول حدیثِ نبوی کے برابر شمار کیا جاتا ہے اور اس شانِ نزول کے راوی بھی حضرت عبداللہ بن عباسؓ ہیں، جن کا لقب امام المفسرینؓ ہے تو یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ بعضے مفسروں نے اس شانِ نزول کو کیوں نامعتبر ٹھہرایا۔ تمنّی[1] کے معنی قرارت کے بھی ہیں اور خیال کے بھی ہیں[2] تینوں ترجموں میں دُوسرے معنی کو ملحوظ رکھ کر ہی معنی کے مناسب حال فارسی اور اردو کا فائدہ بھی لکھا ہے، لیکن حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے صحیح قول کے موافق آیت کی تفسیر میں پہلے معنی زیادہ معتبر[3] ہیں اس واسطے امام بخاری نے صحیح بخاری میں ان ہی معنی کو لیا ہے[4] ان معنی کے موافق آیت کا مطلب وہی ہُوا جو اوپر بیان کیا گیا کہ سورہ والنجم کی قرارت کے وقت اللہ کے رسُول کی آواز بنا کر شیطان نے چند کلمے بتوں کی تعریف کے پڑھ دیئے جن کلموں کو مشرکین مکہ نے قرآن کی آیت اور شیطان کی آواز کو اللہ کے رسُول کی آواز سمجھا، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے شیطان کے لائے کلموں کا حال کھول کر قرآن کی آیتوں کو پکا کر دیا۔ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ اس کا مطلب یہ ہے کہ شیطان نے جو شرارت کی اگرچہ وُہ اللہ کے حکم سے باہر نہیں تھی، اللہ چاہتا تو وُہ شرارت ظہور میں نہ آتی لیکن اس شرارت کے ظاہر ہونے میں وُہ حکمت تھی جس کا ذکر آگے فرمایا کہ اس شیطان کی شرارت سے ان مشرکوں کی گمراہی کا حال مسلمانوں پر اچھی طرح کُھل گیا کیونکہ جب ان مشرکوں نے بتوں کی تعریف اور ان کی سفارش کے اعتقاد کو قرآن کی آیت کا مضمون سمجھا تو مسلمانوں کے ساتھ سجدہ کرنے کو تیار ہوگئے پھر جب ان مشرکوں کو یہ جتلایا گیا کہ وُہ بتوں کی تعریف کے کلمے شیطان کی شرارت کا ایک ظہور تھا تو یہ مشرک اللہ کے رسُول اور مسلمانوں سے زیادہ دشمنی کرنے لگے جس سے یہ بات اچھی طرح کُھل گئی کہ بارگاہ الٰہی میں ان بتوں کو سفارشی ٹھہرانے کا اعتقاد جو ان مشرکوں کے دل میں ہے وُہ بالکل بے سند ہے کس واسطے کہ ان مشرکوں کو جب یہ جتلا دیا گیا کہ ان بتوں کو سفارشی ٹھہرانے کا اعتقاد شیطان کی شرارت کا ایک نتیجہ ہے تو اس اعتقاد کو ملتِ ابراہیمی کی سند سے ان کو ثابت کرنا چاہیئے تھا نہ یہ

(بقیہ صفحہ گذشتہ) دلالت کناں ہے نیز دیکھئے حجۃ اللہ البالغۃ ص ۱۱۵ ج ۲ سجدہ کرنے کی یہ وجہ قرین قیاس بھی ہے (ع۔ح) [1] دہلوی تراجم اور فائدہ موضع پر غور کرنے سے "اصلیت" غیر ضروری قرار پاتی ہے (ع۔ح) [2] لیکن ابن عباسؓ کی طرف منسوب بعض روایتیں مجروح ہیں اور جو صحیح ہیں ان میں مبینہ تفصیلات نہیں، ان کی توجیہ صحیح سے ان تفصیلات کی ضرورت ہی نہیں رہتی، تفسیر قرطبی ص ۸۱ ج ۱۲ میں وُہ توجیہ ملاحظہ کی جاسکتی ہے (ع۔ح) [3] کیونکہ اس شان نزول کے مطابق آیت کے معنی پر ایک یہ اشکال وارد ہوسکتا ہے کہ اس وحی الٰہی میں "بےشعوری" کی صورت پھر سب رسل وانبیاء کو اگر پیش آتی رہی تو نقلاً اس کا کوئی ثبوت ہونا چاہیئے۔ (ع۔ح)

[4] اگر امام بخاریؒ نے واقعی "قرأ" کو ترجیح دی تو بھی یہ صحت قصہ کو مستلزم نہیں کہ اس کو درمیان میں لائے بغیر آیت بھی نہ جا سکے چنانچہ تفسیر ثنائی میں زیر بحث آیت کے تحت جو ترجمہ اور تفسیر کا انداز اختیار کیا گیا ہے وُہ دہلوی تراجم و فوائد کی ترجمانی ہے جس سے آیت کا مطلب بہت حد تک واضح ہوجاتا ہے۔ (ع۔ح)

وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَيُؤْمِنُوا بِهِ فَتُخْبِتَ لَهُ

اور اس واسطے کہ معلوم کریں جن کو سمجھ ملی ہے کہ یہ تحقیق ہے تیرے رب کی طرف سے پھر اس پر یقین لاویں اور دبیں اس کے آگے

قُلُوبُهُمْ ۗ وَإِنَّ اللَّهَ لَهَادِ الَّذِينَ آمَنُوا إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿٥٤﴾ وَلَا يَزَالُ الَّذِينَ

ان کے دل اور اللہ سوجھانے والا ہے یقین لانے والوں کو راہ سیدھی ۔ اور منکروں کو

كَفَرُوا فِي مِرْيَةٍ مِنْهُ حَتَّىٰ تَأْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً أَوْ يَأْتِيَهُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيمٍ ﴿٥٥﴾

ہمیشہ رہے گا اس میں دھوکا جب تک آپہنچے ان پر قیامت بے خبر یا آ پہنچے ان کو آفت ایک دن کی جس میں راہ نہیں خلاصی کی ۔

الْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ لِلَّهِ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ ۚ فَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فِي جَنَّاتِ

راج اس دن اللہ کا ہے ان میں چکوتی کرے گا سو جو یقین لائے اور کیں بھلائیاں نعمت کے باغوں

النَّعِيمِ ﴿٥٦﴾ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُهِينٌ ﴿٥٧﴾ ع ٧ ١٤

میں رہیں اور جو منکر ہوئے اور جھٹلائیں ہماری باتیں سو ان کو ہے ذلت کی مار ۔

کہ جس طرح جھوٹا شخص سچے آدمی کا دشمن بن جاتا ہے اسی طرح ایک سچی بات پر یہ لوگ مسلمانوں سے زیادہ دشمنی کرنے لگے، اسی واسطے آخر آیت میں فرمایا کہ یہ مشرک اسلام اور اہلِ اسلام کی مخالفت میں حق سے دُور جا پڑے ۔

۵۴۔۵۷: اوپر ذکر تھا کہ مشرکوں کے حق میں شیطان کی شرارت کا کیا نتیجہ ہُوا ان آیتوں میں یہ ذکر ہے کہ اسی شیطانی شرارت سے سمجھ دار لوگوں نے یہ فائدہ اٹھایا کہ قرآن کے کلامِ الٰہی ہونے کا انہیں یقین اور زیادہ ہوگیا کیونکہ وُہ لوگ سمجھ گئے کہ شیطان کا دخل مٹانے اور قرآن کی آیتوں کو پکا کرنے کا انتظام اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس لئے فرمایا گیا کہ قرآن اس کا کلام ہے اس کو اپنے کلام میں شیطان کا دخل اچھا معلوم نہیں ہُوا، پھر فرمایا، اس یقین کی زیادتی کے سبب سے قرآن کی نصیحت کے موافق عمل کرنے کے لئے ان لوگوں کے دل پہلے سے زیادہ نرم ہوگئے اور یہ بھی فرمایا کہ اللہ کے علمِ غیب میں جو لوگ ایماندار ٹھہر چکے ہیں اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے سیدھے راستہ پر آنے کے لئے اسی طرح کے سامان پیدا کر دیتا ہے ہاں جو لوگ اللہ کے علمِ غیب میں منکرِ شریعت قرار پا چکے ہیں یا تو قیامت کے عذاب دیکھ کر ان کی آنکھیں کھل جاویں گی، یا قیامت سے پہلے کسی آفت کے دن کو دیکھ پاویں گے تو پچھتاویں گے، اس سے پہلے قرآن کے کلامِ الٰہی ہونے میں ایسے لوگوں کو ہمیشہ شبہ رہے گا، اللہ سچا ہے، اللہ کا کلام سچا ہے یہ ناگہانی آفت کا دن ان لوگوں کے حق میں بدر کی لڑائی کا دن تھا کہ جس طرح بانجھ عورت کو اولاد نصیب نہیں ہوتی اسی طرح ان میں کے بڑے بڑے سرکشوں کو اس دن صبح کی شام نصیب نہیں ہوئی جن کا قصہ صحیح بخاری و مسلم کی انس بن مالکؓ کی روایت سے کئی جگہ گزر چکا ہے اگرچہ بعضے مفسروں نے یَوۡمٍ عَقِیۡمٍ کی تفسیر قیامت کے دن کو قرار دیا ہے لیکن قیامت کا ذکر ان آیتوں میں جدا آیا ہے اس واسطے حافظ ابو جعفر ابن جریر نے اپنی تفسیر میں یَوۡمٍ عَقِیۡمٍ کی تفسیر بدر کی لڑائی کے دن کو ٹھہرا کر اسی تفسیر کو صحیح قرار دیا ہے صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت کئی جگہ گزر چکی ہے کہ حشر کے دن ننگے پاؤں، ننگے بدن

(متعلقہ متن ع (فائدہ موضح القرآن) یعنی اس میں گمراہ اور بہکتے ہیں سو ان کا کام ہے بہکنا اور ایمان والے اور مضبوط ہوتے ہیں کہ اس کلام میں بندے کا دخل نہیں اگر ہوتا تو یہ بھی بندے کے خیال کی طرح کبھی صحیح کبھی غلط ہوتا اور جس کی نیت اعتقاد پر ہو اس کو اللہ یہ بات سوجھاتا ہے۔

وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ قُتِلُوا أَوْ مَاتُوا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللَّهُ رِزْقًا

اور جو لوگ گھر چھوڑ آئے اللہ کی راہ میں پھر مارے گئے یا مرگئے پھر البتہ ان کو دے گا اللہ روزی

حَسَنًا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ لَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ﴿٥٨﴾ لَيُدْخِلَنَّهُم مُّدْخَلًا يَرْضَوْنَهُ ۗ وَإِنَّ اللَّهَ

خاصی اور اللہ ہے سب سے بہتر روزی دینا البتہ پہنچا دے گا ایک جگہ جس کو پسند کریں گے اور اللہ

لَعَلِيمٌ حَلِيمٌ ﴿٥٩﴾ ذَٰلِكَ ۖ وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوقِبَ بِهِ ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ

سب جانتا ہے تحمل والا یہ سن چکے اور جس نے بدلہ دیا جیسا اس سے کیا تھا پھر اس پر کوئی زیادتی کرے

سب لوگ ایک حالت میں ہوں گے، اس حدیث سے آگے کی آیتوں کا مطلب اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ دنیا میں عارضی بادشاہ اور امیر بہت سی آفتوں کو اپنی حکومت اور مالداری کے سبب سے ٹال دیتے ہیں، قیامت کے دن سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کی حکومت نہ ہوگی بلکہ بڑے بڑے بادشاہ اور امیر اس دن فقیروں کی طرح ننگے پاؤں اور ننگے بدن اللہ تعالیٰ کے روبرو کھڑے ہوں گے اور فرمانبرداروں کے حق میں جنت میں داخل ہونے کا اور نافرمانوں کے حق میں دوزخ میں جھونکے جانے کا جو فیصلہ اللہ تعالیٰ اس دن فرماوے گا، اس کا اثر بادشاہ، امیر، فقیر سب پر یکساں پڑے گا۔

۵۸-۵۹:۔ اوپر جن لوگوں کا ذکر تھا کہ شیطان کی شرارت کے کھل جانے کے بعد ان کا ایمان زیادہ مضبوط ہوگیا، ان آیتوں میں ان کے ایمان کی مضبوطی کا حال بیان فرمایا کہ ان لوگوں نے اللہ کی راہ میں اپنے وطن، اہل و عیال سب کو چھوڑا، پھر فرمایا، اس بے وطنی اور مسافرت کی حالت میں جو کوئی ان میں سے شہید ہوا یا اپنی موت سے مرا تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو جنت میں داخل کر کے وہ نعمتیں دے گا جن کو یہ لوگ پسند کریں گے، پھر فرمایا، ان وطن کے چھوڑنے والوں میں ان لوگوں کا حال اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے جنہوں نے اللہ کی راہ میں نہیں بلکہ دنیا کی کسی غرض کے لئے مکہ کو چھوڑا ہے اور ظاہر میں وہ اپنے آپ کو مہاجر کہتے ہیں لیکن اللہ بڑا بردبار ہے اس لئے اس نے ایسے لوگوں سے جلدی مواخذہ نہیں کیا، صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے حضرت عمرؓ کی حدیث گزر چکی ہے کہ بارگاہ الٰہی میں دین کے ہر کام کا مدار نیت پر ہے اس لئے جو شخص دنیا کی کسی غرض سے ہجرت کرے گا تو یہ اللہ تعالیٰ کی راہ کی ہجرت نہ ہوگی، اس حدیث سے فی سبیل اللہ کا مطلب اور یہ مطلب اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی بردباری کے سبب سے دنیا میں ظاہری مہاجروں سے کچھ مواخذہ نہیں کیا، لیکن آیتوں میں جن مہاجروں کے اجر کا ذکر ہے وہ وہی مہاجر ہیں جنہوں نے عقبیٰ کے ثواب کی نیت سے ہجرت کی ہے۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوموسیٰ اشعریؓ کی حدیث کئی جگہ گزر چکی ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر بردبار کون ہو سکتا ہے کہ لوگ شرک کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کے رزق اور ان کی صحت کے انتظام کو بحال رکھتا ہے، اس حدیث سے اللہ تعالیٰ کی بردباری کا مطلب اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے۔

۶۰:۔ تفسیر مقاتل بن حیان، تفسیر ابن جریر اور تفسیر ابن ابی حاتم میں جو شان نزول اس آیت کی بیان کی گئی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ کچھ مسلمانوں اور مشرکوں کا مقابلہ محرم کے مہینہ میں پڑ گیا۔ مشرکوں نے آپس میں صلاح کی کہ اس مہینے میں مسلمانوں

لہ تفسیر ابن جریر ص ۱۹۵ ج ۱۷ و الدر المنثور ص ۳۶۹ ج ۴۔ ۲ آیت کا بقیہ اگلے صفحہ پر ہے۔

لَيَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ

تو البتہ اس کی مدد کرے گا اللہ بیشک اللہ درگزر کرتا ہے بخشتا۔ یہ اس واسطے کہ اللہ پیٹھاتا ہے رات کو دن میں

وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ

اور دن کو رات میں اور اللہ سنتا ہے دیکھتا۔ یہ اس واسطے کہ اللہ وہی ہے صحیح

وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ۝

اور جس کو پکارتے ہیں اس کے سوا وہی ہے غلط اور اللہ وہی ہے اوپر بڑا۔

پر ضرور حملہ کرنا چاہئے کس لئے کہ اس مہینہ میں یہ لوگ لڑائی کو جائز نہیں سمجھتے اس واسطے یہ اوپرے دل سے ان دنوں میں لڑیں گے اور ہم ان پر غالب رہیں گے، مسلمانوں نے اگرچہ مشرکوں کو طرح طرح کی قسمیں دیں اور کہا کہ محرم کے مہینے میں مقابلہ نہ کرو لیکن مشرکوں نے نہ مانا، آخر مقابلہ ہوا اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح دی مگر مسلمانوں کے دل میں خلش رہی کہ محرم کے مہینے میں لڑنے سے اللہ تعالیٰ ان سے ناخوش ہوا ہوگا اور ان کے مدینہ واپس جانے تک کوئی آیت اللہ کی خوشنودی کی ان کے حق میں نازل ہوگی لیکن اللہ تعالیٰ تو غیب دان ہے اس کو ان کے دلوں کا حال معلوم تھا کہ ان کے دلوں میں محرم کی تعظیم تھی اور اپنی طرف سے یہ ہرگز لڑنا نہیں چاہتے تھے مشرکوں نے جب ان پر کمال زیادتی کی اس وقت انہوں نے بدلہ لینے کے طور پر مقابلہ کیا اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے مدینہ میں داخل ہونے سے پہلے یہ آیت نازل فرمائی اور فرما دیا کہ یہ لوگ مجبور ہو کر لڑے، اس واسطے اللہ تعالیٰ نے ان سے کچھ مؤاخذہ نہیں فرمایا اس طرح کی مجبوری کے ہر موقع کو اللہ تعالیٰ ہمیشہ معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے، صحیح مسلم، ابوداؤد اور ترمذی میں ابوہریرہؓ سے روایت[۱] ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، لڑائی جھگڑے میں سارا بوجھ اس شخص پر ہوتا ہے جو جھگڑے کی ابتدا اور جھگڑے کو شروع کرے۔ اس حدیث سے یہ مطلب اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے کہ اس لڑائی میں ناجائز لڑائی کی ابتدا مشرکوں کی طرف سے تھی اس لئے اللہ تعالیٰ نے ناجائز لڑائی کا سارا بوجھ مشرکوں پر رکھا اور مسلمانوں کو ناجائز لڑائی کے بوجھ سے سبکدوش فرما کر غیبی مدد سے انہیں فتحیاب کر دیا، تفسیر مقاتل اور تفسیر ابن ابی حاتم کے صحیح ہونے کا ذکر ایک جگہ اس تفسیر میں کر دیا گیا ہے اس لئے اس شانِ نزول کو معتبر کہا جا سکتا ہے۔

۶۱-۶۲:۔ اوپر مظلوم کی غیبی مدد کا ذکر فرما کر ان آیتوں میں رات دن کے گھٹنے بڑھنے اور اس موسم کی تبدیلی سے برسات کا موسم آجانے اور اس موسم میں مینہ کے برسنے اور اس مینہ سے طرح طرح کی پیداوار کے پیدا ہونے کی قدرت کی چند نشانیوں کا ذکر فرمایا تاکہ ہر شخص کی سمجھ میں آجاوے کہ جس کی قدرت میں یہ خلافِ عقل آنکھوں کے سامنے کی سب باتیں ہیں اس کی قدرت میں یہ بھی ہے کہ وہ جس کمزور کو چاہے خلافِ عقل بڑے سے بڑے ظالم دشمن پر فتح یاب کر دے، صحیح بخاری میں براءؓ بن العازب سے اور صحیح مسلم میں حضرت عمرؓ سے جو[۲] روایتیں ہیں، ان کا حاصل یہ ہے کہ بدر کی لڑائی کے وقت لشکرِ اسلام کی تعداد تین سو انیس سے بڑھ کر نہیں تھی، سورہ انفال میں گزر چکا ہے کہ مشرکینِ مکہ کی فوج اس لڑائی میں ہزار آدمی کے قریب تھی، یہ بھی گزر چکا ہے کہ مدد غیبی سے جو فتح ہوئی وہ بالکل خلافِ عقل تھی، حاصل کلام یہ ہے کہ ان آیتوں سے پہلے کی آیت میں مظلوم کی مدد کا وعدہ فرما کر

[۱] الترغیب والترہیب ص ۲۶۶ ج ۳ [۲] صحیح بخاری مع شرح فتح الباری، باب عدۃ اصحاب بدر

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ

تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے اتارا آسمان سے پانی پھر صبح کو زمین ہو جاتی ہے سبز بے شک اللہ چھپی تدبیریں جانتا ہے

خَبِيْرٌ ﴿۶۳﴾ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْغَنِىُّ الْحَمِيْدُ ﴿۶۴﴾

خبردار، اسی کا ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور بیشک اللہ وہی ہے بے پرواہ سب خوبیوں سراہا۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ وَالْفُلْكَ تَجْرِىْ فِى الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ؕ

تو نے نہ دیکھا کہ اللہ نے بس میں دیا تمہارے جو کچھ ہے زمین میں اور کشتی چلتی دریا میں اس کے حکم سے

ان آیتوں میں قدرت کی چند نشانیوں سے وقت مقررہ پر اس وعدہ کے ظہور کا جو یقین دلایا گیا تھا وہ ظہور بدر کی لڑائی کے وقت ایسا ہوا کہ مشرکین مکہ میں کے جن بڑے بڑے سرکش ظالموں نے ہجرت سے پہلے غریب مسلمانوں پر طرح طرح کا ظلم کیا تھا، اس لڑائی میں وہ ظالم بڑی ذلت سے مارے گئے اور مرتے ہی عذاب آخرت میں گرفتار ہو گئے، جس عذاب کے جتلانے کے لئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سرکش ظالموں کی لاشوں پر کھڑے ہو کر یہ فرمایا کہ اب تو تم لوگوں نے اللہ کے وعدے کو سچا پالیا، صحیح بخاری کی انسؓ بن مالک کی روایت کے حوالہ سے بدر کی لڑائی کا قصہ کئی جگہ گزر چکا ہے، حاصل مطلب ان آیتوں کا یہ ہے کہ جس اللہ نے وطن چھوڑنے والے مظلوم مسلمانوں سے مدد کرنے کا وعدہ فرمایا ہے وہ بڑا صاحب قدرت ہے جب چاہتا ہے دن کی گھڑیاں بڑھا کر رات کی گھڑیاں گھٹا دیتا ہے، اسی طرح جب چاہتا ہے دن کی گھڑیاں گھٹا کر رات کی گھڑیاں بڑھا دیتا ہے، مظلوموں کی ہر وقت کی فریاد کو سنتا اور ظالموں کے ہر طرح کے ظلم کو دیکھتا ہے، یہ اس واسطے ہے کہ وہ بڑا بادشاہ ہے کوئی چیز اس کے حکم سے باہر نہیں ہے، یہ نادان مشرک ایسے بڑے صاحب قدرت کی تعظیم میں بتوں کو جو شریک کرتے ہیں، مکہ کے قحط کے وقت ان بت پرستوں کو یہ بات اچھی طرح سے معلوم ہو چکی ہے کہ ان بتوں کو یا جن کے نام کی یہ مورتیں ہیں ان کو اللہ کے کارخانے میں کسی کو کچھ دخل نہیں، پھر فرمایا، اللہ تعالیٰ کی یہ قدرت بھی سب کی آنکھوں کے سامنے ہے کہ وہ صاحب قدرت موسم کی تبدیلی سے ہر سال برسات میں آسمان سے مینہ کے برسنے کا حکم دیتا ہے جس سے تمام زمین سرسبز ہو جاتی ہے، یہ سب تدبیریں اس کی اس لئے ہیں کہ وہ لوگوں کی ضرورتوں سے واقف اور ان ضرورتوں کی خبر رکھتا ہے، پھر فرمایا کہ جو کچھ زمین آسمان میں ہے وہ سب اس کے حکم میں ہے اس واسطے اس کے کسی انتظام کو کوئی روک نہیں سکتا، اس کو آسمان و زمین کی کسی چیز کی کچھ پرواہ نہیں اس لئے اس کے سب کام دوسروں کے فائدہ کے لئے اور قابل تعریف ہیں۔

۶۵۔ اوپر کی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی نشانیاں بیان فرمائی ہیں، مثلاً مینہ کا موسم پر برسنا جس سے طرح طرح کی پیداوار کھیتوں اور باغات میں پیدا ہوتی ہے، یہی مینہ اگر بے وقت برسے یا ضرورت سے زیادہ یا کم برسے تو کچھ فائدہ نہیں ہوتا بلکہ الٹا نقصان ہوتا ہے اور اگر بالکل نہ برسے تو قحط پڑ جاتا ہے، ان آیتوں میں فرمایا، وہی مینہ کا پانی ندیوں اور دریاؤں میں جمع ہو جاتا ہے اور اس پانی میں کشتیاں چلتی ہیں اور اس ملک کی پیداوار اس ملک میں اور اس ملک کی اس ملک میں ان کشتیوں کے ذریعہ سے دریاؤں میں چلی جاتی ہے، اسی طرح جانور جو اللہ تعالیٰ نے پیدا کئے ہیں ان کے ذریعہ سے طرح طرح کی تجارت خشکی میں ہوتی ہے، آسمان جو اتنی بڑی چھت ہے اس کو بغیر ستون کے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا

وَيُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ

اور تھام رکھتا ہے آسمان کو اس سے کہ گر پڑے زمین پر مگر اس کے حکم سے مقرر اللہ لوگوں پر نرمی کرتا ہے

رَّحِيْمٌ ﴿۶۵﴾ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَحْيَاكُمْ ۡ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ ﴿۶۶﴾

مہربان اور اس نے تم کو جلایا پھر مارتا ہے پھر جلاوے گا بیشک انسان ناشکرا ہے

ہے جو اللہ کی حفاظت اور اس کے حکم سے کھڑا ہے ایسے خالق کو چھوڑ کر لوگ سوا اس کے اوروں کی پرستش یا عبادت جو کرتے ہیں اللہ چاہے تو آسمان کو پٹخ دیوے کہ تمام دُنیا کے لوگ دب کر مرجاویں، یا مینہ ضرورت سے زیادہ برسا دیوے کہ تمام دنیا غرق ہوجاوے یا بالکل نہ برساوے کہ قحط سے سب آدمی اور جانور ہلاک ہوجاویں، غرض جو سامان آدمی کی زیست اور راحت کے ہیں اگر وُہ خالق ان سب سامانوں کو اپنی قدرت سے ایک اندازہ پر نہ رکھے تو یہی سامان انسان اور دنیا کی ہلاکت کا سبب قرار پاسکتے ہیں، ان نشانیوں کو ذکر فرما کر پھر فرمایا کہ اللہ اپنے بندوں پر بڑا مہربان اور شفیق ہے، باوجود اس کے کہ انسان خدا کو چھوڑ کر دوسروں کی پرستش کرتا ہے، خدا کو، خدا کے عذاب کو بھول کر طرح طرح کے گناہ کرتا ہے اس پر بھی اللہ تعالےٰ انسان کی راحت کے سامان میں کچھ فرق نہیں ڈالتا بلکہ جس طرح شفیق آقا اپنے فرمانبردار غلام کی پرورش میں لگا رہتا ہے اس طرح اللہ تعالیٰ اس نافرمان غلام انسان کو پالتا اور پرورش کرتا ہے، پھر فرمایا کہ انسان بڑا ناشکرا ہے کہ نہ اس نے اس بات کی شکرگزاری کی کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی راحت کے کیا کیا سامان پیدا کئے ہیں، نہ اس بات کی شکرگزاری کی کہ باوجود نافرمانی کے اللہ تعالیٰ نے انسان کی راحت کے ان سامانوں کو بدستور جاری اور قائم رکھا ہے، صحیحین، مسند امام احمد وغیرہ کے حوالہ سے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی روایت کئی جگہ گزر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ بُردبار کوئی نہیں ہے۔ یہ لوگ اس کی نافرمانی کرتے ہیں اور وُہ ان کو تندرستی اور رزق دیتا ہے اور ان کی ہر طرح کی بلا کو ٹالتا ہے نافرمان لوگوں پر جلدی سے کوئی آفت جو نہیں آتی، یہ حدیث گویا اس کی تفسیر ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ نافرمان لوگوں کے کام اگرچہ اللہ کی مرضی کے موافق نہیں ہیں لیکن یہ اللہ کی بردباری ہے کہ اس نے ان نافرمان لوگوں کو ڈھیل دے رکھی ہے جلدی سے کوئی آفت ان پر نازل نہیں فرماتا ہے۔

۶۶:۔ اوپر انسان کی ضرورت کی چیزوں کے پیدا کرنے کا احسان جتلایا جا کر اس آیت میں خود انسان کے پیدا کرنے کا احسان جتلایا گیا ہے حاصل مطلب آیت کا یہ ہے کہ انسان کی کچھ ہستی نہیں تھی، اللہ تعالیٰ نے اس کو نیست سے ہست کیا، اس کی سب ضرورت کی چیزوں کو پیدا کیا۔ انسان کی عمر کی ایک تعداد مقرر کی جس کے پورے ہوجانے کے بعد ہر شخص مرجاوے گا اور پھر وقت مقررہ پر سزا و جزا کے لئے ہر شخص کو دوبارہ زندہ کیا جاوے گا کہ دُنیا کا پیدا کرنا ٹھکانے لگے لیکن انسان ایسا ناشکرا ہے کہ اللہ کے ان سب احسانات کو بھول کر اللہ کی تعظیم میں ایسے غیروں کو شریک کرتا ہے کہ نہ انہوں نے انسان کو پیدا کیا نہ انسان کی کسی ضرورت کی چیز کو پیدا کیا صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے مغیرہ بن شعبہؓ[1] کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے کہ رات کی نماز میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے زیادہ کھڑے رہنے سے آپؐ کے پاؤں سُوج جاتے تھے لوگوں نے آپ سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے پچھلے سب گناہ معاف کردیئے ہیں، پھر آپ عبادت میں اتنی کوشش کیوں کرتے ہیں آپؐ نے فرمایا کیا میں اللہ تعالیٰ کے احسانات کا شکریہ ادا نہ کروں صحیح بخاری و مسلم

[1] مشکوٰۃ باب التحریض علی قیام اللیل۔

لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْاَمْرِ وَادْعُ اِلٰى

ہر فرقے کو ٹھہرا دی ہم نے ایک راہ بندگی کی کہ وہ اسی طرح کرتے ہیں بندگی سو چاہئے تجھ سے جھگڑا نہ کریں اس کام میں اور تو بلائے جا اپنے

رَبِّكَ ط اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٦٧﴾ وَاِنْ جٰدَلُوْكَ فَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿٦٨﴾

رب کی طرف بیشک تو ہے سیدھی راہ پر سوجھا اور اگر تجھ سے جھگڑنے لگیں تو تو کہہ اللہ بہتر جانتا ہے جو تم کرتے ہو

کے حوالہ سے عبداللہ بن مسعود کی حدیث بھی گزر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس طرح پیدا کیا کہ اس میں کوئی اللہ کا شریک نہیں اس لئے انسان پر خالص دل سے اکیلے اللہ کی تعظیم واجب ہے، جو لوگ اللہ کی عبادت میں دوسروں کو شریک کرتے ہیں ان سے بڑھ کر دنیا میں کوئی گنہ گار نہیں، ان حدیثوں کو آیت کے ساتھ ملانے سے یہ مطلب ہوا کہ ہر شخص پر خالص دل سے اکیلے اللہ کی عبادت واجب ہے جو لوگ اس واجب میں خلل ڈالتے ہیں ان سے بڑھ کر دنیا میں کوئی گنہ گار نہیں۔

۶۷۔۷۰:۔ چند مشرکوں نے صحابہؓ سے جھگڑا کیا تھا کہ تم اپنے ہاتھ کا ذبح کیا ہوا جانور کھاتے ہو اور اللہ کا مارا ہوا جانور نہیں کھاتے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں مفسروں نے ان آیتوں کے معنی دو طرح بیان کئے ہیں، ایک معنی تو یہ ہیں کہ ہر زمانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک شریعت قائم کی ہے، کبھی شریعت موسوی ہے اور کبھی عیسوی اور کبھی محمدی، اپنے اپنے زمانے میں ہر شریعت حق اور اللہ کی بھیجی ہوئی ایک شریعت ہے، ایک شریعت کا حکم پکڑ کر دوسری شریعت کے حکم میں حجت کرنا ٹھیک نہیں ہے دوسرے معنی یہ ہیں کہ دنیا کے پیدا کرنے سے پہلے اللہ کے علم میں نیک و بد چھٹ چکے ہیں اس لئے ہر ایک گروہ اپنی تقدیری خو اور عادت پر اڑا ہوا ہے۔

مسئلہ تقدیر کی عمدہ تحقیق

غرض اس دوسرے معنی میں اللہ کے علم غیب کا اور اللہ کے اس علم غیب کے موافق جو کچھ دنیا کے پیدا ہونے سے پچاس ہزار برس پہلے قرار پایا ہے اس کا ذکر ہے اسی کو تقدیر کہتے ہیں، آگے کی آیتوں میں یہ ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم غیب کے موافق لوح محفوظ میں یہ سب کچھ لکھا ہوا ہے اس لئے دوسرے معنی قرآن کے مطلب کے موافق ہیں، یہ تقدیر الٰہی اور علم الٰہی کا مسئلہ ایسا مشکل ہے کہ اس میں بہت لوگ بہک گئے ہیں اور طرح طرح کی غلطی میں پڑ گئے ہیں، چنانچہ فلسفی لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو جزئیات کا علم نہیں اور اپنے اس قول پر دلیل انہوں نے یہ پیش کی ہے کہ جزئی چیزیں بدلتی رہتی ہیں، مثلاً کبھی زید بھوکا ہے، کبھی پیاسا ہے، کبھی بچپنے کی حالت میں ہے کبھی بڑھاپے کی حالت میں اگر زید کی ان سب حالتوں کا علم اللہ تعالیٰ کو ہوگا تو اللہ تعالیٰ کا علم بھی ہمیشہ گویا بدلتا رہے گا کیونکہ علم کی حالت بدلنے سے عالم کی حالت بھی بدل جاتی ہے علماء اسلام نے بہت آیتوں اور حدیثوں سے فلسفیوں کی عقلی دلیلوں کو غلط ٹھہرایا ہے اور عقلی جواب بھی دیئے ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ہر جزئی حالت کو پیدا کرنے سے پہلے جان کر لوح محفوظ میں لکھ لیا ہے تو اللہ تعالیٰ کے علم کی نسبت یہ کہنا کہ علم کی حالت بدلنے سے عالم کی حالت بھی بدل جاتی ہے بالکل غلط ہے کس لئے کہ علم کی حالت بدلنے سے اس عالم کی حالت بدل جاتی ہے جو عالم اس حالت کو پہلے سے نہ جانتا ہو، اللہ تعالیٰ کا علم ایسا نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے علم کی مثال ایسی ہے کہ جس طرح ایک گھڑی ساز ایک گھڑی کی عمر اور طرح طرح کی گھڑی کی حالت کو پہلے سے ذہن میں رکھ کر ایک گھڑی بنا دے، اب اس گھڑی کے تیار ہونے کے بعد اس گھڑی کی جس قدر حالتیں بدلیں گی، آن سے اس گھڑی ساز کی حالت اس کے

اَللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۶۹﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ

اللہ چکوتی کرے گا تم میں قیامت کے دن جس چیز میں تم کئی راہ تھے۔ کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ اللہ

يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ فِيْ كِتٰبٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿۷۰﴾

جانتا ہے جو کچھ آسمان میں اور زمین میں یہ ہے لکھا کتاب میں یہ اللہ پر آسان ہے۔

علم کی حالت کچھ نہ بدلے گی، اس نے ان سب حالتوں کو پہلے ہی سے جان لیا ہے، ہاں سوا اس گھڑی ساز کے اور لوگ جو اس گھڑی کا حال پہلے سے نہیں جانتے، اس گھڑی کے نئے حال کے جاننے سے ان کے علم کی حالت اور خود ان کی حالت بدلے گی۔ اب اس مثال میں گھڑی ساز کے علم کی حالت اور اور لوگوں کی حالت کو ایک بتلانا جس طرح غلط ہے اسی طرح فلسفی لوگوں نے مخلوق کے علم کی حالت اور خالق کے علم کی حالت کو ایک جان کر ایک حالت کو جو دوسری حالت پر قیاس کیا ہے، وہ بالکل غلط ہے، یہ تو علم الٰہی میں فلسفی لوگوں نے جو غلطی کی ہے اس کا ذکر ہوا۔ اب تقدیر کے مسئلہ میں جبریہ اور قدریہ دونوں فرقوں نے غلطی کی ہے قدریہ لوگوں میں دو گروہ ہیں ایک گروہ تو تقدیر کو بالکل نہیں مانتا، بلکہ یہ کہتا ہے کہ پہلے سے اللہ تعالیٰ نے کچھ نہیں لکھا، بلکہ اب جو کچھ نیک و بد دنیا میں ہوتا ہے وہ بغیر اللہ کے پہلے سے لکھنے کے خود بندہ کر لیتا ہے، دوسرا گروہ نیکی کو خدا کا فعل بتلاتا ہے اور بدی کو بندہ کا فعل کہتا ہے یہ عقیدہ پارسی لوگوں کے عقیدہ کے موافق ہے اسی واسطے قدریوں کے اس گروہ کو اس امت کے مجوس کہتے ہیں جبریہ فرقہ کا یہ عقیدہ ہے کہ بندہ کو اپنے فعل میں کچھ دخل نہیں ہے بلکہ وہ بمنزلہ ایک پتھر کے ہے، جو کچھ نیک و بد کام بندہ کرتا ہے، وہ خود خدا کرتا ہے، اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ دنیا میں امتحان کے لئے نیک و بد سب کچھ اللہ کا پیدا کیا ہوا ہے اور بندہ کو ہر طرح کے فعل کا مختار کیا ہے جیسا کہ بندہ کرے گا، ویسا ہی پھل پاوے گا اور علمائے اہل سنت نے جبریہ اور قدریہ دونوں مذہب کے لوگوں کی غلطیاں حدیث کی شرحوں اور عقائد کی کتابوں میں نقلی اور عقلی دلیلوں سے بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کی ہیں۔ یہاں ان کے بیان کرنے کی گنجائش نہیں ہے حاصل مطلب یہ ہے کہ حج اور عمرہ کی قربانی کے وقت اور روز مرہ جانوروں کے ذبح کے وقت جو لوگ مردار جانوروں کا گوشت جائز ٹھہرانے کے لئے یہ حجت پیش کرتے ہیں کہ مسلمان غلطی پر ہیں جو اللہ کے مارے ہوئے جانور کا گوشت نہیں کھاتے اور اپنے ہاتھ کے ذبح کئے ہوئے جانور کا گوشت کھاتے ہیں ان لوگوں کی ایسی حجتیں پیش کرنے کا سبب یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم غیب کے موافق ہر فرقہ کا طریقہ لوح محفوظ میں لکھا جا چکا ہے اسی کے موافق دنیا میں ہر فرقہ کا طریقہ پایا جاتا ہے، اس واسطے اے رسول اللہ کے تم ان لوگوں کو ذبح کے باب میں اللہ کا حکم سنا دو کیونکہ جس طریقہ پر تم ہو وہ اللہ کا بتایا ہوا سیدھا راستہ ہے اور جس طریقہ پر یہ لوگ ہیں وہ بے سند طریقہ ہے اس پر بھی جو لوگ جھگڑے سے باز نہ آویں تو ان لوگوں سے کہہ دیا جاوے کہ ہمارا تمہارا فیصلہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے روبرو ہو کر اس فیصلہ کے بعد حق و ناحق ہر ایک کو معلوم ہو جاوے گا اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کو غیب کا علم نہیں ہے اس واسطے دنیا کے پیدا ہونے سے پہلے تمام دنیا کا قیامت کے حال کا لوح محفوظ میں لکھا جانا ان کو مشکل معلوم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علم غیب سے کوئی چیز باہر نہیں ہے اس لئے دنیا کے پیدا ہونے سے پہلے تمام دنیا کا حال لوح محفوظ میں لکھ دینا اس کے نزدیک آسان ہے، صحیح مسلم کے حوالہ سے عبداللہ بن عمروؓ بن العاص کی حدیث کئی جگہ گزر چکی ہے کہ دنیا کے پیدا کرنے

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّمَا لَيْسَ لَهُمْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ

اور پوجتے ہیں اللہ کے سوا جس کی سند نہیں اتاری اس نے اور جس کی خبر نہیں ان کو

وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ﴿۷۱﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ تَعْرِفُ فِيْ

اور بے انصافوں کا کوئی نہیں مددگار اور جب سنائی ان کو ہماری آیتیں صاف تو پہچانے منکروں

وُجُوْهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ ؕ يَكَادُوْنَ يَسْطُوْنَ بِالَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ عَلَيْهِمْ

کے منہ پر بُری شکل نزدیک ہوتے ہیں کہ دوڑ پڑیں ان پر جو پڑھتے ہیں ان کے پاس

اٰيٰتِنَا ؕ قُلْ اَفَاُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ اَلنَّارُ ؕ وَعَدَهَا اللّٰهُ الَّذِيْنَ

ہماری آیتیں تو کہہ میں تم کو بتاؤں ایک چیز اس سے بری وُہ آگ ہے اس کا وعدہ دیا ہے اللہ نے

كَفَرُوْا ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۷۲﴾ ع

منکروں کو اور بہت بُری ہے پھر جانے کی جگہ۔

ع ۹ / ۸ / ۱۶

سے پچاس ہزار برس پہلے اپنے علمِ غیب کے موافق اللہ تعالیٰ نے تمام دنیا کا حال لوحِ محفوظ میں لکھ لیا ہے ، اس حدیث سے یہ مطلب اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے کہ دنیا کے پیدا ہونے سے کس قدر مدت پہلے تمام دُنیا کا حال لوحِ محفوظ میں لکھا گیا ہے۔

۷۱-۷۲ :۔ اوپر ذکر تھا کہ اللہ تعالیٰ کے علمِ غیب کے موافق ہر فرقہ کا طریقہ لوحِ محفوظ میں لکھا جاچکا ہے۔ اسی کے موافق ہر فرقہ کا طریقہ دنیا میں پایا جاتا ہے ، اس بات کو پورا کرنے کے لئے ان آیتوں میں مشرکینِ مکّہ کے غلط طریقہ کا حال بیان فرمایا کہ یہ لوگ رات دن بُت پرستی میں لگے ہوئے ہیں اور اپنے آپ کو شریعتِ ابراہیمی پر کہتے ہیں حالانکہ شریعتِ ابراہیمی تو درکنار دنیا بھر کی تمام شریعتوں میں کہیں بت پرستی کی کوئی سند نہیں ہے ، پھر فرمایا بُت پرستی کے جائز ہونے پر کوئی سند نقلی موجود نہ ہونے کے علاوہ ان لوگوں کے پاس کوئی عقلی سند بھی بتوں کے معبود ٹھہرانے کی نہیں ہے کیونکہ یہ بت تو پتھر کی مورتیں ہیں ، ان میں نہ بولنے چلنے کی طاقت ہے نہ اپنی پوجا کرانے کی خواہش ، اب رہے وُہ لوگ جن کی شکل کی یہ مورتیں ہیں وُہ ان مشرکوں کی صورت سے بیزار ہیں اس لئے ان ظالم بُت پرستوں کا دنیا اور عقبیٰ میں کوئی یار و مددگار نہیں ، آگے فرمایا کہ اللہ کے علمِ غیب کے موافق ان میں جو لوگ گمراہ ٹھہر چکے ہیں ان کا یہ حال ہے کہ جب ان کو بُت پرستی کی مذمت کی آیتیں سنائی جاتی ہیں تو غصہ سے ان کے چہرے کا رنگ بدل جاتا ہے اور بتوں کی مذمت کی آیتیں سنانے والوں پر حملہ کرنے کو تیار ہوجاتے ہیں اے رسُول اللہ کے تم ان لوگوں سے کہہ دو کہ اس سے بھی زیادہ غصہ اور چہرہ کا رنگ بدل جانے کی چیز دوزخ کی وُہ آگ ہے جس میں جھونکنے کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے ایسے منکر شریعت لوگوں سے کیا ہے اور یہ خوب یاد رہے کہ ایسے لوگوں کے حق میں دوزخ بہت ہی بُرا ٹھکانا ہے۔ صحیح بخاری و مسلم میں انس رضؓ بن مالک سے اور فقط ترمذی وغیرہ میں ابوذر رضؓ سے جو روایتیں[1] ہیں ، ان میں اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ، دوزخ کے عذاب کا جو حال مجھ کو معلوم ہے اگر وُہ پورا حال لوگوں کو معلوم ہوجاوے تو لوگ بستی اور بال بچوں کو چھوڑ کر جنگل میں نکل جاویں اور سوائے رونے کے اور کچھ کام ان کو نہ رہے ، دوزخ کے بہت ہی بُرا ٹھکانا نہ ہونے کا مطلب ان حدیثوں سے اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے۔

[1] الترغیب والترہیب ص ۲۶۴-۲۶۵ ج ۴ طبع مصر ۱۳۸۸ھ

يٰاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

لوگو! ایک کہاوت کہی ہے اس کو کان رکھو جن کو تم پوجتے ہو اللہ کے سوائے

لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ؕ وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْـًٔا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ؕ

ہرگز نہ بنا سکیں ایک مکھی اگرچہ سارے جمع ہوں اور اگر کچھ چھین لے ان سے مکھی چھڑا نہ سکیں وہ اس سے

ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ﴿۷۳﴾ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿۷۴﴾

بودا ہے چاہنے والا اور جن کو چاہتا ہے ۔ اللہ کی قدر نہیں سمجھی جیسے اس کی قدر ہے بیشک اللہ زور آور ہے زبردست

اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۷۵﴾ يَعْلَمُ

اللہ چھانٹ لیتا ہے فرشتوں میں پیغام پہنچانے والے اور آدمیوں میں اللہ سنتا ہے دیکھتا ۔ جانتا ہے

۷۳-۷۴:۔ اوپر ذکر تھا کہ جب ان بت پرستوں کو بتوں کی مذمت کی آیتیں سنائی جاتی ہیں تو ان آیتوں کے سنانے والے مسلمانوں پر یہ مشرک حملہ کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں، ان آیتوں میں مشرکوں کے قائل کرنے کے لئے فرمایا کہ یہ مشرک جن بتوں کی مذمت سے ایسے چڑتے ہیں، آخر وہ بت اپنے پوجا کرنے والوں کی کیا مدد کر سکتے ہیں وہ تو ایسے عاجز ہیں کہ تمام دنیا کے بت بھی جمع ہو جاویں تو اللہ کی مخلوقات میں کی ایک ادنیٰ چیز مکھی کو بھی نہیں پیدا کر سکتے بلکہ مکھی کا پیدا کرنا تو درکنار یہ بت زعفران پانی میں گھول کر خوشبو کے لئے ان بتوں پر جو مل دیتے ہیں اور مکھیاں اس کو چاٹنا اور اس کے ریزے منہ میں لے کر اڑنا شروع کر دیتی ہیں تو یہ بت ان ریزوں کو بھی مکھی کے منہ سے نہیں چھڑا سکتے، اس واسطے اگرچہ مکھی اللہ کی ایک ناچیز اور عاجز مخلوق ہے لیکن یہ بت تو ایسے عاجز ہیں کہ ایک مکھی کا بھی مقابلہ نہیں کر سکتے رہی یہ بات کہ جن نیکوں کی شکل کی یہ پتھر کی مورتیں ہیں، عقبیٰ میں وہ نیک لوگ ان مورت پرستوں کے کچھ کام نہ آئیں گے کیونکہ ان مشرکوں کو پہلے ہی سمجھا دیا گیا ہے کہ قیامت کے دن وہ نیک لوگ ان مشرکوں کی صورت سے بیزار ہو جاویں گے مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب یہ لوگ ایسی عاجز سی چیزوں کو اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں تو اللہ کی قدرت پہچاننے سے ایسے لوگ بالکل بے بہرہ ہیں اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو مشرک اللہ کے علم غیب میں گمراہ اور دوزخی ٹھہر چکے ہیں وہ ایسی ہی بدحواسی کی باتیں کرتے ہیں کہ اللہ جیسے زبردست معبود کو چھوڑ کر خیالی چیزوں کی پوجا کو اچھا جانتے ہیں۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے حضرت علیؓ کی حدیث کئی جگہ گزر چکی ہے جس کے ایک ٹکڑے کا حاصل یہ ہے کہ جو لوگ اللہ کے علم غیب میں دوزخی قرار پا چکے ہیں ان کو برے کام آسان اور اچھے معلوم ہوتے ہیں، حدیث کے اس ٹکڑے سے آیتوں کا مطلب اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مشرکین مکہ میں کے جو لوگ اللہ تعالیٰ کے علم غیب میں دوزخی ٹھہر چکے ہیں، اگرچہ قرآن کی کھلی کھلی مثالوں سے ان کو بت پرستی کی برائی سمجھائی گئی لیکن مرتے دم تک وہ لوگ بت پرستی کو ہی اچھا جانتے رہے۔

۷۵-۷۶:۔ سورۃ الزخرف میں آوے گا کہ اکثر مشرکین مکہ جب یہ سمجھ گئے کہ جس طریقہ پر وہ لوگ ہیں، ملت ابراہیمی کے وہ طریقہ بالکل خلاف ہے تو ان لوگوں نے یہ کہنا شروع کر دیا تھا کہ ہم لوگ مالدار اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم تنگ دست ہیں اس واسطے مکہ کے ولید بن مغیرہ یا طائف کے عروہ بن مسعود جیسے مالدار شخص کو ہم اپنا رسول بنانا اور اس سے ملت ابراہیمی کو سیکھنا چاہتے ہیں مشرکین مکہ کی اس بات کا جواب اللہ تعالیٰ نے سورۃ الزخرف میں تفصیل سے دیا ہے اور یہاں مختصر طور پر اتنا ہی جواب دیا ہے کہ جس طرح یہ لوگ

مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۗ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿٧٦﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا

جو ان کے آگے اور جو ان کے پیچھے اور اللہ تک پہنچ ہے ہر کام کی ۔ اے ایمان والو!

ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿٧٧﴾ وَجَاهِدُوْا

رکوع کرو اور سجدہ کرو اور بندگی کرو اپنے رب کی اور بھلائی کرو شاید تم بھلا پاؤ ۔ اور محنت کرو

فِى اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ۗ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِى الدِّيْنِ

اللہ کے واسطے جو چاہیئے اس کی محنت اس نے تم کو پسند کیا اور نہیں رکھی تم پر دین میں

اللہ کی قدرت کے پہچاننے سے بے بہرہ ہیں اسی طرح اللہ کی حکمت کا علم ان لوگوں کو نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے جس کو چاہا اپنی حکمت کے موافق فرشتوں اور بنی آدم میں سے رسول بنایا ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی حکمت کا نہ کچھ بھید معلوم ہے نہ ان کو اللہ تعالیٰ کی حکمت میں دخل دینے کا کچھ حق حاصل ہے صحیح مسلم میں جابرؓ بن عبداللہ سے روایت[1] ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مری ہوئی بکری کو پڑا ہوا دیکھ کر فرمایا اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام دنیا کے مال ومتاع کی قدر اس بکری سے بھی کم ہے، اس حدیث سے یہ مطلب اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے کہ فقط مالداری کے سبب سے ولید بن مغیرہ اور عمرو بن مسعود کو مشرکین مکہ قابل نبوت جو خیال کرتے تھے اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشرکین مکہ کا یہ خیال غلط تھا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام دنیا کی مالداری کچھ قابل قدر چیز نہیں اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے رسول کو تنگدست خیال کر کے یہ مشرک لوگ اللہ کے رسول کی شان میں جو باتیں بناتے ہیں وہ اللہ سب سنتا ہے اور اللہ کے رسول ان باتوں پر صبر جو کرتے ہیں اس کو بھی اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے، آگے فرمایا سب چیزیں اللہ کی پیدا کی ہوئی ہیں، اس لئے کسی کا حاضر وغائب کوئی حال اللہ کے علم سے باہر نہیں ہے۔

۷۷: صحیح مسلم میں ابوہریرہؓ سے روایت[2] ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس وقت کوئی آدمی سجدہ کی کوئی آیت پڑھتا ہے تو شیطان بھاگ جاتا ہے اور رو کر یہ کہتا ہے کہ افسوس انسان کو سجدہ کا حکم ہوا اور اس نے اس حکم کی تعمیل کی اس سبب سے وہ جنت کا مستحق ٹھہرا اور مجھ کو سجدہ کا حکم ہوا میں نے اس حکم کی نافرمانی کی، اس سبب سے میں دوزخ کے قابل ٹھہرا، اگرچہ بعض علماء نے اس سورت میں دو سجدے ہونے کے باب میں اختلاف کیا ہے اور کہا ہے کہ اس سورت میں ایک ہی سجدہ ہے لیکن امام احمد بن حنبل اور ترمذی اور ابوداؤد وغیرہ کی روایتوں[3] میں خود صاحب وحی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس سورت میں دو سجدے ہونے کی صراحت آچکی ہے لیکن اس باب میں عبداللہ بن عمروؓ بن العاص اور عقبہؓ بن عامر کی روایتوں[4] کے سوا اور کوئی روایت نہیں ہے اور ان دونوں روایتوں کی سند کو علماء نے ضعیف قرار دیا ہے[5]، اچھے کاموں میں لگے رہنا اور برے کاموں سے بچنا بھلائی میں یہ سب داخل ہے۔

۷۸: جہاد کے معنی محنت ومشقت کے ہیں، خواہ وہ محنت ومشقت دین کی لڑائی میں ہو یا دین کے اور کاموں میں ہو صحیح مسلم کے حوالہ سے ابوسعید خدریؓ کی روایت کئی جگہ گزر چکی ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ضعف اسلام کے سبب سے جہاں مسلمانوں کو ہاتھ پیر سے دین کی لڑائی کے لڑنے اور خلاف شریعت بات کے مٹانے کی قوت نہ ہو تو زبانی نصیحت سے خلاف شریعت بات کو

[1] مشکوٰۃ کتاب الرقاق، فصل اول [2] مشکوٰۃ باب السجود وفضلہ، فصل اوّل [3] تفسیر ابن کثیر ص ۲۱۱ ج ۳ [4] تاہم حافظ ابن کثیرؒ کا فیصلہ یہ ہے کہ سب مل کر مضبوطی ہو جاتی ہے فهذه شواهد يشهد بعضها بعضاً (ص ۲۱۲ ج ۳) [5] تفسیر ابن کثیر ص ۲۱۱ ج ۳

مِنْ حَرَجٍ ؕ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ؕ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ۬ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ

کچھ مشکل دین تمہارے باپ ابراہیم کا اس نے نام رکھا تھا تمہارا مسلمان حکم بردار پہلے سے اور اس

هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ۖۚ فَاَقِيْمُوا

قرآن میں تا رسول ہو بتانے والا تم پر اور تم ہو بتانے والے لوگوں پر سو کھڑی رکھو

الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ؕ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ﴿۷۸﴾ ع

نماز اور دیتے رہو زکوٰۃ اور گہہ پکڑو اللہ کو وہ تمہارا صاحب ہے سو خوب صاحب ہے اور خوب مددگار۔

مٹانے کی کوشش کی جاوے اگر یہ قوت بھی نہ ہو تو ایماندار شخص کے لئے یہ ضعیف درجہ ایمان کا ہے کہ اس خلاف شریعت بات کو دل سے بُرا جانے، اس حدیث سے یہ مطلب اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے کہ اس ضعف اسلام کے زمانہ میں زبانی وعظ و نصیحت کی محنت و مشقت کا بار اٹھانا ہی بڑا جہاد ہے، حاصل مطلب آیت کا یہ ہے کہ امت محمدیہ کے دیندار لوگو! اللہ تعالیٰ نے اس آخری آسان شریعت پر عمل کرنے کے لئے تم کو پسند کیا ہے اس لئے اس شریعت کی پابندی خوب محنت و مشقت سے کرو، پچھلی شریعتوں میں بعضی باتیں سخت تھیں مثلاً پچیس روپے سینکڑہ زکوٰۃ، یا نماز کے لئے خاص جگہ کا مقرر ہونا، اس شریعت میں زکوٰۃ فقط ڈھائی روپے سینکڑہ ہے اور جہاں پاک زمین مل جاوے، وہاں نماز ہو جاتی ہے، اسی واسطے فرمایا اس دین میں کسی طرح کی تنگی نہیں ہے، شریعت ابراہیمی اور شریعت محمدی کے اکثر مسئلے ملتے جلتے ہیں اس لئے فرمایا یہ شریعت ملت ابراہیمی کی مانند ہے، ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ بنانے کے وقت الہام الٰہی کے موافق اپنی اولاد میں ایک رسول اور فرمانبردار امت کے پیدا ہونے کی جو دعا کی تھی، اس کا ذکر سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے اسی کو فرمایا کہ قرآن کے نازل ہونے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی دعا میں امت محمدیہ کا نام امت مسلمہ قرار دیا اور پھر قرآن میں بھی ان لوگوں کا یہی نام جگہ جگہ لیا گیا ہے، مسند امام احمد، صحیح بخاری، ترمذی وغیرہ کی روایتوں کے حوالہ سے سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے کہ سوائے امت محمدیہ کے اور نبیوں کی امتیں اپنے نبیوں کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے روبرو جھٹلا دیں گی اور یہ کہیں گی کہ یا اللہ ہم کو کسی نبی نے تیرا کوئی حکم نہیں پہنچایا، اس پر امت محمدیہ کے نیک لوگ کہیں گے کہ یا اللہ تو نے ہمارے نبی آخر الزمان پر جو قرآن اتارا تھا، اس میں پہلے نبیوں اور پہلی امتوں کا سب ذکر ہے اس واسطے ہم گواہی دیتے ہیں کہ سب نبیوں نے اپنی اپنی امتوں کو تیرا حکم پہنچا دیا۔ اس کے بعد خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کے حوالہ سے اپنی امت کی گواہی کی تائید فرما دیں گے، اگرچہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے اس کے علم سے کوئی بات باہر نہیں ہے لیکن اللہ کے رسولوں کو جھٹلانے والے لوگوں کو اس گواہی سے قیامت کے دن قائل کیا جاوے گا، جس گواہی کا ذکر اس آیت میں اور اس کی تفسیر ان روایتوں میں ہے اس تفسیر کا حاصل یہ ہے کہ اے امت محمدیہ کے دیندار لوگو! تم کو خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی امت اور قرآن کے پیرو اس واسطے بنایا گیا ہے کہ قیامت کے دن تم کو ایک خاص گواہی کے ادا کرنے کی عزت تمام اہل محشر کے روبرو دی جاوے گی، آخر کو فرمایا، اس عزت کے حاصل کرنے کا طریقہ یہی ہے کہ تم نماز، زکوٰۃ اور آئندہ جو احکام نازل ہوں ان کے پورے پابند رہو اور اسی دین کی پابندی پر خاتمہ بخیر ہونے کا اللہ پر بھروسہ رکھو، کیونکہ ہر حال میں انسان کا اللہ ہی حامی و مددگار رہے اس کی مدد کے بغیر نہ انسان سے کوئی نیک کام ہو سکتا ہے نہ مرتے دم تک کسی نیک حالت پر انسان قائم رہ سکتا ہے، صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی روایت اس

اٰیَاتُہَا ۱۱۸ (۲۳) سُوْرَۃُ الْمُؤْمِنُوْنَ مَکِّیَّۃٌ (۷۴) رُکُوْعَاتُہَا ۶

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝۱ الَّذِیْنَ ھُمْ فِیْ صَلَاتِہِمْ خٰشِعُوْنَ ۝۲ وَالَّذِیْنَ ھُمْ

کام نکال گئے ایمان والے جو اپنی نماز میں نوسے ہیں اور جو

عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۝۳ وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِلزَّکٰوۃِ فٰعِلُوْنَ ۝۴ وَالَّذِیْنَ ھُمْ

نکمی بات پر دھیان نہیں کرتے اور جو زکوٰۃ دیا کرتے ہیں اور جو اپنی

لِفُرُوْجِہِمْ حٰفِظُوْنَ ۝۵ اِلَّا عَلٰٓی اَزْوَاجِہِمْ اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُہُمْ فَاِنَّہُمْ

شہوت کی جگہ تھامتے ہیں مگر اپنی عورتوں پر یا اپنے ہاتھ کے مال پر سو ان پر

غَیْرُ مَلُوْمِیْنَ ۝۶ فَمَنِ ابْتَغٰی وَرَآءَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْعٰدُوْنَ ۝۷ وَ

نہیں الاہنا۔ پھر جو کوئی ڈھونڈے اس کے سوائے سو وہی ہیں حد سے بڑھنے والے اور

تفسیر میں ذکر کی گئی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ قیامت کے دن اللہ کے رسُول کی جان پہچان کے کچھ لوگوں کو فرشتے حوض کوثر سے گھسیٹ کر دوزخ میں لے جائیں گے، یہ حالت دیکھ کر اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کہیں گے یہ لوگ تو میرے صحابہ میں سے ہیں وُہ فرشتے جواب دیں گے آپ کے بعد مرتے دم تک یہ لوگ نیک حالت پر نہیں رہے، اس نبوت کے دور ہو جانے کے زمانہ میں مرتے دم تک نیک حالت پر قائم رہنے کی دُعا جس قدر ہر مسلمان کو ضروری ہے، اس کا حال اس حدیث سے اچھی طرح معلوم ہو سکتا ہے۔

سُورۃ المؤمنون

۱۔ ۱۱:۔ امام احمد بن حنبل، ترمذی، نسائی اور مستدرک حاکم میں حضرت عمرؓ سے صحیح روایتؓ ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اس سُورت کے شروع کی یہ دس آیتیں جب نازل ہوئیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا مانگی[۲] جس دُعا کا حاصل یہ ہے کہ یا اللہ اپنی نعمت کو روز بروز ہم پر بڑھا اور اپنی نعمت سے ہم کو محروم نہ رکھ اور اپنی رضامندی کے کام ہم سے لے اور پھر آپ نے ان آیتوں کو پڑھ کر فرمایا جو کوئی ان دس آیتوں کے موافق عمل کرے گا بلا شک جنت میں داخل ہوگا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور صحابہؓ نے ان آیتوں کی جو تفسیر[۳] کی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ آدمی کا ایمان مضبوط ہونا چاہیئے اور نماز پڑھتے وقت ادھر ادھر نظر نہ ڈالنی چاہیئے بلکہ سجدہ کی جگہ نظر جمی رکھنی چاہیئے صحیح بخاری اور مسلم میں حضرت عائشہؓ سے روایت[۴] ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص نماز پڑھنے میں ادھر اُدھر دیکھتا ہے اس کی نماز میں شیطان کا ساجھا رہتا ہے، معتبر سند سے ترمذی اور نسائی میں حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نماز پڑھنے والا شخص جب تک ادھر اُدھر نظر نہیں ڈالتا تو

[۱] تفسیر ابن کثیر ص ۲۳۷ ج ۳ وتفسیر الدر المنثور ص ۲ ج ۵ [۲] الفاظ یہ ہیں اَللّٰھُمَّ زِدْنَا وَلَا تَنْقُصْنَا وَاَکْرِمْنَا وَلَا تُہِنَّا وَاَعْطِنَا وَلَا تَحْرِمْنَا وَاٰثِرْنَا وَلَا تُؤْثِرْ عَلَیْنَا وَارْضَ عَنَّا وَاَرْضِنَا۔ [۳] تفسیر ابن کثیر ص ۲۳۸ ج ۳ [۴] مشکوٰۃ ص ۹۰

[۵] مشکوٰۃ ص ۹۱۔

الَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۝ ۸ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ

جو اپنی امانتوں سے اور اپنے اقرار سے خبردار ہیں اور جو اپنی نمازوں سے خبردار

يُحَافِظُوْنَ ۝ ۹ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ۝ ۱۰ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ۭ هُمْ

ہیں۔ وہی ہیں میراث لینے والے جو میراث پاویں گے باغ ٹھنڈی چھاؤں کے وہ

فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ ۱۱

اسی میں رہ پڑے۔

اللہ تعالیٰ اس شخص کی طرف متوجہ رہتا ہے، نماز کے ذکر کے بعد یہ ذکر ہے کہ گناہوں سے آدمی کو بچنا چاہیئے، زکوٰۃ ادا کرنے میں چستی چاہیئے، سوا اپنی بی بی اور لونڈیوں کے کسی غیر عورت پر نگاہ نہیں ڈالنی چاہیئے، امانت اور عہد کا پاس رکھنا چاہیئے، روزہ اور حج ہجرت کے بعد فرض ہیں اس لئے اس مکی سورت میں ان دونوں فرضوں کا ذکر نہیں ہے، غرض یہ خصلتیں جس شخص میں ہوں اس کو فرمایا کہ وہ جنتی ہے قرآن شریف میں جگہ جگہ اچھے لوگوں کو جنت کا وارث جو فرمایا ہے اس تفسیر میں حدیث ابوہریرہؓ کی صحیح روایت[1] سے یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کے لئے جنت اور دوزخ دونوں جگہ مکان بنائے ہیں، شرک اور گنہ گاری کے سبب سے جو لوگ جنت سے محروم رہ کر ہمیشہ دوزخ میں رہنے کی سزا پاویں گے ان کے نام کے جنت میں جو مکان لاوارث خالی پڑے رہ جاویں گے ان مکانوں کے وارث بھی اچھے لوگ ٹھہریں گے اس لئے اچھے لوگوں کو جنت کا وارث ٹھہرایا، صحیح سند سے مسند امام احمد میں حضرت عائشہؓ کی حدیث[2] ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ قبر میں منکر نکیر کے سوال کے بعد اچھے لوگوں کو دوزخ دکھا کر یہ کہا جاتا ہے کہ اس برے ٹھکانے سے اللہ تعالیٰ نے تم کو محفوظ رکھا اور برے لوگوں کو جنت دکھا کر یہ کہا جاتا ہے کہ ایسے اچھے اور عمدہ ٹھکانے سے تم محروم رہے، اس حدیث سے بھی ہر ایک شخص کے لئے جنت اور دوزخ دونوں جگہ میں ٹھکانے کا ہونا ثابت ہوتا ہے، بعضے مفسروں نے یہ شبہ پیدا کیا ہے کہ ان آیتوں میں نماز کا ذکر دو دفعہ آیا ہے، جواب اس کا یہ ہے کہ ایک جگہ نماز کے ارکان کو پورے طور پر ادا کرنے کا ذکر ہے اور دوسری جگہ نماز کو وقت پر پڑھنے کا ذکر ہے ایک بات کا ذکر دو دفعہ نہیں ہے مستدرک حاکم، مسند سعید بن منصور، تفسیر ابن ابی حاتم اور تفسیر ابن مردویہ میں ابوہریرہؓ سے صحیح روایت[3] ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ پہلے آنحضرتؐ اور صحابہؓ نماز پڑھنے کے وقت کبھی آسمان کی طرف اور کبھی ادھر ادھر دیکھا کرتے تھے جب سے یہ آیتیں اتریں تو نیچے نگاہ رکھنے لگے "نوے" کے معنی نیچے کے ہیں ترجمہ میں خٰشِعُوْنَ کا ترجمہ "نوے" جو کیا ہے اس کا یہی مطلب ہے کہ نماز پڑھتے وقت ان کی نگاہ نیچے رہتی ہے وہ ادھر ادھر نظر نہیں ڈالتے، صحیح بخاری و مسلم میں عبداللہ بن عمروؓ بن العاص سے روایت[4] ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے امانت میں خیانت کرنے اور عہد پر قائم نہ رہنے کو منافق کی نشانی فرمایا ہے اس حدیث کو آیتوں کے ساتھ ملانے سے یہ مطلب ہوا کہ ان پکے ایماندار لوگوں میں منافقوں کی سی عادتیں نہیں ہیں، صحیح مسلم میں ابوسعید خدریؓ اور ابوہریرہؓ سے روایتیں[5] ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ اہل جنت کے جنت میں داخل ہونے کے بعد فرشتے ان کو حکم سنا دیں گے کہ اب تو تم ہمیشہ اسی

[1] الدر المنثور ص ۵ ج ۵ [2] الترغیب والترہیب ص ۳۶۴ ج ۴ [3] الدر المنثور ص ۵ ج ۵ [4] مشکوٰۃ باب الکبائر و علامات النفاق [5] مشکوٰۃ ص ۴۹۶ باب صفۃ الجنۃ واہلہا۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن سُلَالَةٍ مِّن طِينٍ ﴿۱۲﴾ ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَّكِينٍ ﴿۱۳﴾

اور ہم نے بنایا ہے آدمی چن لی مٹی سے۔ پھر رکھا اس کو بوند کر کر ایک جمے ٹھراؤ میں۔

ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَامًا فَكَسَوْنَا

پھر بنائی اس بوند سے پھٹکی پھر بنائی اس پھٹکی سے بوٹی پھر بنائی اس بوٹی سے ہڈیاں پھر پہنایا

الْعِظَامَ لَحْمًا ثُمَّ أَنشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ ۚ فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ ﴿۱۴﴾

ان ہڈیوں پر گوشت پھر اٹھا کھڑا کیا اس کو ایک نئی صورت میں سو بڑی برکت اللہ کی جو سب سے بہتر بنانے والا۔

عیش و آرام میں رہو گے، نہ کبھی بیمار پڑو گے، نہ موت کا صدمہ ہو گا، یہ حدیث هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ کی گویا تفسیر ہے، علماء اس بات کے قائل ہیں کہ زکوٰۃ کا حکم مکہ میں نازل ہوا ہے اور اس کے وصول کا انتظام مدینہ میں آنے کے بعد کیا گیا[1]، ان مکی آیتوں میں زکوٰۃ کا جو ذکر آیا ہے، اس سے ان علماء کے قول کی پوری تائید ہوتی ہے۔

۱۲۔۱۷:۔ ابو داؤد، ترمذی کے حوالہ سے ابو موسیٰ اشعریؓ کی روایت جس روایت کو ابن حبان نے صحیح بتلایا[2] ہے، اوپر گزر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کی مٹی ساری زمین سے ہر طرح کی اچھی بری، سخت نرم سب لی تھی، اسی تاثیر سے مختلف مزاج مختلف عادت کے انسان اولادِ آدم میں پیدا ہوئے اور قیامت تک پیدا ہوں گے، غرض اب دیکھنے میں اگرچہ آدمی کی پیدائش نطفہ سے ہے لیکن اس کی پیدائش میں مٹی کا اثر بھی ہے جو حضرت آدم سے لے کر قیامت تک سلسلہ بہ سلسلہ چلا آتا ہے اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں انسان کی پیدائش کی اصل مٹی اور منی دونوں چیزیں فرمائی ہیں، ترمذی، نسائی، مسند بزار، صحیح ابن حبان میں جو حضرت ابوہریرہؓ سے روایت[3] ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کی مٹی لے کر اس کا خمیر کیا، پھر پتلا بنا کر چھوڑ دیا یہاں تک کہ اس پتلے کی مٹی خوب سوکھ کر کھن کھن بولنے لگی، جب اس میں روح پھونکی پہلے پہل روح حضرت آدمؑ کی آنکھوں اور ناک کے نتھنوں میں آئی جس سے حضرت آدمؑ کو چھینک آئی اور انہوں نے الحمد للہ کہا اور خود اللہ تعالیٰ نے یرحمك اللہ فرمایا، روح پھونکنے سے پہلے اس پتلے کو شیطان نے دیکھ کر کہا تھا کہ یہ پتلا کسی بڑے کام کے لئے بنایا گیا ہے۔ ابن حبان نے اس حدیث کو صحیح کہا[4] ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت انسؓ سے روایت[5] ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ پتلے کو اندر سے خالی دیکھ کر شیطان یہ بھی کہا کرتا تھا کہ اگر اس پتلے میں جان پڑی تو اس کے پیٹ میں بات نہ ٹھہرے گی۔ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہؓ بن مسعود کی جو روایت[6] ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ عورتوں کو خوش اخلاقی سے رکھنا چاہیئے، عورتوں کے مزاج میں ایک طرح کی کجی اس وجہ سے ہے کہ عورت کی پیدائش پسلی سے ہے اور پسلی کی ہڈی ٹیڑھی ہوتی ہے۔ سیرت ابن اسحاق کی روایت اور روایتوں[7] میں اس حدیث کی صراحت یوں آئی ہے کہ حضرت آدمؑ کے جنت میں داخل ہونے سے پہلے حضرت آدمؑ کی بائیں پسلی سے حضرت حواؑ کی پیدائش ہوئی اب حضرت آدمؑ اور حواؑ کی پیدائش کے بعد اللہ تعالیٰ نے دنیا عالم اسباب میں انسان کی پیدائش کا یہ سبب ٹھہرا دیا ہے کہ عورت اور مرد میں مباشرت ہو کر دونوں کے نطفے سے انسان کی نسل بڑھی، صحیح بخاری و مسلم میں حضرت عبداللہؓ بن مسعود کی روایت[8] کا حاصل یہ ہے کہ نطفہ چالیس روز

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۲۳۹ ج ۳ [2] فتح الباری ص ۲۱۹ ج ۳ [3] فتح الباری باب خلق آدم و ذریتہ ص ۲۱۹ ج ۳ [4] ایضاً [5] صحیح بخاری بروایت حضرت ابوہریرہؓ [6] فتح الباری ص ۲۲۲ ج ۳ [7] تفسیر ابن کثیر ص ۱۴۱ ج ۳ [8] صحیح بخاری مع الفتح ص ۲۳۲ ج ۳ ۔

ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ﴿۱۵﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ﴿۱۶﴾ وَلَقَدْ

پھر تم اس کے پیچھے مرو گے پھر تم قیامت کے دن کھڑے کئے جاؤ گے اور ہم

خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ ۖ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ ﴿۱۷﴾

نے بنائی ہیں تمہارے اوپر سات راہیں اور ہم نہیں ہیں خلق سے بے خبر۔

تک عورت کے رحم میں رہ کر جما ہُوا خون ہو جاتا ہے، پھر اس خون کا گوشت بن جاتا ہے اور ہڈیاں اسی گوشت سے بن کر ان ہڈیوں پر گوشت کا غلاف چڑھا دیا جاتا ہے اور پُتلا تیار ہو جاتا ہے، غرض چار ساڑھے چار مہینے میں یہ سب کچھ ہو کر پُتلے میں اللہ کے حکم سے جان پڑ جاتی ہے اور رحم پر جو فرشتہ تعینات ہے اس کو اس پتلے کی عمر، رزق، نیک و بد لکھنے کا اللہ کا حکم جس طرح ہوتا ہے وُہ فرشتہ اس کے موافق لکھ لیتا ہے، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس عادتی سبب نطفہ سے جو انسان پیدا ہوتے ہیں، ان کا اور حضرت آدمؑ اور حوّاؑ بغیر اس سبب عادتی کے پیدا ہوئے تھے، ان دونوں کا ذکر فرمایا ہے تاکہ حشر میں کسی کو شک نہ رہے اور سمجھنے والا سمجھ لے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کسی طرح کی پیدائش باہر نہیں ہے۔ اس آیت اور صحیح حدیث سے جب یہ معلوم ہو گیا کہ انسان کی پیدائش نطفہ سے ہے تو اس کے مخالف اہل تشریح نے محض عقل سے یہ جو کہا ہے کہ مرد کے نطفہ کو بچہ کی پیدائش میں کچھ زیادہ دخل نہیں ہے، بچہ تو حیض کے خون سے بنتا ہے، مرد کا نطفہ ایک ضامن ہے جو عورت کی منی کو جما دیتا ہے، وہ ایک غلط قول ہے کیونکہ ایسی غیب کی باتیں محض عقل و قیاس سے صحیح طور پر معلوم نہیں ہو سکتی ہیں صحیح وہی ہے جو خود خالق انسان اور خالق کے رسُول صاحبِ وحی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، تفسیر ابن ابی حاتم میں حضرت عمرؓ سے جو روایت[1] ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ جب یہ انسان کی پیدائش کی آیت نازل ہُوئی تو حضرت عمرؓ کی زبان سے نکلا فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ یہ ٹکڑا آخر آیت کا اللہ تعالیٰ نے پھر حضرت عمرؓ کے اس قول کے موافق نازل فرمایا ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ کی تفسیر حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے قول کے موافق یہ ہے کہ پتلے کے تیار ہو جانے کے بعد پھر اس پتلے میں رُوح پھونکی گئی، حافظ ابو جعفر ابن جریر نے اپنی تفسیر میں اسی کو صحیح ٹھہرایا[2] ہے، آگے فرمایا، اس طرح کی پیدائش کے بعد جتنی اس کی عمر ہوتی ہے، اس عمر کے ختم ہونے تک ہر شخص جیتا ہے، پھر مر جاتا ہے، پھر فرمایا، انسان کا اس طرح پیدا کرنا اور اس کی عمر کی ایک مدت کا ٹھہرانا کھیل تماشہ کے طور پر نہیں ہے کہ ہر شخص جب مر کر خاک ہو جاوے تو پھر اس کی خبر نہ لی جاوے کہ عمر بھر اس نے اپنی پیدائش کے شکریہ میں اپنے پیدا کرنے والے کی مرضی کے موافق کچھ کام کئے یا نہیں اس لئے دُنیا کی عمر ختم ہو جانے اور اس کے اجڑ جانے کے بعد دُنیا بھر کے لوگوں کو ایک ہی دفعہ دوبارہ پیدا کیا جا کر نیکی و بدی کی جزا و سزا کا فیصلہ کیا جاوے گا۔ آگے آسمانوں کی پیدائش کا ذکر فرما کر یہ جتلایا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ آسمانوں کے اس حال سے بے خبر نہیں کہ وُہ گر کر زمین اور اہل زمین کو برباد نہ کریں اسی طرح ہر شخص کے نیک و بد کاموں سے بھی وُہ غافل نہیں ہے اس کو سب کے عملوں کی خبر ہے جس کا نتیجہ وقت مقررہ پر سب کو معلوم ہو جائے گا۔ طریقہ کے معنی راستہ کے ہیں، طرائق اسی کی جمع ہے، کئی منزل کی عمارت کو اہلِ عرب طرائق اسی لئے کہتے ہیں کہ اوپر کی منزل کا راستہ نیچے کی منزل میں سے ہُوا کرتا ہے، ساتوں آسمانوں کی بناوٹ بھی کئی منزل کی عمارت کی طرح

[1] الدر المنثور ص ۶ ج ۵ و تفسیر ابن کثیر ص ۲۴۱ ج ۳ [2] تفسیر ابن جریر ص ۱۱ ج ۱۸۔

وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِی الْاَرْضِ ۖ وَاِنَّا عَلٰی ذَهَابٍۭ بِهٖ

اور اتارا ہم نے آسمان سے پانی ماپ کر پھر اس کو ٹھہرا دیا زمین میں اور ہم اس کو لے جاویں

لَقٰدِرُوْنَ ﴿١٨﴾ فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ بِهٖ جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّاَعْنَابٍ ۘ لَكُمْ فِیْهَا فَوَاكِهُ

تو سکتے ہیں پھر اگا دیئے تم کو اس سے باغ کھجور اور انگور کے تم کو ان سے میوے ہیں

كَثِیْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿١٩﴾ وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَیْنَآءَ تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ

بہت اور انہیں میں سے کھاتے ہو۔ اور وہ درخت جو نکلتا ہے سینا پہاڑ سے لے اگتا ہے تیل

وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِیْنَ ﴿٢٠﴾ وَاِنَّ لَكُمْ فِی الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۚ نُسْقِیْكُمْ مِّمَّا فِیْ بُطُوْنِهَا وَ

اور روٹی ڈبونا کھانے والوں کو اور تم کو چوپاوں میں دھیان کرنا ہے پلاتے ہیں تم کو ان کے پیٹ کی چیز سے اور

لَكُمْ فِیْهَا مَنَافِعُ كَثِیْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿٢١﴾ وَعَلَیْهَا وَعَلَی الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ﴿٢٢﴾

تم کو ان میں بہت فائدے ہیں اور بعضوں کو کھاتے ہو۔ اور ان پر اور کشتی پر لدے پھرتے ہو۔

ہے کیونکہ پہلا آسمان جس طرح سے دنیا کی چھت ہے اسی طرح ہر ایک آسمان دوسرے آسمان کی چھت ہے اور ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک پانسو برس کے راستہ کا فاصلہ ہے اسی واسطے سات آسمانوں کو سات راہیں فرمایا، مسند امام احمد ترمذی وغیرہ میں چند صحابہؓ سے روایتیں[1] ہیں، جن میں ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک پانسو برس کے راستہ کا فاصلہ ہے۔

١٨-٢٢: صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی یہ روایت کئی جگہ گزر چکی ہے کہ دوسرے صور سے پہلے ایک مینہ برسے گا جس کی تاثیر سے سب مرے ہوئے لوگوں کی مٹی سے ان کے جسم اسی طرح تیار ہو جاویں گے جس طرح اب مینہ برس کر بیج سے کھیتی تیار ہو جاتی ہے، اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ حشر کے دن ریڑھ کی ہڈی کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا جسم کے تیار ہو جانے میں ایسا ہی کام دے گا جیسے اب اناج کا بیج کھیتی کی تیاری میں کام دیتا ہے، اس حدیث کا جہاں ذکر آیا ہے وہاں اس تفسیر میں یہ بھی گزر چکا ہے کہ قرآن میں جگہ جگہ حشر کے ذکر کے ساتھ مینہ کا ذکر جو آیا ہے اس کا یہی مطلب ہے کہ ان منکرین حشر کے نزدیک حشر بڑی چیز ہے، اللہ تعالیٰ کے نزدیک تو ہر سال کی کھیتی اور حشر برابر ہے، حاصل مطلب ان آیتوں کا یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کو نیک و بد کی جزا و سزا کی حکمت سے پیدا کیا ہے کھیل تماشہ کے طور پر نہیں پیدا کیا اسی طرح مینہ بھی حکمت سے ضرورت کے موافق برساتا ہے، نہ ایسا بہت برساتا ہے جس سے کھیتوں اور عمارتوں کو نقصان پہنچ جاوے، نہ ایسا تھوڑا کہ کھیتوں اور باغوں کو کافی نہ ہو، زمین میں پانی کے ٹھہرنے کا یہ مطلب ہے کہ زمین کے اندر پانی ٹھہر کر اناج کے بیج اور میوے کی گٹھلی کو تری پہنچاتا ہے اور تالابوں وغیرہ میں جو پانی ٹھہر جاتا ہے وہ آدمیوں اور جانوروں کے پینے میں آتا ہے، پھر فرمایا، یہ بات بھی اللہ کی قدرت سے کچھ دور نہیں کہ زمین کے اندر اور تالابوں کے اندر کا پانی سوکھا دے جس سے کھیتی اور جانوروں کو نقصان پہنچ جاوے، مدینہ کے اطراف میں کھجور کی اور طائف میں انگور کی بہت پیداوار ہے اس لئے خاص طور پر ان دونوں چیزوں کا نام لیا، عرب لوگ کھجوروں اور انگوروں کی تجارت بھی کرتے اور کھاتے بھی تھے اس واسطے کھانے کا نام جدا لیا، یہ سینا پہاڑ شام کے ملک کا وہی پہاڑ ہے جہاں موسیٰ علیہ السلام کو نبوت اور توراۃ ملی ہے اس جنگل میں زیتون کے

[1] فتح الباری ص ١٨٨ ج ٣ باب ما جاء فی سبع ارضین الخ۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَقَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ

اور ہم نے بھیجا نوح کو اس کی قوم پاس تو اس نے کہا اے قوم بندگی کرو اللہ کی تمہارا کوئی حاکم نہیں اس کے سوا

أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿٢٣﴾ فَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَوْمِهِ مَا هَٰذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ

کیا تم کو ڈر نہیں۔ تب بولے سردار جو منکر تھے اس کی قوم کے یہ کیا ہے ایک آدمی ہے جیسے تم

يُرِيدُ أَن يَتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَأَنزَلَ مَلَائِكَةً مَّا سَمِعْنَا بِهَٰذَا فِي

چاہتا ہے کہ بڑائی کرے تم پر اور اگر اللہ چاہتا تو اتارتا فرشتے ہم نے یہ نہیں سنا اپنے

آبَائِنَا الْأَوَّلِينَ ﴿٢٤﴾ إِنْ هُوَ إِلَّا رَجُلٌ بِهِ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوا بِهِ حَتَّىٰ حِينٍ ﴿٢٥﴾ قَالَ

اگلے باپ دادوں میں اور کچھ نہیں یہ ایک مرد ہے کہ اس کو سودا ہے سو راہ دیکھو اس کی ایک وقت تک۔ بولا

رَبِّ انصُرْنِي بِمَا كَذَّبُونِ ﴿٢٦﴾ فَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِ أَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا

اے رب میرے تو مدد کر میری کہ انہوں نے مجھ کو جھٹلایا پھر ہم نے حکم بھیجا اس کو کہ بنا کشتی ہماری آنکھوں کے سامنے

درخت بہت ہوتے ہیں، اس واسطے اس پہاڑ کے پتہ سے زیتون کے درخت کا ذکر فرمایا۔ اس درخت کا پھل روٹی کے ساتھ کھایا بھی جاتا اور اس کا تیل بھی نکلتا ہے، آگے چوپایوں کے دودھ کے پینے، ان کے گوشت کے کھانے ان پر سواری کے کرنے کی نعمتوں کا ذکر فرما کر یہ بھی فرمایا کہ جس طرح خشکی میں لوگ چوپایوں پر سواری کرتے ہیں، دریا میں وہی حال کشتی کا ہے۔

۲۳۔۳۰۔ انبیاء کے تین طرح کے زمانے ہیں، ایک زمانہ حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت نوحؑ تک کا ہے، اس زمانہ تک حلال حرام کا کوئی حکم نہ تھا اور نہ کوئی شریعت تھی، صرف کچھ وظیفے اور آداب تھے، سورہ شوریٰ میں جو آیت شَرَعَ لَكُم مِّنَ الدِّينِ مَا وَصَّىٰ بِهِ نُوحًا ہے اس سے اور صحیح حدیث شفاعت کی جو صحیح بخاری و مسلم میں ابوہریرہؓ کی روایت[1] سے ہے اس سے یہ امر ثابت ہے کہ نوحؑ کے زمانہ سے شریعت شروع ہوئی ہے، یہ دوسرا زمانہ نبوت کا حضرت نوحؑ سے لے کر حضرت موسیٰؑ تک کا ہے اس زمانہ میں انبیاء کو مخالف لوگوں سے لڑنے کا حکم نہیں تھا بلکہ مخالف لوگوں کو پہلے انبیاء طرح طرح سے سمجھاتے تھے، جب مخالف لوگ کسی طرح نہیں مانتے تھے تو عام عذاب آکر سب مخالف ایک ہی دفعہ غارت اور ہلاک ہو جاتے تھے، فرعون کے ہلاک ہو جانے کے بعد جب تورات حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی اور تورات میں جہاد کا حکم آگیا تو وہ عام عذاب کا طریقہ بند ہو گیا چنانچہ سورہ القصص میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ مِن بَعْدِ مَا أَهْلَكْنَا الْقُرُونَ الْأُولَىٰ جس کا مطلب یہ ہے کہ عام عذاب سے پہلے امتوں کے ہلاک ہو جانے کے بعد موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل ہوئی ہے، تیسرا زمانہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے آنحضرتﷺ تک کا ہے جس میں مخالفوں سے لڑنے کا حکم ہے، قرآن شریف میں جہاں کہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی نشانیوں کا ذکر فرمایا ہے تاکہ اس ذکر سے آنحضرتﷺ کی یہ تسکین ہو جائے کہ جس طرح قریش لوگ آنحضرتﷺ کے حق میں بدگوئی کرتے ہیں اسی طرح پہلے مخالف لوگ بھی پہلے انبیاء کے حق میں بدگوئی کرتے رہے ہیں اور یہ تسکین بھی ہو جائے کہ اگر مخالف لوگ نہ مانیں گے تو وہی انجام ان کا ہو گا کہ عام عذاب آکر یا لڑائی کا حکم نازل ہو کر ہلاک ہو جاویں گے، اس صورت میں بھی وہی تسکین کا موقع ہے اس واسطے حضرت نوحؑ سے لے کر حضرت موسیٰؑ تک کے

[1] صحیح بخاری مع الفتح ص ۲۲۴ ج ۳

وَوَحْيِنَا فَإِذَا جَاءَ أَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّورُ فَاسْلُكْ فِيهَا مِن كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ

اور ہمارے حکم سے پھر جب پہنچے ہمارا حکم اور ابلے تنور تو تو ڈال لے اس میں ہر چیز کا جوڑا دوہرا

وَأَهْلَكَ إِلَّا مَن سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ وَلَا تُخَاطِبْنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا

اور اپنے گھر کے لوگ مگر جس کی قسمت میں آگے پڑ چکی بات اور نہ کہہ مجھ سے ان ظالموں کے واسطے

إِنَّهُم مُّغْرَقُونَ ﴿٢٧﴾ فَإِذَا اسْتَوَيْتَ أَنتَ وَمَن مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ الْحَمْدُ

ان کو ڈوبنا ہے پھر جب چڑھ چکے تو اور جو تیرے ساتھ ہے کشتی میں تو کہہ شکر

لِلَّهِ الَّذِي نَجَّانَا مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿٢٨﴾ وَقُل رَّبِّ أَنزِلْنِي مُنزَلًا مُّبَارَكًا وَأَنتَ

اللہ کا جس نے چھڑایا ہم کو گنہگار لوگوں سے اور کہہ اے رب اتار مجھ کو برکت کا اتارنا اور تو ہے

خَيْرُ الْمُنزِلِينَ ﴿٢٩﴾ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ وَإِن كُنَّا لَمُبْتَلِينَ ﴿٣٠﴾

بہتر اتارنے والا۔ اس میں نشانیاں ہیں اور ہم ہیں جانچنے والے۔

قصوں کا ذکر ان آیتوں میں بھی فرمایا ہے جس طرح کی نصیحت نوح علیہ السلام کی ان آیتوں میں ہے، سب انبیاء نے اپنی امت کے لوگوں کو یہی نصیحت کی ہے کہ اے لوگو! جس اللہ نے تم کو پیدا کیا ہے، اسی کی تعظیم تم پر واجب ہے کیونکہ وہی تمہارا معبود اور پیدا کرنے والا ہے اس کے عذاب سے ڈرو، اور اس کی تعظیم میں دوسروں کو شریک نہ کرو، نوح علیہ السلام کی یہ نصیحت سُن کر قوم کے سرداروں نے عام لوگوں سے کہا ہم نے اپنے بڑوں سے یہ بات نہیں سنی کہ جن نیک لوگوں کی مورتوں کی ہم پوجا کرتے ہیں ان کو چھوڑ کر خالص اللہ ہی کی عبادت کی جاوے، اپنے بڑوں کے جس طریقہ پر ہم ہیں اگر اللہ کے نزدیک یہ طریقہ بُرا ہوتا تو اللہ کسی فرشتہ کو بھیج کر اس طریقہ کی برائی ہمیں جتلا دیتا نوح تو ہم جیسے آدمی ہیں ان میں کیا خصوصیت ہے جو یہ اپنے آپ کو اللہ کا رسول کہتے ہیں ہمیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمام قوم پر اپنی سرداری جمانے کے لئے نوح اپنے آپ کو اللہ کا نائب بتلاتے ہیں اس سرداری کی دُھن میں ان کو سودا ہو گیا ہے اسی دیوانگی کی حالت میں یہ ایسی نئی باتیں کرتے ہیں کچھ دنوں انتظار کرنا چاہیئے شاید ان کا یہ دیوانہ پن جاتا رہے، جب ساڑھے نوسو برس کی نصیحت کے اثر سے فقط اسّی آدمی راہ راست پر آئے اور باقی تمام قوم کے لوگ اسی سرکشی کی حالت پر رہے اور نوح علیہ السلام کے عذاب کے وعدہ کو جھوٹا جان کر اپنے منہ سے عذاب کے نازل ہونے کی خواہش کرنے لگے تو نوح علیہ السلام نے مدد غیبی کی اللہ سے دُعا کی اور اللہ تعالیٰ نے ان کو کشتی کے بنانے کا حکم دیا اور فرما دیا تمہارے گھر کے تنور میں سے بجائے آگ کے جب پانی ابلنے لگے تو ہر ایک جانور کے ایک جوڑے کو اور اپنے گھر والوں کو ساتھ لے کر اس کشتی میں بیٹھ جاؤ اور اپنی بی بی اور اپنے بیٹے کنعان کے حق میں سفارش کی بات زبان پر نہ لاؤ کیونکہ ان کا شمار نافرمانوں میں ہے اس لئے قوم کے نافرمان لوگوں کے ساتھ یہ دونوں ڈوب جاویں گے، پھر فرمایا اے نوح جب تم اپنے ساتھ والوں کو لے کر کشتی میں بیٹھ جاؤ تو اللہ کا شکریہ ادا کرو کہ اس نے تم کو اور تمہارے ساتھ والوں کو نافرمان قوم کے ظلم سے چھڑا دیا، صحیح مسلم کے حوالہ سے ابوذرؓ کی روایت سے حدیث قدسی کئی جگہ گزر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ظلم اپنی ذات پاک پر حرام ٹھہرا لیا ہے، قوم نوح کو ظالم جو فرمایا، اس کا مطلب اس حدیث سے اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو ظلم سے نہیں ہلاک کیا کیونکہ ظلم اس نے اپنی ذات پاک پر حرام ٹھہرا لیا ہے بلکہ ان لوگوں نے اپنی جان پر ظلم کر کے کام ہی ایسے کئے جن کی

ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ﴿۳۱﴾ فَاَرْسَلْنَا فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ اَنِ

پھر اٹھائی ہم نے ان کے پیچھے ایک سنگت اور پھر بھیجا ہم نے ان میں ایک رسول ان میں کا کہ

اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهِ

بندگی کرو اللہ کی کوئی نہیں تمہارا حاکم اس کے سوائے پھر کیا تم کو ڈر نہیں اور بولے سردار اس کی قوم کے

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ وَاَتْرَفْنٰهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ مَا هٰذَاۤ اِلَّا

جو منکر تھے اور جھٹلاتے تھے آخرت کی ملاقات کو اور آرام دیا تھا ہم نے ان کو دنیا کے جیتے اور کچھ نہیں یہ

بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ

ایک آدمی ہے جیسے تم کھاتا ہے جس قسم سے تم کھاتے ہو اور پیتا ہے جس قسم سے تم پیتے ہو۔ اور کبھی تم چلے کہے پر

سزا میں پکڑے گئے، اس شکریہ کے ساتھ یہ دعا بھی مانگو کہ جب تم کشتی سے اترو تو اللہ تعالیٰ تم کو خیر و برکت سے اتارے، نوح علیہ السلام کی اس دعا کا نتیجہ سورہ ہود میں گزر چکا ہے کہ طوفان کے بعد نوح علیہ السلام کی اولاد میں اتنی خیر و برکت ہوئی کہ پھر ان سے ہی تمام دنیا آباد ہوئی، آخر کو خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ اے رسول اللہ کے نوح علیہ السلام کے قصہ کے سننے کے بعد قریش کو یہ عبرت پکڑنی چاہیئے کہ اللہ کے کلام اور اس کے رسول کو جھٹلانے والوں کا یہ انجام ہوتا ہے جو انجام قوم نوح کا ہوا اور یہ بھی فرمایا کہ یہ پچھلے قصے سنا کر اللہ تعالیٰ اہل مکہ کو اس بات میں جانچتا ہے کہ یہ لوگ پچھلی قوموں کا حال سن کر کہاں تک عبرت پکڑتے ہیں، یہ یاد رہے کہ پچھلی قوموں کا حال سن کر اگر اہل مکہ کو کچھ عبرت نہ ہوئی تو کچھ عرصہ کی مہلت کے بعد ایسی آفت اس قوم کے سرکشوں پر آئے گی جس طرح کی آفت قوم نوح پر آئی، اللہ سچا ہے، اللہ کا وعدہ سچا ہے، اہل مکہ کے حق میں بدر کی لڑائی کے وقت اس وعدہ کا جو کچھ ظہور ہوا صحیح بخاری و مسلم کی انسؓ بن مالک کی روایت کے حوالہ سے اس کا قصہ کئی جگہ گزر چکا ہے۔

۳۱۔۴۱:۔ پچھلی امتوں کا ذکر اللہ تعالیٰ نے جو قرآن شریف میں فرمایا ہے اس سے اور صحیح حدیثوں سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ہمیشہ سے انبیاء کے فرمانبردار اکثر غریب لوگ ہوتے رہے ہیں اور مالدار لوگوں کو اپنے مال و متاع اور اپنی سرداری کا ایک طرح کا غرور ہو کر وہی انبیاء سے جھگڑے کرتے رہے ہیں، ہمیشہ سے یہ طریقہ جاری رہتے رہتے ایسا عام ہو گیا تھا کہ لوگ رسول وقت کے سچے نبی ہونے کی دلیل اس بات کو قرار دینے لگے تھے کہ اللہ کے رسول کو اور ان کے فرمانبرداروں کو تنگ دست نہیں ہونا چاہیئے لیکن یہ ایک غلط بات مشہور ہو گئی تھی، کیونکہ صحیح بخاری میں ابوسفیانؓ والی حدیثؒ جو ہے، اس میں ہرقل نے جہاں اور نشانیاں آنحضرتؐ کی ابوسفیانؓ سے پوچھی تھیں وہاں یہ بات بھی پوچھی تھی کہ ان نبی کے دین میں غریب لوگ زیادہ آتے ہیں یا مالدار لوگ، جب ابوسفیانؓ نے کہا کہ ان نبی کے پیرو اکثر غریب لوگ ہیں تو ہرقل نے کہا کہ ہمیشہ سے غریب لوگ ہی انبیاء کے فرمانبردار ہوتے آئے ہیں، اس سے یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آجاتی ہے کہ انبیاء کے فرمانبردار قدیم سے غریب لوگ ہوتے آئے ہیں، قریش کے مالداروں کا بھی یہی جھگڑا کئی جگہ قرآن میں آیا ہے کہ غریب مسلمان لوگوں کو نام دھرتے تھے اور آنحضرتؐ سے یہ کہتے تھے کہ ہم کو ان کنگال لوگوں کے ساتھ بیٹھنے سے شرم آتی ہے کیونکہ ان لوگوں کے ساتھ بیٹھنے سے ہماری ہتک ہے، اگر ہمارے لئے علیحدہ مجلس مقرر کر دی جاوے تو ہم تمہاری نصیحت

ؒ صحیح بخاری، باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ۔

بَشَرًا مِّثْلَكُمْ إِنَّكُمْ إِذًا لَّخٰسِرُونَ ﴿۳۴﴾ أَيَعِدُكُمْ أَنَّكُمْ إِذَا مِتُّمْ وَكُنتُمْ تُرَابًا وَّ

ایک آدمی کے اپنے برابر کے تو تم بے شک خراب ہوئے کیا تم کو وعدہ دیتا ہے کہ جب تم مر گئے اور ہو گئے مٹی اور

عِظَامًا أَنَّكُم مُّخْرَجُونَ ﴿۳۵﴾ هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوعَدُونَ ﴿۳۶﴾ إِنْ هِيَ إِلَّا

ہڈیاں کہ تم کو نکالنا ہے۔ کہاں ہو سکتا ہے کہاں ہو سکتا ہے جو تم کو وعدہ ملتا ہے اور کچھ نہیں یہی

حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوثِينَ ﴿۳۷﴾ إِنْ هُوَ إِلَّا رَجُلٌ افْتَرٰى

جینا ہے ہمارا دنیا کا مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہم کو پھر اٹھنا نہیں اور کچھ نہیں یہ ایک مرد ہے باندھ لایا

عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا وَّمَا نَحْنُ لَهٗ بِمُؤْمِنِينَ ﴿۳۸﴾ قَالَ رَبِّ انصُرْنِي بِمَا كَذَّبُونِ ﴿۳۹﴾ قَالَ

اللہ پر جھوٹ اور اس کو ہم نہیں ماننے والے۔ بولا اے رب میری مدد کر کہ انہوں نے مجھ کو جھٹلایا۔ فرمایا

کی باتیں الگ آن کر سنیں گے لیکن اللہ تعالیٰ کو اپنے غریب دین دار بندے زیادہ پیارے تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کو ان مالدار مغروروں کی خواہش کے پورا کرنے سے منع فرمایا چنانچہ سورہ انعام میں اس کا ذکر گزر چکا ہے، حاصل کلام یہ ہے کہ اکثر مالدار لوگ دُنیا میں آلودہ ہو جاتے ہیں اور دین سے ان کو ذرا غفلت اور بے پرواہی ہو جاتی ہے اس لئے ہمیشہ سے رسُولوں کی فرمانبرداری کرنے میں جس طرح مالدار لوگ رسُولوں کے وقت میں جھگڑے کرتے رہے، اسی طرح فرمانبرداری اختیار کرنے کے بعد بھی امت کے مالدار لوگوں کی طرف سے دین پر قائم نہ رہنے کا کھٹکا رسُولوں کو لگا رہتا تھا چنانچہ صحیح بخاری و مسلم میں ابو سعیدؓ خدری کی روایت[1] میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ سب سے زیادہ خوف مجھ کو اس بات کا ہے کہ میرے بعد میری امّت کو فراغت ہو اور اس سے ان کے دین میں فتور پڑ جائے، آپ نے معجزہ کے طور پر جو کچھ فرمایا تھا، خلافت بنی امیہ اور عباسیہ کے عہد میں وہی ہوُا کہ مسلمانوں میں آپس کی خونریزیاں اور طرح طرح کے فتور پڑ گئے، اللہ تعالیٰ جس شخص کو دُنیا کی فراغت دیوے اسے چاہیئے کہ دنیا میں ایسا نہ پھنسے جس سے دین میں فتور پڑ جاوے، دنیا کے اس طرح کے پھنساوے سے بچنے کی غرض سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ کو نئے نئے ڈھنگ سے حرص دنیا میں نہ پھنسنے اور تنگ دستی سے نہ گھبرانے کی نصیحت فرماتے رہتے تھے چنانچہ صحیح بخاری و مسلم میں سہل بن سعد سے جو روایت[2] ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرتؐ کے رُوبرو سے ایک مالدار شخص گزرا اس کے چلے جانے کے بعد آپ نے مجلس کے موجودہ لوگوں سے پوچھا کہ تمہارے نزدیک دُنیا میں یہ کس رتبہ کا شخص ہے لوگوں نے کہا کہ یہ ایسا عزت دار مالدار شخص ہے کہ جہاں یہ شادی کرنی چاہے وہاں اس کی شادی ہو سکتی ہے، جو سفارش کرے وہ سفارش اس کی قبول ہو سکتی ہے، پھر ایک تنگ دست مسلمان تھوڑی دیر کے بعد آپ کے روبرو سے گزرا، اسی طرح آپ نے ان لوگوں سے پوچھا، لوگوں نے کہا یہ ایک تنگدست شخص ہے نہ اس کو کسی کی بیٹی مل سکتی ہے نہ اس کی سفارش کوئی سُنتا ہے آپؐ نے فرمایا اس پہلے شخص سے یہ دُوسرا شخص ہزار درجہ بہتر ہے، اس قصہ میں اور اس سے اوپر کے قصہ میں قوم کے مالدار، سردار لوگوں کی سرکشی اور شرارت کا جو ذکر ہے اوپر کی روایتوں سے اس کا یہ سبب اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے کہ مالدار سردار لوگ اپنی مالداری اور سرداری کے غرور میں ہمیشہ سے قوم کے لوگوں کو مخالفت سکھاتے رہے اسی واسطے اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم نے غریب شخص کو مالدار

[1] مشکوٰۃ، کتاب الرقاق ص ۴۳۹ [2] مشکوٰۃ ص ۴۴۶۔ باب فضل الفقراء وما کان من عیش النبی صلی اللہ علیہ وسلم

عَمَّا قَلِيلٍ لَّيُصْبِحُنَّ نٰدِمِينَ ﴿۴۰﴾ فَأَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ بِالْحَقِّ فَجَعَلْنٰهُمْ غُثَآءً

اب تھوڑے دنوں میں صبح کو رہ جاویں گے پچھتاتے پھر پکڑا ان کو چنگھاڑ نے تحقیق پھر کر دیا ہم نے ان کو کوڑا

فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِينَ ﴿۴۱﴾ ثُمَّ أَنشَأْنَا مِنۢ بَعْدِهِمْ قُرُونًا ءَاخَرِينَ ﴿۴۲﴾ مَا تَسْبِقُ

سو دور ہو جاویں گنہ گار لوگ پھر اٹھائیں ہم نے ان کے پیچھے سنگتیں اور نہ پہلے جاوے

مِنْ أُمَّةٍ أَجَلَهَا وَمَا يَسْتَـْٔخِرُونَ ﴿۴۳﴾ ثُمَّ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا

کوئی قوم اپنے وعدے سے نہ پیچھے رہیں۔ پھر بھیجتے رہے اپنے رسول لگا تار

شخص سے ہزار درجہ بہتر فرمایا، یہاں پچھلے قصوں کو مختصر طور پر بیان فرمایا ہے اس لئے سورۃ الاعراف اور سورۃ ہود کی طرح یہاں سلسلہ وار قوم نوح کے بعد قوم عاد کا قصہ نہیں ہے بلکہ قوم نوح کے بعد یہ قوم ثمود کا قصہ ہے جن کی ہلاکت چنگھاڑ کے صدمہ سے ہوئی ہے۔ حاصل مطلب ان آیتوں کا یہ ہے کہ قوم نوح اور قوم عاد کے بعد اللہ تعالیٰ نے قوم ثمود کو پیدا کر کے ان کی ہدایت کے لئے صالح علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا اور صالح علیہ السلام نے اپنی قوم کو وہی نصیحت کی، جو نصیحت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو کی تھی، صالح علیہ السلام کی نصیحت سن کر قوم کے مالدار سردار منکر شریعت لوگوں نے قوم کے عام لوگوں سے کہا کہ صالح ہم تم جیسے آدمی ہیں' اور کھاتے پیتے ہیں، ان کا وہی حال ہے جو ہمارا تمہارا ہے، اپنی قدیمی سرداری چھوڑ کر ان کو سردار بنانا بڑے گھاٹے کی بات ہے مرنے کے بعد دوبارہ جینے اور نیک و بد کی جزا و سزا کا ڈراوا جو صالح دیتے ہیں یہ ایک سمجھ سے باہر بات ہے، دُنیا تو یونہی چل رہی ہے کہ بڈھے مرتے ہیں اور ان کی نسل کے بچے پھر بڈھے ہو جاتے ہیں کون سا مرا ہوا بڈھا دوبارہ زندہ ہوا ہے جو ہم دوبارہ زندہ ہوں گے یہ دوبارہ زندہ ہونے کی سمجھ سے باہر ایک بات صالح نے اپنی طرف سے گھڑ لی ہے اور زبردستی اس کو اللہ کا حکم ٹھہرا لیا ہے ہم تو صالح کی کوئی بات نہیں مانتے، حاصل کلام یہ ہے کہ جب اونٹنی کا معجزہ دیکھنے کے بعد بھی ان لوگوں نے یہ سرکشی کی باتیں نہیں چھوڑیں اور اونٹنی کو ہلاک کر ڈالا تو صالح علیہ السلام نے مدد غیبی کی دعا کی اور ان کی دعا قبول ہو کر یہ جواب ملا کہ اب تھوڑے دنوں میں ان لوگوں کے پچھتانے کا وقت آتا ہے پھر اس وعدہ کا ظہور یہ ہوا کہ اونٹنی کی ہلاکت کے تین روز کے بعد ایک سخت چنگھاڑ کے صدمہ سے یہ لوگ ہلاک ہو گئے غُثَاءً اس کوڑے کرکٹ کو کہتے ہیں جو پانی کے ریلے میں بہ کر کہیں کا کہیں چلا جاتا ہے مطلب یہ ہے کہ پانی کے ریلے میں کوڑے کرکٹ کی طرح یہ لوگ بالکل بے پتہ ہو گئے، آخر کو فرمایا، اس طرح کے ظالم لوگ اللہ کی رحمت سے ایسے ہی دُور پڑ جاتے ہیں قوم ثمود کو ظالم فرمانے کا بھی وہی مطلب ہے جو قوم نوح کے قصہ میں صحیح مسلم کی ابوذرؓ کی روایت سے اوپر بیان کیا گیا۔

۴۲-۴۳:۔ قوم ثمود اور قوم فرعون کے مابین میں جو قومیں گزری ہیں، مختصر طور پر یہ ان کا ذکر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مثلاً قوم ثمود کے بعد قوم لوط اور قوم شعیب کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اور باری باری سے قوم لوط کی ہدایت کے لئے لوط علیہ السلام کو اور قوم شعیب کی ہدایت کے لئے شعیب علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا اور راہ راست پر آنے کے لئے ہر ایک قوم کو مہلت دی اور مہلت کے زمانہ میں اگرچہ ان قوموں نے طرح طرح سے سرکشی کی لیکن وقت مقررہ تک ان لوگوں کو ڈھیل دی گئی کیونکہ انتظام الٰہی میں وقت مقررہ سے پہلے نہ کوئی کام ہوتا ہے نہ وقت مقررہ آجانے کے بعد کسی کام میں کچھ دیر لگتی ہے اسی واسطے مہلت کے زمانہ میں جب یہ لوگ اپنی سرکشی سے باز نہ آئے اور مہلت کا زمانہ گزر کر عذاب کا وقت مقررہ آگیا تو قوم لوط پر پتھروں کے مینہ

كُلَّمَا جَآءَ اُمَّةً رَّسُوْلُهَا كَذَّبُوْهُ فَاَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا وَّجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ

جہاں پہنچا کسی امت پاس اس کا رسول اس کو جھٹلا دیا پھر چلاتے گئے ہم ایک کے پیچھے دوسرے اور کر ڈالا ان کو کہانیاں

فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۴۴﴾

سو دور ہو جاویں جو لوگ نہیں مانتے۔

اور بستی کے الٹ دیئے جانے کا اور قوم شعیب پر زلزلہ سخت آواز اور انگارے برسنے کا عذاب آیا، یہ قصے سورۃ الاعراف و سورۃ ہود میں گزر چکے ہیں اور سورۃ الشعراء میں بھی آویں گے، صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے مغیرہؓ بن شعبہ کی حدیث کئی جگہ گزر چکی ہے کہ لوگوں کے انجانی کے عذر کو رفع کر دینا اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے اس لئے اس نے ہر قوم کی ہدایت کے لئے آسمانی کتابیں دے کر رسول بھیجے، صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوموسیٰ اشعری کی حدیث بھی کئی جگہ گزر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ نافرمان لوگوں کو عذاب کے وقت مقررہ تک مہلت دیتا ہے جب مہلت کے زمانہ میں وہ لوگ اپنی نافرمانی سے باز نہیں آتے تو وقت مقررہ پر کسی ایسے عذاب میں ان کو پکڑ لیتا ہے جس کو وہ کسی طرح ٹال نہیں سکتے، قوم لوط اور شعیب کی ہدایت کے لئے پیغمبروں کے آنے کی اور ان قوموں کی مہلت اور ہلاکت کی یہ حدیثیں گویا تفسیر ہیں۔

۴۴:۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ایسی بے پرواہ ہے کہ اس کو کسی چیز کی پرواہ نہیں ہے لیکن رسول وقت کی بات کو نہ ماننا اور رسول وقت کی فرمانبرداری کو مسخراپن میں اڑا کر رسول وقت کو غصہ دلانا، ایسی اللہ کی ایک غصہ اور غضب اور وبال کی چیز ہے کہ جو لوگ اس نافرمانی میں مبتلا ہوں، ان کے وبال کی حالت پر باوجود اس بے پروائی کے خود اللہ تعالیٰ نے حسرت اور افسوس کا استعمال فرمایا ہے چنانچہ سورۂ یٰس میں ارشاد فرمایا ہے یٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ مَا يَأْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ جس کا حاصل یہ ہے کہ بندوں کی رسولوں کو جھٹلانے کی حالت قابل افسوس ہے اب ایک گروہ ان لوگوں کا تھا کہ وہ رسول وقت کو رسول ہی نہیں مانتے تھے اور طرح طرح کی بے ادبی رسول وقت سے کرتے تھے وہ تو صریح کافر تھے لیکن اس طرح کے مسلمانوں کے گروہ سے بھی ہرگز خدا اور رسول خوش نہیں ہیں جو رسم کے سبب سے یا کسی کی بات کا دل کو اچھی لگنے کے سبب سے رسول وقت کے قول یا فعل کو چھوڑ کر کسی دوسرے کے قول یا فعل کو مانتے، معتبر سند سے صحیح ابن حبان اور بیہقی کی شعب الایمان میں حضرت جابرؓ سے روایت[1] ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک روز آنحضرتؐ سے عرض کیا کہ یہود سے جب ملاقات ہوتی ہے تو وہ لوگ اپنے دین کی بعض روایتیں ایسی بیان کرتے ہیں کہ وہ روایتیں دل کو نہایت بھلی لگتی ہیں اگر آپ اجازت دیویں تو ان روایتوں کو لکھ لیا جاوے آپؐ نے فرمایا کیا تم لوگ بھی یہود اور نصاریٰ کی طرح بھٹکنا چاہتے ہو، میں شریعت خدا کی طرف سے لایا ہوں کہ اگر خود اللہ کے رسول موسیٰ آج زندہ ہوتے تو بغیر میری پیروی کے ان کو اور کچھ بن نہ آتا، اس حدیث کے مضمون پر ذرا غور کرنا چاہئے کہ شریعت موسوی آخر ایک زمانہ میں حکم الٰہی سے ایک شریعت تھی، جب جدید شریعت کے آجانے سے اس قدیم شریعت کے عمل کرنے کا وقت نہ رہا اور آپ نے اس کے موافق عمل کرنے کو بھٹکنا فرمایا اور یہ فرمایا کہ قدیم شریعت کے رسول حضرت موسیٰ بھی آج زندہ ہوتے تو ان کو بھی اس قدیم شریعت پر قائم رہنا جائز نہ ہوتا، اب ذرا غور کرنے کی بات ہے کہ جب جدید شریعت کے آگے قدیم شریعت پر عمل جائز نہیں ہے تو پھر

[1] مشکوٰۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ ص۳۰۔

ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى وَاَخَاهُ هٰرُوْنَ ۙ۬ بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۴۵﴾ اِلٰى فِرْعَوْنَ

پھر بھیجا ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی ہارون کو اپنی نشانیاں دے کر اور سند کھلی۔ فرعون اور اس کے

وَمَلَا۟ئِهٖ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا عَالِيْنَ ﴿۴۶﴾ فَقَالُوْۤا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا

سرداروں پاس پھر بڑائی کرنے لگے اور تھے وُہ لوگ چڑھ رہے سو بولے کیا ہم مانیں گے ایک دو آدمیوں کو اپنے برابر کے

وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ﴿۴۷﴾ فَكَذَّبُوْهُمَا فَكَانُوْا مِنَ الْمُهْلَكِيْنَ ﴿۴۸﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا

اور ان کی قوم کرتے ہیں ہماری بندگی پھر جھٹلایا ان دونوں کو پھر ہوئے کھپنے والوں میں۔ اور ہم نے دی

شریعت کے آگے کسی رسم کی کیا حقیقت ہے' مسند امام احمد اور ابن ماجہ میں حضرت عمرؓ کے قصہ کی یہ روایت[1] حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے بھی ہے اور اس کی سند بھی معتبر ہے' حاصل مطلب آیت کے اس ٹکڑے کا یہ ہے کہ قوم ثمود کے بعد جن قوموں کی انجانی رفع کرنے کے لئے اللہ کے رسول آئے' ان قوم کے لوگوں نے ان رسولوں کو جھٹلایا' جس کے مآل میں آگے پیچھے وُہ قومیں طرح طرح کے عذابوں سے ہلاک ہوگئیں اور ان کی ہلاکت کی کہانیاں باقی رہ گئیں' آخر کو فرمایا ایسے لوگوں نے کسی کا کچھ نہیں بگاڑا بلکہ خود ہی ایسے لوگ دُنیا اور عقبیٰ میں اللہ کی رحمت سے دُور ہوگئے' اوپر کی آیتوں کی تفسیر میں صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے مغیرہؓ بن شعبہ اور ابوموسیٰ اشعریؓ کی روایتیں جو گزر چکی ہیں وہی روایتیں آیت کے اس ٹکڑے کی گویا تفسیر ہیں جس کا حاصل وہی ہے جو اوپر بیان کیا گیا کہ ان قوموں کی انجانی کا عذر رفع کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے رسُول بھیجے اور رسُولوں کی نصیحت کے سمجھنے کے لئے ان کو مہلت دی لیکن جب یہ مہلت کے زمانہ میں نافرمانی سے باز نہ آئے تو اللہ کی رحمت سے دُور ہوگئے۔

۴۵-۴۹:- اوپر کی آیتوں میں قوم شعیب کا ذکر مختصر طور پر فرما کر ان آیتوں میں قوم فرعون کا ذکر فرمایا' حاصل مطلب ان آیتوں کا یہ ہے کہ قوم شعیب کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کی قوم کی ہدایت کے لئے موسیٰ علیہ السلام اور ان کے پیغمبر بھائی ہارون علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا اور ان کی پیغمبری کی تائید کے لئے ان کو عصا اور ید بیضاء کے معجزے بھی دیئے لیکن فرعون اور اس کی قوم کو یہ غرور کی باتیں سوجھیں کہ موسیٰ اور ہارون آخر بنی اسرائیل کی نسل میں سے ہیں اور بنی اسرائیل کی ساری قوم ہمارے تابع ہے پھر ہم ان دونوں اپنے جیسے آدمیوں کو اپنا سردار اور راہبر کیونکر بنا سکتے ہیں' کوئی فرشتہ اللہ کا نائب بن کر آتا تو اس کی نصیحت کو مان لینا البتہ ایک ٹھکانے کی بات تھی' انسان کی پیغمبری کے منکر لوگوں کا جواب سورۃ الانعام میں گزر چکا ہے کہ فرشتوں کو اصلی صورت میں دیکھنا انسان کی طاقت سے باہر ہے اس لئے کوئی فرشتہ رسُول بنا کر بھیجا جاتا تو وُہ بھی ضرور انسان کی صورت میں ہوتا جس سے ان لوگوں کا یہی شبہ باقی رہتا' سورۃ الانعام کے جواب پر کفایت فرما کر ان آیتوں میں فرعون اور اس کی قوم کے اس اعتراض کا کچھ جواب نہیں دیا گیا کہ اللہ کا نائب کوئی فرشتہ ہونا چاہیئے پھر فرمایا' ان ہی غرور کی باتوں میں گرفتار ہو کر فرعون اور اس کی قوم نے موسیٰ اور ہارون کی پیغمبری کو جھٹلایا جس کے وبال سے یہ سب دریائے قلزم میں ڈوب کر ہلاک ہوگئے' آگے فرمایا' فرعون کے جیتے جی تو بنی اسرائیل کو کتاب آسمانی پر آزادی سے عمل کرنے کا موقع نہیں تھا اس لئے فرعون کی ہلاکت کے بعد اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل فرمائی تاکہ بنی اسرائیل کو ہدایت پانے کا پورا موقع ملے' صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے حضرت علیؓ کی حدیث کئی جگہ گزر

[1] تنقیح الرواۃ ص ۲۴۲ ج ۱

مُوسَى الْكِتٰبَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗٓ اٰيَةً وَّ

موسیٰ کو کتاب شاید وہ راہ پاویں۔ اور بنایا ہم نے مریم کے بیٹے اور اس کی ماں کو ایک نشانی اور

اٰوَيْنٰهُمَآ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ ﴿۵۰﴾

ان کو ٹھکانا دیا ایک ٹیلے پر جہاں ٹھہراؤ تھا اور پانی نتھرا۔

چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم غیب کے موافق جو لوگ دُنیا میں پیدا ہونے سے پہلے جنت میں جانے کے قابل ٹھہر چکے ہیں وُہ دُنیا میں پیدا ہونے کے بعد کام بھی ویسے ہی کرتے ہیں اسی طرح جو دوزخ میں جانے کے قابل ٹھہر چکے ہیں وُہ ویسے کام کرتے ہیں، اس حدیث سے فرعون اور اس کی قوم کا انجام اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ قوم فرعون میں سے جادوگر لوگ اللہ تعالیٰ کے علم غیب کے موافق جنتی ٹھہر چکے تھے، اس لئے وُہ موسیٰ علیہ السلام کے اژدھے کے معجزہ کو معجزہ سمجھ گئے اور سوائے جادوگروں کے باقی فرعونی لوگ اللہ تعالیٰ کے علم غیب کے موافق دوزخی قرار پا چکے تھے، اس لئے وُہ مرتے دم تک اسی معجزہ کو جادو کہتے رہے۔

۵۰: اوپر ذکر تھا کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر توراۃ بنی اسرائیل کی ہدایت کے لئے نازل فرمائی، ان آیتوں میں عیسیٰ علیہ السلام اور مریم علیہا السلام[1] کا ذکر فرما کر یہ جتلایا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد یہود نے تورات کی ہدایت سے فائدہ نہیں اٹھایا کیونکہ تورات کی جن آیتوں میں عیسیٰ علیہ السلام اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف تھے، ان آیتوں میں انہوں نے ردّ و بدل کر دیا جس سے شریعت عیسوی اور شریعت محمدی دو شریعتوں کے یہ لوگ منکر بن گئے، حضرت مریم جیسی پاکدامن بی بی کو بدکاری کا الزام لگایا۔ دمشق کے ستارہ پرست بادشاہ کے دربار میں غلط مخبری کر کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی کے قابل ٹھہرایا چنانچہ یہ سب قصّہ سورۃ النساء کی تفسیر میں گزر چکا ہے، سورۃ المائدہ اور سورۃ الاعراف میں اس عہد کا ذکر بھی گزر چکا ہے جو یہود سے توراۃ پر قائم رہنے کے باب میں لیا گیا تھا، توراۃ کی آیتوں کے بدل ڈالنے کے سبب سے یہود اس عہد پر قائم نہیں رہے اس لئے ان کو توراۃ کا پابند بھی نہیں کہا جا سکتا، حاصل مطلب یہ ہے کہ بغیر کسی مرد کے چھونے کے حضرت مریم کو حمل کا رہ جانا اور پھر اس خلاف عادت حمل سے عیسیٰ علیہ السلام کا پیدا ہونا یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی ایک ایسی ہی نشانی ہے جس طرح اس نے آدم علیہ السلام کو بغیر ماں باپ کے اپنی قدرت سے پیدا کیا جو لوگ اس قدرت کے منکر ہیں وُہ اس کی سزا بھگتیں گے، سورۂ مریم میں گزر چکا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے وقت حضرت مریم بیت المقدس سے دُور ایک اونچے ٹیلے پر چلی گئی تھیں جس ٹیلے کے نیچے کھڑے ہو کر جبرئیل علیہ السلام نے مریم علیہا السلام کی تسکین کی تھی اور وہیں اللہ کے حکم سے پانی کی نہر بھی جاری ہوئی تھی۔ آخری آیت میں اسی اونچے ٹیلے کو ٹیلہ اور نتھرے پانی کی جگہ فرمایا، اگرچہ بعضے مفسروں نے ربوہ کی تفسیر اس ٹیلہ پر کے گاؤں کو بھی قرار دیا ہے جس کا ذکر شاہ صاحب نے اپنے فائدہ میں کیا ہے لیکن حافظ ابن کثیرؒ نے اسی تفسیر کو قوی ٹھہرایا ہے جس کا ذکر اوپر گزرا اور اپنی تفسیر میں یہ لکھا ہے کہ یہی تفسیر سورہ مریم کی آیتوں کے موافق ہے حافظ ابن کثیرؒ کی یہ تفسیر حضرت عبداللہ بن عباسؓ ضحاک اور قتادہ کے قول کے موافق ہے[2] صحیح مسلم، ترمذی اور نسائی میں زید بن ارقمؓ سے روایت[3] ہے جس کے ایک ٹکڑے کا حاصل یہ ہے کہ اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم ایسے علم سے اللہ کی پناہ کی دُعا کیا کرتے تھے جس علم سے آدمی کو دین کا کچھ فائدہ نہ پہنچے، اس حدیث کو آیت کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگنے کے قابل اسی طرح

[1] حضرت مریم صحابیہ قرار پاتی ہیں لہٰذا رضی اللہ عنہا کہنا چاہیئے (ع، ح) [2] تفسیر ابن کثیر ص ۲۴۶ ج ۳ [3] مشکوٰۃ باب الاستعاذۃ۔

يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ۭ اِنِّىْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ۝۵۱

اے رسولو! کھاؤ ستھری چیزیں اور کام کرو بھلا جو کرتے ہو میں جانتا ہوں۔

وَاِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ۝۵۲ فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ

بے شک یہ لوگ ہیں تمہارے دین کے سب ایک دین پر اور میں ہوں تمہارا رب سو مجھ سے ڈرتے رہو پھر پھوٹ کر کر لیا اپنا کام

بَيْنَهُمْ زُبُرًا ۭ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ۝۵۳ فَذَرْهُمْ فِيْ غَمْرَتِهِمْ حَتّٰى حِيْنٍ ۝۵۴

آپس میں ٹکڑے ٹکڑے ہر فرقہ جو ان کے پاس ہے اس پر ریجھ رہے ہیں سو چھوڑ دے ان کو ان کی بے ہوشی میں ڈوبے ایک وقت تک

اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ ۝۵۵ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ ۭ

کیا خیال رکھتے ہیں کہ یہ جو ہم ان کو دیئے جاتے ہیں مال اور اولاد دوڑ دوڑ ملاتے ہیں ان کو بھلائیاں

کا علم ہے جس طرح سے تورات کا علم یہود میں ہے کہ انہوں نے بجائے دین کے فائدہ کے اس علم سے الٹا دین کا اور نقصان کمایا، شریعت محمدی کا علم جن علمائے اسلام کے حق میں اسی حالت کو پہنچ گیا ہو، ان کو اپنی حالت پر ذرا غور کرنا چاہیئے۔

۵۱-۵۶۔ جس طرح اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کو غذائے حلال کی تلاش کا حکم فرمایا ہے، اسی طرح سورہ بقر میں عام پابند شرع لوگوں کو بھی حکم فرمایا ہے، مسند امام احمدؒ، صحیح مسلم اور ترمذی میں ابوہریرہؓ سے روایت[1] ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بعضے لوگ رات دن گڑ گڑا کر طرح طرح کی دعائیں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کرتے ہیں اور جب اُن کی دعا قبول نہیں ہوتی تو ان کے دلوں میں طرح طرح کے وسوسے پیدا ہوتے ہیں لیکن جب تک وہ غذائے حلال کے پابند نہ ہوں گے ان کی دعا میں کچھ تاثیر پیدا نہ ہوگی، حاصل کلام یہ ہے کہ غذائے حلال سے رسولوں کے کلام میں تو یہ تاثیر پیدا ہوگی کہ وہ امت کے لوگوں کو جو کچھ نصیحت کریں گے اس میں اثر پیدا ہو جائے گا اور عام پابند شریعت لوگوں کے کلام میں غذائے حلال سے یہ تاثیر پیدا ہوگی کہ دعا یا عبادت کے طور پر جو کچھ ان کے منہ سے نکلے گا وہ بارگاہِ الٰہی میں قبول ہونے کے قابل ٹھہرے گا، آگے فرمایا، غذائے حلال کے کھانے کے بعد خالص دل سے جو کوئی نیک عمل کرے گا تو اس کا حال اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے، مطلب یہ ہے کہ نیک عمل کا دس گنے سے لے کر سات سو تک اور بعضی نیکیوں کا اس سے بھی زیادہ اللہ تعالیٰ کے علم غیب کے موافق اجر جو ملے گا اس کا حال اللہ کو خوب معلوم ہے، سورۃ الاعراف میں گزر چکا ہے کہ علمائے یہود اپنے آپ کو تورات کا وارث گنتے تھے اور اعمال ان کے ایسے تھے کہ جو عالم ان میں سے قاضی ہو جاتا تھا تو وہ لوگوں سے رشوت لے کر توراۃ کے برخلاف مقدمے فیصل کیا کرتا تھا، توراۃ کے ذکر کے بعد اسی واسطے غذائے حلال کا حکم ایسے لوگوں کو یاد دلایا تاکہ توراۃ، انجیل اور قرآن کے علم لوگوں کو یہ اچھی طرح معلوم ہو جاوے کہ جو شخص کتاب آسمانی کے موافق عمل نہ کرے گا وہ کتاب آسمانی کا وارث نہیں ہو سکتا، صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی روایت کئی جگہ گزر چکی ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، دین سب انبیاء کا ہمیشہ سے ایک رہا ہے، فقط حرام حلال کے احکام ضرورت کے موافق ہر نبی کے زمانہ میں بدلتے رہے ہیں، دین عبادت کے طریقہ کو کہتے ہیں اور حرام حلال کے احکام کو شریعت کہتے ہیں، حاصل مطلب یہ ہے کہ اکیلے اللہ کی عبادت کا طریقہ ہر ایک نبی کے زمانہ میں جاری رہا ہے، زیادہ تفصیل

[1] مشکوٰۃ باب الکسب وطلب الحلال ص ۲۴۱

بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَالَّذِيْنَ

کوئی نہیں ان کو بوجھ نہیں۔ البتہ جو لوگ اپنے رب کے خوف سے اندیشہ رکھتے ہیں اور جو لوگ

هُمْ بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۸﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَالَّذِيْنَ

اپنے رب کی باتیں یقین کرتے ہیں اور جو لوگ اپنے رب کے ساتھ شریک نہیں ٹھہراتے اور جو لوگ

يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ﴿۶۰﴾ اُولٰٓئِكَ

کہ دیتے ہیں جو دیتے ہیں اور ان کے دلوں میں ڈر ہے کہ ان کو اپنے رب کی طرف پھر جانا وہ

يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ ﴿۶۱﴾

دوڑ دوڑ لیتے ہیں بھلائیاں اور وہ ان پر پہنچے سب سے آگے۔

اس کی سورۃ الشوریٰ میں آئے گی، سورۃ الشوریٰ کی آیتوں اور ابو ہریرہؓ کی روایت کو ان آیتوں کے ساتھ ملانے سے آیت وَاِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ کا یہ مطلب ہوا کہ اللہ کی عبادت کا جو طریقہ ہر ایک نبی کے زمانہ میں اللہ کے حکم سے جاری رہا ہے ہر شخص کو اس کے موافق اللہ تعالیٰ کی عبادت کا کرنا اور جو کوئی اس کے برخلاف کرے اس کو عذاب الٰہی سے ڈرنا ضرور ہے آگے فرمایا اللہ تعالیٰ کا حکم اگرچہ یہ ہے کہ ہر شخص کو اس طریقہ کے موافق اللہ کی عبادت کرنی چاہیے جو طریقہ ہر ایک نبی کے زمانہ میں جاری رہا ہے لیکن اہل مکہ نے ملت ابراہیمی کو اور اہل کتاب نے اپنی کتابوں کو چھوڑ کر نئے طریقہ نکال لیئے ہیں اور ان میں سے ہر ایک فرقہ اپنے ایجادی طریقہ کو اچھا جانتا ہے۔ اے رسول اللہ کے تم ان فرقوں کو حساب و کتاب تک ان کے حال پر چھوڑ دو، وقت مقررہ آجائے تو جزا و سزا کا پورا فیصلہ ہو جائے گا، پھر فرمایا، ان لوگوں کا یہ خیال بالکل غلط ہے کہ ان کے مال و اولاد کی ترقی اس سبب سے ہے کہ اللہ ان سے رضامند ہے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو اللہ تعالیٰ ان سے زیادہ مالدار اور اولاد والی پچھلی امتوں کو طرح طرح کے عذابوں سے ہرگز ہلاک نہ کرتا۔

۵۸-۶۲:۔ اوپر کی آیتوں میں ان لوگوں کا ذکر تھا جو اللہ تعالیٰ کی خلاف مرضی کام کرتے ہیں، ان آیتوں میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے موافق کاموں میں لگے رہتے ہیں۔ حاصل مطلب ان آیتوں کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم غیب میں جو لوگ نیک ٹھہر چکے ہیں وہ ایسے لوگ ہیں کہ نیک کام کرنے کے بعد بھی عذاب آخرت کا اندیشہ ان کو لگا رہتا ہے۔ احکام الٰہی کی آیتوں کا ان کے دل میں کلام الٰہی ہونے کا پورا یقین ہے اس لئے وہ ان احکام کے موافق خالص دل سے عمل کرتے ہیں، شرک یا ریاکاری کے طور پر اپنے اس دینی عمل میں کسی کو اللہ کا شریک نہیں ٹھہراتے، صدقہ، خیرات اور ہر طرح کا نیک کام کرتے ہیں اور پھر بھی اللہ تعالیٰ کے روبرو کھڑے ہونے کے وقت کا یہ کھٹکا ان کے دل میں لگا ہوا ہے کہ اس وقت یہ نیک عمل بارگاہ الٰہی میں قبول ہونے کے قابل نکلتے ہیں یا نہیں آخر کو فرمایا یہ لوگ وہ ہیں جو ہر طرح کی بھلائی کی طرف پیش قدمی کر کے دوڑتے ہیں وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا صحیح قول یہی ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے علم غیب میں نیک ٹھہر چکے ہیں۔ آخری آیت میں ان ہی کا ذکر ہے، صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے حضرت علیؓ کی حدیث کئی جگہ گزر چکی ہے جس کے ایک ٹکڑے کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم غیب کے موافق جو لوگ دنیا میں پیدا ہونے سے پہلے نیک ٹھہر چکے ہیں دنیا میں پیدا ہونے کے بعد وہی لوگ

وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا وَلَدَيْنَا كِتٰبٌ يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۶۲﴾

اور ہم کسی پر بوجھ نہیں ڈالتے مگر جو اس کی سمائی ہے اور ہمارے پاس لکھا ہے جو بولتا ہے سچ اور ان پر ظلم نہ ہوگا۔

بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِيْ غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا وَلَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ هُمْ لَهَا عٰمِلُوْنَ ﴿۶۳﴾

کوئی نہیں ان کے دل بے ہوش ہیں اس طرف سے اور ان کو اور کام لگے ہیں اس کے سوائے کہ وہ ان کو کر رہے ہیں۔

نیک کاموں کے کرنے میں پیش قدمی کرتے ہیں اور ان ہی لوگوں کو نیک کام اچھے اور آسان معلوم ہوتے ہیں وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ کی جو تفسیر حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے قول کے موافق اوپر بیان کی گئی۔ اس حدیث سے اس کی پوری تائید ہوتی ہے، مسند امام احمد، ترمذی، ابن ماجہ، مستدرک حاکم وغیرہ میں حضرت عائشہؓ سے روایت[1] ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یہ آیتیں ایسے لوگوں کی شان میں ہیں جو نیک کام کرتے ہیں اور پھر بھی ان کے دل میں یہ کھٹکا لگا ہوا ہے کہ ان کے وہ نیک کام بارگاہ الٰہی میں قبول ہونے کے قابل ہیں یا نہیں، جس طرح کے لوگوں کی شان میں یہ آیتیں نازل ہوئی ہیں اس کا مطلب اس حدیث سے اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے، حاکم نے اس شانِ نزول کی روایت کو صحیح کہا ہے، صحیح بخاری میں ابوہریرہؓ سے روایت[2] ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا منکرِ شریعت لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی اگر پوری رحمت کا حال معلوم ہو جاوے تو منکر لوگوں کو بھی جنت میں داخل ہونے کی امید پیدا ہو جاوے، اسی طرح پابندِ شریعت نیک لوگوں کو عذابِ الٰہی کا پورا حال معلوم ہو جاوے تو عذابِ الٰہی کا خوف ان کے دل پر ہر وقت رہے، اس حدیث سے حضرت عائشہؓ کی روایت کی پوری تائید ہوتی ہے کیونکہ مطلب ان دونوں حدیثوں کا قریب قریب ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ ایماندار آدمی کو کسی حال میں عذابِ الٰہی سے نڈر نہیں ہونا چاہیے۔

۶۲:۔ اوپر ان نیک لوگوں کا ذکر تھا جو نیک کاموں میں پیش قدمی کرتے ہیں، اس آیت میں فرمایا، اس پیش قدمی میں یہ تائید غیبی بھی ہے کہ شریعت کا کوئی کام اللہ تعالیٰ نے انسان کی طاقت سے باہر نہیں رکھا مثلاً جو بیمار آدمی نماز میں کھڑا نہ ہو سکے تو اس کو بیٹھ کر نماز جائز ہے، اسی طرح مسافر یا بیمار آدمی وقت پر روزے نہ رکھے، تو کچھ گناہ نہیں، پھر فرمایا ہر شخص کے ہر طرح کے عمل پہلے لوحِ محفوظ میں اور پھر نامۂ اعمال میں لکھے گئے ہیں جس سے ہر شخص کو اپنے عملوں کا سچا سچا حال سزا و جزا کے وقت معلوم ہو جاوے گا اور سزا و جزا کے وقت کسی پر یہ ظلم نہ ہوگا کہ نیکی کا اجر گھٹا دیا جاوے یا جرم کی حیثیت سے سزا کی مقدار بڑھا دی جاوے۔ صحیح مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی حدیث کئی جگہ گزر چکی ہے کہ جو شخص اپنے نامۂ اعمال میں کے لکھے ہوئے گناہوں کا انکار کرے گا تو اس کے ہاتھ پاؤں اعمال نامہ کی صداقت بطور گواہی کے بیان کریں گے، صحیح مسلم، ترمذی وغیرہ کے حوالہ سے ابوذرؓ کی یہ حدیث بھی کئی جگہ گزر چکی ہے[3] کہ اللہ تعالیٰ نے ظلم اپنی ذات پاک پر حرام ٹھہرا لیا ہے۔ اعمال نامہ میں سچا سچا حال لکھے جانے کا اور سزا و جزا کے وقت کسی پر کچھ ظلم نہ ہونے کا مطلب ان حدیثوں سے اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اعمال نامہ میں ایسا سچا حال لکھا جاتا ہے جس کی صداقت کی گواہی کے لئے آدمی کے ہاتھ پاؤں تیار ہو جاویں گے اور سزا و جزا کے وقت کسی پر کوئی ظلم اس سبب سے نہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے ظلم اپنی ذات پاک پر حرام ٹھہرا لیا ہے۔

۶۳-۶۷:۔ اوپر کی آیتوں میں ان کا ذکر تھا جو اللہ تعالیٰ کے علمِ غیب میں نیک قرار پا چکے ہیں، ان آیتوں میں ان بد لوگوں کا ذکر فرمایا

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۲۴۸ ج ۳ [2] فتح الباری ص ۲۶۰ ج ۴ [3] مشکوٰۃ ص ۲۰۷ باب الاستغفار والتوبہ۔

حَتّٰٓى اِذَآ اَخَذْنَا مُتْرَفِيْهِمْ بِالْعَذَابِ اِذَا هُمْ يَجْــَٔرُوْنَ ﴿۶۴﴾ لَا تَجْــَٔرُوا الْيَوْمَ قف

یہاں تک کہ جب پکڑیں گے ہم ان کے آسودہ لوگوں کو آفت میں تبھی وُہ لگیں گے چلانے مت چلاؤ آج کے دن

اِنَّكُمْ مِّنَّا لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۶۵﴾ قَدْ كَانَتْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ

تم ہم سے چھڑائے نہ جاؤ گے سُنائی جاتی تھیں میری آیتیں تم کو تو تم ایڑیوں پر

گیا ہے جو علمِ ازلی الٰہی میں بد قرار پا چکے ہیں اور ہر وقت دین کے کاموں کی طرف سے ان کے دل غافل ہیں، ان آیتوں کی تفسیر بہت سی صحیح حدیثوں میں آئی ہے چنانچہ صحیح بخاری میں جو روایتیں ہیں، ان کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس وقت فرمایا دنیا کے پیدا کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے جنتی ہر شخص کا نام اہلِ جنت میں اور دوزخی ہر شخص کا نام اہلِ دوزخ میں لکھ لیا ہے تو یہ بات سن کر صحابہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ حضرت پھر نیک عمل کی کیا ضرورت ہے ہم لوگ اپنی تقدیر پر شاکر ہو نہ بیٹھ جائیں اور یقین کر لیں کہ اگر اللہ کے علم میں ہم جنتی ہوں گے تو آخر جنت میں جاویں گے آپ نے فرمایا نہیں یہ نہیں ہو سکتا بلکہ ہر شخص کا جو انجام علمِ الٰہی میں قرار پا چکا ہے دُنیا میں وُہ شخص اسی طرح کے کام بھی کرتا ہے حاصل کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں جو شخص جس طرح کا قرار پایا ہے وُہ ایک غیب کی بات ہے اس کو سوائے اللہ کے اور کوئی نہیں جانتا اور جزا و سزا کا مدار بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے علمِ غیب پر نہیں رکھا بلکہ اس علم کے ظہور پر رکھا ہے اس لئے اس دُنیا عالمِ اسباب میں اللہ تعالیٰ نے عمل کو ایک سبب نیک و بد کے پہچاننے کا قرار دیا ہے جس طرح رزق ہر ایک شخص کا یا موت یا بیماری ہر شخص کی خدا کی طرف سے ہے مگر عالمِ اسباب میں اس کے سبب اور حیلے خدا نے ٹھہرا دیئے ہیں اسی طرح دُنیا کے نیک و بد عمل کو اللہ نے سبب ٹھہرایا ہے اس سبب کو چھوڑ کر تقدیر پر شاکر ہونا ایسا ہی ہے جیسے کوئی بے حیلہ کے دُنیا میں مثلاً رزق چاہے۔ اب اس نیک و بد کی پہچان کا موقع آدمی کی آخری عمر تک ہے۔ اسی واسطے شریعت میں خاتمہ کا بڑا اعتبار ہے، چنانچہ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے اور ترمذی وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے اور مسند امام احمد بن حنبل اور صحیح ابن حبان میں حضرت انسؓ سے جو روایتیں ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ کسی شخص کو نیک عمل کرتے ہوئے دیکھ کر کوئی بات منہ سے نہیں نکالنی چاہیئے، جب تک خاتمہ اچھا نظر نہ آوے کیونکہ بہت سے لوگ عمر بھر اچھے کام کرتے رہتے ہیں اور آخری عمر میں بگڑ کر بُرے کاموں میں لگ جاتے ہیں اور بُرے کاموں پر ان کا خاتمہ ہو کر دوزخ کے مستحق ٹھہر جاتے ہیں اور بہت سے لوگ عمر بھر بُرے کام کرتے ہیں اور آخر عمر میں نیک راستہ سے لگ جاتے ہیں اور نیکی پر ان کا خاتمہ ہوتا ہے اور جنتی بن جاتے ہیں۔

اوپر یہ بیان ہو چکا ہے کہ دنیا کے پیدا ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یہ اندازہ فرما لیا ہے کہ اگر دُنیا پیدا کی جاوے اور ہر شخص کو اس کے فعل کا فعل مختار کیا جاوے تو کون اچھا عمل کرے گا اور کون بُرا اور اسی اندازہ کو لوحِ محفوظ میں لکھ لیا ہے اسی کا نام تقدیر ہے دنیا میں نیک و بد فعل ہونے کے بغیر نہ اس تقدیر کے لکھے پر کچھ سزا جزا ہے، نہ تقدیر کے لکھتے وقت اللہ تعالیٰ نے کسی کو کسی کام پر مجبور کیا ہے۔

جو لوگ حشر کے منکر ہیں ان کا بڑا شبہ یہ ہے کہ جب وُہ مر جاویں گے اور ان کی ہڈیاں تک خاک ہو جاویں گی اور وُہ خاک کچھ ہوا میں اڑ جاوے گی اور کچھ پانی کے ریلوں میں بہ جاوے گی تو پھر وُہ رواں دواں خاک کیونکر جمع ہو جاوے گی جس کا پتلا بنے گا۔

[1] مشکوٰۃ ص ۲۰ [2] صحیح مسلم ص ۳۳۴ ج ۲ کتاب القدر [3] تنقیح الرواۃ ص ۲۶ باب الایمان بالقدر [4] مسند امام احمد ص ۱۲۰ ج ۳۔

تَنۡكِصُوۡنَ ﴿٦٦﴾ مُسۡتَكۡبِرِيۡنَ ۖۗ بِهٖ سٰمِرًا تَهۡجُرُوۡنَ ﴿٦٧﴾ اَفَلَمۡ يَدَّبَّرُوا الۡقَوۡلَ اَمۡ

الٹے بھاگتے تھے اس سے بڑائی کر کر ایک کہانی والے کو چھوڑ کر چلے گئے سو کیا دھیان نہیں کی یہ بات یا

جَآءَهُمۡ مَّا لَمۡ يَاۡتِ اٰبَآءَهُمُ الۡاَوَّلِيۡنَ ﴿٦٨﴾ اَمۡ لَمۡ يَعۡرِفُوۡا رَسُوۡلَهُمۡ فَهُمۡ لَهٗ مُنۡكِرُوۡنَ ﴿٦٩﴾

آیا ہے ان کے پاس جو نہ آیا تھا ان کے پہلے باپ دادوں پاس یا پہچانا نہیں انہوں نے اپنا پیغام لانے والا سو اس کو وہ بیزن سمجھتے ہیں

سورۂ ق میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے شبہ کا یہ جواب دیا ہے کہ ان منکرین حشر کے پیدا کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنے علم غیب کے موافق لوح محفوظ میں یہ لکھ لیا ہے کہ ان لوگوں کی خاک ہوا میں اڑ کر یا پانی میں بہہ کر کہاں جاوے گی اسی پتہ سے ان کی خاک جمع کر لی جاوے گی کیونکہ جنگل دریا کوئی چیز اس کے علم غیب اور حکم سے باہر نہیں ہے صحیح بخاری اور مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی روایت کئی جگہ گزر چکی ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک شخص بڑا گنہ گار تھا اس نے اپنے مرجانے کے بعد اس کی لاش کو جلا کر آدھی خاک کو ہوا میں اُڑا دینے اور آدھی کو دریا میں بہا دینے کی وصیّت کی اور اس کے وارثوں نے وصیت کے موافق عمل بھی کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے جنگل اور دریا کو اس کی خاک کے حاضر کرنے کا حکم دیا جس سے وُہ خاک حاضر ہوگئی، پھر اللہ تعالیٰ نے اس خاک کا پتلا بنایا اور اس میں دوبارہ رُوح پھونکی جس کے سبب سے وُہ شخص دوبارہ زندہ ہُوا اور اللہ تعالیٰ نے اس وصیّت کا سبب اس سے پوچھا، اس شخص نے جواب دیا اللہ مجھ کو خوب معلوم ہے کہ یہ کام میں نے تیرے سامنے کھڑے ہونے سے ڈر کر کیا تھا اس پر اللہ تعالیٰ نے اس شخص کی مغفرت فرمادی، اس حدیث سے یہ مطلب اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے کہ جس طرح جنگل اور دریا میں سے اس شخص کی خاک حاضر ہوگئی اسی طرح منکرین حشر کی خاک جہاں ہوگی وہاں سے حاضر ہو جاوے گی۔

حاصل مطلب ان آیتوں کا یہ ہے کہ شرک کے وبال میں ان لوگوں سے بڑھ کر خوش حال پچھلی قومیں جب طرح طرح کے عذابوں سے ہلاک ہوگئیں جن کے قصے کئی دفعہ ان لوگوں کو سُنا دیئے گئے تو ان مشرکوں کا یہ خیال بالکل غلط ہے کہ ان کے مال اور اولاد کی ترقی اس سبب سے ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی اور خوش ہے بلکہ ان لوگوں کے اس غلط خیال پر جمے رہنے کا سبب یہی ہے کہ یہ لوگ قرآن کی نصیحت کو دھیان سے نہیں سنتے اور نیک لوگوں کے جو کام ان کو اوپر کی آیتوں میں بتلائے گئے ہیں، رات دن ان کاموں کے برخلاف کام کرتے ہیں لیکن ان میں کے بڑے بڑے خوشحال وقت مقررہ پر جب عذاب آخرت میں گرفتار ہو جاویں گے تو عذاب کی تکلیف سے بہت چلاویں گے جن پر ان کو ذلیل کرنے کے لئے یہ کہا جاوے گا کہ آج تمہاری فریاد سُن کر کوئی تمہاری مدد نہیں کر سکتا اور یہ بھی کہا جاوے گا کہ یہ عذاب تمہاری اسی شرارت کی سزا ہے کہ تم قرآن کی نصیحت کو سُن کر الٹے قدموں بھاگتے تھے اور کعبہ کے خادم ہونے کی بڑائی جتلا کر اپنے گھروں میں راتوں کو قصے کہانیوں کی طرح قرآن اور اللہ کے رسُول کی مذمت کیا کرتے تھے تَهۡجُرُوۡنَ کے معنی بے ہودہ بکواس کے ہیں۔

۶۸-۷۵: سورۂ الانعام میں گزر چکا ہے کہ مشرکین مکہ نسل ابراہیمی میں اپنے آپ کو زیادہ عقل مند سمجھ کر یہ کہا کرتے تھے کہ اگر ہم لوگوں کی ہدایت کے لئے کوئی آسمانی کتاب نازل ہوتی تو ہم پہلے لوگوں سے بڑھ کر راہ راست پر آتے۔ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت[۱] میں ابوسفیانؓ اور ہرقل بادشاہ روم کا جو قصہ ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ نبی ہونے سے پہلے مشرکین مکہ اللہ کے

[۱] صحیح بخاری باب اوّل حدیث ۵

اَمْ يَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ ؕ بَلْ جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ وَاَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ﴿۷۰﴾ وَلَوِ اتَّبَعَ

یا کہتے ہیں کہ اس کو سودا ہے کوئی نہیں وہ لایا ہے ان کے پاس سچی بات اور ان بہتوں کو سچی بات بُری لگتی ہے اور اگر سچا

الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ؕ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِذِكْرِهِمْ

رب چلے ان کی خوشی پر تو خراب ہوں آسمان اور زمین اور جو کوئی ان کے بیچ میں ہے کوئی نہیں ہم نے پہنچائی

فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۷۱﴾ ؕ اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ ۖ ق وَّهُوَ

ہے ان کو ان کی نصیحت سو وُہ اپنی نصیحت کو دھیان نہیں کرتے یا تو ان سے مانگتا ہے کچھ حاصل سو حاصل تیرے رب کا بہتر ہے اور وُہ ہے

خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۷۲﴾ وَاِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۷۳﴾ وَاِنَّ الَّذِيْنَ لَا

بہتر روزی دینے والا۔ اور تو تو بلاتا ہے ان کو سیدھی راہ پر اور جو لوگ نہیں

يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنٰكِبُوْنَ ﴿۷۴﴾ وَلَوْ رَحِمْنٰهُمْ وَكَشَفْنَا مَا بِهِمْ

مانتے پچھلا گھر راہ سے ٹیڑھے ہوئے ہیں اور اگر ہم رحم کریں اور کھول دیں جو

رسول کو بہت سچا آدمی جانتے تھے، صحیح بخاری[1] کے حوالہ سے جبیرؓ بن مطعم کی روایت ایک جگہ گزر چکی ہے جس میں محمد بن جبیر کے باپ نے کہا جب میں نے سورہ والطور سنی تو میرا دل بے قابو ہو گیا سورۃ الانعام کی آیتوں اور اوپر کی حدیثوں کو ان آیتوں کے ساتھ لانے کا یہ مطلب ہوا کہ نہ تو قرآن ایسی نئی آسمانی کتاب ہے کہ اس سے پہلے کسی بشر پر آسمانی کتاب کا نازل ہونا ان مشرکین مکہ کے کانوں تک نہ پہنچا ہو، نہ اللہ کے رسول ایسے اوپرے ہیں جن کے سچ جھوٹ سے یہ لوگ واقف نہ ہوں اور نہ قرآن ایسا کلام ہے جو دیوانے لوگوں کے کلام کی طرح بے ٹھکانے ہو، بلکہ یہ تو ایسا کلام ہے جس کے سننے سے ان میں کے اکثر لوگوں کے دل بے قابو ہو جاتے ہیں اور وُہ اپنے بڑوں کے طریقہ کو چھوڑ کر قرآن کے پیرو بن جاتے ہیں، حاصل یہ ہے کہ ان باتوں میں سے کوئی بات نہیں بلکہ بات فقط اتنی ہے کہ ان میں کے اکثر لوگ اللہ تعالیٰ کے علم غیب کے موافق دوزخی ٹھہر چکے ہیں، اس لئے وُہ قرآن کی نصیحت کو نہ دھیان سے سنتے ہیں، نہ ان کو سچی بات اچھی معلوم ہوتی ہے ان کو تو یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ ان کی خواہش کے موافق دنیا میں شرک جائز ہو جائے، یہ نہیں جانتے کہ اگر ایسا ہو تو جس طرح دُنیا کے دو بادشاہوں کی شراکت کی بادشاہت کا انتظام بگڑ جاتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کا بھی کوئی شریک ہوتا تو تمام عالم کا انتظام خراب ہو جاتا۔ پھر فرمایا کہ یہ لوگ قرآن کو پچھلے لوگوں کی کہانیاں جو کہتے ہیں قرآن تو ایسا نہیں ہے بلکہ قرآن میں تو ان لوگوں کی عقبیٰ کے درست ہو جانے کی نصیحت ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے علم غیب کے موافق جو لوگ بدبخت ٹھہر چکے ہیں وُہ اس نصیحت کو دھیان سے نہیں سنتے، پھر فرمایا اے رسُول اللہ کے تم ان لوگوں سے قرآن کی نصیحت پر اُجرت بھی تو نہیں مانگتے جو یہ لوگ قرآن کی نصیحت سے گھبراتے ہیں، تمہاری اُجرت تو اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ رکھی ہے کیونکہ ساری مخلوقات کی پرورش اسی کے ذمہ ہے، پھر فرمایا، ان میں جو لوگ عقبیٰ کے منکر ہیں وُہ عقبیٰ کی بہبودی کے سیدھے راستہ کو چھوڑ کر ٹیڑھا راستہ چلتے ہیں، پھر فرمایا، ان لوگوں کی سرکشی کے سبب سے مکہ میں جو قحط پڑا، اگر اللہ اپنی رحمت سے اس قحط کو رفع کر دے تو ان لوگوں کی شرارت تو یہاں تک بڑھی ہوئی ہے کہ قحط کے رفع ہوتے ہی پھر یہ لوگ سرکشی کی وہی بہکی ہوئی باتیں کرنے لگیں گے، صحیح بخاری کی

[1] دیکھئے اوائل صحیح بخاری۔

مِّنْ ضُرٍّ لَّلَجُّوْا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۷۵﴾ وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا

تکلیف ہے ان پر مقرر لگے جاویں اپنی شرارت میں بہکے۔ اور ہم نے پکڑا تھا ان کو آفت میں پھر نہ

اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿۷۶﴾ حَتّٰٓى اِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا ذَا عَذَابٍ

دبے اپنے رب کے آگے اور نہیں گڑگڑاتے۔ یہاں تک کہ جب کھولیں گے ہم ان پر دروازہ ایک سخت

شَدِيْدٍ اِذَا هُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ﴿۷۷﴾ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَ

آفت کا تب اس میں ان کی آس ٹوٹے گی۔ اور اسی نے بنا دیئے تم کو کان اور آنکھیں اور

الْاَفْـِٕدَةَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۸﴾ وَهُوَ الَّذِيْ ذَرَاَكُمْ فِي الْاَرْضِ وَاِلَيْهِ

دل۔ تم بہت تھوڑا حق مانتے ہو۔ اور اسی نے تم کو بکھیر رکھا ہے زمین میں اور اسی کی طرف

کی عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت کے حوالہ سے مکہ کے قحط کا قصہ کئی جگہ گزر چکا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ قریش نے جب بہت سرکشی شروع کی تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے حق میں بد دعا کی جس کے اثر سے مکہ میں بہت سخت قحط پڑا، حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے صحیح قول[1] کے موافق آخری آیت میں مختصر طور پر اسی قحط کا ذکر ہے۔

۷۶۔۷۷: معتبر سند سے نسائی، مستدرک حاکم اور بیہقی میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت[2] سے جو شان نزول ان آیتوں کی بیان کی گئی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ قریش مکہ نے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سرکشی کی تو آپ کی بد دعا سے مکہ میں بڑا سخت قحط پڑا، اس قحط کے زمانہ میں ابوسفیانؓ نے آنحضرتؐ سے آن کر کہا کہ آپؐ تو رحمۃ للعالمین اپنے آپ کو کہتے ہیں۔ قریش تو آپؐ کے قرابت دار ہیں، اب قریش کا یہ حال ہے کہ جو نہ کھانے کی چیزیں تھیں وُہ سب کھا چکے، ذرا ہماری غم خواری فرمایئے اور اللہ سے دُعا کیجئے کہ یہ بلا دفع ہو آپؐ نے قریش کے اس حال پر ترس کھا کے دُعا کی اور آپ کی دُعا کی برکت سے وُہ قحط جاتا رہا، قحط کے جاتے ہی قریش نے پھر وہی سرکشی شروع کر دی، اس قحط کے ذکر میں عبداللہؓ بن مسعود کی روایت صحیح بخاری کے حوالہ سے اوپر گزر چکی ہے، اس قحط کے زمانے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں، حاصل معنی آیتوں کے یہ ہیں کہ ان لوگوں کے دل ایسے سخت ہو گئے ہیں کہ خدا کی طرف سے کوئی مصیبت اور سختی آتی ہے تو جب بھی ان کو عبرت نہیں ہوتی اس لئے اب ان کو اللہ کے کسی بڑے سخت عذاب کا منتظر رہنا چاہیئے اس بڑے عذاب کے بعد ان کی سب سرکشی ناامیدی سے بدل جاوے گی یہ بڑا عذاب آخر کو اللہ کے وعدہ کے موافق بدر کی لڑائی کے روز آیا کہ بڑے بڑے سرکش ستر آدمی قریش کے حالتِ کفر میں بڑی ذلت اور خواری سے دنیا سے اٹھ کر ہمیشہ کے عذابِ آخرت میں مبتلا ہوئے جس کا ذکر صحیح بخاری و مسلم کی انسؓ بن مالک کی روایت سے کئی جگہ گزر چکا ہے۔

۷۸۔۸۱: اوپر منکرِ حشر لوگوں کا یہ ذکر تھا کہ یہ لوگ حشر کے منکر ہیں اس سبب سے یہ عقبیٰ کی بہبودی کے سیدھے راستہ کو چھوڑ کر ٹیڑھا راستہ چلتے ہیں، ان آیتوں میں قدرت کی چند نشانیاں بیان فرما کر ایسے لوگوں کو قائل کیا گیا ہے، حاصل مطلب ان آیتوں کا یہ ہے کہ ان منکرِ حشر لوگوں کے سننے کے لئے کان، دیکھنے کے لئے آنکھیں، ہر بات کے سمجھنے کے لئے دل، اللہ تعالیٰ نے یہ سب کچھ پیدا کیا اب یہ لوگ ان چیزوں کے دوبارہ پیدا کرنے کو اللہ کی قدرت سے باہر جو گنتے ہیں، تو انہوں نے اللہ کی قدرت کا بہت تھوڑا

[1] تفسیر ابن جریر ص ۴۵ ج ۱۸ [2] تفسیر الدر المنثور ص ۱۳ ج ۵۔

تُحْشَرُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَهُوَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ ؕ اَفَلَا

جمع ہو کر جاؤ گے اور وہی ہے جلاتا اور مارتا اور اسی کا کام ہے بدلنا رات اور دن کا سو کیا

تَعْقِلُوْنَ ﴿۸۰﴾ بَلْ قَالُوْا مِثْلَ مَا قَالَ الْاَوَّلُوْنَ ﴿۸۱﴾ قَالُوْٓا ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا

تم کو بوجھ نہیں کوئی نہیں یہ وہی کہتے ہیں جیسا کہہ چکے ہیں پہلے ۔ کہتے ہیں کیا جب ہم مرگئے اور ہوگئے مٹی

وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۸۲﴾ لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا هٰذَا مِنْ قَبْلُ اِنْ

اور ہڈیاں کیا ہم کو جلا اٹھانا ہے وعدہ مل چکا ہم کو اور ہمارے باپ دادوں کو یہی پہلے سے اور

هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۸۳﴾ قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ

کچھ نہیں یہ نقلیں ہیں پہلوں کی ۔ تو کہہ کس کی ہے زمین اور جو کوئی اس کے بیچ ہے اگر تم

حق مانا، پھر فرمایا، جس طرح اب اللہ تعالیٰ نے ان منکرین حشر کو پیدا کر کے تمام روئے زمین پر ان کو بکھیر رکھا ہے اسی طرح حشر کے دن قبروں سے اٹھا کر میدانِ محشر میں ان کو جمع کیا جاوے گا۔ پھر فرمایا، کیا ان لوگوں کو اتنی سمجھ نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو نیست سے ہست کیا اور ان کی زندگی کے انتظام کے لئے موسم میں ردّ و بدل ہے جس کے سبب سے رات دن کا گھٹنا اور بڑھنا پیدا ہوگیا، پھر فرمایا کہ ان لوگوں نے اللہ کی قدرت کی ان نشانیوں کو کچھ عبرت کی نگاہ سے نہیں دیکھا، بلکہ قدرت کی ان نشانیوں کو دیکھنے کے بعد اسی طرح حشر کے انکار پر جمے رہے جس طرح ان سے آگے کے منکر حشر تھے، صحیح بخاری میں ابوہریرہؓ کی روایتؐ سے حدیث قدسی ہے، جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا، حشر کے انکار سے انسان نے مجھ کو جھٹلایا، حالانکہ انسان کی پہلی پیدائش سے دوسری پیدائش سہل ہے، یہ حدیث وَاِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ کی گویا تفسیر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جس صاحب قدرت نے ایک بوند پانی سے منکرین حشر کے پتلے بنا کر ان میں رُوح پھونک دی، اس کو خاک سے ان پتلوں کا دوبارہ بنا دینا اور ان میں رُوح کا پھونک دینا کسی معمولی عقل والے آدمی کے نزدیک بھی کچھ مشکل نہیں ہے کیونکہ یہ کام عقل کا نہیں ہے کہ کسی چیز کا موجود ہونا ایک دفعہ آزما کر پھر دوبارہ اسی چیز کے موجود ہو جانے سے انکار کرے یا اس دوبارہ موجود ہو جانے کو مشکل جانے۔

۸۲-۹۰: حشر کے منکر جو لوگ اب ہیں یا پچھلے زمانہ میں تھے ان سے کوئی سند حشر کے انکار پر پیش نہیں ہو سکتی، اپنے بڑوں سے سُن کر صرف یہ کہتے تھے کہ جس طرح اور پچھلے زمانہ کے قصے سنتے آئے ہیں، اسی طرح یہ بھی ایک قصہ ہے کہ ایک دفعہ مرکر پھر جینا ہے اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں منکرین حشر سے یہ پوچھا ہے کہ آخر ایک دفعہ تمام جہان نیست سے ہست جو ہُوا ہے یہ کس نے پیدا کیا ہے۔ نمرود، فرعون، ان لوگوں کی طرح حشر کا انکار اور خدائی دعویٰ کرتے کرتے مرگئے، کیا انہوں نے کچھ پیدا کیا تھا یا ان منکرین حشر کے بتوں نے کچھ پیدا کیا ہے۔ جب مجبوری سے یہ لوگ یہی جواب دیں گے کہ جو کچھ پیدا کیا ہے وُہ اللہ ہی نے پیدا کیا ہے تو اسی اللہ کا یہ وعدہ ہے کہ جس طرح ایک دفعہ سارا جہان نیست سے ہست ہُوا ہے، اسی طرح نیک و بد کی جزا و سزا کے لئے دُوسری دفعہ پھر وہی ہونا ہے جو ایک دفعہ سب کی آنکھوں کے سامنے ہو چکا ہے تاکہ جزا و سزا کے ہو جانے کے بعد دُنیا کا پیدا کیا جانا ٹھکانے لگے، ان لوگوں کے پاس کیا دلیل ہے جو آنکھوں کی دیکھی ہوئی چیز کو جھٹلاتے ہیں۔ ابوہریرہؓ اور

لہ مشکوٰۃ ص ۱۳

تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۴﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۸۵﴾ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ

جانتے ہو اب کہیں گے اللہ کی تو کہہ پھر تم سوچ نہیں کرتے۔ تو کہہ کون ہے مالک سات

السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۸۶﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۸۷﴾ قُلْ

آسمانوں کا اور مالک اس بڑے تخت کا اب بتا دیں گے اللہ کو تو کہہ پھر تم ڈر نہیں رکھتے۔ تو کہہ

مَنْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۸﴾

کس کے ہاتھ ہے حکومت ہر چیز کی اور وُہ بچا لیتا ہے اور اس سے کوئی بچا نہیں سکتا اگر تم جانتے ہو۔

سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ﴿۸۹﴾ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِالْحَقِّ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۹۰﴾

اب بتا دیں گے اللہ کو تو کہہ پھر کہاں سے تم پر جادو پڑ جاتا ہے کوئی نہیں ہم نے ان کو پہنچایا سچ اور وُہ البتہ جھوٹے ہیں۔

ابوسعید خدریؓ سے جو صحیح بخاری میں روایتیں ہیں،[1] ان کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب قیامت کے دن سب لوگ جمع ہوں گے تو اللہ کے حکم سے فرشتے پکار دیں گے کہ دنیا میں جس طرح لوگوں کے گروہ تھے، کوئی بُت پرست تھا، کوئی آتش پرست، آج وُہ ہر ایک گروہ علیحدہ علیحدہ ہو جاوے سب گروہ الگ ہو کر اپنے فرضی معبودوں کے ساتھ ہو جاویں گے مگر جو لوگ قیامت کے حساب کتاب کو اور اللہ کے سامنے کھڑے ہونے کو حق جان کر اللہ کی عبادت کرتے تھے وہ باقی رہ جائیں گے لیکن ابھی تک اس گروہ میں وُہ لوگ بھی شریک ہوں گے جو اوپرے دل سے دکھاوے کے طور پر اللہ کی عبادت کرتے تھے، اس سارے گروہ کی توحید آزمانے کے لئے ایک ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ لوگوں کو نظر آوے گا جس کو دیکھ کر ان خدا پرست لوگوں کا دل گواہی دے گا کہ یہ ان کا معبود نہیں ہے اس لئے یہ لوگ کہیں گے تو ہمارا خدا نہیں، ہمارے دل میں ہمارے خدا نے اپنی خاص پہچان رکھی ہے، جب ہم اپنے خدا کو دیکھیں گے تو خود پہچان لیں گے، غرض پھر خدا کا اصلی دیدار ہوگا اور خالص توحید والے اس وقت اللہ تعالیٰ کو سجدہ کریں گے اور منافقوں کی کمر تختہ ہو جاوے گی، وُہ سجدہ نہ کر سکیں گے، پھر خالص توحید والا گروہ نجات پاوے گا اور سب گروہ طرح طرح کے عذاب میں مبتلا ہو جاویں گے، حاصل کلام یہ کہ شریعت میں حشر اور قیامت پر ایمان لانا جو شرط ٹھہرا ہے اور اس شرط کے سبب سے قرآن شریف میں منکرینِ حشر کی جگہ جگہ مذمت جو آئی ہے اس کا سبب یہی ہے کہ جب تک جزا و سزا کا پورا یقین نہ ہو خالص دل سے نیک عمل کرنے اور بد عمل سے بچنے کا شوق اور ارادہ آدمی کے دل میں پیدا نہیں ہو سکتا اور جب نیت ہی آدمی کی درست نہ ہو تو تمام عمر نیک کام اوپرے دل سے اگر کوئی کرتا رہے یا بُرے کام سے بچتا رہے تو کچھ فائدہ نہیں اس لئے جہاں کہیں قرآن شریف میں منکرینِ حشر کا ذکر ہے وُہ ایسے لوگوں سے بھی کسی قدر متعلق ہے جن کو اگرچہ حشر اور قیامت کا صاف انکار تو نہیں ہے لیکن ان کو پورا یقین بھی سزا و جزا کا نہیں ہے چنانچہ اس یقین کی کوتاہی کے سبب سے ان کی نیت دین کے کام میں ڈانواں ڈول رہتی ہے اور یہی ڈانواں ڈول پنا اوپر کی صحیح حدیثوں کے موجب ان لوگوں کو خالص نیت سے عمل کرنے والے گروہ سے ذیل سے بالکل الگ کرے گا اور خدا تعالیٰ کو دیکھنے کے بعد کا ان کو خالص نیت کا سجدہ نصیب نہ ہوگا، اس واسطے منکرینِ حشر کا ذکر سن کر اس طرح کے ڈانواں ڈول لوگوں کو بھی اپنے حال پر ذرا عبرت چاہیئے کہ آخرت کے معاملہ میں ایک طرح کی غفلت کے سبب سے جو کچھ

[1] صحیح بخاری ص ۱۱۰۵-۱۱۰۶ باب قول اللہ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ الآیۃ

مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍ بِمَا خَلَقَ

اللہ نے کوئی بیٹا نہیں کیا اور نہ اس کے ساتھ کسی کا حکم چلے یوں ہوتا تو لے جاتا ہر حکم والا اپنے بنائے کو

وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۹۱﴾ عٰلِمِ الْغَيْبِ وَ

اور چڑھ جاتا ایک پر ایک اللہ نرالا ہے ان کے بتانے سے جاننے والا چھپے اور

الشَّهَادَةِ فَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۹۲﴾

کھلے کا وہ بہت اوپر ہے اس سے جو شریک بتاتے ہیں۔

ع ۱۵ ۵ ۵

یہ لوگ کرتے ہیں وہ خالص اللہ کے واسطے نہیں کرتے بلکہ عمل کچھ ہے اور نیت کچھ ہے وَهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہر وقت بلا سے انسان کو بچاتا ہے مگر اس کے حکم سے جو آفت انسان پر آوے تو اس سے سوائے اس کے کوئی دوسرا کسی کو نہیں بچا سکتا فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح جادوگروں کے فریب سے مثلاً ٹھیکریاں روپے نظر آتے ہیں اسی طرح شیطان کے فریب سے مرنے کے بعد کی سچی باتیں ان لوگوں کو جھوٹی نظر آتی ہیں۔ آخری آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی معرفت مرنے کے بعد کی جو باتیں بیان فرمائی ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے علم غیب کے موافق بالکل سچی ہیں، جو لوگ بغیر سند کے ان باتوں کو جھٹلاتے ہیں وہ جھوٹے ہیں۔

۹۱-۹۲:۔ اوپر ذکر تھا کہ جس طرح جادوگروں کے فریب سے ٹھیکریاں روپے دکھائی دیتی ہیں، اسی طرح شیطان کے فریب دینے اور بہکانے سے مرنے کے بعد کی وہ سچی باتیں ان لوگوں کو جھوٹی معلوم ہوتی ہیں، ان آیتوں میں فرمایا۔ اللہ کے رسول کو جھٹلانے والوں میں سے کچھ لوگ تو وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کو صاحب اولاد کہتے ہیں اور کچھ وہ ہیں جو بتوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہیں مگر یہ بات ان لوگوں کی آنکھوں کے سامنے کی ہے کہ دنیا کی جس بادشاہت میں دو بادشاہ شریک ہوتے ہیں تو ان میں طرح طرح کے جھگڑے ہو کر ایک دوسرے پر غالب آجاتا ہے۔ اب جس طرح دنیا کے دو بادشاہوں کے آپس کے جھگڑے کی بات ان لوگوں کی آنکھوں کے سامنے ہے۔ یہ بھی ان کی آنکھوں کے روبرو ہے کہ تمام دنیا میں انتظام الٰہی ہمیشہ سے ایک وتیرہ پر ہے جس سے ہر شخص کی سمجھ میں یہ بات اچھی طرح آسکتی ہے کہ اللہ وحدہٗ لاشریک ہے اس کی بادشاہت میں اولاد بن کر یا ساجھی بن کر کوئی اس کا شریک نہیں ہے۔ بغیر سند کے جو لوگ اللہ تعالیٰ کی تعظیم میں دوسروں کو شریک ٹھہراتے ہیں وہ بالکل جھوٹے ہیں کیونکہ ان میں سے کسی کو غیب کا علم نہیں ہے اس واسطے اپنے علم غیب کے موافق اللہ تعالیٰ نے آسمانی کتابوں میں اپنی وحدانیت کی جو خبر دی ہے وہ سچ ہے اس سچ کے مقابلہ میں کوئی بے سند بات کسی طرح اعتبار کے قابل نہیں ہے۔ صحیح بخاری کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی روایت سے حدیث قدسی جو اوپر گزری اس میں اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا کہ انسان نے مجھ کو صاحب اولاد ٹھہرا کر میری حقارت کی کیونکہ مجھ کو کسی طرح کے شریک کی حاجت نہیں ہے۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے عبداللہؓ بن مسعود کی روایت کئی جگہ گزر چکی ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس طرح پیدا کیا کہ اس میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے اس لیے انسان پر اکیلے اللہ کی تعظیم واجب ہے جو لوگ اس واجب کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی تعظیم میں دوسروں کو شریک کرتے ہیں ان سے بڑھ کر دنیا میں کوئی گنہ گار نہیں، ان حدیثوں کو آیتوں کے ساتھ ملانے سے یہ مطلب ہوا کہ جب انسان کے پیدا کرنے

قُلْ رَّبِّ اِمَّا تُرِيَنِّيْ مَا يُوْعَدُوْنَ ﴿۹۳﴾ رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِيْ فِي الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۹۴﴾

تو کہہ اے رب کبھی تو دکھاوے مجھ کو جو ان کو وعدہ ملتا ہے تو اے رب مجھ کو نہ کریو ان گنہ گار لوگوں میں۔

وَاِنَّا عَلٰٓى اَنْ نُّرِيَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقٰدِرُوْنَ ﴿۹۵﴾ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ ؕ

اور ہم کو قدرت ہے کہ تجھ کو دکھاویں جو ان کو وعدہ دیتے ہیں بُری بات کے جواب میں وُہ کہہ جو بہتر ہے۔

نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَصِفُوْنَ ﴿۹۶﴾ وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ﴿۹۷﴾ وَ

ہم خوب جانتے ہیں جو یہ بتاتے ہیں اور کہہ اے رب میں تیری پناہ چاہتا ہوں شیطانوں کی چھیڑ سے اور

اَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ﴿۹۸﴾ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ

پناہ تیری چاہتا ہوں اے رب اس سے کہ میرے پاس آویں۔ یہاں تک کہ جب پہنچے ان میں سے کسی کو موت کہے گا اے رب

میں اللہ کو کسی طرح کے شریک کی حاجت نہیں تو یہ مشرک لوگ دُوسروں کو اللہ تعالیٰ کی تعظیم میں شریک کر کے اللہ تعالیٰ کو دوسروں کی مدد کا حاجت مند ٹھہراتے ہیں، جس سے اللہ کی شان کی حقارت لازم آتی ہے اس واسطے شرک سے بڑھ کر دُنیا میں کوئی گناہ نہیں۔

۹۴-۹۸:۔ اوپر شرک کا ذکر فرما کر ان آیتوں میں جتلایا کہ اگر یہ مکّہ کے مشرک شرک سے باز نہ آویں گے تو جس طرح ان لوگوں سے عذاب کے نازل کرنے کا اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے اگرچہ اللہ تعالیٰ ہر وقت اس وعدہ کے ظہور پر قادر ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے انتظام میں ہر کام کا وقت مقرر ہے اس واسطے وقت مقررہ کے آتے ہی ان مشرکوں پر ایک نہ ایک دن وُہ عذاب ضرور آوے گا اس عذاب کے آنے کو ضروری جان کر اے رسول اللہ کے تم اللہ سے یہ دُعا کیا کرو کہ یا اللہ تو اپنی قدرت سے مجھ کو اس لائق عذاب قوم میں نہ رکھیو، اللہ تعالیٰ نے اپنے رسُول کی یہ دُعا قبول فرمائی اور بدر کی لڑائی کا وقت آنے سے پہلے مکّہ سے ہجرت کرنے کا حکم دے دیا، بدر کی لڑائی کے وقت مشرکین مکّہ میں کے بڑے بڑے سرکشوں پر جو عذاب آیا، صحیح بخاری و مسلم کی انس رضی اللہ عنہ بن مالک کی روایت سے اس کا قصّہ کئی جگہ گزر چکا ہے، آگے فرمایا، ہجرت کا وقت آنے تک یہ مشرک کچھ ایذا دیویں تو اس کو درگزر کر کے ٹال دینا چاہیئے اور اس ضعفِ اسلام کے زمانہ میں شیطان کی چھیڑ اور اس کے غلبہ سے اللہ کی پناہ کی دُعا مانگنی چاہیئے کیونکہ شیطان یہ چاہتا ہے کہ اس ضعفِ اسلام کے زمانہ میں مسلمانوں اور مشرکوں میں لڑائی کرا دیوے لیکن اللہ تعالیٰ کے علمِ غیب کے موافق ابھی اس لڑائی کا وقت نہیں آیا جس سے اسلام کے غلبہ کا نتیجہ نکلے، صحیح بخاری و مسلم میں سلیمان بن صرد سے روایت[1] ہے جس کے ایک ٹکڑے کا حاصل یہ ہے کہ اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو غصّہ کی حالت میں دیکھ کر فرمایا اگر یہ شخص اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ پڑھے تو ابھی اس کا غصّہ جاتا رہے، اس حدیث سے یہ مطلب اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے کہ غصّہ شیطان کے وسوسہ سے آتا ہے اور اللہ سے پناہ مانگتے ہی اس کا اثر جاتا رہتا ہے۔

۹۹-۱۰۰:۔ اوپر کی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے منکرینِ حشر و قیامت کا ذکر فرما کر ان آیتوں میں فرمایا ہے کہ یہ انکار ان لوگوں کا اسی وقت تک ہے جب تک قبضِ رُوح اور قبر اور حشر اور قیامت کا عذاب ان کے روبرو نہیں آتا جب یہ عذاب ان کی آنکھوں کے سامنے آجاوے گا تو انہیں معلوم ہو جاوے گا کہ رسُولوں کی معرفت اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ کیا تھا کہ دنیا عمل کی جگہ ہے تو یہ لوگ

[1] الترغیب (باب الترہیب من الغضب الخ ص ۴۵۰ ج ۳

ارْجِعُوْنِ ﴿۹۹﴾ لَعَلِّیْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِیْمَا تَرَکْتُ کَلَّا ؕ اِنَّهَا کَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا ؕ

مجھ کو پھر بھیجو شاید کچھ میں بھلا کام کروں اس میں جو پیچھے چھوڑ آیا۔ کوئی نہیں یہ بات ہے کہ وہی کہتا ہے

وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

اور ان کے پیچھے اٹکاؤ ہے جس دن تک اٹھائے جاویں۔

آخرت کی ہر سختی اور عذاب کے وقت دنیا میں واپس آنے اور نیک عمل کرنے کی خواہش ظاہر کریں گے مگر جب وقت ہاتھ سے نکل گیا تو پھر بے وقت کی خواہش سے کیا ہوتا ہے، قتادہ کا قول ہے کہ ایسے لوگوں کے حال پر بڑا افسوس ہے جو نیک عمل سے غافل ہیں اور دُنیا کے دھندوں میں پھنسے ہوئے ہیں کیونکہ ایسے لوگوں کو قیامت میں یہ موقع پیش آنے والا ہے کہ دنیا کے سب دھندوں سے زیادہ فائدہ مند ان کو عمل نیک ہی نظر آوے گا، چنانچہ اس آیت کے مضمون سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہت، وزارت، مال واولاد کے لئے کوئی شخص دُنیا میں واپس آنے کی خواہش نہ کرے گا بلکہ خواہش اور آرزو ہوگی، تو فقط اتنی ہی ہوگی کہ دُنیا میں جاویں اور نیک عمل کریں، صحیحین کے حوالہ سے انسؓ بن مالک کی روایت اوپر گزر چکی ہے کہ قبر تک قرابت دار اور مال اور عمل یہ تین چیزیں آدمی کے ساتھ جاتی ہیں اور ان میں سے دو تو پھر دُنیا کی دُنیا میں ہی واپس آجاتی ہیں فقط عمل آدمی کے ساتھ رہتا ہے، غرض دُنیا میں جس طرح آدمی کی زیست کا ٹھکانا نہیں آج ہے اور کل نہیں، اسی طرح خود دُنیا اور دُنیا کی سب چیزوں کا بھی ٹھکانا نہیں، ایک عمل ہی دُنیا میں آدمی کے ساتھ جانے کی چیز ہے اور نیک لوگوں کو نیک عملوں کا ثمرہ پاتے ہوئے جب بد لوگ آخرت میں دیکھیں گے تو دنیا میں پھر آنے اور نیکی کمانے کی تمنا ان کے دل میں پیدا ہوگی، ابوداؤد اور مسند امام احمد کے حوالہ سے براءؓ بن العازب کی صحیح روایت کئی جگہ گزر چکی ہے جس کے ایک ٹکڑے کا حاصل یہ ہے کہ نافرمان لوگوں کے آخر وقت پر خوفناک شکل کے فرشتے ایسے لوگوں کی قبض روح کے لئے آتے ہیں اور اللہ کی خفگی اور طرح طرح کے عذاب سے ایسے لوگوں کو ڈراتے ہیں جس سے ایسے لوگوں کی رُوح ان کے جسم میں چھپتی پھرتی ہے اور پھر نہایت سختی سے وُہ فرشتے اس رُوح کو جسم سے نکالتے ہیں آیت میں یہ جو ذکر ہے کہ ایسے لوگ موت کے وقت دُنیا میں واپس آنے اور نیک عمل کرنے کی تمنا کرتے ہیں، اس کا مطلب اس حدیث سے اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے کہ قبض رُوح کے وقت ایسے لوگ دُنیا میں رہ جانے اور نیک عمل کرنے کی تمنا کریں گے علاوہ اس کے جس وقت ایسے لوگوں کو دوزخ میں ڈالنے کے لئے دوزخ کے کنارہ پر کھڑا کیا جاوے گا، اس وقت بھی یہ لوگ یہی تمنا کریں گے کہ ان کو نیک عمل کرنے کے لئے دنیا میں بھیج دیا جائے چنانچہ اس کا ذکر سورۃ الانعام میں گزر چکا ہے، حاصل مطلب آیت کا یہ ہے کہ قبض رُوح کے وقت جب ایسے لوگوں کو عذاب کے فرشتے نظر آویں گے تو یہ لوگ اپنی حالت پر بہت پچھتا کر پہلے اللہ تعالیٰ سے اور پھر قبض رُوح کے فرشتوں سے دُنیا میں واپس آنے اور نیک عمل کرنے کی تمنا ظاہر کریں گے جس کا جواب ان لوگوں کو یہ ملے گا کہ انتظام الٰہی کے موافق حشر کے دن تک کوئی مرا ہوا شخص قبر سے اٹھ کر دُنیا میں نہیں آسکتا، اس واسطے تم لوگوں کی یہ تمنا پوری نہیں ہوسکتی۔ دو چیزوں کے بیچ میں جو چیز اٹکاؤ کی طرح ہو اس کو برزخ کہتے ہیں، انسان کا قبر میں رہنے کا زمانہ دُنیا اور عقبیٰ کے مابین میں ایک اٹکاؤ کا زمانہ ہے اس لئے اس کو برزخ کہا جاتا ہے حشر کے دن سب لوگ قبروں سے اٹھ کر حساب کتاب کے لئے دُنیا کے ایک ٹکڑے ملک شام میں جمع ہوں گے چنانچہ اس کا ذکر ترمذی اور نسائی کی معاویہؓ بن حیدہ کی صحیح روایت میں

فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ فَلَا أَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَلَا يَتَسَاءَلُونَ ﴿۱۰۱﴾ فَمَنْ

پھر جس وقت پھونک ماری صور میں تو نہ ذاتیں ہیں ان میں اس دن نہ آپس میں پوچھنا سو جس کی

ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿۱۰۲﴾ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ

بھاری ہوئیں تولیں وہی لوگ کام کے نکلے اور جس کی ہلکی ہوئیں تولیں

فَأُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ فِي جَهَنَّمَ خَالِدُونَ ﴿۱۰۳﴾ تَلْفَحُ وُجُوهَهُمُ

سو وہی ہیں جو ہار بیٹھے اپنی جان دوزخ میں رہا کریں گے۔ مارتی ہے ان کے منہ پر

النَّارُ وَهُمْ فِيهَا كَالِحُونَ ﴿۱۰۴﴾

آگ اور وہ اس میں بدشکل ہو رہے ہیں۔

[1] حشر کے دن تک کسی مرے ہوئے شخص کا قبر سے اٹھ کر دنیا میں نہ آنے کا ذکر جو آیت میں ہے، اس حدیث سے اس کا مطلب اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حشر کے دن قبروں سے اٹھ کر دنیا کے ٹکڑے ملک شام میں یہ لوگ جمع ہوں گے اس سے پہلے دنیا میں نہیں آسکتے، یہ معاویہؓ بن حیدہ بہز بن حکیم تابعی کے دادا مشہور صحابہ میں سے ہیں

۱۰۱۔۱۰۴۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہؓ بن مسعود کا اس باب میں اختلاف[2] ہے کہ ان آیتوں میں پہلے صور کا ذکر ہے یا دوسرے کا۔ رفع اس اختلاف کا یہ ہے کہ یہاں صور کے ذکر کے بعد عملوں کے تولے جانے کا تذکرہ فرمایا ہے اور اس پر سب سلف کا اتفاق ہے کہ عملوں کا تولا جانا دوسرے صور کے بعد ہوگا اس سبب سے عبداللہؓ بن مسعود کا قول قوی معلوم ہوتا ہے کہ ان آیتوں میں دوسرے صور کا ذکر ہے ترمذی، ابوداؤد کے حوالہ سے ابوذرؓ کی صحیح روایت سورۃ الاعراف میں گزر چکی ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن میزان میں خوش اخلاقی بڑی بھاری چیز ٹھہرے گی، اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ قیامت کے دن اعمال کو ایک طرح کا ہلکا اور بھاری جسم دیا جاوے گا، اس حدیث کو آیتوں کے ساتھ ملانے سے یہ مطلب ہوا کہ اعمال کو جسم دیا جاوے گا اور اس جسم کو تولے جانے کے بعد جن کے نیک عملوں کا پلڑا بھاری ہوگا، وہ جنتی قرار پاویں گے اور جن کے بدعملوں کا پلڑا بھاری ہوگا وہ دوزخ میں جاویں گے، صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوسعید خدریؓ کی حدیث کئی جگہ گزر چکی ہے کہ جس شخص کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا وہ آخر کو دوزخ سے نکل کر جنت میں جاوے گا، اس حدیث کو آیتوں کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آیتوں میں جن لوگوں کے ہمیشہ دوزخ میں رہنے کا ذکر ہے قیامت کے دن یہ وہی لوگ ہوں گے جن کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان نہ ہوگا، اسی واسطے آگے کی آیت میں فرمایا ہے کہ یہ لوگ قرآن کی آیتوں کو جھٹلانے والے ہوں گے جن لوگوں کے نیک عمل اور بدعمل برابر ہوں گے ان کا ذکر ان آیتوں میں نہیں ہے لیکن سورۃ الاعراف میں گزر چکا ہے کہ جنت اور دوزخ کے درمیان ایک دیوار ہے جس کا نام اعراف ہے جن لوگوں کے نیک عمل اور بدعمل برابر ہوں گے ان کو جنتیوں اور دوزخیوں کے فیصلہ تک اس دیوار پر ٹھہرایا جاوے گا، پھر جنتیوں اور دوزخیوں کے فیصلہ کے بعد یہ اعراف والے بھی جنت میں جاویں گے۔ مستدرک حاکم وغیرہ میں انسؓ بن مالک سے روایت[3] ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن ایک بھائی اپنے

[1] فتح البیان ص ۲۲۹ ج ۳ [2] الترغیب والترہیب ص ۴۰۵ ج ۴ فصل فی ذکر الحساب وغیرہ [3] فتح الباری ص ۱۹۰ ج ۶ باب

أَلَمْ تَكُنْ آيَاتِي تُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ فَكُنتُم بِهَا تُكَذِّبُونَ ﴿١٠٥﴾ قَالُوا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا

تم کو سناتے نہ تھے ہماری آیتیں پھر تم ان کو جھٹلاتے تھے۔ بولے اے رب زور کیا ہم پر

شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَالِّينَ ﴿١٠٦﴾ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْهَا فَإِنْ عُدْنَا فَإِنَّا ظَالِمُونَ ﴿١٠٧﴾

ہماری کم بختی نے اور رہے ہم لوگ بہکے۔ اے رب نکال لے ہم کو اس میں سے اگر ہم پھر کریں تو ہم گنہ گار ہیں۔

دُوسرے بھائی پر ظلم زیادتی کرنے کی فریاد کر کے اس کی سب نیکیاں لے لے گا، اس کے بعد بھی ظلم زیادتی کا معاوضہ پورا نہ ہوگا تو اپنے گناہ اس ظالم بھائی پر ڈال دینے کی خواہش کرے گا، حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے[1] حشر کے دن رشتہ داروں کے آپا دھاپی میں پڑ جانے کا ذکر جو آیتوں میں ہے اس کا حال اس حدیث سے سمجھ میں آسکتا ہے۔ صحیح سند سے مسند امام احمد، ترمذی، مستدرک حاکم وغیرہ میں ابوسعید خدری سے روایت[2] ہے جس کا حاصل وہی ہے جو شاہ صاحب نے اپنے فائدہ میں بیان کیا ہے کہ جلتے جلتے تمام بدن سوج کر نیچے کا ہونٹ ناف تک لٹک پڑے گا اور اوپر کا ہونٹ سر پر جا چڑھے گا۔ یہ حدیث وَهُمْ فِيهَا كَالِحُونَ کی گویا تفسیر ہے، دوزخیوں کی زبان کے گھسٹنے اور لوگوں کو اس کے روندنے کا ذکر جو شاہ صاحب نے اپنے فائدہ میں کیا ہے یہ عبداللہ بن عمرو بن العاص کی حدیث کا خلاصہ ہے یہ حدیث ترمذی، بیہقی وغیرہ میں[3] ہے اور اس حدیث کی سند میں ایک راوی ابوالمخارق ہے جس کو ترمذی نے غیر مشہور بتلایا ہے لیکن یہ ابوالمخارق ابوالعجلان کی کنیت سے زیادہ مشہور ہے اور امام بخاری کے ادب مفرد کے معتبر راوی حمید بن ابی غنیہ وغیرہ نے ابوالعجلان سے روایت لی ہے۔ اس واسطے ابوالعجلان کو بالکل غیر مشہور نہیں کہا جاسکتا۔

۱۰۵-۱۰۷:- اوپر ذکر تھا کہ جلتے جلتے دوزخیوں کا تمام بدن سُوج کر نیچے کا ہونٹ ناف تک لٹک پڑے گا اور اوپر کا ہونٹ سر کے اوپر چلا جاوے گا، یہ تو ان لوگوں کی بدصورتی کا حال ہُوا، سینڈھ کا پھل جو ان لوگوں کو کھانے کو ملے گا جس کا ذکر سُورۃ والصّافات میں آوے گا۔ اس پھل کی مذمت ترمذی، نسائی، ابن ماجہ وغیرہ کی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی صحیح روایت[4] میں یوں آئی ہے کہ اس پھل کے عرق کا ایک قطرہ زمین پر اگر آن پڑے تو اس کی بدبو سے تمام دُنیا کے لوگ گھبرا جاویں۔ سورۂ محمد میں آوے گا کہ دوزخیوں کو سینڈھ کا پھل کھلایا جاوے گا، جب وُہ پھل ان کے حلق میں پھنسے گا تو ایسا کھولتا ہُوا پانی ان کو پلایا جاوے گا جس سے ان کی انتڑیاں کٹ کر نکل پڑیں گی۔ حاصل کلام یہ ہے کہ اس طرح طرح کے عذاب کے وقت ان کو ذلیل کرنے کے لئے ان سے کہا جاوے گا کہ دوزخ کے عذاب کی قرآن کی آیتیں دنیا میں تم لوگوں کو سُنائی جاتی تھیں اور تم اس عذاب کو جھٹلاتے تھے اب یہ وہی عذاب ہے جس میں تم لوگ گرفتار ہو، اس کے جواب میں یہ لوگ کہیں گے کہ یا اللہ تیرے علم غیب کے موافق دُنیا میں پیدا ہونے سے پہلے جس طرح کہ ہم بدبخت ٹھہرے تھے۔ دُنیا میں پیدا ہونے کے بعد وہی بدبختی ہمارے سر پر سوار رہی، اس لئے ہماری ساری زندگی گمراہی میں گزری، اب اگر اس آگ سے ہم کو نکالا جا کر دُنیا میں دوبارہ بھیجا جاوے تو ضرور ہم نیک کام کریں گے اور اگر دُوسری دفعہ بھی ہم اپنی زندگی گمراہی میں گزاریں تو ہم کو سخت مجرم قرار دیا جاوے۔ صحیح مسلم کے حوالہ سے عبداللہ بن عمروؓ بن العاص کی حدیث کئی جگہ گزر چکی ہے جس میں اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، دُنیا کے پیدا ہونے سے پچاس ہزار برس پہلے جو کچھ دنیا میں ہونے والا تھا اپنے علم غیب

[1] الترغیب والترہیب ص ۵۰۰ ج ۴ فصل فی ذکر الحساب وغیرہ [2] الدرالمنثور ص ۱۶ ج ۵ [3] الترغیب والترہیب ص ۴۸۴ ج ۴ فصل فی عظم اہل النار [4] ایضاً فصل فی طعام اہل النار ص ۴۸۰ ج ۴۔

قَالَ اخْسَئُوا فِيهَا وَلَا تُكَلِّمُونِ ﴿۱۰۸﴾ إِنَّهُ كَانَ فَرِيقٌ مِّنْ عِبَادِي يَقُولُونَ

فرمایا پڑے رہو پھٹکارے اس میں اور مجھ سے نہ بولو ایک فرقہ تھا میرے بندوں میں جو کہتے تھے

کے نتیجے کے طور پر وہ سب اللہ تعالیٰ نے لوحِ محفوظ میں لکھ لیا ہے۔ سورۃ الانعام میں گزر چکا ہے اگر دُنیا میں ان لوگوں کو دوبارہ بھیجا جاوے تو پھر یہ لوگ وہی کریں گے جو پہلی دفعہ کر چکے، اوپر حدیث اور سورۃ الانعام کی آیتوں کو ان آیتوں کے ساتھ ملانے سے یہ مطلب ہُوا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کے علمِ غیب کے موافق لوحِ محفوظ میں یہ لکھا گیا ہے کہ یہ لوگ دُنیا میں پیدا ہونے کے بعد اپنی ساری عمر گمراہی میں گزاریں گے اسی طرح اللہ تعالیٰ کے علمِ غیب میں یہ بات بھی ٹھہری ہوئی تھی کہ اگر ان لوگوں کو دوبارہ دُنیا میں بھیجا جاوے تو پھر یہ لوگ وہی کریں گے جو پہلی دفعہ کر چکے، اس واسطے ان لوگوں کی یہ درخواست اللہ تعالیٰ کے نزدیک منظوری کے قابل قرار نہ پائی بلکہ اس درخواست پر وُہ خفگی کا جواب ملا جس کا ذکر آگے کی آیت میں ہے۔

۱۰۸:- یہ وہی خفگی کا جواب ہے جس کا ذکر اوپر گزرا۔ حاصل اس جواب کا یہ ہے کہ جس وقت یہ لوگ دُنیا میں پھر آنے اور نیک عمل کی خواہش اللہ تعالیٰ کے روبرو پیش کریں گے، اس وقت یہ جواب اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو دے گا جو اس آیت میں ہے معتبر سند سے ترمذی ابو داؤد اور مستدرک حاکم وغیرہ میں عبداللہ بن عمرؓو بن العاص سے جو روایتیں ہیں[1] ان کا حاصل یہ ہے کہ دوزخی لوگ دوزخ کے عذاب سے تنگ آکر پہلے تو داروغہ دوزخ سے اپنی موت کی دُعا کرنے کی خواہش کریں گے، ہزار برس تک تو مالک داروغہ دوزخ کی طرف سے ان کو کچھ جواب نہ ملے گا۔ ہزار برس کے بعد یہ جواب ملے گا کہ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر فریاد رس کوئی تمہارا نہیں ہے پھر یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے التجا کریں گے کہ یا اللہ اب ہم کو دوزخ سے نکال۔ دوبارہ ہم تیری مرضی کے خلاف عمل نہیں کریں گے، دُنیا کی جتنی عمر ہے اس سے دوچند مدت تک تو کچھ جواب ان کو نہ ملے گا۔ اس قدر مدت کے بعد یہ جواب ملے گا کہ دُور رہو، تم لوگ بات کرنے کے قابل نہیں ہو اور اسی عذاب میں رہنے کے لائق ہو کیونکہ ایک تو تم خود نیک کام نہیں کرتے تھے اور اگر کوئی دُوسرا بھی نیک کام کرتا تھا تو تم ان پر ہنستے تھے، نیک کام کرنے والوں پر یہ منکرینِ شریعت جو ہنسا کرتے تھے اس کا ذکر آگے کی آیتوں میں آتا ہے، صحیح بخاری و مسلم میں عدیؓ بن حاتم سے جو روایت[2] ہے اس میں اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہر ایک شخص سے بلا واسطہ کلام کرے گا اس آیت اور اس حدیث میں کچھ اختلاف نہیں ہے کیونکہ حساب کتاب کے وقت جس طرح ہر شخص سے بلا واسطہ کلام کرے گا اسی طرح ان لوگوں سے بھی فرما دے گا کہ کیا دُنیا میں تم لوگوں کو قرآن کی آیتیں نہیں سنائی گئیں اور تم نے ان آیتوں کو نہیں جھٹلایا، چنانچہ اوپر کی آیتوں میں یہ ذکر گزر چکا ہے۔ ہاں حساب کتاب کے بعد جب ہمیشہ کے لئے یہ لوگ دوزخ میں ڈال دیئے جاویں گے اور فیصلۂ الٰہی کے برخلاف یہ لوگ دوزخ سے نکالنے کی التجا کریں گے، اس وقت یہ حکم ہوگا کہ دُور رہو، تم لوگ بات کرنے کے قابل نہیں ہو۔

۱۰۹-۱۱۱:- مشرکینِ مکہ کا یہ خیال تھا کہ ان میں سے جو لوگ مالداری یا قوم کے سرکردہ ہونے کے سبب سے دنیا میں عزت و آبرو رکھتے ہیں وُہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی عزت دار ہیں، اسی واسطے بلالؓ، عمارؓ، صہیبؓ اور خبابؓ جیسے غریب صحابہؓ کو یہ مالدار مشرک چھیڑا کرتے تھے اور طرح طرح کی مسخراپن کی باتیں کیا کرتے تھے، کبھی کہتے کہ اسلام کوئی عزت کی چیز ہوتی تو یہ غریب لوگ اسلام

[1] الترغیب والترہیب ص ۴۹۱-۴۹۲ [2] مشکوٰۃ ص ۴۸۵ باب الحساب فی القصاص والمیزان۔

رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾ فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا

اے رب ہمارے ہم یقین لائے سو معاف کر ہم کو اور مہر کر ہم پر اور تو سب مہر والوں سے بہتر ہے پھر تم نے ان کو ٹھٹھوں میں پکڑا

حَتّٰٓى اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِيْ وَكُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَكُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ اِنِّيْ جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا

یہاں تک کہ بھولے ان کے پیچھے میری یاد اور تم ان سے ہنستے رہے میں نے آج دیا ان کو بدلہ ان کے

صَبَرُوْٓا اَنَّهُمْ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ قٰلَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾

سہنے کا کہ وہی ہیں مراد کو پہنچے۔ فرمایا تم کتنی دیر رہے زمین میں برسوں کی گنتی سے۔

لانے میں ہم عزت دار لوگوں سے کبھی آگے قدم نہ بڑھاتے چنانچہ یہ ذکر سورۃ الاحقاف میں تفصیل سے آوے گا کبھی اس طرح کی اور باتیں کرتے تھے جن کا ذکر مناسب موقعوں پر آیا ہے، صحیح بخاری کے حوالہ سے خبابؓ بن الارت کی روایت گزر چکی ہے جس میں خباب کہتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ شکایت کی کہ اب تو مشرکین ہمیں بہت ستاتے ہیں، آپ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے اسلام کی ترقی کا جو وعدہ فرمایا ہے، وقتِ مقررہ پر ضرور اس کا ظہور ہوگا، وقت مقررہ تک صبر کرنا چاہیئے، اس حدیث کو ان آیتوں کے ساتھ ملانے سے مطلب یہ ہُوا کہ جن دوزخیوں کے عذاب میں گرفتار ہونے کا اوپر ذکر تھا ان کے عذاب کا ایک سبب تو اوپر کی آیتوں میں تھا کہ وُہ لوگ قرآن کی آیتوں کو جھٹلاتے تھے، ان آیتوں میں اسی عذاب کا یہ دُوسرا سبب بیان فرمایا کہ یہ عذاب میں گرفتار وُہ لوگ ہیں جو قرآن کی آیتوں کو جھٹلاتے بھی تھے اور جو غریب ایماندار لوگ قرآن کی آیتوں کو مانتے تھے ان کو یہاں تک مسخرا پن سے ستاتے بھی تھے کہ اس ستانے کے پیچھے اپنے اس انجام کو بالکل بھول گئے تھے جو آج در پیش ہے کہ ہمیشہ کے عذاب میں گرفتار اور اس عذاب سے نجات پانے اور دنیا میں دوبارہ جا کر نیک کام کرنے کی التجا کر رہے ہیں اور جن غریب ایمانداروں کو یہ مالدار مشرک طرح طرح سے دُنیا میں ستاتے تھے اور اللہ کے رسولؐ کی نصیحت کے موافق وُہ غریب اس پر صبر کر کے چپکے ہو رہتے تھے ان کا انجام بھی ان مشرکوں کی آنکھوں کے سامنے ہے کہ وُہ جنت میں بادشاہت کر رہے ہیں، صحیح مسلم کے حوالہ سے انسؓ بن مالک کی روایت کئی جگہ گزر چکی ہے، جس میں اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دُنیا کے بڑے بڑے مالدار نافرمان لوگوں کو قیامت کے دن جب دوزخ میں ڈالا جائے گا تو دوزخ میں ڈالتے ہی فرشتے ان سے پوچھیں گے کہ دُنیا کے جس عیش و آرام کے نشہ نے تم کو عقبیٰ سے غافل رکھا، اس عذاب کے آگے دُنیا کا وُہ عیش و آرام تم کو کچھ یاد ہے تو اس کے جواب میں وُہ قسم کھا کر کہیں گے کہ نہیں، اسی طرح جنت میں داخل ہوتے ہی ایماندار غریب اہلِ جنت سے فرشتے پوچھیں گے کہ دنیا کی وُہ غریبی کی حالت جس پر تم نے صبر کیا اور اس صبر کے اجر میں تم کو یہ بادشاہوں کا سا ہمیشہ کا عیش و آرام ملا، اس عیش و آرام کے آگے دنیا کی وُہ تنگ دستی اور غریبی تم کو کچھ یاد ہے تو وُہ بھی قسم کھا کر کہیں گے کہ نہیں، جن دو فرقوں کا حال ان آیتوں میں ہے ان کا انجام اس حدیث سے اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے۔

۱۱۲۔ ۱۱۴:۔ ان دوزخیوں کو قائل کرنے کے لئے جس طرح ان سے یہ پوچھا جاوے گا کہ کیا تم کو قرآن کی آیتیں نہیں سنائی گئیں اور تم نے ان کو نہیں جھٹلایا۔ اسی طرح یہ بھی ان سے پوچھا جاوے گا کہ دُنیا کی جس زندگی کے نشہ میں تم عقبیٰ کو بھول گئے اور اللہ کے کلام کو تم نے جھٹلایا، آخر تم کو کچھ یہ بھی یاد ہے کہ دُنیا میں تم کتنے برس رہے، عذاب کی سختی کے سبب سے یہ لوگ بالکل

قَالُوا لَبِثْنَا يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسْئَلِ الْعَآدِّيْنَ ﴿١١٣﴾ قٰلَ إِن لَّبِثْتُمْ إِلَّا

بولے ہم رہے ایک دن یا کچھ دن سے کم تو پوچھ لے گنتی والوں سے فرمایا تم اس میں بہت نہیں تھوڑا

قَلِيْلًا لَّوْ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿١١٤﴾ أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّ

ہی رہے ہو اگر تم جانتے ہوتے۔ سو کیا تم خیال رکھتے ہو کہ ہم نے تم کو بنایا کھیلنے کو اور

أَنَّكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ﴿١١٥﴾

تم ہمارے پاس پھر نہ آؤ گے۔

بدحواس ہو جاویں گے، اس لئے بدحواسی کا جواب دیویں گے کہ جن کو صحیح گنتی یاد ہو اُن سے یہ بات پوچھی جاوے کہ دنیا میں ہم کتنے برس رہے۔ اس ہمیشہ کے سخت عذاب کے آگے تو ہم یہی کہہ سکتے ہیں کہ ہم دنیا میں ایک دن یا اس سے بھی کچھ کم رہے، اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرمائے گا اب تو تم کو دُنیا میں رہنے کی مدت یاد نہیں لیکن اگر یاد کر کے تم اس مدت کو اس وقت جان بھی لیتے تو اس ہمیشہ کے عذاب کے آگے وُہ مدت کچھ شمار کے قابل نہ رہتی۔ صحیح مسلم کے حوالہ سے انسؓ بن مالک کی حدیث اوپر گزر چکی ہے کہ دُنیا کے بڑے بڑے مالدار نافرمان لوگ قیامت کے دن دوزخ کے پہلے ہی جھونکے میں دُنیا کے سب عیش و آرام کو بالکل بھول جاویں گے اس حدیث کو ان آیتوں کے ساتھ ملانے سے یہ مطلب ہوا کہ دوزخ کے عذاب کی سختی کے آگے دوزخی لوگ دنیا کی راحت کی مدت کو دُنیا کی راحت کو سب چیزوں کو بھول جاویں گے۔

۱۱۵: منکرینِ حشر کا یہ بھی جواب ہے کہ دنیا کے نیک و بد کی جزا و سزا کے لئے پھر دوبارہ جینا نہ ہوتا تو دنیا کا پیدا کرنا بے فائدہ ہوتا جس سے اللہ کی شان پاک ہے، اللہ کی پیدا کی ہوئی مخلوق میں عقل مند لوگ اس طرح کے بے فائدہ کام سے پرہیز کرتے ہیں جس طرح کا بے فائدہ کام یہ لوگ اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں کیونکہ یہ لوگ مثلاً کھیتی کرتے ہیں تو اناج پیدا ہونے کی نیت سے، باغ لگاتے ہیں تو میوہ کھانے کے ارادہ سے، پھر تمام مخلوقات کو جو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا، بغیر سزا و جزا کے اس کو بلا نتیجہ ٹھہرانا ان لوگوں کی بڑی نادانی ہے، ایک بیمار شخص عبداللہؓ بن مسعود کے پاس آنحضرتؐ کے زمانہ میں آیا، حضرت عبداللہؓ بن مسعود نے یہ آیت پڑھ کر اس بیمار پر دم کی، وُہ اچھا ہو گیا، جب آنحضرتؐ سے اس کا ذکر آیا تو آپ نے فرمایا یہ آیت تو ایسی ہے کہ اگر اعتقاد سے کوئی شخص پہاڑ کو جگہ سے ہلا دینے کی نیت سے آیت کو پڑھ کر پہاڑ پر پھونکے تو پہاڑ بھی جگہ سے ہل جاوے، عبداللہؓ بن مسعود کی یہ روایت مسند ابی یعلی تفسیر ابن ابی حاتم، تفسیر ابن مردویہ وغیرہ کی کئی کتابوں میں ہے[1] اس واسطے ایک سند سے دُوسری سند کو تقویت ہو جاتی ہے۔ صحیح بخاری کے حوالہ سے ابو ہریرہؓ کی روایت سے حدیثِ قدسی کئی جگہ گزر چکی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا انسان نے اپنی پہلی پیدائش کو آنکھوں سے دیکھ کر پھر دوبارہ پیدائش کا جو انکار کیا اس سے اس نے اپنے پیدا کرنے والے کو جھٹلایا جو انسان کو زیبا نہیں تھا کیونکہ اگر انسان ذرا بھی غور کرتا تو یہ بات اس کی سمجھ میں اچھی طرح آ جاتی کہ جس صاحب قدرت نے پانی کے ایک قطرہ سے انسان کا پتلا بنا کر اس میں رُوح پھونک دی، اس کو آدم علیہ السلام کے ایک پتلا کی طرح خاک کے بہت سے پتلوں کا بنا دینا اور ان میں رُوح کا پھونک دینا کیا مشکل ہے۔ اس حدیث کو آیت کے ساتھ ملانے سے یہ مطلب ہوا کہ مشکل طریقہ کی پہلی پیدائش کو

[1] تفسیر الدر المنثور ص ۱۷ ج ۵ و فتح البیان ۲۳۳ نیز دیکھئے تفسیر ابن کثیر ص ۲۵۹ ج ۳۔

فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ﴿۱۱۶﴾ وَمَنْ يَّدْعُ

سو بہت اوپر ہے اللہ وُہ بادشاہ سچا کوئی حاکم نہیں اس کے سوا مالک اس خاصے تخت کا اور جو کوئی پکارے

مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۙ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ ۙ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ

اللہ کے ساتھ دُوسرا حاکم جس کی سند نہیں اس کے پاس سو اس کا حساب ہے اس کے رب کے نزدیک بیشک بھلا نہ پاویں گے

الْكٰفِرُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۱۸﴾

منکر اور تو کہہ اے رب معاف کر اور مہر کر اور تو ہے بہتر مہر والوں سے۔

آنکھوں سے دیکھ کر آسان طریقہ کی دُوسری دفعہ کی پیدائش کے جو لوگ منکر ہیں وُہ گویا اس عقلی تجربہ سے بے بہرہ ہیں کہ جو کام مشکل طریقہ سے ایک دفعہ کیا جا چکا ہو، آسان طریقہ سے پھر دُوسری دفعہ اس کا کیا جانا بالکل آسان ہے، سورۃ الروم میں اللہ تعالیٰ نے اس مطلب کو ذرا تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔

۱۱۶:۔ اوپر ان لوگوں کا ذکر تھا جو بغیر کسی سند کے اللہ کی تعظیم میں دوسروں کو شریک کرتے ہیں اور سزا و جزا کے لئے حشر کے قائم ہونے کا انکار کر کے دنیا کی پیدائش کو بلا نتیجہ ٹھہراتے تھے، ان آیتوں میں فرمایا کہ جب دنیا کے عارضی بادشاہ اپنی بادشاہت میں کسی کا شریک ہونا پسند نہیں کرتے، اسی طرح نافرمان نوکروں اور رعایا کو مناسب سزا دیتے ہیں، فرمانبرداروں سے طرح طرح کے سلوک کرتے ہیں تو اس صاحب عرش حقیقی بادشاہ کی شان میں یہ منکر شریعت لوگ جو جو باتیں منہ سے نکالتے ہیں وُہ بادشاہ حقیقی ان باتوں سے بہت بالاتر ہے اور جب اس صاحب قدرت نے انسان کو اس طرح پیدا کیا کہ اس میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے تو ہر شخص پر خالص اسی کی تعظیم واجب ہے جو لوگ اپنے اس واجب حق کو ادا نہیں کرتے وہ کسی کا کچھ نہیں بگاڑتے بلکہ اپنی عاقبت خراب اور برباد کرتے ہیں، صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے معاذؓ بن جبل کی روایت کئی جگہ گزر چکی ہے جس میں اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ وُہ اس کی تعظیم میں کسی کو شریک نہ کریں، اب جو بندے اللہ تعالیٰ کے اس حق کو پورے طور پر ادا کریں گے اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ حق اپنے ذمہ لیا ہے کہ وُہ ایسے لوگوں کو عقبیٰ کی خرابی سے بچا وے گا، اس حدیث سے یہ مطلب اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے کہ جو لوگ اس حق کے ادا کرنے میں کوتاہی کرتے ہیں وُہ کسی کا کچھ نہیں بگاڑتے بلکہ اپنی عقبیٰ خراب کرتے ہیں۔

۱۱۷۔۱۱۸:۔ سورۃ الاحقاف میں آوے گا کہ اللہ تعالیٰ نے تو زمین و آسمان اور ان بُت پرستوں کو پیدا کیا، ان بت پرستوں کے بتوں نے کوئی چیز پیدا کی ہو تو یہ لوگ اس کی سند پیش کریں اور اس طرح کی کوئی سند یہ لوگ پیش نہیں کر سکتے تو ان سے پوچھا جاوے کہ پھر آخر کس سبب سے یہ لوگ بتوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہیں کیونکہ دنیا میں تو ان بتوں کی پیدا کی ہوئی کسی چیز کا یہ لوگ کچھ پتا اور نشان نہیں بتلا سکتے اور عقبیٰ کا یہ حال ان لوگوں کو قرآن میں کئی جگہ بتا دیا گیا ہے کہ جن فرشتوں اور نیک لوگوں کی مورتوں کی یہ لوگ پوجا کرتے ہیں، قیامت کے دن وُہ فرشتے اور نیک لوگ ان مشرکوں کی صورت سے بیزار ہو جاویں گے، ان آیتوں میں شرک کا کسی سند سے ثابت نہ ہونے کا اور مشرکوں کا بھلائی کو نہ پہنچنے کا جو ذکر ہے، سورۃ الاحقاف کی آیتوں سے اس کی تفسیر اچھی طرح سمجھ میں آجاتی ہے، صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث کئی جگہ گزر چکی ہے جس میں اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شرک سے بڑھ کر دُنیا میں کوئی گناہ نہیں، اس حدیث کو آیت کے ٹکڑے فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ کے ساتھ

ایاتھا ۶۴ (۲۴) سُورَةُ النُّورِ مَدَنِيَّةٌ (۱۰۲) رکوعاتھا ۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

سُورَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا وَاَنْزَلْنَا فِيْهَآ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ لَّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ① اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ

ایک سورۃ ہے ہم نے اتاری اور ذمہ پر لازم کی اور اتاریں اس میں باتیں صاف شاید تم یاد رکھو بدکاری کرنے والی عورت اور مرد

ملانے سے یہ مطلب ہوا کہ شرک جتنا بڑا گناہ ہے قیامت کے دن نیکی بدی کے حساب و کتاب کے وقت اس کے مؤاخذہ کا حال ان مشرکوں کو اچھی طرح معلوم ہو جاوے گا، جن غریب مسلمانوں کا یہ ذکر اوپر گزرا کہ جب مالدار مشرک ان کو طرح طرح کے مسخراپن میں اڑاتے تھے تو وہ غریب مسلمان کن لفظوں سے بارگاہِ الٰہی میں دُعا کیا کرتے تھے، آخر سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کو ان ہی لفظوں سے دُعا مانگنے کا حکم دیا تاکہ ان غریب مسلمانوں کا دل بڑھے اور وہ جان لیویں کہ یہ لفظ اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہیں صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابوبکر صدیقؓ سے روایت[1] ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جب ابوبکر صدیقؓ نے اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ و سلم سے کسی فائدہ مند لفظوں کی دُعا کے بتلانے کی التجا کی تو اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جو دُعا بتلائی، اس کے لفظ بھی ان لفظوں کے قریب قریب ہیں اس حدیث سے یہ مطلب اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے کہ یہ لفظ یا ان کے معنے کے قریب کے لفظ اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہیں، سورۃ المؤمنون ختم ہوئی (اب سُورۃ النور شروع ہوتی ہے)

۱:- یوں تو سارا قرآن اللہ تعالیٰ کا نازل فرمایا ہوا ہے لیکن اس سورت میں بدکاری کی شہادت، اس کی سزا کے اسی طرح اور خاص خاص حکم تھے، اس لئے تاکید کے طور پر فرمایا کہ یہ سورت اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہے، اس میں جو احکام صاف لفظوں میں نازل کئے گئے ہیں، ان کی پابندی ہر ایماندار شخص پر لازم ہے اور ہر شخص کو یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی اور یاد رکھنی چاہیئے کہ آئندہ کی ضرورتوں کے لحاظ سے یہ مفید احکام اللہ تعالیٰ نے اپنے علمِ غیب کے موافق نازل فرمائے ہیں، صحیح بخاری و مسلم میں حضرت عائشہؓ سے روایت[2] ہے جس میں اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم نے مخزومیہ عورت کے چوری کے معاملے میں خطبہ پڑھا اور اس خطبہ میں فرمایا کہ شرعی سزا کے جاری کرنے میں پہلوتہی بڑی وبال کی بات ہے کیونکہ اس پہلوتہی سے پچھلی قوموں پر طرح طرح کی آفتیں آگئی ہیں، اس حدیث کو آیت کے ساتھ ملانے سے یہ مطلب ہوا کہ اس سورت میں سزا کے احکام ہیں اور سزا کے احکام میں پہلوتہی کا کرنا بڑے وبال کی بات ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر فرمایا، یہ سورت اللہ تعالیٰ کی نازل فرمائی ہوئی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس میں جو احکام ہیں ان پر عمل کرنے میں پہلوتہی کرنا بڑے وبال کی بات ہے۔

۲:- اس سورت میں جو احکام ہیں، ان احکام میں کا یہ پہلا حکم ہے، حاصل اس حکم کا یہ ہے کہ بدکار عورت یا مرد بن بیاہے ہوئے ہیں اور چار گواہوں سے، یا حمل سے یا اقرار سے ان کی بدکاری ثابت ہو جاوے تو ان کو سو کوڑے مارو، اکثر علماء کے

[1] الدر المنثور ص ۱۹ ج ۵ و مشکوٰۃ باب التشہد، اور وہ دُعا یہ ہے۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ ظُلْمًا كَثِيْرًا وَّاِنَّهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّآ اَنْتَ فَاغْفِرْلِيْ مَغْفِرَةً مِّنْ عِنْدِكَ وَارْحَمْنِيْ اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ۔

[2] مشکوٰۃ ص ۳۱۴ باب الشفاعۃ فی الحدود

فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۪ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ

سو مارو ایک ایک کو دونوں میں سے سو سو چوٹ قمچی کی اور نہ آئے تم کو ان پر ترس اللہ کے حکم چلانے میں اگر

كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲﴾

تم یقین رکھتے ہو اللہ پر اور پچھلے دن پر اور دیکھیں ان کا مارنا کچھ لوگ مسلمان ۔

نزدیک علاوہ ان سو کوڑوں کی سزا کے ایسے لوگوں کو برس دن تک بموجب صحیح بخاری و مسلم کے ابوہریرہؓ کی حدیث[1] کے شہر سے نکال دینے کا حکم بھی ہے، امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ اس حکم کے خلاف ہیں، وہ کہتے ہیں کہ دیس نکالا حاکم کی رائے پر موقوف ہے خواہ وہ نکالے یا نہ نکالے، زیادہ تفصیل اس کی فقہ کی کتابوں میں[2] ہے یہاں تک بن بیاہے بدکار مرد و عورت کا حکم ہوا اگر بیاہے ہوئے مرد و عورت بدکاری کریں تو ان کا حکم سنگسار کرنے کا ہے، صحیح بخاری و مسلم و مسند امام احمد وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت[3] سے جو حدیث ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ ایک روز حضرت عمرؓ نے خطبہ پڑھا اور لوگوں کو جتلایا کہ قرآن شریف میں سنگسار کرنے کی آیت تھی، جس کو ہم سب نے یاد کیا ہے اور ہم سب کے سامنے وہ آیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی ہے اور آنحضرتؐ نے اس آیت کے موافق عمل کیا ہے، اس کی تلاوت اگرچہ منسوخ ہے مگر اس کا حکم ضرور باقی ہے، اگر مجھ کو یہ خوف نہ ہوتا کہ لوگ کہیں گے کہ عمرؓ نے قرآن شریف میں اپنی طرف سے کچھ لفظ بڑھا دیئے تو میں اس آیت کو ہر ایک قرآن شریف کے ایک گوشہ پر لکھوا دیتا کیونکہ مجھ کو یہ بھی خوف ہے کہ تھوڑے دنوں میں لوگ اس آیت کے حکم کا انکار کرنے لگ جاویں گے اب رہی یہ بات کہ سنگسار ہونے والے بدکار کو فقط سنگسار ہی کیا جاوے یا کوڑے بھی مارے جاویں، صحیح مسلم مسند امام احمد بن حنبل اور سنن میں حضرت عبادۃؓ بن صامت[4] کی حدیث ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ سنگسار کرنے سے پہلے ایسے بدکار کو کوڑے بھی مارنے چاہئیں اور امام احمد رحمہ اللہ کا مذہب بھی اس حدیث کے موافق ہے، لیکن جمہور علماء اس کے مخالف ہیں، بدکار اگر لونڈی غلام ہوں تو بجائے سو کوڑوں کے پچاس کوڑے سورۃ النساء کی آیت فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ اور حدیث کی رُو سے رہ جاتے ہیں اور سنگساری کی سزا لونڈی غلام کو نہیں ہے کیونکہ کوڑوں کی سزا کی طرح سنگساری کی سزا آدھی نہیں ہو سکتی، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مرد اور عورت دونوں کو سنگساری کی سزا دی ہے اس کا ذکر صحیح بخاری و مسلم کی عبداللہ بن عمرؓ کی روایت[5] میں تفصیل سے ہے، لونڈی غلام کو پچاس کوڑے مارنے کی روایتیں زوائد مسلم اور موطا میں ہیں[6]، حاملہ بدکار بیاہی ہوئی عورت کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بچہ پیدا ہو جانے کے بعد سنگساری کی سزا دی ہے چنانچہ صحیح مسلم میں چند صحابہؓ سے جو روایتیں[7] ہیں ان میں اس کا تفصیل سے ذکر ہے۔ صحیح بخاری و مسلم میں عبداللہ بن عمرؓ سے روایت[8] ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ بیاہے ہوئے بدکار ایک عورت اور ایک مرد کو یہود لوگ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے، آپؐ نے ان یہودیوں سے پوچھا توراۃ میں ایسے مرد اور عورت کے لئے کیا حکم ہے، ان یہودیوں نے جواب

[1] مشکوٰۃ کتاب الحدود ص ۳۰۹ [2] دلائل اور راجح مذہب کے لئے ملاحظہ ہو فتح الباری ص ۳۶۹ ج ۶ [3] تفسیر ابن کثیر ص ۳۶۱ ج ۳ و مشکوٰۃ ص ۳۰۹ [4] تفسیر ابن کثیر ایضاً و مشکوٰۃ ایضاً [5] مشکوٰۃ ص ۳۰۹۔ ۳۱۰ [6] المنتقی لابن تیمیہ باب زنا الرقیق خمسون جلدۃ۔ [7] صحیح مسلم ص ۶۸ ج ۲ [8] صحیح بخاری مع فتح الباری ص ۵۵ ۳ ج ۶ باب الرجم بالبلاط۔

اَلزَّانِىْ لَا یَنْكِحُ اِلَّا زَانِیَةً اَوْ مُشْرِكَةً٘ وَّ الزَّانِیَةُ لَا یَنْكِحُهَاۤ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌۚ

بدکار مرد نہیں بیاہتا مگر عورت بدکار یا شرک والی کو اور بدکار عورت کو بیاہ نہیں لیتا مگر بدکار مرد یا شرک والا

وَ حُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ ③

اور یہ حرام ہُوا ہے ایمان والوں پر۔

دیا کہ تورات کے حکم کے مطابق ہم تو ایسے مرد اور عورت کا کالا منہ کر کے انہیں بستی میں پھراتے ہیں، آپ نے فرمایا کہ تورات میں تو ایسے گنہ گاروں کے لئے سنگسار کرنے کا حکم ہے، آخر توراۃ لائی گئی اور سنگ ساری کا حکم اس میں نکلا اور اس مرد اور عورت کو سنگسار کیا گیا۔ آخر آیت میں یہ جو فرمایا کہ ان پکے ایماندار لوگوں کو جو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے روبرو کھڑے ہونے کا یقین دل میں رکھتے ہیں، یہ نہیں چاہیئے کہ شرعی سزا کے جاری کرنے کے وقت وُہ گنہ گاروں پر ترس کھاویں۔ اس کا مطلب اس حدیث سے اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ایسے موقع پر ترس کھانے سے شرع کے احکام سزا میں اس طرح کا تغیر و تبدل ہو جاتا ہے جس طرح کا تبدل یہود نے تورات میں کیا تھا۔ طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ کی تفسیر میں اگرچہ سلف کے کئی قول ہیں لیکن حافظ ابوجعفر ابن جریر نے اپنی تفسیر[1] میں بدکاری کی گواہی کی تعداد کے موافق یہاں بھی چار شخصوں کی تعداد کو ضروری بتلایا ہے اور اگر چار سے زیادہ کچھ لوگ جمع ہو جاویں تو کچھ مناہی نہیں ہے۔

۳:۔ ترجمہ میں لَا یَنْكِحُ کے معنی بیاہ نہ کرنے کے جو لئے ہیں، حضرت عبداللہ بن عباس کے علاوہ اور بعضے سلف کے قول کے موافق ہیں، حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے قول کے موافق آیت کی تفسیر یہ ہے کہ بدکار مرد سے بدکار یا مشرکہ عورت بدکاری کرتی ہے ایماندار مرد عورت بدکاری کو حرام جان کر ہمیشہ بدکاری سے بچتے ہیں، ابوداؤد، نسائی اور ترمذی میں معتبر سند[2] سے مرثد بن ابی مرثد کا قصہ جو شانِ نزول کے طور پر ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ اسلام لانے سے پہلے مرثد بن ابی مرثد کی ایک عورت سے آشنائی تھی جس کا نام عناق تھا، مرثد بن ابی مرثد کے اسلام لانے کے بعد عناق نے مرثد سے نکاح کرنے کی خواہش کی اور مرثد نے اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم سے اس نکاح کی اجازت چاہی، اس پر یہ آیت نازل ہُوئی، اس صحیح شانِ نزول کی روایت سے اس کی پوری تائید ہوتی ہے کہ آیت میں لَا یَنْكِحُ کے معنی بیاہ نہ کرنے کے ہیں کیونکہ کسی صحابی کا بدکاری کی اجازت کا اللہ کے رسُول سے اجازت چاہنا صحابی کی شان کے بالکل برخلاف ہے اس صحیح معنی کے موافق حاصل مطلب آیت کا یہ ہے کہ بغیر خالص دل کی توبہ کے اگر کسی بدکار مرد کا بیاہ کسی پارسا عورت سے کر دیا جاوے گا تو اس طرح کا مرد بیاہ ہو جانے کے بعد بھی اپنی بدکاری کی عادت سے باز نہ آوے گا جس سے پارسا عورت کا حق پورا ادا نہ ہوگا، اسی طرح کسی بدکار عورت کا بیاہ کسی پرہیزگار مرد سے ہو جاوے گا تو یہی خرابی وہاں بھی پائی جاوے گی، اسی واسطے بیاہ شادی میں دینداری کی شرط پر علماء کا اتفاق ہے، حاصلِ کلام یہ ہے کہ سورۂ بنی اسرائیل میں بدکاری کو بے حیائی کا کام فرمایا ہے اور صحیح بخاری و مسلم میں عبداللہ بن عمرؓ سے جو روایت[3] ہے، اس میں شرم و حیا کو ایمان کا جزء قرار دیا گیا ہے اس لئے بغیر خالص دل کی توبہ کے بدکار مرد کا پارسا عورت سے یا بدکار عورت کا پرہیزگار مرد سے نکاح جائز نہیں کیونکہ بے حیائی اور شرم و حیا ایک میاں بیوی میں جمع ہوں گے تو طرح طرح کی خرابیاں پیدا ہو جاویں گی۔

[1] ص ج ۱۸ طبع جدید [2] تفسیر ابن کثیر ص ۲۶۳ ج ۳ و تفسیر الدر المنثور ص ۱۹-۲۰ ج ۵ [3] مشکوٰۃ ص ۴۳۰ باب الرفق والحیاء وحسن الخلق۔

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ

اور جو لوگ عیب لگاتے ہیں قید والیوں کو پھر نہ لائے چار مرد شاہد تو مارو ان کو اسی چوٹ

جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ④ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا

نچی کی اور نہ مانو ان کی کوئی گواہی کبھی اور وہی لوگ ہیں بے حکم مگر جنہوں نے توبہ کی

مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۚ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑤ وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ

اس پیچھے اور سنوار پکڑی تو اللہ بخشتا ہے مہربان اور جو لوگ عیب لگا دیں اپنی جوروؤں کو

وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ

اور شاہد نہ ہوں ان کے پاس سوائے ان کی جان کے تو ایسے کسی کی گواہی یہ کہ چار گواہی دیوے اللہ کے نام کی مقرر یہ

قذف

۴-۵: حقیقت میں جو مرد یا عورت بدکار ہوں، اوپر ان کا ذکر تھا، ان آیتوں میں ان مرد اور عورتوں کا ذکر ہے جن پارسا عورت یا مرد پر لوگ زبردستی بدکاری کا الزام لگا دیں حاصل مطلب ان دونوں آیتوں کا یہ ہے کہ زبردستی الزام لگانے والے لوگ اگر الزام کے ثبوت میں چار گواہوں کی گواہی نہ لا دیں تو اس جھوٹے الزام کی سزا میں ایسے لوگوں کو اسی کوڑے مارے جاویں اور ایسے لوگوں کی گواہی اس وقت تک کسی مقدمہ میں منظور نہ ہو جب تک یہ لوگ اپنی عادت سے خالص دل سے توبہ نہ کریں، ہاں بعد توبہ کے اللہ غفور الرحیم ان کے گناہوں کو بخش دے گا۔ زنا کے مقدمہ میں جس طرح لونڈی غلام کو پچاس کوڑے مارے جاتے ہیں، اسی طرح اکثر سلف کے نزدیک زبردستی بدکاری کا الزام لگانے کے جرم میں لونڈی غلام پر چالیس کوڑوں کی سزا ہے[1] چنانچہ موطأ[1] میں جو روایتیں ہیں ان میں اس کا ذکر تفصیل سے ہے، کوئی آقا اپنی لونڈی یا غلام کو بدکاری کا الزام لگا دے تو آقا کو کوڑے مارنے کی سزا نہیں دی جاتی، چنانچہ اس کا ذکر صحیح بخاری و مسلم میں ابوہریرہؓ کی روایت[2] سے ہے۔

۶-۱۰: اس آیت کی شانِ نزول میں علمائے مفسرین نے بڑا اختلاف کیا ہے بعضے کہتے ہیں کہ ہلال بن امیہؓ ایک صحابی تھے، ان کا قصہ اس آیت کا شانِ نزول ہے، رفع اس اختلاف کا وہی ہے، جو حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری شرح صحیح بخاری[3] میں بیان کیا ہے کہ دونوں قصے صحیح روایتوں میں ہیں اور ایک ہی زمانہ میں گزرے ہیں، اس واسطے دونوں قصوں کو شانِ نزول کہنا چاہیئے، کیونکہ قرآن شریف میں ایسی آیتیں بہت ہیں کہ کئی قصے ایک قسم کے گزرنے کے بعد وہ آیتیں نازل ہوئی ہیں اور ان چند قصوں کا مجموعہ اُن کی شانِ نزول ہے، ہلال بن امیہ کا قصہ صحیح بخاری میں عکرمہ کی سند سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے جو روایت کیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرتؐ کے روبرو ہلالؓ بن امیہ نے اپنی بی بی کی بدکاری کی شکایت کی۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اس شکایت کے ثبوت میں تم کو چار گواہ پیش کرنے پڑیں گے ورنہ تمہاری پیٹھ پر جھوٹی تہمت کے جرم میں اسی کوڑے پڑیں گے، ہلال بن امیہ نے کہا کہ ایسے[4] موقع پر گواہ کہاں پیدا ہو سکتے ہیں۔ مجھ کو اللہ کی ذات سے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ کوئی حکم نازل فرما کر میرے سچ کو سب پر ظاہر کر دے گا اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور عویمر عجلانی کا قصہ صحیحین[5] میں سہلؓ بن سعد کی روایت سے ہے حاصل اس کا یہ ہے کہ عویمر نے

[1] موطا (باب) الحد فی القذف والنفی والتعریض [2] صحیح بخاری باب قذف العبید [3] ص ۲۶۲ ج ۴ تفسیر سورہ نور [4] صحیح بخاری ص ۶۹۵ ج ۲ [5] صحیح بخاری ص ۶۹۵ ج ۲۔

لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۶﴾ وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۷﴾

شخص سچا ہے۔ اور پانچویں یہ کہ اللہ کی پھٹکار ہو اس شخص پر اگر وہ ہو جھوٹا۔

وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۸﴾

اور عورت سے ٹلتی ہے مار یوں کہ گواہی دے چار گواہی اللہ کے نام کی کہ مقرر وہ شخص جھوٹا ہے۔

وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَا اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۹﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ

اور پانچویں یہ کہ اللہ کا غضب آوے اس عورت پر اگر وہ شخص سچا ہے۔ اور کبھی نہ ہوتا اللہ

اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۰﴾ ع

کا فضل تمہارے اوپر اور اس کی مہر اور یہ کہ اللہ معاف کرنے والا ہے حکمتیں جانتا (تو کیا کچھ ہوتا)

ایک صحابی عاصمؓ سے کہا کہ تم آنحضرتؐ سے یہ مسئلہ پوچھو کہ کوئی شخص اپنی بی بی کے پاس غیر مرد کو دیکھے اور اس کو مار ڈالے تو کیا وہ قصاص میں قتل کیا جاوے گا، عاصمؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ مسئلہ پوچھا لیکن آپؐ نے کچھ جواب نہ دیا، عویمرؓ نے جب عاصمؓ کی معرفت اپنے مسئلہ کا جواب نہ پایا تو خود آن کر آنحضرتؐ سے وہ مسئلہ پوچھا، اس وقت آپؐ نے فرمایا کہ ایسے لوگوں کے حق میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائی ہیں، حافظ ابن حجرؒ نے ان دونوں قصوں کے ذکر کرنے کے بعد کہا ہے[۱] کہ عاصمؓ کے آنحضرتؐ کے پاس آنے کے وقت تک کوئی حکم اس باب میں نازل نہیں ہوا تھا اسی واسطے آپؐ نے عاصمؓ کے جواب میں سکوت فرمایا اتنے میں ہلالؓ بن امیہ کا قصہ پیش آیا اور اسی پر یہ آیت نازل ہوئی اور اس عرصہ میں خود عویمر اپنی ذات سے مسئلہ پوچھنے آئے اس لئے ہلالؓ بن امیہ اور عویمرؓ دونوں کے قصوں کی روایت میں آیتوں کے نازل ہونے کا ذکر ہے اور دونوں قصوں کو شان نزول کہنا مناسب حال ہے بعضے علماء نے جو یہ شبہ پیدا کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت کے لفظ پریشان ہیں کہیں ہلال بن امیہ کے قصہ کا ذکر ہے، کہیں عویمرؓ کے قصہ کا، اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے دونوں قصوں کو بیان کیا ہے، ایک روایت عکرمہ کی سند سے ہے جس کو امام بخاری نے کتاب التفسیر میں روایت کیا ہے، اس سند میں ہلالؓ بن امیہ کے قصہ کا ذکر ہے دوسری روایت قاسم بن محمد کی سند سے ہے جس کو امام بخاریؒ نے بغیر گواہی کے سنگسار نہ کرنے کے باب میں روایت کیا ہے[۲] دونوں سندوں کو ایک خیال کرنے سے شبہ پیدا ہوتا ہے ورنہ حقیقت میں کوئی شبہ نہیں۔

مسئلہ لعان اس مسئلہ کو جس کا ذکر آیتوں میں ہے، لعان کا مسئلہ کہتے ہیں کیونکہ اس مسئلہ میں خاوند اور بی بی دونوں اپنے اپنے سچے ہونے کے لئے جھوٹے پر لعنت کرتے ہیں، اب اس لعان کے حکم میں علماء کا اختلاف ہے، امام مالکؒ اور شافعیؒ کے نزدیک فقط لعان سے طلاق ہو جاتی ہے اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک لعان کے بعد حاکم کے طلاق دلوانے کی ضرورت ہے اور امام احمدؒ سے اس باب میں دونوں طرح روایتیں ہیں، تفصیل اس کی فقہ کی کتابوں[۳] میں ہے، حاصل مطلب ان آیتوں کا یہ ہے کہ جب میاں اپنی بی بی کے پاس غیر شخص کو دیکھتا ہے تو ایسی حالت میں اور کوئی نہیں ہوتا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے مرد

---

[۱] فتح الباری ص ۲۰۹ ج ۵ باب اللعان ومن طلق بعد اللعان [۲] باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لو کنت راجما بغیر بینة ص ۲۱۱ صحیح بخاری مع الفتح جلد ۵

[۳] فتح الباری ص ۲۰۷ ج ۵ باب اللعان ومن طلق بعد اللعان وص ۲۱۳ ج ۵ باب التفریق بین المتلاعنین۔

إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنكُمْ ۚ لَا تَحْسَبُوهُ شَرًّا لَّكُم ۖ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ

جو لوگ لائے ہیں طوفان تمہیں میں ایک جماعت ہیں تم اس کو نہ سمجھو بُرا اپنے حق میں بلکہ یہ بہتر ہے تمہارے حق میں

لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُم مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْإِثْمِ ۚ وَالَّذِي تَوَلَّىٰ كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ

ہر آدمی کو ان میں سے پہنچتا ہے جتنا کمایا گناہ اور جس نے اٹھایا ہے اس کا بوجھ اس کو بڑی

عَظِيمٌ ﴿١١﴾ لَّوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنفُسِهِمْ خَيْرًا وَقَالُوا

مار ہے کیوں نہ جب تم نے اس کو سُنا تھا خیال کیا ہوتا ایمان والے مردوں اور عورتوں نے اپنے لوگوں پر بھلا خیال اور کہا ہوتا

هَٰذَا إِفْكٌ مُّبِينٌ ﴿١٢﴾ لَّوْلَا جَاءُوا عَلَيْهِ بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ ۚ فَإِذْ لَمْ يَأْتُوا بِالشُّهَدَاءِ

یہ صریح طوفان ہے کیوں نہ لائے وُہ اس بات پر چار شاہد پھر جب نہ لائے شاہد

سے لعان کو عورت کی بدکاری کی شہادت قرار دیا ہے تاکہ مرد کے ذمہ سے زبردستی کی بدکاری کے الزام کی سزا اٹھ جاوے، مرد کی اس گواہی کے بعد عورت کو سنگ ساری کی سزا دی جاوے گی لیکن اگر وُہ اس سزا کو اپنے ذمہ سے ساقط کرنا چاہے تو لعان کی وُہ صورت اختیار کرے جس کا ذکر آیتوں میں ہے، آخر کو فرمایا، یہ اللہ کا فضل اور اس کی حکمت ہے کہ اس نے لعان کا حکم نازل فرما کر میاں بی بی دونوں کو بدکاری کے الزام کی سزا سے بچا دیا اور بدکاری کے چرچا پر کوئی عذاب نہیں بھیجا اور ان دونوں لعان والوں میں جو جھوٹا ہے اس کو توبہ کی رغبت بھی دلائی ۔

۱۱-۱۵: حضرت عائشہؓ پر جو لوگوں نے جھوٹا الزام لگایا تھا، ان آیتوں میں اس کا ذکر ہے، صحیح بخاری و مسلم میں سات آٹھ صحابیوں کی روایت سے یہ قصہ آیا ہے[1]، حاصل اس قصے کا یہ ہے کہ ۵ھ میں بنی مصطلق کی لڑائی سے واپسی کے وقت لشکر کے کوچ سے ذرا پہلے حضرت عائشہؓ رفع حاجت کے لئے لشکر کے پڑاؤ سے علیحدہ جنگل میں چلی گئیں، وہاں اتفاق سے ان کے گلے کا پوتھوں کا ہار گر پڑا یہ تو اس ہار کے ڈھونڈھنے میں رہیں اور یہاں لشکر کا کوچ ہو گیا، کوچ کے وقت اونٹ والوں نے یہ سمجھا کہ معمول کے موافق حضرت عائشہؓ اونٹ کے کجاوہ میں ہیں، اس لئے انہوں نے وُہ خالی کجاوہ اونٹ پر لاد دیا اور لشکر کے اونٹوں کے ساتھ یہ خالی کجاوہ کا اونٹ بھی روانہ ہو گیا، سفر سے پلٹنے کی یہ اخیر منزل تھی اس واسطے پچھلی رات کا چلا ہُوا لشکر صبح کو مدینہ میں پہنچ گیا، حضرت عائشہؓ کو بہت دیر کی تلاش کے بعد جب وُہ ہار مل گیا، تو یہ جنگل سے پڑاؤ میں واپس آئیں اور دیکھا کہ لشکر روانہ ہو گیا تو نیند کے غلبہ کے سبب سے اپنی چادر اوڑھ کر اس خیال سے سو گئیں کہ جب لشکر کے اترنے کے وقت ان کے کجاوے کو لوگ خالی پاویں گے تو ان کی تلاش میں کوئی نہ کوئی پڑاؤ تک ضرور آوے گا، یہاں سفر میں ایک صحابی لشکر سے پیچھے رہ گئے تھے جن کا نام صفوان بن المعطل تھا، یہ صحابی جب پڑاؤ کی طرف سے گزرے تو انہوں نے پڑاؤ میں ایک اکیلے شخص کو سوتا ہُوا دیکھ کر افسوس کے طور پر انا للہ پڑھی، ان کی انا للہ کی آواز سے حضرت عائشہؓ کی آنکھ کھل گئی اور انہوں نے منہ کھول کر جو دیکھا تو صفوانؓ نے ان کو پہچان لیا، کیونکہ پردہ کا حکم نازل ہونے سے پہلے صفوانؓ حضرت عائشہؓ کو دیکھ چکے تھے، جب صفوان نے حضرت عائشہ کو پہچان لیا تو انہوں نے حضرت عائشہؓ سے کچھ بات نہیں کی بلکہ اپنے اونٹ کو حضرت عائشہؓ کے قریب لا کر بٹھایا اور خود اونٹ پر سے اتر پڑے، حضرت عائشہ سمجھ گئیں ،

[1] ملاحظہ ہو فتح الباری ص ۲۶۴ ج ۴ و تفسیر ابن کثیر ص ۲۷۱-۲۷۲ ج ۳

فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿١٣﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ فِى الدُّنْيَا

تو وُہ لوگ اللہ کے یہاں وہی ہیں جھوٹے اور کبھی نہ ہوتا اللہ کا فضل تم پر اور اس کی مہر دنیا

وَالْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِىْ مَآ اَفَضْتُمْ فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿١٤﴾ اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَ

اور آخرت میں البتہ تم پر پڑتی اس چرچا کرنے میں کوئی آفت بڑی جب لینے لگے تم اس کو اپنی زبانوں پر اور

تَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا ۖ وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ

بولنے لگے اپنے منہ سے جس چیز کی تم کو خبر نہیں اور تم سمجھتے ہو اس کو ہلکی بات اور یہ اللہ کے یہاں

عَظِيْمٌ ﴿١٥﴾ وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ۖ سُبْحٰنَكَ هٰذَا

بہت بڑی ہے اور کیوں نہ جب تم نے اس کو سنا تھا کہا ہوتا ہم کو نہیں لائق کہ منہ پر لاویں یہ بات اللہ تو پاک ہے یہ

کہ صفوانؓ اپنے اونٹ پر بٹھا کر حضرت عائشہؓ کو مدینہ پہنچا دینا چاہتے ہیں اس لئے حضرت عائشہؓ اس اونٹ پر بیٹھ گئیں اور صفوانؓ پیدل اس اونٹ کے ساتھ ہوئے، لشکر کے مدینہ پہنچنے کے کچھ دیر کے بعد یہ اونٹ بھی مدینہ پہنچ گیا، صفوانؓ اور عائشہؓ کا کچھ دیر تک اس سفر میں جو ساتھ رہا، اس پر کچھ لوگوں نے صفوانؓ اور حضرت عائشہؓ کی شان میں بہتان کا چرچا کیا اور اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرما کر اس بہتان کو جھوٹا قرار دیا، حاصل مطلب ان آیتوں کا یہ ہے کہ جو لوگ اس بہتان کا چرچا کر رہے ہیں وہ اہلِ قبلہ میں سے ہی کچھ لوگ ہیں لیکن کچے مسلمان اس چرچے کو اپنے حق میں کچھ بُرا نہ سمجھیں بلکہ ان کے حق میں یہ چرچا ایک تو اس لئے بہتر ہے کہ اس چرچے پر صبر کرنے کا اجران کو ملے گا، دُوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرما کر اس بہتان کو جھوٹا کر دیا جس سے اس چرچے کے سبب سے آئندہ رنج کرنے کا کوئی موقع باقی نہیں رہا، پھر فرمایا، یوں تو جتنے لوگ اس بہتان میں شریک ہیں ان سب کو جرم کے موافق سزا دی جاوے گی، لیکن جس نے اس گناہ کا بڑا بوجھ اپنے سر پر لیا، وہ سخت عذاب میں پکڑا جاوے گا، صحیح بخاری و مسلم کی جس روایت کا اوپر ذکر گزرا، اس میں بھی ہے کہ اس گناہ کا بڑا بوجھ اپنے سر پر جس شخص نے لیا وہ عبداللہ بن ابی منافقوں کا سردار تھا کیونکہ اس نے اس بہتان کے قصہ کو زیادہ شہرت دی اسی واسطے حسانؓ مسطحؓ وغیرہ کو دنیا میں کوڑے مارنے کی سزا دی گئی اور عبداللہ بن ابی کی سزا کا مدار عقبیٰ پر رہا، آگے فرمایا جو لوگ اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں اور دوسروں کو اپنے جیسا مسلمان جانتے ہیں تو منافقوں سے اس بہتان کا چرچا سُن کر اپنے بھائی مسلمانوں کے حق میں نیک گمان کیوں نہیں کیا اور بغیر چار گواہوں کی گواہی کے اس چرچے کو جھوٹا کیوں نہیں جانا، اگر مسلمانوں کے حال پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو فقط کوڑوں کی سزا کافی نہ ٹھہرتی بلکہ اس جرم کی سزا میں ان لوگوں پر کوئی عذاب آجاتا جنہوں نے اس بہتان کو جس طرح کسی سے سُنا اسی طرح آپ بھی بکنے لگے اور ایسی بات کو چھوٹی سی ایک بات سمجھے جو اللہ کے نزدیک بہت بڑی بات ہے،

صحیح بخاری و مسلم میں ابوہریرہؓ سے روایت[1] ہے جس میں اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نادانی سے بعضے کلمے ایسے انسان کی زبان سے نکل جاتے ہیں جن کے سبب سے ایک مدت دراز تک اس کو دوزخ میں رہنا پڑے گا، آخری آیت کی یہ حدیث گویا تفسیر ہے

۱۶-۱۸: جس بہتان کا ذکر اوپر گزرا، اس بہتان میں دو طرح کے آدمی تھے، کچھ تو عبداللہ بن ابی کے ساتھی منافق لوگ تھے جو حقیقت میں دل سے مسلمانوں کے بدخواہ تھے، ان کے حق میں اللہ تعالیٰ نے اوپر کی آیتوں میں یہ فرمایا، ان کو عاقبت میں سخت عذاب

[1] مشکوٰۃ ص ۴۱۸ باب حفظ اللسان والغیبۃ والشتم۔

بُهْتَانٌ عَظِيمٌ ﴿۱۶﴾ يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖۤ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷﴾

بڑا بہتان ہے اللہ تم کو سمجھاتا ہے کہ پھر نہ کرو ایسا کام کبھی اگر تم یقین رکھتے ہو۔

وَيُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۸﴾

اور کھولتا ہے اللہ تمہارے واسطے پتے اور اللہ سب جانتا ہے حکمت والا۔

ہوگا اور کچھ مسلمان لوگ منافقوں سے سُن سنا کر دل میں اس بہتان کی بات کو سچا گمان کرنے لگے تھے یا بعض لوگ زبان سے بھی اس بہتان کی بات کا چرچا کرنے لگے تھے، ان دونوں قسموں کے مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے یہ ہدایت فرمائی کہ اوپر کے حکم کے موافق جب شریعت میں چار گواہوں کی گواہی کے بغیر یہ بہتان ثابت نہیں ہوسکتا تو پھر جو لوگ اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں انہوں نے اس بہتان کو اپنے دل میں کیوں کر سچا گمان کیا اور زبان پر کیوں اس کا چرچا لائے۔ اس میں ابو ایوب انصاریؓ ابی بن کعب اور ان صحابہ کی تعریف نکلتی ہے جنہوں نے بغیر شہادت کے اس بہتان کو سنتے ہی جھوٹ جانا۔ ابو ایوبؓ کی بی بی نے ان سے ایک روز کہا۔ اجی تم نے کچھ سُنا حضرت عائشہؓ کے باب میں لوگ کیا کیا کہتے ہیں، انہوں نے جواب دیا کیا تم سے ایسا کام ہوسکتا ہے جس کام میں لوگ حضرت عائشہؓ کو بدنام کرتے ہیں ان کی بی بی نے کہا۔ ہرگز نہیں۔ حضرت ایوبؓ نے کہا پھر اللہ کے رسُول کی بی بی سے ایسا کام کیونکر ہوسکتا ہے، جو کچھ چرچا لوگ کر رہے ہیں وُہ بالکل بہتان ہے، صحیحینؔ میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں سات بڑے سخت گناہوں کا جو ذکر آیا ہے، اس طرح کا بہتان بھی ان گناہوں میں سے ہے، اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ لوگ اس طرح کی باتوں کو معمولی باتیں خیال کرتے ہیں اور اللہ کے نزدیک یہ بڑا سخت گناہ ہے صحیح مسلم، ابو داؤد، ترمذی اور نسائی میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت[2] ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز صحابہؓ سے پوچھا کہ تم کو معلوم ہے کہ غیبت کیا چیز ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ ہم کو معلوم نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ کسی کے حق میں کوئی ایسی بات کہنی کہ اس کے سننے سے اس کو رنج ہو، اسی کو غیبت کہتے ہیں، کسی نے عرض کیا کہ حضرت کسی میں کوئی بات حقیقت میں ہو تو کیا پیٹھ پیچھے اس کا ذکر کرنا بھی غیبت میں داخل ہے، آپ نے فرمایا غیبت تو یہی ہے ورنہ جو بات کسی آدمی کے حق میں کہی جاوے اور حقیقت میں وُہ بات اس میں نہ ہو، اس کا نام تو بہتان ہے، صحیح مسلم، ترمذی وغیرہ میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت[3] ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے ایک روز صحابہؓ سے فرمایا، تم کو معلوم ہے کہ مفلس کس شخص کو کہتے ہیں، صحابہؓ نے عرض کیا کہ جس شخص کے پاس کچھ مال متاع نہ ہو، ہم لوگ تو اس کو مفلس کہتے ہیں، آپ نے فرمایا اصل مفلس میری امت میں وُہ شخص ہے کہ جو نیک عمل کر کے پھر قیامت کے دن اس سبب سے خالی ہاتھ رہ جاوے گا کہ لوگوں میں غیبت کا کرنا لوگوں پر بہتان باندھنا اس کی عادت ہوگی اور اس عادت کی سزا میں قیامت کے دن اس کی سب نیکیاں چھین کر اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو دے گا جن لوگوں کی اس نے بُرائی کی تھی، حاصل کلام یہ ہے کہ بہتان، غیبت، چغلخوری یہ اس طرح کے گناہ ہیں کہ اکثر لوگ ان کو ایک زبانی بات چیت اور محفل کا ایک مشغلہ گنتے ہیں اور شریعت میں یہ باتیں بڑے گناہ کی چیزیں ہیں ایسی باتوں کے باب میں ابو ہریرہؓ کی صحیحین کی روایت[4] گزر چکی ہے کہ بعض باتوں کو انسان خفیف جان کر دنیا میں منہ سے کہہ دیتا ہے،

[1] مشکوٰۃ ص ۱۷ باب الکبائر و علامات النفاق [2] مشکوٰۃ باب حفظ اللسان والغیبۃ والشتم [3] مشکوٰۃ ص ۴۳۵ باب الظلم
[4] یعنی پچھلے صفحہ پر۔

إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَن تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي

جو لوگ چاہتے ہیں کہ چرچا ہو بدکاری کا ایمان والوں میں ان کو دکھ کی مار ہے

الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿١٩﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَ

دنیا اور آخرت میں اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ اور کبھی نہ ہوتا اللہ کا فضل تم پر اور

رَحْمَتُهُ وَأَنَّ اللَّهَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿٢٠﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ۚ

اس کی مہر اور یہ کہ اللہ نرمی کرنے والا ہے مہربان اے ایمان والو نہ چلو قدموں پر شیطان کے

وَمَن يَتَّبِعْ خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ فَإِنَّهُ يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ ۚ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ

اور جو کوئی چلے گا قدموں پر شیطان کے سو وہ یہی بتاوے گا بے حیائی اور بری بات اور کبھی نہ ہوتا فضل اللہ کا

عاقبت میں جن کی سزا کے سبب سے ایک مدت دراز تک اس کو دوزخ میں رہنا پڑے گا۔ یہ تو عاقبت کے وبال کا ذکر ہوا، علاوہ اس کے ایسے شخص پر جو بہتان، چغل خوری، غیبت میں لگا ہے، دنیا میں بھی وبال پڑتا ہے، مسند امام احمد بن حنبل میں حضرت ثوبانؓ سے روایت[1] ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ جو کوئی کسی کی غیبت اور ایذا میں لگے گا وہ خود بھی دنیا میں فضیحت ہوگا، معتبر سند سے اوسط اور صغیر طبرانی میں بھی ثوبانؓ سے اس کے قریب قریب روایت ہے جس سے اس سند کی روایت کو تقویت ہو جاتی ہے علاوہ اس کے صحیح سند سے ترمذی[2] میں عبداللہ بن عمرؓ سے ابوداؤد میں ابوبرزہ سے، ابن ماجہ میں ابن عباسؓ سے معتبر روایتیں اس مضمون کی ہیں جس سے سند کے راوی ابو محمد میمون تمیمی کا ضعف جاتا رہتا ہے، یہی حال دوسرے راوی میمون بن موسیٰ مرائی کے ضعف کا ہے، حاصل مطلب ان آیتوں کا یہ ہے کہ تم میں کی ایک منافقوں کی جماعت نے جب اے مسلمانوں اس بہتان کا چرچا تمہارے کانوں تک پہنچایا تھا تو تم نے یہ سیدھی بات کیوں نہ کہدی کہ بغیر گواہی کے ہم کو یہ چرچا تو بہتان معلوم ہوتا ہے، پھر فرمایا، آئندہ کے لئے اللہ تعالیٰ تم کو یہ نصیحت کرتا ہے کہ اگر تم ایمان دار ہو تو پھر کبھی تم کو ایسی بات کی جرأت نہ کرنی چاہئیے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے علم اور حکمت کے موافق قرآن کی آیتوں کے ذریعہ سے صاف صاف تم کو یہ سمجھا دیا ہے کہ بغیر گواہی کے ایسی بے ٹھکانے کی باتیں شریعت میں سزا کے قابل ہیں۔

۱۹-۲۱: ایمان والوں سے ظاہری مطلب شان نزول کے طور پر اگرچہ حضرت عائشہؓ اور صفوانؓ ان دونوں کے ایماندار رشتہ دار ہیں اور بدکاری کا دل سے چرچا کرنے والوں سے مطلب عبداللہ بن ابی، اس کے ساتھی اور وہ مسلمان لوگ ہیں جو منافقوں سے سن سنا کر اس بہتان کے چرچے میں زبانی شریک تھے لیکن آیت کا مطلب عام ہے، اب بھی اس قسم کا چرچا کرنے والے اور جن کے حق میں چرچا کیا جاوے قیامت تک کے سب لوگ آیت کے حکم میں داخل ہیں اور دنیا میں ان جھوٹا بہتان لگانے والوں کو کوڑے پٹنے کی سزا دی جاوے گی اور اگر بغیر توبہ کے اس عادت پر مر جاویں گے تو عقبیٰ میں جدا عذاب ہوگا، پھر فرمایا اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے اس کو جھوٹے سچے کا حال خوب معلوم ہے، پھر فرمایا، یہ اللہ کا فضل اور اس کی رحمت اور مہربانی ہے کہ اس نے ان جھوٹا بہتان لگانے والوں پر جلدی سے کوئی عذاب نہیں بھیجا، آگے مسلمانوں کو ہدایت فرمائی کہ شیطان لوگوں کو اپنی یہی بے حیائی کی

[1] [2] [3] تینوں حدیثوں کے لئے ملاحظہ ہو، الترغیب والترہیب ص ۲۳۹ ج ۲ الترغیب فی ستر المسلم والترہیب من ہتکہ وتتبع عوراتہ۔

عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ

تم پر اور اس کی مہر نہ سنورتا تم میں ایک شخص کبھی لیکن اللہ سنوارتا ہے جس کو چاہے اور اللہ

سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۱﴾ وَلَا يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْٓا اُولِي الْقُرْبٰى

سب سنتا جانتا ہے اور قسم نہ کھاویں بڑائی والے تم سے اور کشائش والے اس پر کہ دیویں ناطے والوں کو

وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۠ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ۭ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ

اور محتاجوں کو اور وطن چھوڑنے والوں کو اللہ کی راہ میں اور چاہیئے معاف کریں اور درگزر کریں کیا تم نہیں چاہتے کہ

باتیں سکھاتا ہے اس لئے ہر ایماندار شخص کو چاہیئے کہ شیطان کے کہنے پر نہ چلے اور یہ اللہ کا فضل اور رحمت ہے کہ جو ایماندار شخص شیطان کے حملے سے بچنا چاہتا ہے اور شیطان کے حملہ کے وقت اللہ تعالیٰ سے پناہ چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو شیطان کے حملے سے بچا کر نیک راہ سے لگ جانے کی توفیق دیتا ہے کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو شیطان کا حملہ ایسا زبردست ہے کہ اس سے انسان کا بچنا دشوار ہے، آخر کو فرمایا اللہ تعالیٰ ہر ایک نیک شخص کی منہ کی بات کو سنتا اور دل کے ارادہ کو جانتا ہے، خالص دل سے جو کوئی شیطان کے حملہ کے روکنے کی التجا کرے گا اللہ تعالیٰ ضرور اس کی مدد فرمائے گا، صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ[1] سے انس بن مالک کی روایت کئی جگہ گزر چکی ہے کہ بہکانے کے حملہ کے وقت شیطان خون کی طرح انسان کے تمام جسم میں سرایت کر جاتا ہے، ترمذی وغیرہ کے حوالہ سے حارث اشعری کی صحیح حدیث بھی کئی جگہ گزر چکی[2] ہے کہ سوائے یادِ الٰہی کے اور کوئی چیز انسان کو شیطان کے حملہ سے نہیں بچا سکتی، ان حدیثوں سے یہ مطلب اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے کہ اگرچہ شیطان کا حملہ بڑا زبردست ہے لیکن جو شخص اس کے حملہ کے وقت اللہ تعالیٰ کو نہ بھولے گا وہ شیطان کے حملہ سے بچ سکتا ہے۔

۲۲: تفسیر ابن ابی حاتم، تفسیر ابن منذر وغیرہ میں حضرت عائشہؓ اور بعضے اور سلف کے قول کے موافق اس آیت کی جو شان نزول بیان کی گئی[3] ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ جب حضرت عائشہؓ اور صفوانؓ پر جھوٹا بہتان لگانے والوں کے نام معلوم ہو گئے اور ان میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بھانجے مسطح بن اثاثہ کی شرکت بھی پائی گئی تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے قسم کھالی کہ اب تک وہ مسطح کے ساتھ جو سلوک کیا کرتے تھے، آئندہ اس سے ہاتھ روک لیں گے، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور فرمایا، خوشحال لوگوں کو یہ قسم نہ کھانی چاہیئے کہ وہ غریب مہاجر رشتہ داروں کے سلوک سے آئندہ ہاتھ روک لیں گے بلکہ ان خوش حال لوگوں کو درگزر کے طور پر اپنے رشتہ داروں کا قصور معاف کر کے حسبِ دستور ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا اور اس نیک کام کے بدلہ میں بارگاہِ الٰہی سے مغفرت کا دل میں اعتقاد رکھنا چاہیئے کیونکہ اللہ الغفور الرحیم ہے وہ کسی کے نیک کام کے اجر کو ضائع نہیں کرنا چاہتا صحیح ابن خزیمہ، مستدرک حاکم اور طبرانی میں امِ کلثوم بنت عقبہ سے روایت[4] ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو رشتہ دار آدمی کے ساتھ برائی سے پیش آویں اور اس پر بھی آدمی ان رشتہ داروں کے ساتھ سلوک کرے تو ایسے سلوک کا بڑا اجر ہے حاکم نے مسلم کی شرط پر اس حدیث کو صحیح کہا ہے، صحیح بخاری و مسلم میں عبدالرحمٰن بن سمرہؓ سے روایت ہے، جس میں اللہ کے

[1] نیز دیکھو مشکوٰۃ ص ۱۸ باب الوسوسہ [2] مثلاً ص ۳۶۸ ج ۳ تفسیر ہذا، [3] تفسیر الدر المنثور ص ۳۴ ج ۵ [4] الترغیب والترہیب ص ۳۴۱ ج ۳ [5] مشکوٰۃ ص ۲۹۶ باب الایمان والنذور۔

يَغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ۗ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٢٢﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ

اللہ تم کو معاف کرے اور اللہ بخشنے والا ہے مہربان جو لوگ عیب لگاتے ہیں قید والیوں کو بے خبر

الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۠ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿٢٣﴾ يَّوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ

ایمان والیوں کو ان کو پھٹکار ہے دنیا میں اور آخرت میں اور ان کو ہے بڑی مار جس دن بتادیں گی ان کی

رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو شخص کسی بات پر قسم کھالیوے اور قسم کھا لینے کے بعد قسم والی بات سے بہتر کوئی بات اس کو نظر آئے تو ایسے شخص کو چاہیئے کہ قسم کا کفارہ دے کر اس بہتر بات پر عمل کرے، ان حدیثوں کو آیت کے ساتھ ملانے سے یہ مطلب ہوا کہ اگرچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور ان کے بھانجے مسطحؓ کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی ہے لیکن ہر ایماندار شخص کے حق میں حکم یہی ہے کہ برائی سے پیش آنے والے رشتہ داروں کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آوے کیونکہ شریعت میں اس کا بڑا اجر ہے اور کسی بات پر قسم کھا لینے کے بعد قسم والی بات سے بہتر کوئی بات نظر آجاوے تو قسم کھانے والے شخص کو چاہیئے کہ قسم کا کفارہ دے کر اس بہتر بات کے موافق عمل کرے، فتح مکہ کے وقت جو لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے، یہ عبدالرحمٰنؓ بن سمرہ ان صحابہ میں ہیں، اسلام سے پہلے ان کا نام عبد کلال تھا، سجستان ان ہی کے ہاتھ پر فتح ہوا ہے، زیادہ سکونت ان کی بصرہ کی ہے۔ صحاح کی سب کتابوں میں ان کی روایتیں ہیں، تفسیر ابن ابی حاتم اور تفسیر ابن منذر کی روایتوں کے معتبر ہونے کا حال اس تفسیر میں ایک جگہ بیان کر دیا گیا ہے، اس لئے اوپر کی شانِ نزول کی روایت معتبر ہے۔

۲۳۔۲۵: شروع سورت میں اس طرح کے جھوٹا عیب لگانے والوں کے ذکر میں توبہ کا تذکرہ بھی فرمایا ہے اور یہاں ان آیتوں میں توبہ کا تذکرہ نہیں ہے اس کی تفسیر اوپر گزر چکی ہے کہ جس بہتان کا اس سورت میں ذکر ہے، اس بہتان میں دو طرح کے آدمی تھے، کچھ تو عبداللہ بن ابی منافق کی طرح کے تھے جو حقیقت میں مسلمانوں کے بدخواہ تھے اور کچھ لوگ مسلمان تھے، جو حقیقت میں تو مسلمانوں کے بدخواہ نہیں تھے مگر منافقوں کی سُنی سنائی باتوں پر اس بہتان کے چرچے میں شریک ہوگئے تھے مثلاً جیسے حسانؓ بن ثابت اور مسطحؓ بن اثاثہ، حاصل کلام یہ ہے کہ اوپر کی تفسیر کے موافق شروع سورۃ کی آیتوں میں ان عیب لگانے والوں کا ذکر ہے جو حقیقت میں مسلمانوں کے بدخواہ نہیں تھے اور اللہ تعالیٰ کے علمِ غیب میں ان کو توبہ کی توفیق ہونے والی تھی اور ان آیتوں میں ان عیب لگانے والوں کا ذکر ہے، جو اپنے منافق پنے کے سبب سے نہ قابلِ توبہ باتوں سے توبہ کرنے کی پرواہ کرتے تھے، نہ اللہ تعالیٰ کے علمِ غیب کے موافق ان کو توبہ کی توفیق ہونے والی تھی، سورہ منافقون میں آوے گا کہ پہلے تو عبداللہ بن ابی نے مہاجرین کی بدخواہی کی باتیں کیں اور جب سورۂ منافقون کی آیتوں میں ان بدخواہی کی باتوں کی مذمت نازل ہوئی اور لوگوں نے عبداللہ بن ابی سے کہا کہ وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر اپنی مغفرت کی دعا کی التجا کرے تو عبداللہ بن ابی نے لوگوں کا کہنا نہیں مانا اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جانے اور مغفرت کی دعا کرنے کو بے پروائی سے ٹال دیا، سورہ منافقون میں یہ قصہ صحیح بخاری کی زیدؓ بن ارقم کی روایت سے مفصل آوے گا، اس قصہ کا حاصل مطلب جو بیان کیا گیا، اس سے یہ مطلب اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے کہ منافق لوگ نہ قابلِ توبہ باتوں سے توبہ کرنے کی پروا کرتے تھے نہ اللہ تعالیٰ کے علمِ غیب کے موافق ان کو توبہ کی توفیق ہونے والی تھی یہ تو ایسے لوگوں کی دنیا کی پھٹکار کا حال ہوا کہ گناہ کئے اور توبہ کی توفیق نہ ہوئی، آخرت میں ایسے لوگوں کے عذاب کو بڑا عذاب جو فرمایا، اس باب میں صحیح

اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۴﴾ يَوْمَئِذٍ يُّوَفِّيْهِمُ اللّٰهُ دِيْنَهُمُ

زبانیں اور ہاتھ اور پاؤں جو کچھ وہ کرتے تھے۔ اس دن پوری دے گا ان کو اللہ ان کی سزا

الْحَقَّ وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ ﴿۲۵﴾ اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ

جو چاہیئے اور جانیں گے کہ اللہ وہی ہے سچا کھولنے والا۔ گندیاں ہیں گندوں کے واسطے اور گندے

لِلْخَبِيْثٰتِ ۚ وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ ۚ اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا

واسطے گندیوں کے اور ستھریاں ہیں واسطے ستھروں کے اور ستھرے واسطے ستھریوں کے وہ لوگ بے لگاؤ ہیں ان باتوں سے جو

يَقُوْلُوْنَ ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۲۶﴾

کہتے ہیں ان کو بخشنا ہے اور روزی ہے عزت کی۔

بخاری اور مسلم کے حوالہ سے انس بن مالک کی روایت کئی جگہ گزر چکی ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، دوزخ کے عذاب کا جو حال مجھ کو معلوم ہے اگر وہ پورا حال لوگوں کو معلوم ہو جاوے تو ان کو سوائے رونے کے اور کچھ کام نہ رہے، اس حدیث سے یہ مطلب اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے کہ آخرت کا بڑا عذاب وہ ہے جس میں گرفتار ہونا تو درکنار اس کا پورا حال سننا بھی انسان کی برداشت سے باہر ہے، آگے ان لوگوں کا ذکر ہے جو اس عذاب سے بچنے کے لئے قیامت کے دن اپنے گناہوں سے منکر ہو جاویں گے اور ان کے ہاتھ پیروں سے گناہوں کے کرنے کی گواہی دلوائی جا کر ان کا جرم ثابت کیا جاوے گا اور ہر ایک جرم کے موافق سزا دی جاوے گی جس سے ان کو معلوم ہو جاوے گا کہ دنیا میں جس سزا کے وعدہ سے ان لوگوں کو ڈرایا جاتا تھا، اللہ تعالیٰ کا وہ وعدہ بالکل سچا اور ٹلنے والا نہیں تھا اَلْغَافِلَاتِ کا مطلب یہ ہے کہ یہ نیک بیبیاں ان عیب کی باتوں سے ایسی بے خبر ہیں کہ ان کے دل میں ان باتوں کا کبھی خیال تک بھی نہیں آتا۔

۲۶:۔ طبرانی میں حکم بن عتیبہ کی روایت[1] سے جس کی سند صحیح ہے حضرت عائشہؓ کے قصہ کے شروع سے یہاں تک پندرہ آیتوں کی شانِ نزول جو بیان کی گئی ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ جب لوگوں نے حضرت عائشہؓ پر بہتان باندھا، تو آنحضرتؐ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ تمہارے حق میں لوگ جو کچھ کہتے ہیں اگر تمہارے پاس اس بہتان کے جھٹلانے کا کوئی عذر ہو تو تم بھی اپنا وہ عذر بیان کرو حضرت عائشہؓ نے جواب دیا کہ میں سچی ہوں، اس لئے مجھ کو توقع ہے کہ اللہ تعالیٰ میری برأت کا کوئی عذر آسمان سے نازل فرما دے گا اس پر اللہ تعالیٰ نے شروع قصہ سے یہاں تک یہ پندرہ آیتیں نازل فرمائیں۔

دشمنِ حضرت عائشہؓ کا حکم

علمائے اسلام نے متفق ہو کر یہ بات کہی ہے کہ اتنی بڑی برأت کے بعد جو فرقہ حضرت عائشہؓ کو اب بھی عیب لگاتا ہے وہ قرآن شریف کا منکر فرقہ ہے اور اس فرقے کے کافر ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے کیونکہ وہ فرقہ قرآن کی آیتوں کا منکر ہے۔

حاصل معنی ان آیتوں کے یہ ہیں کہ اس بہتان میں جس قسم کے لوگ شریک تھے ان کو اللہ تعالیٰ نے اوپر کی آیتوں میں ہر طرح سے جھوٹا ٹھہرا کر ہر ایک کو اس کے مناسب حال تنبیہ فرمائی، بعد اس کے اب اس آیت میں فرمایا ہے کہ اس بہتان کے باندھنے والے

[1] نیز ملاحظہ ہو الترغیب والترہیب ص ۲۶۵ ج ۴ [2] تفسیر الدر المنثور ص ۳۲ ج ۵ نیز دیکھیے فتح الباری ص ۲۷۷ ج ۴۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰۤى

اے ایمان والو! مت جایا کرو کسی گھروں میں اپنے گھروں کے سوائے جب تک نہ بول چال کر لو اور سلام دے لو ان

اَهْلِهَا ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَاۤ اَحَدًا فَلَا

گھر والوں پر یہ بہتر ہے تمہارے حق میں شاید تم یاد رکھو پھر اگر نہ پاؤ ان میں کوئی تو ان میں

تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ

نہ جاؤ جب تک پروانگی نہ ہو تم کو اور اگر تم کو کہے کہ پھر جاؤ تو پھر جاؤ اسی میں خوب ستھرائی ہے تمہاری اور اللہ

بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۲۸﴾ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ

جو کرتے ہو جانتا ہے نہیں گناہ تم پہ اس میں کہ جاؤ ان گھروں میں جہاں کوئی نہیں بستا

ناسمجھ ہیں، اتنا نہیں سمجھتے کہ اللہ کے رسُول کی بی بی سے ایسا بُرا کام کیونکر ہو سکتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نیک مردوں کے لئے نیک عورتیں پیدا کی ہیں، پھر اللہ کے رسُول سے بڑھ کر کون نیک مرد ہوگا، ایسی گندی باتیں تو گندے مرد اور گندی عورتوں میں پھیلتی ہیں جن لوگوں کی شان میں یہ عیب لگانے والے گندی باتیں منہ سے نکالتے ہیں وُہ ان باتوں سے بالکل بے لگاؤ ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں سے عقبیٰ میں بخشش اور بڑی بڑی نعمتیں دینے کا وعدہ کیا ہے صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی روایت سے حدیث قدسی کئی جگہ گزر چکی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا اہلِ جنت کے لئے جنت میں جو نعمتیں پیدا کی گئیں کہ نہ وُہ کسی نے آنکھ سے دیکھیں نہ کان سے سنیں، نہ کسی کے دل میں ان کا خیال گزر سکتا ہے۔ یہ حدیث وَرِزْقٌ كَرِيْمٌ کی گویا تفسیر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جن نیک لوگوں کا ذکر آیت میں ہے ان کو عقبیٰ میں راحت ملے گی، جس کا حال کسی نے نہ آنکھ سے دیکھا، نہ کان سے سُنا، نہ کسی کے دل پر اس کا خیال گزر سکتا ہے۔

۲۷-۲۹- تفسیر مقاتل بن حیان، تفسیر ابن جریر اور تفسیر ابن ابی حاتم میں جو شانِ نزول ان آیتوں کی چند روایتوں[۱] سے بیان کی گئی ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ بعضے رشتہ دار اپنے رشتہ داروں کے زمانہ میں بغیر اذن اور بغیر کھنکارنے کے چلے جاتے تھے اور بے خبر ان کے آجانے سے ننگی کھلی عورتوں کا اور ان کا آمنا سامنا ہو جاتا تھا، بعض دیندار عورتوں نے آنحضرتؐ سے اس طریقہ کے بند ہو جانے کی خواہش کی اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ اذن کی آیتیں نازل فرمائیں اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے آنحضرتؐ سے یہ مسئلہ پوچھا کہ شام کے ملک کی طرف ہم لوگ تجارت کی غرض سے جاتے ہیں اور راستہ میں مسافر خانوں کے طور کے اکثر ایسے مکان ہیں جن میں کوئی نہیں رہتا، ان میں بلا اذن کے جا کر اتر جانا یا کچھ سامان ان میں رکھ دینا جائز ہے یا نہیں، اس پر اللہ تعالیٰ نے آخری آیت نازل فرمائی حاصل معنی ان آیتوں کے یہ ہیں کہ جس مکان میں کوئی رہتا ہو وہاں اذن لے کر جانا چاہیے جہاں کوئی نہ رہتا ہو، وہاں اذن کی ضرورت نہیں، گھر میں سے اجازت کی آواز نہ آوے یا گھر والا کہے، اس وقت نہیں پھر آنا، تو الٹے پھر آنا بہتر ہے، پھر فرمایا، اس حکم کے موافق لوگ جس طرح عمل کریں گے، وُہ اللہ تعالیٰ کے علم غیب سے باہر نہیں ہے، معتبر سند سے مسند امام احمد ابوداؤد، ترمذی، نسائی میں جو روایتیں[۲] ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ بعضے صحابہ بھول کر آپ کے پاس بغیر اذن کے آ گئے تو آپ نے

[۱] تفسیر الدر المنثور ص ۳۸-۴۰ ج ۵ [۲] تفسیر ابن کثیر ص ۲۸۰ ج ۳ الدر المنثور ص ۳۸-۳۹ ج ۵۔

فِيهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا تَكْتُمُونَ ﴿٢٩﴾ قُل لِّلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا

اس میں کچھ چیز ہو تمہاری اور اللہ کو معلوم ہے جو کھولتے ہو اور جو چھپاتے ہو کہہ دے ایمان والوں کو نیچی رکھیں

مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ۚ ذَٰلِكَ أَزْكَىٰ لَهُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا يَصْنَعُونَ ﴿٣٠﴾

ٹک اپنی آنکھیں اور تھامتے رہیں اپنے ستر اس میں خوب ستھرائی ہے ان کی اللہ کو خبر ہے جو کرتے ہیں ۔

آیت کا حکم قائم رہنے کی غرض سے ان سے کہا کہ گھر کے دروازہ کے باہر چلے جاؤ، اور پھر اذن حاصل کر کے گھر کے اندر آؤ، ادب مفرد بخاری میں ابوہریرہؓ سے روایت[1] ہے کہ گھر کے دروازہ پر جاتے ہی پہلے السلام علیک کہے اور پھر گھر کے اندر آنے کی اجازت چاہیے صحیح بخاری و مسلم میں سہل بن سعد سے روایت ہے کہ ایک شخص اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی حجرہ میں جھانک کر دیکھ رہا تھا جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات معلوم ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ کسی کے گھر میں جانے سے پہلے اجازت چاہنے کا حکم اس لئے نازل ہوا ہے کہ بے خبر گھر میں چلے جانے سے ننگی کھلی عورتوں پر نظر نہ پڑے، اگر میں اس شخص کو دیکھ لیتا کہ اس حکم کے برخلاف وہ حجرہ میں جھانک رہا ہے تو میں اس شخص کی آنکھ[2] پھوڑ ڈالتا، آخر کو فرمایا، زبانی اذن چاہتے وقت جو لوگ دل میں اس کو برا جانتے ہیں اور جو نہیں جانتے ان سب کا حال اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے ۔

۳۰ ۔ اوپر ذکر تھا کہ ایک رشتہ دار دوسرے رشتہ دار کے گھر میں بے کھنکارے، بے خبری کی حالت میں نہ جاوے کیونکہ بے خبری کی حالت میں چلے جانے سے ننگی کھلی اجنبی عورتوں کے سامنے آجانے کا اندیشہ ہے، اس آیت میں فرمایا، اجازت کے بعد دوسرے رشتہ دار کے گھر میں جانے سے یا بازار وغیرہ میں اجنبی عورت پر نظر پڑ جاوے تو ایماندار آدمی کو چاہیئے کہ اپنی نگاہ نیچی کرے مرد کے نیچی نگاہ کر لینے کی حالت میں عورت مرد کی صورت دیکھ سکتی ہے، اس واسطے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت کی پوری تعمیل ہو جانے کی غرض سے ایسے موقع پر حکم دیا کہ ایماندار شخص اجنبی عورت کی طرف سے اپنا منہ پھیر لے، چنانچہ مسند امام احمد، صحیح مسلم، ترمذی اور ابوداؤد میں جریر بن عبداللہ بجلی سے جو روایت[3] ہے، اس میں یہ ذکر تفصیل سے ہے، یہ جریر بن عبداللہ کو فہ میں اکثر رہے ہیں اس لئے ان کو کوفی صحابہ میں شمار کرنا چاہیئے، یہ بہت خوبصورت اور اس امت کے یوسف مشہور تھے، اسی واسطے انہوں نے اجنبی عورتوں پر نظر پڑ جانے کا مسئلہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا، صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے بھائی فضل بن عباسؓ کا قصہ[4] ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فضل بن عباسؓ کا منہ ایک عورت کی طرف سے پھیر کر دوسری طرف کر دیا تھا، معتبر سند سے ترمذی ابوداؤد وغیرہ میں حضرت علیؓ کی حدیث[5] ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی ایماندار شخص کی نظر کسی اجنبی عورت پر اتفاق سے پڑ جاوے تو پہلی نظر معاف ہے، لیکن پھر ایماندار شخص کو نگاہ نیچی کر لینے کا، ادھر سے منہ پھیر لینے کا حکم ہے، ترمذی نسائی، دارمی، ابن حبان وغیرہ میں مغیرہ بن شعبہ سے روایت[6] ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کسی شخص کا ارادہ کسی عورت سے نکاح کرنے کا ہو تو اس شخص کا اس عورت کو نکاح سے پہلے دیکھ لینا اچھا ہے، کیونکہ اس سے نکاح کے بعد

[1] الادب المفرد ص ۲۷۵-۲۷۴ طبع المطبعۃ السلفیہ قاہرہ ۱۳۷۵ھ [2] مشکوٰۃ ص ۳۰۵ باب مالایضمن من الجنایات [3] مشکوٰۃ ص ۲۶۸ باب النظر الی المخطوبۃ و بیان العورات و تفسیر ابن کثیر ص ۲۸۱ ج ۳ و تفسیر الدر المنثور ص ۴۰ ج ۵ [4] صحیح بخاری باب الحج عمن لا یستطیع الثبت علی الراحلۃ ۔ [5] مشکوٰۃ ص ۲۶۹ و تفسیر ابن کثیر ۲۸۲ ج ۳ [6] مشکوٰۃ ص ۲۶۹

وَقُلْ لِلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ

اور کہہ دے ایمان والیوں کو نیچی رکھیں ٹک اپنی آنکھیں اور تھامتی رہیں اپنے ستر اور نہ دکھاویں

زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ

اپنا سنگار مگر جو کھلی چیز ہے اس میں سے اور ڈال لیں اپنی اوڑھنی اپنے گریبانوں پر اور نہ کھولیں اپنا سنگار

اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ

مگر اپنے خاوند کے آگے یا اپنے باپ کے یا اپنے خاوند کے باپ کے یا اپنے بیٹے کے یا خاوند کے بیٹے کے یا اپنے بھائی کے

اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ

یا اپنے بھتیجوں کے یا اپنے بھانجوں کے یا اپنی عورتوں کے یا اپنے ہاتھ کے مال کے یا کمیروں کے جو

میاں بی بی میں میل جول خوب رہتا ہے، اس حدیث کو آیت کے ساتھ ملانے سے یہ مطلب ہوا کہ جس شخص کا ارادہ کسی عورت سے نکاح کرنے کا ہو تو وہ شخص اتفاقی نگاہ پڑ جانے کے علاوہ خاص طور پر دیکھنے کے ارادہ سے بھی اس عورت کو دیکھ سکتا ہے، ابن حبان نے مغیرہ بن شعبہ کی اس حدیث کو صحیح کہا[۱] ہے، حاصل مطلب آیت کا یہ ہے اے رسول اللہ کے ایماندار لوگوں سے کہہ دیا جاوے کہ ان کے حق میں ناجائز چیزوں کے دیکھنے سے بچنے اور اپنی شرم گاہ کو قابو میں رکھنے میں بڑی ستھرائی ہے، آخر کو ناجائز کاموں سے بچنے اور جائز کاموں کے کرنے کی تاکید کے طور پر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو لوگوں کے اچھے بُرے سب کاموں کی خبر ہے کیونکہ کوئی چیز اس کے علم غیب سے باہر نہیں ہے قیامت کے دن وہ اپنے علم کے موافق جزا و سزا کا پورا فیصلہ کرے گا، صحیح مسلم کے حوالہ سے عبداللہ بن عمرو بن العاص کی روایت کئی جگہ گزر چکی ہے کہ دُنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے دُنیا کے پیدا کرنے سے پچاس ہزار برس پہلے اپنے علم غیب کے نتیجہ کے طور پر وہ سب اللہ تعالیٰ نے لوحِ محفوظ میں لکھ لیا ہے، یہ حدیث آیت کے آخری ٹکڑے کی گویا تفسیر ہے، جس کا حاصل وہی ہے جو اوپر بیان کیا گیا کہ کوئی چیز اللہ تعالیٰ کے علمِ غیب سے باہر نہیں ہے، صحیح بخاری و مسلم میں ابو ہریرہؓ سے روایت[۲] ہے جس میں ناجائز نظر کو اللہ کے رسول نے آنکھ کی بدکاری فرمایا ہے، اس حدیث کو آیت کے ساتھ ملانے سے ناجائز نظر کی خرابی اچھی طرح سمجھ میں آجاتی ہے۔

۳۱۔ اوپر کی آیت میں ہر ایک ایماندار مرد کو جو یہ حکم تھا کہ اجنبی عورت پر اتفاق سے نظر پڑے تو نگاہ نیچی کر لی جاوے اور شرم گاہ کو قابو میں رکھا جاوے۔ ان آیتوں میں ایماندار عورتوں کو وہی حکم دے کر پھر فرمایا کہ عورتوں کے بناؤ سنگار میں سے کھلی چیزیں مثلاً آنکھوں کا سرمہ، ہاتھ کا چھلا کسی اجنبی مرد کی نظر پڑ جاوے تو مضائقہ نہیں، مگر بناؤ سنگار کی اور چیزوں پر سوائے ان لوگوں کے جن کا ذکر آیت میں ہے، کسی اور اجنبی مرد کی نظر نہیں پڑنی چاہیے، نماز میں عورت کے منہ کا اور ہاتھ کی ہتھیلیوں کا کھلا رہنا جائز ہے اس واسطے حافظ ابو جعفر ابن جریر نے اپنی تفسیر[۳] میں اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا کی صحیح تفسیر عورت کے منہ اور ہاتھ کی ہتھیلیوں کو قرار دے کر سنگار کی کھلی چیزیں آنکھوں کے سرمے اور انگلیوں کے چھلے کو بیان کیا ہے اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ سے مقصود عورت کے سوتیلے بیٹے ہیں نِسَآئِهِنَّ سے مقصود مسلمانوں کی نیک چلن عورتیں ہیں، ابو داؤد، بیہقی وغیرہ میں انس بن مالکؓ سے روایت[۴] ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے

[۱] فتح الباری ص ۱۶۶ ج ۵ باب النظر الی المراۃ قبل التزویج [۲] الترغیب و الترہیب ص ۲۶ ج ۳ و مشکوٰۃ باب الایمان بالقدر [۳] ص ۱۱۹ ج ۱۸ طبع جدید [۴] تفسیر الدر المنثور ص ۴۳ ج ۵۔

أُولِي الْإِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ أَوِ الطِّفْلِ الَّذِينَ لَمْ يَظْهَرُوا عَلَىٰ عَوْرَاتِ النِّسَاءِ ۖ وَلَا يَضْرِبْنَ

مرد کچھ غرض نہیں رکھتے یا لڑکوں کے جنہوں نے نہیں پہچانے عورتوں کے بھید اور نہ دھمک دیں

بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِنْ زِينَتِهِنَّ ۚ وَتُوبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَ الْمُؤْمِنُونَ

اپنے پاؤں سے کہ جانا جاوے جو چھپاتی ہیں اپنا سنگھار اور توبہ کرو اللہ کے آگے سب مل کر اے ایمان والو

لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٣١﴾ وَأَنْكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنْكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَ

شاید تم بھلائی پاؤ۔ اور بیاہ دو رانڈوں کو اپنے اندر اور جو نیک ہوں تمہارے غلام اور

ایک غلام حضرت فاطمہؓ کو ہبہ کیا تھا اور جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس غلام کو حضرت فاطمہؓ کے پاس لائے تو حضرت فاطمہؓ اس سبب سے شرمانے لگیں کہ ان کے اوڑھنے کی چادر بہت چھوٹی تھی، اس پر اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہؓ سے فرمایا یہاں اس وقت تمہارا باپ ہے یا تمہارا غلام تیسرا کوئی نہیں ہے چھوٹی چادر سے شرمانے کی کیا بات ہے، اس حدیث کی سند کے ایک راوی ابو جمیع سالم بن دینار کو اگرچہ بعض علماء نے ضعیف قرار دیا ہے لیکن یحییٰ بن معین نے سالم بن دینار کو ثقہ کہا ہے، راویوں کے باب میں ان یحییٰ بن معین کا بڑا اعتبار ہے، اس واسطے اس روایت کو معتبر کہا جا سکتا ہے، جو علماء اس بات کے قائل ہیں کہ غلام سے پردہ نہیں ہے وہ اس حدیث کو اپنے قول کی سند ٹھہراتے ہیں اور جو علماء اس میں اختلاف کرتے ہیں وہ کہتے ہیں یہ غلام نو عمر لڑکا تھا، بالغ نہیں تھا، زیادہ تفصیل اس کی بڑی کتابوں میں ہے آگے فرمایا ایسے کام کاج والے غریب لوگوں سے بھی پردہ نہیں ہے، جو فقط اپنا پیٹ بھرنے کے لئے زنانے گھروں میں آتے ہیں، زنانے گھر کی عورتوں سے ان کو کچھ واسطہ نہیں ہے اور اسی طرح نابالغ نو عمر لڑکوں سے بھی پردہ نہیں ہے، پھر فرمایا، عورتوں کو زمین پر اس طرح زور سے قدم رکھ کر چال نہیں چلنی چاہیئے جس سے پیروں کے گہنے کی آواز غیر مرد کے کان میں جاوے، آخر کو فرمایا اوپر جو حکم دیئے گئے ہیں ان کی تعمیل میں کچھ کوتاہی ہو جاوے تو ہر ایماندار کی بھلائی اسی میں ہے کہ وہ اپنی خطا پر نادم ہو کر آئندہ کے لئے توبہ استغفار کرے، صحیح مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی روایت کئی جگہ گزر چکی ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھا کر فرمایا، گنہگاروں کے معاف کرنے کی صفت اللہ تعالیٰ کو ایسی پیاری ہے کہ اگر موجودہ لوگ گناہ نہ کرتے تو اللہ تعالیٰ ان کی جگہ اور گنہگار مخلوقات کو پیدا کرتا اور ان کو توبہ کی توفیق دے کر ان کے گناہ معاف کرتا، توبہ کرنے والوں کی بھلائی کا ذکر جو اس آیت میں ہے اس کا حاصل مطلب اس حدیث سے اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص اپنے گناہ پر نادم ہو کر خالص دل سے بارگاہ الٰہی میں توبہ کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کو عذاب آخرت کی برائی سے ضرور بچاوے گا، جو گنہگار شخص کے حق میں بڑی بھلائی ہے۔

۳۲-۳۳:۔ اوپر کی آیتوں میں حکم تھا کہ ہر ایماندار مرد اجنبی عورت کو اور ہر ایماندار عورت اجنبی مرد کو دیکھے تو اپنی آنکھیں نیچی کر لیوے اور اپنی شرم گاہ کو ناجائز کاموں سے بچاوے، نکاح ہو جانے کے بعد رانڈ عورتوں سے اس حکم کی تعمیل اچھی طرح ہو سکتی ہے چنانچہ صحیح بخاری و مسلم میں عبداللہ بن مسعودؓ سے جو روایت[۱] ہے اس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ناجائز نگاہ کو روکنے شرم گاہ کو مناہی کے کاموں سے بچانے کے لئے دنیا میں نکاح سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہے، اسی واسطے اوپر کی آیتوں کے حکم کے بعد

۱؎ مشکوٰۃ کتاب النکاح و الترغیب ص ۴۰ ج ۳۔

اِمَآئِكُمْ ۭ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۲﴾ وَ

لونڈیاں اگر وہ ہوں گے مفلس اللہ ان کو غنی کرے گا اپنے فضل سے اور اللہ سمائی والا ہے سب جانتا اور

لْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ وَالَّذِيْنَ

آپ کو تھامتے رہیں جن کو نہیں ملتا بیاہ جب تک مقدور دے ان کو اللہ اپنے فضل سے اور جو لوگ

يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا ڰ وَّ

چاہیں لکھا تمہارے ہاتھ کے مال میں سے تو ان کو لکھا دے دو اگر سمجھو ان میں کچھ نیکی اور

اٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ ۭ

دو ان کو اللہ کے مال سے جو تم کو دیا ہے۔

ان آیتوں میں رانڈ عورتوں اور نیک غلام اور لونڈیوں کے نکاح کر دینے کا حکم بیان فرمایا، ایامٰی ایم کی جمع ہے اور ایم کا لفظ رانڈ عورت اور رنڈوے مرد دونوں پر بولا جاتا ہے، اس لئے حاصل مطلب آیتوں کا یہ ہے، اے مسلمانوں کے گروہ تم کو چاہیئے کہ اپنے گروہ میں کی رانڈ عورتوں اور رنڈوے مردوں کو بغیر نکاح کے بیٹھا نہ رہنے دو بلکہ سمجھا بجھا کر ان کا اور اپنے نیک غلام لونڈیوں کا نکاح کیا دو پھر فرمایا نکاح سے پہلے اگر ان میں کا کوئی تنگ دست ہو تو تنگدستی کے عذر سے نکاح کو نہ روکا جاوے۔ نکاح کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان کی تنگدستی کو رفع کر کے انہیں خوشحال کر دے گا کیونکہ اللہ کا فضل اور اس کا خزانہ بہت بڑا ہے اور وہ اپنے بندوں کی ضرورتوں سے خوب واقف ہے، صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ[1] سے عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث کئی جگہ گزر چکی ہے کہ جب ماں کے پیٹ میں بچہ کا پتلا تیار ہوتا ہے تو اس میں روح کے پھونکے جانے سے پہلے اس کا رزق لوح محفوظ کے نوشتہ کے موافق قرار دیا جاتا ہے اس حدیث سے یہ مطلب اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے کہ نکاح کے بعد میاں بی بی دونوں کا رزق ایک جگہ ہو جانے سے کچھ تو نکاح سے یوں رزق بڑھ جاتا ہے علاوہ اس کے اکثر سلف نے اپنا یہ تجربہ بھی بیان کیا ہے کہ پارسائی کی نیت سے نکاح کیا جاوے تو اللہ تعالیٰ مقررہ رزق میں برکت دیتا ہے، ترمذی وغیرہ میں ابوہریرہؓ سے صحیح روایت[2] ہے کہ پارسائی کی نیت سے نکاح کرنے والے شخص کی اللہ تعالیٰ مدد کرتا ہے اس حدیث سے سلف کے تجربہ کی پوری تائید ہوتی ہے کیونکہ رزق میں برکت کا ہونا یہ بھی اللہ تعالیٰ کی ایک مدد ہے آگے فرمایا جو لوگ بالکل ایسے تنگدست ہوں کہ کسی طرح کا نکاح کا بار نہ اٹھا سکتے ہوں تو جب تک اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان کو کسی قدر صاحب مقدور نہ کر دیوے، اس وقت تک ان کو اپنی حالت پر صبر کرنا اور بدکاری سے بچنا چاہیئے۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت اوپر گزر چکی، اس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے لوگوں کو روزے رکھنے کی ہدایت فرما کر یہ فرمایا ہے کہ روزے رکھنے سے مردانگی کی قوت کم ہو جاتی ہے جو آقا اپنے غلام کو یہ کتابت کرے کہ اس قدر رقم ادا کرنے کے بعد وہ غلام آزاد ہے، ایسے غلام کو مکاتب کہتے ہیں، آگے ایسے ہی غلام کا ذکر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اس طرح کی کتابت کا چاہنے والا غلام اگر کتابت کی رقم کمانے کے قابل نظر آوے تو اس سے کتابت کا معاملہ کر لیا جاوے یہ جو فرمایا اگر کتابت کی رقم کمانے کے قابل نظر آئے تو کتابت کے چاہنے والے غلام سے کتابت کا معاملہ کر لیا جاوے، اس سے ان علماء کے قول کی بڑی تائید ہوتی ہے جو کتابت

[1] مشکوٰۃ باب الایمان بالقدر [2] مشکوٰۃ کتاب النکاح و الترغیب ص ۴۳ ج ۳۔

وَلَا تُكْرِهُوا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَاۗءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ

اور نہ زور کرو اپنی چھوکریوں پر بدکاری کے واسطے اگر وہ چاہیں قید سے رہنا کہ کمایا چاہو اسباب دنیا کی زندگانی کا

وَمَنْ يُّكْرِھْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۳۳ وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ

اور جو کوئی ان پر زور کرے تو اللہ ان کی بے بسی پیچھے بخشنے والا مہربان ہے اور ہم نے اتاریں تمہاری طرف

اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ وَّمَثَلًا مِّنَ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝۳۴

آیتیں کھلی اور ایک دستور ان کا جو ہو چکے ہیں تم سے آگے اور نصیحت ڈر والوں کو۔

کے فرض ہونے کے قائل نہیں ہیں، کیونکہ آیت میں کتابت کو آقا کی مرضی پر رکھا ہے جو کہ حکم کے فرضی ہونے کی صورت نہیں ہے پھر فرمایا کہ جب کتابت کا معاملہ ٹھہر جاوے تو ہر ایک مسلمان صدقہ خیرات کی رقم میں سے ایسے غلام کو کچھ مدد دے دلوے تا کہ یہ بے چارہ جلدی سے اپنے ذمہ کی رقم ادا کر کے آزاد ہو جاوے۔

۳۳-۳۴: صحیح مسلم، نسائی، مستدرک حاکم، مسند بزار، طبرانی وغیرہ میں جو شان نزول اس آیت کی چند روایتوں[1] سے بیان کی گئی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ اسلام سے پہلے عرب میں یہ دستور تھا کہ نوعمر چھوکریاں پال لیتے تھے اور کمائی کے طور پر پھر ان سے بدکاری کراتے تھے چنانچہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے اور اسلام پھیل گیا تو عبداللہ بن ابی منافقوں کے سردار کے پاس دو چھوکریاں تھیں انہوں نے اسلام کی صحبت پا کر بدکاری سے انکار کیا اور عبداللہ بن ابی نے ان کو بدکاری پر مجبور کیا، حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ترس کھا کر اس لونڈی کو اپنے گھر میں چھپا دیا، عبداللہ بن ابی نے بہت غُل مچایا کہ اب ہماری لونڈیوں کو بہکانے اور ضبط کرنے کی نوبت آگئی، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی، سورۃ النحل کی آیتوں اور صحیح حدیثوں میں ہے کہ جو کوئی شخص مقبول کر یا کسی زبردست کے جبر کے سبب سے کوئی بُرا کام کرے تو اس پر کچھ گناہ نہیں ہے، اس آیت اور صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ کوئی زبردست آدمی کسی کو کسی بُرے کام پر مجبور کرے تو وہ مجبور آدمی بے گناہ ہے جو کچھ وبال ہے وہ مجبور کرنے والے شخص پر ہے حاصل کلام یہ کہ سورۃ النحل کی آیتیں اور بہت سی صحیح حدیثیں فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ کی گویا تفسیر ہیں جس کا حاصل وہی ہے کہ کسی زبردست آدمی کے مجبور کرنے سے جو گناہ کیا جاوے، اس کا وبال مجبور کرنے والے شخص پر ہے، آگے فرمایا کہ قرآن کی آیتوں میں اگرچہ کھلی کھلی نصیحت ہے اور پچھلے لوگوں کے قصوں سے قرآن میں یہ بھی جگہ جگہ سمجھا دیا گیا ہے کہ جن پچھلی قوموں نے کلام الٰہی کی نصیحت کو نہیں مانا اور اللہ کے رسولوں کو جھٹلایا، وہ لوگ طرح طرح کے عذابوں سے ہلاک ہو گئے لیکن ان سب باتوں کا اثر ان ہی لوگوں کے دل پر ہوتا ہے جو ایک دن اللہ تعالیٰ کے رُوبرو کھڑے ہونے سے ڈرتے ہیں، جن لوگوں کے دل میں یہ خوف نہیں ہے ان کے حق میں یہ سب نصیحت رائگاں ہے، صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوموسیٰ اشعریؓ کی حدیث کئی جگہ گزر چکی[2] ہے جس میں اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن شریف کی نصیحت کی مثال مینہ کے پانی کی اور اچھے بُرے لوگوں کی مثال اچھی بُری زمین کی بیان فرمائی ہے، اس حدیث سے وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ کا مطلب اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اگرچہ مینہ کے پانی کی طرح قرآن عام نفع کے لئے نازل کیا گیا ہے لیکن جس طرح مینہ کے پانی سے فقط اچھی زمین

[1] تفسیر الدر المنثور ص ۴۶-۴۷ ج ۵ [2] دیکھئے جلد سوم ص ۳۰

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ

اللہ روشنی ہے آسمانوں کی اور زمین کی کہاوت اس کی روشنی کی جیسے ایک طاق اس میں چراغ چراغ دھرا ایک

زُجَاجَةٍ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا

شیشے میں شیشہ جیسے ایک تارا ہے چمکتا تیل جلتا ہے اس میں ایک برکت کے درخت سے وہ زیتون ہے نہ

شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ

سورج نکلنے کی طرف اور نہ ڈوبنے کی طرف لگتا ہے اس کا تیل کہ سلگ اٹھے ابھی نہ لگی ہو اس میں آگ روشنی پر روشنی

کو نفع پہنچتا ہے، اسی طرح قرآن کی نصیحت سے فقط وہی لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں جو قیامت کے قائل ہیں جس کے سبب سے اللہ تعالیٰ کے روبرو کھڑے ہونے کا ان کے دل میں خوف ہے۔

۳۵۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے صحیح[1] قول کے موافق اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کی تفسیر یہ ہے کہ آسمان پر فرشتے اور زمین پر نیک لوگ اللہ تعالیٰ کے نورِ ہدایت سے راہِ راست پر آئے ہیں اور صحیح مسلم کے حوالہ سے حضرت عائشہؓ کی روایت کئی جگہ گزر چکی[2] ہے کہ فرشتے نور سے پیدا کئے گئے ہیں، ترمذی، ابوداؤد وغیرہ کے حوالہ سے ابوموسیٰ اشعریؓ کی صحیح حدیث بھی کئی جگہ گزر چکی[3] ہے کہ آدم علیہ السلام کے پتلے کے لئے اللہ تعالیٰ نے تمام زمین کی مٹی لی ہے، اسی واسطے اولادِ آدم میں کوئی گورا ہے کوئی کالا، کوئی سخت مزاج ہے کوئی نرم مزاج، صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث[4] بھی کئی جگہ گزر چکی ہے کہ ساڑھے چار مہینہ کے عرصہ میں جب نطفہ سے بچہ کا پتلا ماں کے پیٹ میں تیار ہو جاتا ہے تو پھر اس میں روح پھونکی جاتی ہے، صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے حضرت علیؓ کی حدیث بھی کئی جگہ گزر چکی ہے کہ دنیا کے پیدا کرنے سے پہلے[5] علمِ غیب کے نتیجہ کے طور پر اللہ تعالیٰ نے لوحِ محفوظ میں یہ لکھ لیا ہے کہ دنیا میں پیدا ہونے کے بعد کون شخص جنت میں داخل ہونے کے قابل کام کرے گا اور کون دوزخ میں جھونکے جانے کے قابل، مسند امام احمد، ترمذی وغیرہ کے حوالہ سے عبداللہ بن عمروؓ بن العاص کی صحیح[6] حدیث بھی کئی جگہ گزر چکی ہے کہ عالمِ ارواح میں اللہ تعالیٰ نے جب سب روحوں کو پیدا کیا تو ان روحوں پر گناہوں کا اندھیرا چھایا ہوا تھا، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان روحوں پر اپنی قدرت سے ایک نور چھڑکا اور اللہ تعالیٰ کے علمِ غیب کے موافق جو لوگ دنیا میں پیدا ہونے کے بعد جنت میں داخل ہونے کے قابل کام کرنے والے تھے، ان کی روحوں پر اجالا چھا گیا اور باقی کے لوگ اندھیرے کے اندھیرے ہی میں رہے، ان آیتوں کو حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے قول اور اوپر کی حدیثوں کے ساتھ ملانے سے یہ مطلب ہوا کہ فرشتوں کی پیدائش نور سے ہے اس لئے ان پر کسی اور نورِ ہدایت کے چھڑکنے کی ضرورت نہیں ہوئی بلکہ فرشتے اپنے پیدائشی نور کے اثر سے اس طرح راہِ راست پر ہیں کہ ان میں گناہ کا کوئی مادہ تک نہیں ہے، ہاں انسان کی پیدائش پہلے آدم علیہ السلام کی مٹی کے اثر سے اور پھر نطفہ سے ہونے والی تھی، جس کے سبب سے اولادِ آدم کی روحوں پر عالمِ ارواح میں گناہوں کا اندھیرا چھایا ہوا تھا اور اگرچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے عالمِ ارواح میں سب روحوں پر اپنی قدرت سے ایک نور چھڑکا، لیکن اس نور سے فائدہ فقط ان لوگوں کی روحوں ہی کو ہوا جو اللہ تعالیٰ کے علمِ غیب کے موافق دنیا میں پیدا ہونے کے

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۲۸۹ ج ۳ [2] مشکوٰۃ ص ۸۰، جلد اول تفسیر ہذا [3] دیکھئے ص ۲۹۱ جلد ۳ [4] مشکوٰۃ ص ۲۰

[5] ایضاً [6] مشکوٰۃ ص ۲۲۔

يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ

اللہ راہ دیتا ہے اپنی روشنی کی جس کو چاہے اور بتاتا ہے اللہ کہاوتیں لوگوں کو اور اللہ سب چیز

عَلِيْمٌ ؀ۙ فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ ۙ يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ

جانتا ہے ان گھروں میں کہ اللہ نے حکم دیا ان کو بلند کرنے کا اور وہاں اس کا نام پڑھنے کا یاد کرتے ہیں اس کی وہاں صبح

بعد راہِ راست پر آنے والے تھے، ایماندار شخص کے دل میں یہ نورِ ہدایت جس طرح چمکتا ہے، آگے اس کی مثال یہ بیان فرمائی کہ ایماندار کا سینہ مشکوٰۃ کی مانند ہے اور اس کا دل ایک چمکدار شیشے کی قندیل ہے، جس قندیل میں نورِ ایمانی چراغ کی طرح روشن ہے، جس چراغ میں ایسا آبدار زیتون کا تیل جلتا ہے جو آگ کے شعلے کی طرح چمکتا ہے، کیونکہ وہ زیتون نہ تو باغ کے شرقی کونے کا ہے جس کو سہ پہر کی دھوپ نہ پہنچ سکے اور نہ غربی کونے کا ہے جس کو دوپہر سے پہلے کی دھوپ نہ پہنچ سکے، بلکہ ہر وقت کی دھوپ کھا کر وہ زیتون خوب پختہ اور اس کا پھل نہایت عمدہ ہے، آگے فرمایا اللہ کی قدرت کی اگرچہ یہ چند روشنیاں جمع ہیں لیکن ان روشنیوں سے فائدہ وہی لوگ اٹھاتے ہیں جو اللہ کے علمِ غیب میں نیک ٹھہر چکے ہیں، پھر فرمایا، قرآن میں جو مثالیں بیان کی گئی ہیں، وہ لوگوں کے سمجھانے کے لئے بیان کی گئی ہیں لیکن ان مثالوں کو سمجھ کر جو لوگ راہِ راست پر آنے والے اور مرتے دم تک جو گمراہ رہنے والے ہیں، ان کا حال اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے کیونکہ کوئی چیز اس کے علمِ غیب سے باہر نہیں ہے۔ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ سے اسی مطلب کو ادا فرمایا گیا ہے، حاصل یہ ہے کہ عالمِ ارواح میں جن لوگوں کی روحوں نے نورِ ہدایت کا حصہ پایا ہے، آیت میں ان ہی کی یہ مثال بیان فرمائی گئی ہے کہ ان کے سینے[1] کا ان کا دل تا سے جیسے چمکدار قندیل کی طرح ہے جس میں نورِ ایمان کا چراغ روشن ہے، ترمذی اور مسند امام احمد میں ابوہریرہؓ سے صحیح روایت ہے[1] اس میں بھی عالمِ ارواح کے نور کا ذکر ہے، اس حدیث کے ایک ٹکڑے کا حاصل یہ ہے کہ جس وقت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور ان کی پشت سے قیامت تک کی اولادِ آدم کی روحیں نکالیں تو ہر ایک انسان کی پیشانی پر ایک طرح کا نور تھا۔ یہ نور فطرتِ اسلام کا نور ہے جس کا ذکر صحیح بخاری و مسلم میں ان ہی ابوہریرہؓ کی روایت[2] میں ہے، حاصل کلام یہ ہے کہ عبداللہ بن عمروؓ بن العاص کی روایت میں جس نورِ ہدایت کا ذکر ہے وہ نور جدا ہے اور ابوہریرہؓ کی روایت میں جس فطرتِ اسلام کے نور کا ذکر ہے وہ نور جدا ہے، جو بچہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے وہ فطرتِ اسلام کے نور پر پیدا ہوتا ہے اور صحیح مسلم کی ابوہریرہؓ کی حدیث[3] کے موافق بچہ کی زبان کے کھلنے تک اس نور کا اثر باقی رہتا ہے اس کے بعد وہ ماں باپ جیسا ہو جاتا ہے، نورِ ہدایت کا اثر مرتے دم تک رہتا ہے، یہ تو ان دونوں نوروں کا دنیاوی فرق ہوا، عالمِ ارواح میں آدم علیہ السلام کے فطرتِ اسلامی کے سبب سے ہر ایک انسان کی پیشانی پر ایک طرح کا نور پایا جس کا ذکر ترمذی کی ابوہریرہؓ کی اوپر کی صحیح روایت میں ہے اور نورِ ہدایت کے سبب سے بعضوں کو نورانی شکل اور بعضوں کا چہرہ سیاہ پایا جس کا ذکر مسند امام احمد میں ابو درداءؓ کی معتبر روایت سے ہے، عرب لوگ اپنے گھروں کی دیوار میں چراغ رکھنے کا ایک طاق بنا لیتے تھے، اسی کو مشکوٰۃ کہتے ہیں۔

۳۶-۳۸: عمرو بن میمون کوفی ثقہ تابعیوں میں ہیں، حدیث کی سب کتابوں میں ان سے روایت ہے، یہ عمرو بن میمون کہتے ہیں کہ اکثر صحابہؓ بیوت کی تفسیر مساجد کی بیان کیا کرتے تھے، صحابہؓ کی اس تفسیر کے موافق حاصل مطلب آیت کا یہ ہے کہ عالمِ ارواح کے نورِ ہدایت کی

[1] مشکوٰۃ مع تنقیح الرواۃ ص ۲۸ ج ۱ [2] ایضاً [3] ایضاً [4] مشکوٰۃ مع تنقیح الرواۃ ص ۳۰ ج ۱

وَالْاٰصَالِ ﴿۳۶﴾ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ

اور شام وُہ مرد کہ نہیں غافل ہوتے سودا کرنے میں نہ بیچنے میں اللہ کی یاد سے اور نماز کھڑی رکھنے سے

وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ﴿۳۷﴾ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ

اور زکوٰۃ دینے سے ڈر رکھتے ہیں اس دن کا جس میں اُلٹے جاویں گے دل اور آنکھیں کہ بدلہ دے اُن کو اللہ

اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۸﴾

ان کے بہتر سے بہتر کاموں کا اور بڑھتی دے ان کو اپنے فضل سے اور اللہ روزی دیتا ہے جس کو چاہے بے شمار۔

جو روشنی ہر ایک ایماندار شخص کے دل میں ہے، اس کا حال تو اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے کیونکہ آدمی کے دل کا حال سوائے اس کے اور کوئی نہیں جانتا، ہاں جو لوگ قیامت کے دن کی آفتوں سے ڈر کر مسجدوں میں نماز کے لئے اس طرح وقت پر حاضر ہوتے ہیں کہ دُنیا کی کوئی سوداگری ان کو اس حاضری سے باز نہیں رکھ سکتی اور زکوٰۃ کے وقت شریعت کے حکم کے موافق یہ لوگ زکوٰۃ بھی ادا کرتے ہیں تو یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ ان لوگوں کے دل میں عالم ارواح کے نورِ ہدایت کی پوری روشنی باقی ہے، پھر فرمایا، یہ لوگ جو نیک کام کرتے ہیں وُہ کسی کے دکھاوے کے لئے نہیں کرتے بلکہ ان کا ہر ایک نیک کام اس نیت سے ہوتا ہے کہ بارگاہِ الٰہی سے قیامت کے دن اس نیک کام کا اچھا بدلہ عطا ہو اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اور کچھ زیادہ بھی ان کو دلیوے جو نیک عمل کی جزا سے بڑھ کر ہو، دس گنے سے لے کر سات سو تک اور بعض نیکیوں کی اس سے بھی زیادہ بدلہ کی صحیح روایتیں جو کئی جگہ گزر چکی ہیں، وُہ روایتیں اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا کی گویا تفسیر ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ نیت کے خالص ہونے کے حساب سے جس قدر بہتر عمل ہوگا، اس سے بہتر بدلہ ملے گا، ان نیک لوگوں کی امید کو پورا کرنے کے لئے آخری آیت میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ایسا ہی بڑا ہے کہ قیامت کے دن وُہ جس کو چاہے گا نیک عملوں کی جزا سے بڑھ کر نعمتیں عطا فرماوے گا، صحیح مسلم، مسند امام احمد اور ابن ماجہ میں ابوہریرہؓ اور بریدہؓ سے جو روایتیں[1] ہیں ان میں اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے فرمایا جو شخص ایسا دکھائی دیوے، جو مسجد میں آوازیں دے کر اپنے بھاگے ہُوئے اونٹ کو بلا رہا ہو تو اس کے حق میں یہ بددُعا کرنی چاہیئے، خدا کرے کہ ان کا اونٹ ہمیشہ بھاگا ہُوا رہے اور یہ بددُعا اس لئے کی جاوے، کہ مسجدیں اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے بنائی گئی ہیں، دُنیا کے کاموں کے لئے نہیں بنائی گئیں، آیت میں مسجدوں کو عالمِ ارواح کے نورِ ہدایت کے ظاہر ہونے کی جگہ جو فرمایا، اس کا مطلب ان روایتوں سے اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ مسجدیں ایسے ہی کاموں کے لئے بنائی گئی ہیں جو عالم ارواح کے نورِ ہدایت کے موافق ہیں، صحیح بخاری و مسلم میں ابوسعید خدریؓ سے روایت[2] ہے جس میں اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب جنتیوں کو سب طرح کی نعمتیں جنت میں مل چکیں گی اور جنتی ان نعمتوں سے خوش ہو جاویں گے تو اللہ فرمائے گا، نیک عملوں کی جزا سے بڑھ کر تمہارے حق میں اللہ تعالیٰ کا ایک یہ فضل ہے کہ اب اللہ تعالیٰ ہمیشہ تم سے راضی اور خوش رہے گا، کبھی ناخوش نہ ہوگا، غلام کے لئے ہمیشہ کی آقا کی طرف سے خوشنودی کی خوشخبری ایک بے بدل نعمت ہے، اس لئے یہ نعمت تمام نیک عملوں کی جزا سے بڑھ کر ایک نعمت شمار کی جاوے گی، آیت میں نیک عملوں کی جزا سے بڑھ کر اللہ کے فضل کا جو ذکر ہے، یہ حدیث گویا اس کی تفسیر ہے۔

[1] ابن کثیر ص ۲۹۲ ج ۳ [2] مشکوٰۃ ص ۴۹۷ باب صفۃ الجنۃ واہلہا۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ۭ حَتّٰٓي اِذَا

اور جو لوگ منکر ہیں ان کے کام جیسے ریت جنگل میں پیاسا جانے اس کو پانی یہاں تک کہ جب

جَاۗءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْــــًٔا وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ۭ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ

پہنچا اس پر اس کو کچھ نہ پایا اور اللہ کو پایا اس کے پاس پھر اس کو پورا پہنچا دیا اس کا لکھا اور اللہ جلد لینے والا ہے

الْحِسَابِ ۝۳۹ اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَّغْشٰـىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ

حساب - یا جیسے اندھیرے گہرے دریا میں چڑھی آتی ہے اس پر ایک لہر، اس پر ایک لہر

۳۹-۴۰: عالم ارواح میں جن لوگوں نے نورِ ہدایت کا حصہ پایا، اوپر ان کے نیک عملوں کا ذکر تھا کہ قیامت کے دن ان کے نیک عملوں کا اچھا بدلہ ملے گا اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ایسے لوگوں کو کچھ زیادہ بھی دیوے گا جو نیک عملوں کی جزا سے بڑھ کر ہوگا اب ان آیتوں میں ان لوگوں کے عملوں کی دو مثالیں بیان فرمائیں جو عالم ارواح میں نورِ ہدایت کے حصہ سے محروم رہے، پہلی مثال کا حاصل یہ ہے کہ جس طرح کوئی پیاسا مسافر دوپہر کی دھوپ میں جنگل کی چمکتی ہوئی ریت کو دور سے پانی کی ندی خیال کرتا ہے، اور جب اس ریت کے پاس پہنچتا ہے تو وہاں پانی کا پتہ بھی نہیں ہوتا، آخر وہ پیاسا مرجاتا ہے، اسی طرح یہ مشرک لوگ جن اچھے لوگوں کی مورتوں کی پوجا کرکے یہ گمان کرتے ہیں کہ اگر قیامت قائم ہوئی تو وہ اچھے لوگ اپنے پوجا کرنے والوں کی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سفارش کرکے ان کو عذاب دوزخ سے بچالیں گے، لیکن قیامت کے دن جب وہ اچھے لوگ ان مشرکوں کی صورت سے بیزار ہوجاویں گے تو وقت پر یہ ایسا ہی پچھتاویں گے جس طرح وہ پیاسا مسافر جنگل کی چمکتی ہوئی ریت کے پاس پہنچ کر پچھتاتا ہے اور جس طرح پچھتانا اس کے کچھ کام نہ آیا، وہی حال قیامت کے دن ان لوگوں کا ہوگا، کیونکہ ادھر تو سوائے اللہ تعالیٰ کے جن کی یہ پوجا کرتے تھے وہ ان سے بیزار ہوجاویں گے اور ادھر اللہ تعالیٰ کے روبرو کھڑے ہوکر شرک کا پورا حساب دینا پڑے گا اور دنیا کی جس زندگی کے نشہ میں یہ لوگ حساب کتاب کے دن کو جھٹلاتے تھے، جب وہ دن ان کی آنکھوں کے سامنے آجاوے گا تو دنیا کی زندگی کو ایک دن یا پہر دو پہر کی زندگی خیال کریں گے اور پھر بے وقت یہ بات ان کی سمجھ میں اچھی طرح آجاوے گی کہ جس حساب کتاب کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کی معرفت فرمایا تھا، دنیا کی ناپائیدار زندگی کے حساب سے بہت ہی جلد گویا ایک دن یا پہر دو پہر میں اس وعدہ کا ظہور سر پر آگیا، صحیح مسلم کے حوالہ سے عبداللہ بن عمرو بن العاص کی روایت کئی جگہ گزر چکی ہے کہ دنیا پیدا کرنے سے پچاس ہزار برس پہلے دنیا میں جو کچھ ہونے والا تھا اپنے علم غیب کے نتیجہ کے طور پر وہ سب اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں لکھ لیا ہے اس حدیث سے وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ کا مطلب اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم غیب کے آگے دنیا کے پیدا ہونے سے پچاس ہزار برس پہلے جب تمام دنیا کے حساب کتاب کا لوح محفوظ میں لکھا جانا کچھ دیر طلب کام نہیں تھا تو دنیا کے پیدا ہوجانے اور ہر ایک کام کے ظہور کے بعد دنیا بھر کے نیک و بد کا حساب کتاب اس کے علم غیب کے آگے کون سا دیر طلب کام ہوسکتا ہے، دوسری مثال کا حاصل یہ ہے کہ جس طرح کوئی کشتی کا مسافر گہرے دریا کی گہرائی کے اندھیرے میں علاوہ موجوں اور گہرے ابر کے ایسے اندھیرے میں پھنس جاوے کہ اندھیرے کے مارے اس کو اپنا ہاتھ تک نہ سوجھے، اسی طرح یہ مشرک لوگ عالم ارواح میں نورِ ہدایت کے حصہ سے محروم رہے، اسی سبب سے دنیا میں

فَوْقِهٖ سَحَابٌ ؕ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ؕ اِذَآ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا ؕ وَ

اس کے اوپر بدلی اندھیرے ہیں ایک پر ایک ۔ جب نکالے اپنا ہاتھ لگتا نہیں کہ اس کو سوجھے اور

مَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ﴿۴۰﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ

جس کو اللہ نے نہ دی روشنی اس کو کہیں نہیں ہے روشنی تو نے نہ دیکھا کہ اللہ کی یاد کرتے ہیں جو کوئی ہیں آسمان

وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ ؕ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۴۱﴾

اور زمین میں اور اڑتے جانور پر کھولے ۔ ہر ایک نے جان رکھی ہے اپنی طرح کی بندگی اور یاد اور اللہ کو معلوم ہے جو کرتے ہیں۔

ع ۵ ۱۱

شرک کی جہالت کا اندھیرا ان کے دل پر زندگی بھر چھایا رہا۔ پھر مرنے کے بعد دوزخ کے اندھیرے میں جا پڑیں گے، حاصل یہ ہے کہ ہر حال میں ایسے لوگوں پر اندھیرے کے بادل چھائے ہوئے ہیں، آخر کو فرمایا جو لوگ اللہ تعالیٰ کے علم غیب کے موافق نور ہدایت سے محروم ہیں ان کا انجام بھی اندھیرے کے بادل ہیں، عالم ارواح میں ایسے لوگوں کا اندھیرے میں رہ جانے کا حال تو صحیح روایتوں کے حوالہ سے ابھی اوپر گذر چکا ہے، ترمذی، نسائی وغیرہ کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی صحیح روایت کئی جگہ گزر چکی ہے کہ بغیر توبہ کے گناہ پر گناہ کرنے سے آدمی کے دل پر زنگ کی طرح کا اندھیرا چھا جاتا ہے، دوزخ کی آگ کے سیاہ ہونے کے حال میں ترمذی مستدرک حاکم وغیرہ کی انس بن مالک کی صحیح روایت[۱] کئی جگہ گزر چکی ہے، ان روایتوں کو ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل وہی ہے جو اوپر بیان کیا گیا کہ ایسے لوگ نور ہدایت کے حصہ سے محروم رہ کر عالم ارواح کے اندھیرے میں رہے اور پھر بغیر توبہ کے شرک کا اندھیرا ان کے دل پر زندگی بھر چھایا رہا اور مرنے کے بعد دوزخ کی سیاہ آگ کے اندھیرے میں جا پڑے۔

۴۱ - ۴۲: مجاہد کے قول کے موافق نماز کا حکم انسان کے حق میں ہے اور حسب حال یاد الٰہی کا حکم باقی کی مخلوقات کے حق میں ہے، قرآن شریف میں تسبیح کا ذکر بعضے جگہ تسبیح کا لفظ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ آسمان و زمین کی کل چیزیں اپنی اپنی زبان میں ہر وقت اللہ کو یاد کرتی اور اس کے نام کی تسبیح پڑھتی ہیں، بعض مفسروں نے یہ جو لکھا ہے کہ جنات اور انسان کے سوائے اور مخلوقات کی تسبیح زبان حال سے ہے، زبان قال سے نہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ سوائے جنات اور انسان کے اور مخلوقات کی تسبیح میں کسی طرح کی گویائی نہیں ہے بلکہ یہ مخلوقات اللہ تعالیٰ کے حکم کی جو تابع ہے اس مخلوقات کی یہی حالت اس کی تسبیح ہے، ان مفسروں کا یہ قول بعض صحیح روایتوں کے برخلاف ہے چنانچہ مثلاً صحیح بخاری و مسلم میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے[۲] روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ایک روز اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر دو قبروں پر ہوا اور آپ نے فرمایا کہ ان دونوں قبروں میں جو مُردے دفن ہیں ان پر عذاب قبر ہو رہا ہے یہ فرما کر آپ نے ایک ہری ٹہنی درخت کی لی اور اس کی دو شاخیں کیں، اور یہ دونوں ان دونوں قبروں پر لگا کر فرمایا کہ جب تک یہ شاخیں ہری رہیں گی، شاید ان مردوں کے عذاب قبر میں کچھ تخفیف ہو جاوے گی اس حدیث سے یہ مطلب اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے کہ ہرے درخت کی ٹہنی جب تک ہری رہتی ہے تو وہ اپنی زبان کی ایک طرح کی خاص گویائی سے اللہ کی یاد کرتی ہے اور یہی یاد الٰہی ان دونوں شاخوں کی تسبیح تھی جس کی برکت سے عذاب قبر میں تخفیف ہوئی

[۱] نیز دیکھئے الترغیب والترہیب ص ۴۶۴ ج ۲۶۴ [۲] مشکوٰۃ باب آداب الخلاء۔

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۴۲﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزْجِيْ سَحَابًا

اور اللہ کی حکومت ہے آسمان اور زمین میں اور اللہ ہی تک پھر جانا ہے تو نے نہ دیکھا کہ اللہ ہانک لاتا ہے بادل

ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهٗ ثُمَّ يَجْعَلُهٗ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ وَيُنَزِّلُ

پھر ان کو ملاتا ہے پھر ان کو رکھتا ہے تہ بر تہ پھر تو دیکھے مینہ نکلتا ہے اس کے بیچ میں سے اور اتارتا ہے

اگر زبانِ حال کی تسبیح شریعت میں مقصود ہوتی، تو ان دونوں شاخوں کے سوکھ جانے کے بعد بھی ان کی تسبیح اور عذابِ قبر کی تخفیف باقی رہ سکتی تھی، صحیح بخاری میں عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت[1] ہے کہ کھانا کھاتے وقت ہم صحابہ لوگ کھانے کی چیزوں کی تسبیح کی آواز سُنا کرتے تھے، اس روایت سے یہ مطلب اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے کہ ان کھانے کی چیزوں کی تسبیح زبانِ حال سے نہیں تھی بلکہ اتنی گویائی کی آواز سے تھی جو آواز صحابہؓ کے کانوں میں آیا کرتی تھی، حاصل مطلب آیت کا یہ ہے کہ آسمان و زمین میں اکیلے اللہ کی حکومت ہے اس کی حکومت میں کوئی اس کا شریک نہیں، اس لئے آسمان پر فرشتے زمین پر جنات اور انسان اور آسمان و زمین کے درمیان اڑتے ہوئے جانور اپنی زبان میں اللہ کی یاد میں ہر وقت لگے ہوئے ہیں، سورۃ النحل میں گزر چکا ہے کہ جو لوگ خوشی سے خالص اللہ کی یاد اور اس کی بندگی نہیں کرتے، دوپہر سے پہلے سیدھے ہاتھ کی طرف اور دوپہر کے بعد الٹے ہاتھ کی طرف ان کا سایہ جو آجاتا ہے، سایہ کے ذریعے سے ایسے لوگوں کے پیچھے بھی اللہ کی بندگی لگی ہوئی ہے وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِمَا يَفْعَلُوْنَ اس کا مطلب یہ ہے کہ پہاڑ اور درخت جب سب ناسمجھ چیزیں اپنے پیدا کرنے والے کو پہچان کر ہر وقت اس کی تعظیم اور بندگی میں لگی ہوئی ہیں، بنی آدم میں کے وہ لوگ جو اپنے آپ کو سمجھ دار کہتے ہیں اور اپنے پیدا کرنے والے کی تعظیم میں دوسروں کو شریک کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کو ان کے سب کام معلوم ہیں، وقت مقررہ پر ایسے لوگوں کو اپنے عملوں کی پوری سزا بھگتنی پڑے گی، صحیح مسلم کے حوالہ سے ابوموسیٰ اشعریؓ کی حدیث کئی جگہ گزر چکی ہے کہ لوگوں کے رات کے عمل دن سے پہلے اور دن کے عمل رات سے پہلے ہر روز اللہ تعالیٰ کے ملاحظہ میں پیش ہوتے رہتے ہیں، اسی طرح صحیح مسلم کے حوالہ سے عبداللہ بن عمروؓ بن العاص کی حدیث[2] بھی کئی جگہ گزر چکی ہے کہ دنیا کے پیدا کرنے سے پچاس ہزار برس پہلے دنیا میں جو کچھ ہونے والا تھا، اپنے علمِ غیب کے نتیجہ کے طور پر وہ سب اللہ تعالیٰ نے لوحِ محفوظ میں لکھ لیا ہے ان حدیثوں کو وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِمَا يَفْعَلُوْنَ کے ساتھ ملانے سے یہ مطلب ہوا کہ دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے، اگرچہ دنیا کے پیدا ہونے سے پہلے بھی وہ اللہ تعالیٰ کے علمِ غیب سے باہر نہیں تھا، لیکن بنظرِ انصاف جزا و سزا کے فیصلہ کا مدار اللہ تعالیٰ نے اپنے علمِ غیب پر نہیں رکھا بلکہ علم کے ظہور پر رکھا ہے اور اس ظہور کے ہر وقت ملاحظہ فرمانے کا یہ انتظام قرار دیا کہ صبح و شام لوگوں کے اعمال نامے ملاحظہ فرمائے جاتے ہیں وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علمِ غیب کے ظہور کے موافق ہر روز صبح و شام لوگوں کے اعمال جو اللہ تعالیٰ کے ملاحظہ میں پیش ہوتے ہیں، ان کے موافق ہر ایک شخص کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے روبرو جوابدہی کرنی پڑے گی اور پھر جزا و سزا کا فیصلہ ہوگا۔

۴۳-۴۴: اوپر کی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ آسمان و زمین میں اکیلے اللہ کی حکومت ہے، اس کی حکومت میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے، ان آیتوں میں اس حکومت کی یہ مثال بیان فرمائی جس کا حاصل یہ ہے کہ تمام دنیا کی زندگی کا دار و مدار زمین کی

[1] مشکوٰۃ ص ۵۳۸ باب المعجزات [2] مشکوٰۃ باب الایمان بالقدر۔

مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ فِيهَا مِنْ بَرَدٍ فَيُصِيبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَيَصْرِفُهٗ

آسمان سے اس میں جو پہاڑ ہیں اولوں کے پھر وہ ڈالتا ہے جس پر چاہے اور بچا دیتا ہے

عَنْ مَّنْ يَّشَآءُ ۭ يَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ يَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ ﴿۴۳﴾ يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيْلَ وَ

جس سے چاہے ۔ ابھی اس کی بجلی کی کوند لے جاوے آنکھیں ۔ اللہ بدلتا ہے رات اور

النَّهَارَ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ﴿۴۴﴾

دن اس میں دھیان کی جگہ ہے آنکھ والوں کو ۔

پیداوار پر اور زمین کی پیداوار کا دارومدار مینہ کے برسنے پر ہے۔ ان مشرکوں کا یہ جو اعتقاد ہے کہ تاروں کی گردش سے مینہ برستا ہے مکہ کے قحط کے وقت ان کو اپنے اس اعتقاد کی غلطی اچھی طرح معلوم ہو گئی کہ اللہ کے رسول کی دُعا پر جب اللہ کا حکم ہُوا تو مینہ برسا بغیر اللہ کے حکم کے نہ تاروں کی گردش کچھ کام آئی نہ ان مشرکوں کے بُت کچھ کام آئے۔ مشرکین مکہ کا یہ جو اعتقاد تھا کہ تاروں کی گردش سے مینہ برستا ہے، صحیح بخاری و مسلم کی زیدؓ بن خالد جہنی کی روایت کے حوالہ سے اس کا ذکر ایک جگہ[1] گزر چکا ہے، مکہ کے قحط کا قصہ بھی عبداللہؓ بن مسعود کی صحیح بخاری کی روایت کے حوالہ سے کئی جگہ[2] بیان کر دیا گیا ہے۔ حاصل مطلب آیتوں کا یہ ہے کہ اللہ ہی کی حکومت کا یہ اثر سب کی آنکھوں کے سامنے ہے کہ دُنیا بھر میں جہاں اس کو مینہ برسانا منظور ہوتا ہے، ہوا اس کے حکم سے بادل کے ٹکڑوں کو وہاں لے جاتی ہے اور پھر ان ٹکڑوں کو جوڑ کر اور تہ بتہ کیا جا کر جتنی دُور تک حکم ہوتا ہے اتنی دُور تک گہرا بادل چھا جاتا ہے اور اس بادل میں سے مینہ برستا ہے جس سے ہر طرح کی پیداوار اناج اور میووں کی سال بسال ہو جایا کرتی ہے، ایک سال بھی وقت پر مینہ نہیں برستا، تو کھیتیاں، باغ سب خشک ہو جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی حکومت میں کسی کا اتنا بس نہیں چلتا کہ وہ اس خشک سالی کی بلا کو ٹال دے، آگے فرمایا جن کھیتوں یا باغوں پر اللہ تعالیٰ کو اولوں کی بلا کا بھیجنا منظور ہوتا ہے تو آسمان سے وہ برف کی سلیں کی سلیں بادلوں میں بھیج دیتا ہے جس سے اولے پڑ کر وہ کھیت اور باغ اجڑ جاتے ہیں اور سوائے اللہ کے اس بلا کو کوئی نہیں ٹال سکتا، پھر فرمایا اس اولے والے بادل میں بجلی کی چمک اس غضب کی ہوتی ہے کہ جس سے آدمی کی آنکھیں بند ہو جاتی ہیں، جس طرح اب فارسی اردو کے شاعر اپنے شعروں میں گردشِ زمانہ کی شکایت باندھتے ہیں، عرب کے شاعروں کی بھی یہی عادت تھی، اسی کو فرمایا گردشِ زمانہ رات دن کی الٹ پلٹ کا نام ہے اور رات دن کی یہ الٹ پلٹ کہ کبھی رات ہے اور کبھی دن اللہ کے حکم سے ہے، صحیح بخاری و مسلم میں ابوہریرہؓ کی روایت[3] سے حدیث قدسی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا، جو لوگ گردشِ زمانہ کو بُرا کہتے ہیں وہ گویا مجھ کو بُرا کہتے ہیں کیونکہ گردشِ زمانہ میری قدرت کی نشانیوں کا نام ہے۔ اس حدیث سے يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ کا مطلب اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ رات دن کا ہیر پھیر اور اس ہیر پھیر میں رات دن جو کچھ ہوتا ہے وہ سب کچھ اللہ کے حکم سے ہے اور رات دن کی ہیر پھیر کا نام ہی گردشِ زمانہ ہے تو کفر کی رسم کے موافق کسی ایماندار آدمی کو جائز نہیں ہے کہ وہ گردشِ زمانہ کو بُرا کہے، صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوموسیٰ اشعری کی روایت کئی جگہ گزر چکی[4] ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن شریف کی نصیحت کی مثال مینہ کے پانی کی اور اچھے بُرے لوگوں کی مثال اچھی بُری زمین کی فرمائی ہے اس حدیث سے اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ کا مطلب اچھی

[1] ص ۲۲ ج ۳ تفسیر ہذا [2] مثلاً دیکھیے ص ۳۱۴ ج ۳ تفسیر ہذا۔ [3] مشکوٰۃ ص ۱۳ کتاب الایمان [4] مثلاً ص ۳۰ ج ۳ تفسیر ہذا۔

وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ

اور اللہ نے بنایا ہر پھرنے والا ایک پانی سے۔ پھر کوئی ہے کہ چلتا ہے اپنے پیٹ پر اور کوئی ہے کہ

يَّمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰٓى اَرْبَعٍ ۭ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَاۗءُ ۭ

چلتا ہے دو پاؤں پر اور کوئی ہے کہ چلتا ہے چار پر بناتا ہے اللہ جو چاہتا ہے

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴۵﴾

بے شک اللہ ہر چیز کر سکتا ہے۔

طرح سمجھ میں آجاتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ قرآن کی آیتوں میں اللہ کی قدرت کی نشانیاں جو بیان کی جاتی ہیں، اگرچہ وہ سب کی آنکھوں کے سامنے ہیں لیکن ان نشانیوں کو عبرت کی نظر سے وہی لوگ دیکھتے ہیں جن کی آنکھوں پر غفلت کا پردہ نہیں ہے ورنہ جن لوگوں کی آنکھوں پر غفلت کا پردہ پڑا ہوا ہے ان کے حق میں وہ قدرت کی نشانیاں ایسی ہی رائگاں ہیں جس طرح بری زمین میں مینہ کا پانی رائگان جاتا ہے، سورۃ الرعد میں بجلی کا حال گزر چکا ہے۔

۴۵۔ مسند احمد اور ترمذی میں ابو رزین العقیلی سے صحیح روایت[1] ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، عرش کی پیدائش، عرش کے مابعد کی سب مخلوقات کی پیدائش سے مقدم ہے لیکن پانی کی پیدائش عرش کی پیدائش سے بھی پہلے ہے، تفسیر سدی میں چند روایتیں اسی مضمون کی اور بھی ہیں، ان روایتوں سے علماء نے یہ مطلب نکالا ہے کہ نطفہ سے جو پیدائش کا سلسلہ شروع ہوا ہے اس سلسلہ سے پہلے ہی ہر چیز کی پیدائش میں پانی کا دخل ضرور ہے جیسے مثلاً آدم علیہ السلام کی پیدائش نطفہ کی پیدائش سے مقدم ہے لیکن اُن کے پتلے کا گارا پانی اور مٹی سے بنایا گیا ہے چنانچہ ترمذی، نسائی، صحیح ابن حبان اور مسند بزار میں ابوہریرہؓ کی صحیح روایت[2] میں اس کا ذکر تفصیل سے ہے، پیٹ کے بل چلنے والوں میں سانپ اور مچھلی اور دو پیروں پر چلنے والوں میں انسان اور پرند اور چار پیروں پر چلنے والوں میں چوپائے، پھر فرمایا اللہ تعالیٰ بناتا ہے جو چاہتا ہے مثلاً مکڑی کو اس نے چار پیروں سے زیادہ کا جانور بنایا، آخر کو فرمایا اللہ ہر چیز کر سکتا ہے، کسی طرح کی مخلوق کا پیدا کرنا اس کی قدرت سے باہر نہیں ہے، صحیح بخاری و مسلم میں انس بن مالک سے روایت[3] ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ سورۃ الفرقان کی آیت اَلَّذِيْنَ يُحْشَرُوْنَ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اِلٰى جَهَنَّمَ جب نازل ہوئی اور پڑھی گئی جس کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن نافرمان لوگوں کو میدانِ محشر میں منہ کے بل چلایا جا کر دوزخ تک پہنچایا جاوے گا تو ایک شخص نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ منہ کے بل کیونکر چلیں گے، آپ نے فرمایا جس صاحب قدرت نے دنیا میں دو پیروں پر چلایا وہ منہ کے بل چلانے پر بھی قادر ہے، صحیح مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی روایت[4] کئی جگہ گزر چکی ہے کہ جو لوگ قیامت کے دن اپنے گناہوں کا انکار کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے منہ پر خاموشی کی مہر لگا کر ان کے ہاتھ پیروں سے زبان کا کام لے گا جس سے آدمی کے ہاتھ پیروں میں زبان کی سی گویائی پیدا ہو جاوے گی اور وہ آدمی کے گناہوں کی پوری گواہی ادا کریں گے۔ ان حدیثوں سے اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ کا مطلب اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جو صاحب قدرت انسان کو منہ کے بل

---

[1] مشکوٰۃ ص ۵۰۹ و تفسیر ابن کثیر ص ۴۳۷ ج ۲ [2] فتح الباری ص ۲۱۹ ج ۳ کتاب الانبیاء [3] مشکوٰۃ ص ۴۸۳ باب الحشر

[4] مشکوٰۃ ص ۴۸۵ باب الحساب والقصاص والمیزان۔

لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ ؕ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۴۶﴾

ہم نے اتاریں آیتیں کھول بتانے والی اور اللہ چلا دے جس کو چاہے سیدھی راہ پر

وَيَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُوْلِ وَاَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ

اور لوگ کہتے ہیں ہم نے مانا اللہ کو اور رسول کو اور حکم میں آئے پھر پھر جاتا ہے ایک فرقہ ان میں سے اس کے

ذٰلِكَ ؕ وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾

پیچھے اور وہ لوگ نہیں ماننے والے۔

چلانے پر اور ہاتھ پیروں سے زبان کا کام لینے پر قادر ہے وہ جو چاہے کر سکتا ہے کوئی چیز اس کی قدرت سے باہر نہیں۔

۴۶: صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے حضرت علیؓ کی حدیث[1] کئی جگہ گزر چکی ہے کہ دُنیا کے پیدا کرنے سے پہلے اپنے علمِ غیب کے نتیجہ کے طور پر اللہ تعالیٰ نے لوحِ محفوظ میں یہ لکھ لیا ہے کہ دُنیا میں پیدا ہونے کے بعد کتنے آدمی جنت میں جانے کے قابل کام کریں گے اور کتنے آدمی دوزخ میں جھونکے جانے کے قابل، اب جس قابل جو پیدا ہُوا ہے ویسے ہی وُہ کام کرتا ہے، اس حدیث کو آیت کے ساتھ ملانے سے یہ مطلب ہُوا کہ اگرچہ قرآن کی آیتوں میں ہر طرح کی کھلی کھلی نصیحت ہے لیکن اس نصیحت سے راہِ راست پر آنے کا وہی لوگ قصد کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے علمِ غیب میں نیک ٹھہر چکے ہیں اور ان ہی لوگوں کو اللہ تعالیٰ راہِ راست پر آنے اور اس پر قائم رہنے کی توفیق بھی دیتا ہے اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے علمِ غیب میں بد اور دوزخ میں جھونکے جانے کے قابل قرار پا چکے ہیں وُہ خود تو راہِ راست پر آنے کا قصد نہیں کرتے اور زبردستی کسی کو راہِ راست پر لانا اللہ تعالیٰ کو منظور نہیں ہے کیونکہ اس نے اپنے علمِ غیب کے ظہور کے طور پر نیک و بد کے امتحان کے لئے دُنیا کو پیدا کیا ہے، مجبور کر کے کسی کو راہِ راست پر لانا انتظامِ الٰہی کے برخلاف ہے۔

۴۷: اوپر ذکر تھا کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے علمِ غیب میں بد اور دوزخ میں جھونکے جانے کے قابل قرار پا چکے ہیں، وُہ خود تو راہِ راست پر آنے کا قصد نہیں کرتے اور کسی کو زبردستی راہِ راست پر لانا اللہ تعالیٰ کو منظور نہیں ہے، طبرانی کبیر اور مسند بزار میں معتبر سند سے عمران بن حصین کی حدیث[2] ہے جس میں اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، منافق لوگ ظاہر میں مسلمانوں کے سے عمل کرتے ہیں اور ان کے دل میں دغابازی بسی ہوتی ہے اس لئے بہ نسبت کھلے کھلے کافروں کے زبان دراز منافق کی باتوں سے دھوکے میں آجانے کا بڑا خوف ہے حاصل کلام یہ ہے کہ اوپر یہ بد لوگوں کا ذکر فرما کر ان آیتوں میں منافقوں کا ذکر جو شروع فرمایا اب اس کا سبب اس حدیث سے اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ منافقوں کے دل میں کھوٹ ہوتی ہے اور دل کا حال سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کو معلوم نہیں، اسی واسطے بغیر اللہ تعالیٰ کی مدد کے منافقوں کی شرارت سے بچنا دشوار ہے، چنانچہ حضرت عائشہؓ پر جو طوفان اٹھایا گیا وُہ منافقوں کی شرارت کا نتیجہ تھا، آخر اللہ تعالیٰ کی مدد سے وُہ طوفان مٹا، حاصل مطلب آیت کا یہ ہے کہ کھلے کھلے منکر شریعت لوگوں کے علاوہ بعضے دھوکے باز لوگ ایسے بھی ہیں جو زبان سے اللہ اور رسُول کی فرمانبرداری کا اقرار کرتے ہیں لیکن ان کے دل میں دغابازی بسی ہوتی ہے اس لئے یہ انکا زبانی اقرار جھوٹا ہے اور اس اوپرے دل کی فرمانبرداری کے اقرار سے یہ لوگ مسلمان نہیں ٹھہر سکتے ہیں صحیح مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی حدیث[3] کئی جگہ گزر چکی ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ کی نظر آدمی کی

[1] مشکوٰۃ باب الایمان بالقدر [2] مجمع الزوائد ص ۱۸۷ جلد اول [3] مشکوٰۃ باب الریاء والسمعۃ

وَاِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَاِنْ

اور جب ان کو بلائیے اللہ اور رسول کی طرف کہ ان میں قضیہ چکا دے تب ہی ایک فرقہ کے لوگ ان میں منہ موڑتے ہیں اور اگر ان کو

يَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ يَاْتُوْٓا اِلَيْهِ مُذْعِنِيْنَ ﴿۴۹﴾ اَفِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَمِ ارْتَابُوْٓا اَمْ يَخَافُوْنَ

کچھ پہنچتا ہو چلے آویں اس کی طرف قبول کر کر کیا ان کے دل میں روگ ہے یا دھوکے میں پڑے ہیں یا ڈرتے ہیں

اَنْ يَّحِيْفَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُوْلُهٗ ؕ بَلْ اُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۵۰﴾ اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ

کہ بے انصافی کرے گا ان پر اللہ اور اس کا رسول کوئی نہیں وہی لوگ بے انصاف ہیں ایمان والوں کی بات یہ تھی

اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ

جب بلائیے ان کو اللہ اور رسول کی طرف فیصلہ کرنے کو ان میں کہ کہیں ہم نے سنا اور حکم مانا اور وہ لوگ

ظاہری حالت پر نہیں ہے بلکہ اس کی نظر آدمی کے دل پر ہمیشہ لگی رہتی ہے، اس حدیث کو آیت کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نظر آدمی کے دل پر لگی رہتی ہے اور منافقوں کی فرمانبرداری کا اثر ان کے دل میں کچھ نہیں ہوتا اس واسطے اللہ تعالیٰ کے نزدیک منافقوں کا شمار مسلمانوں میں نہیں ہے۔

۴۸-۵۲: تفسیر ابن المنذر، عبد بن حمید اور ابن ابی حاتم میں حضرت حسن بصری کی روایت[۱] سے جو شانِ نزول ان آیتوں کی بیان کی گئی ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ مدینہ منورہ کے منافقوں کو یہ معلوم ہو گیا تھا کہ آنحضرتؐ جو فیصلہ کرتے اور حکم دیتے ہیں بغیر کسی رعایت کے وہ فیصلہ اور حکم ہوتا ہے اس لئے جس معاملے میں وہ منافق لوگ حق پر ہوتے اور گواہی شاہدی بھی ان کے پاس پوری ہوتی، تو ایسے معاملے کو اپنا حق پانے کی خوشی میں دوڑ کر آنحضرتؐ کے پاس چلے آتے تھے اور جس معاملے میں یہ لوگ حق پر نہ ہوتے اور گواہی شاہدی بھی ان کے پاس پوری نہ ہوتی اور اس قرینہ سے جان لیتے کہ آنحضرتؐ کا فیصلہ ان کی مرضی کے موافق نہ ہوگا، تو آنحضرتؐ کے پاس معاملہ لانے پر راضی نہ ہوتے، ان کی مرضی کے موافق اور سردار لوگ منافق جو مدینہ میں تھے ان کے پاس معاملہ پیش کرنے کی آرزو ظاہر کرتے، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں اور فرمایا کہ یہ لوگ فقط منہ سے کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں اور اللہ کے رسول کی اطاعت ہم کو قبول و منظور ہے لیکن حقیقت میں یہ لوگ مسلمان نہیں ہیں ان کا ٹھکانا دوزخ ہے، پھر فرمایا کیا ان لوگوں کے دل میں یہ شک کا روگ ہے کہ یہ لوگ اللہ کے رسول کو سچا رسول نہیں جانتے، یا اپنی حق تلفی کا ان کو خوف ہے، پھر فرمایا ان باتوں میں سے کوئی بات بھی نہیں ہے بلکہ اللہ کے علمِ غیب میں یہ لوگ قابلِ سزا گنہ گار ٹھہر چکے ہیں اس لئے ان کو برے کام اچھے نظر آتے ہیں، صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے حضرت علیؓ کی حدیث کئی جگہ گزر چکی ہے[۲] کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے علمِ غیب میں دوزخ میں جھونکے جانے کے قابل ٹھہر چکے ہیں، ان کو دنیا میں برے کام اچھے نظر آتے ہیں، یہ حدیث بَلْ اُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ کی گویا تفسیر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ایسی دغابازی کی باتوں سے یہ منافق لوگ کسی کا کچھ نہیں بگاڑتے بلکہ ایسی دغابازی کی باتوں سے یہ لوگ اپنی جان پر ظلم کرتے ہیں جس کا نتیجہ ان کو مرنے کے بعد معلوم ہو جائے گا، آگے عقبیٰ میں مراد کو پہنچنے والے پکے مسلمانوں کی نشانی کا ذکر فرمایا، کہ اللہ اور رسول کا حکم ان کی مرضی کے موافق ہو یا نہ ہو، وہ کسی طرح اللہ اور رسول کی دلی اور زبانی فرمانبرداری میں کوتاہی نہیں کرتے

[۱] تفسیر ابن کثیر ص ۲۹۸ ج ۳ و الدر المنثور ص ۵۴ ج ۵ [۲] مثلاً پچھلے صفحہ میں

الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۵۱﴾ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ

انہیں کا بھلا ہے اور جو کوئی حکم پر چلے اللہ کے اور اس کے رسُول کے اور ڈرتا رہے اللہ سے اور بچ کر چلے اس سے سو وہی لوگ ہیں

الْفَآئِزُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ اَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ ؕ قُلْ

مراد کو پہنچے اور قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی اپنی تاکید کی قسمیں کہ اگر تو حکم کرے تو سب کچھ چھوڑ نکلیں تو کہہ

لَّا تُقْسِمُوْا ۚ طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۳﴾ قُلْ اَطِيْعُوا

قسمیں نہ کھاؤ حکم برداری چاہیئے جو دستور ہے البتہ اللہ کو خبر ہے جو کرتے ہو تو کہہ حکم مانو

اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ؕ

اللہ کا اور حکم مانو رسُول کا پھر اگر تم منہ پھیرو گے تو اس کا ذمہ ہے جو بوجھ اس پر رکھا اور تمہارا ذمہ ہے جو بوجھ تم پر رکھا

کیونکہ ان کے دل میں اللہ کا خوف ہے اور ان کی عادت پرہیزگاری کی ہے، ہجرت سے پہلے جس قدر حصّہ قرآن شریف کا مکّہ میں اُترا ہے اس میں منافقوں کا ذکر اس واسطے نہیں ہے کہ مکّہ میں یا کھلم کھلا مسلمان تھے یا کافر تھے، ہجرت کے بعد جب اہلِ اسلام کی قوت بڑھی تو اہلِ مدینہ میں کچھ لوگ ایسے تھے کہ مسلمانوں کی قوت اور شوکت دیکھ کر جب مسلمانوں سے ملتے تو اوپرے دل سے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے اور اپنے ساتھیوں سے ملتے تو اہلِ اسلام کی مذمت کرتے، یہ لوگ کبھی ادھر مل جاتے اور کبھی اُدھر، اسی واسطے عبداللہ بن عمرؓ کی صحیح مسلم کی روایت[1] میں ان لوگوں کی مثال اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم نے ریوڑ سے بہکی ہوئی بکری کی بیان فرمائی ہے، جس مثال کا حاصل یہ ہے کہ جس طرح ریوڑ سے بہکی ہوئی بکری کبھی اس ریوڑ میں جاتی ہے کبھی اُس ریوڑ میں، یہی حال ان لوگوں کا ہے کہ کبھی اِدھر کبھی اُدھر، ان آیتوں میں اور اکثر آیتوں میں ایسے ہی لوگوں کا ذکر ہے، صحیح بخاری و مسلم میں ابوہریرہؓ سے روایت[2] ہے جس میں اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو ایک خوبصورت اور مالدار عورت بدکاری کے لئے بلائے اور وہ شخص اللہ تعالیٰ کے خوف سے اس عورت کا کہنا نہ مانے تو ایسے شخص کو حشر کے دن کی دھوپ میں اللہ تعالیٰ اپنے عرش کے سایہ میں جگہ دے گا، پکے مسلمانوں کے ذکر میں یہ جو فرمایا تھا کہ ان لوگوں کے دل میں اللہ کا خوف ہے اور ان کی عادت پرہیزگاری کی ہے، اس کا مطلب اس حدیث سے اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جس شخص کے دل میں اللہ کا خوف ہوگا اور اس کی عادت پرہیزگاری کی ہوگی تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایسے شخص کی بڑی قدر اور منزلت ہے، حسن بصری کی روایت سے جو شانِ نزول اوپر بیان کی گئی، اس کی سند معتبر ہے۔

۵۳-۵۴: منافقوں کے ذکر میں پکے مسلمانوں کا تذکرہ فرما کر اس آیت میں منافقوں کی ایک اور عادت کا ذکر فرمایا، حاصل مطلب آیت کا یہ ہے کہ جو منافق لوگ اللہ کے رسول کے فیصلہ سے گھبراتے تھے وہ پھر مسلمانوں میں اپنا اعتبار جمانے کے لئے سخت سخت اللہ کی قسمیں کھا کر کہتے تھے کہ معاملات کے فیصلے تو درکنار ہم کو لڑائی پر جانے اور جان دینے کا حکم ہو تو بھی ہم حاضر ہیں اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے رسول اللہ کے تم ان سے کہہ دو قسمیں نہ کھاؤ، تمہاری حکم برداری اور تمہارے عملوں کا حال اللہ کو خوب معلوم ہے، پھر فرمایا اے رسُول اللہ کے ان لوگوں سے یہ بھی کہہ دو کہ سچے دل سے اللہ کے رسُول کی حکم برداری کرو کیونکہ اللہ کے رسُول کا کام اللہ کے پیغام کا پہنچا دینا ہے اور امت کے لوگوں کا کام اس کے موافق عمل کرنا جب اللہ کے رسُول اپنا کام کر چکے ہیں تو امت کے لوگ اگر ان کی پیروی کریں گے

[1] مشکوٰۃ ص ۱۷ باب الکبائر و علامات النفاق [2] الترغیب والترہیب ۲۲۸ ج ۳

وَإِنْ تُطِيعُوهُ تَهْتَدُوا ۚ وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ﴿۵۴﴾ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ

اور اگر اس کا کہا مانو تو راہ پاؤ اور پیغام لانے والے کا ذمہ نہیں مگر پہنچا دینا کھول کر وعدہ دیا اللہ نے جو لوگ

آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ

تم میں ایمان لائے ہیں اور کئے ہیں نیک کام البتہ پیچھے حاکم کرے گا ان کو ملک میں جیسا حاکم کیا تھا ان سے

قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ

اگلوں کو اور جمادے گا ان کو دین ان کا جو پسند کر دیا ان کے واسطے اور دے گا ان کو ان کے ڈر کے بدلے میں

أَمْنًا ۚ يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا ۚ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿۵۵﴾

امن میری بندگی کریں گے شریک نہ کریں گے میرا کسی کو اور جو کوئی ناشکری کرے اس پیچھے سو وہی لوگ ہیں بے حکم ۔

تو عقبیٰ کی بہبودی کا راستہ پاویں گے اور اگر نافرمانی کریں گے تو عقبیٰ میں اس کا خمیازہ بھگتیں گے، صحیح مسلم کے حوالہ سے عبداللہ بن عمروؓ بن العاص کی حدیث کئی جگہ گزر چکی ہے کہ دنیا کے پیدا کرنے سے پچاس ہزار برس پہلے دنیا کے پیدا ہونے کے بعد جو کچھ دنیا میں ہونے والا تھا اپنے علم غیب کے نتیجہ کے طور پر وہ سب اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں لکھ لیا ہے، یہ حدیث اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ کی گویا تفسیر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ان منافقوں کی دغابازی کی باتیں دنیا کے پیدا ہونے سے پچاس ہزار برس پہلے لوح محفوظ میں لکھی جا چکی ہیں اللہ کے علم غیب سے ان کا کوئی کام باہر نہیں، وقت مقررہ پر ان کے عملوں کا بدلہ ان کی آنکھوں کے سامنے آجاوے گا، صحیح بخاری و مسلم میں ابوہریرہؓ سے روایت[1] ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں لوگوں کی کولیاں بھر بھر کے دوزخ کی آگ سے بچانا چاہتا ہوں مگر لوگ اس طرح دوزخ کی آگ میں گرنے کے کام کرتے ہیں جس طرح کیڑے پتنگے دنیا کی آگ میں گرنے کی جرأت کرتے ہیں، اس حدیث کو آیت کے آخری ٹکڑے کے ساتھ ملانے سے یہ مطلب ہوا کہ جو کام اللہ کے رسول کے ذمہ تھا وہ انہوں نے بڑی کوشش سے پورا کیا لیکن اللہ تعالیٰ کے علم غیب کے نتیجہ کے طور پر جو لوگ لوح محفوظ میں دوزخی لکھے جا چکے ہیں انہوں نے کیڑے پتنگوں کی طرح آگ میں گرنے کے کام کیے۔

۵۵: معتبر سند سے مستدرک حاکم، اوسط طبرانی وغیرہ میں براءؓ بن العازب اور ابی بن کعبؓ کی روایت[2] سے جو شان نزول اس آیت کی بیان کی گئی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ بعد نبوت کے جب تک آنحضرتؐ مکہ میں رہے وہ زمانہ ایسے خوف اور ایذا کا تھا کہ دین کا کوئی کام کھلم کھلا نہیں ہو سکتا تھا، یہاں تک مشرکوں نے ایذا پر کمر باندھی کہ آخر ہجرت کا حکم ہوا، ہجرت کے بعد فتح مکہ تک مدینہ میں بھی خوف ہی رہا، مہاجر اور انصار رات دن کمربستہ اور ہتھیار باندھے رہتے تھے اور اندیشہ کرتے رہتے تھے کہ نہیں معلوم کس طرف سے کون دشمن چڑھائی کر کے آجاتا ہے، اسی زمانہ میں بعض صحابہ نے اکتا کر آنحضرتؐ سے پوچھا کہ حضرت کبھی یہ خوف رفع ہو کر امن سے بھی بیٹھیں گے، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور مسلمانوں کی تسکین کی کہ اگر وہ اسلام پر قائم رہیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو بنی اسرائیل کی طرح حکومت اور امن دے گا اللہ کا وعدہ سچا ہے اللہ کے وعدہ پر جب تک صحابہؓ قائم رہے آنحضرتؐ کے زمانہ سے حضرت عثمانؓ کی خلافت تک نئے نئے ملک فتح ہوتے رہے جب حضرت عثمانؓ کی خلافت میں حضرت عثمانؓ کی شہادت کا واقعہ ہوا، اور آپس کی خونریزیاں شروع ہو گئیں[3] پھر وہی پہلے جیسی بے امنی مسلمانوں میں پھیل گئی جو آج تک پھیلی ہوئی ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے خوشحالی کے وعدہ میں یہ بھی فرما دیا تھا، کہ خوشحالی کے زمانہ میں

[1] مشکوٰۃ ص ۲۸ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ [2] تفسیر الدر المنثور ص ۵۵ ج ۵ [3] اس بارے میں تفسیر ابن کثیر کا یہ مقام قابل مطالعہ ہے۔

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۵۶﴾ لَا تَحْسَبَنَّ

اور کھڑی رکھو نماز اور دیتے رہو زکوٰۃ اور حکم میں چلو رسُول کے شاید تم پر رحم ہو۔ نہ خیال کر کہ یہ جو

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ وَلَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۵۷﴾

منکر ہیں تھکا دیں گے بھاگ کر ملک میں اور ان کا ٹھکانا آگ ہے اور بُری جگہ ہے پھر جانے کی ۔

نعمت کی ناشکری سے پرہیز کرنا چاہیئے، ترمذی وغیرہ میں چند[۱] روایتیں ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ جب لوگوں نے حضرت عثمانؓ کا گھر گھیر لیا اور حضرت عثمانؓ کے شہید کرنے کا ارادہ کیا تو عبداللہؓ بن سلام صحابی حضرت عثمانؓ کے پاس آئے، حضرت عثمانؓ نے پوچھا کہ عبداللہؓ تم کیونکر آئے، عبداللہؓ بن سلام نے کہا، میں بلوہ سن کر آپ کی مدد کو آیا ہوں، حضرت عثمانؓ نے جواب دیا کہ بہ نسبت میری مدد کے یہ بات بہتر ہے کہ تم ان بلوائی لوگوں کو سمجھا کر ٹال دو، عبداللہؓ بن سلام نکلے اور بلوے کے لوگوں کو سمجھایا کہ خلیفہ وقت پر تم لوگ اگر ہاتھ اٹھاؤ گے تو پھر اللہ کے غضب کی تلوار قیامت تک میان میں نہ آوے گی، ان لوگوں نے حضرت عبداللہؓ بن سلام کا کہا نہ مانا اور عبداللہؓ بن سلام اور حضرت عثمانؓ دونوں کو بُرا کہنا شروع کیا اور آخر حضرت عثمانؓ کو شہید کر ڈالا، غرض جب سے مسلمانوں میں اس طرح کی نافرمانی پھیلی کہ خدا کی خفگی ہو گئی جس کا اثر آج تک موجود ہے، صحیح بخاری و مسلم میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے[۲] جس میں اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ کو اپنی امت کی تنگدستی کا خوف نہیں ہے خوف تو یہ ہے کہ پچھلی امتوں کی طرح جب ان میں خوشحالی آجاوے گی تو یہ لوگ طرح طرح کی خرابی میں پڑجاویں گے۔ اس حدیث اور آیت کو ملانے سے یہ مطلب ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آیت میں کے وعدہ کے موافق مسلمانوں کو جب طرح طرح کی خوشحالی دی، تو حدیث میں کی گئی پیش گوئی کے موافق مسلمانوں میں رفتہ رفتہ طرح طرح کی خرابیاں پیدا ہو گئیں، کفر کے معنی یہاں نعمت کی ناشکری کے ہیں، حاصل مطلب آیت کا یہ ہے کہ جن لوگوں کے دل میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور رسُول کے سچے ہونے کا پورا یقین ہے اور اس یقین کے ظاہر کرنے کے لئے وہ نیک عمل بھی کرتے ہیں ان کو دشمنوں کے خوف سے گھبرانا نہیں چاہیئے جس طرح ملک شام کے بڑے بڑے جابر اور صاحب قوت دشمنوں کو مٹا کر ایک مدت تک اللہ تعالیٰ نے اس ملک میں بنی اسرائیل کو حاکم بنایا، یہی انجام امت محمدیہ کے ایماندار نیک عمل لوگوں کا ہوگا اللہ تعالیٰ ان کو حکومت اور ہر طرح کا امن دے گا اور اس آخری زمانہ میں جو دین اللہ تعالیٰ کو پسند ہے ان حاکموں کے ہاتھ سے وہ دین خوب قائم ہوگا، دنیا کے بڑے حصہ سے شرک اٹھ کر خالص اللہ کی عبادت جاری ہو جاوے گی۔ پھر فرمایا اس شکر گزاری کی حالت کے بعد رفتہ رفتہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کی ناشکری کریں گے وہ نافرمان ہو کر طرح طرح کی خرابی میں پڑجاویں گے۔

۵۶۔ ۵۷: اوپر حکومت اور امن کے عطا فرمانے کی خوشخبری کا ذکر فرما کر ان آیتوں میں فرمایا کہ اس خوشخبری کا وقت آنے تک ایماندار لوگوں کو چاہیئے کہ اللہ کے رسُول کی نصیحت کے موافق بدنی اور مالی عبادت میں لگے رہیں تاکہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس خوشخبری کے ظہور کا وقت جلدی دکھادے، اوپر کی خوشخبری کے سننے کے بعد یہ خیال گزر سکتا تھا کہ اب تک تو دشمنوں کا غلبہ چلا آتا ہے پھر ایک دفعہ ہی یہ سب دشمن کیونکر مغلوب ہو جاویں گے اور مسلمانوں کو حکومت کس طرح مل جاوے گی اس واسطے اپنے رسُول کو مخاطب ٹھہرا کر لوگوں کو سمجھایا کہ ان دشمنوں پر اللہ تعالیٰ کوئی دنیوی عذاب بھیجے تو ان کو دُنیا بھر میں کہیں بھاگنے کو جگہ نہ ملے گی اور پھر عقبیٰ میں ایسے دشمن دین لوگوں کا بُرا ٹھکانا دوزخ ہے حاصل یہ کہ وعدہ کے ظہور پر جو خوشخبری ان لوگوں کو سُنائی گئی ہے اللہ کی قدرت کے آگے اس کا ظہور کچھ مشکل نہیں ہے

---

[۱] جامع ترمذی تفسیر سورۃ الاحقاف و مناقب عبداللہ بن سلامؓ [۲] مشکوٰۃ ص ۴۴۹ بروایت عمروؓ بن عوف

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ

اے ایمان والو! پروانگی مانگ کر آویں تم سے جو تمہارے ہاتھ کے مال ہیں اور جو نہیں پہنچے تم میں عقل کی حد کو

مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ؕ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ وَ

تین بار فجر کی نماز سے پہلے اور جب اتار رکھتے ہو اپنے کپڑے دوپہر میں اور

مِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ ؕ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ ؕ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ ؕ

عشاء کی نماز سے پیچھے یہ تین وقت کھلنے کے ہیں تمہارے کچھ گناہ نہیں تم پر نہ ان پر ان کے پیچھے

صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت[1] ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مکہ پر چڑھائی ۸ھ ہجری میں ہوئی یہ اوپر گزر چکا ہے، کہ بنی مصطلق کی لڑائی سے واپسی کے وقت حضرت عائشہؓ پر بہتان لگایا گیا اور اسی وقت سورۃ النور نازل ہوئی، اگرچہ مغازی ابن اسحاق میں ہے کہ بنی مصطلق کی لڑائی ۶ھ ہجری میں ہوئی ہے لیکن صحیح قول یہی ہے کہ بنی مصطلق کی لڑائی ۵ھ ہجری میں ہے[2] کیونکہ اس لڑائی سے واپسی کے وقت حضرت عائشہؓ کے بہتان کی بات چیت میں سعدؓ بن معاذ اور سعدؓ بن عبادہ کا جھگڑا جو ہوا ہے اس کا ذکر صحیح بخاری وغیرہ کی صحیح روایتوں میں ہے اور یہ بھی صحیح روایتوں میں ہے کہ بنی قریظہ کے واقعہ کے وقت ۵ھ ہجری میں سعدؓ بن معاذ کا انتقال ہو گیا، اس سے یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آسکتی ہے کہ سعدؓ بن معاذ کے انتقال سے پہلے بنی مصطلق کی لڑائی ہوئی اور اسی لڑائی سے واپسی کے وقت حضرت عائشہؓ کے بہتان کا قصہ پیش آیا اور اسی قصہ کی بات چیت میں سعد بن معاذ اور سعدؓ بن عبادہ کا جھگڑا ہوا، ورنہ مغازی ابن اسحاق کی روایت کے موافق اگر ۶ھ ہجری میں بنی مصطلق کی لڑائی ہوتی اور اسی لڑائی کے وقت حضرت عائشہؓ کے بہتان کا قصہ پیش آتا تو وفات کے بعد سعدؓ بن معاذ کا جھگڑا سعدؓ بن عبادہ سے کیونکر ہو سکتا تھا، حاصل کلام یہ ہے کہ ۵ھ ہجری میں سورۃ النور نازل ہوئی اور اسی سورت کی آیتوں میں وعدہ کے طور پر مسلمانوں کو حکومت کی خوشخبری جو سنائی گئی تھی، اس خوشخبری کے تین سال بعد مکہ پر چڑھائی ہو کر مکہ فتح ہو گیا اور مکہ میں مسلمان حاکم رہنے لگا، اس کے بعد رفتہ رفتہ اس خوشخبری کا ظہور ہوا، تاریخ الخلفاء کے دیکھنے سے اس کا حال اچھی طرح معلوم ہو سکتا ہے۔

۵۸-۵۹: شروع سورت میں ہر وقت گھر والوں سے اجازت لے کر پرائے گھر میں جانے کا حکم تھا، ان آیتوں میں غلاموں اور نابالغ لڑکوں کو یہ حکم ہے کہ فجر کی نماز سے پہلے، دوپہر اور عشاء کی نماز کے بعد غلام اپنے آقا کے اور نابالغ لڑکے اپنے رشتہ داروں کے گھر میں بغیر اجازت کے نہ جاویں، یہ تینوں وقت لوگوں کے آرام کرنے اور ننگے کھلے رہنے کے ہیں، اس واسطے ان وقتوں کے لئے یہ خاص حکم نازل فرمایا اگرچہ سلف کا اس میں اختلاف ہے کہ اَلَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ میں غلام لونڈی دونوں داخل ہیں یا یہ حکم فقط غلاموں کے لئے ہے مگر حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا صحیح قول یہی ہے کہ اس حکم میں لونڈی داخل نہیں ہے، حاصل مطلب آیتوں کا یہ ہے کہ اے ایمان والو! تم اپنے غلاموں اور نابالغ لڑکوں سے کہہ دو کہ جن تین وقتوں کا ذکر آیتوں میں ہے ان تین وقتوں میں تمہارے یہ غلام اور نابالغ لڑکے پروانگی مانگ کر تمہارے پاس آیا کریں کیونکہ یہ تینوں وقت تمہارے اور تمہاری عورتوں کے ننگے کھلے رہنے کے ہیں اور یہ لوگ ہر وقت تمہارے پاس آیا جایا کرتے ہیں، ہر گھڑی ان کا پروانگی مانگ کر آنا مشکل ہے اس لئے ان تینوں وقتوں کے

[1] صحیح بخاری ص ج ۲ باب غزوۃ الفتح فی رمضان [2] فتح الباری پ ۱۶ ص ۲۲ ج ۴

طوّافون علیکم بعضکم علی بعض ط کذٰلک یبیّن اللّٰہ لکم الاٰیٰت ط واللّٰہ علیم

پھرا کرتے ہو ایک دوسرے پاس یوں کھولتا ہے اللہ تمہارے آگے باتیں اور اللہ سب جانتا

حکیم ﴿۵۸﴾ واذا بلغ الاطفال منکم الحلم فلیستاذنوا کما استاذن الذین

ہے حکمت والا اور جب پہنچیں لڑکے تم میں کے عقل کی حد کو تو ویسی پروانگی لیں جیسی لیتے رہے ہیں ان سے

من قبلھم ط کذٰلک یبیّن اللّٰہ لکم اٰیٰتہ ط واللّٰہ علیم حکیم ﴿۵۹﴾ والقواعد

اگلے یوں کھول سناتا ہے اللہ تم کو اپنی باتیں اور اللہ سب جانتا ہے حکمت والا اور جو بیٹھ رہی

من النساء التی لا یرجون نکاحا فلیس علیھن جناح ان یضعن

ہیں تمہاری عورتوں میں جن کو توقع نہیں بیاہ کی ان پر گناہ نہیں کہ اتار رکھیں

علاوہ اور وقتوں میں یہ لوگ بغیر پروانگی بھی تمہارے پاس آجاویں تو کچھ مناہی نہیں ہے، پھر فرمایا، جب یہ نابالغ لڑکے بالغ ہو جاویں تو جس طرح ان کے بالغ ہو جانے سے پہلے کے لوگوں پر ہر وقت پروانگی مانگ کر گھر میں آنے کا حکم ہے وہی حکم ان کے حق میں بھی ہوگا پھر تین وقتوں کی خصوصیت باقی نہ رہے گی، ہاں بالغ نابالغ سب غلاموں کے لیے تین وقتوں کی خصوصیت ہے، غلام اور نابالغ لڑکے علیحدہ مکان میں سوتے بیٹھتے ہوں تو حسن بصری کے قول کے موافق پروانگی[1] کا حکم ہے، نہیں تو نہیں، دونوں آیتوں کے آخر میں فرمایا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی ہر طرح کی ضرورتوں کو خوب جانتا ہے، اس لئے اس نے یہ پروانگی مانگنے کا حکم حکمت اور تدبیر سے دیا ہے، جو علماء اس بات کے قائل ہیں کہ غلام سے پردہ نہیں ہے ان آیتوں میں ان کے قول کی پوری تائید ہوتی ہے کیونکہ ان آیتوں میں سوائے تین وقتوں کے اور سب وقتوں میں غلام کو بغیر پروانگی آقا کے گھر میں جانے کی اجازت ہے صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے سہل بن سعد کی حدیث اس سورۃ میں گزر چکی[2] ہے کہ بغیر پروانگی کے مانگنے کے کسی شخص نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک زنانہ حجرہ میں جھانکنے کی جرأت کی، جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کی جرأت کا حال سنا تو فرمایا کسی کے گھر میں جانے سے پہلے پروانگی کے مانگنے کا حکم اسی واسطے نازل ہوا ہے کہ بے خبر کسی کے گھر کے اندر گھس جانے سے ننگی کھلی عورتوں پر نظر نہ پڑے اس واسطے اگر میں اس شخص کو حجرہ میں جھانکتے ہوئے دیکھ لیتا تو اس کی آنکھ پھوڑ ڈالتا، اس حدیث کو آیتوں کے ساتھ ملانے سے یہ مطلب ہوا کہ جس طرح اجنبی لوگوں کو ہر وقت بغیر پروانگی کے پرائے گھر میں جانے کی سخت مناہی ہے، خاص تین وقتوں میں وہی سخت مناہی غلام اور نابالغ لڑکوں کے حق میں ہے کہ ان تینوں وقتوں میں بلا پروانگی کے غلام اپنے آقا کے اور نابالغ لڑکا اپنے رشتہ داروں کے گھر میں ہرگز نہ جاوے۔

۶۰۔ صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ سے روایت[3] ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ پردہ کی آیت کے نازل ہونے کے بعد حضرت سودہؓ ایک رات چادر اوڑھ کر نکلیں اور حضرت عمرؓ نے ان کو دھمکایا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ مشورہ دیا کہ پردہ کے حکم کے ساتھ یہ حکم بھی دیا جائے کہ چادر اوڑھ کر بھی عورتیں گھر سے باہر نہ نکلا کریں، اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاحزاب کی آیتیں نازل فرما کر اس پر یہ حکم دیا کہ عورتوں کے لئے پردہ کا جو حکم نازل ہوا ہے وہ کافی ہے، جماعت کی نماز یا کسی اور ضرورت سے دوپٹہ کے اوپر چادر یا برقعہ اوڑھ کر اور اس میں منہ چھپا کر عورتوں کے باہر نکلنے میں کوئی ہرج نہیں ہے، یہ حکم جوان بوڑھی سب عورتوں کے لئے تھا، اس آیت میں فرمایا، وہ بوڑھی

[1] یعنی اجازت حاصل کرنا [2] یعنی ص ۳۴۹ پر [3] صحیح بخاری مع فتح الباری ص ۳۰۴ ج ۴ تفسیر سورۃ الاحزاب

بِثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۢ بِزِيْنَةٍ ۭ وَاَنْ يَّسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ

اپنے کپڑے یہ نہیں کہ دکھاتی پھریں اپنا سنگار اور اس سے بھی بچیں تو بہتر ہے ان کو اور اللہ سب سنتا ہے

عَلِيْمٌ ۝۶۰ لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ

جانتا نہیں اندھے پر تکلیف اور نہ لنگڑے پر تکلیف اور نہ بیمار پر

حَرَجٌ وَّلَا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اٰبَاۗىِٕكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ

تکلیف اور نہیں تکلیف تم لوگوں پر کہ کھالو اپنے گھروں سے یا اپنے باپ کے گھروں سے یا اپنی ماں کے گھر سے

اَوْ بُيُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَعْمَامِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ عَمّٰتِكُمْ

یا اپنے بھائی کے گھر سے یا اپنی بہن کے گھر سے یا اپنے چچا کے گھر سے یا اپنی پھوپھی کے گھر سے

عورتیں جن کو نکاح کی خواہش نہیں ہے، ان پر جوان عورتوں کی سی پردہ کی تاکید نہیں ہے اگر وُہ کسی موقع پر دوپٹہ کے اوپر کی چادر اتار ڈالیں تو جائز ہے لیکن ان میں سے کوئی عورت غیر مرد کو اپنا کچھ بناؤ دکھانے کے لئے دوپٹہ کے اوپر کی چادر نہ اتارے، پھر فرمایا یہ بوڑھی عورتیں بھی اگر دوپٹہ کے اوپر چادر کے اوڑھنے کی عادت کو جاری رکھیں تو ان کے حق میں بہتر ہے کیونکہ اس میں احتیاط زیادہ ہے، وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی زبانی باتوں کو خوب سُنتا اور ان کے دل کے بھیدوں کو خوب جانتا ہے اس لئے ان میں کی کوئی عورت اگر اپنے آپ کو زبانی تو بوڑھی بتلائے گی اور اس کے دل میں کچھ اور بھید ہوگا تو اس کی زبانی باتیں اور دل کا بھید سب کچھ اللہ کو معلوم ہے، عورت اپنے کسی چھپے ہوئے بناؤ سنگار کو جتلائے تو اس کو تبرج کہتے ہیں، مسند امام احمد اور صحیح مسلم میں ابوہریرہؓ سے روایت[1] ہے جس میں اللہ کے رسول نے ایسی عورتوں کو دوزخی فرمایا ہے جو ایسا کپڑا پہنتی ہیں جس سے ان کا کچھ بدن ڈھکتا ہے اور کچھ کھلا رہتا ہے، اس حدیث کو آیت کے ساتھ ملانے سے یہ مطلب ہُوا کہ حال کے رواج کے مطابق جو عمر رسیدہ عورتیں ایسے مہین کپڑے کا دوپٹہ اوڑھتی اور کرتہ پہنتی ہیں جس سے ان کا کچھ بدن ڈھکتا اور کچھ کھلا رہتا ہے تو ایسی عورتوں کو اجنبی مرد کے سامنے دوپٹہ کے اوپر موٹے کپڑے کی چادر کا اوڑھنا ضروری ہے۔

۶۱:۔ اس آیت کی شانِ نزول میں علمائے مفسرین نے بڑا اختلاف کیا ہے لیکن صحیح[2] قول یہ ہے کہ جب سورہ بقرہ میں یہ حکم نازل ہُوا کہ ایک مسلمان دُوسرے مسلمان کا مال بلاوجہ نہ کھائے تو مسلمان طرح طرح کی احتیاط ضرورت شرعی سے زیادہ کرتے تھے مثلاً جب تندرست مسلمان لڑائی پر جاتے تھے تو اندھے، لنگڑے، اپاہج مسلمان لوگوں کو وُہ تندرست مسلمان حفاظت اور چوکسی کے لئے اپنے گھر پر مقرر کر دیتے تھے، یہ اپاہج لوگ ان تندرستوں کے پیچھے ان تندرستوں کے کھانے پینے کی چیز کو بھی ہاتھ لگانے اور کام میں لانے کو منع سمجھتے تھے۔ اسی طرح تندرست لوگ اندھے اور بیمار لوگوں کے ساتھ کھانا کھانے کو اس خیال سے منع جانتے تھے کہ بیمار بوجہ بیماری کے کم کھاتا ہے، ساتھ والا اس کا کھانا زیادہ کھا کر گناہ میں نہ پھنسے، یہی حال اندھے کا خیال کرتے تھے کہ وُہ اپنے مال کی پوری حفاظت نہیں کر سکتا اور ایک رشتہ دار دُوسرے رشتہ دار یا دوست کے گھر میں کھانے پینے کو اچھا نہیں جانتا تھا، غرض اس طرح کی احتیاط کی اور باتیں بھی لوگوں نے نکال رکھی تھیں جو حرج اور تکلیف سے خالی نہ تھیں، اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور فرما دیا کہ

[1] الترغیب و الترہیب ص ۹۵ ج ۳ و مشکوٰۃ باب مالا یضمن من الجنایات [2] جیسا کہ امام طبری نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے ص ۱۷۰، ۱۸ ج ۱۸

أَوْ بُيُوتِ أَخْوَالِكُمْ أَوْ بُيُوتِ خَالَاتِكُمْ أَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهُ أَوْ صَدِيقِكُمْ ۚ

یا اپنے ماموں کے گھر سے یا اپنی خالہ کے گھر سے یا جن کی کنجیوں کے مالک ہوئے ہو یا اپنے دوست کے گھر سے۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَن تَأْكُلُوا جَمِيعًا أَوْ أَشْتَاتًا ۚ فَإِذَا دَخَلْتُم بُيُوتًا فَسَلِّمُوا

نہیں گناہ تم پر کہ کھاؤ مل کر یا جُدا ہو کر پھر جب جانے لگو کبھی گھروں میں تو سلام کہو

عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِندِ اللَّهِ مُبَارَكَةً طَيِّبَةً ۚ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ

اپنے لوگوں پر نیک دُعا ہے اللہ کے یہاں سے برکت کی ستھری یوں کھولتا ہے اللہ تمہارے آگے

الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿٦١﴾

باتیں شاید تم بوجھ رکھو۔

بغیر اذن کے تصرف بے جا کے طور پر ایک مسلمان کو دُوسرے مسلمان کا مال کھانا سورۂ بقرہ کے حکم سے منع کیا گیا ہے، آپس کے سلوک کے طور پر اور آپس کی محبت کے طور پر ایک رشتہ دار دُوسرے رشتہ دار کے گھر میں یا ایک دوست دوسرے دوست کے گھر سے کھانا کھالے تو منع نہیں ہے، رشتہ داروں کے ذکر میں باپ کا بیٹے کے گھر کھانے کا ذکر نہیں ہے لیکن مسند امام احمد اور سنن کی حضرت عائشہؓ کی معتبر[1] روایتوں میں یہ صراحت آچکی ہے کہ خود بیٹا اور بیٹے کا سب مال ومتاع باپ کا مال ہے، اس صراحت کے بعد بیٹے کے گھر باپ کا کھانا بھی اس آیت کے حکم میں داخل ہے، صحیح حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بہ نسبت اکیلے کھانا کھانے کے چند آدمیوں کے مل کر کھانا کھانے سے ایک آدمی کا کھانا دو آدمیوں کو اور دو آدمیوں کا تین کو اور تین کا چار کو کافی ہو جاتا ہے، چنانچہ صحیح[2] بخاری کی ابوہریرہؓ کی اور ابن ماجہ[3] کی حضرت عمرؓ کی روایتوں میں اس کا ذکر ہے، حاصل مطلب آیت کا یہ ہے کہ جن اپاہج آدمیوں کو لڑائی پر جانے والے لوگ اپنے گھروں کی چوکسی کے لئے چھوڑ جاتے ہیں، وُہ اپاہج گھر والوں کے کھانے پینے کی چیز کام میں لا سکتے ہیں۔ اسی طرح وُہ گھر والے اپنے گھر کے کھانے پینے کی چیزوں کی طرح اپنے باپ، ماں، بھائی، بہن، چچا، پھوپھی، ماموں، خالہ کے گھر میں کھانے پینے کی چیز کھا سکتے ہیں، یہی حال آپس کے دوستوں کا اور اس شخص کا ہے جس کے اختیار میں کسی کے گھر کی کنجیاں ہوں، پھر فرمایا کہ اس کی بھی کچھ مناہی نہیں ہے کہ لوگ اکٹھے مل کر ایک دسترخوان پر کھانا کھاویں یا اکیلے، پھر فرمایا، جب ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے گھر پر جاوے تو سلام علیک کہا کرے، کیونکہ سلام علیک مسلمانوں میں آپس کی بڑی دعائے خیر ہے، پھر فرمایا اللہ تعالیٰ دین کے احکام یوں کھول کھول کر بیان فرماتا ہے تاکہ تم لوگ دین کی باتوں کو اچھی طرح سمجھو، مسلمان آپس میں سب ایک ہیں اس لئے فَسَلِّمُوا عَلٰى بعضكم کی جگہ فَسَلِّمُوا عَلٰى أَنفُسِكُمْ فرمایا، صحیح بخاری ومسلم میں ابوہریرہؓ سے روایت[4] ہے جس میں اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے جب آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو ان سے فرمایا، آدم تم فرشتوں کی ایک جماعت سے سَلَامٌ عَلَيْكَ کرو، پھر جو کچھ وُہ جواب دیں، وہی طریقہ تمہاری اولاد میں جاری رہنا چاہیئے، آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے موافق فرشتوں سے السلام علیک کہا تو انہوں نے جواب دیا وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ، سلام علیک جس طرح کی قدیمی سنت ہے، اس کا حال اس حدیث سے اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے، اس کی زیادہ تفصیل سورۃ النساء میں گزر چکی ہے۔

---

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۳۰۵ ج ۳ [2] مشکوٰۃ ص ۳۷۰ باب الضیافۃ [3] تفسیر ابن کثیر ص ۳۰۵ ج ۳ [4] مشکوٰۃ ص ۳۹۷ باب السلام

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰۤى اَمْرٍ جَامِعٍ

ایمان والے وہ ہیں جو یقین لائے اللہ پر اور اس کے رسول پر اور جب ہوتے ہیں اس کے ساتھ کسی جمع ہونے کے کام

لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ

میں تو چلے نہیں جاتے جب تک اس سے پروانگی نہ لیں جو لوگ تجھ سے پروانگی لیتے ہیں وہی ہیں جو مانتے ہیں

بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ

اللہ کو اور اس کے رسول کو پھر جب پروانگی مانگیں تجھ سے اپنے کسی کام کو تو دے پروانگی جس کو ان میں تو چاہے اور معافی مانگ

لَهُمُ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۶۲﴾ لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ

ان کے واسطے اللہ سے اللہ بخشنے والا مہربان ہے مت کر لو بلانا رسول کا اپنے اندر برابر اس کے جو بلاتا ہے تم میں ایک

۶۲:۔ سورۃ آل عمران اور سورۃ النساء میں صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے جابرؓ بن عبداللہ اور زیدؓ بن ثابت کی روایتیں گزر چکی ہیں کہ عبداللہ بن ابی منافقوں کا سردار بغیر پروانگی اللہ کے رسول کی اُحد کی لڑائی کے وقت میدانِ جنگ میں سے مدینہ چلا آیا اور اپنے ساتھ تین سو آدمیوں کو بھی پلٹا لایا، سورۃ الاحزاب میں آوے گا کہ بہت سے منافق جھوٹے عذر کر کے احزاب یعنی خندق کی لڑائی سے جان بچا گئے، ان قصوں کو آیت کے ساتھ ملانے سے یہ مطلب ہوا کہ پکے مسلمانوں کی عادت منافقوں کی سی نہیں ہے بلکہ پکے مسلمان کسی جتھے کے کام کی ضرورت کے وقت جب اللہ کے رسول کی محفل میں جمع ہوتے ہیں تو اللہ کے رسول کی پروانگی کے بغیر ہرگز اپنے گھر کو نہیں جاتے، پھر فرمایا، یہ ان لوگوں کی ایمانداری کی نشانی ہے، کہ یہ لوگ اللہ کے رسول کی پروانگی کو اپنی ضرورتوں سے مقدم گنتے ہیں، پھر فرمایا، یہ لوگ سچے عذر کے سبب سے پروانگی مانگتے ہیں، اس واسطے جب یہ لوگ پروانگی مانگیں تو اے رسول اللہ کے تم ان میں سے جن کو چاہو، پروانگی دے کر ان کی غیر حاضری کی معافی کے لئے اللہ کی جناب میں دعا کرو، اللہ بخشنے والا مہربان ہے اپنی مہربانی سے تمہاری دعا قبول کرے گا، صحیح بخاری میں انسؓ بن مالک سے روایت[1] ہے، جس میں تبوک کی لڑائی سے پلٹتے وقت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بہت سے لوگ جو سچے عذروں کے سبب سے اس سفر میں گھر بیٹھے رہے، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے ان کو اتنا ہی اجر ملے گا جتنا اجر سفر کرنے والوں کو ملنے والا ہے، اس حدیث سے یہ مطلب اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے کہ جتھے کی ضرورت کے وقت سچے عذر والوں کی غیر حاضری بھی معاف ہے اور اللہ تعالیٰ اپنی مہربانی اور رحمت سے ان کا اجر بھی ضائع نہیں فرماتا۔

۶۳:۔ اوپر ذکر تھا کہ بعضے منافق بغیر پروانگی اللہ کے رسول کے لشکرِ اسلام کا ساتھ چھوڑ کر گھر آن بیٹھے اور جھوٹے عذر پیش کر کے لشکرِ اسلام کی شراکت کو ٹال گئے، ایسے لوگوں کے حق میں فرمایا کہ اے لوگو اس طرح کے دغا بازی کے کام کر کے اللہ کے رسول کی بد دعا نہ لو، کیونکہ اللہ کے رسول کی بد دعا عام لوگوں کی بد دعا جیسی نہیں ہے، مکہ کے سرکش لوگوں نے اللہ کے رسول کی بد دعا کے اثر سے قحط کی سخت آفت جو اٹھائی، اس قصہ سے تم لوگوں کو عبرت پکڑنی اور اللہ کے رسول کی بد دعا سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیئے، پھر فرمایا تم میں سے ایک دوسرے کی آڑ میں ہو کر بغیر پروانگی اللہ کے رسول کے جو چلے جاتے ہیں اور اپنے دل میں سمجھتے ہیں کہ تمہاری اس دغا بازی کو کوئی نہیں جانتا یہ تمہاری نادانی ہے، کیونکہ آسمان زمین کی کوئی شے اللہ کے علم سے باہر نہیں ہے اس کو تمہاری یہ سب دغا بازیاں خوب معلوم ہیں

[1] ۳۶۵، جلد اول تفسیر ہذا　[2] صحیح بخاری مع الفتح ۹۷ ج ۴

بَعْضًا ۭ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ

ایک کو اللہ جانتا ہے ان لوگوں کو تم میں سے جو سٹک جاتے ہیں آنکھ بچاکر سو ڈرتے رہیں جو لوگ خلاف کرتے ہیں

عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۳﴾ اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي

اس کے حکم کا کہ پڑے ان پر کچھ خرابی یا پہنچے ان کو دُکھ کی مار سنتے ہو اللہ کا ہے جو کچھ ہے

وقتِ مقررہ پر ان دغابازیوں کا خمیازہ تم کو بھگتنا پڑے گا، اللہ سچا ہے، اللہ کا کلام سچا ہے، دُنیا میں تو ان منافقوں کی دغابازی کا یہ نتیجہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسُول کو منع فرما دیا کہ وُہ ایسے لوگوں کے جنازہ کی نماز میں شریک نہ ہوں، چنانچہ اس کا ذکر سورۃ التوبہ میں گزر چکا ہے اور عقبیٰ میں اللہ کا وعدہ ہے کہ ان منافقوں کا ٹھکانا منکرِ شریعت لوگوں کے ساتھ دوزخ ہے، چنانچہ اس وعدہ کا ذکر بھی سورۃ التوبہ میں گزر چکا ہے، اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کی بد دُعا سے مکہ میں جو قحط پڑا تھا، صحیح بخاری کی عبداللہ بن مسعود کی روایت کے حوالہ سے اس کا قصہ کئی جگہ گزر چکا ہے، آیت میں منافقوں کو اللہ کے رسُول کی بد دُعا سے جو ڈرایا گیا ہے، اس کا مطلب اس حدیث سے اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر یہ منافق لوگ اپنی دغابازی سے باز نہ آئے اور اللہ کے رسُول نے ان کے حق میں بد دُعا کی تو وہی نتیجہ ان کا ہوگا جو ہجرت سے پہلے مکّہ کے مشرکوں کا ہُوا، اگرچہ لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ کی تفسیر میں سلف کے کئی قول ہیں، لیکن اللہ کے رسُول کی بد دُعا سے بچنے کی تفسیر حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے قول کے موافق ہے اور حافظ ابوجعفر ابن جریر نے اپنی تفسیر میں اسی قول کو قوی ٹھہرایا ہے۔

۶۳-۶۴:۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو اپنے رسُول کی مخالفت سے ڈرایا اور فرمایا کہ جو لوگ رسُول کے طریقہ اور رسُول کی سنت کی مخالفت کرتے ہیں ان کو دین و دُنیا کے وبال سے ڈرنا چاہیئے، اب یہ خوب جان لینا چاہیئے کہ رسُول کی مخالفت ایک تو ظاہری ہے جس طرح کافر لوگ کھلم کھلا رسُول کی ہدایت کو نہیں مانتے اور دنیا میں گمراہ ہیں اور عاقبت میں اس گمراہی کا عذاب بھگتیں گے اور ایک مخالفت رسُول کی منافق لوگوں کی ہے کہ ظاہر میں تو وُہ لوگ اپنے آپ کو رسُول کا فرمانبردار کہتے ہیں مگر دل سے رسُول کے وُہ لوگ فرمانبردار نہیں، جس وقت قرآن شریف نازل ہوتا تھا اس وقت تو ایسے لوگوں کا حال وحی کے ذریعہ معلوم ہو جاتا تھا، اب وحی کے بند ہو جانے سے کسی کے دل کا حال تو معلوم نہیں ہو سکتا، ہاں آدمی کے عملوں سے اس کے دل کا حال معلوم ہو سکتا ہے اس لیئے جس شخص کے ظاہری عمل رسُول کی سنت کے موافق ہوں گے، ظاہری شریعت کے حکم کی رُو سے اس کو منافق نہیں کہا جا سکتا، لیکن اگر اس کے وُہ عمل خالص نیت سے آخرت کا ثواب اور اجر حاصل کرنے کی غرض سے نہ ہوں گے تو ایسے شخص کو ریاکار اور ریاکاری کے سبب سے اس کو اللہ اور رسُول کے حکم کی مخالفت کرنے والا شریعت میں ٹھہرایا جاوے گا، اور ریاکاروں کی جو سزا شریعت نے قرار دی ہے، وُہ سزا ایسے شخص کو عقبیٰ میں ملے گی اور جو شخص کسی رسم کی پابندی کے سبب سے رسُول کے فرمانے کے موافق عمل کرنے سے باز رہتا ہے اس میں بلاشک بو نفاق کی ہے کیونکہ ایسے شخص نے کلمہ گو بن کر جس طرح زبان سے رسُول کی فرمانبرداری کا اقرار کیا ہے، اس کا عمل اس کے اقرار کے مخالف ہے، غرض آیت کے حکم میں ہر طرح کی مخالفت کرنے والے لوگ داخل ہیں لیکن شیطان انسان کے پیچھے ایسا دشمن لگا ہُوا ہے کہ بہت سے بُرے کاموں کو انسان پر کھلنے نہیں دیتا بلکہ ملمع کر کے بہت سے بُرے کاموں کو اچھا دکھا دیتا ہے

لہ مشکوٰۃ مع تنقیح الرواۃ ص ۴۰ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ۔

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قَدْ يَعْلَمُ مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ ؕ وَيَوْمَ يُرْجَعُوْنَ اِلَيْهِ فَيُنَبِّئُهُمْ

آسمان و زمین میں اس کو معلوم ہے جس حال پر تم ہو اور جس دن پھیرے جاویں گے اس کی طرف تو بتا دے گا ان کو

بِمَا عَمِلُوْا ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۶۴﴾

جو انہوں نے کیا اور اللہ سب چیز جانتا ہے۔

ع ۹ ۱۵

جب شیطان اپنے کام میں لگا ہوا ہے تو ہر شخص نجاتِ عقبیٰ کے طلب گار کو چاہیئے کہ وہ اپنے کام میں لگے، اس شخص طالب نجات کا کام کیا ہے، ہر قول و فعل میں فرمانبرداری اور پیروی صاحبِ وحی صلی اللہ علیہ وسلم کی کرے کیونکہ دنیا میں ایک یہی سیدھی سڑک ہے جو منزلِ مقصود تک پہنچا سکتی ہے، سوائے اس کے اور کوئی راستہ شیطان کے دھوکے سے خالی نہیں ہے۔ معتبر سند سے مسند امام احمد، مستدرک حاکم، دارمی اور نسائی میں حضرت عبداللہؓ بن مسعود سے روایت[1] ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سیدھا خط زمین پر کھینچا اور اس خط کے ادھر اُدھر اور بہت سے خط کھینچ کر فرمایا، کہ یہ ایک راستہ اللہ کا ہے اور باقی جتنے راستے ہیں سب پر شیطان بیٹھا ہوا ہے اور ان راستوں کی طرف وہ لوگوں کو بلاتا اور رغبت دلاتا ہے، پھر آپ نے سورۃ انعام کی وہ آیت پڑھی، جس کا حاصل یہ ہے کہ شریعت پر قائم رہنے اور فرمانبرداری رسول کی بجا لانے کا عہد جو لوگوں نے اللہ تعالیٰ سے کیا ہے، لوگوں کو چاہیئے کہ اس عہد کو پورا کریں اور یہی راہِ راست اور سیدھی سڑک ہے اسی کو سب لوگ اختیار کریں، سوا اس کے دنیا میں جتنے راستے ہیں، وہ سب سیدھے راستہ سے ڈگانے والے ہیں، ترمذی میں حضرت عبداللہؓ بن مسعود کا قول ہے، کہ جس شخص کو اللہ کے رسول کی مہری سند نجات کی دیکھنی منظور ہو، وہ سورہ انعام کی ان آیتوں کو دیکھ لیوے، حاصل مطلب ان آیتوں کا یہ ہے کہ جو لوگ اللہ کے رسول کی پروانگی کے بغیر لشکر اسلام یا جماعت جمعہ وعید کا ساتھ چھوڑ دیتے ہیں، ان کو دنیا کی کسی آفت یا عقبیٰ کے عذاب سے ڈرتے رہنا چاہیئے، پھر فرمایا جو کچھ آسمان و زمین میں ہے، وہ سب اللہ کا پیدا کیا ہوا ہے، اس لئے آسمان و زمین کی کوئی چیز اس کے علم سے باہر نہیں ہے، ان منافقوں کی کیا ہستی ہے جو یہ اللہ سے اپنی دغابازیوں کو چھپا سکیں گے، اگرچہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے روبرو بھی دغابازی سے اپنی بداعمالی کا انکار کریں گے لیکن اللہ تعالیٰ ان کے منہ پر خاموشی کی مہر لگا کر ان کے ہاتھ، پیروں سے گواہی دلوا کر ان کو دوزخی ٹھہرا دے گا، صحیح مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی حدیث کئی جگہ گزر چکی[2] ہے، کہ قیامت کے دن منافق لوگ دغابازی کی راہ سے جب اللہ تعالیٰ کے روبرو اپنے گناہوں کا انکار کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے منہ پر خاموشی کی مہر لگا کر ان کے ہاتھ پیروں سے گواہی ادا کرا دے گا، جس سے ان لوگوں کی دغابازی کچھ کام نہ آوے گی، کیونکہ اس گواہی سے ان کی تمام عمر کی بداعمالی اچھی طرح ثابت ہو کر آخر کو یہ لوگ دوزخی قرار پاویں گے، آخری آیت میں یہ جو فرمایا کہ قیامت کے دن جب یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے روبرو کھڑے ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ان کی تمام عمر کی بداعمالی انہیں جتلا دے گا، اس حدیث سے اس کا مطلب اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اس جتلانے پر ان میں سے جو لوگ دغابازی کر کے اپنے گناہوں کے منکر ہو جاویں گے، تو پھر ان کے ہاتھ، پیروں سے گواہی دلائی جا کر ان کو دوزخی قرار دیا جاوے گا۔

[1] مشکوٰۃ مع تنقیح الرواۃ ص ۴۰ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ۔ [2] مثلاً ص ۳۳۳۔

ایاتہا ۷۷ —— (۲۵) سُوْرَۃُ الْفُرْقَانِ مَکِّیَّۃٌ (۴۲) —— رکوعاتہا ۶

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

تَبٰرَکَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِہٖ لِیَکُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا ﴿۱﴾ الَّذِیْ لَہٗ

بڑی برکت ہے اس کی جس نے اتارا فیصلہ اپنے بندے پر کہ رہے جہان والوں کو ڈرانے والا وہ جس کی

مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَکُنْ لَّہٗ شَرِیْکٌ فِی الْمُلْکِ وَخَلَقَ کُلَّ

سلطنت ہے آسمان و زمین کی اور نہیں پکڑا اس نے بیٹا اور نہیں کوئی اس کا ساجھی راج میں اور بنائی ہر ایک

شَیْءٍ فَقَدَّرَہٗ تَقْدِیْرًا ﴿۲﴾ وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِہٖٓ اٰلِھَۃً لَّا یَخْلُقُوْنَ شَیْئًا وَّھُمْ

چیز پھر ٹھیک کیا اس کو ماپ کر اور لوگوں نے پکڑے ہیں اس سے ورے کتے حاکم جو نہیں بناتے کچھ چیز اور وہ

۱-۳: اگرچہ بعض سلف نے اس سورت کی ان تین آیتوں کو مدنی کہا ہے، جس کا ذکر آگے آوے گا لیکن اس سورۃ کا شروع کا حصہ مکی ہے اور اس تفسیر میں یہ ایک جگہ بیان کر دیا گیا ہے کہ جس سورت کا شروع کا حصہ مکی ہو، وہ سورت مکی کہلاتی ہے، اس سورت کی قرأت کے باب میں حضرت عمرؓ اور ہشامؓ بن حکیم کا قصہ ہے جس کا ذکر صحیح بخاری اور مسلم کی حضرت عمرؓ کی روایت[۱] میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے ہشام بن حکیم کو یہ سورت ایسی قرأت سے پڑھتے ہوئے سنی، جس قرأت کے لفظ حضرت عمرؓ کو نئے معلوم ہوئے، اس پر حضرت عمرؓ ہشام بن حکیم کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئے آپ نے حضرت عمرؓ اور ہشامؓ بن حکیم دونوں سے یہ سورت پڑھوا کر سنی اور فرمایا، دونوں قرأتیں صحیح ہیں کیونکہ قرآن شریف کے جن لفظوں کو ایک طرح سے لے کر سات طرح تک پڑھے جانے کا حکم ہے تم دونوں کی قرأتیں اس کے موافق ہیں، ان ساتوں قرأتوں کا ذکر اس تفسیر کے دیباچہ[۲] میں صحیح بخاری و مسلم، ترمذی وغیرہ کی روایتوں کے حوالہ سے تفصیل وار کر دیا گیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ہجرت سے پہلے فقط قریش کی بول چال کے موافق قرآن شریف نازل ہوتا رہا، ہجرت کے بعد جب ایسے قبیلوں کے لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے جن کی زبان پر قریش کی بول چال کے لفظ مشکل سے چڑھتے تھے، اس مشکل کے آسان ہو جانے کے لئے سات طرح کے مختلف محاوروں میں قرآن شریف کے بعضے لفظوں کا پڑھا جانا جائز ہو گیا، جبرائیل علیہ السلام ان ساتوں محاوروں میں دَور کیا کرتے تھے اور جو صحابہ اس دَور کے وقت موجود ہوتے، وہ ساتوں قرأتوں کے لفظوں کو جبرائیل علیہ السلام سے سن کر یاد کر لیا کرتے تھے، اور باقی کے صحابہ کو پھر وہ لفظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بتلانے سے معلوم ہو جایا کرتے تھے، جبرائیل علیہ السلام کے جس دَور میں ہشامؓ بن حکیم نے وہ نئے لفظ سنے، اس دَور میں حضرت عمرؓ موجود نہیں تھے، اس واسطے ان کا اور ہشام بن حکیم کا جھگڑا ہوا اور پھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سمجھانے سے حضرت عمرؓ کی تسلی ہو گئی، یہ ہشامؓ بن حکیم صحابی، صحابی کے بیٹے اور مشہور صحابہ میں ہیں، صحیحین میں سوائے اس قصے کے اور کہیں ان ہشام بن حکیم کا ذکر نہیں ہے، حاصل مطلب ان آیتوں کا یہ ہے کہ اس کی آسمان و زمین میں بڑی برکت ہے جس نے حق اور ناحق میں فرق بتا دینے کیلئے قرآن اپنے بندے اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر اس لئے تھوڑا تھوڑا کر کے حسب ضرورت

[۱] مشکوٰۃ ص ۱۹۲ باب فضائل القرآن [۲] ص ۲۰، ۲۱ و ۲۵، ۲۶ جلد اول۔

يُخْلَقُوْنَ وَلَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً

آپ بنے ہیں اور نہیں مالک اپنے حق میں بُرے کے نہ بھلے کے اور نہیں مالک مرنے کے نہ جینے کے

وَّلَا نُشُوْرًا ③ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اِفْكُ ِۨافْتَرٰىهُ وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ

اور نہ جی اٹھنے کے اور کہنے لگے جو منکر ہیں اور کچھ نہیں یہ مگر جھوٹ باندھ لایا ہے اور ساتھ دیا ہے اس کا اس میں

اٰخَرُوْنَ ۚ فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا ④ وَقَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا

اور لوگوں نے سو آئے بے انصافی اور جھوٹ پر اور کہنے لگے یہ نقلیں ہیں پہلوں کی جو لکھ لیا ہے

نازل فرمایا کہ اللہ کے رسول لوگوں کو اس بات سے ڈرا دیں کہ جو کوئی اللہ کے حکم کو نہ مانے گا وُہ عذابِ الٰہی میں گرفتار ہوگا، پھر فرمایا اللہ تعالیٰ کی حکومت سے آسمان وزمین میں کوئی جگہ خالی نہیں ہے، اس واسطے اس کے عذاب سے کہیں کوئی بچ نہیں سکتا، پھر فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے تمام عالم کو اپنی حکمت کے اندازہ کے موافق اس طرح پیدا کیا کہ اس میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے تو جو لوگ اللہ کو صاحبِ اولاد یا اس کی حکومت میں دُوسروں کو شریک ٹھہراتے ہیں وُہ بڑی غلطی پر ہیں کیونکہ جن کو یہ مشرک اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں انہوں نے اللہ کی مخلوقات سے کسی چیز کو پیدا نہیں کیا بلکہ وُہ خود اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں داخل ہیں اس واسطے اللہ تعالیٰ کے کسی کارخانے میں ان کو کچھ دخل نہیں ہے، ہر ایک کا نقصان نفع، ہر ایک کی موت زندگی، مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنا، یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے، مکہ کے قحط کے وقت ان مشرکوں کو اپنے بتوں کی بے بسی کا اچھی طرح تجربہ ہو چکا ہے اس پر بھی اب یہ لوگ شرک سے باز نہیں آتے اس کا سبب یہی ہے کہ اللہ کے علمِ غیب میں یہ لوگ دوزخی ٹھہر چکے ہیں، اس واسطے ان کو بُرے کام اچھے نظر آتے ہیں، صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے حضرت علیؓ کی حدیث کئی جگہ گزر چکی ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے علمِ غیب میں دوزخی ٹھہر چکے ہیں ان کو ویسے ہی کام اچھے اور آسان معلوم ہوتے ہیں، صحیح بخاری کے حوالہ سے عبداللہ بن مسعودؓ کی وُہ حدیث بھی کئی جگہ گزر چکی ہے جس میں مکہ کے قحط کا ذکر ہے، مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کئے جانے کے جو لوگ منکر ہیں، یہ ان کی بڑی نادانی ہے کیونکہ یہ لوگ دُنیا کے جتنے کام کرتے ہیں ان کا نتیجہ پہلے سوچ لیتے ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ کے انتظام میں دُنیا کے پیدا کرنے کا یہ نتیجہ قرار پا چکا ہے کہ تمام دُنیا کے فنا اور ختم ہو جانے کے بعد جزا و سزا کے لئے دُوسرا جہان قائم کیا جاوے تاکہ دُنیا کا پیدا کیا جانا بے ٹھکانہ نہ رہے کیونکہ بے ٹھکانے کام اللہ تعالیٰ کی شان سے بہت بعید ہیں۔

۴-۶:- صحیح بخاری[1] میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت سے ہرقل بادشاہ روم اور ابوسفیان کا جو قصہ ہے، اس میں ہرقل نے ابوسفیان سے پوچھا ہے کہ نبوت سے پہلے تم قریش کے لوگوں کو ان نبی کے جھوٹ بولنے کا کچھ تجربہ ہُوا ہے، اس کے جواب میں ابوسفیان نے کہا کہ نہیں، اس پر ہرقل نے کہا جو شخص قوم کے لوگوں کے ساتھ جھوٹ بولنے کو روا نہیں رکھتا، وُہ اللہ کے ساتھ جھوٹ بولنے کو کیونکر روا رکھے گا۔ ان آیتوں میں مشرکینِ مکہ کو بے انصاف اور جھوٹا جو فرمایا، اس کا مطلب اس حدیث سے اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ لوگ نبوت سے پہلے چالیس برس تک جب یہ آزما چکے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت ہرگز جھوٹ بولنے کی نہیں ہے تو اب نبوت کے بعد ان لوگوں کا اللہ کے رسُول کو جھٹلانا اور یہ کہنا بڑی نا انصافی اور بالکل جھوٹ ہے، کہ مکہ

[1] صحیح بخاری ص ۴ جلد اول۔

فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا ۝۵ قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَ

سو وہی لکھوائی جاتی ہیں اس پاس صبح و شام۔ تو کہہ اس کو اتارا ہے اس شخص نے جو جانتا ہے چھپے بھید آسمانوں میں اور

الْاَرْضِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝۶ وَ قَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَ

زمین میں مقرر وہ بخشنے والا مہربان ہے اور کہنے لگے یہ کیسا رسول ہے کھاتا ہے کھانا اور

يَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ؕ لَوْلَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ۝۷ اَوْ يُلْقٰۤى اِلَيْهِ

پھرتا ہے بازاروں میں کیوں نہ اترا اس کی طرف کوئی فرشتہ کہ رہتا اس کے ساتھ ڈرانے کو یا آ پڑتا اس کے پاس

(میں چند یہودی جو رہتے ہیں وہ صبح و شام پچھلی قوموں کے کچھ قصے محمدؐ کو لکھ کر دے دیتے ہیں اور محمدؐ زبردستی ان باتوں کو اللہ کا کلام بتلاتے ہیں، آگے فرمایا، اے رسول اللہ کے تم ان لوگوں سے کہہ دو کہ قرآن میں جو آسمان و زمین کی غیب کی خبریں ہیں ان سے تم لوگ سمجھو تو یہ بات تمہاری سمجھ میں آسکتی ہے کہ یہ قرآن اس اللہ کا کلام ہے جس کو آسمان و زمین کی سب بھید کی باتیں معلوم ہیں اور باوجود اللہ کے کلام کو جھٹلانے کے تم لوگوں پر جلدی سے کوئی آفت جو نہیں آتی، اس کا سبب یہی ہے کہ ہمیشہ سے یہ ایک عادتِ الٰہی ہے کہ نافرمان لوگوں کو پہلے اللہ تعالیٰ اپنی درگزر اور مہربانی سے مہلت دیتا ہے، پھر اگر مہلت کے زمانہ میں وہ لوگ اپنی نافرمانی سے باز نہیں آتے تو ان کو کسی سخت عذاب میں پکڑ لیتا ہے، صحیح بخاری و مسلم کی ابو موسیٰ اشعریؓ کی روایت کے حوالہ سے اس عادتِ الٰہی کا ذکر کئی جگہ اوپر گزر چکا ہے[1]، یہ حدیث اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا کی گویا تفسیر ہے جس کا مطلب وہی ہے جو اوپر بیان کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ اپنی مہربانی سے نافرمان لوگوں کو پہلے مہلت دیتا ہے، پھر اگر مہلت کے زمانہ میں وہ لوگ اپنی نافرمانی سے باز نہیں آتے تو ان کو کسی سخت عذاب میں پکڑ لیتا ہے، اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے چنانچہ تیرہ چودہ برس کی مہلت کے بعد بدر کی لڑائی میں اس وعدہ کا جو کچھ ظہور ہوا، اس کا قصہ صحیح بخاری و مسلم کی انسؓ بن مالک کی روایت کے حوالہ سے کئی جگہ گزر چکا ہے کہ اس لڑائی میں بڑے بڑے قرآن کے جھٹلانے والے دنیا میں نہایت ذلت سے مارے گئے اور مرتے ہی عذابِ آخرت میں گرفتار ہو گئے جن کے جتلانے کے لئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی لاشوں پر کھڑے ہو کر فرمایا، کہ اب تم لوگوں نے اللہ کے وعدے کو سچا پایا۔

۷ - ۹: تفسیر ابن جریر میں عکرمہ اور سعید بن جبیر کی سند سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت میں جو شانِ نزول ان آیتوں کی بیان کی گئی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ مشرکینِ مکہ نے جب آنحضرتؐ پر تنگ دستی اور فقر و فاقہ کی طعن کی اور کہا یہ کیسے رسول ہیں کہ ذرا ذرا سی چیز بازار میں خریدتے پھرتے ہیں، اگر یہ اللہ کے سچے رسول ہوتے تو ضرور اللہ تعالیٰ ان کو خوشحالی سے رکھتا، مشرکین کی اس طعن سے آنحضرتؐ کے دل پر کچھ اثر رنج کا پیدا ہوا، اس رنج کا اثر دور کرنے کو اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں اور فرما دیا، کہ شیطان نے ان لوگوں کو بہکا دیا ہے، اس واسطے یہ بہکی بہکی باتیں کرتے ہیں، ورنہ یہ لوگ اپنے آپ کو ملتِ ابراہیمی پر بتلاتے ہیں اور حضرت ابراہیمؑ کو نبی جانتے ہیں، پھر یہ نہیں ثابت کر سکتے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام فرشتے تھے، کچھ کھاتے پیتے نہیں تھے یا غیب سے ان کو خزانہ ملا تھا، یا کوئی فرشتہ ان کے ساتھ رہتا تھا، جو ان کے نبی ہونے کی شہادت لوگوں سے ادا کرتا تھا، یا انہوں نے بڑے بڑے محل اور باغ بنائے تھے، علاوہ حضرت ابراہیمؑ کے اور انبیاءؑ کا حال اہلِ کتاب سے بھی انہوں نے سُنا

[1] نیز حوالہ کے لئے دیکھئے مشکوٰۃ ص ۴۳۴ باب الظلم و ص ۱۸۳ ج ۱۸ طبع جدید

كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا ؕ وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ﴿۸﴾

خزانہ یا ہو جاتا اس کو ایک باغ کہ کھایا کرتا اس میں سے اور کہنے لگے بے انصاف تم ساتھ پکڑتے ہو اسی ایک مرد جادو مارے کا۔

اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ﴿۹﴾ تَبٰرَكَ الَّذِيْۤ اِنْ شَآءَ

دیکھ کیسی بٹھائیں تجھ پر کہاوتیں اور بہکے اب پا نہیں سکتے راہ بڑی برکت ہے اس کی جو اگر

جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ وَيَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا ﴿۱۰﴾

چاہے کر دے تجھ کو اس سے بہتر باغ نیچے بہتی نہریں اور کر دے تجھ کو محل کوئی۔

ہے کہ کسی نبی میں یہ باتیں نہیں تھیں، پھر سب انبیاء سے انوکھی باتیں جو یہ لوگ نبی آخر الزمان میں چاہتے ہیں، یہ خواہش ان کی ایک معجزے کے طور کی خواہش نہیں ہے بلکہ ایک شرارت اور اغوائے شیطانی کی خواہش ہے، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی طعن کا جواب مختصر طور پر دیا ہے اور آیتوں میں اس کی زیادہ تفصیل ہے جس کا ذکر ہر ایک موقعہ پر آوے گا، اس شانِ نزول کی سند کو بعضے مفسروں نے ضعیف جو کہا ہے اس کا سبب یہ ہے کہ اس شانِ نزول کی دو سندیں ہیں ایک جبیر اور ضحاک بن مزاحم کی سند ہے اور دُوسرے سعید بن جبیر اور عکرمہ کی سند ہے، پہلی سند ضعیف ہے، اس ضعیف سند سے اس شانِ نزول کو واحدی وغیرہ نے روایت کیا ہے[۱]، دُوسری سند قوی ہے جس کو ابنِ جریر نے اپنی تفسیر میں روایت کیا ہے[۲]، وہی روایت اس تفسیر میں لی گئی ہے، ان آیتوں میں مشرکینِ مکہ نے اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم پر جو طعن کی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ جو اپنے آپ کو اللہ کا رسُول کہتے ہیں ان میں اور ہم میں کچھ فرق نہیں ہے ہماری طرح یہ بھی کھانا کھاتے ہیں، بازاروں میں پھرتے ہیں، اگر یہ سچے رسُول ہیں تو آسمان سے کوئی فرشتہ ان کے ساتھ رہ کر ان کے رسُول ہونے کی صداقت کیوں نہیں کرتا، اور تنگدستی سے چھوٹ جانے کے لئے ان کو کوئی خزانہ اور عمدہ باغ غیب سے کیوں نہیں مل جاتا، پھر فرمایا ان باتوں کے ساتھ مسلمانوں سے یہ بے انصاف لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ تم میں سے کسی کو ان رسُول کا کہنا نہیں ماننا چاہیئے تھا کیونکہ ان پر تو کسی نے جادو کر دیا ہے، اس جادو کے اثر سے یہ اپنے آپ کو اللہ کا رسُول بتلاتے ہیں، پھر فرمایا اے رسُول اللہ کے تم نے دیکھا کہ یہ مشرک تمہاری شان میں کیا کیا کہتے ہیں لیکن اے رسُول اللہ کے اللہ تعالیٰ نے تمہاری معرفت ان کو جو نجات کا راستہ بتلایا ہے جب تک یہ لوگ اس کو نہ مانیں گے تو اسی طرح کی بہکی بہکی باتیں ان کو اچھی معلوم ہوں گی، صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے حضرت علیؓ کی حدیث کئی جگہ گزر چکی ہے کہ دُنیا کے پیدا ہونے سے پہلے جو لوگ اللہ تعالیٰ کے علمِ غیب کے موافق جنتی قرار پا چکے ہیں وُہ دُنیا میں پیدا ہونے کے بعد ویسے ہی کام کرتے ہیں اور جو دوزخی ٹھہر چکے ہیں وُہ ویسے ہی کام کرتے ہیں، اس حدیث کو آیتوں کے ساتھ ملانے سے یہ مطلب ہُوا کہ اہلِ مکہ میں سے جو لوگ اللہ تعالیٰ کے علمِ غیب میں جنتی قرار پا چکے ہیں وُہ کچھ دنوں تک بہکی ہُوئی باتیں کرتے رہے لیکن پھر آخر کو قرآن کی نصیحت سے راہِ راست پر آگئے اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے علمِ غیب میں دوزخی ٹھہر چکے تھے وُہ مرتے دَم تک ایسی ہی بہکی ہُوئی باتیں کرتے رہے جیسی باتوں کا ذکر ان آیتوں میں ہے۔

۱۰۔ تفسیر سفیان ثوریؒ اور تفسیر ابن ابی حاتمؒ وغیرہ میں خیثمہؒ کی روایت سے جو شانِ نزول اس آیت کی بیان کی گئی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ مشرکینِ مکہ نے جب آنحضرتؐ پر تنگدستی اور فقر و فاقہ کی طعن کی تو اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کے پاس پیغام بھیجا تھا، کہ اے رسُول اللہ

[۱] تفسیر الدر المنثور ص ۶۳ ج ۵ بحوالہ اسباب النزول واحدی ۱۹۰، ۱۹۱ [۲] تفسیر ابن کثیر ص ۳۱۰ ج ۳ [۳] تفسیر الدر المنثور ص ۶۳ ج ۵۔

بَلْ كَذَّبُوا بِالسَّاعَةِ ۚ وَأَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيرًا ﴿١١﴾ إِذَا رَأَتْهُم مِّن مَّكَانٍ

وہ جھٹلاتے ہیں قیامت کو اور ہم نے تیار کی ہے جو کوئی جھٹلاوے قیامت اس کے واسطے آگ جب وہ دیکھے گی ان کو دور جگہ

بَعِيدٍ سَمِعُوا لَهَا تَغَيُّظًا وَزَفِيرًا ﴿١٢﴾ وَإِذَا أُلْقُوا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِينَ دَعَوْا هُنَالِكَ

سے سنیں گے اس کا جھنجھلانا اور چلانا اور جب ڈالے جاویں گے اس میں ایک جگہ تنگ ایک زنجیر میں کئی بندھے پکاریں گے اس جگہ

کے تم اگر دنیا کی تنگدستی سے گھبراتے ہو تو تمام روئے زمین کے خزانوں کی کنجیاں اللہ کے حکم سے تمہارے حوالہ ہو جاویں گی اور دنیا میں یہ خوشحالی دینے کے بعد تمہاری عقبیٰ کے مرتبہ میں اللہ تعالیٰ کچھ کمی نہ کرے گا، اور اگر تمہاری مرضی ہے تو اللہ تعالیٰ دنیا و عقبیٰ کی خوبی کا ذخیرہ تمہارے لئے عقبیٰ ہی میں رکھے گا، دنیا چند روزہ ہے، اس کو ہر طرح سے کاٹ دو، آنحضرتؐ نے اس پیغام کے جواب میں فرمایا کہ دنیا ہر طرح سے کٹ جاوے گی، مجھ میں عقبیٰ میں ہر طرح کی خوبی کا ذخیرہ درکار ہے، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی یہ خثیمہ بن الحارث قبیلہ اوس میں کے انصاری صحابہ میں ہیں، احد کی لڑائی میں ان کی شہادت ہوئی ہے، حاصل معنی آیت کے یہ ہیں کہ اگرچہ لوگوں کی خواہش دنیا کے عیش و آرام کی طرف مائل ہے اور ان کی خواہش کا پورا کرنا اللہ تعالیٰ چاہے تو اچھے لوگوں کے واسطے دنیا میں ہی اللہ تعالیٰ سب کچھ کر دیوے لیکن دنیا کی خوبی اچھے لوگ چاہتے ہی نہیں بلکہ دنیا سے بچتے رہتے ہیں دنیا پر تو وہی لوگ مفتون ہیں جو عقبیٰ کے منکر ہیں اور ان کا مدار فقط دنیا کی زیست پر ہے اور عاقبت میں ان کے لئے دوزخ ہے حاصل کلام یہ ہے کہ جس کسی کو جس قدر آخرت کا یقین زیادہ ہے، اسی قدر وہ دنیا سے بیزار ہے، پھر آنحضرتؐ کو آخرت کا جس قدر یقین تھا وہ بیان سے باہر ہے اسی واسطے باوجود پیغام الٰہی کے آپ نے دنیا کی خوشحالی کو پسند نہیں فرمایا کیونکہ یہ بات معلوم تھی کہ اللہ تعالیٰ جن لوگوں کو دوست رکھتا ہے، ان کو وہ دنیا میں پھنسانا پسند نہیں فرماتا چنانچہ معتبر سند سے طبرانی، صحیح ابن حبان میں رافع بن خدیج سے اور مستدرک حاکم میں ابوسعیدؓ خدری سے جو روایتیں[1] ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ دوست رکھتا ہے اس کو دنیا سے اس طرح بچاتا ہے جس طرح کوئی رشتہ دار اپنے بیمار رشتہ دار کو بدپرہیزی سے بچاتا ہے، معتبر سند سے ترمذی میں ابوامامہ[2] سے روایت ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے مکہ کے پہاڑوں کو سونے کے پہاڑ بنا کر ان کو میرے ساتھ رہنے کا حکم میری مرضی پر منحصر رکھا تھا لیکن میں نے اپنی مرضی یہ ظاہر کی کہ یا اللہ مجھ کو ایک دن کھانا ملے اور ایک دن فاقہ ہو تاکہ شکر اور صبر دونوں کے اجر کا مجھ کو موقع ملے۔ اور خثیمہؓ بن الحارث کی روایت سے شانِ نزول جو بیان کی گئی، اس کو ان روایتوں سے پوری تقویت ہو جاتی ہے۔ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت عائشہؓ سے روایت[3] ہے جس میں وہ فرماتی ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام عمر میں کبھی دو دن ایسے نہیں گزرے، جن میں پے درپے آپؐ نے جو کی روٹی پیٹ بھر کر کھائی ہو، اس حدیث سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام عمر کے کھانے کا حال اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے، اسی طرح کی صحیح حدیثیں آپ کے لباس کے باب میں ہیں۔

۱۱-۱۳: مشرکین مکہ اللہ کے رسول کی تنگدستی پر طعن جو کرتے تھے، اوپر اس کا ذکر فرما کر ان آیتوں میں فرمایا، ان لوگوں کی یہ طعن کی باتیں معجزہ کی خواہش کے طور پر نہیں بلکہ مرنے کے بعد پھر دوبارہ زندہ ہونے اور حساب کتاب کے لئے اللہ تعالیٰ کے روبرو کھڑے ہونے کے یہ لوگ منکر ہیں اس لئے عقبیٰ کی بہتری کو یہ لوگ طعن اور مسخراپن کی باتوں میں اڑا دیتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے بھی ایسے لوگوں کے لئے دوزخ

[1] الترغیب والترہیب ص ۱۳۲ ج ۴ [2] ایضاً ص ۱۵۳ [3] مشکوٰۃ باب فضل الفقراء وما کان من عیش النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

ثُبُوۡرًا ﴿۱۳﴾ لَا تَدۡعُوا الۡیَوۡمَ ثُبُوۡرًا وَّاحِدًا وَّ ادۡعُوۡا ثُبُوۡرًا کَثِیۡرًا ﴿۱۴﴾

موت کو ۔ مت پکارو آج مرنے ایک کو اور پکارو بہت سے مرنے کو ۔

کی آگ کو خوب دہکا کر تیار کر رکھا ہے، صحیح سند سے ترمذی میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ دوزخ کی آگ میں اللہ تعالیٰ نے ایک طرح کی بینائی کی قوت پیدا کی ہے جس سے وہ مشرکوں، ظالموں، مصوروں کو دیکھ کر قیامت کے دن پہچان لے گی، آیتوں میں یہ جو ذکر ہے کہ دوزخ کی آگ گنہ گاروں کو دیکھتے ہی جھنجلانا اور چلانا شروع کر دیوے گی، اس حدیث سے دوزخ کے دیکھنے کا مطلب اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دوزخ کی آگ میں قوت بینائی پیدا کی ہے جس سے وہ قیامت کے دن گنہگاروں کو دیکھتے ہی پہچان لے گی، یہ دوزخ کا جھنجلانا اس وقت ہوگا جس وقت اس کو ستر ہزار نکیلیں لگا کر محشر کے میدان میں لایا جائیگا جس کا ذکر عبداللہ بن مسعود کی صحیح مسلم کی روایت[۲] میں ہے، سورۃ الحاقہ میں آوے گا کہ ایسے لوگوں کے گلے میں طوق ڈالا جاوے گا اور ستر گز کی ایک زنجیر میں ان کی جماعت کو جکڑا کر دوزخ میں جھونک دیا جائے گا، اس سے مَكَانًا ضَيِّقًا کا مطلب اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ زنجیر میں جکڑ دیئے جانے کے سبب سے ایسے لوگوں کی جماعت کی جماعت دوزخ کی تھوڑی سی جگہ میں پڑی رہے گی، پھر فرمایا دوزخ کے عذاب کی تکلیف سے ایسے لوگ بہت کچھ چلاویں گے اور پچھتاویں گے مگر بے وقت کا چلانا اور پچھتانا ان کے کچھ کام نہ آوے گا صحیح بخاری کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی روایت سے حدیث قدسی کئی جگہ گزر چکی ہے، جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا جب سب کی آنکھوں کے سامنے اللہ تعالیٰ نے اس جہان کو پیدا کر دیا تو جو لوگ دوبارہ پیدا کئے جانے کے منکر ہیں وہ بڑے نادان ہیں کیونکہ معمولی عقل کا آدمی بھی اس بات کو اچھی طرح سمجھ سکتا ہے، کہ جو کام ایک دفعہ کیا جا چکا، اس کے پھر دوبارہ کئے جانے کا انکار خلاف عقل ہے آیتوں میں جن منکرین حشر کا ذکر ہے۔ اس حدیث سے ان لوگوں کی نادانی کا حال اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے۔

۱۴۔ قیامت کے دن اہل دوزخ پر طرح طرح کی سختیاں گزریں گی، ان سختیوں سے یہ بھی ایک سختی ہے، جس کا ذکر اس آیت میں ہے، صحیح سند سے بعث و نشور بیہقی میں انسؓ بن مالک کی روایت[۳] سے جو حدیث ہے، اس میں اس آیت کی تفسیر جو آئی ہے[۴] حاصل اس کا یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، دوزخ میں داخل ہونے سے پہلے شیطان کو کھڑا کیا جائے گا اور اس کے تمام شیاطین اور سارے اس کے پیرو اس کے پیچھے کھڑے کئے جائیں گے اور ان سب سے پہلے شیطان کو ایک آگ کا لباس پہنایا جاوے گا اور پھر سب اس کے ساتھیوں کو بھی آگ کا لباس پہنایا جاوے گا، اس وقت شیطان اور اس کے ساتھی اپنی ہلاکت کی حالت پر افسوس کریں گے اور کہیں گے کہ ہائے افسوس ہم ہلاک ہوگئے، ان کے جواب میں خدا تعالیٰ فرمائے گا کہ ایک ہلاکت کو کیا جھیلتے ہو، ابھی تو تمہیں طرح طرح کی ہلاکت بھگتنی اور طرح طرح کے عذاب دوزخ کی مصیبت جھیلنی پڑے گی، صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے انسؓ بن مالک کی حدیث کئی جگہ گزر چکی ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، دوزخ کے عذاب کا جو کچھ حال مجھ کو معلوم ہے اگر وہ حال پورے طور پر لوگوں کو معلوم ہو جاوے تو لوگ دنیا کے سب کام چھوڑ کر ہر وقت روتے رہیں، اس حدیث سے یہ مطلب اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے کہ آگ کا لباس پہنائے جانے کے بعد دوزخ کے طرح طرح کے عذاب کی مصیبت جو شیطان اور اس کے ساتھیوں کو بھگتنی پڑے گی وہ بیان سے باہر ہے کیونکہ دنیا کا انتظام قائم رہنے کی غرض سے اس مصیبت کا حال اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے۔

[۱] مشکوٰۃ ص ۴۸۶ باب التصاویر۔ [۲] مشکوٰۃ باب صفۃ النار و اہلہا۔ [۳] تفسیر الدر المنثور ص ۶۴ ج ۵۔ [۴] تفسیر ابن کثیر ص ۳۱۱ بحوالہ مسند امام احمد

قُلْ اَذٰلِكَ خَيْرٌ اَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِىْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ كَانَتْ لَهُمْ جَزَآءً وَّمَصِيْرًا ﴿۱۵﴾

تو کہہ بھلا یہ چیز بہتر یا باغ ہمیشہ رہنے کا جس کا وعدہ ملا پرہیزگاروں کو وُہ ہوگا ان کا بدلہ اور پھر جانے کی جگہ

لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ خٰلِدِيْنَ ؕ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْـُٔوْلًا ﴿۱۶﴾ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَ

ان کو وہاں ہے جو چاہیں رہا کریں ہمیشہ ہو چکا تیرے رب کے ذمہ وعدہ مانگا پہنچنا۔ اور جس دن جمع کر بلاوے گا ان کو اور

مَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَقُوْلُ ءَاَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ عِبَادِىْ هٰٓؤُلَآءِ اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيْلَ ﴿۱۷﴾

جن کو پوجتے ہیں اللہ کے سوائے پھر ان سے کہے گا یہ تم نے بہکایا میرے ان بندوں کو یا وُہ آپ بہکے راہ سے۔

امت کے لوگوں کو نہیں جتلایا۔

۱۵-۱۶:- اور منکرین قیامت کا اور ان کے لیئے دوزخ کے تیار کئے جانے کا ذکر فرما کر ان آیتوں میں فرمایا، اے رسول اللہ کے تم ان لوگوں سے کہہ دو کہ ان کے انکار سے اللہ تعالیٰ کا انتظام تو پلٹنے والا نہیں، اب ان لوگوں کو یہ بتلانا چاہیئے کہ انتظام الٰہی کے موافق وقت مقررہ پر جب قیامت قائم ہوگی اور اللہ تعالیٰ کے وعدہ کے موافق ان کو اس دوزخ کی آگ میں جھونک دیا جاوے گا جو ایسے لوگوں کے لیئے اس طرح دھکائی گئی ہے کہ اس کی تیزی دُنیا کی آگ سے اونہتر حصّہ زیادہ ہے تو یہ دوزخ کی آگ بہتر ہے یا پرہیزگار لوگوں سے جس جنت کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے وُہ بہتر ہے، صحیح بخاری ومسلم سے ابوہریرہؓ کی حدیث کئی جگہ گزر چکی ہے جس میں یہ ذکر ہے کہ دوزخ کی آگ کی تیزی دنیا کی آگ سے اونہتر حصّے زیادہ ہے، پھر فرمایا یہ جنت وُہ ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کی معرفت پرہیزگار لوگوں سے کیا ہے جس وعدہ کے پورے ہونے کی دُعا پرہیزگار لوگ مانگتے رہتے ہیں، صحیح بخاری ومسلم میں عبداللہ بن عمرؓ سے اور صحیح مسلم میں ابوہریرہؓ اور ابوسعید خدریؓ سے جو روایتیں ہیں ان میں جنت کی نعمتوں کے فنا نہ ہونے کا اور جنتیوں کے ہمیشہ جنّت کے عیش و آرام میں رہنے کا ذکر تفصیل سے ہے، نیک کام میں لگے رہنے اور بُرے کام سے بچنے کو پرہیزگاری کہتے ہیں صحیح بخاری کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی روایت ایک جگہ گزر چکی ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کے مزاج میں پرہیزگاری زیادہ ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی عزت زیادہ ہے، آیتوں میں یہ جو ذکر ہے کہ پرہیزگار لوگوں سے جنت کا وعدہ کیا گیا ہے، اس کا مطلب اس حدیث سے اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ قیامت کے دن پرہیزگاری ہی ایک ایسی چیز ہے جس کے سبب سے آدمی دوزخ کے عذاب کی ذلت سے بچ کر جنت میں داخل ہونے کی عزت حاصل کر سکتا ہے اور جس قدر پرہیزگاری آدمی کے مزاج میں زیادہ ہوگی، جنت میں ویسا ہی اعلیٰ درجہ جنت کا اس کو ملے گا، اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے جنت کے سو درجے پیدا کئے ہیں، چنانچہ صحیح بخاری ومسلم اور ترمذی کی عبادہؓ بن صامت کی حدیث میں اس کا ذکر تفصیل سے ہے۔

۱۷-۱۹:- اگرچہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے، سب کچھ اس کو معلوم ہے لیکن میدان محشر کی تمام مخلوقات کے روبرو مشرک لوگوں کو شرمندہ کرنے کے لئے ملائکہ، حضرت عزیرؑ، حضرت عیسٰیؑ اور بتوں سے غرض سوائے خدا کے جس کسی کو مشرک لوگوں نے دُنیا میں اپنا معبود ٹھہرا رکھا ہے، ان سب سے قیامت کے روز اللہ تعالیٰ پوچھے گا کہ کیا تم نے ان مشرک

۱؎ مشکوٰۃ باب صفۃ النار واہلہا ۲؎ الترغیب والترہیب ص ۵۶۴ ج ۴ ۳؎ مشکوٰۃ ص ۴۹۶ باب صفۃ الجنۃ واہلہا ۴؎ مشکوٰۃ ص ۴۱۷ باب المفاخرۃ والعصبیۃ ۵؎ مشکوٰۃ ص ۴۹۶ باب صفۃ الجنۃ واہلہا۔

قَالُوْا سُبْحٰنَكَ مَا كَانَ يَنْۢبَغِيْ لَنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ مِنْ اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ

بولیں گے تو پاک ہے ہم کو بن نہ آیا تھا کہ پکڑیں تیرے بغیر کوئی رفیق لیکن تو نے ان کو برتنے دیا

وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى نَسُوا الذِّكْرَ ۚ وَكَانُوْا قَوْمًۢا بُوْرًا ﴿۱۸﴾ فَقَدْ كَذَّبُوْكُمْ بِمَا تَقُوْلُوْنَ ۙ فَمَا

اور ان کے باپ دادوں کو یہاں تک کہ بھول گئے یاد اور یہ تھے لوگ کھپنے والے ۔ سو وہ تو جھٹلا چکے تم کو تمہاری بات میں اب تم

تَسْتَطِيْعُوْنَ صَرْفًا وَّلَا نَصْرًا ۚ وَمَنْ يَّظْلِمْ مِّنْكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيْرًا ﴿۱۹﴾

نہ پھیر دے سکتے ہو اور نہ مدد کر سکتے ہو اور جو کوئی تم میں سے گنہگار ہے اس کو ہم چکھا دیں بڑی مار۔

لوگوں کو شرک کا طریقہ سکھایا تھا، وُہ سب اس سے انکار کریں گے اور اپنی بیزاری جتلا دیں گے، یہ قیامت کا حال مشرکوں کو دُنیا میں اس لئے جتلایا ہے کہ مشرک اپنی غلطی کو سمجھ جاویں اور جان لیویں کہ خدا کے سوا جس کو انہوں نے اپنا معبود ٹھہرایا ہے وُہ معبود کچھ کام نہیں آویں گے بلکہ مصیبت کے وقت صاف جواب دیں گے، پھر جو چیز مصیبت کے وقت ہی کام نہ آوے اور کچھ نفع و نقصان اس کے اختیار میں نہ ہو، اس کو معبود بننے کا کیا حق حاصل ہے، اولادِ آدم میں سے جن اچھے لوگوں کی مورتوں کو یہ مشرک پوجتے ہیں وُہ اچھے لوگ قیامت کے دن ان مشرکوں سے جو بیزاری ظاہر کریں گے، اس کا ذکر سورہ یونس میں گزر چکا ہے اور فرشتوں کی بیزاری کا حال سورہ سبا میں آوے گا، حاصل مطلب ان آیتوں کا یہ ہے کہ قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ ان منکرِ قیامت بُت پرستوں اور ان جھوٹے معبودوں سب کو اکٹھا کرے گا اور ان جھُوٹے معبودوں سے پوچھے گا کہ کیا تم نے اپنی مورتوں کی پوجا کے لئے ان بت پرستوں سے کہا تھا، یا یہ بت پرست خود ہی بت پرستی میں لگ گئے تو سب مورتوں کی اصل صورتیں ان مشرکوں کے شرک سے اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کر کے یہ کہیں گے کہ یا اللہ تجھ کو خوب معلوم ہے کہ ہم تو خالص دل سے تجھ کو سچّا معبود جانتے ہیں، پھر ہم سے یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ ہم ان مشرکوں سے اپنی مورتوں کی پوجا کو کہتے، پھر کہیں گے یا اللہ تیرے علمِ غیب میں یہ لوگ قابلِ ہلاکت ٹھہر چکے تھے، اس لئے دُنیا میں تو نے ان کو خوشحالی اور تندرستی جو دی اس کے نشہ میں یہ تیری یاد سے غافل رہے، اب اللہ تعالیٰ ان مشرکوں کو قائل کرنے کے لئے فرما دے گا، سوائے اللہ کے جن کی تم پوجا کرتے تھے وُہ تو تم کو جھٹلا چکے، اب تم شرک کی سزا کے عذاب کو نہ خود ٹال سکتے ہو، نہ کوئی دُوسرا تمہاری مدد کر سکتا ہے، شرک کی برائی جتانے کے لئے آگے مسلمانوں کو مخاطب ٹھہرا کر فرمایا کہ اسلام کے بعد تم میں سے اگر کوئی شرک میں گرفتار ہو جاوے گا تو قیامت کے دن اس کو بھی وہی سخت عذاب بھگتنا پڑے گا جو منکرِ اسلام مشرکوں کے لئے تیار کیا گیا ہے، حسن بصری کے قول کے موافق آخری آیت کی تفسیر وہی ہے جو اوپر بیان کی گئی، صحیح بخاری و مسلم میں ابوہریرہؓ سے روایت[1] ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ قیامت کے دن اللہ کے رسول کی جان پہچان کے کچھ لوگوں کو حوضِ کوثر پر سے دوزخ میں جھونک دینے کے لئے فرشتے گھسیٹ کر جب لے جانے لگیں گے تو اللہ کے رسول فرماویں گے یہ لوگ میرے صحابہؓ میں ہیں، فرشتے جواب دیں گے کہ یہ لوگ اسلام سے پھر گئے تھے، اس حدیث کو آخری آیت کے ساتھ ملانے سے یہ مطلب ہُوا کہ آخری آیت میں مختصر طور پر جیسے لوگوں کا ذکر قرآن کی معجزہ کی شان سے تھا، قیامت کے دن ایسے لوگوں کا جو انجام ہو گا اس کا حال حدیث سے اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے اس حدیث سے حسن بصری کے قول کی پوری تائید ہوتی ہے کیونکہ آیت کی جو تفسیر حسن بصری کے قول کے موافق بیان کی گئی وہی مطلب اس کا ہے

[1] الترغیب والترہیب ص ۲۲۴ ج ۴ (ع ۔ ح)

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ ؕ

اور جتنے بھیجے ہم نے تجھ سے پہلے رسول سب کھاتے تھے کھانا اور پھرتے تھے بازاروں میں

وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً ؕ اَتَصْبِرُوْنَ ۚ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيْرًا ﴿۲۰﴾

اور ہم نے رکھا ہے تم میں ایک دوسرے کے جانچنے کو دیکھیں ثابت رہتے ہو اور تیرا رب سب دیکھتا ہے۔

۲۰۔ مشرکین کو جو کہتے تھے کہ اگر یہ سچے رسول ہوتے تو نہ کھانا کھاتے، نہ بازاروں میں پھرتے، اس کے جواب میں فرمایا، کھانے کا کھانا اور بازاروں میں پھرنا رسولوں کے منصب کے خلاف نہیں ہے کیونکہ سب رسول بشر ہوئے ہیں اور کھانے کا کھانا بشر کا خاصہ ہے، یہ لوگ ملک شام کے سفر میں اہل کتاب سے سن چکے ہیں کہ پچھلے سب رسول بشر ہوئے ہیں اور یہ بھی ان کو معلوم ہے کہ کھانا کھانا ہر بشر کے لئے ایک لازمی بات ہے، اس پر بھی یہ لوگ شرارت سے نبی آخر الزمان میں ایک انوکھی بات چاہتے ہیں، پھر فرمایا، خوشحالی اور تنگدستی کا فرق اللہ تعالیٰ نے جو لوگوں میں رکھا ہے، وہ فقط اس آزمائش کے لیے ہے کہ کون شخص خوشحالی کی حالت میں اترانے کی حد تک نہیں پہنچتا اور کون شخص تنگدستی میں صبر کرتا ہے صحیح مسلم کے حوالہ سے صہیبؓ رومی کی حدیث[1] کئی جگہ گزر چکی ہے کہ خوشحالی کے وقت صبر کرنا ایمان دار لوگوں کا کام ہے، پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اترانے والوں اور صبر کرنے والوں کے سب کاموں کو دیکھتا ہے، کوئی چیز اس کی نظر سے غائب نہیں ہے، قیامت کے دن ہر ایک کے عمل کے موافق جزا و سزا کا فیصلہ ہو گا۔

---

[1] مثلاً ص ۱۷، جلد سوم تفسیر ہذا۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا ؕ لَقَدِ

اور بولے جو لوگ امید نہیں رکھتے کہ ہم سے ملیں گے کیوں نہ اترے ہم پر فرشتے یا ہم دیکھتے اپنے رب کو بہت

اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا ﴿٢١﴾ يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰى يَوْمَئِذٍ

بڑائی رکھتے ہیں اپنے جی میں اور سر چڑھ رہے ہیں بڑی شرارت میں جس دن دیکھیں گے فرشتے کچھ خوشخبری نہیں اس دن

لِّلْمُجْرِمِيْنَ وَيَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿٢٢﴾

گنہ گاروں کو اور کہیں گے کہیں روک کے جانے کوئی اوٹ ۔

٢١: اس آیت میں منکرین قیامت کے اترانے کی ایک اور بات کا ذکر فرمایا، جس کا حاصل یہ ہے کہ جس طرح اترانے کی راہ سے یہ لوگ اللہ کے رسُول کو حقارت سے دیکھنے اور بازاروں میں پھرنے والا کہتے ہیں، اسی طرح یہ بھی کہتے ہیں کہ جب تک خود اللہ تعالیٰ یا اس کے فرشتے ہمارے روبرو آکر ان رسُول کی صداقت بیان نہ کریں گے تو ہم ان کو سچا رسُول نہ جانیں گے، پھر فرمایا یہ لوگ شرارت میں حد سے بڑھ گئے ہیں کیونکہ ان کو سمجھا دیا گیا ہے کہ فرشتوں کو اصلی صورت میں دیکھنا انسان کی طاقت سے باہر ہے اس پر بھی ان لوگوں کو فرشتوں کے دیکھنے کی ضد ہے تو فرشتوں کو اصلی صورت میں دیکھنے کے بعد ایسے لوگوں پر جو کچھ گزرے گی، اس کا ذکر آگے کی آیتوں میں آتا ہے صحیح مسلم کے حوالہ سے ابو موسیٰ اشعریؓ کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے کہ لوگوں کے رات کے عمل دن سے پہلے اور دن کے عمل رات سے پہلے اللہ تعالیٰ کے ملاحظہ میں پہنچ جاتے ہیں یہ حدیث وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيْرًا کی گویا تفسیر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اگرچہ کوئی چیز اللہ تعالیٰ کے علمِ غیب سے باہر نہیں ہے لیکن اس نے اپنے انصاف سے جزا و سزا کا مدار اپنے علم غیب پر نہیں رکھا بلکہ اس علم کے ظہور پر رکھا ہے اور اس علم کے ظہور کے ملاحظہ کا انتظام وہی ہے جس کا ذکر اس حدیث میں ہے کہ لوگوں کے اعمال نامے دو وقتہ اللہ تعالیٰ کے ملاحظہ میں پیش ہو جاتے ہیں ۔

٢٢: مشرک لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ ہماری آنکھوں کے سامنے فرشتے آن کر آنحضرتؐ کی نبوت کی شہادت ادا کریں تو ہم کو ان کی نبوت کا یقین آ سکتا ہے اللہ تعالیٰ نے یہ اس کا جواب دیا ہے، حدیث شریف میں اس جواب کی تفسیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمائی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ دُنیا میں دو موقع اللہ تعالیٰ نے ایسے ٹھہرائے ہیں جن میں فرشتے انسانوں کے روبرو ان کی آنکھوں کے سامنے آویں گے ایک موقع تو قبضِ رُوح کا ہے کہ آدمی کی جان نکالنے کو فرشتے اس کے رُوبرو آتے ہیں دُوسرا موقع حشر کا ہے کہ جب لوگ قبروں سے اٹھیں گے تو فرشتے ان کو حساب کتاب کے لئے میدانِ محشر میں لے جاویں گے اور یہ دونوں موقع بے دین لوگوں پر بھاری ہیں چنانچہ مسند امام احمد اور ابوداؤد کی براءؓ بن العازبؓ کی صحیح روایت کے حوالہ سے کئی جگہ اوپر گزر چکا ہے کہ بے دین لوگوں کے قبضِ رُوح کے وقت ڈراؤنی صورت بنا کر فرشتے ایسے لوگوں کے سامنے آتے ہیں اور رُوح کو جسم سے الگ ہونے کے بعد طرح طرح کے عذاب میں مبتلا ہونے کی خبر سُناتے ہیں، اس خبر کو سُن کر رُوح جسم میں جگہ جگہ چھپتی ہے اور فرشتے ان لوگوں کے منہ اور پیٹھ پر طرح طرح کی مار مارتے ہیں اور بڑی سختی سے جان نکالتے ہیں اور حشر کا ذکر صحیح بخاری و مسلم میں انسؓ بن مالک کی روایت سے آیا ہے کہ بے دین لوگوں کو مُنہ کے بل بُری طرح سے کھینچتے ہوئے میدانِ محشر میں فرشتے لے جاویں گے حاصل معنی آیت کے یہ ہیں کہ اب تو نخوت سے یہ لوگ کہتے

[1] مشکوٰۃ ص ٢١ باب الایمان بالقدر [2] مشکوٰۃ ص ١٤٢ باب ما یقال عند من حضرہ الموت [3] مشکوٰۃ باب الحشر۔

وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ﴿۲۳﴾ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ

اور ہم پہنچے ان کے کاموں پر جو کئے تھے پھر کر ڈالا اس کو خاک اڑتی . بہشت کے لوگ

يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّاَحْسَنُ مَقِيْلًا ﴿۲۴﴾

اس دن خوب رکھتے ٹھکانا اور خوب جگہ دوپہر کے آرام کی ۔

ہیں کہ جب تک فرشتے ہمارے سامنے نہ آویں گے ہم ہرگز ایمان نہ لاویں گے لیکن جب فرشتوں کے سامنے آنے کا وقت آوے گا تو ان کو اس نخوت کی قدر کھل جاوے گی کہ فرشتے قبض روح کے اور حشر کے وقت ایسے لوگوں کو طرح طرح کی تکلیفیں دے کر یہ کہیں گے کہ دُنیا میں تم لوگ بہت عیش و آرام میں رہے اب تم کو ایسی سختی بھگتنی پڑے گی کہ جس میں کسی طرح کی راحت کی کوئی خبر بھی تمہارے کانوں تک نہ پہنچے گی، کوئی بڑی سختی پیش آنے والی ہو تو عرب کے محاورے میں ایسے موقع پر حِجْرًا مَّحْجُوْرًا بولتے ہیں اس میں سلف کا اختلاف ہے کہ نافرمان لوگوں سے فرشتے حِجْرًا مَّحْجُوْرًا کہیں گے یا نافرمان لوگ فرشتوں سے یہ بات کہیں گے حافظ ابو جعفر ابن جریرؒ نے اپنی تفسیر میں اسی قول کو ترجیح دی ہے کہ یہ فرشتوں کا قول ہے اور مطلب اس کا وہی ہے جو اوپر بیان کیا گیا جو مفسرؒ یہ کہتے ہیں کہ یہ نافرمان لوگوں کا قول ہے وُہ اس قول کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ نافرمان لوگ فرشتوں کی سختی کے وقت اپنے اس قول سے کسی آڑ یا اوٹ میں چھپ جانے کی تمنا ظاہر کریں گے، ترجمہ میں یہی قول لیا ہے مگر حافظ ابو جعفر ابن جریر نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ عرب کی بول چال میں حِجْرًا مَّحْجُوْرًا کے معنی آڑ یا اوٹ کے کہیں پائے نہیں جاتے اگرچہ فارسی اور اردو کے لفظی ترجمہ میں پہلا قول لیا گیا ہے اس اعتراض کے خیال سے پہلا قول لیا ہے لیکن آگے میٹھے اور کھاری دو دریاؤں کے نہ ملنے کے ذکر میں حِجْرًا مَّحْجُوْرًا کا لفظ آڑ اور اوٹ کے معنوں میں آیا ہے اس واسطے یہ معنی بھی صحیح ہیں ۔

۲۳۔۲۴: ۔ مشرک اور بے دین لوگوں سے جو نیک کام ہوتا ہے تو وُہ نہ شریعت کی پابندی سے ہوتا ہے اور نہ خالص اس نیت سے ہوتا ہے کہ آخرت میں اس کا ثواب ان کو ملے کیونکہ شریعت اور عقبیٰ کے ثواب اور عذاب کے یہ لوگ منکر ہیں اس لئے جو نیک کام ان سے ہوتا ہے بغیر پابندی شریعت اور بغیر آخرت کے یقین کے محض رسم کے طور پر ہوتا ہے اور یہ ذکر اوپر گزر چکا ہے کہ اس طرح کا نیک کام اللہ کی درگاہ میں مقبول نہیں ہے اس واسطے ایسے نیک عمل اللہ کے نزدیک اس طرح اُڑ جانے کے قابل ہیں جس طرح آندھی میں ریت اڑ جاتی ہے اسی واسطے صحیح بخاری و مسلم میں حضرت عائشہؓ کی روایت[1] میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو کوئی شخص ایسا کام کرے جس کا پتہ شریعت میں نہیں ہے تو ایسا کام اللہ کے نزدیک اکارت ہے اسی طرح صحیح مسلم میں ابوہریرہؓ سے روایت[2] ہے، جس میں اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ کی نظر انسان کی ظاہری حالت پر نہیں ہے بلکہ اس کی نظر ہمیشہ انسان کے دلی ارادے پر ہے کہ جو کام کیا گیا ہے وُہ کس نیت سے ہے، ان حدیثوں سے یہ مطلب اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے کہ بغیر پابندیٔ شریعت اور بغیر آخرت کے اجر کی نیت سے کوئی کام بارگاہ الٰہی میں مقبول نہیں، آگے فرمایا، ان نافرمان منکرِ شریعت لوگوں کے نیک عمل تو اس طرح قیامت کے دن اُڑ جاویں گے جس طرح آندھی میں ریت اڑ جاتی ہے اور فرمانبردار پابندِ شریعت لوگوں کے نیک عملوں کا بدلہ یہ ہوگا کہ ان نافرمان لوگوں کے دُنیا کے عیش و آرام کے ٹھکانوں سے بہتر ٹھکانے ان پابندِ شریعت لوگوں کو جنت میں دیئے جاویں گے

[1] مشکوٰۃ باب الاعتصام بالکتب والسنۃ [2] ایضاً باب الریاء والسمعۃ۔

وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا ﴿٢٥﴾ اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ نِ الْحَقُّ

اور جس دن پھٹ جاوے آسمان بدلی سے اور اتارے جاویں فرشتے اتارا لگا کر راج اس دن سچا ہے

لِلرَّحْمٰنِ ۭ وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا ﴿٢٦﴾

رحمٰن کا اور ہے وہ دن منکروں پر مشکل۔

جہاں یہ لوگ ہمیشہ آرام سے رہیں گے صحیح ابن حبان اور مسند ابی یعلی میں ابوہریرہؓ کی صحیح حدیث[1] ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ قیامت کا دن پچاس ہزار برس کا ہوگا اور اس دن کی دوپہر تک لوگوں کا حساب کتاب پورا ہو جاوے گا، آخر آیت میں جنت کو دوپہر کی آرام کی جگہ جو فرمایا اس کا مطلب اس حدیث سے اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حساب کتاب سے فارغ ہو کر جنتی لوگ پہلے پہل دوپہر کے وقت جنت میں جاویں گے۔

۲۵-۲۶:- یہ آسمان کے پھٹنے اور فرشتوں کے زمین پر اترنے کا ذکر حشر کے وقت کا ہے، مسند امام احمد بن حنبل، مسند ابویعلیٰ موصلی تفسیر ابن جریر اور تفسیر ابن مردویہ وغیرہ میں حضرت عبداللہؓ بن مسعود اور عبداللہ بن عباسؓ کی روایت میں اس آیت کی تفسیر جو آئی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ میدان محشر میں جب سب لوگ آفتاب کی گرمی اور پسینے سے گھبراویں گے اور حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت عیسیٰؑ تک سب انبیاء کے پاس جاویں گے اور حساب کتاب کے شروع ہونے کی شفاعت کی خواہش ان سے کریں گے اور سب انبیاء اس دن کے خدا کے غصہ سے ڈر کر اس شفاعت سے انکار کریں گے، آخر یہ سب لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آویں گے اور آپ اللہ تعالیٰ سے لوگوں کا حساب کتاب شروع ہو جانے اور میدان محشر کی تکلیف سے ان کی نجات ہو جانے کی شفاعت فرماویں گے اس وقت ان کی شفاعت سے اللہ تعالیٰ ایک نورانی بدلی میں لوگوں کے حساب و کتاب کے لئے زمین پر نزول فرماوے گا اور ہر ایک آسمان کے فرشتے بھی زمین پر اتریں گے اور حساب و کتاب شروع ہو جاوے گا، یہ سورہ بقرہ میں گزر چکا ہے کہ اس طرح کی آیتوں اور حدیثوں کو متشابہات کہتے ہیں ان کے ظاہری معنی پر ایمان لانا، اور ان کی کیفیت اللہ کے علم پر سونپنی چاہیئے، اگرچہ حافظ ابن کثیر وغیرہ نے علی بن زید بن جدعان راوی کو اس حدیث کی سند میں ضعیف کہا ہے[2] لیکن ترمذی اور دارقطنی نے علی بن زید کو قابل روایت قرار دیا ہے، علاوہ اس کے یہ سب امتوں کے حساب و کتاب کے شروع ہو جانے کی شفاعت کی حدیث مختصر طور پر صحیح بخاری و مسلم میں بھی ابوہریرہ کی روایت[3] سے ہے اس سے بھی عبداللہؓ بن مسعود اور عبداللہ بن عباسؓ کی روایتوں کی پوری تقویت ہو جاتی ہے یہ شفاعت سب امتوں کے حساب و کتاب کے شروع ہونے کے باب میں ہوگی اس لئے اس کو شفاعت عام اور شفاعت کبریٰ کہتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ بہت بڑی شفاعت ہے جس کو کسی امت کے ساتھ کچھ خصوصیت نہیں ہے، اس آیت میں مختصر طور پر فقط فرشتوں کے زمین پر اترنے کا ذکر ہے لیکن سورہ بقرہ میں گزر چکا ہے کہ اس بڑی شفاعت کے مقبول ہو جانے کے بعد ایک نورانی بدلی میں لوگوں کے حساب و کتاب کے لئے اللہ تعالیٰ بھی زمین پر نزول فرماوے گا، سورۃ الزمر میں آوے گا کہ لوگوں کے حساب و کتاب کے لئے جب اللہ تعالیٰ محشر کی

---

[1] الترغیب والترہیب ص ۹۰۳ ج ۴ [2] نیز دیکھئے تفسیر ابن کثیر ص ۲۴۸ جلد اول [3] تفسیر الدر المنثور ص ۶۷ جلد ۵ لیکن یہ موقوف ہے نیز اس میں شفاعت کا ذکر نہیں، اللہ تعالیٰ کے نزول سے آخر تک کا حصہ ہے (ع-ح) [4] تفسیر ابن کثیر تفسیر آیت ہذا مگر یہ بھی روایت اسی قدر ہے جس قدر الدر المنثور میں ہے [5] مشکوٰۃ ص ۴۸۹ باب الحوض والشفاعۃ۔

وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلَىٰ يَدَيْهِ يَقُولُ يَا لَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُولِ سَبِيلًا ﴿٢٧﴾

اور جس دن کاٹ کاٹ کھاوے گا گنہ گار اپنے ہاتھ کہے گا کسی طرح میں نے پکڑی ہوتی رسول کے ساتھ راہ۔

يَا وَيْلَتَىٰ لَيْتَنِي لَمْ أَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيلًا ﴿٢٨﴾ لَّقَدْ أَضَلَّنِي عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ إِذْ جَاءَنِي

اے خرابی میری کہیں نہ پکڑی ہوتی میں نے فلانے کی دوستی اس نے بہکا دیا ہے مجھ کو نصیحت سے مجھ تک پہنچے پیچھے

وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِلْإِنسَانِ خَذُولًا ﴿٢٩﴾

اور ہے شیطان آدمی کو وقت پر دغا دینے والا۔

نئی زمین پر نزول فرماوے گا تو اللہ تعالیٰ کے نور سے تمام زمین میں روشنی ہو جائے گی، دنیا میں عارضی بادشاہت کا جو لوگ دعویٰ کرتے ہیں، اس وقت فقیروں کی طرح سب ننگے پاؤں، ننگے بدن میدان محشر میں کھڑے ہوں گے اس لئے ارشاد ہوگا کہ آج سچی بادشاہت اللہ تعالیٰ کی ہے، کہ عارضی بادشاہت کا دعویٰ کرنے والے فقیروں کی طرح سب ننگے پاؤں اور ننگے بدن آج اس کی بارگاہ میں حاضر ہیں، سب لوگ حشر کے دن قبروں سے ننگے پاؤں اور ننگے بدن جو اٹھیں گے، اس کا ذکر صحیح بخاری و مسلم کی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت میں تفصیل سے آیا ہے صحیح بخاری و مسلم میں انسؓ بن مالک سے روایت[1] ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ قبروں سے میدان محشر تک نافرمان لوگوں کو منہ کے بل اللہ کے فرشتے گھسیٹ کر لے جاویں گے، اسی طرح قیامت کے دن کے ہر موقع پر ایسے لوگوں کو ذلت اور تکلیف ہوگی، جس کا ذکر صحیح حدیثوں میں ہے، اسی واسطے فرمایا کہ قیامت کا دن نافرمان لوگوں کے حق میں بڑی مشکل کا دن ہے۔

۲۸-۲۹: تفسیر ابو عمرو عامر بن شراحیل شعبی اور تفسیر ابو جعفر ابن جریر طبری اور دلائل ابو نعیم میں صحیح سند کی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت[2] سے جو شانِ نزول اس آیت کی بیان کی گئی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ مکہ میں عقبہ بن ابی معیط ایک شخص تھا اس کی عادت تھی کہ جب کبھی سفر سے آتا تھا تو بہت سے لوگوں کی دعوت کرتا تھا، ایک دفعہ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی دعوت کی آپ نے فرمایا اگر تو اسلام لے آوے گا تو میں تیرا کھانا کھالوں گا اس نے کلمہ پڑھ لیا اور آپ نے اس کا کھانا کھالیا، اس کے بعد اس کے دوست نے جس کا نام ابی بن خلف تھا، عقبہ کو بہکایا اور عقبہ اسلام سے پھر گیا، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی، حاصل معنی آیت کے یہ ہیں کہ اب تو دنیا میں لوگ اپنے دوستوں کی خاطر دین کی بات کا خیال نہیں رکھتے مگر عاقبت میں ایسی دوستی سے پچھتاویں گے، پھر اس وقت کے پچھتانے سے کیا ہوتا ہے صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابو موسیٰ اشعریؓ کی حدیث کئی جگہ گزر چکی[3] ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے برے دوست کی مثال لوہار کی کھال دھونکنے والے شخص کی بیان فرمائی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جس طرح کھال کے دھونکنے والے شخص کے پاس بیٹھنے سے آگ کی چنگاری اڑ کر کپڑوں پر پڑ جانے اور کپڑوں کے جل جانے کا خوف ہے، اسی طرح برے دوست کی دوستی سے آدمی کو کبھی نہ کبھی نقصان ضرور پہنچ جاتا ہے، آیت کی شانِ نزول کی روایت اور اس روایت کے ملانے سے یہ مطلب ہوا کہ ابی بن خلف کی دوستی سے جس طرح عقبہ بن ابی معیط کو نقصان پہنچا جس کو یاد کر کے قیامت کے دن عقبہ اپنے ہاتھ کاٹ کاٹ کھاوے گا، اسی طرح ہر ایک برے دوست کی دوستی کا انجام ہے آخر کو فرمایا شیطان بڑا دغا باز ہے

[1] حوالہ ص ۷۷، ۳ پر ابھی گزرا ہے [2] تفسیر ابن جریر ص ۹ ج ۱۹ و تفسیر الدر المنثور ص ۶۸-۶۹ ج ۵ [3] بحوالہ مشکوٰۃ باب الحب فی اللہ والبغض فی اللہ

وَقَالَ الرَّسُولُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوۡمِى اتَّخَذُوۡا هٰذَا الۡقُرۡاٰنَ مَهۡجُوۡرًا ﴿۳۰﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلۡنَا

اور کہا رسول نے اے رب میرے میری قوم نے ٹھیرایا ہے اس قرآن کو جھک جھک اور اسی طرح رکھے ہم نے

لِكُلِّ نَبِىٍّ عَدُوًّا مِّنَ الۡمُجۡرِمِيۡنَ‌ؕ وَكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّنَصِيۡرًا ﴿۳۱﴾ وَقَالَ الَّذِيۡنَ

ہر نبی کے دشمن گنہ گاروں میں سے اور بس ہے تیرا رب راہ دکھانے کو اور مدد کرنے کو اور کہنے لگے وہ لوگ جو

كَفَرُوۡا لَوۡلَا نُزِّلَ عَلَيۡهِ الۡقُرۡاٰنُ جُمۡلَةً وَّاحِدَةً ‌ۛۚ كَذٰلِكَ ۛۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ‌ وَرَتَّلۡنٰهُ

منکر ہیں کیوں نہ اترا اس پر قرآن سارا ایک جگہ اسی طرح تاثابت رکھیں ہم اس سے تیرا دل اور پڑھ سنایا ہم نے

تَرۡتِيۡلًا ﴿۳۲﴾ وَلَا يَاۡتُوۡنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئۡنٰكَ بِالۡحَقِّ وَاَحۡسَنَ تَفۡسِيۡرًا ؕ﴿۳۳﴾ اَلَّذِيۡنَ يُحۡشَرُوۡنَ

اس کو ٹھہر ٹھہر کر اور نہیں لاتے تجھ پاس کوئی کہاوت کہ ہم نہیں پہنچاتے تجھ کو ٹھیک بات اور اس سے بہتر کھول کر جو لوگ گھیرے آویں گے

برے دوستوں کی دوستی کے پھندے میں پھنسا کر انسان کو بہکاتا ہے اس لئے ہر ایماندار شخص کو چاہیئے کہ وہ برے دوست کی دوستی کو شیطان کی دغابازی کا پھندا سمجھ کر اس پھندے سے ہمیشہ بچتا رہے۔

۳۰-۳۱: سورۂ انفال میں گزر چکا ہے کہ جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں قرآن شریف پڑھتے تو مشرکین مکہ تالیاں اور سیٹیاں بجاتے تھے، سورۂ لقمان اور حٰم السجدہ میں بھی اس مضمون کی آیتیں آویں گی، صحیح بخاری و مسلم کی عبداللہ بن مسعود کی یہ حدیث[1] مشہور ہے کہ ابوجہل اور اس کے ساتھیوں نے نماز پڑھتے وقت اونٹ کی اوجھری اللہ کے رسول کی پیٹھ پر ڈال دی تھی، حاصل مطلب آیتوں کا یہ ہے کہ جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کی ان بے ہودہ باتوں کی شکایت اللہ تعالیٰ کی جناب میں پیش کی، تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی تسلی کے طور پر فرمایا اے رسول اللہ کے پچھلے انبیاء اور پچھلی امتوں کے قصے جو قرآن میں جگہ جگہ ذکر کئے گئے ہیں ان سے تم کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ ہر ایک نبی کے ساتھ مخالف لوگ اسی طرح کی باتیں کرتے رہے ہیں قریش کی یہ باتیں تمہارے ساتھ کچھ خاص نہیں ہیں لیکن ان لوگوں کی مخالفت سے دین اسلام کی ترقی رک نہیں سکتی، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے علم غیب کے موافق جو لوگ راہ راست پر آنے والے ٹھہر چکے ہیں ان کی ہدایت میں اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے گا صحیح بخاری وغیرہ کی روایتوں کے حوالہ سے منیٰ کی گھاٹی کی بیعت کا قصہ اس تفسیر میں کئی جگہ بیان کر دیا گیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جب اہل مکہ نے قرآن کی نصیحت کو اس طرح کی بے ہودہ باتوں سے ٹالنا شروع کیا تو موسم حج میں ادھر ادھر کے باہر کے لوگوں کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی آیتیں سنانی شروع کر دیں، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قرآن کی نصیحت کے اثر سے قبیلہ خزرج میں کے کچھ لوگوں نے منیٰ کی گھاٹی میں اسلام کی بیعت کی اور اس بیعت کے بعد نواح مدینہ میں اسلام کے پھیلانے والے بارہ نقیب مقرر ہوئے اور اسلام کی ترقی شروع ہوئی، آیتوں میں اسلام کی ترقی کے لئے مدد الٰہی کا جو وعدہ ہے اس وعدہ کا ظہور اس قصہ سے اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے۔

۳۲-۳۴: مشرکین مکہ جہاں اور بے ہودہ باتیں کرتے تھے وہاں یہ بھی کہتے تھے کہ جس طرح موسیٰ علیہ السلام پر ساری تورات ایک ہی جگہ میں نازل ہوئی، اگر یہ قرآن کلام الٰہی ہے تو یہ بھی تورات کی طرح ایک ہی دفعہ میں کیوں نہیں نازل ہوا، اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی اس بات کا جواب دیا کہ ایک تو نبی آخر الزمان ان پڑھ ہیں اتنی بڑی کتاب ایک دفعہ ہی زبان پر چڑھانا مشکل تھا اس مصلحت سے قرآن کی آیتیں ٹھہر ٹھہر کر

[1] مشکوٰۃ ص ۵۳۲ باب البعث وبدء الوحی۔

عَلٰی وُجُوۡہِہِمۡ اِلٰی جَہَنَّمَ ۙ اُولٰٓئِکَ شَرٌّ مَّکَانًا وَّ اَضَلُّ سَبِیۡلًا ﴿۳۴﴾ وَ لَقَدۡ اٰتَیۡنَا مُوۡسَی

اوندھے پڑے منہ پر دوزخ کی طرف انہیں کا برا درجہ ہے اور بہت بہکے ہیں راہ سے اور ہم نے دی ہے موسیٰ کو

الۡکِتٰبَ وَ جَعَلۡنَا مَعَہٗۤ اَخَاہُ ہٰرُوۡنَ وَزِیۡرًا ﴿۳۵﴾ فَقُلۡنَا اذۡہَبَاۤ اِلَی الۡقَوۡمِ الَّذِیۡنَ

کتاب اور ٹھیرایا اس کے ساتھ اس کا بھائی ہارون کام بٹانے والا پھر کہا ہم نے تم دونوں جاؤ ان لوگوں پاس جنہوں نے

کَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَا ؕ فَدَمَّرۡنٰہُمۡ تَدۡمِیۡرًا ﴿۳۶﴾ وَ قَوۡمَ نُوۡحٍ لَّمَّا کَذَّبُوا الرُّسُلَ اَغۡرَقۡنٰہُمۡ

جھٹلائیں ہماری باتیں پھر دے مارا ہم نے ان کو اکھاڑ کر اور نوح کی قوم کو جب انہوں نے جھٹلایا پیغام لانے والوں کو ہم نے

وَ جَعَلۡنٰہُمۡ لِلنَّاسِ اٰیَۃً ؕ وَ اَعۡتَدۡنَا لِلظّٰلِمِیۡنَ عَذَابًا اَلِیۡمًا ﴿ۚۖ۳۷﴾

ڈبا دیا ان کو اور کیا ان کو لوگوں کے حق میں نشانی اور رکھی ہے ہم نے گنہگاروں کے واسطے دکھ کی مار۔

نازل ہوتی ہیں، علاوہ اس کے دوسری بات یہ بھی ہے کہ ان مشرکین کی ہر ایک بے ہودہ بات کا جواب وقت پر اچھی طرح کھول کر دیا جاتا ہے پھر فرمایا۔ اس پر بھی یہ سرکش لوگ نہ مانیں گے تو قیامت کے دن اوندھے منہ دوزخ میں ڈالے جاویں گے کیونکہ ایسے سرکشوں کی یہی سزا ہے کہ ان کی سرکشی خاک میں ملانے کے لئے ان کو سر کے بل گھسیٹا جا کر آگ میں جھونکا جاوے، صحیح بخاری و مسلم میں انسؓ بن مالک سے اور ترمذی میں ابوہریرہؓ وغیرہ سے جو روایتیں ہیں، ان میں ایسے لوگوں کے منہ کے بل گھسیٹے جانے کا ذکر تفصیل سے ہے۔

۳۵-۳۷: صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوسعیدؓ خدری کی حدیث[1] ایک جگہ گزر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عالم ارواح میں سب انبیاء سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے سکھانے کا اور سب مخلوقات سے اس پر قائم رہنے کا عہد لیا ہے صحیح بخاری کے حوالہ سے عبداللہ بن عباسؓ کی یہ حدیث بھی گزر چکی ہے کہ پہلے پہل بت پرستی قوم نوح سے دنیا میں شروع ہوئی، حاصل کلام یہ ہے کہ قوم نوحؑ سے لے کر قوم فرعون تک کسی قوم نے اس عہد کے موافق عمل نہیں کیا جس کی سزا میں وہ سب قومیں طرح طرح کے عذابوں سے ہلاک ہو گئیں جن میں سب سے پہلے نوح علیہ السلام کی قوم ہے اور آخری قوم فرعون کی، ان آیتوں میں ان ہی دونوں کی ہلاکت کا ذکر ہے صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی حدیث بھی کئی جگہ گزر چکی ہے کہ عالم ارواح کے عہد کے موافق اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا مسئلہ تو ہر ایک نبی کے زمانہ میں یکساں رہا ہے، ہاں حلال و حرام کے احکام ہر زمانہ کی ضرورت کے موافق بدلتے رہے ہیں ان آیتوں میں یہ جو فرمایا کہ قوم نوح نے سب رسولوں کو جھٹلایا، اس کا مطلب اس حدیث سے اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جس قوم نے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو جھٹلایا، اس نے سب رسولوں کو جھٹلایا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت سے کسی رسول کا دین خالی نہیں ہے، قریب کے زمانہ کی بات زیادہ مشہور ہوتی ہے اس لئے قوم فرعون کے ذکر سے آیتوں کو شروع کیا، حاصل مطلب ان آیتوں کا یہ ہے کہ اے رسول اللہ کے فرعون کی قوم اور نوح علیہ السلام کی قوم اللہ کے رسولوں کے جھٹلانے کے وبال میں ڈوب کر ہلاک ہو گئی اگر قریش بھی تمہارے جھٹلانے سے باز نہ آئے تو ان پر بھی کوئی آفت ضرور آوے گی، اللہ سچا ہے، اللہ کا کلام سچا ہے، بدر کی لڑائی کے وقت اس وعدہ کا جو ظہور ہوا اس کا قصہ صحیح بخاری و مسلم کی انسؓ بن مالک کی روایت کے حوالہ سے کئی جگہ

[1] ان احادیث کے حوالے گزشتہ قریبی صفحات میں آچکے ہیں [2] بحوالہ مشکوٰۃ ص ۵۰۹ باب بدء الخلق و ذکر الانبیاء

وَّعَادًا وَّثَمُودَاْ وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ وَقُرُوْنًا بَيْنَ ذٰلِكَ كَثِيْرًا ﴿۳۸﴾ وَكُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ

اور عاد کو اور ثمود کو اور کنویں والوں کو اور کتنی سنگتیں اس بیچ میں بہت اور سب کو کہہ سنائیں ہم نے

الْاَمْثَالَ وَكُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِيْرًا ﴿۳۹﴾ وَلَقَدْ اَتَوْا عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِيْٓ اُمْطِرَتْ مَطَرَ السَّوْءِ

کہاوتیں اور سب کو کھو دیا ہم نے کھپا کر اور یہ لوگ ہو آئے ہیں اس بستی پاس جن پر برسا بُرا برساؤ

اَفَلَمْ يَكُوْنُوْا يَرَوْنَهَا بَلْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ نُشُوْرًا ﴿۴۰﴾ وَاِذَا رَاَوْكَ اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ

کیا دیکھتے نہ تھے اس کو نہیں پر امید نہیں رکھتے جی اٹھنے کی اور جہاں تجھ کو دیکھا کچھ کام نہیں تجھ سے

اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا الَّذِيْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا ﴿۴۱﴾ اِنْ كَادَ لَيُضِلُّنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا لَوْلَآ اَنْ

مگر ٹھٹھے کرنے کیا یہی ہے جس کو بھیجا اللہ نے پیغام دے کر یہ تو لگا ہی تھا کہ بچلا دے ہم کو ہمارے ٹھاکروں سے کبھی ہم نہ

گذر چکا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اس لڑائی میں مشرکین مکہ میں کے بڑے بڑے اللہ کے رسول کے جھٹلانے والے دنیا میں بڑی ذلت سے مارے گئے اور مرتے ہی عذاب آخرت میں گرفتار ہو گئے، جس عذاب کے جتلانے کے لئے اللہ کے رسول نے اُن لوگوں کی لاشوں پر کھڑے ہو کر یہ فرمایا کہ اب تو تم لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے وعدہ کو سچا پالیا۔

۳۸-۴۴: سیرۃ ابن اسحاق اور مسند عبد بن حمید وغیرہ میں ایک روایت[1] ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، قیامت کے دن سب سے پہلے ایک حبشی غلام جنت میں جاوے گا کس لئے کہ پہلے زمانہ میں ایک نبی کو ان نبی کی قوم نے ایک کنویں میں ڈال کر اس کنویں کے منہ پر ایک پتھر کی سل ڈھانک دی تھی، وہ حبشی غلام ان نبی پر ایمان لے آیا تھا، اس لئے ہر روز لکڑیاں جنگل میں سے چن کر لاتا تھا اور ان لکڑیوں کو بیچ کر کچھ کھانے کی چیز خریدتا تھا اور قوم کے لوگوں سے چھپ کر اس کنویں پر آتا تھا اور اللہ تعالیٰ اس کو اتنی قوت دے دیتا کہ وہ اس بھاری پتھر کی سل کو کنویں کے منہ پر سے ہٹا کر ان نبی کو کھانا کھلاتا تھا ایک دفعہ جنگل میں جو وہ حبشی غلام سویا تو خدا کی قدرت سے چودہ برس تک اس کی آنکھ نہ کھلی اتنے میں اللہ تعالیٰ نے اس قوم کے لوگوں کو ہدایت دی اور ان لوگوں نے ان نبی کو کنویں میں سے نکالا اور ان نبی پر ایمان لائے، یہ نبی قوم کے لوگوں سے اکثر اس حبشی غلام کا حال پوچھا کرتے تھے مگر کسی کو اس جنگل میں سو جانے کی خبر نہ تھی، اس واسطے کسی نے اس کا کچھ حال نہ بتایا یہاں تک کہ جب وہ نبی وفات پاچکے تو اس حبشی غلام کی آنکھ کھلی اور وہ حسب عادت کنویں پر آیا اور ان نبی کو کنویں میں نہ پایا، ابو جعفر ابن جریر نے اس قصہ کو اپنی تفسیر[2] میں نقل کر کے کہا ہے کہ آیت میں جن کنویں والوں کا ذکر ہے، وہ اس قصہ کے لوگ اس سبب سے نہیں قرار پاسکتے کہ یہ لوگ تو آخر ایمان لے آئے اور آیت میں جن لوگوں کا ذکر ہے، ان کا ایمان لانا آیت سے ثابت نہیں ہوتا بلکہ ان کا عذاب میں گرفتار ہونا آیت سے نکلتا ہے، حافظ ابن کثیر نے اس کا جواب[3] یہ دیا ہے کہ جن لوگوں نے ان نبی کو کنویں میں قید کیا تھا، وہ عذاب سے ہلاک ہو گئے ہوں اور ان کی اولاد کو اللہ تعالیٰ نے یہ ہدایت دی ہو کہ انہوں نے نبی کو کنویں سے نکالا ہو اور ان نبی پر ایمان لائے ہوں تو اس صورت میں یہی قصہ آیت کی تفسیر قرار پا سکتا ہے، حاصل مطلب ان آیتوں کا یہ ہے کہ رسولوں کے جھٹلانے سے جس طرح قوم نوح اور قوم فرعون کے لوگ دنیا اور آخرت

[1] تفسیر الدر المنثور ص ۷۱، ج ۵ [2] ص ۱۵ ج ۱۹ طبع جدید [3] یہ حافظ ابن کثیر کا جواب نہیں بلکہ ابن جریر کے اپنے اشکال کے حل کی ان کی اپنی ایک توجیہ نقل کی ہے اور خود اس اثر پر فنی جرح کی ہے وفیہ غرابۃ ونکارۃ شدیدۃ ولعل فیہ ادراجا (ص ۳۱۹ ج ۳) (ع ح)

صَبَرْنَا عَلَيْهَا ۚ وَسَوْفَ يَعْلَمُونَ حِينَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ مَنْ أَضَلُّ سَبِيلًا ﴿٤٢﴾

ثابت رہتے ان پر اور آگے جانیں گے جس وقت دیکھیں گے عذاب کون بہت بچلا ہے راہ سے۔

أَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ أَفَأَنتَ تَكُونُ عَلَيْهِ وَكِيلًا ﴿٤٣﴾ أَمْ تَحْسَبُ أَنَّ

بھلا دیکھ تو جس نے پوجنا پکڑا اپنی چاؤ کو کہیں تو لے سکتا ہے اس کا ذمہ یا تو خیال رکھتا ہے کہ

أَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُونَ أَوْ يَعْقِلُونَ ۚ إِنْ هُمْ إِلَّا كَالْأَنْعَامِ ۖ بَلْ هُمْ أَضَلُّ سَبِيلًا ﴿٤٤﴾

بہت ان میں سنتے یا سمجھتے ہیں اور کچھ نہیں وہ برابر ہیں چوپایوں کے بلکہ وہ بہکے ہیں بہت راہ سے

عذاب میں پکڑے گئے، وہی حال عاد، ثمود اور کنویں والوں کا اور بہت سی بستی والوں کا ہوا کہ پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول بھیج کر ان لوگوں کو طرح طرح سے سمجھایا، جب یہ لوگ اپنی عادت سے باز نہ آئے تو طرح طرح کے عذابوں سے ہلاک ہو گئے چنانچہ ملک شام کے سفر میں قوم لوط کی الٹی ہوئی اور پتھروں کے مینہ سے اجڑی ہوئی بستی ان مشرکین مکہ کو نظر آتی ہوگی، پھر فرمایا یہ لوگ کچھ اس لئے اللہ کے رسول کو نہیں جھٹلاتے کہ قوم لوط کی اجڑی ہوئی بستی ان لوگوں کی نظر سے نہیں گزری بلکہ یہ لوگ تو اس لئے اللہ کے رسول کو مسخرا پن میں اڑاتے ہیں کہ ان لوگوں کو ایک دن اللہ کے روبرو کھڑے ہونے کا اور جزا و سزا کا یقین نہیں ہے اسی واسطے ان لوگوں نے بت پرستی کے وبال کو دل سے بھلا رکھا ہے مگر وقت مقررہ پر ان کو معلوم ہو جاوے گا کہ اللہ کے رسول ان کو جو طریقہ بتاتے تھے، وہ اچھا تھا یا بت پرستی کا طریقہ اچھا تھا، پھر فرمایا اے رسول اللہ کے تم نے ان لوگوں کی نادانی دیکھی کہ جس بت کی پوجا کو ان کا جی چاہتا ہے اس کی پوجا کرنے لگتے ہیں اور جس کی پوجا کیا کرتے تھے اس کی پوجا چھوڑ دیتے ہیں اس لئے جب تک اللہ تعالیٰ کی مدد نہ ہو تم ایسے نادان لوگوں کی ہدایت کے ذمہ دار نہیں قرار پا سکتے، پھر فرمایا اے رسول اللہ کے کیا تم اپنے جی میں یہ خیال کرتے ہو کہ یہ لوگ قرآن سنتے اور اس کی نصیحت کو سمجھتے ہیں، نہیں یہ لوگ تو اپنی نادانی کے سبب سے بالکل چوپایوں کی طرح کسی بات کو نہیں سمجھتے بلکہ یہ لوگ چوپایوں سے بھی بدتر ہیں کیونکہ چوپائے اپنے پرورش کرنے والے کو خوب پہچانتے ہیں اور یہ لوگ اپنے پیدا کرنے والے اور پرورش کرنے والے کو نہیں پہچانتے ہیں، صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے عبداللہؓ بن مسعود کی حدیث کئی جگہ گزر چکی ہے، جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا، اس پر بھی جو لوگ اپنے پیدا کرنے والے کی تعظیم میں دوسروں کو شریک کرتے ہیں ان سے بڑھ کر دنیا میں کوئی گنہ گار نہیں، مشرکوں کی چوپایوں سے بدتر ہونے کی حالت اس حدیث سے اچھی طرح سمجھ میں آجاتی ہے کیونکہ چوپائے اپنے پالنے والے کی فرمانبرداری میں کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے، یہ لوگ چوپایوں سے بھی بدتر ہیں کہ اپنے پیدا کرنے والے کی فرمانبرداری اور شیطان کی فرمانبرداری کو برابر جانتے ہیں، سوائے شرک کے اور باقی کے گناہوں کے کرنے میں شیطان کی فرمانبرداری سے شیطان کی پوجا نہیں آتی اس واسطے شرک سب گناہوں سے بڑا ہے، سورۃ السبا میں آوے گا کہ قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ فرشتوں سے خفگی کے طور پر دریافت فرماوے گا کہ کیا یہ بت پرست لوگ دنیا میں تمہاری مورتوں کی پوجا کرتے تھے تو اللہ کے فرشتے بہت ڈرنے لگے اور صاف کہہ دیں گے کہ شیطان نے ان لوگوں کے دل میں ہمارے نام کی مورتوں کی پوجا کا وسوسہ ڈال دیا تھا اس لئے شیطان کے بہکانے سے یہ لوگ شیطان کی پوجا کرتے تھے۔ ہماری مرضی کا اس میں ہرگز کوئی دخل نہیں تھا، اوپر یہ جو بیان کیا گیا تھا کہ بت پرستی میں شیطان کی پوجا لازم آتی ہے، اس کا مطلب سورۃ السبا کی ان آیتوں سے اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلٰی رَبِّكَ كَیْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا ۚ ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ

تونے نہ دیکھا اپنے رب کی طرف کیسی لمبی کی پرچھائیں اور اگر چاہتا اس کو ٹھیرا رکھتا پھر ہم نے ٹھیرایا سورج کو

عَلَیْهِ دَلِیْلًا ﴿۴۵﴾ ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اِلَیْنَا قَبْضًا یَّسِیْرًا ﴿۴۶﴾ وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ

اس کا راہ بتانے والا پھر کھینچ لیا اس کو اپنی طرف سہج سہج سمیٹ کر اور وہی ہے جس نے بنا دی تم کو

الَّیْلَ لِبَاسًا وَّالنَّوْمَ سُبَاتًا وَّجَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا ﴿۴۷﴾

رات اوڑھنا اور نیند آرام اور دن بنا دیا اٹھ نکلنے کو۔

۴۵ تا ۴۷: صبح صادق کے شروع سے آفتاب کے نکلنے تک بغیر آفتاب کی دھوپ کے جو ایک سایہ ہوتا ہے اس آیت میں اس سایہ کا ذکر ہے، یہ سایہ جنت کی ایک نشانی ہے، جنت میں آفتاب کی دھوپ نہیں ہونے کی، یہی سایہ ہوگا، تفسیر عبدالرزاق میں حسن بصری اور قتادہ کی روایت سے اور تفسیر ابن ابی حاتم میں علی بن طلحہ کی سند سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت سے اس آیت میں جو سایہ کا ذکر ہے، اس کی یہی تفسیر آئی ہے جو اوپر بیان کی گئی ہے اور یہی تفسیر امام بخاری نے صحیح بخاری[1] میں بیان کی ہے۔ بعضے مفسروں نے اس تفسیر پر یہ اعتراض کیا ہے کہ غروب آفتاب کے شروع سے رات کے اندھیرے کے شروع ہونے تک بھی بغیر آفتاب کی دھوپ کے ایک اجالا ہوتا ہے، اس کو بھی اس آیت کی تفسیر قرار دینا چاہیئے حافظ ابن حجر نے فتح الباری[2] میں اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ جب آیت میں اس سایہ کا ذکر ہے، جس سایہ کے بعد آفتاب نکلتا ہے تو صبح صادق سے لے کر طلوع آفتاب تک کا سایہ ہی آیت کی تفسیر قرار پا سکتا ہے، غروب آفتاب کے وقت کا سایہ ایک الگ چیز ہے، اس کو آیت سے کچھ تعلق نہیں ہے۔ صحیح بخاری و مسلم اور ترمذی[3] میں ابوسعیدؓ خدری سے روایت ہے، جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت میں بعضے سایہ دار درخت ایسے ہیں کہ ان کا سایہ گھوڑے کے سوار شخص سے بھی سو برس کے عرصہ میں طے نہیں ہو سکتا، حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی معتبر روایتوں کے موافق جنت میں نہ سورج ہے نہ دھوپ، بلکہ جنت میں تو ہمیشہ ایسا وقت رہے گا، جیسا وقت دنیا میں طلوع سے سورج کے نکلنے تک رہتا ہے، اس حدیث سے اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی معتبر روایتوں سے وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا کا مطلب اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جو صاحب قدرت اس پر قادر ہے کہ اس کی قدرت سے جنت میں ہمیشہ ایسا وقت رہے گا، جیسا وقت دنیا میں طلوع فجر سے سورج کے نکلنے تک رہتا ہے، وہ صاحب قدرت اگر چاہے تو دنیا میں بھی سارے دن طلوع فجر سے سورج کے نکلنے تک کے وقت کو قائم رکھ سکتا ہے لیکن سورج اس بات کا راستہ بتاتا ہے کہ سورج کے نکلنے سے پہلے کا سایہ اور چیز ہے اور سورج کی دھوپ میں مکانوں اور درختوں وغیرہ کا جو سایہ ہوتا ہے وہ اور ہے، پھر فرمایا سورج کے نکلنے کے بعد سورج سے وہ پہلے کا ٹھنڈا سایہ سہج سہج اللہ تعالیٰ کے حکم سے سمیٹ لیا جاتا ہے اور بجائے اس ٹھنڈے سایہ کے تمام دنیا میں دھوپ پھیل جاتی ہے یہ ٹھنڈا سایہ رات کے اندھیرے کے بعد طلوع فجر سے شروع ہوتا ہے اور پھر دن کے گزر جانے کے بعد رات ہوتی ہے اس واسطے اس ٹھنڈے سایہ کے ذکر میں رات اور دن کا تذکرہ فرمایا جس طرح اوڑھنے اور پہننے کے کپڑے سے انسان کا بدن ڈھانک دیا جاتا ہے اسی طرح رات کا اندھیرا ہر ایک چیز کو ڈھانک لیتا ہے اسی واسطے رات کو لباس کے ساتھ

---

[1] کتاب التفسیر سورۃ الفرقان [2] ص ۲۸۳ ج ۴ کتاب التفسیر [3] الترغیب والترہیب ص ۵۲۰ ج ۴۔

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ بُشْرًۢا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ۚ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً

اور وہی ہے جس نے چلائیں باویں خوشخبری لاتیں اس کی مہر سے اور اتارا ہم نے آسمان سے پانی

طَهُوْرًا ۙ (۴۸) لِّنُحْيِۦَ بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا وَّنُسْقِيَهٗ مِمَّا خَلَقْنَآ اَنْعَامًا وَّاَنَاسِيَّ

ستھرائی کرنے کا تاکہ جلادیں اس سے مرگئے دیس کو اور پلادیں اس کو اپنے بنائے بہت چوپایوں اور

كَثِيْرًا (۴۹) وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَيْنَهُمْ لِيَذَّكَّرُوْا ڮ فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا (۵۰)

آدمیوں کو اور طرح طرح بانٹا اس کو ان کے بیچ میں تا دھیان رکھیں پھر نہیں رہتے بہت لوگ بن ناشکری کئے۔

تشبیہ دی گئی ہے دن کو ہر طرح کے کام دھندے میں لگ کر آدمی کو تھکان ہو جاتی ہے اور رات کی نیند سے وُہ تھکان رفع ہو جاتی ہے اس لئے رات کی نیند کو آرام فرمایا اور دن کے کام دھندے کو اٹھنا اور نکلنا، حاصل کلام یہ ہے کہ سونے کے بعد جاگنا مرنے کے بعد دوبارہ جینے کی نشانی ہے، اسی واسطے صحیح بخاری میں حذیفہؓ سے جو روایت[1] ہے اس میں ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سوتے وقت یہ کہا کرتے تھے یا اللہ تیرے نام پر میں مرتا ہوں اور تیرے نام پر اٹھوں گا اور جب سو کر اٹھا کرتے تھے تو یہ کہتے اس کا شکر ہے جس نے نیند کی موت سے جس طرح ہمیں زندہ کیا ہے اسی طرح موت کے بعد ایک دن دوبارہ زندہ ہو کر اس کے روبرو جانا پڑے گا۔

۴۸۔۵۰: مینہ کا پانی جب تک زمین پر نہ آئے اور زمین کی کوئی نجاست کی چیز اس میں نہ ملے، اس پانی کا اس آیت میں ذکر ہے کہ وُہ پانی پاک ہے اور زمین پر کے پانی کا یہ ذکر کہ کون سا پانی پاک ہے اور کس قدر پانی پاک ہے، اس کی تفصیل حدیث شریف اور فقہ میں ہے، یہ بہت بڑا مسئلہ ہے، پوری تفصیل تو اس مسئلہ کی یہاں ممکن نہیں مگر حاصلِ کلام یہ ہے کہ بہتا ہوا پانی تو بلا اختلاف کے سب علماء کے نزدیک خواہ کتنا ہی ہو پاک ہے، رکے ہوئے پانی میں علماء کا اختلاف ہے، اس اختلاف کا حاصل یہ ہے کہ مسند امام احمد، ترمذی، ابوداؤد، نسائی میں حضرت ابوسعیدؓ خدری سے ایک روایت[2] ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مدینہ منورہ میں ایک مشہور کنواں ہے جس کا نام بئر بضاعہ ہے، اس کنویں کے باب میں لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مسئلہ پوچھا کہ اس کنویں میں لوگ ناپاک چیزیں ڈالتے ہیں، اس حالت میں اس کا پانی استعمال کیا جاوے یا نہیں آپؐ نے فرمایا پانی پاک چیز ہے اس کو کوئی چیز ناپاک نہیں کر سکتی، اس حدیث کی رُو سے حسن بصری ابراہیم نخعی، زہری اور اور بعضے علماء کا یہ مذہب قرار پایا ہے کہ پانی خواہ تھوڑا ہو یا بہت وُہ نجاست کے پڑجانے سے اس وقت تک ناپاک نہیں ہوتا جب تک اس کے رنگ و بو اور مزہ میں فرق نہ آجاوے لیکن اس مذہب پر علماء کی ایک بہت بڑی جماعت نے یہ اعتراض کیا ہے کہ مسند امام احمد، ابوداؤد و ترمذی، نسائی، دارمی، ابن ماجہ کی روایت[3] سے جب حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی قلتین کی حدیث صحیح ٹھہر چکی ہے تو پھر حدیث کی تفسیر حدیث سے کیوں نہ کی جائے اور بئر بضاعہ میں دو قلے پانی کیوں نہ قرار دیا جاوے، اس اعتراض کے بعد قوی مذاہب پانی کے باب میں یہی قرار پایا ہے کہ دو قلے پانی جو سات من پکے کے قریب ہوتا ہے کسی ناپاک چیز کے پڑجانے سے اس وقت تک ناپاک نہیں ہوتا جب تک اس کے رنگ، بو، مزہ میں فرق نہ آجاوے اس مقدار سے اگر پانی کم ہو تو وُہ ناپاک

[1] مشکوٰۃ باب مایقول عند الصباح والمساء والمنام [2] مشکوٰۃ مع تنقیح الرواۃ ص ۸۵ باب احکام المیاہ [3] ایضاً

وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِي كُلِّ قَرْيَةٍ نَّذِيرًا ﴿٥١﴾ فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِينَ وَجَاهِدْهُمْ

اور اگر ہم چاہتے اٹھاتے ہر بستی میں کوئی ڈرانے والا۔ سو تو کہا نہ مان منکروں کا اور مقابلہ کر ان کا

بِهٖ جِهَادًا كَبِيرًا ﴿٥٢﴾

اس سے بڑے زور سے۔

چیز کے پڑ جانے سے ناپاک ہو جاتا ہے، مٹی، پیڑ کے پتے یا اور ایسی پاک چیزوں کے پڑنے سے یا بہت روز رُکا رہنے سے اگر کوئی پانی ایسا ہو کہ اس کے رنگ، بو، مزہ میں فرق آ جاوے تو وہ پانی ناپاک نہیں ہوتا، علاوہ اس مذہب کے پانی کے باب میں جتنے مذہب ہیں، ان کی پوری تفصیل فقہ کی کتابوں[۱] میں ہے حاصل مطلب ان آیتوں کا یہ ہے کہ پہلے ہوا سے بادل ابھارے اور پھیلائے جاتے اور تر بتر کئے جاتے ہیں جن میں سے ستھرا پانی برستا ہے جس سے سوکھی مردہ زمین زندہ ہو جاتی ہے اور اس میں طرح طرح کی پیداوار ہوتی ہے اور مینہ کا پانی ندی نالوں اور تالابوں میں جو جمع ہوتا ہے وہ چوپایوں اور آدمیوں کے پینے کے کام میں آتا ہے پھر فرمایا، ہر ایک ملک کی ضرورت کے موافق اللہ تعالیٰ نے مینہ کے پانی کی تقسیم کر دی ہے، جہاں جتنی ضرورت ہے وہاں اسی قدر مینہ برستا ہے پھر فرمایا، بہت سے لوگ اللہ تعالیٰ کی نعمت کا شکریہ ادا نہیں کرتے مطلب یہ ہے کہ مینہ تو اللہ کے حکم اور اس کی رحمت سے برستا ہے لیکن ان مشرکین مکہ کا یہ اعتقاد ہے کہ تاروں کی گردش سے مینہ برستا ہے، یہ لوگ اتنا نہیں سمجھتے کہ یہ تاروں کی گردش مکہ کے قحط کے وقت کہاں چلی گئی تھی، صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے زید بن خالد جہنی کی روایت کئی جگہ گزر چکی ہے کہ مشرکین مکہ تاروں کی گردش سے مینہ برسنے کے قائل تھے۔ یہ حدیث فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا کی تفسیر ہے جس کا حاصل وہی ہے جو اوپر بیان کیا گیا کہ مینہ تو اللہ کی رحمت سے برستا ہے لیکن یہ مشرکین مکہ اپنی نادانی سے اس بات کے قائل ہیں کہ تاروں کی گردش سے مینہ برستا ہے۔

۵۱-۵۲: صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی روایت کئی جگہ گزر چکی ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی نصیحت کی مثال مینہ کے پانی کی اور اچھے بُرے لوگوں کی مثال اچھی بُری زمین کی بیان فرمائی ہے، مینہ کے ذکر کے بعد قرآن شریف کا ذکر جو فرمایا اس کا مطلب اس حدیث سے اچھی طرح سمجھ میں آ جاتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جس طرح مینہ کا پانی عام فائدے کے لئے برستا ہے لیکن اس سے فائدہ فقط اچھی زمین کو پہنچتا ہے اور بُری زمین میں وہ پانی بالکل رائگاں جاتا ہے اسی طرح قرآن کی نصیحت اگرچہ عام لوگوں کے فائدے کے لئے ہے لیکن اس نصیحت سے فائدہ فقط ان ہی لوگوں کو پہنچتا ہے جو لوگ اللہ تعالیٰ کے علم غیب میں نیک ٹھہر چکے ہیں اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے علم غیب میں بُرے قرار پا چکے ہیں، ان کے حق میں قرآن کی نصیحت اسی طرح رائگاں ہے جس طرح بُری زمین میں مینہ کا پانی رائگاں جاتا ہے، حاصل مطلب آیت کا یہ ہے کہ اے رسول اللہ کے اگر اللہ چاہتا تو تم پر سے نبوت کا بوجھ ہلکا کر کے ہر ایک بستی میں جدا رسول بھیج دیتا، لیکن اس صورت میں تمہارا اعقبیٰ کا اجر کم ہو جاتا اس لئے تمہارا عقبیٰ کا اجر بڑھانے کے واسطے اللہ تعالیٰ نے تم کو ہر ایک قوم کا رسول بنایا ہے، تم ان مشرکین مکہ کی کوئی بے ہودہ بات نہ مانو اور یہ سمجھ لو کہ ہر ایک بستی میں بھی اگر رسول بھیجا جاتا تو راہ راست پر وہی لوگ آتے جن کا راہ راست

[۱] السعایہ شرح الشرح وقایہ ص ۳۶۳ - ۳۸۱ جلد اول نیز دیکھئے تحفۃ الاحوذی ص ۶۶ جلد اول۔

وَهُوَ الَّذِىْ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۚ وَجَعَلَ

اور وہی ہے جس نے ملے چلائے دو دریا یہ میٹھا ہے پیاس بجھاتا اور یہ کھاری ہے کڑوا اور رکھا ان

بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿٥٣﴾

دونوں کے بیچ پردہ اور اوٹ روکے ہوئے۔

پر آنا، اللہ تعالیٰ کے علمِ غیب میں قرار پا چکا ہے، اس لئے اے رسول اللہ کے تم بڑی کوشش سے ان لوگوں کو قرآن کی آیتیں سناتے رہو، اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے گا، صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی روایت کئی جگہ گزر چکی[1] ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں لوگوں کی کولیاں بھر بھر کر انہیں دوزخ کی آگ میں گرنے سے روکتا ہوں مگر لوگ کیڑے پتنگوں کی طرح آگ میں گرنے کی جرأت کرتے ہیں، اس حدیث سے یہ مطلب اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا کی تعمیل کس طرح مستعدی سے فرماتے تھے کیونکہ ظاہر میں اگرچہ آپ لوگوں کی کولیاں نہیں بھرتے تھے، لیکن دلی مضبوط ارادہ سے آپ نے اس طرح کی کوشش قرآن کی مخالفت سے روکنے میں کی جس طرح کوئی شخص کسی کی کولی بھر کر اس کو برے کام سے روکتا ہے، مشرکینِ مکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کرتے تھے کہ آپ برس دن ہمارے بتوں کی پوجا کر لیا کریں اور ہم برس دن تک اللہ کی عبادت کر لیا کریں گے تو پھر آپ کا اور ہمارا جھگڑا باقی نہ رہے گا، مشرکین کی ایسی باتوں کی طرف التفات نہ کرنے کا مطلب فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ سے ادا فرمایا گیا ہے، چنانچہ تفصیل اس کی سورۃ الزمر میں آوے گی۔

۵۳: یہ تو سب کو معلوم ہے کہ زمین کے نیچے پانی ہے کس واسطے کہ جہاں سے زمین کو کھودا جائے، وہاں سے پانی نکلتا ہے، پھر کہیں سے کھاری پانی نکلتا ہے اور کہیں سے میٹھا اور زمین کے نیچے دونوں پانی ملنے نہیں پاتے، اسی طرح زمین کے اوپر میٹھی ندیاں اور چشمے جو جاری ہیں ان میں کھاری پانی کا کوئی چشمہ ابل کر نہیں مل سکتا، حاصلِ کلام یہ ہے کہ آیت میں میٹھے دریا سے زمین کے نیچے کا دریا مراد ہے جس میں سے میٹھے کنوئیں کھودنے سے نکلتے ہیں اور میٹھی ندیاں اور چشمے جو جاری ہیں وہ بھی اس میں داخل ہیں کھاری پانی کے دریاؤں میں دریائے ہند، دریائے یمن، دریائے چین اور دریائے روم وغیرہ سب داخل ہیں، تھمے پانی کا کوئی میٹھا دریا زمین پر نہیں ہے بعض مفسروں نے یہ جو کہا ہے کہ میٹھے پانی کا تھما ہوا دریا کوئی شاید زمین کے اوپر ایسا ہو جو لوگوں کی نظروں سے غائب ہو، یہ قول درست نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اپنی پیدا کی ہوئی نعمتوں کا ذکر اس لئے فرمایا ہے کہ لوگ اللہ کی نعمتوں کو پہچان کر اللہ کا شکر ادا کریں پھر جو چیز آنکھوں کے سامنے ہی نہیں وہ کیونکر پہچانی جا سکتی ہے اور بغیر پہچانے اس کا شکریہ کیا ادا ہو سکتا ہے حاصل مطلب آیت کا یہ ہے کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کی ایک نشانی ہے کہ اس نے میٹھے اور کھاری دریا زمین کے اوپر اور نیچے پیدا کئے اور وقت مقررہ تک ایک دوسرے کے ملنے سے روک دیا، اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ میں آوے گا کہ پہلے صور کے وقت زمین جب اڑ جاوے گی تو میٹھے کھاری سب دریا مل جاویں گے، اس سے یہ مطلب اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے کہ میٹھے اور کھاری دریاؤں کے نہ ملنے کا انتظام ایک وقتِ مقررہ تک ہے، مسند امام احمد، ترمذی، ابوداؤد وغیرہ میں ابوہریرہؓ سے روایت[2] ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سمندر کے پانی کو پاک فرمایا ہے، عبداللہ بن عمرؓ کی یہ ایک روایت جو مشہور ہے

[1] چند صفحے قبل بھی اس کا حوالہ گزر چکا ہے [2] مشکوٰۃ مع تنقیح الرواۃ ص ۵۸ جلد اول باب احکام المیاہ۔

وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا ؕ وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيْرًا ﴿۵۴﴾

اور وہی ہے جس نے بنایا پانی سے آدمی پھر ٹھیرایا اس کا جد اور سسرال اور ہے تیرا رب سب کر سکتا۔

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ ؕ وَكَانَ الْكَافِرُ عَلٰى رَبِّهٖ ظَهِيْرًا ﴿۵۵﴾

اور پوجتے ہیں اللہ کو چھوڑ کر وہ چیز کہ نہ بھلا کرے ان کا اور نہ برا اور ہے منکر اپنے رب کی طرف سے پیٹھ دے رہا۔

کہ سمندر کے پانی کے نیچے آگ ہے، اس لیے سمندر کے پانی سے وضو غسل کچھ جائز نہیں ہے، یہ روایت ابوداؤد میں ہے لیکن اس روایت کو امام بخاری اور خود ابوداؤد نے ضعیف قرار دیا ہے[1] صحیح مسلم و ترمذی وغیرہ میں سفینہؓ سے روایت[2] ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ پانی کے پیمانے کے اختلاف کے سبب سے دس سیر پانی کے اندازہ سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نہایا کرتے تھے اس حدیث سے علماء نے یہ بات نکالی ہے کہ آدمی کو دریا کے کنارے پر بھی زیادہ پانی سے نہ نہانا چاہیئے، اس لئے بعض علماء نے دریا کے کنارہ پر بھی زیادہ پانی سے نہانے کو حرام کہا ہے اور بعضوں نے مکروہ، یہ سفینہؓ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پروردہ ہیں جس طرح کشتی پر بوجھ لادتے ہیں اسی طرح یہ سفینہؓ اپنے ساتھ سفر میں بوجھ بہت رکھتے تھے، اس لئے لوگوں نے ان کا نام سفینہؓ رکھ دیا، اصلی نام ان کا مہران ہے، سفینہ عربی زبان میں کشتی کو کہتے ہیں۔

۵۴:۔ اس آیت میں قدرت کی ایک اور نشانی بیان فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے اولادِ آدم کا پتلا پانی جیسی پتلی چیز نطفہ سے بنایا، صحیح بخاری اور مسلم کے حوالہ سے عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث[3] کئی جگہ گزر چکی ہے کہ عورت کے رحم میں چالیس دن تک نطفہ رہ کر پھر اس کا جما ہوا خون اور پھر اس خون کا گوشت بن جاتا ہے اور اس گوشت سے بچہ کا پتلہ تیار ہو جاتا ہے، پانی جیسی پتلی چیز نطفہ سے جس طرح اولادِ آدم کا پتلہ تیار ہوتا ہے اس کا حال اس حدیث سے اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے پھر فرمایا، اولادِ آدم کے پیدا ہونے کے بعد بیاہ ہونے سے پہلے انسان کا نام باپ دادا سے چلتا ہے کہ یہ لڑکا زید کا بیٹا، یا یہ لڑکی زید کی بیٹی ہے اور بیاہ ہو جانے کے بعد لڑکا دوسرے خاندان کا داماد بن جاتا ہے اور لڑکی دوسرے خاندان کی بہو بن جاتی ہے، صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی حدیث[4] کئی جگہ گزر چکی ہے کہ دوسرے صور سے پہلے ایک مینہ برسے گا جس کی تاثیر سے ہر ایک مردہ شخص کا جسم تیار ہو جاوے گا اور پھر ہر ایک جسم میں روح پھونک کر حشر قائم ہو جاوے گا، یہ حدیث وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيْرًا کی گویا تفسیر ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ جس صاحب قدرت نے اولادِ آدم کی پہلی پیدائش کے وقت پانی جیسی پتلی چیز سے مٹی کا کام لیا، دوسری پیدائش کے وقت اس کو ایک مینہ کے پانی میں مٹی سے مٹی کا کام لینے کی تاثیر کا پیدا کر دینا کچھ مشکل نہیں ہے کیونکہ ایک مینہ کی تاثیر سے کھیتی کی پیدائش کا کام جو ہر سال لیا جاتا ہے وہ سب کی آنکھوں کے سامنے ہے۔

۵۵۔ انسان کو اس کی ضرورت کی چیزوں کو پیدا کرنے کا ذکر اوپر فرما کر اس آیت میں فرمایا کہ یہ مشرک لوگ بڑے نادان ہیں کہ اپنے

[1] نیل الاوطار ص ۲ جلد اول [2] المنتقی للمجد ابن تیمیہ مع نیل الاوطار ص ۲۱۴ جلد اول [3] مشکوٰۃ ص ۲۰
[4] مشکوٰۃ باب النفخ فی الصور۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿۵۶﴾ قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ

اور تجھ کو ہم نے بھیجا یہی خوشی اور ڈر سنانے کو تو کہہ میں نہیں مانگتا تم سے اس پر کچھ مزدوری مگر جو کوئی

شَآءَ اَنْ يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿۵۷﴾

چاہے کہ رکھے اپنے رب کی طرف راہ۔

پیدا کرنے والے کی خاص عبادت کو چھوڑ کر پتھر کی ایسی مورتوں کو اللہ تعالیٰ کی تعظیم میں شریک کرتے ہیں کہ جن کے اختیار میں کسی کا کچھ فائدہ ہے نہ نقصان اللہ تعالیٰ کے اختیار میں انسان کا جو فائدہ ہے وہ سب کی آنکھوں کے سامنے ہے کہ اس نے انسان کی سب ضرورت کی چیزوں کو اس طرح اپنی قدرت سے پیدا کیا کہ اس میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے اور اسی کے اختیار میں انسان کا جو کچھ نقصان ہے اس کا حال بھی ان لوگوں کو جتلا دیا گیا ہے کہ اس صاحب قدرت نے قوم نوح سے لے کر قوم فرعون تک بہت سی نافرمان قوموں کو طرح طرح کے عذابوں سے ہلاک کر دیا اور کوئی اس کے بھیجے ہوئے عذاب کے نقصان کو کسی طرح ٹال نہ سکا، وَكَانَ الْكَافِرُ عَلٰى رَبِّهٖ ظَهِيْرًا کی تفسیر سلف نے دو طرح سے بیان کی ہے ایک تو یہ کہ ظہیر کے معنی مددگار کے لئے جاویں جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ منکر شریعت لوگ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر کے شیطان کو مدد دیتے ہیں اور شیطان کے مددگار بنتے ہیں کیونکہ شیطان بھی چاہتا ہے جو یہ لوگ کرتے ہیں، دوسری تفسیر یہ ہے کہ ظہیر کو ظہر سے لیا جاوے جس کے معنی پیٹھ کے ہیں اس معنی کا حاصل کسی چیز سے بے پروائی کرنے اور اس کو پیٹھ کے پیچھے ڈال دینے کا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ شیطان کے بہکانے سے ان منکر شریعت لوگوں نے احکام الٰہی کو پیٹھ کے پیچھے ڈال رکھا ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے بھی ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیا کیونکہ مجبور کر کے کسی کو راہ راست پر لانا انتظام الٰہی کے برخلاف ہے، انتظام الٰہی کے موافق دنیا کو نیک و بد کے امتحان کے لئے پیدا کیا گیا ہے، کسی کو مجبور کرنے سے وہ امتحان کا موقع باقی نہیں رہتا، حافظ ابوجعفر ابن جریر نے ان دونوں طرح کے سلف کے قولوں میں سے پہلے قول کو قوی ٹھہرایا ہے اور فارسی ترجمہ میں بھی اسی قول کو لیا ہے۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے عبداللہ بن مسعود کی حدیث[1] کئی جگہ گزر چکی ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا، اللہ تعالیٰ کے اس احسان کو بھول کر جو لوگ اللہ تعالیٰ کی تعظیم میں دوسروں کو شریک کرتے ہیں ان سے بڑھ کر دنیا میں کوئی گنہ گار نہیں، جن لوگوں کا ذکر آیت میں ہے ان کی گنہ گاری کا حال اس حدیث سے اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے۔

۵۶-۵۷: اوپر کی آیت میں جن لوگوں کا ذکر تھا، جب وہ ہر وقت کی قرآن کی نصیحت کو سن کر شرک سے باز نہیں آتے تھے تو اس سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑا رنج ہوتا تھا، اس لئے فرمایا اے رسول اللہ کے رنج کی کوئی بات نہیں ہے تمہارا کام اتنا ہی ہے کہ شرک سے باز آنے والوں کو عقبیٰ کی بہبودی کی خوشی اور شرک سے باز نہ آنے والوں کو آخرت کے عذاب کا ڈر سنا دو، اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے علم غیب میں جو لوگ نیک ٹھہر چکے ہیں، ان کے دل پر ضرور قرآن کی نصیحت کا اثر ہوگا اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے علم غیب میں بد قرار پا چکے ہیں، وہ مرتے دم تک برے کاموں کو اچھا جانتے رہیں گے اور قرآن کی نصیحت کا کچھ اثر ان کے دل پر پیدا نہ ہوگا، پھر فرمایا ان لوگوں سے یہ بھی کہہ دیا جاوے کہ میں اس نصیحت کی کچھ مزدوری تم لوگوں سے نہیں مانگتا تاکہ اس مزدوری

[1] نیز مشکوٰۃ باب الکبائر و علامات النفاق۔

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهِ ۚ وَكَفَىٰ بِهِ بِذُنُوبِ عِبَادِهِ

اور بھروسہ رکھ اس جیتے پر جو نہیں مرتا اور یاد کر اس کی خوبیاں اور وُہ بس ہے اپنے بندوں کے گناہوں سے

خَبِيرًا ﴿٥٨﴾ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ

خبردار جس نے بنائے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے بیچ میں ہے چھ دن میں پھر قائم ہوا

عَلَى الْعَرْشِ ۚ الرَّحْمَٰنُ فَاسْأَلْ بِهِ خَبِيرًا ﴿٥٩﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اسْجُدُوا لِلرَّحْمَٰنِ

تخت پر وُہ بڑی مہر والا سو پوچھ اس سے جو اس کی خبر رکھتا ہو اور جب کہیے ان کو سجدہ کرو رحمٰن کو

قَالُوا وَمَا الرَّحْمَٰنُ أَنَسْجُدُ لِمَا تَأْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُورًا ۩ ﴿٦٠﴾

کہیں رحمٰن کیا ہے کیا سجدہ کرنے لگیں ہم جس کو تو فرمائے گا اور بڑھتا ہے ان کا بدکنا ۔

کے بدلے تم کو قرآن کی نصیحت کا سننا شاق گزرے، پابند شریعت بن کر عقبیٰ کی بہبودی کی نیت سے کوئی شخص صدقہ وخیرات کرے، وُہ اور بات ہے مگر مجھ کو موافق، مخالف کسی سے نصیحت کی مزدوری کا لینا جائز نہیں ہے، صحیح بخاری ومسلم کے حوالہ سے حضرت علیؓ کی حدیث کئی جگہ گزر چکی ہے کہ دُنیا کے پیدا کرنے سے پہلے اپنے علم غیب کے نتیجہ کے طور پر اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں یہ لکھ لیا ہے کہ دُنیا میں پیدا ہونے کے بعد کون شخص جنت میں جانے کے قابل کام کرے گا اور کون دوزخ میں جھونکے جانے کے قابل، اب جس قابل ہر ایک شخص پیدا ہُوا ہے، مرتے دم تک ویسے ہی کام اس سے بن آتے ہیں، اس حدیث کو آیتوں کے ساتھ ملانے سے یہ مطلب ہُوا کہ مشرکین مکہ میں سے جو لوگ اللہ کے علم غیب میں بد اور دوزخ میں جھونکے جانے کے قابل ٹھہر چکے تھے، اگرچہ ہر وقت ان کو قرآن کی نصیحت سنائی گئی اور یہی جتلایا گیا کہ اس نصیحت پر کوئی مزدوری تم لوگوں سے نہیں مانگی جاتی، لیکن مرتے دم تک وُہ شرک سے باز نہ آئے جس جرم کی سزا میں ہمیشہ کے لئے دوزخی قرار پاکر دُنیا سے اُٹھ گئے ۔

۵۸۔۶۰: توکل کے معنی اللہ پر بھروسہ رکھنے کے ہیں، وعظ ونصیحت پر اجرت لینے کی مناہی فرما کر ان آیتوں میں فرمایا اے رسُول اللہ کے تم تو اپنے سب کاموں کا بھروسہ اللہ پر رکھو کہ اس کی ذات ہمیشہ رہنے والی ہے اور اللہ کے انتظام میں ہر کام کا وقت مقرر ہے، اس واسطے کسی کام کا بھروسہ اللہ کی ذات پر رکھنے کے بعد اگر اس کام میں کچھ دیر ہو تو وقت مقررہ تک صبر کرنا چاہیئے تاکہ اللہ پر بھروسہ رکھنے کا اور صبر کا دونوں کا اجر ملے[1] صحیح بخاری وغیرہ کے حوالہ سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے کہ اللہ پر بھروسہ رکھنے والے لوگ قیامت کے دن بلاحساب جنت میں جاویں گے، بخاری ومسلم میں ابوسعید خدریؓ سے روایت[2] ہے کہ صبر سے بہتر کوئی چیز دنیا میں انسان کو نہیں دی گئی، مطلب یہ ہے کہ جب تک آدمی کے مزاج میں صبر نہ ہو تو نہ آدمی گناہ سے بچنے کی برداشت کر سکتا ہے نہ نیک کاموں کے کرنے کی تکلیف گوارا کر سکتا ہے کہ مثلاً جاڑہ میں وضو کرے یا گرمی میں روزہ رکھے ان حدیثوں سے توکل اور صبر کی فضیلت اچھی طرح سمجھ میں آجاتی ہے اور یہ بات بھی سمجھ میں آجاتی ہے کہ توکل کے لئے صبر لازمی ہے پھر فرمایا اے رسُول اللہ کے اللہ تعالیٰ نے تم کو خاتم الانبیاء بنانے کی نعمت جو دی ہے اس کے شکریہ میں تم کثرت سے اللہ کی عبادت کیا کرو صحیح بخاری ومسلم میں مغیرہؓ بن شعبہ سے روایت[3] ہے کہ تہجد کی نماز میں اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم یہاں تک کھڑے ہوتے تھے

[1] مشکوٰۃ باب التوکل والصبر [2] مشکوٰۃ ص ۱۶۲ باب من لاتحل لہ المسئلۃ ومن تحل لہ [3] مشکوٰۃ باب التحریض علی قیام اللیل ۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْ جَعَلَ فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِيْهَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا مُّنِيْرًا ﴿٦١﴾

بڑی برکت ہے اس کی جس نے بنائے آسمان میں بُرج اور رکھا اس میں چراغ اور چاند اجالا کرنے والا۔

کہ آپ کے پیروں پر ورم آجاتا تھا، یہ حالات دیکھ کر لوگوں نے آپ سے کہا کہ حضرت اللہ تعالیٰ نے تو آپ کے اگلے پچھلے سب گناہ بخش دیئے ہیں، پھر آپ عبادت میں اس قدر کوشش کیوں کرتے ہیں اس کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکریہ ادا نہ کروں، نبوت کے شکریہ میں کثرت سے عبادت کرنے کا جو حکم ہے اس کی تعمیل میں اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم جس قدر کوشش کرتے تھے اس کی تفسیر اس حدیث سے اچھی طرح سمجھ میں آسکتی ہے صحیح مسلم کے حوالہ سے ابوموسیٰ اشعریؓ کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے[1] کہ لوگوں کے رات کے عملوں کا اعمال نامہ دن سے پہلے اور دن کے عملوں کا اعمال نامہ رات سے پہلے اللہ تعالیٰ کے ملاحظہ میں پیش ہوتا ہے، آگے یہ جو فرمایا کہ لوگوں کے سب گناہوں کی اللہ کو خبر ہے، اس کی تفسیر اس حدیث سے اچھی طرح سمجھ میں آجاتی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ کے علم غیب سے کوئی چیز باہر نہیں ہے مگر قیامت کے دن لوگوں کو قائل کرنے اور ہر شخص کو اس کے عمل یاد کرانے کے لئے ہر روز صبح و شام لوگوں کے اعمال نامے اللہ تعالیٰ کے روبرو میں پیش ہوجاتے ہیں قیامت کے دن ان ہی اعمال ناموں کے موافق جزا و سزا کا فیصلہ ہوجاوے گا، آگے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے چھ دن میں آسمان و زمین سب کچھ پیدا کیا، اس واسطے آسمان و زمین میں کوئی چیز اس کے علم سے باہر نہیں ہوسکتی۔ اے رسول اللہ کے تم کو جو بات معلوم نہ ہو وہ اللہ ہی سے پوچھو کہ تمام مخلوقات اسی کی پیدا کی ہوئی ہے اور اسی کو تمام مخلوقات کا پورا حال معلوم ہے اگر اللہ چاہتا تو ایک لحظہ میں آسمان و زمین سب کچھ پیدا کر دیتا لیکن چھ دن کی مدت میں آسمان و زمین کے پیدا کرنے میں یہ حکمت ہے کہ انسان اس عادتِ الٰہی کو سیکھ کر ہر کام سہولت سے کرے کسی کام میں عادت سے بڑھ کر جلدی نہ کرے کہ اس طرح کی جلدی شیطان کی عادت میں داخل ہے چنانچہ مسند ابی یعلی میں انسؓ بن مالک کی صحیح روایت[2] ہے جس میں اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر کام میں سہولت عادتِ الٰہی ہے اور حد سے زیادہ جلدی عادتِ شیطانی ہے، استوا علی العرش اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے اور اس طرح کی صفات کی آیتیں متشابہات کہلاتی ہیں، سورہ آلِ عمران میں گزر چکا ہے کہ اس طرح کی آیتوں پر ایمان لانا اور ان کی تفصیلی کیفیت کو علمِ الٰہی پر منحصر رکھنا صحابہؓ اور تابعینؒ کا طریقہ ہے اوپر اللہ تعالیٰ کی مہربانیوں کا ذکر تھا کہ اس نے اپنی مہربانی سے انسان کو انسان کی سب ضرورت کی چیزوں کو پیدا کیا اور یہ بھی ذکر تھا کہ اللہ تعالیٰ کی مہربانیوں اور نعمتوں کا شکریہ یہی ہے کہ خالص دل سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے آخر آیت میں فرمایا، اللہ تعالیٰ کی مہربانی کی صفت کے سبب سے اس کا نام رحمان بھی ہے لیکن ان مشرکینِ مکہ کے روبرو جب اللہ تعالیٰ کا یہ نام لیا جاتا ہے تو یہ لوگ بہت بدکتے ہیں حالانکہ یہ مشرک لوگ اہلِ کتاب سے ملتے رہتے ہیں جس سے ان کو یہ معلوم ہوچکا ہے کہ تورات میں اللہ تعالیٰ کا یہ نام موجود ہے اس آیت کے پڑھنے والے اور سننے والے دونوں کو یہاں سجدہ کرنا چاہیئے۔

۶۱-۶۲:- ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی ایک اور نشانی بیان فرمائی، سورہ یونس اور سُورۃ الحجر میں گزر چکا ہے کہ آسمان میں بارہ بُرج ہیں اور ہر بُرج میں تیس تیس درجے، سورج ہر روز میں ایک درجہ کو اور ایک سال میں بارہ برجوں کو طے کرتا ہے، سورج کے اس دورہ سے جاڑا، گرمی، برسات کی فصلیں ہوتی ہیں جس دورہ کو سورج برس دن میں طے کرتا ہے اس کو چاند اٹھائیس دن میں طے کرتا

[1] الترغیب والترہیب ص ۴۱۸ جلد ۳ کتاب الآداب۔ [2] بحوالہ مشکوٰۃ ص ۲۱۔

وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ أَرَادَ أَن يَذَّكَّرَ أَوْ أَرَادَ شُكُورًا ﴿٦٢﴾

اور وہی ہے جس نے بنائے رات اور دن بدلتے اس کے واسطے جو چاہے دھیان رکھنا یا چاہے شکر کرنا۔

وَعِبَادُ الرَّحْمَٰنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ

اور بندے رحمٰن کے جو چلتے ہیں زمین پر دبے پاؤں اور جب بات کرنے لگیں ان سے بے سمجھ لوگ

قَالُوا سَلَامًا ﴿٦٣﴾ وَالَّذِينَ يَبِيتُونَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَقِيَامًا ﴿٦٤﴾ وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا

کہیں صاحب سلامت اور وہ جو رات کاٹتے ہیں اپنے رب کے آگے سجدے میں اور کھڑے اور وہ جو کہتے ہیں اے رب

اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ﴿٦٥﴾ إِنَّهَا سَاءَتْ مُسْتَقَرًّا

ہٹا ہم سے دوزخ کا عذاب بے شک اس کا عذاب بڑی چٹی ہے وہ بری جگہ ہے ٹھیراؤ کی

ہے اور جس طرح سورج کا دورہ فصلوں کے ہے، اسی طرح چاند کا دورہ مہینوں اور سال کے حساب کے لئے ہے، چاند کے دورہ کے حساب سے جو بارہ مہینے پیدا ہوتے ہیں اسلام سے پہلے مشرکین مکہ نے اس حساب کو بدل ڈالا تھا، ملت ابراہیمی میں جو مہینے لڑائی کی ممانعت کے تھے، ان مہینوں میں اگر لڑائی کی ضرورت پڑجاتی تھی تو مثلاً محرم کا نام صفر رکھ کر محرم میں لڑائی جائز کر لیتے تھے، سورۃ التوبہ میں اس کا ذکر تفصیل سے گزر چکا ہے اور صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث بھی گزر چکی ہے کہ حجۃ الوداع کے وقت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رسم کو موقوف کر دیا، اگرچہ بعض سلف نے برجوں کے معنی تاروں کے کئے ہیں، لیکن حافظ ابوجعفر ابن جریر نے اسی قول کو ترجیح دی ہے کہ برجوں کے معنی بڑے مکانوں[1] کے ہیں سورۃ النساء میں بروج کا لفظ مکانوں کے معنی میں آچکا ہے جس سے حافظ ابوجعفر ابن جریر کی ترجیح صحیح معلوم ہوتی ہے چراغ سے مطلب سورج ہے، حسن بصری کے قول کے موافق رات کا دن کے بدلہ میں اور دن کا رات کے بدلہ میں آنے کا یہ مطلب ہے کہ جس شخص کی رات کی کوئی عبادت فوت ہو جاوے تو دن کو اور دن کی کوئی عبادت فوت ہو جاوے تو رات کو اسے پورا کر لیوے، رات دن کے ذکر کے بعد یاد الٰہی اور شکر گزاری کا تذکرہ جو فرمایا اس سے حسن بصری کے قول کی پوری تائید ہوتی ہے، صحیح مسلم میں ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت[2] ہے، جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ ہر رات کو اپنی رحمت[3] کا ہاتھ اس لئے پھیلاتا ہے کہ دن کا گنہگار رات کو توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اپنے رحمت کے ہاتھ سے اس کے گناہوں کو مٹا دیوے اور دن کو اپنی رحمت کا ہاتھ اسی طرح رات کے گناہوں کی معافی کے لئے پھیلاتا ہے، رات کا دن کے بدلے اور دن کا رات کے بدلہ میں آنے کا مطلب اس حدیث کے موافق یہ ہے کہ رات کے گناہوں کی توبہ کے لئے دن اچھا بدلہ ہے اور دن کے گناہوں کی توبہ کے لئے رات اچھا بدلہ ہے

۶۳۔۶۷: اوپر ان لوگوں کا ذکر تھا، جن کے روبرو اللہ کی صفت رحمٰن بیان کی جاتی تھی، تو وہ بدکتے تھے، ایسے لوگوں کے قائل کرنے کے لئے ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے رحمٰن کے بندوں کے پتے سے اپنے نیک بندوں کی یہ چند صفتیں بیان فرمائیں کہ وہ لوگ جب زمین پر چلتے پھرتے ہیں تو اترا کر نہیں چلتے، صحیح بخاری و مسلم میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت[4] ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

---

[1] تفسیر ابن جریر ص ۳۰ ج ۱۹ [2] صحیح مسلم ص ۳۵۸ بروایت حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ [3] مشکوٰۃ باب الجلوس والنوم والمشی [4] حدیث کے لفظ یبسط یدہ کے ہیں جس کے معنی ہیں "ہاتھ پھیلاتا ہے" "رحمت" تاویل ہے، جس کی مسلک اہلحدیث میں گنجائش نہیں، بلاکیف ماننا چاہیئے (ع۔ح)

وَّمُقَامًا ﴿٦٦﴾ وَالَّذِينَ إِذَآ أَنفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَٰلِكَ

اور بُری جگہ رہنے کی اور وُہ کہ جب خرچ کرنے لگیں نہ اڑا دیں اور نہ تنگی کریں اور ہے اس کے بیچ ایک

قَوَامًا ﴿٦٧﴾ وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ

سیدھی گزران اور وُہ جو نہیں پکارتے اللہ کے ساتھ اور حاکم کو اور نہیں خون کرتے جان کا جو منع کی اللہ نے

پچھلی امتوں میں سے بعض اترا کر چلنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے زمین میں دھنسا دیا ہے، اس حدیث سے یہ مطلب اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے کہ زمین پر اترا کر چلنے پھرنے کی عادت اللہ تعالیٰ کو بہت ناپسند ہے، اسی واسطے جن لوگوں میں یہ عادت نہیں ہے ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف فرمائی ہے، پھر فرمایا، ان رحمٰن کے بندوں میں یہ بھی اچھی عادت ہے کہ جب کوئی ناسمجھ آدمی ان سے سخت بات کہہ دے تو وُہ نرم جواب سے اس کو ٹال دیتے ہیں، صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت[۱] ہے جس میں اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، درگزر کرنے والے شخص کی اللہ تعالیٰ عزت بڑھا دیتا ہے، اس حدیث سے درگزر کی عادت کا اچھا پن اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے پھر فرمایا، ان رحمٰن کے بندوں میں یہ بھی اچھی عادت ہے کہ وُہ رات کو نماز پڑھتے رہتے ہیں، صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت[۲] ہے جس میں اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، فرض نماز کے بعد رات کی نماز افضل ہے، اس سے رات کی نماز کی فضیلت اچھی طرح سمجھ میں آجاتی ہے، پھر فرمایا ان رحمٰن کے بندوں میں یہ بھی عادت ہے کہ دوزخ کے عذاب سے بچنے کی دُعا مانگتے رہتے ہیں کیونکہ انہیں معلوم ہے کہ دوزخ بُرا ٹھکانہ ہے اور اس کا عذاب سخت ہے، صحیح بخاری و مسلم میں ابو ہریرہؓ سے روایت[۳] ہے جس میں اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص دوزخ کی آگ سے پناہ مانگتا رہے گا تو اللہ تعالیٰ اسے دوزخ کی آگ سے بچا دے گا، اس حدیث سے دوزخ کے عذاب سے بچنے کی دُعا کا فائدہ اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے، پھر فرمایا ان رحمٰن کے بندوں میں یہ بھی عادت ہے کہ وُہ اللہ کے دیئے ہوئے میں سے خرچ کرتے وقت اور خرچ کرنے سے ہاتھ روکتے وقت شریعت کی حد سے نہیں بڑھتے[۴] صحیح بخاری و مسلم میں ابو ہریرہؓ[۵] اور معتبر سند سے مسند امام احمد میں عبداللہ بن عباسؓ سے جو روایتیں[۶] ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ نیک کام میں خرچ کرنے والوں کے مال بڑھتے اور ایسے خرچ سے ہاتھ روکنے والوں کے مال کے گھٹ جانے کے لئے ہر روز اللہ کے دو فرشتے دُعا مانگتے رہتے ہیں مگر جس شخص کے ذمہ کسی کا کچھ قرض ہو تو اس کو چاہیے کہ قرض کی ادائی کے موافق مال بچا کر خیرات کرے آیتوں کے مطلب میں اوپر جو یہ بیان کیا گیا کہ خرچ کرنے میں اور خرچ سے ہاتھ روکنے میں شریعت کی حد سے نہ بڑھنا چاہیئے اس کی تفسیر ان روایتوں سے اچھی طرح سمجھ میں آجاتی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مثلاً کوئی قرضدار ادائے قرضہ کا خیال نہ رکھے اور اپنا سارا مال صدقہ خیرات میں خرچ کر دے تو وُہ اس خرچ میں گویا حد شریعت سے بڑھ گیا، اسی طرح ہر طرح کی گنجائش کے ہوتے ہوئے جو شخص صدقہ، خیرات سے ہاتھ کو روکے گا تو وُہ بھی خرچ سے ہاتھ کو روکنے میں یہاں تک حد شریعت سے دُور جا پڑے گا کہ ایسے شخص کے مال کے گھٹ جانے کی بد دُعا اللہ کے فرشتوں کی زبان سے نکلے گی۔

۶۸-۷۷: صحیحین میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت[۷] سے جو شان نزول اس آیت کی بیان کی گئی ہے، اس میں عبداللہ بن مسعودؓ

---

[۱] مشکوٰۃ ص ۴۱۹ باب البر والصلۃ فصل اوّل کی آخری حدیث [۲] مشکوٰۃ باب صیام التطوع [۳] مشکوٰۃ ص ۱۹۲ باب ذکر اللہ والتقرب الیہ [۴] مشکوٰۃ ص ۱۶۴ باب الانفاق وکراھیۃ الامساک [۵] مجمع الزوائد ص ۱۲۳ ج ۳ [۶] مشکوٰۃ باب الکبائر وعلامات النفاق

اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ﴿۶۸﴾ يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ

مگر جہاں چاہیئے اور بدکاری نہیں کرتے اور جو کوئی کرے یہ کام وہ بھڑے گناہ سے دونا ہو اس کو عذاب

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ﴿۶۹﴾ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا

دن قیامت کے اور پڑا رہے اس میں خوار ہو کر مگر جس نے توبہ کی اور یقین لایا اور کیا کچھ کام نیک

فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۷۰﴾ وَمَنْ تَابَ

سو ان کو بدل دے گا اللہ برائیوں کی جگہ بھلائیاں اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان اور جو کوئی توبہ کرے

کہتے ہیں کہ ایک روز میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ حضرت دنیا میں سب سے بڑا گناہ کون سا ہے، آپ نے فرمایا کہ جس اللہ نے بندے کو پیدا کیا، ایک تو اس کی عبادت یا قدرت میں کسی دوسرے کو شریک ٹھہرانا بڑا گناہ ہے۔ میں نے پوچھا، اس کے بعد کون سا بڑا گناہ ہے آپ نے فرمایا، تنگدستی کے خوف سے آدمی کا اپنی اولاد کو قتل کر ڈالنا، میں نے پوچھا، پھر اس کے بعد کون سا گناہ بڑا ہے، آپ نے فرمایا، پڑوس کی عورت سے بدکاری کا کرنا، آپ کے اس قول کی تصدیق میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی، بعض مفسروں نے اس شان نزول میں یہ شبہ جو پیدا کیا ہے کہ آیت میں تو عام طور کے قتل اور زنا کا ذکر ہے اور حدیث میں خاص طور پر اولاد کے قتل اور پڑوس کی عورت سے زنا کا ذکر ہے، پھر حدیث کی تصدیق آیت سے کیونکر نکل سکتی ہے اس کا جواب حافظ ابن حجر نے فتح الباری[1] میں یہ دیا ہے کہ جب آیت سے عام طور کا قتل اور زنا گناہ ٹھہرا، اور شریعت میں اولاد کے ساتھ شفقت کرنے کا اور پڑوس کی عزت و حرمت کا پاس رکھنے کا حکم ہے تو اولاد کا قتل کرنا اور پڑوس کی عورت سے بدکاری کا کرنا بہت بڑا گناہ ٹھہرا، اس طرح آیت سے حدیث کی تصدیق نکل آئی اس آیت میں توبہ کے ذکر کا جو ٹکڑا ہے حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت سے صحیح بخاری[2] میں اس ٹکڑے کی شان نزول یوں بیان کی گئی ہے کہ جب اوپر کا ٹکڑا آیت کا نازل ہوا تو قریش نے کہا کہ ہم نے تو شرک قتل اور زنا سب کچھ کیا ہے پھر ہمارے لئے دائرۂ اسلام میں داخل ہونا کیا مفید ہو سکتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ توبہ کے ذکر کا ٹکڑا نازل فرمایا اور یہ تو اوپر گزر چکا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اس بات کے قائل ہیں کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو قتل کر ڈالے تو اس کی توبہ قبول نہیں لیکن جمہور سلفؒ کا عقیدہ یہی ہے کہ توبہ سب کی قبول ہوتی ہے فقط اتنا ہے کہ مسلمان کا مسلمان کو قتل کرنا بڑا گناہ ہے اور اس کی توبہ کا قبول کرنا اور قاتل کو بغیر مواخذہ کے بخش دینا، اللہ تعالیٰ کی مرضی پر منحصر ہے حاصل مطلب ان آیتوں کا یہ ہے کہ رحمٰن کے بندوں کی یہ بھی عادت ہے کہ وہ نہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں کسی دوسرے کو شریک کرتے ہیں نہ بغیر حکم شریعت کے کسی کے قتل کے درپے ہوتے ہیں، حکم شریعت میں ایک تو قاتل کا قتل کرنا بطور قصاص کے آیا ہے یا اس شخص کو جو اسلام سے پھر جاوے یا بیاہے ہوئے بدکار مرد عورت کا، پھر فرمایا ان رحمان کے بندوں کی عادت بدکاری کی بھی نہیں ہے، پھر فرمایا، جو شخص شرک، قتل ناحق اور بدکاری میں گرفتار ہو گا اور اسی حال میں مر جاوے گا تو ایسا شخص شرک کے سبب سے ہمیشہ دوزخ میں رہے گا اور سوائے شرک کے اور گناہوں کی سزا جدا اس کو بھگتنی پڑے گی، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا

[1] فتح الباری ص ۲۸۵ تفسیر سورۃ الفرقان [2] باب قولہ یضاعف لہ العذاب الآیۃ۔ من کتاب التفسیر۔
[3] فتح الباری ص ۲۸۶ ج ۴۔

وَعَمِلَ صَالِحًا فَإِنَّهُ يَتُوبُ إِلَى اللَّهِ مَتَابًا ﴿٧١﴾ وَالَّذِينَ لَا يَشْهَدُونَ الزُّورَ وَ

اور کرے کام نیک سو وہ پھر آتا ہے اللہ کی طرف پھر آنے کی جگہ اور وہ جو شامل نہیں ہوتے جھوٹے کام میں اور

إِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَامًا ﴿٧٢﴾ وَالَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوا عَلَيْهَا

جب ہو نکلیں کھیل کی باتوں پر نکل جاویں بزرگی رکھ کر اور وہ جب کہ ان کو سمجھائیے ان کے رب کی باتیں نہ ہو پڑیں ان پر

صُمًّا وَعُمْيَانًا ﴿٧٣﴾ وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا

بہرے اندھے اور وہ جو کہتے ہیں اے رب دے ہم کو ہماری عورتوں کی طرف سے اور اولاد کی طرف سے

وعدہ ہے کہ مشرک کی کسی طرح بخشش نہیں ہے، ہاں مرنے سے پہلے جو شخص ان باتوں سے توبہ کرے گا اور شرک کو چھوڑ کر ایماندار بن جائے گا اور اپنی توبہ کو سچا کرنے کے لئے توبہ کے بعد نیک کاموں میں مصروف رہے گا تو اللہ تعالیٰ اس شخص کی برائیوں کو اس طرح بھلائیوں سے بدل دے گا کہ ایسے شخص کے شرک کے زمانے کے سب گناہ معاف کر دے گا اور آئیدہ گناہوں کی جگہ نیک کاموں کی توفیق دے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے فَأُولَٰئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ کی یہی تفسیر[1] حضرت عبداللہ بن عباس کے صحیح قول کے موافق ہے، جو اوپر بیان کی گئی ہے۔ پھر فرمایا جو شخص خالص دل سے توبہ کرتا ہے اور توبہ کے بعد اپنی توبہ کو سچا کرنے کے لئے نیک کاموں میں لگا رہتا ہے۔ اسی کی توبہ خالص ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو شخص توبہ کے بعد بھی توبہ سے پہلے جیسے کاموں میں لگا رہے گا تو اس کی توبہ کسی کام کی نہیں۔ معتبر سند سے طبرانی میں ابوذرؓ سے روایت[2] ہے، جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص توبہ کے بعد پورا نیک بن گیا تو اس کے پچھلے گناہ معاف ہو جاویں گے، نہیں تو اگلے پچھلے سب گناہوں کا مؤاخذہ ہوگا، اس حدیث سے وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَإِنَّهُ يَتُوبُ إِلَى اللَّهِ مَتَابًا کا مطلب وہی قرار پاتا ہے جو اوپر بیان کیا گیا، بُری بات یا بُری چیز کو اچھی صورت میں ظاہر کرنا، اس کو زور اور جھوٹی بات جھوٹی ہی صورت میں ہو تو اس کو لغو کہتے ہیں، اس میں شرک اور بتوں کی جھوٹی تعظیم اور سب گناہ داخل ہیں، اس لئے آگے کی آیت کا حاصل مطلب یہ ہے کہ شیطان نے شرک جیسی بُری چیز کو اچھی صورت میں ظاہر کیا ہے، وہ رحمان کے بندے اس کو جھوٹی بات جان کر شرک کے پاس نہیں پھٹکتے اور منکر شریعت لوگوں کو خلافِ شریعت باتیں کرتے ہوئے دیکھتے ہیں تو لڑائی کا حکم نہ ہونے کے سبب سے درگزر کر جاتے ہیں، پھر فرمایا، ان رحمان کے بندوں میں یہ بھی اچھی عادت ہے کہ منکرِ شریعت لوگوں کی طرح دین کے سننے کی باتوں کو بہرے بن کر نہیں سنتے اور آنکھوں سے دیکھنے کی قدرت کی نشانیوں کو اندھے بن کر نہیں دیکھتے بلکہ جو کچھ سنتے اور دیکھتے ہیں، ان کے دل پر اس کا اثر ہوتا ہے، پھر فرمایا ان رحمٰن کے بندوں میں ایسے لوگ بھی ہیں جو خود تو دائرہ اسلام میں داخل ہوگئے ہیں مگر ان کی بیوی بچے ابھی نعمتِ اسلام سے محروم ہیں اس لئے یہ رحمٰن کے بندے اپنی بیوی بچوں کے حق میں یہ دعا کرتے رہتے ہیں کہ یا اللہ ہم کو ہمارے بیوی بچوں کی طرف سے یہ آنکھوں کی ٹھنڈک دے کہ ہم اپنی آنکھوں سے ان کو ایماندار پرہیزگار دیکھ لیں اور ہم کو ان پرہیزگاروں کا امام اور پیشوا بنا دے مطلب یہ ہے کہ ہم کو پرہیزگاری کی زیادہ توفیق

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۳۲۷ ج ۳ [2] الترغیب والترہیب ص ۱۰۵ ج ۴

قُرَّةَ اَعۡيُنٍ وَّاجۡعَلۡنَا لِلۡمُتَّقِيۡنَ اِمَامًا ﴿۷۴﴾ اُولٰٓـئِكَ يُجۡزَوۡنَ الۡغُرۡفَةَ بِمَا صَبَرُوۡا وَ

آنکھ کی ٹھنڈک اور کر ہم کو پرہیزگاروں کے آگے ۔ ان کو بدلہ ملے گا کوٹھوں کے جھروکے اس پر کہ ٹھہرے رہے اور

يُلَقَّوۡنَ فِيۡهَا تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا ﴿۷۵﴾ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا‌ ؕ حَسُنَتۡ مُسۡتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴿۷۶﴾

لیتے آویں گے ان کو وہاں دُعا اور سلام کہتے رہا کریں اس میں خوب جگہ ہے ٹھہراؤ کی اور خوب جگہ رہنے کی ۔

دے تاکہ ہمارے بیوی بچے ایماندار اور پرہیزگار بن جانے کے بعد زیادہ پرہیزگاری کی باتیں ہم سے سیکھیں، آگے ان رحمان کے بندوں کا بھی انجام فرمایا کہ انہوں نے دنیا میں دین کی پابندی کے سبب سے طرح طرح کی تکلیفیں جو اٹھائی تھیں، ان کے بدلہ میں ان کو جنت میں جھروکہ دار اونچے محل دیئے جاویں گے، عبادہؓ بن الصامت کی ترمذیؒ وغیرہ کی صحیح روایت کے حوالہ سے اس تفسیر میں یہ کئی جگہ بیان کر دیا گیا ہے کہ جنت کے سو درجے ہیں، اور نیچے کے درجے سے اوپر کے درجے تک پانچ سو برس کے راستہ کا فاصلہ ہے، صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابوسعیدؓ خدری کی روایت[1] ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جنت کے نیچے کے درجے والے لوگوں کو اوپر کے درجے کے لوگ اس طرح نظر آویں گے جس طرح زمین پر سے آسمان کے تارے نظر آتے ہیں، اس حدیث سے جنت کے محلوں کی بلندی اچھی طرح سمجھ میں آسکتی ہے، سورۃ الانبیاء اور سورۃ الزمر کی آیتوں کا حاصل یہ ہے کہ جب جنتی لوگ جنت میں جانے لگیں گے تو جنت پر تعینات فرشتے جنتیوں کے استقبال کے لئے جنت کے دروازہ پر آن کھڑے ہوں گے اور سلام علیکم کے بعد جنت میں داخل ہونے اور وہاں پر ہمیشہ رہنے کی جنتیوں کو مبارک باد دیویں گے اور یہ کہیں گے کہ دُنیا میں جس جنت کے ملنے کا تم سے وعدہ تھا، آج اس جنت میں داخل ہونے کا دن ہے، سورۃ الانبیاء اور سورۃ الزمر کی آیتیں يُلَقَّوۡنَ فِيۡهَا تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا کی گویا تفسیر ہے، صحیح مسلم میں ابوہریرہؓ سے روایت[2] ہے، جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب جنتی لوگ جنت میں داخل ہو جاویں گے تو اللہ کے فرشتے ڈھنڈورہ کے طور پر پکار پکار کر کہیں گے کہ اب تم لوگ ہمیشہ صحت و سلامتی سے اس عیش و آرام میں رہو گے، اس حدیث سے یہ مطلب اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے کہ جنتیوں کو جنت میں رہنے کا حکم قیامت کے دن ڈھنڈورے کے طور پر سنا دیا جاوئے گا، صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے انسؓ بن مالک کی حدیث کئی جگہ گزر چکی ہے کہ جنت میں تھوڑی سی جگہ تمام دُنیا سے بہتر ہے، یہ حدیث حَسُنَتۡ مُسۡتَقَرًّا وَّمُقَامًا کی گویا تفسیر ہے، صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے معاذؓ بن جبل کی روایت کئی جگہ گزر چکی ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ وہ اس کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کریں، اس حق کے پورا ہو جانے کے بعد بندوں کا حق اللہ تعالیٰ پر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو دوزخ کے عذاب سے بچاوے، اس حدیث کو آخری آیت کے ساتھ ملانے سے یہ مطلب ہوا کہ یہ مشرکین اللہ تعالیٰ کی عبادت میں غیروں کو جو شریک کرتے ہیں اور اللہ کے کلام اور اس کے رسول کو جھٹلاتے ہیں تو ان کا اللہ تعالیٰ پر کچھ یہ حق نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو دوزخ کے عذاب سے بچاوے، اس واسطے اللہ تعالیٰ کو ان کے ہمیشہ دوزخ میں جلنے کی کچھ پرواہ نہیں، مشرکین میں کے بڑے بڑے کلام الٰہی اور اللہ کے جھٹلانے والوں پر دُنیا اور آخرت کا یہ عذاب بدر کی لڑائی

[1] مشکوٰۃ، باب صفۃ الجنۃ واہلہا۔ [2] ایضاً [3] ایضاً

قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّي لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ ۚ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُونُ لِزَامًا ﴿٧٧﴾ ع

تو کہہ پرواہ نہیں رکھتا میرا رب تمہاری اگر تم نہ پکارا کرو سو تم جھٹلا چکے اب آگے ہوتا ہے بھنٹیا

میں آیا کہ اس لڑائی میں یہ لوگ دُنیا میں بڑی ذلت سے مارے گئے اور مرتے ہی عذاب آخرت میں گرفتار ہو گئے، جس عذاب کے جتلانے کے لئے اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کی لاشوں پر کھڑے ہو کر فرمایا کہ اب تو تم لوگوں نے اللہ کے وعدہ کو سچا پالیا، چنانچہ صحیح بخاری و مسلم کی انسؓ بن مالک کی روایت سے یہ بدر کی لڑائی کا قصّہ کئی جگہ گزر چکا ہے،
حاصل کلام یہ کہ اکثر سلف نے فَسَوْفَ یَکُوْنُ لِزَامًا کے وعدہ کا ظہور اسی بدر کی لڑائی کو قرار دیا ہے اور شاہ صاحب نے ترجمہ میں اسی قول کو لے کر لِزَامًا کا ترجمہ بھنٹیا کیا اور فائدہ میں اس کا مطلب لڑائی کا بتلایا ہے، سلف کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ لِزَامًا کے معنی لازمی اور دائمی عذاب کے، جن کا ظہور مشرکین مکّہ میں کے بڑے بڑے سرکش سرداروں کے حق میں بدر کی لڑائی کے وقت ہُوا، سورۂ فرقان ختم ہوئی۔

اشاریہ روایات

بسم الله الرحمن الرحيم
قل أعوذ برب الفلق من شر ما خلق ومن شر
غاسق إذا وقب ومن شر النفاثات
في العقد ومن شر حاسد إذا حسد

بسم الله الرحمن الرحيم
قل أعوذ برب الناس ملك الناس اله
الناس من شر الوسواس الخناس الذي
يوسوس في صدور الناس من الجنة والناس

وَقفٌ فِی سبیلِ اللہ
ہدیہ منجانب
بلالؒ گروپ آف انڈسٹریز
لاہور کراچی
۱۰- سی فیلڈ روڈ - کراچی —— ۸۸ - اے مین گلبرگ - لاہور
Tel: 5716134-6
Fax: 5711530
Tel: 512529
513311